تفسیر قرطبی مترجم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ○ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
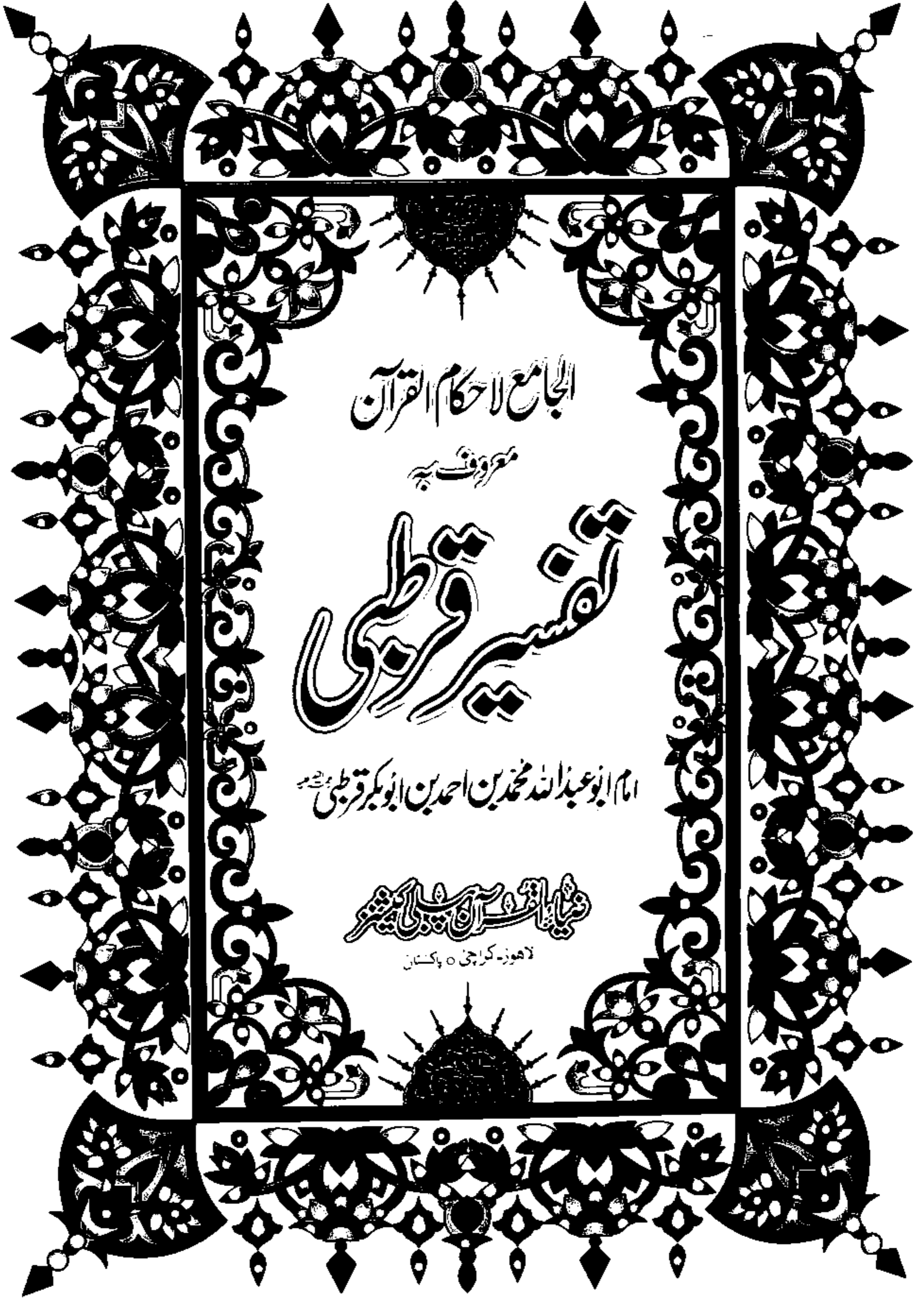
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی
جلد سوم

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان　　مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی　　مولانا شوکت علی چشتی

زیر اہتمام:

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد سوم)
مفسر	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی
	مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، بار اول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔37247350۔ فیکس042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔ فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

الحمد لله الذی انزل الکتاب علی نذیر للعالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین

سورۃ النساء

(آیاتھا ۱۷۶) (۴ سورۃ النساء مدنیۃ ۹۲) (رکوعاتھا ۲۴)

یہ سورۃ، ایک آیت کے سوا باقی تمام مدنی ہے، وہ آیت فتح مکہ کے سال حضرت عثمان بن طلحہ الحجبی کے بارے میں نازل ہوئی، وہ آیت یہ ہے، اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ نقاش نے کہا: بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: (يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ) جہاں واقع ہو وہ مکی سورت ہے، یہ علقمہ وغیرہ کا قول ہے، یہ قرینہ ہے کہ اس سورت کا آغاز مکی ہو اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوا وہ مدنی ہو، نحاس نے کہا: یہ سورہ مکی ہے (1) میں کہتا ہوں: صحیح پہلا قول ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا:

سورۂ نساء نازل ہوئی تو میں رسول کے پاس تھی اور اس میں علما کا اختلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے حقوق زوجیت مدینہ طیبہ میں ادا کیے تھے۔ جو اس سورت کے احکام سے واقف تھے وہ جانتا ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جن علماء نے یہ فرمایا کہ جس سورہ میں (يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ) واقع ہوا ہے وہ مکی ہے، صحیح نہیں ہے، سورہ بقرہ مدنی ہے اور اس میں يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ دو جگہ آیا ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝

”اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے، وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطہ سے اور (ڈرو) رحموں (کے قطع کرنے سے) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے“۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

1۔ صحیح بخاری، فضائل قرآن، جلد 2، صفحہ 747، وزارت تعلیم اسلام آباد

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ سورہ بقرہ میں النَّاسُ کا اشتقاق، التقوی، الرب، الخلق، الزوج اور البث کا معنی گزر چکا ہے۔ اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں، اس آیت میں صانع (بنانے والا) پر تنبیہ اور آگاہی ہے فرمایا وَّاحِدَةٍ نفس کے لفظ کی تانیث کی بناء پر وَّاحِدَةٍ فرمایا۔ نفس کا لفظ مؤنث ہے اگرچہ اس سے مراد مذکر ہوتا ہے، کلام عرب میں من نفس واحد بھی جائز ہے یہ معنی کی رعایت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ نفس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے اور یہ ابن ابی عبلہ کی قرأت میں بغیر (تا) کے واحد ہے (1)۔ وَ بَثَّ اس کا معنی زمین میں بکھیر دینا اور پھیلا دینا ہے اسی سے ہے۔ وزرابی مبثوثۃ۔ وَ بَثَّ کی تشریح سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ مِنْهُمَا یعنی حضرت آدم اور حوا علیہما السلام۔ مجاہد نے کہا: حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی چھوٹی پسلی سے پیدا کی گئی تھی۔ حدیث میں ہے: ''عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے'' (2)۔ سورۂ بقرہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد کو دو قسموں میں محصور فرمایا۔ یہ اس کی مقتضی ہے کہ خنثی (ہیجڑا) کوئی نوع نہیں ہے لیکن اس کی حقیقت ہے جو اسے ان دو قسموں کی طرف لوٹا دیتی ہے اور وہ حقیقت اس کا یہ آدمی ہونا ہے پس یہ ان دو اسموں میں سے ایک کے ساتھ لاحق ہوگا جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اعضاء کی کمی اور زیادتی کے اعتبار سے کسی ایک قسم سے ملحق ہوگا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ۔ اتَّقُوْا کو دوبارہ ذکر فرمایا تاکہ جس کو حکم دیا جا رہا ہے ان کے نفوس کے لیے تنبیہ اور تاکید ہو جائے۔ الذین نعت ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ الْاَرْحَامَ معطوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرو اور رحموں کے قطع کرنے سے ڈرو (یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلقی سے ڈرو) اہل مدینہ نے تا اور سین کے ادغام کے ساتھ تسّاءلون پڑھا ہے (3) اور اہل کوفہ نے دو تاء کے اجتماع کی وجہ سے ایک تاء کے حذف کے ساتھ اور سین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ معنی معروف ہے یہ اس قول کی طرح ہے وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ (مائدہ: 2) (نہ معاونت کرو گناہ پر) اور تنزل اور اس کے مشابہ الفاظ جس میں تا حذف ہوتی ہے۔

ابراہیم نخعی، قتادہ، اعمش اور حمزہ نے الْاَرْحَامَ کو جر کے ساتھ پڑھا ہے (4)۔ نحویوں نے اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ رہے بصری نحوی علماء تو ان کے روساء علماء نے کہا: یہ غلطی ہے اس کے ساتھ قرأت حلال نہیں اور رہے کوفی نحوی علماء انہوں نے فرمایا: یہ قبیح ہے اور انہوں نے اس پر مزید کچھ نہ کہا اور انہوں نے اس کے قبح کی علت ذکر نہیں کی۔ نحاس نے کہا: یہ میری معلومات کے مطابق ہے اور سیبویہ نے کہا: مضمر مجرور پر عطف نہیں ہوتا کیونکہ وہ تنوین کے قائم مقام ہوتا ہے اور تنوین پر عطف نہیں کیا جاتا۔ ایک جماعت نے کہا: یہ ضمیر پر معطوف ہے کیونکہ وہ اس کے ذریعے بھی سوال کرتے تھے۔ کوئی کہتا: میں تجھ سے اللہ تعالیٰ اور رحم کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ حضرت حسن، نخعی اور مجاہد نے اسی طرح تفسیر کی ہے (5) اور مسئلہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 3، دار الکتب العلمیہ بیروت 2۔ تاریخ بغداد، ذکر النساء من اہل بغداد، جلد 14، صفحہ 431، مکتبہ العربیہ بغداد عراق

3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 4، دار الکتب العلمیہ بیروت 4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 4، دار الکتب العلمیہ بیروت

5۔ جامع البیان، جلد 3-4، صفحہ 280، دار احیاء التراث العربی

میں صحیح یہی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے ان میں سے زجاج بھی ہے، اسم ظاہر کا اسم ضمیر مجرور پر عطف قبیح ہوتا ہے مگر حرف جر کے اظہار کے ساتھ جائز ہوتا ہے مثلاً فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص:81) لیکن مررت به وزید میں قبیح ہے۔ زجاج نے مازنی سے روایت کیا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں شریک ہیں ہر ایک دوسرے کی جگہ آتا ہے یعنی جس طرح مررت بزیدٍ وَکَ جائز نہیں ہے اسی طرح مررت بك وزید بھی جائز نہیں، رہا سیبویہ یہ اس کے نزدیک قبیح ہے اور یہ جائز نہیں ہے مگر شعر میں جائز ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

فالیوم قربتَ تهجونا وتشتِمُنا فاذهبْ فمابكَ والأيامِ من عَجَبِ

اس شعر میں ایام کا عطف ك پر ہے اور بغیر باء کے ہے اور یہ ضرورت شعری کے لیے ہے۔ اسی طرح ایک شاعر نے کہا:

تعلّق فی مِثل السّوَارِی سیوفنا وبینها والكَعْبِ مَهْوَى نَفَانِفُ

اس شعر میں الکعب کا عطف ھا ضمیر پر ہے اور ضرورۃً ہے ابوعلی نے کہا: یہ قیاس میں ضعیف ہے (1)۔ کتاب التذکرۃ المھدیہ میں فارسی سے مروی ہے کہ ابوالعباس المبرد نے کہا: اگر میں کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھوں جو مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ (ابراہیم:22) اور اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامِ پڑھے تو میں اپنے جوتے اٹھا کر چلا جاؤں گا۔ زجاج نے حمزہ کی قرأت اپنے ضعف اور عربی میں قبح کی وجہ امر دین کے اصول میں عظیم خطا ہے (2)۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تحلفوا بآبائکم (3)۔ اپنے آباء کی قسمیں نہ اٹھاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی قسم اٹھانا جائز نہیں تو رحم کی قسم اٹھانا کیسے جائز ہے۔ میں نے اسماعیل بن اسحاق کو دیکھا وہ غیر اللہ کی قسم کو ایک عظیم امر سمجھتے تھے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ نحاس نے کہا: بعض کا قول وَ الْاَرْحَامِ قسم ہے یہ اعراب اور معنی کے اعتبار سے خطا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے جو الْاَرْحَامَ کی نصب پر دلالت کرتی ہے شعبہ نے عون بن ابی جحیفہ سے انہوں نے منذر بن جریر سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے حتیٰ کہ ایک قوم مضر آئی برہنہ پا اور برہنہ جسم تھی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ان کے فاقہ کی کیفیت دیکھ کر آپ کا رنگ بدل گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو خطاب فرمایا اور یہ آیت یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ تک تلاوت فرمائی پھر فرمایا: کسی نے دینار صدقہ کیا، کسی نے درہم صدقہ کیا، کسی نے کھجور کا صاع (چار کلو) صدقہ کیا (4)۔ آگے مکمل حدیث ذکر کی۔ یہ معنی نصب کے اعتبار سے ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے پر برانگیختہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ جو قسم اٹھائے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے (5)۔ یہ حدیث اس شخص کے قول

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 4، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 4
3۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، جلد 2، صفحہ 983
4۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 327
5۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادت، جلد 2، صفحہ 368

کارد کرتی ہے جو کہتا ہے: اس کا معنی ہے اسالك بالله وبالرحم۔ میں تجھ سے اللہ تعالیٰ اور رحم کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں۔ ابو اسحاق نے کہا تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ کا معنی ہے تم اپنے حقوق ان کے واسطہ سے طلب کرتے ہو، اس کے ساتھ جر کا کوئی معنی نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ ہے وہ جس پر میں آگاہ ہوا ہوں کہ علماء نے الْاَرْحَامَ کی قرأت جر کے ساتھ منع کی ہے۔ ابن عطیہ نے اس کو اختیار کیا ہے (1)۔ امام ابونصر عبدالرحیم بن عبدالکریم قشیری نے اس کا رد کیا ہے اور عطف کو اختیار کیا ہے اور فرمایا ائمہ دین کے نزدیک اس کلام کی مثل مردود ہے کیونکہ وہ قرأتیں جو قراء ائمہ نے پڑھی ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ اہل صنعت اس کو جانتے ہیں جب کوئی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو پس جس نے اس کو رد کیا تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رد کیا اور اس نے آپ کی قرأت کو اچھا نہ سمجھا اور یہ مقام محذور ہے (یعنی ایسی بات سے بچا جاتا ہے) اس میں ائمہ لغت اور ائمہ نحو کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ عربی زبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی گئی ہے اور کوئی شخص آپ کی فصاحت میں شک نہیں کرتا اور رہی حدیث جو ذکر کی گئی ہے اس میں نظر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعشراء کو فرمایا: وابیك لوطعنت فی خاصرته (2)۔ تیرے باپ کی قسم اگر تو اسے پہلو میں نیزہ مارتا۔ پھر نہی تو غیر اللہ کی قسم کے بارے میں ہے اور یہ رحم کے حق کے ساتھ غیر کی طرف توسل ہے، اس میں نہی نہیں ہے قشیری نے کہا: بعض علماء نے فرمایا: یہ الرحم کے ساتھ قسم اٹھانا ہے یعنی اتقوا الله وحق الرحم جیسے تو کہتا ہے افعل کذا وحق ابیك میں ایسا کروں گا تیرے باپ کے حق کی قسم۔ قرآن میں ہے وَالنَّجْمِ، وَالطُّوْرِ، وَالتِّيْنِ، لَعَمْرُكَ اور یہ تکلف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی تکلف نہیں، کیونکہ کوئی بعید نہیں کہ وَالْاَرْحَامَ اس قبیل سے ہو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہو جیسے اس نے اپنی ان مخلوقات کے ساتھ قسم اٹھائی ہے جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہے اس کی تاکید کے لیے، حتیٰ کہ اپنی ذات کے ساتھ انہیں ملایا اور اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے قسم اٹھائے اور جو چاہے منع کرے اور جو چاہے مباح کرے اور کوئی بعید نہیں کہ یہ قسم ہو اور عرب الرحم کی قسم اٹھاتے بھی ہیں اور با کا مراد ہونا بھی صحیح ہے پھر اس کو حذف کیا گیا ہو جس طرح اس شعر میں حذف کیا گیا ہے۔

مَشَائِيمُ لیسوا مُصلِحِيْنَ عَشِيرَةً　　ولا ناعِبٍ إلّابِبَيْنٍ غُرَابُهَا

اس شعر میں ناعب کو جر دی گئی ہے اگرچہ با پہلے نہیں ہے۔ ابن الدہان ابو محمد سعید بن مبارک نے کہا: کوفی اسم ظاہر کا اسم مجرور پر عطف جائز قرار دیتا ہے، اس سے وہ منع نہیں کرتا اسی سے یہ قول ہے۔

اَبَكَ اَيَةٌ بِيْ او مُصَدَّرِ　　من حُمُرِ الجِلّةِ جَأْبٍ حَشْوَرِ

اسی طرح یہ ہے۔ فَاذْهَبْ فمابِكَ والْاَيَّامِ مِنْ عَجَبٍ

ایک اور کا قول ہے۔ وما بَيْنَهَا والكَعْبِ غَوْطٌ نَفَانِفُ

ایک اور مصرعہ ہے۔ فحسبُكَ والضَّحاكِ سَيْفٌ مُهَنَّدُ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 5، دار الکتب العلمیہ بیروت　2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصید والذبائح، جلد 9، صفحہ 246، دار الفکر

ایک اور کا قول ہے:

قَدْ رامَ آفاقَ السَّماءِ فلم يَجِدْ   له مَصعَداً فيها ولا الأرضِ مَقْعَدَ

ایک اور قول ہے۔

ما إنْ بها والأمورِ مِنْ تَلَفٍ   ماحُمَ مِن امرِ غَيْبه وَقَعَا

ایک اور کا قول ہے۔

أمُرُّ على الكَتِيبَة لَستُ أدرِي   أحَتْفِيَ كان فيها أمْ سواها

اسی شعر میں فسواھا فی حرف جر کی وجہ سے محل جر میں ہے۔

بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝ (الحجر) کو اس پر محمول کیا ہے یعنی کاف اور میم پر عطف ہے۔ عبداللہ بن یزید نے وَالْاَرْحَامَ کو مبتدا کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کی خبر مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی والارحام اھلٌ ان توصل (1)۔ اور اس میں اغراء کا بھی احتمال ہے کیونکہ عربوں میں کچھ المغریٰ کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ الفراء نے یہ دلیل دی ہے۔

إن قوما منهم عُمَيْرٌ وأشبا   ه عُمَيْرٍ ومنهم السفاحُ

لَجَديرون باللّقاء إذاقا   ل أخو النَّجْدَةِ السلاحُ السلاحُ

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الْاَرْحَامَ، بِهٖ کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس کا محل نصب ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

فلسنا بالجبال والا الحديدا

وہ کہتے تھے: انشدك باللہ وبالرحم۔ اظہر یہ ہے کہ اس کو نصب فعل کے اضمار کے ساتھ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ صلہ رحمی واجب ہے اور اس کا قطع کرنا حرام ہے۔ صحت کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت اسماء سے فرمایا: جب انہوں نے پوچھا تھا کہ میں اپنی ماں (جو کافرہ تھی) سے صلہ رحمی کروں؟ ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو (2)، آپ ﷺ نے اسے صلہ رحمی کا حکم دیا، حالانکہ اس کی ماں کافرہ تھی پس اس کی تاکید کی وجہ سے کافر سے صلہ رحمی کرنے میں بھی فضل داخل ہے، حتیٰ کہ یہاں تک معاملہ پہنچا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: ذوی الارحام کو میراث ملے گی اگر مرنے والے کا کوئی عصبہ اور متعین فرض والا وارث نہ ہو اور جو شخص اپنے ذی رحم کو خرید ے گا حرمت رحم کی وجہ سے وہ آزاد ہو جائیں گے اور علماء احناف نے اس قول کی تائید ابوداؤد کی حدیث سے لی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو ذی رحم محرم کا مالک ہوگا وہ غلام آزاد ہوگا (3)۔ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہی مروی ہے، اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف معروف نہیں ہے۔ یہی قول حسن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 3   2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 324   3۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، جلد 2، صفحہ 194

بصری، جابر بن زید، عطا، شعبی اور زہری کا ہے اور اس کی طرف ثوری، احمد اور اسحاق گئے ہیں۔ اس مسئلہ میں ہمارے علماء (مالکیہ) کے تین اقوال ہیں (۱) یہ آباء اور اجداد کے ساتھ خاص ہے (۲) اس سے بھائی مراد ہیں اور تیسرا قول امام ابوحنیفہ کے قول کی طرح ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: خریدنے والے پر اس کی اولاد، آباء اور امہات آزاد ہو جائیں گی اور اس کے بھائی اور کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار آزاد نہ ہوگا، صحیح پہلا قول ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے ذکر کیا ہے بہتر طریق نسائی ہے انہوں نے اس کو ضمرہ عن سفیان عن عبداللہ بن دینا رعن ابن عمر کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ذی رحم محرم کا مالک ہوگا وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ اس حدیث کا ہر راوی عادل ہے اور اس میں کسی نے جرح قدح نہیں کی ہے، کسی ایسی علت کے ساتھ جو اس کے ترک کا موجب ہو مگر نسائی نے اس کے آخر میں کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ دوسرے نے کہا: ضمرہ اس میں منفرد ہے۔ یہ اصطلاح محدثین میں شاذ اور منکر کا معنی ہے، ضمرہ، عادل اور ثقہ ہے۔ ثقہ کا منفرد ہونا حدیث کے لیے مضر نہیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ رضاعی ذوی المحارم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اکثر اہل علم کا قول ہے کہ وہ حدیث کے مقتضی میں داخل نہیں۔ شریک القاضی نے ان کی آزادی کا کہا ہے۔ اہل ظاہر اور متکلمین کا نظریہ یہ ہے کہ باپ، بیٹے پر آزاد نہ ہوگا جب وہ اس کا مالک ہوگا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے حجت پکڑی ہے ”بچہ اپنے والد کا احسان ادا نہیں کرے گا مگر جب وہ اسے غلام پائے پھر اسے خریدے اور آزاد کردے“ (1)۔ ان علماء نے کہا: جب شرا (خریدنا) صحیح ہے تو ملک بھی ثابت ہوئی اور مالک کے لیے تصرف کا حق ہے۔ یہ مقاصد شرع سے ان کی جہالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بقرہ: 83) ”اپنے والدین سے احسان کرو“۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور والدین سے احسان کرنے کو وجوب میں اکٹھا فرمایا اور والد کا بیٹے کی ملکیت میں اور اس کی سلطنت کے تحت ہونا احسان میں نہیں ہے، پس اسی پر اس کا آزاد کرنا واجب ہے یا تو اس لیے کہ ملک کی وجہ سے حدیث پر عمل کرتے ہوئے (خریدے اور پھر اسے آزاد کردے) یا احسان کی وجہ سے آیت پر عمل کرتے ہوئے۔ حدیث کا معنی جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ بچہ، باپ کی آزادی کا سبب بنا، جب اس نے اسے خریدا، تو شریعت نے آزاد کرنے کی نسبت اس کی طرف کر دی رہا علماء کا اختلاف تو وہ اس کے بارے میں ہے جو ملک کی وجہ سے آزاد ہوگا، پہلے قول کی وجہ وہی ہے جو ہم نے کتاب وسنت کے معنی سے بیان کر دی ہے اور دوسرے قول کی وجہ قرابت قریبہ محرمہ کو حدیث میں مذکور باپ کے ساتھ لاحق کرنا ہے اور انسان کے لیے اپنے بیٹے سے زیادہ کوئی قریبی نہیں، پس باپ پر محمول ہوگا اور بھائی اس میں اس کو قریب کرتا ہے کیونکہ ابوت کی وجہ اسے قریب کرتا ہے، پس وہ کہتا ہے: انا ابن ابیہ، میں اس کے باپ کا بیٹا ہوں۔ رہا تیسرا قول، اس کے متعلق ضمرہ کی حدیث ہے۔ وہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَالْاَرْحَامَ، الرحم، ہر قسم کے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم ہو۔ ابو حنیفہ ہبہ سے رجوع سے منع میں ذی رحم محرم کا اعتبار کرتے ہیں۔ چچوں کے بیٹوں کے حق میں رجوع جائز ہے حالانکہ قطعیت

1۔ صحیح مسلم، کتاب العتق، جلد 1 صفحہ 495

موجود ہے اور قرابت حاصل ہے، اسی وجہ سے میراث، ولایت اور دوسرے احکام اس کی وجہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ پس محرم کا اعتبار، نص کتاب پر، بغیر کسی دلیل کے زیادتی ہے، احناف اس کو مسخر خیال کرتے ہیں اور اس میں قطعیت کی علت کی طرف اشارہ ہے اور انہوں نے چچا کے بیٹوں، خالوؤں اور خالاؤں کے بیٹوں کے حق میں قطعیت کو جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے رَقِيْبًا کا معنی حفیظاً (1) اور ابن زید سے علیما (1) معنی مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: رَقِيْبًا کا معنی حفاظت کرنے والا ہے، بعض علماء نے فرمایا: فعیل بمعنی فاعل ہے۔ الرقیب اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور الرقیب کا معنی حفاظت کرنے والا اور انتظار کرنے والا ہے۔ تو کہتا ہے: رقبت ارقب رقبة و رقبانا، جب تو انتظار کرے۔ المرقب بلند و بالا جگہ کو کہتے ہیں جس پر رقیب کھڑا ہوتا ہے۔ الرقیب سات تیروں میں سے تیسرے تیر کو کہتے ہیں جن کے لیے حصے ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ رقیب، سانپوں میں سے ایک سانپ ہے۔ پس یہ لفظ مشترک ہے واللہ اعلم۔

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۝

''اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو (اپنی) ردی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے''۔

اس آیت میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ۔ یتامیٰ سے مراد یتیم لوگ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ۝ (الاعراف) سجود کے ساتھ سحر نہیں تھا۔ اسی طرح بلوغ کے ساتھ یتیم نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم ابی طالب کہا جاتا ہے (2)، ان کی صحبت کی وجہ سے وَ اٰتُوا کا مطلب ہے اعطوا اور ایتاء کا معنی الاعطاء ہے۔ لفلان اتو یعنی فلاں کے لیے عطا ہے۔ یہ ابوزید کا قول ہے اتوت الرجل آتوه اتاوة یعنی میں نے اسے یہ رشوت دی۔ یتیم وہ ہوتا ہے جو ابھی بالغ نہ ہو۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ خطاب اولیاء اور اوصیاء کو ہے۔ مقاتل اور کلبی کے قول میں غطفان کے ایک شخص کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس کے پاس یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا، جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے مال کا مطالبہ کیا اس کے چچا نے اس کو منع کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ چچا نے کہا: ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں بڑے گناہ سے اور مال واپس کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو نفس کے بخل سے بچایا گیا اور اس طرح لوٹ آیا تو وہ اس کے گھر میں اترے گا''، یعنی جنت میں اترے گا جب اس نوجوان نے مال پر قبضہ کر لیا تو اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اجر ثابت ہوا اور بوجھ باقی ہوا، پوچھا گیا: یا رسول اللہ یہ کیسے ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کے لیے اجر ثابت ہوا اور اس کے باپ پر بوجھ باقی ہے (3)''۔ کیونکہ وہ مشرک تھا۔

1۔ جامع البیان، جلد 3-4، صفحہ 283 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 5 3۔ جامع اسباب النزول، جلد 2، صفحہ 93، قدیمی کتب خانہ

مسئلہ نمبر 2۔ یتیموں کو مال دینا دو اعتبار سے ہو سکتا ہے، ایک یہ ہے کھانا اور لباس جاری کرنا جب تک کہ ولایت ہو کیونکہ ممکن نہیں مگر یہ اس کے لیے ہے جو کلی طور پر لینے اور خود رائے رکھنے کا مستحق نہ ہو جیسے چھوٹا اور بڑا بے وقوف۔ دوسرا یہ کہ مال حوالے کر کے عطا کرنا اور یہ ابتلا اور ارشاد کے وقت ہوتا ہے، اس وقت اسے یتیم مجازاً کہا جاتا ہے معنی ہوگا جو یتیم تھا، یہ استصحاب الاسم (☆) ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿﴾ (الاعراف) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم ابی طالب کہا جاتا تھا اور جب ولی کو یتیم کی رشد کا یقین ہو جائے تو اس کا مال اس سے روکنا اس پر حرام ہے اور وہ گنہگار ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو ہر حال میں اس کو مال دیا جائے گا کیونکہ اسی عمر میں وہ سنجیدہ ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رُشد کے محسوس کرنے کا ذکر نہیں کیا اور اس ارشاد میں ذکر فرمایا وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ''اور آزماتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی تو لوٹا دو انہیں ان کے مال''۔ ابوبکر رازی حنفی نے ''احکام القرآن'' میں لکھا ہے کہ جب ایک جگہ رشد مقید نہیں ہے اور دوسری جگہ مقید ہے کہ ان دونوں مقامات کا استعمال واجب ہے۔ پس میں کہتا ہوں: جب پچیس سال کا ہو جائے اور وہ ابھی سفیہ (بے وقوف) ہو اور اس سے دانائی محسوس نہ ہو تو پھر بھی اس کو مال دینا واجب ہے اور اگر اس سے عمر میں کم ہو اور دانائی محسوس نہ ہو تو مال دینا واجب نہیں اس طرح دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے گا(1)۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب یتیم دانائی کو پہنچ جائے تو وہ سنجیدہ ہونے کی صلاحیت میں ہوگا اور جب سنجیدہ ہونے کی صلاحیت میں ہوگا تو پھر یتیم کی علت اور یتیم اسم کی وجہ سے اس کو مال دینا کیسے صحیح ہوگا؟ یہ بہت بعید ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے خصوصاً ان کی اپنی اصل پر کہ مقدرات قیاس سے ثابت نہیں ہوتیں بلکہ وہ نص کی جہت سے لی جاتی ہیں، اس مسئلہ میں کوئی نص نہیں ہے۔ حجر کے بارے میں علماء کے اقوال آگے ذکر ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ یعنی یتیم کے مال سے موٹی بکری کو دبلی بکری سے مت بدلو، عمدہ درہم کو کھوٹے درہم سے مت بدلو۔ لوگ زمانہ جاہلیت میں دین کے نہ ہونے کی وجہ سے یتیموں کے مال کھانے سے نہیں ڈرتے تھے وہ یتیموں کے مال سے عمدہ اور بہتر لے لیتے تھے اور ردی اموال سے اسے بدل لیتے تھے اور کہتے اسم کے بدلے اسم، راس کے بدلے راس۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس برائی سے منع کیا۔ یہ سعید بن مسیب، زہری، سدی، ضحاک کا قول ہے اور یہی آیت کا ظاہر ہے(2)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے یتیموں کے مال نہ کھاؤ یہ حرام اور خبیث ہے اور طیب و پاکیزہ کو نہ چھوڑو اور وہ تمہارے اپنے مال ہیں۔ مجاہد، ابوصالح اور باذان نے کہا: یتیموں کے مال میں خبیث کھانے میں جلدی نہ کرو اور اللہ کی طرف سے رزق حلال کے انتظار کو مت چھوڑو(3)۔ ابن زید نے کہا: زمانہ جاہلیت

1۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 49 2۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 284 3۔ ایضاً، جلد 3-4، صفحہ 285

☆ یہ ایک اصطلاح ہے جس کی وضاحت ماقبل سے ہو رہی ہے یعنی بالغ ہونے سے کیونکہ یتیم تھا اسی وجہ سے یتیم کہا گیا۔

کے لوگ عورتوں اور بچوں کو وارث نہیں بناتے تھے، بڑا میراث پر قبضہ کر لیتا (1)۔ عطا نے کہا: اس کا مطلب ہے تو اس یتیم پر نفع نہ اٹھا جو تیرے پاس ہے یہ چھوٹا دھوکا ہے۔ یہ دونوں قول آیت کے ظاہر سے خارج ہیں کیونکہ تبدل الشی بالشی کا مطلب ہے کسی چیز کو دوسری چیز کی جگہ لینا۔ اسی سے بدل ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت انفاق میں خلط سے منع کرنے والی ہے عرب اپنے نفقہ (خرچ) کو یتیموں کے نفقہ کے ساتھ ملا دیتے تھے تو انہیں اس سے منع کیا گیا پھر وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (بقرہ:220) یعنی (اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں) سے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ ابن فورک نے الحسن سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے اس آیت کی تاویل یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے کی نہی سے کی اور خود بخود اس سے اجتناب کرنے لگے پس سورہ بقرہ کی آیت وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ میں ان سے تخفیف کی گئی (2)۔ متاخرین کی ایک جماعت نے کہا الی بمعنی مع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (آل عمران:52) قتبی نے یہ دلیل پیش کی ہے:

یَسُدُّون أبوابَ القِبابِ بِضُمَّرٍ اِلی عُنُنٍ مُسْتَوثِقَاتِ الأَوَاصِرِ

اس شعر میں الی بمعنی مع ہے۔

لیکن یہ قول درست نہیں، محققین نے فرمایا الی اپنے معنی میں ہے اور اضافت کو متضمن ہے یعنی ان کے اموال کو نہ ملاؤ اور کھانے میں اپنے اموال کے ساتھ جمع نہ کرو (3)۔ پس انہیں منع کیا گیا کہ وہ یتیموں کے اموال کو اپنے اموال کی طرح خیال کریں اور پھر ان پر کھانے یا نفع اٹھانے کے اعتبار سے مسلط ہو جائیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا۔ اِنَّهٗ میں ہ ضمیر سے مراد کھانا ہے حُوْبًا كَبِیْرًا۔ بڑا گناہ۔ حضرت ابن عباس اور حسن وغیرہما سے مروی ہے (4): کہا جاتا ہے: حاب الرجل یحوب حوباً جب کوئی گناہ کرے اس کی اصل اونٹ کو جھڑکنا ہے پھر گناہ کو حوب کہا گیا، کیونکہ اسے اس کے ساتھ جھڑکا جاتا ہے۔ دعا میں کہا جاتا ہے: اللھم اغفر حوبتی یعنی اے اللہ میرا گناہ معاف فرما۔ الحوبة کا معنی حاجت بھی ہے دعا میں ہے الیک ارفع حوبتی۔ یعنی میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتا ہوں۔ الحوب کا معنی وحشت بھی ہے اسی سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ابوایوب کے بارے میں ہے: ''ام ایوب کی طلاق وحشت ہے (5)''۔ اس لفظ میں تین لغات ہیں۔ حوبا۔ بضم حاء۔ یہ عام قرأت ہے اور اہل حجاز کی لغت ہے حسن نے حوباً بفتحہ حا پڑھا ہے۔ اخفش نے کہا: یہ تمیم کی لغت ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ حبش کی لغت ہے۔ الحوب مصدر ہے اسی طرح الحیابة بھی مصدر ہے الحوب اسم ہے ابی بن کعب نے حاباً پڑھا ہے مصدر کی بنا پر جسے القال مصدر ہے اسم ہونا بھی جائز ہے جیسے الزاد ہے۔ الحوأب (واؤ کے بعد ہمزہ) کھلے مکان کو کہتے ہیں۔ الحواب پانی کو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 6 2۔ ایضاً 3۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 287

4۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 25، صفحہ 328-136 5۔ تفسیر کشاف، جلد 1، صفحہ 466

بھی کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: الحق اللہ بہ الحوبۃ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مسکنت اور حاجت لاحق کر دی۔ اسی سے عربوں کا قول ہے: بات بحیبۃ سؤ اس نے مسکنت میں رات گزاری۔ یا کی اصل واؤ ہے تحوب فلان یعنی گناہ کو اپنے نفس سے دور کیا اور عبادت کی۔ التحوب کا معنی پریشان ہونا بھی ہے۔ سخت چیخنا بھی ہے جیسے زجر و توبیخ ہوتی ہے لان یتحوب من کذا۔ فلاں نے تکلیف محسوس کی۔ طفیل نے کہا:

فذُوقوا کما ذُقْنا غَداۃَ مُحجر مِن الغَیظِ فی اَکبادِنا والتَّحُوبِ

پس تم بھی مزا چکھو جس طرح ہم نے تکلیف اور غصہ کی وجہ سے اپنے جگروں میں فجر کی صبح مزا چکھا تھا۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿۳﴾

''اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو تم یتیم بچوں کے معاملہ میں (تو ان سے نکاح نہ کرو) اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم ایک طرف ہی نہ جھک جاؤ''۔

اس میں چودہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اِنْ خِفْتُمْ یہ شرط ہے اور اس کا جواب فَانْكِحُوْا ہے یعنی اگر تمہیں ان کے مہور اور ان میں خرچ کرنے میں عدل نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح کرو جو تمہیں (ان کے علاوہ) پسند ہیں۔ ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ مسلم کے ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ سے وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ کے تحت روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: اے میرے بھانجے! یہ اس یتیم بچی کے بارے ہے جو کسی ولی کی پرورش میں ہوتی تھی اور وہ اس کے مال میں شریک ہوتی تھی پس اس بچی کا مال اور جمال اس ولی کو اچھا لگتا تو وہ اس سے خود نکاح کرنا چاہتا مگر اس کے مہر میں انصاف اور جتنا کوئی دوسرا اسے مہر دیتا اتنا دینے کا ارادہ نہ کرتا۔ پس انہیں ان عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا مگر یہ کہ ان سے انصاف کریں اور رواج کے مطابق انہیں مہر دیں۔ اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان عورتوں کے علاوہ جو انہیں پسند ہیں ان سے نکاح کریں۔ حدیث مکمل ذکر کی (1)۔ ابن خویز منداد نے کہا: اسی وجہ سے ہم نے کہا: وصی کو یتیم کے مال سے خود خریدنا جائز ہے جب کہ اس میں اس کا زیادہ فائدہ نہ ہو اور موکل کے لیے اس میں نظر کرنا جائز ہے جو وکیل اپنے لیے خریدے یا اپنے لیے بیچے اور سلطان کو نظر کی اجازت ہے جو وصی ایسا کرے، رہا باپ اس کے لیے نظر کرنا جائز نہیں جب تک کہ محابات ظاہر نہ ہو، اس وقت سلطان اس کے سامنے آئے۔ اس کے متعلق قول سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ضحاک اور حسن وغیرہما نے کہا: یہ آیت جو کچھ زمانہ جاہلیت

1۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی حدیث الھجرۃ ویقال لہ الرحل بالحاء، جلد 2، صفحہ 420

میں تھا اور جو ابتداء اسلام میں تھا اس کے لیے ناسخ ہے۔ ایک شخص کے لیے جائز ہوتا تھا کہ آزاد عورتوں میں سے جتنی عورتوں کے لیے چاہتا نکاح کرتا۔ اس آیت نے چار عورتوں پر محصور کر دیا (1)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن جبیر وغیرہما نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ تم یتامیٰ میں انصاف نہیں کر سکو گے، اسی طرح انہیں خوف ہو عورتوں کے بارے میں، کیونکہ وہ یتیموں کے بارے میں ڈرتے تھے اور عورتوں کے بارے میں نہیں ڈرتے تھے۔ خفتم اضداد میں سے ہے۔ کیونکہ جس چیز سے ڈرا جاتا ہے کبھی اس کا وقوع معلوم ہوتا ہے اور کبھی اس کا وقوع مظنون ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس خوف کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے (2)۔ ابو عبیدہ نے کہا: خِفْتُمْ بمعنی ایقنتم ہے (3)۔ اور دوسرے علماء نے فرمایا: خِفْتُمْ بمعنی ظننتم ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس معنی کو محققین نے اختیار کیا ہے۔ یہ ظن کے باب سے ہے، نہ کہ یقین کے باب سے۔ تقدیر یہ ہے کہ جس کو یتیمہ کے لیے انصاف میں کوتاہی کا غالب گمان ہو تو وہ اس سے اعراض کرے اور تُقْسِطُوْا کا معنی تعدلوا ہے کہا جاتا ہے: اقسط الرجل، جب وہ عدل کرے۔ قسط جب کوئی دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرے (4)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ (الجن) اس آیت میں قاسطون سے مراد ظلم کرنے والے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: المقسطون فی الدین علی منابر من نور یوم القیامۃ (5)۔ یعنی دین میں عدل کرنے والے قیامت کے روز نور کے منبروں پر ہوں گے۔ ابن وثاب اور نخعی نے تقسطوا تاء کے فتحہ کے ساتھ قسط سے مشتق کر کے پڑھا ہے لا کی زیادتی کی تقدیر پر۔ گویا فرمایا: اگر تمہیں ظلم کرنے کا خوف ہو (6)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اگر یہ سوال کیا جائے کہ آدمیوں کے لیے ما کیسے استعمال ہوا ہے کیونکہ یہ تو غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ اس کے پانچ جواب ہیں (۱) من اور ما ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ۝ (الشمس) قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے اسے بنایا یعنی ومن بناھا۔ مذکورہ آیت میں مَا، مَنْ کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ (النور: 45) اس آیت میں من، مَا کی جگہ استعمال ہوا ہے پس یہاں مَا ذوالعقول کے لیے ہے اور وہ عورتیں ہیں کیونکہ اس کے بعد مِّنَ النِّسَآءِ مبہم کو بیان کرنے والا ہے۔ ابن ابی عبلہ نے ذوالعقول کے ذکر کی بنا پر من طاب پڑھا ہے (7)۔ (۲) بصریوں نے کہا: مَا نعوت کے لیے واقع ہوتا ہے جس طرح غیر ذوالعقول کے لیے واقع ہوتا ہے کہا جاتا ہے: ما عندك؟ کہا جاتا ہے: ظریف کریم۔ معنی یہ ہے کہ عورتوں میں سے جو حلال ہیں ان سے نکاح کرو اور جس کو اللہ نے حرام کیا ہے وہ طیب نہیں ہے قرآن میں ہے وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الشعراء) موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس کے سوال کے مطابق جواب دیا۔ (۳) بعض علماء نے حکایت کیا ہے کہ اس آیت میں ما ظرفیہ ہے

1۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 292　2۔ ایضاً، جلد 3-4، صفحہ 290　3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 6

4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 7　5۔ مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمر، جلد 2، صفحہ 160

6۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 6　7۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 7

یعنی جب تک تم نکاح کو اچھا سمجھتے ہو۔ اس میں ضعف ہے(1)۔ (۴) فراء نے کہا: مَا یہاں مصدر یہ ہے، نحاس نے کہا: یہ بہت بعید ہے فانکحوا الطیبۃ صحیح نہیں ہے۔ جوہری نے کہا: طاب بالشی یطیب طیبۃ وتطیابا۔ علقمہ نے کہا۔

کَأَنَّ تَطْیَابَهَا فِي الْأَنْفِ مَشْمُومُ

پانچواں جواب یہ ہے کہ ما سے مراد یہاں عقد ہے یعنی حلال نکاح کرو۔ ابن ابی عبلہ کی قرأت ان تین اقوال کا رد کرتی ہے۔ ابوعمرو بن العلاء نے حکایت کیا ہے کہ اہل مکہ جب کڑک کی آواز سنتے تو کہتے سبحان ما سبح لہ الرعد پاک ہے وہ ذات جس کے لیے کڑک نے پاکی بیان کی۔ اس میں ما بمعنی من ہے اس کی مثل ان کا قول ہے سبحان ما سخرکن لنا یعنی من سخرکن لنا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى۔ اس کے لیے مفہوم نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس کو یتامیٰ کے بارے ناانصافی کا خوف نہ ہو تو اس کے لیے ایک، دو، تین یا چار سے نکاح کرنا جائز ہے، جس طرح خوف والے کے لیے جائز ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی جس کو اس کا خوف تھا اور اس کا حکم اس سے اعم ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے یتیمہ کے نکاح کا بلوغت سے پہلے جائز ہونے کا تعلق جوڑا ہے۔ فرمایا: بلوغ سے پہلے یتیمہ ہوتی ہے، بلوغت کے بعد مطلق عورت ہوتی ہے یتیمہ نہیں ہوتی اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر بالغہ کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے مہر مثل سے کم کرنے کی نہی نہ کی جاتی کیونکہ اسے یہ اختیار ہوتا ہے، پس یہ تو اجماعاً جائز ہے۔ امام مالک اور جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا نکاح جائز نہیں حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور اس سے مشورہ لیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ اور نساء کا اسم اس کا اطلاق بڑی عورتوں پر ہوتا ہے جس طرح رجال کا اطلاق مردوں پر ہوتا ہے اور الرجل کا اسم چھوٹے بچے کو شامل نہیں ہوتا اسی طرح النساء کا اطلاق بچی کو شامل نہیں۔ المرأۃ کا لفظ چھوٹی بچی کے لیے نہیں بولا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ۔ پس وہاں بھی وہی مراد ہے جو یہاں يَتٰمَى النِّسَآءِ سے مراد ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آیت میں بڑی یتیمہ داخل ہے پس اس کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح نہیں کیا جائے گا اور چھوٹی بچی سے نکاح کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے لیے اجازت نہیں ہے جب وہ بالغ ہو گی تو اس کا نکاح جائز ہو گا لیکن اس کی اجازت سے نکاح ہو گا جیسا کہ دارقطنی نے محمد بن اسحاق کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: میرے خالو قدام بن مظعون نے میرا نکاح اپنے بھائی عثمان بن مظعون کی بیٹی سے کر دیا۔ مغیرہ بن شعبہ اس کی ماں کے پاس آیا اور اس کے مال میں رغبت کی اور اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا، معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا، قدامہ نے کہا: یارسول اللہ! وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے اور میں اس کے باپ کا وصی ہوں اور میں نے اس کے بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی میں نے اس کا نکاح ایسے شخص سے کر دیا ہے جس کی فضیلت اور قرابت کو میں جانتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: وہ یتیمہ ہے اور یتیمہ اپنے معاملہ کی زیادہ حق دار ہے، وہ مجھ سے لی گئی اور اس کا نکاح مغیرہ بن شعبہ سے کر دیا (2)۔ دارقطنی نے کہا: محمد بن اسحاق نے نافع سے نہیں سنا ہے اس سے عمر بن حسین

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 7
2۔ سنن دارقطنی، کتاب النکاح، جلد 3، صفحہ 230، حدیث نمبر 36

نے اور انہوں نے نافع سے سنا ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی ذئب نے عمر بن حسین سے انہوں نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے، انہوں نے اپنے خالو عثمان بن مظعون کی بیٹی سے نکاح کیا فرمایا: اس کی والدہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور عرض کی: میری بیٹی اس رشتہ کو ناپسند کرتی ہے، تو نبی کریم ﷺ نے ابن عمر کو اسے جدا کرنے کا حکم دیا تو اس نے اسے جدا کر دیا اور فرمایا: ''یتیم بچیوں سے نکاح نہ کرو حتی کہ اس سے مشورہ کرلو جب وہ خاموش رہیں تو یہ اس کا اذن ہو گا'' (1)۔ حضرت عبداللہ کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اس سے نکاح کر لیا۔ یہ امام ابوحنیفہ کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عورت بالغ ہو جائے تو ولی کی محتاج نہیں اپنی اصل کی بنا پر کہ صحت نکاح میں ولی کی شرط نہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے اور ان کے اس قول کا کوئی معنی نہیں کہ یہ حدیث غیر بالغہ پر محمول ہے کیونکہ ''مگر اس کی اجازت سے'' کے الفاظ اس محمل کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ پھر یتیم کے ذکر کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس آیت کی حضرت عائشہ کی تفسیر سے وہ مسئلہ سمجھ آتا ہے جو امام مالک نے مہر مثل کے بارے میں فرمایا اور مہر کے فساد اور اس کی مقدار میں غبن واقع ہونے کی صورت میں مہر مثل کی طرف لوٹایا جائے گا کیونکہ حضرت عائشہ نے فرمایا: مہر جو کم از کم رائج ہے۔ پس لوگوں کے ہر طبقہ میں ان کے احوال کی حیثیت سے مہر مثل معروف ہونا واجب ہے۔ امام مالک نے فرمایا: لوگوں کے لیے نکاح میں ان کے لیے وہ معروف ہیں اور وہ اسے جانتے ہیں یعنی وہ مہر اور کفو ہونا اسے معلوم ہے۔ امام مالک سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے فقیر بھتیجے سے کر دیا تو اس کی ماں نے اس پر اعتراض کیا۔ تو اس نے کہا: میں اس کے لیے اس کے متعلق کلام کرنے والے کی گنجائش دیکھتا ہوں۔ پس اس کے لیے اس کلام میں جواز رکھا گیا حتی کہ اس نے ظاہر کیا ایسی چیز کو جس نے ماں کے اعتراض کو ساقط کر دیا اور اس میں یہ لفظ بھی مروی ہے کہ میں اس کے لیے کلام کرنے والے کی گنجائش نہیں دیکھتا۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور غیر یتیمہ کے لیے جائز ہے کہ وہ مہر مثل سے کم پر نکاح کر لے کیونکہ یہ آیت یتامیٰ کے بارے میں ہے۔ یہ اس آیت کا مفہوم ہے اور غیر یتیمہ اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ جب یتیمہ بالغ ہو جائے اور ولی اس کے مہر میں انصاف کا تقاضا پورا کرے تو اس کے لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ کی تفسیر پر وہ خود نکاح کرنے والا اور جس کا نکاح کیا گیا دونوں طرف سے ہوگا۔ یہی امام ابو حنیفہ، اوزاعی ثوری اور ابوثور کا قول ہے۔ تابعین میں سے حضرت حسن اور ربیعہ کا قول ہے۔ یہی امام لیث کا قول ہے۔ امام زفر اور امام شافعی نے فرمایا: اس کے لیے اس یتیمہ سے نکاح کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ سلطان اجازت دے یا ولی ابعد اس سے اس کا نکاح کر دے یا اس کی مثل قرابت کا جو اس کی مثل ہے وہ نکاح کر دے اور خود نکاح کرنے والا ہونا، اور اپنے ساتھ نکاح کرنا یہ جائز نہیں اور انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ ولایت، عقد کی شروط میں سے ایک شرط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نکاح نہیں ہے مگر ولی کے ذریعے اور دو عادل گواہوں کے ذریعے'' (2)۔ نکاح کرنے والے اور نکاح کرانے والے اور گواہوں کی تعداد واجب ہے، جب ان میں سے دو ایک ہو جائیں تو ان میں سے ایک ساقط ہوگا، اس مسئلہ میں ایک

1۔ سنن دار قطنی، کتاب النکاح، جلد 3، صفحہ 229، حدیث نمبر 35　2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 225، حدیث نمبر 21

تیسرا قول بھی ہے وہ یہ ہے عورت اپنا معاملہ کسی شخص کے سپرد کر دے وہ اس کا نکاح اپنے آپ سے کر دے۔ یہ مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے اور یہی امام احمد کا قول ہے۔ ابن منذر نے یہ ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اس کا معنی ہے جو تمہارے لیے حلال ہیں۔ حضرت حسن، حضرت ابن جبیر وغیرہما سے مروی ہے (1)۔ ان کے ذکر پر اکتفا کیا جس کے ساتھ نکاح جائز ہے، کیونکہ عورتوں میں سے محرمات کثیر ہیں۔ ابن اسحاق، جحدری اور حمزہ نے طاب کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں طیب یعنی یا کے ساتھ تھا یہ امالہ کی دلیل ہے۔ مِّنَ النِّسَآءِ دلیل ہے کہ نساء نہیں کہا جائے گا مگر اسے جو بالغ ہو النساء کا واحد نسوۃ ہے اور لفظاً نسوۃ کا واحد نہیں ہے لیکن امرأۃ کہا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ یہ ما سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے، یہ نکرہ ہیں اور غیر منصرف ہیں کیونکہ ان میں عدل اور صفت کے سبب پائے جاتے ہیں، ابوعلی نے اسی طرح کہا ہے۔ طبری نے کہا: یہ معرفہ ہیں کیونکہ ان پر الف، لام داخل نہیں ہوتا یہ تعریف میں عُمَرُ کے قائم مقام ہیں۔ یہ کوفی کا قول ہے (2)۔ زجاج نے اس پر قول کو خطا کہا ہے بعض علماء نے فرمایا: یہ غیر منصرف ہیں، کیونکہ یہ اپنے لفظ اور معنی سے معدول ہیں، پس احاد، واحد واحد سے معدول ہے اور مثنی، اثنین، اثنین سے معدول ہے۔ ثلاث، ثلاثۃ ثلاثۃ سے معدول ہے۔ رباع، اربعۃ اربعۃ سے معدول ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں دو لغتیں ہیں فعال، مفعل، کہا جاتا ہے: احاد، موحد، ثناء، مثنٰی و ثلاث، مثلث، رباع، مربع اسی طرح معشر، عشار تک ہے۔ ابواسحاق ثعلبی نے ایک تیسری لغت بھی بیان کی ہے احد وثنی، ثلث و ربع جیسے عمر و زفر، اسی طرح نخعی نے اس آیت میں پڑھا ہے۔ مہدوی نے نخعی اور ابن وثاب سے ثلاث و ربع بغیر الف کے ربع میں حکایت کیا ہے۔ یہ رباع سے تخفیف کی خاطر مقصود ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا

أقبل سَيْلٌ جاء من عندالله يَحْرِدُ حرد الجنةِ المُغِلة

ثعلبی نے کہا: اس وزن پر اربع سے زیادہ نہیں کہا جاتا مگر ایک شعر الکمیت سے مروی ہے۔

فلم يَسْتَرِ يثُوك حتى رميـ ـتَ فوق الرجالِ خِصالا عُشَارا

یعنی دس نیزے مارے، ابن الدہان نے کہا: بعض نے مسموع پر توقف کیا ہے یہ احاد سے رباع تک ہیں مذکورہ بیت کا شاذ ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں۔ ابوعمرو بن حاجب نے کہا: کہا جاتا ہے احاد، موحد، ثُناء، مثنی، ثلاث، مثلث، رباع، مربع، کیا اس کے علاوہ تسعہ (نو) تک اسی طرح کہا جائے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس پر نص قائم فرمائی ہے۔

اور اس کے معنی سے معدول ہونا یہ ہے کہ یہ اس جگہ میں استعمال نہیں ہوتا جس میں غیر معدولہ اعداد استعمال ہوتے ہیں تو کہتا ہے: جاء نی اثنان وثلاثۃ اور مثنی وثلاث کہنا جائز نہیں حتیٰ کہ اس سے پہلے جمع ہو مثلاً جاءنی القوم احاد و ثناء و

1۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 293 2۔ ایضاً، جلد 3-4، صفحہ 294

ثلاث و رباع (بغیر تکرار کے)۔ یہ یہاں اور آیت میں حال کی جگہ میں ہیں اور صفت بھی ہوتے ہیں ان اعداد کی صفت ہونے کی مثال اس ارشاد میں واضح ہوتی ہے اُولِیٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (فاطر: 1) یہ الاجنحۃ کی صفت ہیں یہ نکرہ ہیں ساعدہ بن جؤیۃ نے کہا:

ولکنما اهلی بِوادٍ أنیسُه ذئابٌ تَبغَّی الناس مَثْنَی و مَوْحَدُ

اس میں مثنی اور موحد، ذئاب کی صفت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

فراء نے یہ شعر کہا ہے:

قتلنا به من بَین مَثْنَی و مَوْحَدٍ بأربعة منکم وآخر خامِسِ

اسی طرح اس شعر میں صفت میں یعنی قتلنا بہ ناساً یہ معرفہ اور نکرہ دونوں حالتوں میں غیر منصرف ہوتے ہیں، کسائی اور فراء نے عدد میں اس کو منصرف بنایا ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے، اخفش نے کہا ہے کہ اس کے ساتھ نام رکھا جائے تو معرفہ اور نکرہ دونوں صورتوں میں منصرف ہوتے ہیں کیونکہ ان سے عدل زائل ہو گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ۔ نو عورتوں کی اباحت پر دلالت نہیں کرتے جیسا کہ اس شخص نے کہا ہے جو کتاب و سنت کے سمجھنے سے بہت دور ہے، اور اس نے امت کے سلف صالحین کے اقوال سے اعراض کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ واؤ جمع کے لیے ہے اور اپنے اس قول کو اس سے تائید دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو عورتوں سے نکاح کیا تھا اور اپنی عصمت میں ان کو جمع کیا تھا، جو لوگ اس جہالت کا شکار ہوئے اور یہ بات کہی وہ رافضی لوگ اور بعض اہل ظاہر ہیں انہوں نے مَثْنٰی کو اثنین کی طرح بنایا ہے اسی طرح ثلاث اور رباع کے بارے میں کہا ہے۔ بعض اہل ظاہر اس سے بھی قبیح نظریہ رکھتے ہیں انہوں نے کہا: اٹھارہ عورتوں کے درمیان تک جمع کرنا مباح ہے اور دلیل یہ مروی ہے کہ ان صیغوں میں عدل تکرار کا فائدہ دیتا ہے اور واؤ جمع کے لیے ہے۔ پس انہوں نے مثنی، مثنی کو اثنین، اثنین کے معنی میں کیا ہے، اسی طرح ثلاث اور رباع کے بارے میں کہا ہے۔ یہ حقیقت میں لغت عرب اور سنت سے جہالت ہے اور اجماع امت کی مخالفت ہے، کیونکہ کسی صحابی اور تابعی کے بارے میں نہیں سنا گیا کہ اس نے چار عورتوں سے زیادہ عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھی ہوں۔ امام مالک نے اپنے موطا، نسائی اور دارقطنی نے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان بن امیہ الثقفی کو کہا جبکہ اس نے اسلام قبول کیا تو اس کے عقد میں دس عورتیں تھیں ''ان میں سے چار کو اختیار کر اور باقی سے جدا ہو جا'' (1)۔

ابوداؤد کی کتاب میں حارث بن قیس سے مروی ہے فرمایا: میں نے اسلام قبول کیا تو میرے پاس آٹھ عورتیں تھیں میں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان میں سے چار کو اختیار کر'' (2)۔ مقاتل نے کہا: قیس بن حارث کے پاس آٹھ آزاد عورتیں تھیں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا اور چار کو اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا۔ مقاتل نے قیس بن حارث سے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ یہ حارث بن قیس اسدی تھا جیسا

1۔ سنن دارقطنی، باب المہر، جلد 3، صفحہ 270، حدیث نمبر 96
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 304

کہ ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح محمد بن حسن نے سیر کبیر میں روایت کیا ہے کہ یہ حارث بن قیس تھا اور یہی فقہاء کے نزدیک معروف ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مباح کیا گیا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے جیسا کہ سورۂ الاحزاب میں اس کا بیان آئے گا۔ رہا ان کا قول کہ واؤ جمع کے لیے ہے یہ کہا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے عربوں کو واضح لغت کے ساتھ خطاب فرمایا اور عرب یہ اجازت نہیں دیتے کہ تو تسعہ نہ کہے اور کہے اثنین و ثلاثۃ و اربعۃ۔ اسی طرح عرب اس کو قبیح سمجھتے ہیں جو کہتا ہے اعط فلاناً اربعۃ ستۃ ثمانیہ اور ثمانیۃ عشہ نہیں کہتا۔ اس آیت میں واؤ بدل ہے یعنی دو کا بدل تین سے نکاح کرلو اور تین کا بدل چار سے نکاح کرلو۔ اسی وجہ سے (واؤ) کے ساتھ عطف فرمایا (او) کے ساتھ عطف نہیں فرمایا، اگر او کے ساتھ ہوتا تو جائز ہوتا کہ دو عورتوں والے کے لیے تین عورتیں جائز نہ ہوں اور تین والے کے لیے چار عورتیں جائز نہ ہوں۔ ان کا قول کہ مثنی اثنین کا تقاضا کرتا ہے اور ثلاث، ثلاثۃ اور رباع اربعۃ کا تقاضا کرتی ہے یہ ایسا فیصلہ ہے جس پر اہل لغت ان کی موافقت نہیں کرتے اور یہ ان کی طرف سے جہالت ہے۔ اسی طرح دوسرے لوگوں کی جہالت ہے کیونکہ مثنی، اثنین، اثنین کا اور ثلاث، ثلاثۃ، ثلاثۃ کا رباع اربعۃ، اربعۃ کا تقاضا کرتا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ اثنین، اثنین، ثلاثا ثلاثا، اربعا اربعا عدد کے لیے حصر ہیں جب کہ مثنی و ثلاث و رباع اس کے خلاف ہیں اور عربوں کے نزدیک معدول عدد میں معنی کی ایسی زیادتی ہوتی ہے جو اصل میں نہیں ہوتی۔ یہ اس طرح ہے کہ جب کہا: جاءت الخیل مثنی تو اس کا مطلب دو دو ہو کر گھوڑے آئے، یعنی ملے ہوئے آئے۔ جوہری نے کہا: اسی طرح عدد کا معدول ہے اور دوسرے علماء نے کہا: جب تو نے کہا: جاءنی قوم مثنی او ثلاث او احاد او عشار تو تیری مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ تیرے پاس ایک ایک یا دو دو یا تین تین یا دس دس ہو کر آئے۔ یہ معنی اصل میں نہیں ہے کیونکہ جب تو کہتا ہے: جاءنی قوم ثلاثۃ ثلاثۃ او قوم عشرۃ عشرۃ۔ تو تو نے قوم کی تعداد کو تیرہ کی تعداد میں منحصر کر دیا اور جب تو نے کہا: جاءنی رباع وثناء تو تو نے ان کی تعداد کو محصور نہیں کیا تیری مراد یہ ہوتی ہے کہ تیرے پاس چار چار یا دو دو آئے۔ خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو یا کم ہو اور ہر صیغہ کو کم از کم پر اپنے گمان کے مطابق محصور کرنا ایک غیر پسندیدہ فیصلہ ہے۔ رہا علماء کا اختلاف اس شخص کے بارے میں جو پانچویں عورت سے نکاح کرتا ہے جبکہ اس کے پاس چار عورتیں پہلے موجود ہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک اور شافعی نے فرمایا: اگر تو وہ اس کی حرمت جانتا ہے تو اس پر حد ہوگی یہی ابوثور کا قول ہے۔ زہری نے کہا: اگر وہ جانتا ہے تو اسے رجم کیا جائے گا اگر وہ جاہل ہے تو دونوں حدوں میں سے ادنیٰ حد یعنی کوڑے اس پر ہوں گے اور اس عورت کو مہر ملے گا اور ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ کبھی جمع نہ ہوں گے۔ ایک جماعت نے کہا: اس پر کوئی حد نہیں ہوگی یہ نعمان کا قول ہے۔ یعقوب اور محمد نے کہا: دو محرم میں حد لگائی جائے گی اور اس کے علاوہ کسی سے نکاح کرنے کی صورت میں حد نہیں ہوگی۔ یہ اس کی مثل ہے جو مجوسی عورت سے نکاح کرتا ہے یا ایک عقد میں پانچ عورتوں سے نکاح کرتا ہے یا معتدہ سے نکاح کرتا ہے یا بغیر گواہوں کے نکاح کرتا ہے یا ایسی لونڈی سے نکاح کرتا ہے جس کے آقا کی اجازت نہیں ہے۔ ابوثور نے کہا: جب وہ جانتا ہو کہ یہ حلال نہیں ہے تو تمام صورتوں میں اس پر حد ہوگی مگر بغیر گواہوں کے

نکاح کرنے کی صورت میں حد نہ ہوگی۔ اس میں تیسرا قول بھی ہے۔ نخعی نے کہا: وہ شخص جو چوتھی عورت کی عدت گزارنے سے پہلے پانچویں عورت سے جان بوجھ کر نکاح کرتا ہے اسے سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اسے جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہمارے علماء کا پانچویں عورت کے بارے میں فتویٰ ہے جیسا کہ ابن منذر نے یہ ذکر کیا ہے پھر جو اس سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے گا اس کے بارے کتنا سخت قول ہوگا۔

مسئلہ نمبر 10۔ زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم حزامی نے مجھے بتایا انہوں نے محمد بن معن الغفاری سے روایت کیا فرمایا: ایک عورت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور عرض کی: اے امیر المومنین! میرا خاوند دن کو روزہ رکھتا ہے رات کو قیام کرتا ہے اور اس میں اس کی شکایت کرنا بھی ناپسند کرتی ہوں، وہ اللہ کی اطاعت میں رہتا ہے حضرت عمر نے اسے کہا: تیرا خاوند بہت اچھا خاوند ہے وہ بار بار اپنی بات دہراتی رہی اور حضرت عمر اسے یہی جواب دیتے رہے۔ حضرت کعب اسدی نے حضرت عمر سے کہا: اے امیر المومنین! یہ عورت اپنے خاوند کی شکایت کر رہی ہے کہ وہ اس سے ہم بستر نہیں ہوتا حضرت عمر نے کہا: جیسا کہ تم نے اس کی بات سمجھی ہے پس فیصلہ بھی تم ہی کرو۔ حضرت کعب نے فرمایا: اس کے خاوند کو میرے پاس لایا جائے اسے لایا گیا تو حضرت کعب نے اسے کہا: تیری بیوی تیری شکایت کرتی ہے، خاوند نے کہا: کھانے کے بارے میں یا پینے کے بارے میں؟ حضرت کعب نے کہا: نہیں۔ عورت نے کہا اشعار کا ترجمہ: اے قاضی! اس کی دانش بڑی پختہ ہے میرے دوست کو اس کی مسجد نے میرے بستر سے غافل کر دیا ہے، اس کی عبادت نے میرے پہلو میں سونے سے عدم دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ اے کعب! فیصلہ کر اور تردد کا شکار نہ ہو۔ یہ نہ دن کو سوتا ہے اور نہ رات کو سوتا ہے عورتوں کے معاملات میں میں اس کی تعریف نہیں کرتی۔

جواباً اس کے خاوند نے کہا: اس کے بستر اور اس کے حجلہ عروسی سے مجھے دلچسپی نہیں ہے کہ میں ایسا شخص ہوں کہ جو سورۃ النحل، سورۂ بقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام اور اعراف میں نازل ہوا ہے اسی نے مجھے ہر چیز سے غافل کر دیا ہے اللہ کی کتاب میں بہت بڑا خوف دلایا گیا ہے۔

حضرت کعب نے فرمایا: اے شخص! تجھ پر اپنی بیوی کا حق ہے، ہر عقل مند کے لیے چار دنوں میں اس کا حصہ ہے اسے اپنا حق ادا کر اور علتیں بیان کرنا چھوڑ دے۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے عورتوں میں سے دو دو، تین تین اور چار چار حلال کی ہیں، تیرے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں تو ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں تیرے کس امر پر تعجب کروں ان کے معاملے کو سمجھنے پر یا تیرے ان کے درمیان فیصلہ پر، تم جاؤ میں نے تجھے بصرہ کی قضا کا عہدہ سونپا ہے۔ ابوہدبہ ابراہیم بن ہدبہ نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی جو اپنے خاوند کی زیادتی کی شکایت کر رہی تھی اس نے کہا: میرے لیے وہ نہیں ہے جو عورتوں کے لیے ہوتا ہے، میرا خاوند ہمیشہ روزہ رکھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے لیے ایک دن ہے اور اس کے لیے ایک دن ہے، ایک دن عبادت کے لیے ہے اور ایک دن عورت کے لیے ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ ضحاک وغیرہ نے کہا: اس کا مطلب ہے اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم میلان، محبت، جماع (1)، حسن معاشرت، چار، تین اور دو بیویوں کے درمیان تقسیم میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک عورت سے نکاح کرو۔ باری اور حسن معاشرت میں عدل کے ترک تک پہنچانے والی زیادتی (☆) سے منع کیا گیا ہے ایسی صورت میں ایک عورت سے نکاح کے وجوب کی دلیل ہے واللہ اعلم۔ واحدۃ کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے فواحدۃ فیھا کفایۃٌ او کافیۃ یعنی ایسی صورت میں ایک کافی ہے یا کفایت کرتی ہے کسائی نے کہا: فواحدۃ تقنع یعنی ایک پر قناعت کرے۔ فعل کے اضمار کے ساتھ واحدۃ کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے یعنی فانکحوا واحدۃ یعنی پھر ایک سے نکاح کرو۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اس سے مراد لونڈیاں ہیں اس کا عطف واحدۃ پر ہے یعنی اگر ایک میں بھی عدل نہ کر سکنے کا خوف ہو تو پھر لونڈیاں رکھو۔ اس میں دلیل ہے کہ وطی اور باری میں لونڈی کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم باری مقرر کرنے میں عدل نہ کرو تو ایک عورت سے نکاح کرو یا لونڈیاں رکھو۔ لونڈیوں کو ایک عورت کے قائم مقام بنایا پس وطی اور قسم میں لونڈیوں کا حق ہونے کی نفی ہوگئی، مگر یہ کہ دائیں ہاتھ کی ملک عدل میں حسن معاشرت اور غلام کے ساتھ نرمی کے وجوب کے ساتھ قائم ہے اللہ تعالیٰ نے ملک کو الیمین کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ یہ مدح کی صفت ہے اور یمین محاسن کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ محاسن پر قادر ہوتا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ دایاں ہاتھ ہی منفقہ (خرچ کرنے والا) ہے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ (2) (یعنی جو دایاں ہاتھ خرچ کرے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو) یہ معاہدہ اور بیعت کرنے والا ہے اسی وجہ سے قسم کو بھی یمین کہا جاتا ہے۔ یہ بزرگی کے جھنڈوں کو پانے والا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

اذا ما رَايَةٌ رُفعت لمجد تلقاها عَرَابَةُ باليمين

جب بزرگی کے لیے جھنڈا بلند کیا گیا تو عرابۃ نے اسے دائیں ہاتھ سے پکڑا۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا یعنی یہ زیادہ قریب ہے کہ تم حق سے انحراف نہ کرو اور تم ظلم نہ کرو۔ حضرت ابن عباس، مجاہد وغیرہما سے یہی مروی ہے (3)۔ کہا جاتا ہے: عال الرجال یعول، جب کوئی ظلم کرے اور جھکاؤ کرے۔ اسی سے عربوں کا قول ہے: عال السھم عن الھدف یعنی تیر ہدف سے ادھر ادھر ہو گیا۔ ابن عمر نے کہا: وہ کیل اور وزن میں ظلم کرنے والا ہے۔ شاعر نے کہا:

قالوا اتّبعنا رسولَ اللہ واطّرحوا قولَ الرسولِ وعالُوا فی الموازِین

انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور انہوں نے رسول مکرم کے قول کو پس پشت ڈال دیا اور وزن کرنے میں ظلم کیا۔

1۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 297

2۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 62

3۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 299

☆ [illegible] عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت۔

ابو طالب نے کہا:

بِمِيزانِ صدقٍ لا يُغِلّ شعيرةً　　له شاهدٌ من نفسه غيرُ عائلِ

سچائی کا ترازو ہے ایک جو کی بھی خیانت نہیں کرتا اس کا نفس ہی گواہ ہے وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے یعنی حق سے انحراف کرنے والا نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

ثلاثة أنفُسٍ وثلاثُ ذَوْدٍ　　لقد عال الزمانُ على عِيالِي

تین افراد اور تین اونٹ، زمانے نے میرے عیال پر ظلم کیا۔

عال الرجل یعیل کا معنی ہے وہ محتاج ہو گیا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً (توبہ: 28) (اگر تمہیں فقر و غربت کا اندیشہ ہو) اسی سے شاعر کا قول ہے:

وما يَدرِي الفقيرُ متى غِناهُ　　وما يَدرِي الغنيّ متى يعيلُ

فقیر نہیں جانتا کہ اس کی غنا کب ہے اور غنی نہیں جانتا کہ وہ کب فقیر ہو جائے گا۔

العیلة والعالة کا معنی الفاقة (بھوک) ہے عالنی الشئ یعولنی۔ جب کوئی کسی پر غالب آجائے تو یہ بولا جاتا ہے۔ عال الامر، جب معاملہ سخت اور شدید ہو جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الا تعولوا یعنی تمہاری اولاد زیادہ نہ ہو۔ ثعلبی نے کہا: یہ اور کسی نے معنی بیان نہیں کیا ہے۔ کہا جاتا ہے: عال یعیل، جب کسی کے عیال زیادہ ہوں۔ ابن عربی نے کہا: عال کے صرف سات معانی ہیں، آٹھواں معنی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے: (۱) عال جھکنا (۲) انحراف کرنا (۳) زیادہ ہونا (۴) ظلم کرنا (۵) بوجھل ہونا۔ یہ ابن درید نے حکایت کیا ہے۔ خنساء نے کہا:

یکفی العشیرة ما اعالها

اس کا خاندان کفایت کرتا ہے جو اس پر بوجھل ہوتا ہے (۶) عیال کی مشقت اٹھانا۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: وابدأ بمن تعول (1)، صدقہ اس سے شروع کرو جن کی تم کفالت کرتے ہو (۷) غالب ہونا، اسی سے ہے عیل صبرہ اس کا صبر مغلوب ہو گیا۔ کہا جاتا ہے: اعال الرجل اس کے عیال زیادہ ہیں اور رہا عال بمعنی کثر عیالہ یہ صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: رہا ثعلبی کا قول کہ (یہ کسی نے معنی بیان نہیں کیا) دارقطنی نے اپنی سنن میں یہ زید بن اسلم سے روایت کیا ہے یہ حضرت جابر بن زید کا بھی قول ہے۔ یہ دونوں مسلمانوں کے علماء اور ائمۃ میں سے ہیں۔ یہ امام شافعی سے پہلے یہ معنی بیان کر چکے ہیں۔ رہا وہ جو ابن عربی نے حصر کا ذکر کیا ہے اور اس کی عدم صحت کا قول کیا ہے، ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ عال الامر کا معنی سخت ہونا اور معاملہ کا ناہموار ہونا ہے۔ یہ جوہری نے حکایت کیا ہے۔ ہروی نے اپنی غریب میں ذکر کیا ہے ابو بکر نے کہا: عال الرجل فی الارض یعیل فیھا۔ جب کوئی زمین میں سفر کرے۔ احمر نے کہا: کہا جاتا ہے: عالنی الشئ یعیلنی

1۔ صحیح بخاری، کتاب النفقات، جلد 2، صفحہ 806

عیلاً معیلاً جب کوئی چیز کسی کو عاجز کر دے۔ رہا عال کا معنی کثر عیالہ۔ یہ کسائی ابو عمر الدوری اور ابن اعرابی نے ذکر کیا ہے۔ کسائی ابو الحسن علی بن حمزہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: عال یعول، اعال یعیل یعنی اس کے عیال زیادہ ہو گئے۔ ابو حاتم نے کہا: امام شافعی لغت عرب کو ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔ شاید یہ بھی ایک لغت ہو۔ ثعلبی المفسر ہمارے استاد ابو القاسم بن حبیب نے کہا: ابو عمر الدوری سے میں نے اس کے متعلق پوچھا وہ لغت میں یقیناً امام تھے انہوں نے فرمایا: یہ حمیر کی لغت ہے اور انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا:

وإنّ الموتَ یأخذ کل حَیّ بلاشك وان أمْشَی وعالا

بلاشک موت ہر زندہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اگرچہ اس کے اہل و عیال زیادہ بھی ہوں۔

ابو عمرو بن علاء نے کہا: عرب کی وجوہ اتنی زیادہ ہوتیں ہیں کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں کسی غلطی کرنے والے سے کوئی غلطی نہ لے لوں۔ طلحہ بن مصرف نے الا تعیلوا پڑھا ہے۔ یہ امام شافعی کی حجت ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: زجاج وغیرہ نے عال کی تاویل عیال سے کرنے میں اس طرح تنقید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کی کثرت مباح کی ہے اور اس میں عیال کا زیادہ ہونا ہے پھر ''عیال زیادہ نہ ہو جائیں'' کے زیادہ قریب کیسے ہوگا۔ یہ تنقید صحیح نہیں ہے کیونکہ لونڈیاں ایسا مال ہیں جس میں خرید و فروخت کے ساتھ تصرف کیا جاتا ہے۔ عیال جس میں تنقید ہے وہ آزاد عورتیں ہیں جن کے حقوق واجب ہیں (1)۔ ابن الاعرابی نے حکایت کی ہے کہ عرب کہتے ہیں: عال الرجل جب کسی کے عیال زیادہ ہو جائیں (2)۔

مسئلہ نمبر 14۔ اس آیت سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو غلام کے لیے بھی چار شادیاں کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ یعنی عورتوں میں سے جو تمہارے لیے حلال ہیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں غلام کی آزاد سے تخصیص نہیں فرمائی۔ یہ داؤد اور طبری کا قول ہے۔ یہی امام مالک سے مشہور قول ہے اور ان کے مؤطا میں موجود کلام کا ماحاصل بھی یہی ہے۔ اسی طرح امام مالک سے ابن القاسم اور اشہب نے روایت کیا ہے۔ ابن المواز نے ذکر کیا ہے کہ ابن وہب نے مالک سے روایت کیا ہے کہ غلام صرف دو عورتوں سے نکاح کرے۔ یہ لیث کا قول ہے۔ ابو عمر نے کہا: امام شافعی، امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب، ثوری، لیث بن سعد نے کہا: غلام دو عورتوں سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہ کرے۔ یہی امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ غلام دو عورتوں سے زیادہ سے نکاح نہ کرے۔ میں صحابہ میں سے ان کی مخالفت کرنے والا نہیں جانتا یہی امام شعبی، عطا، ابن سیرین، الحکم، ابراہیم اور حماد کا قول ہے اور اس قول کی حجت اس کی طلاق اور حد پر قیاس صحیح ہے وہ تمام علماء جو کہتے ہیں اس کی حد، آزاد کی حد سے نصف ہے، غلام کی طلاق دو طلاقیں ہیں، اس کا ایلا دو ماہ ہیں اور اس قسم کے دوسرا احکام، پس یہ بعید نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اس کے قول ''چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے'' میں تناقض ہے۔ واللہ اعلم۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 8، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ ایضاً

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝

''اور دیا کرو (اپنی) عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوش دلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے''۔

اس آیت میں دس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ۔ الصدقات جمع ہے واحد صدقة ہے۔ اخفش نے کہا: بنو تمیم کہتے ہیں صدقة اور جمع صدقات اگر تو چاہے تو دال کو فتحہ دے دے اور چاہے تو ساکن کر دے۔ مازنی نے کہا: کہا جاتا ہے صداق المرأة (صاد کے کسرہ کے ساتھ) اور صاد کے فتحہ کے ساتھ نہیں بولا جاتا (1)۔ یعقوب اور احمد بن یحییٰ نے نحاس سے فتحہ کے ساتھ حکایت کی ہے۔ اس آیت میں خطاب خاوندوں کو ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت قتادہ، حضرت ابن زید اور ابن جریج کا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اپنی بیویوں کے مہر خوشی خوشی دو۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت میں خطاب اولیا کو ہے۔ یہ ابو صالح کا قول ہے (2)۔ ولی، عورت کا مہر لیتا تھا اور اسے کچھ نہیں دیتا تھا پس اولیاء کو ایسا کرنے سے منع کیا گیا اور انہیں ان کے مہر سپرد کرنے کا حکم دیا گیا، کلبی کی روایت میں ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اس طرح کرتے تھے کہ عورت کا ولی، جب اس کی شادی کر دیتا اگر وہ عورت اس کے خاندان میں قریب ہی بیاہی گئی ہوتی تو اسے مہر میں سے کچھ بھی نہ دیتا اور اگر وہ دور کہیں بیاہی جاتی تو اس کا ولی اسے ایک اونٹ پر سوار کر کے اس کے خاوند کے پاس بھیجتا اور اسے اس اونٹ کے سوا کچھ نہ دیتا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (عورتوں کو خوشی خوشی ان کے مہر دیا کرو)

معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ حضرمی نے کہا: اس آیت میں مراد وہ لوگ ہیں جو ایک عورت کے بدلے میں دوسری عورت سے نکاح کرتے (وٹہ سٹہ کا نکاح) تو انہیں مہر مقرر کرنے کا حکم دیا گیا (3)۔ پہلا قول اظہر ہے، کیونکہ ایک میں یہ تمام ضمائر خاوندوں کے لیے ہیں اور وہی مراد ہیں، کیونکہ فرمایا: وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔ یہ ضمائر کے مرجع کے ایک ہونے کا موجب ہے اس میں پہلی ضمائر سے جو مراد ہیں دوسری سے بھی وہی مراد ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت عورت کے مہر کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور یہ اس پر اجماع ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر عراقی بعض علماء سے مروی ہے کہ لونڈی اور غلام کا آقا جب ان کا آپس میں نکاح کر دے تو اس میں مہر واجب نہیں لیکن یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً تو اس میں عام حکم فرمایا اور فرمایا: فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (تو نکاح کر لو ان سے ان کے سرپرستوں کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 8
2۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 300
3۔ ایضاً، جلد 3-4، صفحہ 301

اجازت سے اور دوان کو مہر ان کے دستور کے موافق) علماء کا اجماع ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے اور کم از کم مہر کے متعلق علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا کے تحت آئے گا۔ اور جمہور علماء نے صَدُقَاتِهِنَّ (صاد کے فتحہ اور دال کے ضمہ) کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔ قتادہ نے صُدْقَاتِهِن صاد کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے (2)۔ نخعی اور ابن وثاب نے دونوں کے ضمہ اور مفرد صیغہ پڑھا ہے یعنی صُدُقَتِهِن۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نِحْلَةً نون کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں۔ اس کا معنی عطا کرنا ہے۔ نحلت فلاناً شیئاً میں نے اسے چیز عطا کی۔ مہر عورت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: نِحْلَةً کا مطلب ہے خاوند بغیر جھگڑے کے خوش دلی سے دے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: نِحْلَةً کا مطلب ہے واجب فریضہ ہے (3)۔ ابن جریج اور ابن زید نے کہا: متعین فریضہ ہے (4)۔ ابوعبید نے کہا: نحلة نہیں ہوتا مگر متعین معلوم۔ زجاج نے کہا: نحلہ کا مطلب دین کے طور پر۔ النحلہ کا مطلب دیانۃ اور ملت سے کہا جاتا ہے (5): هذا نحلته یعنی یہ اس کا دین ہے۔ یہ مفہوم اچھا ہے جب کہ خطاب ان اولیاء کو ہو جو زمانہ جاہلیت میں مہر وصول کرتے تھے حتیٰ کہ کسی عورت نے اپنے خاوند کے بارے کہا:

لا یأخذ الحُلوانَ من بناتنا

''وہ ہماری بیٹیوں کا مہر نہیں لیتا''۔

وہ عورت کہتی ہے: وہ ایسا نہیں کرتا جیسا کہ دوسرے لوگ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مہر کی رقم لے لی اور عورتوں کو دینے کا حکم دیا۔ نحلة منصوب ہے کیونکہ یہ فعل کے اضمار کے ساتھ الازواج سے حال ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے انحلوهن نحلة۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تفسیر کی بناء پر منصوب ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ حال کی جگہ میں مصدر ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا یہ خطاب بھی خاوندوں کے لیے ہے اور عموم کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت اپنا مہر خاوند کو ہبۃ کر سکتی ہے خواہ وہ باکرہ (کنواری) ہو یا ثیبہ (شوہر دیدہ) ہو۔ یہی جمہور فقہاء کا قول ہے۔ امام مالک نے باکرہ کے مہر بخشنے کو منع کیا ہے اور یہ انہوں نے ولی کے لیے مقرر کیا ہے جب کہ وہ ملکیت اس عورت کی ہوگا۔ فراء نے کہا: یہ اولیاء سے خطاب ہے۔ کیونکہ وہ مہر لیتے تھے اور عورت کو اس میں سے کچھ نہیں دیتے تھے، ان کے لیے مباح قرار نہ دیا مگر یہ کہ عورت اسے بخش دے۔ پہلا قول اصح ہے، کیونکہ پہلے اولیاء کا ذکر نہیں ہوا ہے اور منه کی ضمیر کا مرجع صداق (مہر) ہے۔ اسی طرح عکرمہ وغیرہ نے کہا ہے (6): اس آیت کے نزول کا سبب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس سے اجتناب کیا کہ جو انہوں نے اپنی بیویوں کو دیا ہے وہ انہیں واپس مل جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ ... الخ۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اتفاق ہے کہ عورت اپنے نفس کے معاملہ کی خود مالک ہے جب وہ اپنا مہر اپنے خاوند کو ہبہ کر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 8　　2۔ ایضاً　　3۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 300
4۔ ایضاً　　5۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 9　　6۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 301

دے گی تو اس کا یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا اس کو اس میں رجوع کا حق نہ ہوگا مگر شریح کا خیال ہے کہ اس میں اس کے لیے رجوع کا حق ہے اور انہوں نے فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا سے حجت پکڑی ہے جب وہ خاوند سے مطالبہ کرنے والی ہوگی تو اس کا دل خوش نہ ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے، کیونکہ وہ خوش تھی جب اس نے کھایا تھا پس اسے کلام کا حق نہیں، کیونکہ مراد کھانا نہیں یہ حلال کرنے اور حلال ہونے سے کنایہ ہے۔ اور یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر عورت نکاح کے وقت شرط لگائے کہ وہ اس پر کسی عورت سے نکاح نہیں کرے گا اور اس وجہ سے وہ اپنے مہر میں سے کچھ ساقط کر دے۔ پھر خاوند اس پر کسی دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو ابن القاسم کی روایت میں اس عورت کے لیے اس خاوند پر کچھ نہ ہوگا، کیونکہ اس نے خاوند پر ایسی شرط لگائی تھی جس کا لگانا جائز نہ تھا جیسا کہ اہل بریرہ نے شرط لگائی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے آزاد کر دے گی اور ولا اس کے بیچنے والوں کے لیے ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد کو صحیح قرار دیا تھا اور شرط کو باطل قرار دیا تھا اسی طرح یہاں اس سے بعض مہر کا ساقط کرنا صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ ابن عبد الحکم نے کہا: اگر تو اس کا مہر، مہر مثل کی مقدار یا اس سے زیادہ باقی رہتا ہے تو عورت اس پر رجوع نہیں کرے گی اور اگر خاوند سے اس نے اتنا مہر ساقط کر دیا کہ مہر مثل سے بھی کم رہ گیا ہے پھر اس خاوند نے اس پر دوسری عورت سے نکاح کر لیا تو وہ مہر مثل کی تکمیل کے لیے رجوع کرے گی، کیونکہ اس نے اپنے اوپر خود شرط قبول کی تھی اور اس کا عوض لیا تھا جو عورت کے لیے واجب تھا پس اس سے وہ لیا جائے گا اور خاوند پر اس کا پورا کرنا واجب ہوگا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مومنین کے معاملات اس کی شروط کے مطابق ہوں (1) گے''۔ (☆)

مسئلہ نمبر 7۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ آزاد کرنا مہر نہیں ہوتا، کیونکہ وہ مال نہیں ہے، کیونکہ عورت کا آزادی کو ہبہ کرنا اور خاوند کے لیے اس کا کھانا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام زفر، امام محمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے امام احمد بن حنبل، اسحاق اور یعقوب نے کہا: حضرت صفیہ کی حدیث جس کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے، اس میں آزادی کو ہی مہر بنایا گیا ہے۔ آزاد کرنے کے علاوہ حضرت صفیہ کا کوئی مہر نہیں تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آزاد کیا تھا اور اس کی آزادی کو ہی اس کا مہر بنایا تھا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تھا اور حضرت انس حضرت صفیہ کی حدیث کے راوی ہیں۔ پہلے گروہ کے علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت صفیہ کی حدیث میں کوئی حجت نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکاح میں یہ خصوصیت تھی کہ آپ بغیر مہر کے بھی نکاح کر لیں آپ نے حضرت زینب سے نکاح کا ارادہ کیا تو وہ حضرت زید پر حرام ہوگئی تھیں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر بغیر ولی اور بغیر مہر کے داخل ہوئے تھے۔ پس اس جیسی حدیث سے استدلال مناسب نہیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نَفۡسًا بعض علماء نے فرمایا: یہ بیان کی بنا پر منصوب ہے۔ سیبویہ اور کوفیوں نے اس اسم کا مقدم ہونا جائز قرار نہیں دیا جو بیان کی حیثیت سے منصوب ہو اور مازنی، ابو العباد المبرد نے اس کو جائز قرار دیا ہے جب کہ اس کا عامل فعل ہو اور دلیل یہ مصرعہ دیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، جلد 1، صفحہ 303

☆ بشرطیکہ وہ کسی نص یا اصل شرعی کے منافی نہ ہوں۔

وما کان نفسًا بالعراق تطیب

(یعنی فراق پر ازروئے نفس کے خوش نہ تھا) قرآن حکیم میں ہے خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ (القمر:7) اس آیت میں بطور بیان خُشَّعًا مقدم ہے۔ اس بنا پر شحماً تفقأت اور وجهاً حسنت جائز ہے۔ سیبویہ کے اصحاب نے کہا: نَفْسًا فعل کے اضمار کے ساتھ منصوب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے اغنی نفسا۔ تمیز کے طور پر منصوب نہیں ہے جب اس طرح ہو تو اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔ زجاج نے کہا: وما کان نفسی اس میں تمام علماء نحو کا اتفاق ہے کہ ممیز کو مقدم کرنا جائز نہیں جب کہ اس کا عامل غیر مصرف ہو جیسے عشرین درهماً۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَكُلُوْهُ اس سے مقصود کھانے کی صورت نہیں بلکہ اس سے مراد مباح کرنا ہے خواہ کسی طریقہ پر ہو۔ بعد والی آیت میں بھی یہی مراد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اس میں نفس کھانا مراد نہیں ہے مگر چونکہ کھانا مال سے متمتع ہونے کی ایک مکمل قسم ہے اس لیے تصرفات کو (کھانے) سے تعبیر کیا گیا۔ اس کی مثال یہ ارشاد ہے اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جمعہ:9) اس آیت میں بیع کی صورت مقصود نہیں ہے بلکہ ہر وہ کام مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے مثلاً نکاح وغیرہ، لیکن بیع کا ذکر کیا گیا، کیونکہ ذکر الٰہی سے غافل کرنے والی چیزوں میں سے اہم ترین ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا، کلوہ میں جو منصوب ضمیر ہے اس سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بعض علماء نے فرمایا: یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی اکلا هنيئا بطيب الانفس۔ عرب کہتے ہیں: هنأه الطعام والشراب، يهنؤه وما كان هينئاً ولقد هنؤ۔ اور مصدر الهنء۔ ہر وہ چیز جو مشقت اور تکلیف سے حاصل نہ ہو وہ هنئ ہے۔ هنئ یہ هنؤ سے اسم فاعل ہے جیسے ظریف، ظرف سے اسم فاعل ہے هنئ یہ فعل کے وزن پر ہے جیسے زمن، هنانی الطعام و مرأنی اکٹھے استعمال ہوتے ہیں اور جب هنانی استعمال نہ ہو تو امرانی الطعام الف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے یعنی کھانا ہضم ہو گیا۔ ابو علی نے کہا: یہ اسی طرح ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے أرجعن مازورات غير مأجورات (1)۔ موزورات سے واؤ کو ماجورات کے لفظ کی اتباع میں الف سے بدل دیا۔ ابو العباس نے ابن اعرابی سے روایت کیا ہے کہا جاتا ہے: هنئ وهنأنی و مرأنی امرأنی اور مرئنی نہیں کہا جاتا۔ یہ ہروی نے حکایت کیا ہے۔ قشیری نے حکایت کیا ہے کہ هننئی و مرئنی (را کے کسرہ کے ساتھ) يهنأنی يمرأنی کہا جاتا ہے اور یہ قلیل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: هنيئا جس میں گناہ نہ ہو اور مریئا جس میں کوئی بیماری نہ ہو۔ کثیر نے کہا:

هَنِيئًا مَرِيئًا غيرَداء مُخامِر　لِعزَّة من أعراضِنا ما أستحَلَّت

ایک شخص علقمہ کے پاس آیا جب کہ وہ کوئی چیز کھا رہے تھے جو اس کی بیوی نے اپنے مہر میں سے اسے ہبہ کی تھی تو اس نے اسے کہا: كل من الهنئ المرئ۔ بعض علماء نے کہا: الهنئ جو پاک ہو اور آسانی سے گلے سے اترنے والا ہو کسی چیز نے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 114

اسے خراب نہ کیا ہو اور المری جس کا انجام اچھا ہو، مکمل ہضم ہونے والا ہو، نہ نقصان دے اور نہ اذیت دے۔ فرمایا: جس کے مطالبہ سے دنیا میں تم خوف نہ کھاتے ہو اور آخرت میں جو بوجھ نہ ہو۔ اس پر حضرت ابن عباس کی روایت دلالت کرتی ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت خوشی سے اپنے خاوند کو عطیہ دے گی جب کہ وہ مجبور نہ ہوگی، سلطان اس کی وجہ سے تمہارے خلاف فیصلہ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے متعلق مواخذہ نہ کرے (1)۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف ہو تو اپنی بیوی سے اس کے مہر میں سے ایک درہم مانگنا چاہیے پھر اس کے ساتھ شہد خریدے پھر اسے بارش کے پانی کے ساتھ ملا کر پیے، پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے الھنی، المری اور مبارک پانی کو جمع کر دے گا۔ واللہ اعلم

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

''اور نہ دے دو نادانوں کو اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری (زندگی کے) لیے سہارا اور کھلاؤ انہیں اس مال سے اور پہناؤ انہیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات''۔

اس آیت میں دس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ جب اللہ تعالیٰ نے یتیموں کو مال دینے، عورتوں کو مہر دینے کو بیان کر دیا تو وضاحت فرمائی کہ بے وقوف اور غیر بالغ کو مال دینا جائز نہیں۔ یہ آیت یتیموں کے لیے وصی، ولی اور کفیل کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان، آزاد، معتبر، عادل شخص کو وصی بنانا جائز ہے اور آزاد عورت کو وصی بنانے میں اختلاف ہے۔ عوام اہل العلم نے کہا: آزاد عورت کو وصی بنانا جائز ہے۔ امام احمد نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت حفصہ کو وصی بنایا تھا۔ عطا بن ابی رباح سے مروی ہے کہ انہوں نے اس شخص کو فرمایا جس نے اپنی عورت کو وصی بنایا تھا۔ عورت وصی نہیں ہو سکتی اگر عورت وصی بنائی گئی تو وہ اس کی قوم کے مرد کی طرف وصیت پھیر دی جائے گی غلام کو وصی بنانے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، ابوثور، امام محمد اور یعقوب نے اس سے منع فرمایا ہے۔ امام مالک، اوزاعی، ابن عبدالحکم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ نخعی کا قول ہے، جب اپنے غلام کو وصی بنائے اس کے متعلق گفتگو سورۂ بقرہ میں بالتفصیل گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے السُّفَهَآءَ۔ سورۂ بقرہ میں السفہ کا لغوی معنی بیان ہو چکا ہے ان سفہاء سے کون مراد ہیں اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے سالم افطس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے فرمایا: اس سے مراد وہ یتیم بچے ہیں جن کو تم مال نہیں دیتے۔ نحاس نے کہا: یہ بہتر قول ہے جو اس آیت کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اسماعیل بن ابی خالد نے ابو مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: یہ چھوٹی اولاد ہے تم ان کو مال نہ دو تا کہ وہ خراب نہ کر دیں اور تم بغیر کسی چیز کے باقی نہ رہ جاؤ (2)۔ سفیان نے حمید اعرج سے انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: اس سے مراد عورتیں ہیں (3)، نحاس وغیرہ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 1، صفحہ 471　　2۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 306　　3۔ ایضاً

نے کہا: یہ قول صحیح نہیں ہے عرب عورتوں کے بارے میں سفائة یا سفیهات کہتے ہیں، کیونکہ فعیلہ کی جمع اکثر اسی طرح آتی ہے۔ کہا جاتا ہے، تم اپنا مال نہ مضاربت پر دو اور نہ ایسے وکیل کو دو جو تجارت اچھی طرح نہ کر سکتا ہو۔ حضرت عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو عقل نہ رکھتا ہو وہ ہمارے بازار میں تجارت نہ کرے پس اس کے متعلق فرمایا وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ یعنی جو احکام سے جاہل ہیں اور کہا جاتا ہے کہ کفار کو مال نہ دو اسی وجہ سے علماء نے مکروہ قرار دیا ہے کہ مسلمان کسی ذمی کو خرید و فروخت کا وکیل بنائے یا اسے مضاربت پر مال دے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: السُّفَهَآءَ سے مراد یہاں ہر وہ شخص ہے (1) جو حجر کا مستحق ہے۔ یہ جامع قول ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: سفیہ پر حجر، تو سفیہ کے کئی احوال ہوتے ہیں اس پر اس کے عمر میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے حجر کیا جاتا ہے، جنون وغیرہ کی وجہ سے عقل نہ ہونے کی حالت میں حجر کیا جاتا ہے، اپنے مال میں اچھی سوچ نہ رکھنے کی حالت میں حجر کیا جاتا ہے۔ رہا وہ شخص جس پر غشی طاری ہوتی ہے امام مالک نے اس پر حجر نہ کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے، کیونکہ غشی جلد ختم ہو جاتی ہے، حجر کبھی انسان کے اپنے حق کے لیے ہوتا ہے اور کبھی دوسروں کے حق کے لیے ہوتا ہے۔ جسے اپنی ذات کے حق کی وجہ سے حجر کیا جاتا ہے وہ ہے جس کا ذکر ہم نے کر دیا ہے اور جنہیں دوسروں کے حق کی وجہ سے حجر کیا جاتا ہے وہ غلام بہت زیادہ مقروض اور مریض جو دو ثلث میں وصیت کرتا ہے۔ مفلس خاوند والی عورت، جنہیں اپنے ساتھی کے حق کی وجہ سے حجر کیا جاتا ہے باکرہ کو اپنے نفس کے حق کی وجہ سے حجر کیا جاتا ہے، رہا چھوٹا بچہ اور مجنون ان پر حجر کے بارے کوئی اختلاف نہیں ہے، رہا بڑا آدمی جو اپنے مال میں اچھی نظر نہیں رکھتا اور اس سے مال کو بلا وجہ تلف کرنے سے امن نہیں ہوتا، تو وہ بچے کے مشابہ ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے جو آگے آئے گا، اس میں فرق نہیں کہ وہ اپنے مال کو گناہوں میں تلف کرتا ہو یا قرب اور مباحات میں تلف کرتا ہو۔ ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے اس میں جو مال کو قرب میں خرچ کرتا ہو بعض نے اس پر حجر کیا ہے اور بعض نے اس پر حجر نہیں کیا۔ غلام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور مقروض کے ہاتھ میں جو کچھ ہوگا وہ قرض خواہوں کے لیے لے لیا جائے گا، کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ حضرت عمر نے اسیفع جھینہ سے ایسا کیا تھا۔ امام مالک نے مؤطا میں یہ ذکر کیا ہے: وہی باکرہ جب تک وہ پردے میں ہے اس پر حجر ہوگا، کیونکہ وہ اپنے بارے صحیح نظر نہیں رکھتی حتیٰ کہ جب نکاح کرے اور لوگ اس پر داخل ہوں اور وہ باہر نکلے اور اس کا چہرہ ظاہر ہوگا اور منافع اور نقصان کو پہچان لے تو اس پر حجر ختم ہو جائے گا اور رہی خاوند والی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی عورت کے لیے جائز نہیں جس کا خاوند اس کی عصمت کا مالک ہو کہ وہ اپنے مال میں فیصلہ کرے مگر تہائی میں اسے اجازت ہے (2)''۔

میں کہتا ہوں: رہا احکام سے جاہل شخص اگرچہ اس پر حجر تو نہیں کیا جاتا لیکن مال میں عدم تدبیر کی وجہ سے اسے مال دیا نہیں جائے گا، کیونکہ اسے فاسد بیوع اور صحیح بیوع کا علم نہیں ہے اور حل و حرمت سے ناواقف ہے، ذمی بھی بیوع کی جہالت میں اس کی مثل ہے، اس کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ سودی معاملات کرے گا۔ واللہ اعلم۔ اس بنا پر مخاطبین کی طرف مال کی اضافت کی وجہ سے اختلاف ہے۔ یہ اضافت سفہاء کے لیے ہے۔ مال کی نسبت ان کی طرف اس لیے کی، کیونکہ وہ ان کے

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 10　　2۔ مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ عمرو، جلد 2، صفحہ 221

قبضہ میں ہے اور وہ اس میں نگران ہیں پس وسعت کی بنا پر ان کی طرف نسبت کی گئی جیسے ارشاد ہے فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِكُمۡ (النور:61) اور فرمایا فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ (بقرہ:53) اور بعض علماء نے فرمایا: ان کی طرف اموال کی نسبت اس لیے کی، کیونکہ وہ ان کے اموال کی جنس سے ہے کیونکہ اموال مخلوق کے درمیان مشترک ہیں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف منتقل ہوتے ہیں، ایک ملکیت سے دوسری ملکیت میں جاتے ہیں یعنی یہ مال ان کے لیے ہیں جب وہ ان کے محتاج ہوتے ہیں جس طرح تمہارے وہ مال ہیں جو تمہاری عزت کو بچاتے ہیں اور تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور تمہاری اقدار کو بڑھاتے ہیں اور ان کے ساتھ تمہارے معاملات زندگی کا قیام ہے۔ دوسرا قول حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور حضرت قتادہ کا ہے، مخاطبین کے مال حقیقۃً مراد ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: تو اپنا وہ مال اپنی بیوی اور بیٹے کو نہ دے جو تیری معیشت کا سبب ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو فقیر ہو جائے اور تو ان کا منہ تکتا رہے اور ان کے ہاتھوں میں جو ہے اس کو تکتا رہے بلکہ تو خود ان پر خرچ کرنے والا ہو۔ اس مفہوم کی بنا پر السُّفَهَآءَ سے مراد عورتیں اور بچے ہوں گے، چھوٹی اولاد اور اس کی بیوی۔ مجاہد اور ابو مالک کا قول بھی سفہاء کے بارے میں یہی تھا (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت سفیہ پر حجر کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے: وَ لَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ اور فرمایا فَاِنۡ كَانَ الَّذِیۡ عَلَیۡهِ الۡحَقُّ سَفِیۡهًا اَوۡ ضَعِیۡفًا (بقرہ:282) سفیہ پر ولایت کو اسی طرح ثابت فرمایا جس طرح ضعیف پر ولایت کو ثابت فرمایا اور ضعیف کا معنی صغیر (چھوٹے) کی طرف راجع ہے اور سفیہ کا معنی بڑے بالغ کی طرف راجع ہے کیونکہ السفہ، مذمت کا اسم ہے اور انسان کی اس پر مذمت نہیں کی جاتی جو اس نے کیا نہ ہو اور قلم غیر بالغ سے اٹھا لیا گیا ہے پس مذمت اور حرج اس سے منفی ہو گئے۔ یہ خطابی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ سفیہ پر حجر سے پہلے کے افعال کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مالک اور ابن القاسم کے علاوہ ان کے تمام اصحاب نے کہا کہ سفیہ کا فعل اور اس کا امر تمام جائز ہے حتی کہ امام اس کے ہاتھ کو روک لے۔ یہی امام شافعی اور امام ابو یوسف کا قول ہے۔ ابن القاسم نے کہا: اس کے افعال جائز نہیں ہیں اگرچہ امام اس کو نہ بھی روکے۔ اصبغ نے کہا: اگر اس کی سفاہت ظاہر ہو تو اس کے افعال مردود ہیں اور اگر سفاہت ظاہر نہیں ہے تو اس کے افعال رد نہیں کیے جائیں گے حتی کہ امام اس پر حجر کر دے۔ سحنون نے امام مالک کے قول کے لیے یہ دلیل دی ہے کہ اگر سفیہ کے افعال حجر کیے جانے سے پہلے مردود ہوں تو سلطان کو کسی پر حجر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن القاسم کی حجت بخاری میں حضرت جابر کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے غلام آزاد کیا جب کہ اس کے پاس اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آزاد غلام کا آزاد کرنا رد کر دیا (3) جب کہ اس سے پہلے اس پر حجر نہیں کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 5۔ بالغ شخص پر حجر کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور جمہور علماء نے فرمایا: اس پر حجر کیا جائے گا (اگر وہ بے وقوف ہو گا) امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اس شخص پر حجر نہیں کیا جائے گا جو بالغ ہو درآں حالیکہ وہ عاقل ہو مگر جب

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 9　2۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 310　3۔ صحیح بخاری، کتاب الخصومات، جلد 1، صفحہ 325

وہ اپنے مال کو خراب کرنے والا ہو (تو اس پر حجر کیا جائے گا) جب وہ ایسا ہو گا تو مال اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے، جب اس عمر کو پہنچ جائے گا تو ہر حال میں مال اس کے سپرد کیا جائے گا خواہ وہ مفسد مال ہو یا نہ ہو، کیونکہ بارہ سال کی عمر میں اس سے عورت حاملہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے چھ ماہ کا بچہ پیدا ہو گا تو وہ پچیس سال کی عمر میں وہ باپ دادا بن جائے گا اور میں اس شخص پر حجر کرنے سے حیا کرتا ہوں جو دادا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مال کو اس سے روکنے کی مدت میں جب وہ مفسد ہونے کی حالت میں بالغ ہو تو اس کا تصرف علی الاطلاق نافذ ہوتا ہے۔ مال صرف احتیاطاً اسے نہیں دیا جاتا۔ یہ نظر اور اثر کے اعتبار سے سب ضعیف ہے۔ دارقطنی نے روایت کیا ہے ہمیں محمد بن حسن صواف نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں حامد بن شعیب نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں شریح بن یونس نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں یعقوب بن ابراہیم (ابو یوسف القاضی) نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ہشام بن عروہ نے بتایا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت زبیر کے پاس آئے اور کہا: میں نے اتنے اتنے کی بیع کے ساتھ خرید کی ہے اور حضرت علی چاہتے ہیں کہ وہ امیر المومنین کے پاس جائیں گے اور ان سے مجھ پر حجر کرنے کا سوال کریں گے حضرت زبیر نے کہا: میں بیع میں تمہارا شریک ہوں پس حضرت علی، حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا: ابن جعفر نے اتنے پیسوں میں خرید کیا ہے اس پر حجر کریں۔ حضرت زبیر نے کہا: میں اس بیع میں اس کا شریک ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا: میں اس شخص پر ایسی بیع میں کیسے حجر کروں جس میں زبیر اس کا شریک ہے۔ یعقوب نے کہا: میں حجر پر عمل کرتا ہوں اور میرا یہی خیال ہے اور میں محجور کی بیع وشرا کو باطل کروں گا اور جب وہ حجر سے پہلے بیع وشرا کرے گا تو میں اس کو جائز قرار دوں گا، یعقوب بن ابراہیم (ابو یوسف) نے کہا: ابو حنیفہ حجر نہیں کرتے اور نہ حجر پر عمل کرتے ہیں اور حضرت عثمان کا قول کہ "میں اس پر کیسے حجر کروں" بڑے آدمی پر بھی حجر کرنے کی دلیل ہے، عبداللہ بن جعفر کو اس کی والدہ نے حبشہ کی زمین میں جنم دیا تھا یہ پہلا بچہ تھا جو اسلام میں پیدا ہوا تھا وہ فتح خیبر کے سال اپنے باپ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی تھی اور یاد کی تھی اور خیبر سنہ 5 ہجری کو فتح ہوا تھا، اس کا قول امام ابو حنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے۔ ان کی حجت آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا** یعنی تمہاری معاش اور تمہارے دین کی اصلاح کے لیے بنایا ہے۔ **الَّتِیْ** میں تین لغات ہیں التی و اللت تا کے کسرہ کے ساتھ اللت تا کے سکون کے ساتھ، اس کے تثنیہ میں بھی تین لغات ہیں۔ اللتان، اللتا (نون کے حذف کے ساتھ) اللتانّ، نون کی شد کے ساتھ اور اس کی جمع کی لغات اسی سورت میں اپنے موقع پر آجائیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ القیام و القوام، معنی جو تجھے قائم کرے۔ کہا جاتا ہے: **فلان قیام اهله و قوام بیته** یعنی وہ شخص جو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور ضروریات زندگی مہیا کرتا ہے۔ جب قاف کو قوام میں کسرہ دیا گیا تو واؤ کو یا سے بدل دیا گیا۔ اہل مدینہ کی قرأت **قیمًا** بغیر الف کے ہے۔ کسائی اور فراء نے کہا: **قیمًا** اور **قوامًا** کا معنی **قیامًا** ہے۔ کسائی اور فراء کے نزدیک اس کی نصب مصدر کی بنا پر ہے یعنی تم اپنے وہ مال بے وقوفوں کو نہ دو جن کے ساتھ تمہارے امور درست ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ تمہارا قیام ہے۔ اخفش نے کہا: اس کا معنی ہے جو تمہارے امور کو قائم

کرنے والے ہیں، انہوں نے اس کو جمع خیال کیا ہے۔ بصریوں نے کہا: قیماً، قیمۃ کی جمع ہے جیسے دیمۃ اور دِیَمٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اموال کو اشیاء کے لیے قیمت بنایا ہے۔ ابو علی نے اس قول کو غلط کہا ہے اس نے کہا: یہ مصدر ہے جیسے قیام اور قوام مصدر میں اس کی اصل قوم ہے لیکن یا کی طرف لوٹانے میں شاذ ہے جیسے جواد کی جمع میں جیاد کا قول شاذ ہے۔ قوما و قواما و قیاماً اس کا معنی ہے اصلاح حال میں دوام اور ثبات۔ حسن اور نخعی نے اللاتی پڑھا ہے انہوں نے التی کی جمع بنایا ہے اور عام قرأت جماعت کے لفظ پر التی ہے۔ فراء نے کہا: اکثر کلام عرب میں النساء اللواتی اور الاموال التی استعمال ہوتا ہے اسی طرح اموال کے علاوہ میں بھی التی استعمال ہوتا ہے۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ان مالوں میں ان کے لیے رکھو یا ان کے لیے ان مالوں میں حصہ مقرر کرو اور یہ اس شخص کا قول ہے جو انسان پر بیوی اور چھوٹے بچوں کا خرچ اور لباس لازم کرتے ہیں(1)۔ یہ بچے کے خرچ کا باپ پر واجب ہونے اور بیوی کے خرچ کا خاوند پر لازم ہونے کی دلیل ہے۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جو غنا کو چھوڑے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کا آغاز اس سے کرو جس کی تم کفالت کرتے ہو۔ عورت کہے گی: یا تم مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو۔ غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ یا مجھے کام پر لگاؤ۔ بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ تم مجھے کس کے آسرا پر چھوڑ رہے ہو۔ صحابہ نے کہا: اے ابو ہریرہ! تو نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: نہیں یہ ابو ہریرہ کے ذہن سے ہے(2)۔ مہلب نے کہا: اہل وعیال پر خرچ کرنا بالاجماع واجب ہے۔ یہ حدیث اس مسئلہ میں حجت ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ ابن المنذر نے کہا: بالغ بچے کے خرچ میں علماء کا اختلاف ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور اس کا کسب بھی نہ ہو۔ ایک گروہ کا خیال ہے والد کو اپنی مذکر اولاد پر خرچ کرنا لازم ہے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور مؤنث اولاد پر خرچ کرنا لازم ہے حتی کہ ان کی شادی ہو جائے اور ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا ہو جائیں۔ اگر خاوند نے حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد اسے طلاق دے دی یا خاوند مر گیا تو اس عورت کا خرچہ اس کے باپ پر نہ ہوگا، اگر حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے طلاق دے دی تو اس کا خرچ باپ پر ہوگا۔

مسئلہ نمبر 9۔ پوتے کا نفقہ دادا پر نہیں ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: پوتے پر دادا خرچ کرے گا حتی کہ وہ بالغ ہو جائے اور عورتوں کو حیض آ جائے۔ پھر دادا پر نفقہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ پوتے پوتیاں اپاہج ہوں، برابر ہے کہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں جب کہ ان کے پاس مال بھی نہ ہو، برابر ہے اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو اگرچہ کتنے ہی نیچے ہوں جبکہ ان کا باپ نہ ہو اور وہ ان پر خرچ کرنے پر قادر بھی ہو۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ اور ایک گروہ نے تمام بچوں اور بالغوں، مردوں اور عورتوں کا نفقہ واجب کیا ہے جب کہ ان کے پاس ایسے اموال نہ ہوں جن کے ساتھ وہ والد کے نفقہ سے مستغنی ہو جائیں دلیل کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہندہ کو یہ فرمانا پیش کیا ہے: خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف(3) تو ابو سفیان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 10　2۔ صحیح بخاری، کتاب النفقات، جلد 2، صفحہ 806　3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 808

کے مال سے اتنا لے لیا کر جو معروف طریقہ پر تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہو اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ مجھے کس کے سپرد کر رہے ہو۔ یہ دلیل ہے کہ وہ یہ کہے گا جسے کسب اور پیشہ کی طاقت نہ ہوگی۔ اور جو بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے گا وہ یہ نہیں کہے گا کیونکہ وہ خود کمانے اور محنت کرنے کی عمر کو پہنچ چکا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ حتی کہ جب نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ نکاح کی عمر کو پہنچنے کو اس میں حد بنایا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد میں ہے عورت کہے گی یا مجھے کھانا کھلا یا مجھے طلاق دے۔ یہ اس کے قول کا رد کرتا ہے جو کہتا ہے: تنگی کی وجہ سے تفریق نہیں کرتا ہے اور عورت پر صبر کو لازم کرتا ہے اور نفقہ خاوند کے ذمہ حاکم کے حکم سے کرتا ہے۔ یہ عطا اور زہری کا قول ہے اور کوفیوں کا نظریہ بھی یہی ہے وہ بطور دلیل یہ آیت پیش کرتے ہیں وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ (بقرہ:280) (اگر وہ تنگ دست ہو تو خوشحالی تک مہلت دو) وہ کہتے ہیں: خوشحال ہونے تک مہلت دینا واجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ (نور:32) وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فقیر کے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے پس فقر کو فرقت کا سبب بنانا جائز نہیں ہے۔ فقر کے ہوتے ہوئے نکاح کرنے کو کہا گیا ہے۔ اس آیت میں ان کی کوئی حجت نہیں ہے اس کا بیان اپنی جگہ پر آئے گا اور حدیث اختلاف کی جگہ میں نص ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: خطاب یتیم کے ولی کو ہے تاکہ وہ اس کے مال سے اس پر خرچ کرے جو مال ولی کی نگرانی میں ہے جیسا کہ پہلے مال کی اضافت میں اختلاف گزر چکا ہے۔ وصی اس یتیم کے مال اور حال کے مطابق اس پر خرچ کرے اگر وہ چھوٹا ہو اور اس کا مال کثیر ہو تو اس کے لیے دایہ کا بندوبست کرے اور اس کی پرورش کرنے والیوں کا اہتمام کرے اور اس پر خرچ میں وسعت کرے۔ اگر یتیم بڑا ہو تو اس کے لیے نرم لباس اور لذیذ کھانے اور خدام کا انتظام کرے۔ اگر اس کا مال کم ہو تو اس کے مطابق خرچ کرے۔ اگر مال بالکل تھوڑا ہو تو حاجت کی مقدار موٹا لباس اور سادہ کھانا مہیا کرے اگر یتیم فقیر ہو اس کا مال نہ ہو تو امام پر واجب ہے کہ بیت المال سے اس کا بندوبست کرے۔ امام اگر ایسا نہ کرے تو مسلمانوں پر یہ واجب ہے۔ جو اس کا زیادہ قریبی ہوگا اس پر واجب ہوگا پھر جو زیادہ قریبی ہو گا اس پر واجب ہوگا۔ ماں اس کی زیادہ قریبی ہے تو اس پر اسے دودھ پلانا اور اس کی دیکھ بھال کرنا واجب ہے اور نہ تو بچے پر رجوع کرے گی اور نہ کسی اور پر رجوع کرے گی یہ وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ (بقرہ:233) کے تحت گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا یعنی ان سے نرم لہجہ میں بات کرنا اور خوبصورت وعدہ کرنا۔ قول معروف کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ان کے لیے دعا کرو اللہ تعالیٰ تم میں برکت دے، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے اور تمہارے لیے نیک بندوبست فرمائے (1) اور میں تمہاری دیکھ بھال کروں گا یہ احتیاط ایسی ہے جس کا نفع تیری طرف لوٹے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ان سے اچھا وعدہ کرو یعنی تم جب پختگی کی عمر کو پہنچ جاؤ گے تو ہم تمہارے مال تمہیں واپس کر دیں گے (2)۔ باپ بیٹے سے کہے: میرا مال تجھے ہی ملے گا ان شاء اللہ، تو ہی اس کا مالک ہوگا جب تو دانائی کا مالک ہوگا اور جب تو تصرف کرے کو پہچان لے گا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 10، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ ایضاً

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

''اور آزماتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی تو لوٹا دو انہیں ان کے مال اور نہ کھاؤ انہیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہیے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ کھا لے مناسب مقدار سے پھر جب لوٹاؤ تم ان کی طرف ان کے مال تو گواہ بنا لو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا''۔

اس آیت میں سترہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى، الابتلاء کا معنی آزمائش کرنا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے یہ آیت یتیموں کو مال دینے کی کیفیت کے بیان میں تمام لوگوں کے لیے خطاب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت ثابت بن رفاعہ اور اس کے چچا کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح ہے کہ رفاعہ فوت ہوا اور اس نے اپنا چھوٹا بچہ چھوڑا تو ثابت کا چچا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میرے بھائی کا بیٹا یتیم ہے وہ میری پرورش میں ہے اس کے مال سے میرے لیے کیا حلال ہے اور میں اسے کب مال دے دوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اختیار کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وصی، یتیم کے اخلاق میں غور و فکر کرے، اس کی اغراض کو سنے اور اس کی نجابت کا علم حاصل کرے اور اس کے مصالح میں اس کی کوشش اور مال کی حفاظت اور مال میں سستی کی معرفت حاصل کرے، جب اس میں خیر دیکھے تو ہمارے علماء وغیر ہم نے فرمایا: اس کو اس کے مال میں سے کچھ دے دینے میں کوئی حرج نہیں، اس کے لیے اس میں تصرف مباح ہے اگر تو وہ اس مال میں اضافہ کرے اور اس میں بہتر انداز میں تصرف کرے تو اختیار پایا گیا اور وصی پر اس کا سارا مال دینا واجب ہو گیا اور اگر اس مال میں بہتر انداز میں تصرف نہ کرے تو وصی پر واجب ہے کہ اس کا مال اپنے پاس روک کے رکھے۔ علماء میں کوئی ایسا نہیں جو کہے کہ جب بچے کی آزمائش کی جائے اور وصی اسے دانا پائے تو اس سے ولایت اٹھ جاتی ہے اور اس کا مال اسے دینا واجب ہو جاتا ہے اور اس میں تصرف کی کھلی چھٹی ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (حتیٰ کہ جب نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں) فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: چھوٹا بچہ دو چیزوں سے خالی نہیں ہوتا یا وہ لڑکا ہو گا یا لڑکی ہوگی اگر وہ لڑکا ہو گا تو ایک مہینہ گھر کے اخراجات میں اسے اہتمام کرتے ہوئے دیکھا جائے گا یا وصی اسے تھوڑی سی چیز دے گا جس میں وہ تصرف کرے گا تاکہ اس کی تدبیر اور تصرف کو پہچان لے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ وصی اس کی نگرانی کرے گا تاکہ مال کو ضائع نہ کر دے۔ اگر وہ اسے ضائع کرے گا تو وصی پر اس

کی ضمان نہ ہوگی اگر وہ اسے مال کی حفاظت میں پوری کوشش کرنے والا دیکھے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دے اور اس پر گواہ بنا لے۔ اگر وہ یتیم بچی ہوگی تو اس کو وہ چیزیں دی جائیں گی جن کا تعلق تدبیر ونظر کے اعتبار سے گھر کو بنانے سنوارنے سے ہوتا ہے مثلاً اون کاتنے والیوں کو اون دینے اور پھر کپڑا واپس لینے، اس کی اجرت دینے اور عمدہ روٹی لینے اور عمدہ بنائی لینے وغیرہ کا کام دیکھے گا، اگر وصی اسے دانا دیکھے گا تو اس کا مال اس کے حوالے کر دے گا اور اس پر گواہ بنا لے گا ورنہ وہ حجر کے تحت رہیں گی حتیٰ کہ وہ ان کی دانائی محسوس کی جائے۔ حسن اور مجاہد وغیرہ نے کہا: اور ان کو ان کی عقول، ادیان اور مال بڑھانے میں آزماؤ۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ** یعنی جب بالغ ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ** (نور: 59) یعنی جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں اور نکاح کی حالت کو پہنچ جائیں اور بلوغت پانچ چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے تین چیزوں میں مرد اور عورتیں مشترک ہیں اور دو چیزیں عورتوں کے ساتھ خاص ہیں اور وہ دو چیزیں حیض اور حمل ہیں۔ حیض اور حمل کے بارے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ بلوغ ہے ان کے ہوتے ہوئے احکام وفرائض واجب ہوتے ہیں اور دوسری تین چیزوں میں عطا کا اختلاف ہے۔ رہا زیر ناف بالوں کا آنا اور عمر تو امام اوزاعی، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے کہا: پندرہ سال بلوغت کی عمر ہے جس کو احتلام نہ ہو۔ یہی قول ابن وہب، اصبغ، عبدالملک بن الماجشون، عمر بن عبدالعزیز اور اہل مدینہ کی ایک جماعت کا ہے، ابن عربی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ ان علماء کے نزدیک جو اس عمر کو پہنچ جائے اس پر حدود وفرائض واجب ہیں۔ اصبغ بن الفرج نے فرمایا: ہم جو کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ بلوغت کی حد جس کی وجہ سے فرائض اور حدود لازم ہوتے ہیں وہ پندرہ سال عمر ہے اس مسئلہ میں جو میرے پاس معلومات ہیں ان میں سے یہ قول مجھے زیادہ پسند ہے اور میرے نزدیک یہی عمدہ ہے، کیونکہ وہ عمر جس میں جہاد میں حصہ دیا جاتا ہے اور جو قتال (جنگ) میں شریک ہو سکتا ہے وہ یہی عمر ہے اور اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر کی حدیث سے حجت پکڑی گئی ہے جب انہوں نے جنگ خندق میں اپنے آپ کو پیش کیا جب کہ ان کی عمر پندرہ سال تھی تو انہیں شرکت کی اجازت دی گئی جب کہ جنگ احد میں انہیں اجازت نہیں ملی تھی، کیونکہ اس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے (1)۔ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا: یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کی تاریخ پیدائش معلوم ہو اور رہا وہ جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو اور عمر کے سال کا علم نہ ہو یا وہ اس کا انکاری ہو تو اس صورت میں اس روایت کے مطابق عمل کیا جائے گا جو نافع نے اسلم سے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے الاجناد کے امراء کو لکھا کہ جزیہ نہ لگاؤ مگر اس پر جس کے زیر ناف بال اگ آئے ہوں۔ حضرت عثمان نے چوری کرنے والے لڑکے کے بارے فرمایا: دیکھو اگر زیر ناف بال اگ آئے ہیں تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ عطیہ القرظی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ کے ہر اس شخص کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ کے مطابق قتل کر دیا جس کے زیر ناف بال اگ آئے تھے اور جن کے بال نہیں اُگے تھے ان کو زندہ رکھا میں ان میں سے تھا جن کے بال ابھی نہیں اُگے تھے پس مجھے آپ نے چھوڑ دیا۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: جس کو احتلام نہیں ہوا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 317

اس پر بلوغت کا حکم نہیں لگایا جائے گا حتیٰ کہ وہ اس عمر کو پہنچ جائے کہ جس میں کسی کو احتلام ہوتا ہے اور یہ سترہ سال کی عمر ہے اس وقت اس پر حد ہوگی جب وہ کوئی ایسا فعل شنیع کرے گا جس پر حد واجب ہوتی ہے۔ کبھی امام مالک نے فرمایا: بلوغت کی حد یہ ہے کہ اس کی آواز بھاری ہوجائے اور اس کی بینی پھول جائے۔ امام ابوحنیفہ سے دوسری روایت انیس سال کی ہے۔ اور یہ زیادہ مشہور قول ہے اور یحییٰ کے متعلق فرمایا: اس کی بلوغت کی عمر سترہ سال ہے اور اس پر نظر حکم ہے۔ اللولئی نے امام ابوحنیفہ سے اٹھارہ سال بھی روایت کیے ہیں۔ داؤد نے کہا: جب تک احتلام نہیں ہوتا عمر کے ساتھ بلوغت شمار نہ ہوگی اگرچہ چالیس سال بھی عمر ہوجائے، رہا زیر ناف بالوں کا پیدا ہونا، بعض علماء نے کہا: اس سے بلوغت پر استدلال کیا جائے گا۔ ابن القاسم اور سالم سے یہ مروی ہے۔ امام مالک کا بھی ایک قول یہ ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ احمد، اسحاق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بلوغت کی علامت ہے لیکن اس کے ساتھ کفار پر حکم لگایا جائے گا پس جس کے زیر ناف بال پیدا ہوچکے ہوں گے اسے قتل کیا جائے گا اور جس کے زیر ناف بال نہ ہوں گے اسے بچوں میں شمار کیا جائے گا۔ یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے انہوں نے یہ استدلال عطیہ القرظی کی حدیث سے کیا ہے اور باریک بالوں اور روؤں کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ حکم بالوں پر مرتب ہوگا۔ ابن القاسم نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے نزدیک حضرت عمر بن خطاب کی حدیث پر عمل ہے۔ اگر زیر ناف بالوں پر استرا استعمال کرتا ہے تو میں اس پر حد لگاؤں گا۔ اصبغ نے کہا: مجھے ابن القاسم نے کہا میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ حد صرف بالوں کے اگنے اور بلوغت دونوں کے جمع ہونے کی صورت میں لگائی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: زیر ناف بالوں کی وجہ سے حکم ثابت نہ ہوگا نہ تو وہ بلوغ ہے اور نہ بلوغ پر دلالت ہے۔ زہری اور عطا نے کہا: جس کو احتلام نہ ہو اس پر حد نہیں ہے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے اور مالک کا ایک رجحان بھی ایک قول کے مطابق اسی طرح ہے، امام مالک کے بعض اصحاب کا یہی قول ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ بالوں کے اگنے اور عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ ابن عربی نے کہا: جب حضرت ابن عمر کی حدیث عمر میں دلیل نہیں ہے تو پھر ہر وہ عدد جو سالوں کے متعلق علماء ذکر کرتے ہیں وہ صرف دعویٰ میں ہے۔ وہ عمر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا وہ اس عمر سے بہتر ہے جس کا اعتبار نہیں کیا اور شرع میں اس پر دلیل بھی قائم نہیں، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ میں زیر ناف بال اگنے کا اعتبار کیا ہے۔ میں اس کا عذر تسلیم نہیں کرتا جس نے ان دو امروں کو ترک کردیا جن کا اعتبار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور اس نے اس کی تاویل کی ہے اور اس مدت کا اعتبار کرتا ہے جس کا لفظاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتبار نہیں کیا ہے اور نہ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شریعت میں نظر بنائی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہاں تو اس کا یہ قول ہے اور سورۂ انفال میں اس کا دوسرا قول ہے، کیونکہ وہاں اس نے حضرت ابن عمر کی حدیث کو نہیں چھوڑا اور اسی طرح کی تاویل کی ہے جو ہمارے علماء نے کی ہے، کیونکہ اس کا موجب ان کے درمیان فرق ہے جو جنگ کی طاقت رکھتا ہے اور جس کے لیے مال غنیمت میں حصہ مقرر کیا جاتا ہے اور وہ پندرہ سال کی عمر کا شخص ہے اور جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کے لیے حصہ مقرر نہیں کیا جاتا اور وہ بچوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ وہ مفہوم ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث سے سمجھا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ یعنی جب تم ان سے دانائی دیکھو۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا (القصص: 29) (موسیٰ علیہ السلام نے طور کی جانب سے آگ دیکھی) ازہری نے کہا: عرب کہتے ہیں اذھب فاستانس ھل تری احداً (جاؤ دیکھو کیا کوئی شخص دیکھتے ہو)

نابغہ نے کہا: علی مستأنس وحد۔

اس سے وہ وحشی بیل مراد لیتا ہے جو دیکھتا ہے کہ کیا اسے کوئی شکاری نظر آتا ہے تاکہ وہ اس سے محتاط ہو جائے۔ بعض علماء نے فرمایا انست واحسست ووجدت تمام کا ایک معنی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا یعنی تم ان سے دانائی جان لو۔ اس میں اصل ابصرتم ہے یعنی اس کا معنی دیکھنا ہے۔ عام قراءت رشداً را کے ضمہ اور شین کے سکون کے ساتھ ہے۔ سلمی، عیسیٰ، ثقفی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے رشداً راء اور شین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: رشداً، رشد کا مصدر ہے اور رشداً، رشد کا مصدر ہے اسی طرح ارشاد ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء نے رُشْدًا کی تاویل میں اختلاف کیا ہے حضرت حسن اور حضرت قتادہ وغیرہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے عقل اور دین میں اصلاح (1)، حضرت ابن عباس، سدی اور ثوری نے کہا: عقل اور مال کی حفاظت میں (2) اصلاح ہے سعید بن جبیر اور شعبی نے کہا: ایک شخص اپنی داڑھی پکڑتا ہے اور وہ دانائی کو نہیں پہنچا ہوتا (3)۔ پس یتیم کو اس کا مال نہیں دیا جائے گا اگرچہ وہ بوڑھا بھی ہو جائے حتیٰ کہ اس سے دانائی معلوم ہو جائے۔ ضحاک نے اسی طرح کہا ہے: یتیم کو مال نہیں دیا جائے گا اگرچہ وہ سو سال کو پہنچ جائے حتیٰ کہ اس سے مال کی اصلاح معلوم ہو جائے۔ مجاہد نے کہا: یعنی خاص عقل میں اصلاح مراد ہے (4)۔ اکثر علماء نے کہا: رشد، بلوغت کے بعد ہوتی ہے۔ اگر بلوغت کے بعد بھی دانا نہ ہو، اگرچہ بوڑھا بھی ہو جائے تو اس سے حجر کا حکم زائل نہ ہوگا۔ یہ امام مالک وغیرہ کا مذہب ہے۔ ابو حنیفہ نے فرمایا: آزاد بالغ پر حجر نہیں کیا جائے گا جب وہ مردوں کی حد کو پہنچ جائے اگرچہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ فاسق ہو اور سب سے زیادہ فضول خرچی کرنے والا ہو جب کہ وہ عقل مند ہو۔ امام زفر بن ہذیل کا یہی قول ہے اور یہی نخعی کا مذہب ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت قتادہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ حبان بن منقذ (چیزیں) خریدتے تھے اور ان کی سوچ اور رائے میں کمزوری تھی، عرض کی گئی یا رسول اللہ! حبان پر حجر کر دیں، یہ چیزیں خریدتا ہے اور اس کی سمجھ میں ضعف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: تو بیع نہ کیا کر اس نے کہا: حضور! میں بیع کیے بغیر رہ نہیں سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: جب تو بیع کیا کر تو کہہ دیا کر کہ دھوکا نہیں ہوگا اور تیرے لیے تین دن کا خیار ہوگا۔ احناف اور ان کے ہم نوا علماء فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس پر حجر کرنے کو کہا گیا، کیونکہ اس کے تصرفات میں نقصان ہوتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر حجر نہیں کیا تھا پس ثابت ہوا کہ حجر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث میں احناف کے لیے کوئی حجت نہیں ہے، کیونکہ یہ اس شخص کے ساتھ خاص تھا جیسا کہ ہم نے سورۂ

1۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 314　2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 11
3۔ جامع البیان للطبری، جلد 3-4، صفحہ 314　4۔ ایضاً

بقرہ میں بیان کیا ہے اور دوسرے لوگوں کے لیے حکم مختلف ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر وہ شخص مال اور دین کو خراب کرنے والا ہو یا مال کو خراب کرنے والا ہو دین کو ضائع کرنے والا نہ ہو تو اس پر حجر کیا جائے گا اور اگر اپنے دین کو ضائع کرنے والا اور اپنے مال کی اصلاح کرنے والا ہو تو اس کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس پر حجر کیا جائے گا یہ ابو العباس بن شریح کا اختیار ہے اور دوسرا یہ کہ اس پر حجر نہ ہوگا یہ ابو اسحاق مروزی کا مختار قول ہے۔ امام شافعی کا بھی اظہر قول یہی ہے۔ ثعلبی نے کہا: جو ہم نے سفیہ (بے وقوف) پر حجر کے متعلق ذکر کیا ہے یہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن جعفر کا قول ہے اور تابعین میں سے شریح کا قول ہے اور فقہاء میں سے امام مالک، اہل مدینہ، اوزاعی، اہل شام، امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد، اسحاق اور ابو ثور کا قول ہے۔ ثعلبی نے کہا: ہمارے اصحاب نے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو تو جان لے کہ مال کا دینا دو شرائط پر ہے دانائی کا محسوس کرنا اور بالغ ہونا۔ اگر ایک شرط پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو مال یتیم کے حوالے کرنا جائز نہیں اسی طرح آیت کی نص ہے اور ابن القاسم، اشہب اور ابن وہب کی مالک سے اس آیت کے متعلق یہی روایت ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام زفر اور نخعی کے علاوہ فقہاء کا یہی قول ہے انہوں نے پچیس سال کی عمر کو پہنچنے کے ساتھ دانائی محسوس کرنے کو ساقط کر دیا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس عمر میں چونکہ وہ دادا ہو جاتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے قول کے ضعف پر دلیل ہے اور اس کے ضعف پر دلیل ہے جس کے ساتھ ابو بکر رازی نے احکام القرآن میں ان دو آیتوں کے استعمال سے حجت پکڑی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ مطلق اور مقید کے باب سے ہے اور اہل اصول کا اتفاق ہے کہ مطلق کو مقید کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اس کا دادا ہونا کیا فائدہ دے گا جب وہ غیر سنجیدہ ہو۔ مگر ہمارے علماء نے لڑکی میں بلوغت کے ساتھ خاوند کا اس سے دخول کرنا شرط قرار دیا ہے اس وقت رشد میں ابتلا واقع ہوگا جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اس کا خیال نہیں رکھتے اور وہ مذکر اور مونث میں مذکورہ اقوال کے مطابق اختیار کا اعتبار کرتے ہیں۔ ہمارے علماء نے مذکر اور مونث میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عورت، مرد کے مخالف ہوتی ہے، کیونکہ وہ پردے میں ہوتی ہے بکارت کی وجہ سے وہ نہیں باہر نکلتی ہے اور نہ امور کا اسے تجربہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس میں نکاح کے وجود پر دانائی کو موقوف کیا گیا ہے۔ نکاح کے ساتھ تمام مقاصد سمجھتی ہے۔ جبکہ مرد اس کے خلاف ہوتا ہے وہ اپنے تصرف اور نشاۃ کے آغاز سے بلوغت تک لوگوں سے ملاقات کے ساتھ اس کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی عقل بلوغت کے ساتھ مکمل ہوتی ہے، پس اس کے لیے غرض حاصل ہو جاتی ہے اور جو امام شافعی نے کہا وہ زیادہ درست ہے، کیونکہ حشفۃ کے داخل کرنے کے ساتھ نفس وطی اس کی رشد و دانائی میں اضافہ نہیں کرتی جب کہ وہ تمام امور اور مقاصد کو جاننے والی ہو اور مال کو فضول خرچ کرنے والی نہ ہو پھر ہمارے علماء نے یہ زائد فرمایا ہے کہ خاوند کے دخول کے بعد اتنی مدت کا گزرنا بھی ضروری ہے جس میں احوال کی مہارت حاصل ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے اس زمانہ کی تحدید میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے پانچ، چھ اور سات سال باپ والی لڑکی کے بارے میں ہیں اور وہ یتیمہ جس کا باپ اور وصی نہ ہو اس کے لیے دخول کے بعد ایک سال مقرر کیا ہے اور جس پر والی مقرر کیا ہے اس پر ہمیشہ حجر ہوگا حتیٰ کہ اس کی دانائی ثابت ہو جائے۔ ان تمام اقوال

میں کوئی دلیل نہیں ہے باپ والی لڑکی میں سالوں کی حد بیان کرنا مشکل ہے اور یتیمہ میں ایک سال کی تحدید اس سے بھی زیادہ مشکل ہے اور جس پر والی مقرر کیا گیا ہے اس پر ہمیشہ حجر ہوگا حتی کہ اس کی دانائی واضح ہو جائے، اس کو وصی حجر سے نکالتا ہے یا حکم اس سے نکالتا ہے۔ یہ قرآن کا ظاہر ہے اور اس تمام سے مقصود اس ارشاد کے تحت داخل ہے فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا پس رشد و دانائی کا اعتبار تو متعین ہو گیا لیکن راشد کے حال کے مختلف ہونے کے سبب اس کا محسوس کرنا مختلف ہے، پس اس کو پہچان لے اور اس پر اپنی ترکیب کر اور وہ فیصلہ کرنے سے اجتناب کر جس پر دلیل نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ علماء کا اختلاف ہے اس لڑکی کے بارے میں جو باپ والی ہو اور اس مدت میں کوئی کام کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: حجر کی بقا کی وجہ سے وہ رد پر محمول ہوگا اور جو کام اس مدت کے بعد کرے گی وہ جواز پر محمول ہوگا۔ بعض نے فرمایا: جو کام وہ اس مدت میں کرے گی وہ رد پر محمول ہوگا مگر جب کہ اس میں درستگی ظاہر ہو تو جواز پر محمول ہوگا اور جو کام اس مدت کے بعد کرے گی وہ جواز پر محمول ہوگا مگر یہ کہ اس میں سفاہت واضح ہو۔

مسئلہ نمبر 8۔ جس پر حجر کیا گیا ہے اس کو مال دینے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا سلطان کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔ ایک جماعت نے کہا: یہ معاملہ سلطان وقت کی طرف لے جانا ضروری ہے اور اس کے نزدیک اس کی دانائی ثابت ہوگی تو اس کا مال اس کو دیا جائے گا۔ ایک گروہ نے کہا: یہ وصی کے اجتہاد پر موقوف ہے سلطان کی طرف معاملہ لے جانے کی ضرورت نہیں (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: ہمارے زمانہ کے وصی میں درست یہ ہے کہ وہ سلطان کی طرف مسئلہ لے جائے اور اس کے پاس رشد کے ثبوت سے مستغنی نہ ہو کیونکہ اس میں حفاظت ہے اس سے کہ اوصیاء متفق ہو جائیں کہ بچہ دانا ہو گیا ہے اور وہ مجور علیہ (جس کو تصرف سے روکا گیا ہے) کو بری کر دے جس کو اس وقت میں تحصیل کی قلت اور نادانی کی وجہ سے تصرف سے روکا گیا تھا (2)۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب دانائی کے پائے جانے کے ساتھ مال اس کے حوالے کیا جائے گا پھر اگر وہ قلت تدبیر اور فضول خرچی کے ظہور کے ساتھ بے وقوفی کی طرف لوٹ آئے تو ہمارے نزدیک اس کی طرف حجر پھر لوٹ آئے گا اور امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: حجر دوبارہ نہیں لوٹے گا، کیونکہ وہ بالغ عاقل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قصاص اور حدود میں اس کا اقرار جائز ہے اور ہماری دلیل یہ ارشاد ہے: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ (البقرہ: 282) (پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کوئی فرق نہیں فرمایا کہ مجور سفیہ ہو یا اطلاق کے بعد اس پر سفاہت طاری ہو۔

مسئلہ نمبر 10۔ وصی کے لیے یتیم کے مال میں وہ سب کچھ کرنا جائز ہے جو باپ کے لیے کرنا جائز ہوتا ہے مثلاً تجارت کرنا، بضاعت پر دینا، بیع و شراء کرنا وغیرہ اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس کے تمام اموال کی زکوٰۃ ادا کرے خواہ سونا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 11، دار الکتب العلمیہ بیروت　2۔ ایضاً

چاندی ہو، کھیتی ہو یا جانور ہوں اور فطرانہ بھی ادا کرے اور اس کی طرف سے جنایات کی دیت اور اگر وہ چیزیں ضائع کردے اس کی قیمت ادا کرے، والدین کا نفقہ اور تمام لازمی حقوق ادا کرے۔ یتیم کا نکاح کرنا، اس کی طرف سے مہر ادا کرنا، اس کے لیے لونڈی خریدنا، جسے وہ لونڈی بنائے، اس کے مفاد میں تمام مصالح کا اہتمام کرنا، جب وصی بعض قرض خواہوں کو قرضہ ادا کردے اور مال میں کچھ بچ جائے جو اس کا مزید قرضہ ادا کردے تو وصی کا یہ فعل جائز ہے اور اگر باقی مال تلف ہو جائے تو وصی پر باقی قرض خواہوں کے لیے کچھ نہ ہوگا اور نہ ان پر جنہوں نے قرضہ وصول کر لیا۔ اگر قرض خواہوں نے تمام مال لے لیا پھر دوسرے قرض خواہ آگئے، اگر تو وصی کو باقی قرض کا علم تھا یا میت باقی قرض کے ساتھ معروف تھا تو وصی ان غرماء کے لیے اتنے پیسوں کا ضامن ہوگا جو ان کا حصہ بنتا ہے اور وصی ان لوگوں سے پیسے واپس لے گا جنہوں نے مکمل اپنا قرضہ وصول کر لیا تھا اور اگر وصی کو اس کا علم نہ ہو اور نہ میت قرضہ کے ساتھ معروف ہو تو وصی پر کچھ نہ ہوگا اور جب وصی نے میت کا قرضہ بغیر گواہی کے دے دیا تو وہی ضامن ہوگا۔ اگر اس نے گواہی قائم کی اور طویل زمانہ گزر گیا حتی کہ گواہ فوت ہو گئے تو اس پر کچھ نہیں ہوگا۔ سورۃ بقرہ میں وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (بقرہ:220) کے تحت وصی کے خرچ کرنے کے متعلق احکام گزر چکے ہیں جو کافی وشافی ہیں۔ الحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو بغیر اسراف کے کھایا جائے وہ جائز ہے۔ پس اس کے لیے دلیل خطاب ہوگی بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کے مال نہ کھاؤ، کیونکہ یہ اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوصیاء کو یتیموں کا مال کھانے سے منع فرمایا ہے وہ اتنا کھا سکتے ہیں جو ان کے لیے کھانا ضروری اور مباح ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اسراف کا لغوی معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ السرف کا مطلب خرچ کرنے میں خطا ہے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

أعطَوْ هُنَيْدَهَ يَحْدُوها ثمانِيةٌ　　ما في عطائهم مَنٌّ ولا سَرَفُ

یعنی وہ عطا کی جگہ میں خطا نہیں کرتے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وقال قائلُهم والخيلُ تخبِطُهم　　أسرَفتُمُ فأجبنا أنَّنا سَرَفُ

نضر بن شمیل نے کہا: السرف کا معنی فضول خرچی کرنا ہے اور السرف کا معنی غفلت ہے، اسراف کا مزید معنی کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ انعام میں آئے گا۔

وَّ بِدَارًا اس کا معنی ان کا جلدی بڑا ہونا ہے۔ وہ حالت بلوغ کو ہے۔ البدار، المبادرۃ یہ قتال اور مقاتلہ کی طرح ہے۔ اس کا اسرافاً پر عطف ہے اور اَنْ يَّكْبَرُوْا، بدار کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ یعنی جو تیری پرورش میں ہے اس کے مال کو غنیمت نہ سمجھ، کہ تو اسے کھائے اور کہے کہ میں اس کے بڑے ہونے کے لیے جلدی کر رہا ہوں، تاکہ دانا نہ ہو جائے اور اپنا مال لے نہ لے۔ یہ حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: جو یتیموں کے مال

سے ان کے سرپرستوں کے لیے حلال ہے۔ غنی کو حکم دیا کہ وہ یتیم کے مال کے استعمال سے رک جائے اور فقیر وصی کے لیے مباح قرار دیا کہ وہ معروف طریقہ سے اس کے مال سے کھا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے: عف الرجل عن الشئ، واستعف جب کوئی کسی چیز سے رک جائے۔ الاستعفاف عن الشئ کا مطلب ہے چیز کو ترک کر دینا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا (نور:33) (اور چاہیے کہ پاک دامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں کر پاتے شادی کرنے کی قدرت) العفة کا معنی ہے جو چیز حلال نہیں ہے اس سے رک جانا اور جس کا کرنا واجب نہیں اس سے رک جانا۔ ابو داؤد نے حسین المعلم عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت فرمایا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے پاس ایک یتیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے یتیم کے مال سے کھا جب کہ تو اسراف کرنے والا نہ ہو، فضول خرچی کرنے والا نہ ہو اور مال کو جمع کرنے والا نہ ہو۔(1)

مسئلہ نمبر 13 ۔ علماء کا اختلاف ہے کہ مخاطب کون ہے اور اس آیت سے مراد کیا ہے؟ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ کے تحت مروی ہے فرمایا: یہ یتیم کے اس ولی کے بارے نازل ہوئی جو اس کی دیکھ بھال کرتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے جب وہ محتاج ہو تو اس کے لیے یتیم کے مال سے کھانا جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے: اس کے مال کی مقدار معروف طریقہ سے کھانا جائز ہے۔

بعض نے فرمایا: اس سے مراد یتیم ہے اگر وہ غنی ہو تو ولی پر وسعت کا مظاہرہ کرے اور اس کے مال سے اجتناب کرے اگر وہ فقیر ہو تو ولی پر اپنے مال کی مقدار اس پر خرچ کرے۔ یہ ربیعہ اور یحییٰ بن سعید کا قول ہے۔ پہلا قول جمہور کا ہے اور وہی صحیح ہے کیونکہ یتیم اپنے مال میں اپنی صغر سنی اور سفاہت کی وجہ سے تصرف کرنے کے ساتھ مخاطب نہیں ہوتا واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 14 ۔ معروف طریقہ سے کھانے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟ ایک قوم نے کہا: وہ یتیم کے مال سے قرض لے جب اسے ضرورت ہو پھر جب خوشحال ہو تو ادا کر دے۔ یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن عباس، حضرت عبیدہ، حضرت ابن جبیر، شعبی، ابو العالیہ اور اوزاعی کا قول ہے اور اپنی حاجت سے زیادہ یتیم کے مال سے قرض نہ لے۔ حضرت عمر نے فرمایا: خبردار میں نے بیت المال سے اپنا معاملہ اس طرح کیا ہے جس طرح ولی کا معاملہ یتیم کے مال سے ہوتا ہے۔ اگر میں غنی ہوں گا تو میں اس مال سے پرہیز کروں گا اگر فقیر ہوں گا تو معروف طریقہ سے کھاؤں گا پھر جب خوشحال ہوں گا تو وہ مال واپس کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے عاصم سے انہوں نے ابو العالیہ سے وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ کے متعلق روایت کیا ہے کہ وہ قرض لے کر کھائے۔ پھر بطور دلیل یہ آیت پڑھی فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ۔

دوسرا قول: ابراہیم، عطا، حسن بصری، نخعی اور قتادہ سے مروی ہے کہ فقیر وصی نے جو معروف طریقہ سے کھایا اس کی اس پر قضا نہیں ہے، کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ یہی فقہاء کا نظریہ ہے۔ حسن نے فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے وصی کے لیے کھانا ہے وہ اتنا کھائے جو اس کی بھوک کو مٹا دے اور اتنا کپڑا پہنے جو اس کی شرمگاہ کو ڈھانپ دے، روئی کے اعلیٰ کپڑے اور لباس نہ پہنے۔

1۔ ابو داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فیما لولی الیتیم ان ینال من مال الیتیم، حدیث نمبر 2488، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس قول کی صحت پر دلیل اجماع امت ہے کہ امام جو مسلمانوں کا نگران ہوتا ہے جو وہ بیت المال سے کھاتا ہے وہ اس پر بطور قرض واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مال میں اس کا حصہ مقرر فرمایا ہے۔ پس حضرت عمر کے قول میں پہلے قول والوں کے لیے حجت نہیں ہے کہ ''جب میں خوشحال ہوں گا تو ادا کر دوں گا'' اگرچہ صحیح بھی ہو۔ حضرت ابن عباس، ابو العالیہ اور شعبی سے مروی ہے کہ معروف طریقہ سے کھانا سے مراد مویشیوں کے دودھ سے نفع حاصل کرنے، غلاموں سے خدمت لینے اور سواریوں پر سوار ہونے کی طرح ہے جبکہ اصل مال کو نقصان نہ ہو جس طرح خارش زدہ اونٹ کو تارکول لگاتا ہے، گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہے، حوض کی لپائی کرتا ہے اور کھجوریں توڑتا ہے۔ رہے اموال کے اعیان اور اصول تو ان کا لینا وصی کے لیے جائز نہیں۔ یہ تمام فقہاء کے قول سے نکالا گیا ہے۔ وہ اپنے عمل کی اجرت کی مقدار لے لے۔ ایک طائفہ نے یہ کہا ہے اور یہی معروف ہے، اس پر قضا نہیں ہے، لیکن اس سے زائد لینا حرام ہے۔ حسن بن صالح بن حی، (اس کو ابن حبان کہا جاتا ہے) نے باپ اور حاکم کے وصی کے درمیان فرق کیا ہے، باپ کے وصی کے لیے معروف طریقہ سے کھانا جائز ہے اور رہا حاکم کا وصی تو اس کے لیے مال لینا کسی صورت میں جائز نہیں۔ یہ تیسرا قول ہے اور چوتھا قول مجاہد سے مروی ہے۔ فرمایا: نہ وہ قرض لے اور نہ کسی اور اعتبار سے لے۔ مجاہد کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ یہ آیت ہے **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** (اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے)

اور یہ تجارت نہیں ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: اس آیت میں رخصت اس ارشاد سے منسوخ ہے **اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا** (بے شک جو لوگ کھاتے ہیں یتیموں کا مال ظلماً) بشر بن الولید نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نہیں جانتا شاید یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** (اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری رضامندی سے)

پانچواں قول یہ ہے کہ حضر اور سفر کے درمیان فرق ہے پس جب مقیم ہو تو ممنوع ہے اور جب اس کی وجہ سے سفر کرنے کا محتاج ہو تو جتنی ضرورت ہے اتنا لے لے اور کوئی چیز جمع نہ کرے۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

چھٹا قول: ابو قلابہ نے کہا: غلہ میں سے جو چنے اس میں سے معروف طریقہ سے کھائے۔ رہا سونا، چاندی تو اس سے قرض لینا اور کسی اور اعتبار سے لینا جائز نہیں ہے۔ ساتواں قول عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے **وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ** جب محتاج اور مجبور ہو تو معروف طریقہ سے کھائے۔ شعبی نے کہا: جب ایسی کیفیت میں کہ وہ خون اور خنزیر کے گوشت کے قائم مقام ہو تو اس سے لے سکتا ہے اور اگر وہ اپنا مال پائے تو پھر اسے پورا کر دے۔ نحاس نے کہا: اس کا کوئی معنی نہیں، کیونکہ جب انسان ایسی اضطراری کیفیت میں ہو تو اس کے لیے یتیم اور کسی دوسرے کے مال سے لینا، خواہ وہ قریبی ہو یا دور ہو جائز ہے۔ حضرت ابن عباس اور نخعی نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے مال سے وصی معروف طریقہ سے کھائے تاکہ

یتیم کے مال کی ضرورت ہی نہ رہے اور غنی اپنی غنا کی وجہ سے پرہیز کرے اور فقیر اپنے نفس پر کنجوسی کرے تا کہ یتیم کے مال کی ضرورت نہ رہے۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو مروی ہے اس میں سے بہتر یہی قول ہے، کیونکہ لوگوں کے اموال ممنوع ہیں بغیر کسی قطعی حجت کے ان میں کسی چیز کا استعمال جائز نہیں۔ میں کہتا ہوں: اس قول کو الکیا طبری نے احکام القرآن میں پسند فرمایا ہے اور فرمایا: بعض سلف نے اس آیت کے حکم میں یہ وہم کیا ہے کہ وصی کے لیے بچے کے مال سے اتنی مقدار میں کھانا جائز ہے جو اسراف کی حد کو نہ پہنچے اور یہ جو اللہ تعالیٰ لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے) کا حکم فرمایا ہے اس کے خلاف ہے۔ یہ یتیم کے مال میں ثابت نہیں ہوتا اور وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ کا ارشاد اپنے مال کے کھانے کی طرف راجع ہے نہ کہ یتیم کے مال کے کھانے کی طرف راجع ہے۔ پس اس کا معنی ہے یتیم کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ نہ کھاؤ بلکہ اپنے اموال کے کھانے پر اکتفا کرو اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ (نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے) پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ کا معنی ظاہر ہو گیا کہ تھوڑی خوراک پر اکتفا کرے تا کہ وہ یتیم کا مال کھانے کا محتاج ہی نہ ہو۔ یہ آیت کا مکمل معنی ہے۔ ہم بہت سی ایسی محکم آیات پڑھتے ہیں جن میں غیر کا مال اس کی رضا کے بغیر کھانے سے منع فرمایا ہے خصوصاً یتیم کے حق میں۔ یہ آیت کئی معانی کا احتمال رکھتی ہے۔ پس محکم آیات کے موجب پر اس کو محمول کرنا متعین ہے۔ اگر سلف کے مذہب کی تائید کرنے والا کہے کہ قضاۃ، مسلمانوں کے لیے کام کرنے کی وجہ سے تنخواہیں لیتے ہیں تو پھر وصی جو یتیم کے لیے کام کرتا ہے وہ اپنے عمل کی مقدار اجرت کیوں نہ لے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سلف میں سے کسی نے وصی کے لیے بچے کے مال سے لینا جائز قرار نہیں دیا جبکہ وصی غنی ہو جبکہ قاضی کا حکم اس سے مختلف ہے پس دونوں مسئلوں میں فرق ہے وہ مال جو فقہاء، قضاۃ اور وہ خلفاء لیتے ہیں جو اسلام کے امور چلاتے ہیں ان کے لیے تیرا مال متعین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے وہ مال مختلف اوصاف کے مالک مختلف لوگوں کے لیے مقرر فرمایا ہے اور قضاۃ بھی ان اصناف میں سے ہیں اور وصی اپنے عمل کی وجہ سے شخص معین کے مال سے اس کی رضا کے بغیر لیتا ہے، اس کا عمل مجہول ہے اور اس کی اجرت بھی مجہول ہے اور یہ استحقاق سے بعید ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ امام ابو العباس فرماتے تھے کہ اگر یتیم کا مال اتنا زیادہ ہو کہ اس کی بہت زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی کہ ولی اپنی حاجات اور مہمات سے بھی غافل ہو جائے تو اس میں ولی اپنے عمل کی اجرت مقرر کر لے اور اگر یتیم کا مال تھوڑا ہو وصی کو اپنی حاجات سے غافل نہ کرتا ہو تو وصی اس کے مال سے کچھ نہ کھائے مگر اس کے لیے تھوڑا دودھ پینا، تھوڑا سا کھانا اور گھی کھانا مستحب ہے یہ اس کے مال کو نقصان پہنچانے والا اور زیادہ لینے والا نہ ہو بلکہ اتنا مال لے جتنا کہ عادۃً کھانا یا لینا جائز و معاف ہوتا ہے۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: جو میں نے اجرت کا ذکر کیا ہے اور تھوڑی سی کھجور اور دودھ لینے کا ذکر کیا ہے یہ تمام معروف میں آجاتا ہے آیت کو اس پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

میں کہتا ہوں: بچے کے مال سے اجتناب کرنا افضل ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور قاضی مال تقسیم کرنے والا جو لیتا ہے اور اسے رسم کا نام دیتا ہے اور اس کے حواری جو لوٹ مار عوام سے کرتے ہیں میں اس کے حلال ہونے اور جواز کی کوئی صورت نہیں جانتا یہ لینے والے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے عموم میں داخل ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھار ہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ)

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ نے مال کی حفاظت کرنے اور لغزش کرنے پر تنبیہ کرنے کے لیے گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اور بعض علماء کے نزدیک گواہ بنانا مستحب ہے۔ بے شک قول وصی کا معتبر ہے کیونکہ وہ امین ہے اور ایک جماعت کے نزدیک گواہ بنانا فرض ہے یہی آیت کا ظاہر ہے۔ وہ امین نہیں ہے کہ اس کا قول قبول ہو جیسا کہ وکیل ہے جب وہ کہے کہ جو اسے دیا گیا ہے وہ اس نے واپس کر دیا ہے یا مودع کو واپس کر دیا ہے۔ وہ باپ کے لیے امین ہے جب باپ نے اسے امین بنایا تھا تو غیر پر اس کا قول قبول کرنا نہیں ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ وکیل اگر دعویٰ کرے کہ اس نے زید کو وہ دے دیا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا تو اس کا قول بغیر دلیل کے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح وصی کا حکم ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور ابن جبیر کا خیال ہے کہ یہ گواہی اس پر ہوگی جو وصی حالت یسر میں وہ مال واپس کرے گا جو اس نے حالت فقر میں یتیم کے مال سے قرض لے لیا تھا۔ عبیدہ نے کہا: یہ آیت اس شخص کی ادائیگی کے وجوب پر دلیل ہے جو یتیم کے مال سے کھائے۔ معنی یہ ہے کہ جب تم قرضہ لو یا تم کھاؤ تو واپسی کے وقت گواہ بنالو۔ صحیح یہ ہے کہ لفظ اس صورت کو اور اس کے علاوہ صورت کو عام ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جب تم اس یتیم پر خرچ کرو تو گواہ بنالو حتی کہ اگر اختلاف واقع ہو تو دلیل قائم کر سکے تمام مال جو امانت کے اعتبار سے گواہیوں کے ذریعہ قبضہ کیا جائے تو وہ اس سے بری نہ ہوگا مگر دیتے وقت گواہی قائم کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاَشْهِدُوْا۔ جب کسی نے بغیر گواہی کے مال پر قبضہ کیا ہو تو اسے واپس کرتے وقت بغیر گواہی کے بھی واپس کر سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ جس طرح وصی اور کفیل پر یتیم کے مال کی حفاظت اور اس کے لیے اس میں زیادتی کرنا لازم ہوتی ہے اسی طرح وصی پر بچے کے بدن کی حفاظت کرنا بھی لازم ہوتا ہے مال کی حفاظت تو اس کو محفوظ کرنے کے ساتھ کرتا ہے اور بدن کی حفاظت اس کو ادب سکھانے کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری پرورش میں یتیم ہے کیا میں اس کے مال سے کھا سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، جبکہ مال کو جمع کرنے والا نہ ہو اور اپنے مال کو یتیم کے مال کے ذریعے بچانے والا نہ ہو (1)۔ اس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں اس کو سزا دے سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اتنی سزا دے سکتا ہے جتنی تو اپنے بچے کو دیتا ہے ابن عربی نے کہا: اگر چہ یہ سنداً ثابت نہیں پھر بھی کسی کو اس حدیث سے مفر نہیں۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہے اور

1۔ سنن ابی داؤد کتاب الوصایا، باب ماجاء فی مال ولی الیتیم ...... الخ حدیث نمبر 2488، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ان کی جزا دینے والا ہے اس میں ہر حق سے انکار کرنے والے کے لیے وعید ہے۔ اس میں باء زائدہ ہے اور اسم جلالت محل رفع میں ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝

''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے''۔

اس آیت میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ جب اللہ تعالیٰ نے یتامیٰ کے امر کا ذکر کیا تو ساتھ ہی مواریث کا ذکر فرمایا۔ اور یہ آیت اوس بن ثابت انصاری کے بارے میں نازل ہوئی وہ فوت ہوا اور ایک بیوی چھوڑی جس کو ام کجہ کہا جاتا ہے اور اس عورت سے تین بیٹیاں چھوڑیں دو آدمی کھڑے ہوئے، وہ دونوں میت کے چچا کے بیٹے تھے اور اس کے وصی تھے ان کو سوید اور عرفجہ کہا جاتا ہے ان دونوں نے مال لے لیا اور اس کی بیوی اور اس کی بیٹیوں کو کچھ نہ دیا اور وہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو وارث نہیں بناتے تھے اور نہ چھوٹے کو وارث بناتے تھے اگرچہ وہ مذکر بھی ہوتا وہ کہتے: میراث صرف اسے ملے گی جو گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر جنگ کرے گا اور نیزہ زنی کر سکتا ہوگا اور تلوار چلا سکتا ہوگا اور غنیمت جمع کر سکتا ہوگا۔ ام کجہ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا بیٹا گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا، نہ تو وہ بوجھ اٹھا سکتا ہے اور نہ دشمن کو زخمی کر سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں واپس جاؤ حتیٰ کہ میں دیکھ لوں جو اللہ تعالیٰ میرے لیے ان کے بارے میں کوئی نیا حکم فرما دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی (1) اور ان کی جہالت کی وجہ سے جو تصرف اور قول تھا اسے باطل کر دیا، کیونکہ چھوٹے ورثاء تو بڑوں کی نسبت مال کے زیادہ حق دار ہونے چاہیے تھے کیونکہ وہ تو نہ خود تصرف کر سکتے ہیں اور نہ اپنے مصالح میں غور و فکر کر سکتے ہیں زمانہ جاہلیت کے لوگوں نے الٹ حکم جاری کیا ہوا تھا اور حکمت کو باطل کر دیا تھا اور اپنی خواہشات نفس کی وجہ سے گمراہ ہو چکے تھے اور اپنی آراء اور تصرفات میں غلطی کی تھی (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ ہمارے علماء نے فرمایا اس آیت میں تین فوائد ہیں (۱) میراث کی علت کو بیان فرمایا، وہ قرابت ہے (۲) قرابت کا عموم جیسے بھی ہو قریبی ہو یا بعیدی ہو (۳) مقررہ حصہ کا اجمال۔ یہ حصہ آیت میراث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں حکم کے لیے تمہید ہے اور اس فاسد رائے کا ابطال ہے حتیٰ کہ شافی بیان واقع ہوا۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ابو طلحہ نے جب اپنا مال (بیرحاء) صدقہ کیا اور اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے قریبی رشتہ دار فقراء میں دے دے، تو حضرت ابو طلحہ نے وہ باغ حضرت حسان

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 137　2۔ احکام القرآن لابن العربی، صفحہ 328

اور حضرت ابی کو دے دیا۔ حضرت انس نے فرمایا: یہ دونوں حضرات ابوطلحہ کے مجھ سے زیادہ قریبی تھے۔ ابوداؤد نے کہا: مجھے محمد بن عبداللہ انصاری سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا ابوطلحہ انصاری کا سلسلہ نسب یہ تھا زید بن سہل بن الاسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار۔ اور حضرت حسان کا سلسلہ نسب یہ تھا حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام۔ دونوں تیسرے دادا میں جمع ہوتے ہیں اور وہ حرام ہے اور ابی بن کعب کا سلسلہ نسب یہ تھا ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار۔

انصاری نے کہا: ابوطلحہ اور ابی بن کعب کے درمیان چھ آباء تھے۔ فرمایا: عمرو بن مالک، حسان اور ابی بن کعب اور ابوطلحہ کو جمع کرتا ہے ابوعمر نے کہا: اس میں ایسی چیز ہے جو قرابت کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اس دوری میں بھی ہوتی ہے اور جو اس سے کم ہو وہ تو زیادہ اس لائق ہے کہ اسم القرابۃ اسے لاحق ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے لیے میراث میں حصہ ثابت کیا ہے اور یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ کتنا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سوید اور عرفجہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اس کے مال سے کچھ بھی جدا نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے لیے بھی حصہ مقرر فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ حصہ کتنا ہے حتیٰ کہ میں دیکھ لوں جو اللہ تعالیٰ نازل فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَھَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَھُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ پھر ان دونوں کو پیغام بھیجا کہ ام کجہ کو اس کے ترکہ سے آٹھواں حصہ دو اور بیٹیوں کو دو ثلث۔ اور باقی مال تمہارا ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ ہمارے علماء نے اس آیت سے فرائض پر متروک مال کی تقسیم پر استدلال کیا ہے جب کہ اس میں اس کی حالت کی تبدیلی کرنا بھی ہو جیسے حمام، کمرہ، زیتون کا کھلوان اور وہ گھر جس میں حصہ داروں کے اقرار کے ساتھ منافع باطل ہوتے ہوں۔ امام مالک نے فرمایا: متروکہ مال تقسیم کیا جائے گا اگرچہ کسی کے حصہ میں اتنا مال آئے جس سے نفع حاصل نہ کیا جا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 397

سکتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا یہ ابن کنانہ کا قول ہے اور یہی امام شافعی نے کہا ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: چھوٹا سا گھر دو آدمیوں میں مشترک ہو ایک تقسیم طلب کرے اور دوسرا انکار کرے تو اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: اگر ان میں کوئی ایسا شخص ہو جو اپنے حصہ سے نفع نہ اٹھا سکتا ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی ہر وہ تقسیم جس میں کسی ایک پر نقصان وارد ہو تو مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ ابوثور کا قول ہے۔ ابن منذر نے کہا: یہ دونوں قول میں اصح قول ہے۔ ابن القاسم نے یہ مالک سے روایت کیا ہے جو ابن عربی نے ذکر کیا ہے ابن القاسم نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تقسیم نہیں ہوتی مثلاً گھر، منازل، حمامات اور اس کی تقسیم میں ضرر ہو اور جب تقسیم کیا جائے تو اس سے نفع حاصل نہ ہو تو اسے بیچا جائے اور اس میں شفعہ نہ ہوگا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شفعہ اس چیز میں ہے جس کو تقسیم نہ کیا گیا ہو جب حدود واقع ہوں تو شفعہ نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ اس چیز میں ثابت فرمایا جس میں حدود واقع کرنا ممکن ہو اور شفعہ کو غیر منقسم چیز میں معلق فرمایا ان چیزوں میں سے جن میں حدود کا واقع کرنا ممکن ہو۔ یہ حدیث کی دلیل ہے۔ میں کہتا ہوں: اس قول کی حجت وہ روایت ہے جو دارقطنی نے ابن جریج کی حدیث سے نقل کی ہے فرمایا: مجھے صدیق بن موسیٰ نے خبر دی انہوں نے محمد بن ابی بکر سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ورثاء پر تقسیم نہ ہوگا مگر وہ مال جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہو''۔ ابوعبید نے کہا: یہ اس طرح ہے کہ کوئی شخص مر جائے اور کوئی ایسی چیز چھوڑ جائے کہ اگر اسے ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے تو اس میں تمام ورثاء یا بعض ورثاء کو نقصان ہوتا ہو۔ فرمایا: اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا جیسے جوہرہ، حمام، چادر اور اس کی مثل چیزیں (دارقطنی کی حدیث کے متن میں التعضیۃ لفظ استعمال ہوا ہے۔ علامہ قرطبی نے اس کی شرح میں لکھا ہے) التعضیۃ کا معنی ہے جدا جدا کرنا۔ کہا جاتا ہے: عضیت الشیٔ جب کسی چیز کو جدا جدا کیا جائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ (الحجر) (جنہوں نے کر دیا تھا قرآن کو پارہ پارہ)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا غَيْرَ مُضَآرٍّ تو اللہ تعالیٰ نے نقصان دینے کی نفی فرمائی۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا ضرر ولا ضرار۔ (نہ ابتداءً کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ بدلے میں نقصان پہنچائے)

نیز آیت کریمہ میں تقسیم کے متعلق کوئی ذکر نہیں یہ صرف چھوٹے اور بڑے کے لیے حصہ کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اور یہ زمانہ جاہلیت کے رواج کا رد کرتی ہے۔ فرمایا: لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ، وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ (یعنی مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے) یہ بالکل ظاہر ہے اور اس حصہ کی مقدار دوسری دلیل سے ماخوذ ہے۔ وارث کہے کہ میرے لیے حصہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، پس تم مجھے اس مال سے حصہ دو۔ اسے اس کا شریک کہے: خاص طور پر تجھے دینا تو ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ میرے اور تیرے درمیان ضرر اور نقصان کا باعث ہوگا، کیونکہ اس طرح مال خراب ہو جائے گا، اس کی ہیئت بدل جائے گی اور اس کی قیمت کم ہو جائے گی پس ترجیح واقع ہوگی۔ اور اظہر یہ ہے کہ اس صورت میں تقسیم نہیں کرنی چاہیے جس میں منفعت باطل ہو جائے اور مال کم ہو جائے جیسا کہ ہم نے دلیل ذکر کی ہے۔ واللہ الموفق

فراء نے کہا: نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا یہ تیرے اس قول کی طرح ہے قسماً واجباً وحقا لازماً۔ یہ اسم مصدر کے معنی میں ہے اسی وجہ سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: حال کی بنا پر منصوب ہے یعنی ان کے لیے حصے فرضی حالت میں ہیں۔ اخفش نے کہا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا ہے۔ مفروض کا مطلب ہے واجب مقدر۔

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

''اور جب حاضر ہوں (ورثہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم بچے اور مسکین تو دو انہیں بھی اس سے اور کہو ان سے اچھی بات''۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو میراث میں کسی چیز کا مستحق نہیں ہے اور ورثہ کی تقسیم کے وقت حاضر ہوا اور وہ قریبی رشتہ داروں سے ہو یا یتامیٰ اور فقراء سے ہو جو وارث نہیں ہیں تو ان کو احترام دو اور انہیں محروم نہ کرو اگر مال زیادہ ہو اور اگر مال زمین ہو یا اتنا تھوڑا ہو کہ تھوڑی سی بخشش کو بھی قبول نہ کرتا ہو تو ان سے معذرت کرنی چاہیے۔ اگر تھوڑا مال دے دیا جائے تو اس میں بہت بڑا اجر ہے۔ ایک درہم، ایک لاکھ سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔ اس قول کے مطابق یہ آیت محکم ہے یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ تابعین کی ایک جماعت نے اس کی پیروی کی ہے مثلاً عروہ بن زبیر وغیرہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بھی اس کا حکم دیا ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اس کو اس ارشاد نے منسوخ کیا ہے یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے)

سعید بن مسیب نے فرمایا: آیت میراث اور وصیت نے اس آیت کو منسوخ کیا ہے۔ جن علماء نے اس آیت کو منسوخ کہا ہے وہ ابو مالک، عکرمہ اور ضحاک ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ آیت ورثاء کے حصص کے استحقاق کو بیان کرتی ہے اور مشارکت کا استحباب اس کے لیے ہے جو حاضر ہوا ہے اور اس کا حصہ نہ ہو۔ ابن جبیر نے کہا: لوگوں نے اس آیت کو ضائع کر دیا ہے۔ حضرت حسن نے کہا: لیکن لوگوں نے بخل کیا ہے(1)۔ اور بخاری میں حضرت ابن عباس سے وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ الخ کے تحت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ آیت محکم ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے فرمایا: لوگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اللہ کی قسم یہ منسوخ نہیں ہے لیکن لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں سستی کی ہے۔ والی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو وارث ہوتا ہے یہ وہ ہوتا ہے جو عطا کرتا ہے اور دوسرا والی وہ ہوتا ہے جو وارث نہیں ہوتا وہ وہ ہے جو اچھی بات کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے: میں تجھے عطا کرنے کا مالک نہیں ہوں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ میراث تقسیم کرتے وقت رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا مظاہرہ کریں۔ یتامیٰ اور مساکین سے صلہ رحمی کریں (اگر) وصیت میں سے ہو۔ اور اگر وصیت نہ ہو تو میراث میں سے ان کو کچھ دو۔ نحاس نے کہا: یہ بہتر ہے جو کچھ اس آیت کے بارے میں کہا گیا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 12

ہے یہ بطور استحباب اور خیر کے فعل کی ترغیب اور اللہ تعالیٰ کے لیے شکر کے لیے ہے۔ ایک گروہ نے کہا: یہ تھوڑا سا دینا فرض کی حیثیت سے واجب ہے ورثاء اصناف کو عطا کریں جب کہ اس پر ان کے نفوس خوش ہوں جیسے چھوٹی چھوٹی استعمال کی چیزیں، پرانے کپڑے اور جو ہلکی پھلکی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس قول کو ابن عطیہ اور قشیری نے روایت کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بطور استحباب ہے، کیونکہ اگر یہ فرض ہوتا تو ترکہ میں استحقاق ہوتا اور میراث میں اشتراک ہوتا۔ ایک جہت کے لیے معلوم ہے اور دوسری کے لیے مجہول ہے اور یہ حکمت کے منافی ہے اور یہ جھگڑے اور قطع تعلقی کا سبب ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو وصیت کے مطابق مال تقسیم کرتے ہیں۔ ورثاء مخاطب نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب اور ابن زید سے مروی ہے کہ جب مریض وصایا کے ذریعے مال تقسیم کرے اور وہ لوگ حاضر ہوں جو وارث نہیں ہیں تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ انہیں محروم نہ کرے۔ یہ حکم اس وقت نازل ہوا تھا جب وصیت واجب تھی اور آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی۔ صحیح پہلا قول ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب وارث اتنا چھوٹا ہو کہ اپنے مال میں تصرف نہ کر سکتا ہو تو ایک گروہ نے فرمایا: چھوٹے وارث کا ولی مجور کے مال سے اتنی مقدار موجود لوگوں کو دے جو مناسب سمجھے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: وہ انہیں نہ عطا کرے بلکہ انہیں کہے کہ اس مال میں سے میرے لیے کچھ نہیں ہے یہ یتیم کا مال ہے جب یہ بالغ ہوگا تو میں اسے تمہارا حق بتا دوں گا۔ یہ معروف قول ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب میت نے اس کے لیے کسی چیز کی وصیت نہ کی ہو اگر اس نے اسے وصی بنایا ہو تو وصیت کے مطابق تصرف کرے۔ عبیدہ اور محمد بن سیرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں رزق سے مراد یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرے جسے وہ کھائیں اور ان دونوں حضرات نے ایسا کیا تھا ترکہ میں سے ایک بکری ذبح کی تھی۔ عبیدہ نے کہا: یہ آیت اگر نہ ہوتی تو یہ میرے مال سے تھا۔ قتادہ نے یحییٰ بن یعمر سے روایت کیا ہے فرمایا: یہ آیات محکم ہیں لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا ہے ایک یہ آیت، آیت استیذان، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ (نور: 58) اور یہ آیت یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (حجرات: 13)

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِّنْهُ ضمیر قسمت کے معنی کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ مال اور میراث کے معنی میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ (یوسف: 76) اس آیت میں ھا ضمیر ذکر کی گئی ہے اور اس سے مراد سقایۃ ہے کیونکہ الصواع مذکر ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ وبین اللہ حجاب (1)۔ دعوۃ کی طرف مذکر ضمیر لوٹائی دعا کے معنی کی بنا پر۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید بن طارق جعفی کو کہا تھا، جب اس نے شراب کے متعلق پوچھا تھا۔ انہ لیس بدواء ولکنہ داء۔ شراب کے معنی کی بنا پر مذکر ضمیر لوٹائی اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے: قاسمہ المال وتقاسماہ واقتسماہ اور اسم القسمۃ مونث ہے۔ اور القسم قسمت الشیٔ فانقسم کا مصدر ہے اسم ظرف مقسم ہے جیسے مجلس، تقسمھم الدھر فتقسموا یعنی زمانہ نے انہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب الاتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم، حدیث نمبر 2268، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جدا جدا کیا تو وہ جدا جدا ہو گئے۔ التقسیم سے مراد التفریق ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا سعید بن جبیر نے کہا: انہیں کہا جائے کہ لے لو تمہارے لیے برکت ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: انہیں دینے کے ساتھ کہو کہ میں پسند کرتا تھا کہ اگر اس سے زیادہ ہوتا (تو میں تجھے زیادہ دیتا) بعض علماء نے فرمایا: ان کو دینے کے ساتھ عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہاں اگر انہیں کچھ نہ دے تو کم از کم اچھی کلام کرے اور ایک قسم کا عذر پیش کرے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

"اور چاہیے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں) کہ اگر چھوڑ جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے تو وہ کتنے فکر مند ہوتے ان کے متعلق پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو"۔

اس آیت میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْيَخْشَ، لیخش سے الف حذف کیا گیا ہے لام امر کی وجہ سے، جزم ہونے کی وجہ سے اور سیبویہ کے نزدیک لام امر کا اضمار حروف جر پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں مگر ضرورت شعری کے لیے جائز ہے اور کوفیوں نے جزم کے ساتھ لام کے حذف کو جائز قرار دیا ہے اور تمام نے یہ شعر پڑھا ہے:

مُحمدُ تَفْدِ نفسَك كلُّ نفس　　إذا ما خِفْتَ مِنْ شئٍ تَبَالا

اے پیارے محمد! ہر نفس کو تیری ذات پر فدا ہونا چاہیے جب آپ کسی چیز سے اندیشہ محسوس کریں۔

اس شعر میں تفد سے مراد لتفد لیا ہے۔ اور یخش کا مفعول، دلالت کلام کی وجہ سے محذوف ہے اور خافوا، لو کا جواب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے لو ترکوا لخافوا، لو کے جواب میں لام کا حذف جائز ہے اور اس آیت کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: یہ اوصیاء کے لیے وعظ ہے یعنی تم یتیموں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری اولاد کے ساتھ تمہارے بعد کیا جائے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اور ایک طائفہ نے کہا: اس سے مراد تمام لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یتیموں اور لوگوں کی اولاد کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے۔ اس وجہ سے شیبانی نے حکایت کیا ہے کہ ہم قسطنطنیہ پر مسلمہ بن عبدالملک کے لشکر میں تھے ہم ایک دن اہل علم کی ایک جماعت میں بیٹھے تھے ان میں ابن الدیلمی بھی تھے آخری زمانہ کی ہولناکیوں کا ذکر ہوا میں نے ابن الدیلمی سے کہا: اے ابو بشر! میری خواہش ہے کہ میری اولاد نہ ہو۔ اس نے مجھے کہا: یہ تیرے ذمہ نہیں ہے جس شخص سے جس روح کے پیدا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما رکھا ہے وہ ضرور پیدا ہوگی خواہ وہ پسند کرے یا ناپسند کرے۔ لیکن اگر تو ان پر امن کا خواہش مند ہے تو دوسروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ایک

روایت میں ہے انہوں نے فرمایا: کیا میں تیری ایسے امر پر دلالت نہ کروں کہ تو اگر اس سے دو چار ہوگا تو اللہ تعالیٰ تجھے اس سے نجات عطا فرمائے گا اور اگر تو اپنے بعد اولاد چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے ان کی حفاظت فرمائے گا؟ میں نے کہا: ضرور بتایئے، تو انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا......الخ (1)۔

میں کہتا ہوں: یہی معنی محمد بن کعب القرظی نے حضرت ابو ہریرہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جو اچھا صدقہ کرے گا وہ پل صراط سے گزر جائے گا اور جو کسی بیوہ کی ضرورت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے باقی ماندہ لوگوں کے لیے بہتر خلیفہ بنا دے گا'' (2)۔ تیسرا قول وہ ہے جو اکثر مفسرین کا ہے یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر موت آتی ہے تو وہ اپنی وصیت کے وقت پاس موجود آدمی کو کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تجھے اولاد عطا فرمائے گا تو اپنے لیے اس کا خیال رکھنا، اپنے مال کی اللہ کے راستہ میں وصیت کر اور صدقہ کر اور غلام آزاد کر حتی کہ وہ اپنے عام مال پر پہنچ جاتا ہے یا اس کو وصیت کے ساتھ گھیر لیتا ہے پھر وہ اپنے ورثاء کو نقصان پہنچاتا ہے پس انہیں اس سے منع کیا گیا گویا یہ آیت انہیں کہہ رہی ہے کہ جس طرح تم اپنے ورثاء اور اپنی اولاد کے بارے میں اپنے بعد خوف کرتے ہو اسی طرح اپنے غیر کے ورثاء پر خوف کرو اسے مال میں فضول خرچی پر نہ ابھارو۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت قتادہ، سدی، ابن جبیر، ضحاک اور مجاہد کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب آدمی وصیت کے وقت حاضر ہو تو اسے یہ کہنا مناسب نہیں کہ وہ مرنے والے کو کہے کہ تو اپنے مال کی وصیت کر اللہ تعالیٰ تیری اولاد کا رازق ہے لیکن وہ یہ کہے کہ تو اپنے نفس کے لیے نیک اعمال آگے بھیج اور اپنی اولاد کے لیے (کچھ) چھوڑ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ سے یہی مراد ہے۔ مقسم اور حضرمی نے کہا: یہ آیت اس کے برعکس میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مرنے والے کے قریب موجود شخص اسے کہے کہ اپنے ورثاء کے لیے مال محفوظ کرلے اور اپنے بچوں کے لیے باقی رکھ کوئی دوسرا تیرے مال کا تیری اولاد سے زیادہ حق دار نہیں ہے اور وہ اسے وصیت سے منع کرے پس اس سے قریبی رشتہ داروں اور ہر شخص کو نقصان ہوگا جس کے لیے وصیت کرنے کا حق ہے انہیں کہا گیا کہ جس طرح تم اپنی اولاد کے متعلق خوف کھاتے ہو اور خوش ہوتے ہو کہ ان سے اچھا سلوک ہو۔ پس اسی طرح مساکین، یتامیٰ کی جہت سے بھی اچھی بات کرو اور ان کو نقصان پہنچانے میں اللہ سے ڈرو۔ یہ دونوں قول آیت میراث کے نزول سے پہلے وصیت کے وجوب کے وقت پر مبنی ہیں یہ سعید بن جبیر اور ابن مسیب سے مروی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ دونوں قول تمام لوگوں میں عام نہیں ہیں بلکہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک صنف کے لیے ایک قول بہتر ہے اور دوسری صنف کے لیے دوسرا قول بہتر ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ آدمی جب ایسے ورثاء چھوڑ جائے جو خود کفیل ہوں، غنی ہوں تو پھر اسے وصیت کی طرف بلانا چاہیے اور اپنے لیے آگے بھیجنے پر ابھارنا چاہیے اور جب ایسے ورثاء چھوڑے جو ضعیف اور کمزور ہوں اور مفلس ہوں تو ان کے لیے مال چھوڑے اور احتیاط کرنے کی طرف بلانا بہتر ہے، کیونکہ اس ارادہ میں بھی اس کا اجر مساکین کو مال دینے کی اجر کی طرح ہے اور رعایت کا دارومدار ضعف اور کمزوری ہے پس اس کے ساتھ میلان واجب ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 452　　2۔ حلیۃ الاولیاء، جلد 3، صفحہ 220

میں کہتا ہوں: یہ تفصیل صحیح ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد کو فرمایا تھا: "تو اپنے ورثاء کو غنی چھوڑے تو یہ انہیں غریب چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں" (2)۔ اگر انسان کی اولاد نہ ہو یا وہ غنی اور خود کفیل ہو اور اس کا مال اس کے باپ کی طرف سے ہو اور اس پر اسے امن ہے تو اس وقت انسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو آخرت کے ذخیرہ کے لیے آگے بھیجے تاکہ اس کے بعد اس کی اولاد اس کے بعد برے کاموں میں خرچ نہ کرے اور پھر وہ اس پر بوجھ ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا، السدید کا معنی ہے عدل پر مبنی اور درست قول۔ یعنی مریض کو حکم دو کہ وہ اپنے مال سے واجبی حقوق ادا کرے پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے اتنی مقدار وصیت کرے جس کی وجہ سے چھوٹے ورثاء کو نقصان نہ پہنچے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے میت کو عدل پر مبنی قول کہو، وہ یہ ہے کہ اسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرے اور اسے اس کے پڑھنے کا حکم نہ کرے۔ بلکہ آہستہ آہستہ خود پڑھے تاکہ وہ سن لے اور اسے تلقین کرے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے قریب المرگ لوگوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرو اور آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ انہیں کلمہ پڑھنے کا حکم دو، کیونکہ اگر اس کا اسے حکم دیا گیا تو ہو سکتا ہے وہ غصہ میں آجائے اور اس کا انکار کر دے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یتیم ہے یعنی اسے نہ جھڑکو اور نہ اسے حقیر سمجھو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰

"بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں"۔

اس آیت میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا روایت ہے کہ یہ آیت غطفان کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کو مرثد بن زید کہا جاتا تھا اور وہ اپنے بھتیجے کے مال کا والی تھا جو یتیم تھا اور چھوٹا تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے کا مال کھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ مقاتل بن حیان نے کہا ہے۔ اسی وجہ سے جمہور علماء نے کہا: اس سے مراد اوصیاء ہیں جو یتیم کے مال سے وہ کھاتے ہیں جو ان کے لیے مباح نہیں ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ ان کفار کے بارے میں نازل ہوئی جو عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے۔ ہر اعتبار سے مال لینے کو کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ مقصود کھانا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اکثر اشیاء کو تلف کیا جاتا ہے۔ ذکر میں پیٹ کو خاص کیا ہے ان کے نقص کو بیان کرنے کے لیے اور مکارم اخلاق کی ضد کے ساتھ اس پر طعن و تشنیع کی ہے۔ مال اور انجام کے اعتبار سے کھائی گئی چیز کو آگ کہا گیا ہے (2) جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا (یوسف: 36) اس آیت میں خمر سے مراد عنبا (انگور) ہے بعض علماء نے فرمایا: نارا سے مراد حراما ہے کیونکہ حرام آگ کا سبب بنتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے حرام کو آگ کا نام دے دیا۔ حضرت

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 1524 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 14

ابو سعید خدری سے مروی ہے فرمایا: ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معراج کی رات کے متعلق بتایا کہ میں نے ایک قوم دیکھی جن کے ہونٹ، اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے ان پر ایک ایسا فرشتہ متعین تھا جو ان کے ہونٹوں سے پکڑتا تھا پھر ان کے مونہوں میں آگ کی چٹانیں ڈالتا تھا جو ان کے نیچے سے نکل جاتی تھیں، میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں (1)۔ کتاب وسنت اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یتیم کا مال کھانا کبائر میں سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ ان سات چیزوں میں یتیم کا مال کھانے کا بھی ذکر فرمایا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ابن عامر اور عاصم نے حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں یاء کے ضمہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور اصلاہ اللہ حر النار اصلاء سے مشتق کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۞ (مدثر) ابوحیوہ نے فعل کی کثرت کی وجہ سے تصلیة سے مشتق کر کے یا کے ضمہ، صاد کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۞ (الحاقہ) (پھر اسے دوزخ میں جھونک دو)

اسی سے مشتق عربوں کا قول ہے صلیته مرة بعد مرة و تصلیت۔ آگ کے ساتھ گرمی چاہی۔ شاعر نے کہا:

وقد تَصَلَّيتُ حَرَّ حربهم　　كما تَصَلَّى المقْرُورُ من قَرَسِ

باقی قراء نے یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور انہوں نے اسے صلی النار، یصلاها، صلًى و صلاءً سے مشتق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۞ (اللیل) الصلاء کا معنی آگ کے قرب کی وجہ سے گرم ہونا ہے یا آگ لگنے سے گرم ہونا ہے۔ اسی سے حارث بن عباد کا قول ہے:

لم اكنْ من جُناتها عَلِمَ اللهُ　　وانِّي لِحَرِّها اليومَ صَالِ

السعیر کا معنی بھڑکنے والا انگارہ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت، وعید کی آیات میں سے ہے۔ اس آیت میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے جو گناہوں کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اور اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ یہ بعض گنہگاروں پر نافذ ہوگا، پس وہ آگ میں داخل ہوں گے پھر جل جائیں گے اور مر جائیں گے۔ دوزخیوں کا حکم اس سے مختلف ہے وہ نہ مریں گے اور نہ زندہ ہوں گے (بلکہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے) گویا یہ کتاب وسنت کا جامع قول ہے تاکہ دونوں کے متعلق خبر مخبر کے خلاف واقع نہ ہو اور بعض سے اس کی مشیت سے عذاب ساقط ہونے والا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے) یہی جواب ہوگا جو بھی اس مفہوم و معنی میں سے تم پر وارد ہوگا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے دوزخی تو وہ اس طرح رہیں گے وہ نہ تو دوزخ میں مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے لیکن کچھ لوگوں کو آگ ان کے گناہوں کے سبب لاحق ہوگی یا فرمایا: ان کی خطاؤں کے سبب لاحق ہوگی پھر انہیں اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 454

تعالیٰ موت دے گا حتیٰ کہ وہ جب کوئلہ بن جائیں گے تو اذن شفاعت ہوگا پھر انہیں گروہوں کی صورت میں لایا جائے گا پھر وہ جنت کی نہروں پر پھیلا دیئے جائیں گے پھر ارشاد ہوگا اے اہل جنت! ان پر پانی بہاؤ تو وہ اس طرح اگ آئیں گے جیسے دانہ سیلاب کی مٹی میں اگتا ہے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیہات میں بکریاں چراتے تھے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۞ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞

''حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے۔ پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد تو ان کے لیے دو تہائی ہے جو میت نے چھوڑا اور اگر ہو ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نصف ہے اور میت کے ماں، باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے (باقی سب باپ کا) اور اگر میت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے (اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد۔ تمہارے

باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں؟ یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے، بڑا دانا ہے۔ اور تمہارے لیے نصف ہے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں بشرطیکہ نہ ہو ان کی اولاد اور اگر ہو ان کی اولاد تو تمہارے لیے چوتھائی ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیت کے پورا کرنے کے بعد ہے جو وہ کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے اس سے جو تم چھوڑ و بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد اور اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور (تمہارا) قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ وہ مرد ہو یا عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے بعد ہے جو کی گئی ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے نقصان نہ پہنچایا گیا ہو (یہ نظام وراثت) حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے، والا بڑا بردبار ہے۔ یہ حدیں اللہ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں، بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا''۔

ان آیات میں پینتیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **يُوصِيكُمُ اللهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ** اس لیے پہلے **لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ** اور **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ** میں جو اجمال تھا اس میں اس کا بیان ہے۔ پس یہ سوال کے وقت سے بیان کے تاخیر کے جواز کی دلیل ہے اور یہ آیت دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور احکام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے امہات الایات میں سے ایک ہے، کیونکہ فرائض عظیم القدر ہیں حتی کہ علم کا یہ تیسرا حصہ ہے (1) اور علم الفرائض کا نصف علم ہونا بھی مروی ہے۔ یہ پہلا علم ہے جو لوگوں سے چھین لیا جائے گا اور بھلا دیا جائے گا۔ دار قطنی نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرائض سیکھو اور یہ لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے اور یہ پہلی چیز ہے جو بھلائی جائے گی اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھائی جائے گی (2)۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن سیکھو اور یہ لوگوں کو سکھاؤ اور فرائض سیکھو اور لوگوں کو یہ سکھاؤ، علم حاصل کرو اور لوگوں کو علم لکھاؤ میں ایک ایسا شخص

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1 صفحہ 328

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، حدیث نمبر 2709، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوں جس کی روح قبض کی جائے گی اور علم اٹھا لیا جائے گا اور فتن ظاہر ہوں گے حتیٰ کہ دو آدمی فریضہ (میراث کا مسئلہ) میں جھگڑیں گے تو کوئی ایسا شخص نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کرے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو جان لو کہ فرائض صحابہ کا عظیم علم تھا اور ان کی عظیم مباحث میں سے تھا لیکن لوگوں نے اس علم کو ضائع کر دیا ہے۔ مطرف نے مالک سے روایت کیا ہے فرمایا، حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: جس نے فرائض، طلاق اور حج کا علم حاصل نہیں کیا وہ اہل دیہات پر فضیلت کیسے پائے گا۔ ابن وہب نے مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: میں ربیعہ کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ جس نے فرائض کا علم سیکھا قرآن نے جو فرائض کا بیان کیا ہے اس کے سیکھے بغیر تو وہ انہیں جلدی بھول جائے گا۔ امام مالک نے کہا: انہوں نے سچ کہا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابو داؤد اور دارقطنی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم صرف تین ہیں ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فضیلت ہے (۱) محکم آیات (۲) سنت قائمہ (۳) فریضۃ عادلۃ (1)۔

خطابی ابو سلیمان نے کہا: محکم آیات سے مراد کتاب اللہ ہے۔ ان آیات میں احکام بیان ہوئے ہیں مگر قرآن کی جو آیات منسوخ ہیں ان پر عمل نہیں کیا جاتا اور صرف ناسخ پر عمل کیا جاتا ہے اور سنت قائمہ سے مراد سنت ثابتہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن ثابتہ میں سے مروی ہے اور فریضہ عادلۃ دو احتمال رکھتا ہے (۱) تقسیم میں عادل کا ہونا پس کتاب وسنت میں مذکورہ حصص میں عدل کرنا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ کتاب وسنت اور جو ان کے ہم معنی ہے ان سے مستنبط مسائل۔ پس یہ فریضۃ کتاب وسنت سے ماخوذ مسائل کے برابر ہوگا، کیونکہ وہ کتاب وسنت سے ماخوذ معنی میں نص ہوگا۔ عکرمہ سے مروی ہے فرمایا: حضرت ابن عباس نے حضرت زید بن ثابت کو بلایا وہ ان سے ایک ایسی عورت کے متعلق مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے جس نے خاوند اور والدین چھوڑے تو حضرت زید بن ثابت نے کہا: خاوند کے لیے نصف ہوگا اور ماں کے لیے مابقی کا تہائی ہوگا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تم یہ مسئلہ کتاب اللہ میں پاتے ہو یا اپنی رائے سے بیان کر رہے ہو۔ حضرت زید نے کہا: میں اپنی رائے سے کہتا ہوں، میں ماں کو باپ پر فضیلت نہیں دیتا۔ ابو سلیمان نے کہا: یہ فریضۃ کے تعدیل کے باب سے ہے جب کہ اس فریضہ کے متعلق نص نہ ہو یہ انہوں نے منصوص علیہ کا اعتبار کیا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ وارث ہوں تو ماں کے لیے تہائی حصہ ہے جب ماں کا حصہ تہائی پایا گیا اور باقی مال وہ دو تہائی ہے وہ باپ کے لیے ہے، خاوند کو حصہ دینے کے بعد باقی مال سے بچے ہوئے نصف مال کو کل مال پر قیاس کیا جبکہ والدین کے ساتھ بیٹا یا ذو سہم (حصہ لینے والا) نہ ہو تو والدین کے درمیان وہ مال تین حصوں میں تقسیم ہوگا ایک حصہ ماں کے لیے اور دو حصے باپ کے لیے اور وہی باقی ہے، یہ تقسیم میں زیادہ عدل ہے بنسبت اس کے کہ باقی نصف میں سے تمام مال کا تہائی ماں کو دیا جائے اور مابقی باپ کو دیا جائے جو چھٹا حصہ بنتا ہے۔ پس اس طرح ماں کو باپ پر فضیلت ہوگی، حالانکہ وہ مفضولہ ہے اصل میراث میں اور ماں کے لیے باپ کے حصہ سے زیادہ ملے گا، حالانکہ اصل میراث میں باپ مقدم اور مفضل ہے۔ اس میں زیادہ عدل ہے بنسبت اس کے جو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب ما جاء فی تعلیم الفرائض، حدیث نمبر 2499، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حضرت ابن عباس کا نظریہ یہ ہے کہ ماں کو کل مال سے تہائی ملے گا اور باپ کا حصہ چھٹے حصہ کی طرف لوٹا کر کم کرتے ہیں پس حضرت ابن عباس کا قول چھوڑ دیا گیا اور عام فقہاء نے حضرت زید کے قول کو اپنایا۔ ابوعمر نے کہا: حضرت عبداللہ بن عباس نے خاوند اور والدین کے بارے میں کہا: خاوند کے لیے نصف ہے اور ماں کے لیے تمام مال کا ثلث 1/3 ہے اور باقی باپ کے لیے ہے۔ قاضی شریح، محمد بن سیرین، داؤد بن علی اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے۔

ان علماء میں سے ابوالحسن، محمد بن عبداللہ، فرضی مصری المعروف بابن اللبان نے دونوں مسئلوں میں یہی کہا ہے اور کہا انہوں نے کہ مسئلہ المشترکۃ میں حضرت علی کا قول یہی ہے اور ایک مقام پر کہا: حضرت علی سے یہی مروی ہے۔ ابوعمر نے کہا: حضرت علی، حضرت زید، حضرت عبداللہ، تمام صحابہ اور عام علماء سے مشہور اور معروف وہی قول ہے جو امام مالک نے لکھا ہے اور حضرت ابن عباس پر ان کی حجت یہ ہے کہ ابوین جب ورثہ میں شریک ہوں ان کے ساتھ اور کوئی شریک نہ ہو تو ماں کے لیے ایک تہائی اور دو تہائی باپ کے لیے ہوگا اور اسی طرح جب اس نصف میں والدین شریک ہوں جو خاوند سے زائد ہوتا ہے، تو دونوں اس میں اسی طرح حصہ پائیں گے (یعنی) ماں کے لیے تہائی اور باپ کے لیے دو تہائی ہوگا۔ نظر و قیاس میں یہی صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ آیت مواریث کے نزول کے سبب میں روایات مختلف ہیں، پس ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی نے کہا: یارسول اللہ! سعد فوت ہو گیا ہے اور اس نے دو بیٹیاں اور ایک بھائی چھوڑا ہے، اس کے بھائی نے سعد کا سارا ترکہ قبضہ میں کر لیا ہے، عورتوں سے ان کے مال کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مجلس میں جواب نہ دیا، پھر وہ عورت آئی اور عرض کی: یارسول اللہ! سعد کی بیٹیاں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس کے بھائی کو میرے پاس بلاؤ، وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے فرمایا: سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دو اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دو اور باقی مال تیرے لیے ہے (1)۔ ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ پھر آیت مواریث نازل ہوئی۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت جابر نے بھی روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ابوبکر بنی سلمہ میں پیدل چل کر میری عیادت کے لیے تشریف لائے، انہوں نے مجھے بے ہوش پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پانی منگوایا اور وضو کیا پھر اس پانی سے مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں اپنے مال میں کیا کروں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ۔ ان دونوں احادیث کو صحیحین میں بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اس میں ہے میں نے عرض کی: یانبی اللہ! میں اپنے مال کو اپنے بچوں میں کیسے تقسیم کروں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (الایۃ) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2) اور بخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت کا نزول اس وجہ سے ہوا کہ مال سارا بیٹے کے لیے ہوتا اور والدین کے لیے وصیت تھی، پس ان آیات سے اس حکم کو منسوخ کیا گیا۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب، حدیث نمبر 2710، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفرائض من رسول اللہ، باب میراث البنین مع البنات، حدیث نمبر 2022، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مقاتل اور کلبی نے کہا: یہ آیت ام کجہ کے متعلق نازل ہوئی اس کا واقعہ ذکر ہو چکا ہے۔ سدی نے کہا: یہ حضرت حسان بن ثابت کے بھائی عبدالرحمن بن ثابت کی بیٹیوں کے سبب نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: زمانہ جاہلیت کے لوگ میراث صرف ان لوگوں کو دیتے جو جنگوں میں شریک ہوتے اور جو دشمن سے قتال کرتے، پس یہ آیت نازل ہوئی جس نے ہر چھوٹے بڑے کا حصہ بیان کیا۔ یہ بھی بعید نہیں کہ یہ تمام کا جواب ہو اس وجہ سے اس کا نزول مؤخر ہوا۔ واللہ اعلم۔ الکیا الطبری نے کہا: بعض آثار میں وارد ہے کہ جو کچھ زمانہ جاہلیت میں تھا کہ وہ چھوٹے بچے کو میراث سے محروم کرتے تھے تو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہی ہوتا رہا یہاں تک کہ اس آیت نے حکم منسوخ کر دیا۔ اور ہمارے نزدیک اس پر شریعت کا مشتمل ہونا ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے، کیونکہ یہ آیت سعد بن ربیع کے ورثہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ثابت بن قیس بن شماس کے ورثہ کے متعلق نازل ہوئی۔ اہل النقل کے نزدیک پہلا قول اصح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا سے میراث واپس لی۔ اگر ہماری شریعت میں اس سے پہلے یہ حکم ثابت ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میراث واپس نہ لیتے کبھی بھی ہماری شریعت میں یہ ثابت نہیں ہوا کہ بچے کو میراث نہیں دی جائے گی حتیٰ کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرے اور اپنے حریم کا دفاع کرے۔ میں کہتا ہوں: قاضی ابو بکر بن عربی نے اسی طرح کہا ہے۔ اس آیت کا نزول ایک بدیع نکتہ پر دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ زمانہ جاہلیت میں تھا کہ مال بڑے لے لیتے تھے، اسلام کے ابتدائی دور میں شریعت خاموش نہ تھی اور نہ اس کو ثابت کرنے والی تھی، کیونکہ اگر یہ شریعت ہوتا اور ثابت ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چچے کی دو بچیوں پر مال واپس کرنے کا حکم نہ لگاتے، کیونکہ جب احکام جاری ہو چکے ہوں پھر بعد میں نسخ آئے تو وہ مستقبل میں موثر ہوتا ہے۔ سابقہ فیصلوں کو ختم نہیں کرتا یہ ایک زمانہ جاہلیت کا ظلم تھا۔ شریعت اسلامیہ نے اسے اٹھا دیا یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ۔ شوافع نے کہا ہے کہ یہ ارشاد صلبی اولاد میں حقیقت ہے اور رہا پوتا وہ اس میں بطریق مجاز داخل ہے۔ جب کوئی قسم اٹھائے کہ اس کی اولاد نہیں ہے اور اس کا پوتا ہو تو وہ حانث نہ ہو گا۔ جب فلاں کی اولاد کے لیے وصیت کرے تو اس میں پوتے داخل نہ ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: اگر اس کی صلبی اولاد نہ ہو گی تو پوتا داخل ہو گا اور یہ معلوم ہے کہ الفاظ تبدیل نہیں ہوتے اس سے جو علماء کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن المنذر نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ فرمایا تو آیت کے ظاہر سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ میراث تمام اولاد کے لیے ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اولاد کا ارادہ کیا ہے اور بعض کا نہیں۔ پس مسلم کافر کا وارث نہ ہو گا اور کافر، مسلمان کا وارث نہ ہو گا یہی حدیث کا ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ نے فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ فرمایا تو ان میں وہ قیدی بھی داخل ہے جو کفار کے قبضہ میں ہے پس وہ بھی وارث ہو گا جب تک اس کی زندگی اسلام پر معلوم ہو۔ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے مگر نخعی نے کہا: قیدی وارث نہ ہو گا اور جب اس کی زندگی کا علم نہ ہو تو اس کا حکم مفقود کا حکم ہو گا اور آیت کے عموم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث داخل نہ ہو گی کیونکہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم وارث نہیں بناتے جو ہم چھوڑتے ہیں، صدقہ ہے۔ اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورۂ مریم میں آئے گا۔ اسی طرح اپنے باپ یا دادے، اپنے بھائی یا اپنے چچا کا قاتل بھی اسی عموم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ اپنے مقتول کے مال اور اس کی دیت سے وارث نہ ہوگا۔ اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اگر وہ اسے خطاءً قتل کردے تو اس کی دیت سے اسے میراث نہیں ملے گی اور اس کے مال سے امام مالک کے قول کے مطابق وارث ہوگا اور امام شافعی، امام احمد، سفیان اور اصحاب الرائے کے قول میں نہ مال سے وارث ہوگا اور نہ دیت سے وارث ہوگا، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ امام مالک کا قول اصح ہے۔ یہی قول اسحاق اور ابوثور کا ہے۔ اور یہی قول سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، زہری، اوزاعی، ابن المنذر کا ہے، کیونکہ میراث ایسی چیز ہے جس کا وارث اللہ نے اسے اپنی کتاب میں بنایا ہے اس سے سنت اور اجماع کے ساتھ استثنا نہیں کی گئی۔ ہر مختلف فیہ مسئلہ ظاہر آیات کی طرف لوٹایا جائے گا جن میں میراث کا بیان ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اسلام کے ابتدائی دور میں میراث کا حق کئی اسباب سے ہوتا تھا۔ ان میں سے حلف، ہجرۃ اور معاقدۃ ہے۔ پھر یہ تمام اسباب منسوخ ہو گئے جیسا کہ اسی سورت میں وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ کے تحت تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔

علماء کا اجماع ہے کہ اولاد کے ساتھ ایسے افراد وارث ہوں جن کے لیے حصہ متعین ہے تو پہلے اسے حصہ مفروضہ کے مطابق حصہ دیا جائے گا پھر جو مال بچے گا وہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصہ کے برابر حصہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فرائض ان کے اہل کے حوالے کرو(1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے روایت کیا ہے یعنی وہ فرائض جو کتاب اللہ میں واقع ہیں اور یہ فرائض چھ ہیں۔ 1/2- 1/4- 1/8- 2/3- 1/3- 1/6- 1/2 پانچ کا حصہ مقرر ہے صلبی بیٹی، پوتی، سگی بہن، باپ کی طرف سے بہن اور خاوند۔ یہ حصص اس صورت میں ہیں جب یہ علیحدہ ہوں کوئی انہیں اپنے حصہ سے محجوب کرنے والا نہ ہو۔ حاجب کے ہوتے ہوئے خاوند کا حصہ 1/4 ہوگا اور ایک بیوی اور زیادہ بیویوں کے لیے 1/4 ہو کا جب کہ حاجب نہ ہو اور 1/8 حصہ ہوگا ایک بیوی اور زیادہ بیویوں کے لیے جب کہ حاجب ہوگا اور 2/3 حصہ چار افراد کا ہے صلبی بیٹیوں میں سے دو یا زیادہ ہوں اور پوتیاں، سگی بہن یا باپ کی طرف سے بہنیں جب دو یا دو سے زیادہ ہوں یہ حصص اسی صورت میں ہیں جب ان کو محجوب کرنے والا نہ ہو اور 1/3 حصہ دو افراد کا ہے ماں کا حصہ ہے جب میت کا بیٹا اور پوتا نہ ہو اور دو یا دو سے زیادہ اس کے بھائی اور بہنیں نہ ہوں اور یہ حصہ ماں کی طرف سے دو یا دو سے زیادہ اولاد ہو۔ اور یہ کل مال کا تیسرا حصہ لیں گے اور مابقی کا ثلث 1/3 یہ ماں کے لیے ہے۔ اس مسئلہ میں جب کہ میت کے وارث خاوند یا بیوی اور والدین ہوں تو اس صورت میں ماں کو مابقی کا ثلث 1/3 ملے گا۔ اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے اور بھائیوں کے ہوتے ہوئے دادا کے مسائل میں جب ان کے ساتھ ذوسہم ہو اور مابقی کا تیسرا حصہ اس کے لیے ہو۔

اور 1/6 حصہ سات افراد کے لیے ہے۔ ابوان، دادا جب اس کے ساتھ میت کا بیٹا اور پوتا ہو ایک دادی اور بہت سی

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2657

دادیاں جب وہ جمع ہوں اور صلبی بیٹی کے ساتھ پوتی، سگی بہن کے ساتھ باپ کی طرف سے بہنیں، ماں کی اولاد میں سے ایک خواہ مذکر ہو یا مونث ہو۔ یہ تمام فرائض کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں مگر ایک دادی اور بہت سی دادیوں کا حصہ سنت سے ماخوذ ہے ان فرائض کے لیے میراث کو ثابت کرنے والے اسباب تین ہیں۔ ثابت نسب، منعقد نکاح اور آزاد کرنے کی ولاء۔ کبھی یہ تین چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک شخص عورت کا خاوند بھی ہوتا ہے، اس کا آزاد کرنے والا بھی ہوتا ہے اور اس کے چچا کا بیٹا بھی ہوتا ہے اور کبھی ایک شخص میں دو چیزیں جمع ہوتی ہیں مثلاً عورت کا خاوند اور اس کا آزاد کرنے والا ہوتا ہے یا اس کا خاوند اور اس کے چچا کا بیٹا ہوتا ہے پس وہ دو وجہوں سے وارث ہوتا ہے اس کے لیے تمام مال ہوتا ہے جب کہ وہ ایک ہوتا ہے نصف مال زوجیت کی وجہ سے اور نصف ولاء یا نسب کی وجہ سے مل جاتا ہے۔ مثلاً ایک عورت ایک شخص کی بیٹی بھی ہوتی ہے اور اس کو آزاد کرنے والی بھی ہوتی ہے تو اس عورت کو تمام مل جاتا ہے جب کہ یہ ایک وارث ہو، نصف مال نسب کی وجہ سے اور نصف ولاء کی وجہ سے مل جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ میراث نہیں ہوگی مگر قرضہ اور وصیت ادا کرنے کے بعد۔ جب کوئی شخص فوت ہوگا تو پہلے اس کے متعین حقوق نکالے جائیں گے پھر اس کے کفن، دفن کا انتظام کیا جائے گا پھر اس کے مراتب کے مطابق قرضے ادا کیے جائیں گے پھر تہائی حصہ سے اس کی وصیتیں پوری کی جائیں گی اور وہ چیزیں جو وصیت کے معنی میں ہوں گی، باقی مال ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا اور جملہ ورثاء سترہ ہیں۔ دس مرد ہیں، بیٹا، پوتا، چچا، چچا کا بیٹا، خاوند اور آزاد کرنے والا۔ اور عورتوں میں سے سات ہیں بیٹی، پوتی اگرچہ نیچے کی ہو، ماں، دادی اگرچہ بہت اوپر کی ہو، بہن، بیوی، آزاد کرنے والی عورت، بعض فضلاء نے انہیں نظم کیا ہے:

والوارثون إن اردت جمعهم ... مع الإناث الوارثات معهم
عشرةٌ من جملة الذكرانِ ... وسبعُ أشخاصٍ من النّسوانِ
وهُمْ وقد حصرتهم في النظم ... الأبنُ، أبنُ الأبن وأبنُ العمّ
والأبُ منهم وهوفي الترتيب ... والجدُّ من قَبْلِ الأخِ القريب
وأبنُ الأخِ الأدْنَىٰ أجَلْ والعمُّ ... والزوجُ والسيّد تم الأمُّ
وأبنةُ الأبن بعدها والبنتُ ... وزوجةٌ وجدّة وأختُ
والمرأةُ المولاةُ أعْنِي المعتقه ... خُذْها إليك عِدّةً محققّة

مسئلہ نمبر 8۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ تو اس میں ساری اولاد شامل ہے خواہ وہ موجود ہو یا ماں کے پیٹ میں ہو قریبی ہو یا بعید ہو، مذکر ہو یا مونث ہو سوائے کافر کے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ حکم قریبی اولاد میں حقیقت ہے، دور والوں میں مجاز ہے اور بعض نے کہا: تمام اولاد میں حقیقت ہے، کیونکہ یہ پیدا ہونے سے ہے۔ مگر وہ میت کے قرب کی مقدار کے اعتبار سے وارث ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰبَنِيْٓ اٰدَمَ (الاعراف: 35) (اے آدم کے بیٹو!) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا سید ولد آدم۔ میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور فرمایا: اے بنی اسرائیل! تیر

اندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ (اسماعیل علیہ السلام) تیر انداز تھا، لیکن اس اطلاق میں عرف کا استعمال، اس حقیقت پر قریبی افراد پر غالب ہے۔ اگر صلبی اولاد میں مذکر موجود ہو تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ اگر صلبی اولاد میں سے مذکر نہ ہو اور اولاد کی اولاد میں مذکر ہو (یعنی پوتا موجود ہو) تو پہلے صلبی بیٹیوں کو حصہ دیا جائے گا اور وہ 2/3 حصہ تک پہنچے گا، پھر باقی 1/3 پوتوں کو ملے گا اگر وہ میت سے تعلق میں برابر ہوں یا مذکر لڑکیوں سے اسفل ہو تو یہ اس طرح تقسیم کریں گے کہ لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہوگا۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے کا قول ہے اور یہی عام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اہل علم کا قول ہے۔ مگر حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر مذکر پوتا ہو اور اس کے مقابلے میں مؤنث اولاد ہو تو مؤنث پر ہی ترکہ رد ہوگا۔ اگر اس مؤنث سے وہ اسفل ہو تو پھر اس مؤنث اولاد پر رد نہ ہوگا اس میں انہوں نے اس قول کا خیال رکھا ہے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔ لڑکیوں کے لیے 2/3 حصہ سے زیادہ نہیں بنایا اگرچہ زیادہ بھی ہوں۔ میں کہتا ہوں: ابن عربی نے یہ تفصیل حضرت ابن مسعود سے اسی طرح ذکر کی ہے، ابن المنذر اور الباجی نے بھی ان سے یہی ذکر کیا ہے۔ جو صلبی بیٹیوں سے بچے وہ پوتوں کے لیے ہے، پوتیوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ ان دونوں حضرات نے تفصیل نہیں کی۔ ابن المنذر نے ابو ثور سے یہ حکایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو عمر نے حکایت کیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: حضرت ابن مسعود نے اس میں مخالفت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب بیٹیاں 2/3 حصہ مکمل کرلیں گی تو باقی پوتوں کے لیے ہوگا ان کی بہنوں کے لیے نہیں ہوگا اور نہ ان سے اوپر والی پوتیوں کے لیے ہو اور نہ نیچے والیوں کے لیے ہوگا۔ ابو ثور اور داؤد بن علی کا یہی مذہب ہے۔ اس کی مثل علقمہ سے مروی ہے اور اس مذہب والوں کی حجت حضرت ابن عباس کی حدیث ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مال کو فرائض والوں میں کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کرو اور جو فرائض سے بچ جائے تو قریبی مذکر رشتہ دار کے لیے ہے(1)۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے اور جمہور کی حجت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ اولاد کی اولاد بھی اولاد ہی ہے۔ نظر اور قیاس کی حجت سے یہ ہے کہ جو تمام مال میں اپنے درجہ والوں کو عصبہ بناتا ہے تو واجب ہے کہ وہ فاضل مال میں بھی اسے عصبہ بنائے، جس طرح صلبی اولاد ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ پوتا اپنی بہن کو میراث میں شریک کرے جس طرح صلبی بیٹا بہن کو میراث میں شریک کرتا ہے، ابو ثور اور داؤد کی طرف سے حجت پکڑنے والے نے حجت پکڑی ہے کہ پوتی 2/3 حصہ کے بعد فاضل مال میں علیحدہ وارث نہیں بنتی اس کا بھائی اسے عصبہ نہیں بناتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کے ساتھ اس کا بھائی ہو تو وہ اس کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے اور وہ اس کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ کا ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اولاد میں سے ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکی کے لیے نصف مقرر فرمایا اور دو سے زیادہ کے لیے 2/3 مقرر فرمایا اور دو کے لیے کتاب اللہ میں کوئی حصہ منصوص نہیں فرمایا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الولد من ابیہ وامہ، حدیث نمبر 6235، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

علماء نے اس دلیل پر کلام فرمائی ہے جو دو کے لیے 2/3 حصہ کا موجب ہے وہ دلیل کیا ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: وہ اجماع ہے۔ یہ مردود ہے کیونکہ حضرت ابن عباس سے صحیح قول مروی ہے کہ دو بیٹیوں کو نصف 1/2 ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ یہ شرط اور جزا ہے۔ فرمایا: پس دو بیٹیوں کو دو تہائی 2/3 نہیں دیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: دو بہنوں پر قیاس کے ساتھ دو بیٹیوں کو 2/3 حصہ دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ کے آخر میں فرمایا: وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ اور پھر فرمایا: فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ۔ پس دو بیٹیاں 2/3 کے اشتراک میں دو بہنوں کے ساتھ ملحق ہوں گی اور بہنیں جب دو سے زیادہ ہوں گی تو 2/3 میں اشتراک میں بیٹیوں کے ساتھ ملحق ہوں گی۔ اس پر اعتراض ہوا ہے کہ اخوات کے بارے میں حکم منصوص ہے اور اس پر اجماع منعقد ہے اور اس کے ساتھ یہ تسلیم شدہ حکم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: آیت میں ایسی چیز موجود ہے جو دلالت کرتی ہے کہ دو بیٹیوں کے لیے 2/3 ہے وہ یہ ہے کہ جب بیٹی ایک ہو تو اپنے بھائی کے ساتھ 1/3 حصہ لیتی ہے تو معلوم ہوا کہ دو بیٹیوں کے لیے 2/3 ہوگا۔ اس دلیل سے ان علماء نے حجت پکڑی ہے اور یہ قول قاضی اسماعیل، ابو العباس المبرد کا ہے۔ نحاس نے کہا: اہل نظر کے نزدیک یہ حجت غلط ہے، کیونکہ اختلاف ایک لڑکی میں نہیں دو لڑکیوں میں ہے۔ پس ان کا مخالف کہتا ہے جب وہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا چھوڑے تو بیٹیوں کے لیے نصف ہوتا ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ یہ ان کا فرض ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: فَوْقَ کا لفظ زائد ہے یعنی ان کن نساء اثنتین یعنی عورتیں دو ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (الانفال: 12) مراد اعناق ہے۔ اس قول کو نحاس اور ابن عطیہ نے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ غلط ہے، کیونکہ ظروف اور تمام اسماء کا کلام عرب میں بغیر معنی کے زائد ہونا جائز نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ یہ فصیح کلام ہے فوق زائد نہیں ہے بلکہ یہ معنی کے لیے محکم ہے کیونکہ عنق (گردن) کو مارنا ثابت ہوتا ہے جب وہ جوڑ کی ہڈی سے اوپر ہو نہ کہ دماغ میں مارنا مراد ہے، جیسا کہ درید بن الصمۃ نے کہا: میں دماغ سے نیچے سے اور ہڈی سے اوپر کی جگہ مارتا ہوں پس میں جوانوں کی گردنوں کو مارتا ہوں۔ اور قوی ترین حجت بیٹیوں کے لیے 2/3 حصہ ہونے میں سبب نزول میں مروی صحیح حدیث ہے۔ اہل حجاز اور بنی اسد کی لغت الثلث، الربع، عشر تک عین کلمہ کے ضمہ کے ساتھ ہے اور بنی تمیم اور ربیعہ کی لغت الثلث لام کے سکون کے ساتھ ہے اسی طرح عشر تک عین کلمہ کے سکون کے ساتھ ہے۔ کہا جاتا ہے: ثلثت القوم اثلثهم وثلثت الدراهم اثلثها جب تو انہیں تین مکمل کر دے۔ واثْلَثتْ هی۔ لیکن وہ مائۃ اور الف میں کہتے ہیں اَمْاَیْتُها و آلفتُها و اَمْاَتْ، آلفتْ۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ نافع اور اہل مدینہ نے واحدۃ رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ اس کا معنی ہے وقعت وحدثت واحدۃ۔ اور یہ کان تامہ ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

إذا　كان　الشتاء　فَادْفِئُونِي　فإن　الشيخ　يُهرِمه　الشِّتاءُ

جب موسم سرما ہو تو مجھے گرم کرو کیونکہ بوڑھے آدمی کو سردیوں کا موسم مزید بوڑھا کر دیتا ہے۔

اور باقی قراء نے نصب کے ساتھ واحدۃً پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قرأت بہتر ہے یعنی وان کانت المتروکۃ او

المولودۃ (واحدۃ) اگر میت کے پیچھے ایک بچی ہو۔ جیسے ارشاد ہے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً۔ جب صلبی بیٹیوں کے ساتھ، پوتیاں بھی ہوں اور صلبی بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ پوتیوں کو میراث سے محروم کر دیں گی کیونکہ پوتیوں کے لیے 2/3 حصہ کے علاوہ میں بطور فرض میراث نہیں ملتی۔ اگر صلبی بیٹی ایک ہو ایک پوتی ہو یا بہت سی پوتیاں ہوں تو وہ صلبی بیٹی کے ساتھ مل کر 2/3 حصہ مکمل کریں گی، کیونکہ دو بیٹیاں یا زائد اسی فرض 2/3 کی وارث ہوتی ہیں اور پوتیاں، بیٹیوں کے قائم مقام ہوتی ہیں جب بیٹیاں نہ ہوں اور اسی طرح پوتے حجب اور میراث میں بیٹیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں جب ان عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ ہو جو سدس 1/6 کی مستحق ہے تو یہ سدس 1/6 پوتی کے لیے ہوگا اور متوفی کی سگی بہن کی نسبت یہ 1/6 حصہ کی زیادہ مستحق ہے۔

جمہور فقہاء صحابہ اور تابعین کا یہی نظریہ ہے مگر ابو موسیٰ، سلیمان بن ابی ربیعہ سے مروی ہے کہ بیٹی کے لیے نصف ہے اور نصف ثانی بہن کے لیے ہے اور ایسی صورت میں پوتی کا کوئی حق نہیں ہے (1)۔ ابو موسیٰ سے صحیح یہ مروی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ سے رجوع کر لیا تھا۔ یہ بخاری نے روایت کیا ہے۔ آدم نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابو قیس نے بتایا کہ میں نے ہزیل بن شرحبیل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو موسیٰ سے بیٹی، پوتی اور بہن کے درمیان میراث کی تقسیم کے بارے پوچھا گیا تو ابو موسیٰ نے کہا: بیٹی کے لیے 1/2 حصہ ہے، بہن کے لیے 1/2 ہے۔ اور حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ وہ بھی میری متابعت کریں گے۔ حضرت ابن مسعود سے پوچھا گیا اور انہیں ابو موسیٰ کے قول کے متعلق خبر دی گئی تو حضرت ابن مسعود نے کہا: پھر میں تو گمراہ ہو گیا اور میں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں ہوں (اگر میں ایسا فیصلہ کروں) میں تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کروں گا بیٹی کے لیے نصف ہوگا اور پوتی کے لیے 1/6 ہوگا دو ثلث مکمل کریں گے اور باقی بہن کے لیے ہوگا۔ ہم پھر ابو موسیٰ کے پاس آئے انہیں حضرت ابن مسعود کے قول کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا: جب تک یہ عالم اجل تم میں موجود ہے مجھ سے مسئلہ نہ پوچھا کرو۔ اگر پوتی یا پوتیوں کے ساتھ ان کے درجہ میں یا ان سے نیچے لڑکا ہو تو وہ انہیں عصبہ بنا دے گا۔ اور دوسرا نصف ان کے درمیان ہوگا۔ مذکر کے لیے دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہوگا جتنی مقدار کو بھی پہنچ جائے، جب کہ حضرت ابن مسعود کا قول اس کے خلاف ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ جب صلبی بیٹیاں یا صلبی بیٹی اور پوتیاں دو ثلث (2/3) مکمل کر لیں اور اسی طرح وہ سگی بہن اور بہنوں اور باپ کی طرف سے بھائیوں کے متعلق فرماتے ہیں: سگی بہن کے لیے نصف ہے اور باقی بھائیوں اور بہنوں کے لیے ہے جب تک کہ انہیں تقسیم کی وجہ سے 1/6 سے زیادہ نہ پہنچے اگر اس 1/6 سے زیادہ پہنچے تو انہیں 2/3 حصہ مکمل کرتے ہوئے 1/6 حصہ دیا جائے گا اور اس سے زائد انہیں نہیں دیا جائے گا۔ یہی ابو ثور نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب کوئی شخص مر جائے اور اپنی حاملہ بیوی چھوڑ جائے تو مال کی تقسیم میں توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ بچی یا بچہ پیدا ہو جائے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے اور اس کی بیوی حاملہ ہو تو ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ وارث ہوگا اور اس کی میراث جاری ہوگی جب وہ زندہ پیدا ہوگا اور آواز نکالے گا اور عام علماء کا قول ہے کہ جب مردہ پیدا ہو

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب، حدیث نمبر 2711، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گا تو وارث نہ ہوگا۔ اگر زندہ پیدا ہو اور آواز نہ نکالے تو ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس کے لیے میراث نہ ہوگی اگرچہ وہ حرکت بھی کرے یا چھینک مارے جب تک کہ آواز نہ نکالے اور ایک طائفہ نے کہا: جب حرکت کرنے، آواز نکالنے یا دودھ پینے یا سانس لینے کے ساتھ بچے کی زندگی معلوم ہو جائے گی تو اس کے احکام، زندہ کے احکام ہوں گے۔ یہ امام شافعی، سفیان، ثوری اور اوزاعی کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ امام شافعی نے جو کہا ہے وہ نظر کا احتمال رکھتا ہے مگر خبر اس سے مانع ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "جو بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اسے چوک دیتا ہے وہ شیطان کی چوک کی وجہ سے روتا ہے سوائے ابن مریم اور ان کی والدہ کے۔ یہ خبر ہے اور خبر پر نسخ واقع نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 12۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيٓ اَوْلَادِكُمْ یہ حکم خنثیٰ (ہیجڑا) کو بھی شامل ہے جس کی دونوں آگے والی شرمگاہیں ہوتی ہیں۔ علماء کا اجماع ہے کہ اسے پیشاب کرنے کے اعتبار سے وارث بنایا جائے گا اگر وہ مرد والی شرمگاہ سے پیشاب کرتا ہے تو وہ مرد کی میراث کا وارث ہوگا، اگر وہ عورت والی شرمگاہ سے پیشاب کرتا ہے تو عورت کی میراث کا وارث ہو گا۔ ابن المنذر نے کہا: امام مالک سے میں نے اس کے متعلق کوئی چیز یاد نہیں کی، بلکہ ابن القاسم نے ذکر کیا ہے کہ وہ امام مالک سے اس کے متعلق پوچھنے سے ڈر گئے۔ اگر وہ دونوں سے اکٹھا پیشاب کرتا ہو تو جس جگہ سے پہلے پیشاب کرتا ہوگا اس کا اعتبار ہوگا یہ سعید بن مسیب، امام احمد اور اسحاق کا قول ہوگا یہ اصحاب الرائے سے حکایت کیا گیا ہے۔ قتادہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے خنثیٰ کے متعلق فرمایا: اس کی میراث کا اعتبار اس کے پیشاب کرنے کی جگہ کے اعتبار سے ہوگا اگر وہ دونوں سے اکٹھا پیشاب کرتا ہوگا تو نصف مذکر اور نصف مونث ہوگا۔ یعقوب اور محمد نے کہا: جس شرمگاہ سے زیادہ پیشاب کرتا ہوگا اس کے اعتبار سے وارث ہوگا۔ اوزاعی سے یہی حکایت ہے۔ نعمان نے کہا: جب وہ دونوں سے اکٹھا پیشاب کرے تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔ میں یہ نہیں دیکھوں گا کہ کس طرف سے زیادہ پیشاب کرتا ہے۔ نعمان سے یہ بھی روایت ہے کہ جب ایسا ہوگا تو توقف کیا جائے گا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب خنثیٰ مشکل ہوگا تو دونوں حصوں میں سے کم حصہ دیا جائے گا۔ یحییٰ بن آدم نے کہا: جب وہ مرد کی حیثیت سے پیشاب کرتا ہوگا اور اسے عورت کی طرح حیض بھی آتا ہوگا تو وہ پیشاب کرنے کے اعتبار سے وارث ہوگا کیونکہ اثر میں ہے "پیشاب کرنے کی جگہ کے اعتبار سے وارث ہو گا" اور امام شافعی کے قول میں ہے جب اس کے دونوں طرفوں سے پیشاب اکٹھا نکلتا ہوگا اور ایک سے دوسری کی نسبت پہلے نہیں نکلتا ہوگا تو وہ خنثیٰ مشکل ہوگا اسے مونث کی میراث کی طرح میراث دی جائے گی اور اس کے اور دوسرے ورثاء کے درمیان مال موقوف ہوگا حتیٰ کہ اس کا امر واضح ہو جائے یا ورثاء صلح کرلیں۔ یہی ابوثور کا قول ہے۔ شعبی نے کہا: مذکر کی نصف میراث اور مونث کی نصف میراث دی جائے گی۔ اوزاعی کا یہی مذہب ہے اور یہ مالک کا مذہب ہے۔ ابن شاس نے جواھر ثمینۃ میں، امام مالک عالم مدینہ کے مذہب پر کہا ہے کہ خنثیٰ کی جب دونوں شرمگاہیں ہوں گی یعنی مرد کی شرمگاہ اور عورت کی شرمگاہ جن کے ذریعے پیشاب کیا جاتا ہے تو جس کے ذریعے پیشاب کرتا ہوگا اس کا حکم اس کے مطابق ہوگا اگر دونوں سے پیشاب کرتا ہوگا تو اعتبار کثرت کا ہوگا یعنی جس شرمگاہ سے زیادہ پیشاب کرتا ہوگا اس کا اعتبار ہوگا اگر برابر پیشاب کرتا ہوگا تو

جس شرمگاہ سے پہلے کرتا ہوگا اس کا اعتبار ہوگا اگر دونوں سے اکٹھا کرتا ہوگا تو پھر داڑھی اگنے یا پستانوں کے بڑا ہونے اور عورتوں کے پستانوں کے مشابہ ہونے کا اعتبار ہوگا، جب دونوں امر برابر ہوں تو پھر بلوغت کے وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ اگر حیض آتا ہوگا تو عورت کے حکم میں ہوگا اگر احتلام پایا جاتا ہوگا تو اس کا حکم ہوگا اگر دونوں پائے جاتے ہوں گے تو مشکل ہو گا۔ اسی طرح اگر پیشاب کرنے کی جگہ نہ ہو یعنی نہ وہ ہو جو مردوں کے ساتھ خاص ہے اور نہ وہ ہو جو عورتوں کے ساتھ خاص ہے بلکہ اس کی ایک جگہ ہو جس سے پیشاب کرتا ہو تو پھر بلوغت کا انتظار کیا جائے گا اگر کوئی تمیز دینے والی صورت ہو گی تو فبہا ورنہ مشکل ہوگا پھر جہاں اشکال کا حکم ہم لگائیں گے تو اسے مذکر اور مونث دونوں کے حصوں کا نصف ملے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ علماء نے خنثیٰ مشکل کی علامات ذکر کی ہیں۔ ہم سورۂ بقرہ اور اس سورت کے آغاز میں ایک علامت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جس کے ذریعے وہ ایک قسم کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ یہ علامت ہے پسلیوں کے اعتبار کا (اگر پسلیاں زیادہ ہیں تو عورت ہے اگر کم ہیں تو مرد ہے)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی علامت مروی ہے اس کے ساتھ آپ نے فیصلہ فرمایا تھا۔ بعض فضلاء نے بہت سے اشعار میں خنثیٰ کا حکم نظم کیا ہے: خنثیٰ میں پستان، داڑھی اور پیشاب کی جگہ کا اعتبار ہے اگر اس کے تمام حالات برابر ہوں اور کوئی ایک صورت واضح نہ ہو اور اس کی نشانیاں مشکل ہوں تو 6/8 حصہ ملے گا یہ اس کا حصہ ہے جو اشکال کی وجہ سے مستحق ہے۔ اس میں عبرت ہے۔ واجب ہے کہ وہ دنیا میں جب تک زندہ ہے نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی کا نکاح کرائے۔ جب عیال والا نہ ہو تو میں اسے مردوں میں شمار نہیں کرتا۔ یہ تمام جو میں نے نظم میں ذکر کیا ہے بڑے بڑے علماء کے اقوال ہیں۔ ایک قوم نے خنثیٰ پر کلام کرنے سے انکار کیا تو اس کو کوئی ملامت نہیں کی گئی۔ کیونکہ اس کے ذکر میں شناعت ظاہر ہے اور بشاعت بالکل واضح ہے۔ اس کی مخفی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ گزر چکا ہے کہ اگر اس کی پسلیاں کم ہوں تو وہ میراث، نکاح، احرام، حج، نماز اور احکام میں مردوں کی طرح ہوگا۔ اگر مردوں سے ایک پسلی زیادہ ہو تو وہ عورتوں میں سے ہوگا، کیونکہ عورتوں کی ایک پسلی زیادہ ہوتی ہے۔ اس فائدہ کو غنیمت جان، کیونکہ حوا کی تخلیق کی وجہ سے آدم کی ایک پسلی کم ہوئی یہ قول حق ہے اور اس پر دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ابو الولید بن رشد نے کہا: خنثیٰ مشکل نہ خاوند ہوتا ہے، نہ بیوی، نہ باپ اور نہ ماں۔ بعض نے کہا کہ ایسے خنثے پائے گئے ہیں جن کے پیٹ سے بچے ہوئے اور جن کی پیٹھ سے اولاد ہوئی۔ ابن رشد نے کہا: اگر یہ صحیح ہے تو اپنے صلبی بیٹے سے باپ کی مکمل میراث پائے گا اور بطن سے پیدا ہونے والی اولاد سے ماں کی مکمل میراث پائے گا۔ یہ بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

سنن دارقطنی میں ابو ہانی عمر بن بشیر سے مروی ہے فرمایا: عامر شعبی سے ایک ایسے بچے کے بارے میں پوچھا گیا جو نہ مذکر ہے، نہ مونث ہے، نہ اس کے لیے وہ شرمگاہ ہے جو مذکر کی ہوتی ہے اور نہ وہ ہے جو عورت کے لیے ہوتی ہے اس کی ناف سے پیشاب، پاخانہ کی ہیئت سے مواد نکلتا ہے۔ عامر سے اس کی میراث کے بارے پوچھا گیا تو عامر نے کہا: مذکر کے حصہ کا نصف اور مؤنث کے حصہ کا نصف اسے دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ لِاَبَوَیْهِ یعنی میت کے والدین۔ یہ ضمیر بغیر مرجع کے ہے اور جائز ہے،

کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حتی توارت بالحجاب اور اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝
(ان دونوں قرآنی الفاظ میں ضمیر بغیر مرجع کے ہے)۔ السُّدُسُ اس کا رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور اس کا ماقبل خبر ہے۔
اسی طرح الثلث اور السدس ہیں اسی طرح نِصۡفُ مَا تَرَكَ اور فَلَكُمُ الرُّبُعُ - وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ اور فَلَهُنَّ الثُّمُنُ اور فَلِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ کی ترکیب ہے۔ اور الابوان الاب اور الابة کا تثنیہ ہے۔ الام کے لفظ کی وجہ سے اسے أبة نہیں کہا
جاتا۔ اور عرب دو مختلف چیزوں کو متفق چیزوں کے قائم مقام کر دیتے ہیں اور ایک کو دوسری پر غلبہ دے دیتے ہیں اس کی خفت
یا اس شہرت کی وجہ سے اور یہ اسماء صالحہ میں مسموع ہے مثلاً اب اور الام کے لیے ابوان۔ الشمس والقمر کے لیے القمران
اللیل والنہار کے لیے الملوان، اسی طرح العمران، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے بولا جاتا ہے۔ تذکیر کی خفت کی وجہ سے قمر کو
شمس پر غلبہ دیا۔ عمر کو ابوبکر پر غلبہ دیا، کیونکہ حضرت عمر کا زمانہ طویل اور مشہور تھا اور جنہوں نے العمرین سے عمر بن خطاب اور
عمر بن عبدالعزیز کا ارادہ کیا ہے، اس کا قول درست نہیں، کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے بھی العمرین بولا جاتا تھا۔ یہ
ابن الشجری کا قول ہے۔ اور وَلِاَبَوَیۡهِ میں اوپر والے آباء داخل نہیں ہیں جس طرح نیچے والے ابناء اَوۡلَادِكُمۡ میں داخل
ہیں۔ کیونکہ لِاَبَوَیۡهِ کا لفظ تثنیہ ہے اور یہ عموم اور جمع کا احتمال نہیں رکھتا بخلاف اَوۡلَادِكُمۡ کے قول کے (کہ یہ جمع ہے) اس
کی صحت پر دلیل یہ ارشاد ہے فَاِنۡ لَّمۡ یَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ اوپر والی ام، دادی ہے اور اس کے لیے
بالاجماع ثلث مفروض نہیں ہے۔ پس جدہ کا اس لفظ سے خارج ہونا قطعی ہے اور دادا کا شامل ہونا مختلف فیہ ہے۔ جن علماء نے
کہا: وہ باپ کی طرح ہے اور اس کے ساتھ بھائی محجوب ہوتے ہیں ان میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی زندگی کے ایام
میں کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہیں کی تھی اور ان کی وفات کے بعد اس مسئلہ میں اختلاف ہوا اور جنہوں نے کہا: وہ باپ ہے
ان میں حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عائشہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو
الدرداء اور حضرت ابوہریرہ ہیں یہ تمام علماء باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو باپ کی طرح سمجھتے تھے اور اس کے ہوتے ہوئے
بھائیوں کو محروم کرتے تھے اور بھائی دادا کے ہوتے ہوئے ان کے نزدیک کسی چیز کے وارث نہیں بنتے تھے۔ یہ عطا، طاؤس،
حسن اور قتادہ کا قول ہے اور یہی نظریہ امام ابوحنیفہ، ابوثور اور اسحاق کا ہے اور ان کی حجت یہ ارشاد ہے مِلَّةَ اَبِیۡكُمۡ اِبۡرٰهِیۡمَ
(الحج: 78) اور یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ (الاعراف: 35) یہاں ابراہیم کو باپ اور آدم کی اولاد کہہ کر پکارا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا یا بنی اسماعیل ارموا فان اباکم کان رامیاً اے اسماعیل کی اولاد تیر اندازی کرو، کیونکہ تمہارا باپ بھی تیر انداز تھا۔
حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید، حضرت ابن مسعود کا خیال یہ ہے کہ بھائیوں کے ساتھ دادا کو میراث ملے گی۔ اور سگے
بھائیوں کے ہوتے ہوئے یا باپ کی طرف سے بھائیوں کے ہوتے ہوئے اس کی میراث ثلث 1/3 سے کم نہ ہوگی مگر ذوی
الفرائض کے ساتھ، کیونکہ ان کے ساتھ زید کے قول کے مطابق سدس سے کچھ کم ہو جاتا ہے۔ یہ امام مالک، امام اوزاعی، امام
ابویوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھائیوں اور دادا کو سدس 1/8 میں شریک کرتے تھے اور
ذوی الفرائض اور دوسرے ورثاء کے ساتھ سدس 1/6 سے دادا کا حصہ کم نہیں کرتے تھے۔ یہ ابن ابی لیلیٰ اور ایک جماعت کا

قول ہے۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ دادا، باپ کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتا اور بیٹا باپ کو محجوب کرتا ہے اور دادے کو باپ کے قائم مقام رکھا ہے حجب اور میراث میں جبکہ مرنے والا قریبی باپ نہ چھوڑے۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ دادا، بھتیجوں کو میراث سے محروم کرے گا، مگر شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مقاسمہ میں بھتیجوں کو بھائیوں کے مقام پر رکھا ہے۔ جمہور کے قول کی حجت یہ ہے کہ یہ ایسا مذکر ہے جو اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا چچا اور چچا کے بیٹے کی طرح دادا تقسیم نہیں کرتا۔ شعبی نے کہا: اسلام میں پہلا وارث دادا حضرت عمر بن خطاب تھے۔ حضرت عاصم بن عمر کا بیٹا فوت ہوا اور دو بھائی چھوڑے۔ حضرت عمر نے پوتے کا سارا مال لینے کا ارادہ کیا، پھر حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ میں مشورہ کیا تو دونوں نے ایک مثال دی، حضرت عمر نے فرمایا: اگر تم دونوں کی رائے جمع نہ ہوتی تو میں اسے اپنا بیٹا اور اپنے آپ کو اس کا باپ نہ دیکھتا۔ دارقطنی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اجازت طلب کی تو زید نے اجازت دی جب کہ حضرت زید کا سر ان کی لونڈی کے ہاتھ میں تھا وہ انہیں کنگھی کر رہی تھی حضرت زید نے اپنا سر کھینچا۔ حضرت عمر نے اسے کہا: وہ تجھے کنگھی کرتی رہے حضرت زید نے کہا: اے امیر المومنین! اگر آپ مجھے بلاتے تو میں خود تمہارے پاس آ جاتا۔ حضرت عمر نے کہا: مجھے آپ سے ایک کام ہے میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ دادا کی میراث کے بارے میں غور کریں۔ حضرت زید نے کہا: وہی ہوگا جو آپ کہیں گے حضرت عمر نے کہا: یہ وحی نہیں ہے حتیٰ کہ ہم زیادتی اور کمی کر کے نص قرآنی کی مخالفت کرنے والے ہوں گے۔ یہ تو ایک تمہاری رائے ہے اگر میں اسے اپنے موافق دیکھوں گا تو میں اس کی پیروی کروں گا ورنہ تم پر کوئی حرج نہیں ہوگی۔ حضرت زید نے اپنی رائے دینے سے انکار کیا۔ حضرت عمر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا: میں تو اس لیے آیا تھا کہ تم میرا مسئلہ حل کرو گے۔ پھر ایک مرتبہ اسی وقت میں حضرت عمر، حضرت زید کے پاس آئے جس وقت پہلے آئے تھے، حضرت عمر ٹھہرے رہے حتیٰ کہ حضرت زید نے کہا: میں تمہارے لیے اس کے متعلق لکھتا ہوں تو حضرت زید نے انتڑیوں کے ٹکڑے پر لکھا اور اس کی مثال بیان فرمائی۔ اس کی مثال درخت کی مثل ہے جو ایک تنے پر اگتا ہے پھر اس میں ایک ٹہنی نکلتی ہے پھر اس ٹہنی میں دوسری ٹہنی نکلتی ہے تنا پہلی ٹہنی کو سیراب کرتا ہے اگر پہلی ٹہنی تو کاٹ دے تو پانی دوسری ٹہنی کی طرف لوٹے گا اگر تو دوسری ٹہنی کاٹ دے تو پانی پہلی ٹہنی کی طرف لوٹے گا۔ حضرت عمر وہ تحریر لے کر آئے اور خطبہ دیا پھر وہ تحریر ان پر پڑھی پھر فرمایا: زید بن ثابت نے دادا کے متعلق ایک قول کیا ہے میں اسے جاری کرتا ہوں۔ فرمایا: حضرت عمر پہلے دادا تھے (جو اسلام میں میراث پانے والے تھے) انہوں نے سارا مال لینے کا ارادہ کیا تھا یعنی اپنے پوتے کا سارا مال لینے اور میت کے بھائیوں کو کچھ نہ دینے کا ارادہ کیا تھا اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب نے مال کو تقسیم فرمایا۔

مسئلہ نمبر 14۔ رہی دادی تو اہل علم کا اجماع ہے کہ دادی کے لیے 1/6 حصہ ہے جب میت کی والدہ نہ ہو اور علماء کا اجماع ہے کہ ماں نانی اور دادی کو محروم کر دیتی ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ باپ، میت کی نانی کو محروم کر دیتا ہے اور دادی کی میراث میں اختلاف ہے جب اس کا بیٹا زندہ ہو۔ ایک جماعت نے کہا: دادای وارث نہ ہوگی جب دادی کا بیٹا زندہ ہو۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور امام مالک، ثوری، امام اوزاعی، ابوثور اور

اصحاب الرائے کا یہی قول ہے۔ایک جماعت نے کہا: دادی اپنے بیٹے کے ساتھ وارث ہوگی۔حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور شریح، جابر بن زید، عبید اللہ بن حسن، شریک، احمد، اسحاق اور ابن المنذر کا بھی یہی قول ہے۔ اور فرمایا: جس طرح دادے کو باپ کے سوا کوئی محروم نہیں کرتا اسی طرح دادی کو ماں کے سوا کوئی محروم نہیں کرتا۔ترمذی نے حضرت عبد اللہ سے روایت کیا ہے فرمایا: دادی اپنے بیٹے کے ساتھ وہ پہلی دادی ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کی موجودگی میں 1/6 حصہ عطا فرمایا جب کہ اس کا بیٹا زندہ تھا (1)۔

مسئلہ نمبر 15۔ بہت سی جدات کو میراث دینے میں اختلاف ہے۔امام مالک نے فرمایا: صرف دو دادیاں وارث ہوں گی، ماں کی ماں اور باپ کی ماں اور ان دونوں کی مائیں۔اسی طرح ابوثور نے امام شافعی سے روایت کیا ہے اور یہی تابعین کی جماعت کا قول ہے۔اگر ان میں سے ایک ہو تو اس کے لیے 1/6 حصہ ہوگا اگر دو جمع ہو جائیں اور ان کی قرابت برابر ہو تو دونوں کو 1/6 حصہ ملے گا اسی طرح اگر زیادہ ہوں جب کہ وہ رشتہ میں برابر ہوں اور اس پر اجماع ہے اگر وہ قریب ہو جو ماں سے پہلے ہے تو اسے 1/6 حصہ ملے گا، دوسریوں کو نہیں ملے گا اگر وہ قریب ہو جو باپ سے پہلے ہے جو اس کے اور ماں سے پہلے والی کے درمیان 1/6 حصہ ہوگا اگرچہ بہت دور کی ہو اور ماں سے پہلے والی ایک جدہ وارث ہوگی اور ماں کے باپ کی ماں جو جدۃ ہے وہ کسی صورت میں وارث نہ ہوگی یہ حضرت زید بن ثابت کا مذہب ہے اور اس مسئلہ میں جو ان سے مروی ہے اس میں سے یہی زیادہ محفوظ ہے۔یہی امام مالک اور اہل مدینہ کا قول ہے۔بعض علماء نے فرمایا: جدات مائیں ہیں جب یہ جمع ہوں تو 1/6 حصہ قریبی کو ملے گا جس طرح آباء جمع ہوں تو میراث کا حق دار وہی ہوتا ہے جو زیادہ قریبی ہوتا ہے، اسی طرح بیٹے اور بھائی اور بھتیجے اور چچا کے بیٹے میراث میں جب جمع ہوں تو میراث کے حق دار وہ ہوں گے جو زیادہ قریبی ہوں گے۔اسی طرح امہات کا حکم ہے۔ابن المنذر نے کہا: یہ اصح ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔امام اوزاعی تین جدات کو وارث بناتے تھے۔ایک ماں سے پہلے والی اور دو باپ سے پہلے والیاں، یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔دارقطنی نے یہ مرسلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔حضرت زید بن ثابت سے اس کا برعکس مروی ہے وہ تین جدات کو وارث بناتے تھے۔دو ماں کی جہت سے اور ایک باپ کی طرف سے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی حضرت زید کے قول کی طرح ہے یہ دونوں قریبی کے لیے 1/6 حصہ مقرر فرماتے تھے خواہ وہ ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے ہو۔اور جو دور کا رشتہ دار ہے وہ اس میں اس کا شریک نہ ہوگا۔یہ ثوری، امام ابوحنیفہ ان کے اصحاب اور ابوثور کا قول ہے۔رہے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس تو یہ چار جدات کو وارث بناتے تھے یہ حسن بصری، محمد بن سیرین اور جابر بن زید کا قول ہے۔ابن المنذر نے کہا: ہر جدہ جب متوفی (مرنے والا) کی طرف منسوب ہو اس کے نسب میں دو ماؤں کے درمیان ایک باپ واقع ہو تو وہ وارث نہ ہوگی۔یہ اہل علم کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ بچے کے ہوتے ہوئے والدین میں سے ہر

1۔ جامع ترمذی، کتاب الفرائض من رسول اللہ، باب ما جاء فی میراث الجدۃ مع ابنہا، حدیث نمبر 2028، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایک کے لیے 1/6 حصہ ہے۔ ولد کو مبہم فرمایا پس اس میں مذکر، مؤنث برابر ہوگا، کوئی شخص مرے اور ایک بیٹا اور والدین چھوڑے تو والدین میں سے ہر ایک کے لیے 1/6 حصہ ہوگا اور باقی بیٹے کے لیے ہوگا اگر وہ ایک بیٹی اور والدین چھوڑے تو بیٹی کے لیے نصف ہوگا اور والدین کے لیے 2/6 حصہ ہوگا اور باقی اقرب عصبہ کے لیے ہوگا اور وہ باپ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ما ابقت الفرائض فلاؤلی رجل ذکر یعنی فرائض سے جو بچے وہ قریبی مرد کے لیے ہوگا۔ باپ کے لیے استحقاق دو اعتبار سے ہے ایک عصبہ ہونے اور دوسرا فرض کے اعتبار سے۔

فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا کہ والدین جب وارث ہوں تو ماں کے لیے 1/3 حصہ ہے اس کی دلیل وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ ہے یہ خبر دینا ہے کہ ماں کے لیے 1/3 حصہ ہے اور باقی دو ثلث 2/3 باپ کے لیے ہے یہ اس طرح ہے جیسے تو دو شخصوں کو کہتا ہے: یہ مال تم دونوں کے لیے ہے پھر تو ایک کو کہتا ہے: اے فلاں! تیرے لیے اس میں سے 1/3 ہے تو دوسرے کے لیے اس میں اپنی نص کے ساتھ 2/3 مقرر کر دیا کیونکہ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ میں کلام کی قوت دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں تمام حصہ داروں میں سے منفرد ہیں اپنی اولاد کی طرف سے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بناء پر 2/3 باپ کے لیے بطور فرض متعین ہوگا جبکہ وہ عصبہ نہ ہو۔ ابن عربی نے ذکر کیا ہے کہ مذکر اولاد کے نہ ہونے کے وقت باپ کو ثلث کی زیادتی نصرت اور مشقت کے وجوب کی وجہ سے ہے اور ماں کے لیے ایک سہم (حصہ) ہوگا قرابت کی وجہ سے (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ حکمت درست ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو اس کی زندگی میں بھی موجود ہیں پھر وہ سدس کی طرف کیوں لوٹایا گیا اور وہ چیز جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس کی زندگی میں سدس 1/6 کی طرف لوٹانا بچے پر نرمی کرنے کے لیے ہے اور اس کے مال کی اچھی دیکھ بھال کے لیے ہے، کیونکہ اس کے مال سے جز کا نکالنا اس کو مال سے باز رکھنا ہے یا یہ حکم تعبدی ہے یہ سب سے اولیٰ قول ہے۔ واللہ الموفق

مسئلہ نمبر 17۔ اگر کہا جائے کہ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ میں واو کی زیادتی کا کیا فائدہ ہے کلام کا ظاہر یہ تھا فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ اس کا جواب یہ ہے کہ اس زیادتی سے اس بات کی خبر دینا مقصود ہے کہ یہ امر مستقل اور ثابت ہے پس اس کے ثبوت اور استقرار کی خبر دی گئی ہے پس والدین کے انفراد کے وقت والدین کا حال بچوں کے حال کی طرح سے مذکر کے لیے عورتوں کے دو حصوں کے برابر ہے۔ باپ کے لیے اسی وجہ سے دو فرض جمع ہو جاتے ہیں ایک مفروض حصہ اور دوسرا عصبہ ہونے کے اعتبار سے، کیونکہ بچے کی طرح یہ بھی بھائیوں کو محجوب کر دیتا ہے یہ حکم میں عدل اور حکمت میں یہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ اہل کوفہ نے فلامۃ الثلث پڑھا ہے۔ یہ لغت سیبویہ نے حکایت کی ہے کسائی نے کہا: یہ ہوازن اور ہذیل میں سے اکثر لوگوں کی لغت ہے، کیونکہ لام جب مکسور ہو اور وہ حرف کے ساتھ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 338

متصل ہو تو کسرہ کے بعد ضمہ کو ناپسند کرتے ہیں پس انہوں نے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا، کیونکہ کلام میں فعل نہیں تھا اور جنہوں نے ضمہ پڑھا ہے انہوں نے اصل پر پڑھا ہے، کیونکہ لام منفصل ہے کیونکہ وہ اسم پر داخل ہے۔ یہ تمام گفتگو نحاس نے کی ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ بھائی ماں کو ثلث سے سدس کی طرف محجوب کر دیتے ہیں اور یہ حجب نقصان ہے خواہ بھائی سگے ہوں یا باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں اور ان کا حصہ نہ بھی ہو۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں: سدس 1/6 حصہ بھائیوں نے ماں کو جس سے محجوب کیا وہ بھائیوں کے لیے ہے اور ان سے دوسرے علماء کی طرح کا قول بھی مروی ہے کہ وہ باپ کے لیے ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ سدس باپ کو ملے گا بھائیوں کو نہیں ملے گا۔ کیونکہ باپ ہی ان کا کفیل ہے اور ان کے نکاح کا متولی ہے اور ان کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ دو بھائی یا زیادہ ہوں مذکر ہوں یا مؤنث ہوں، سگے ہوں یا باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں ماں کو ثلث سے سدس کی طرف محجوب کریں گے مگر حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ بھائیوں میں سے دو ایک کے حکم میں ہیں ماں کو تین بھائیوں سے کم محجوب نہیں کریں گے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہنیں، ماں کو ثلث سے سدس کی طرف محجوب نہیں کریں گی، کیونکہ کتاب اللہ بھائیوں کے بارے میں ہے۔ عورتوں کی میراث کی قوت، مردوں کی میراث کی قوت کی مثل نہیں ہے حتیٰ کہ الحاق کا اعتبار کیا جائے۔ الکیا الطبری نے کہا: ان کے اقوال کا تقاضا یہ ہے کہ بہنیں بھائیوں کے ساتھ داخل نہیں ہیں، کیونکہ اخوۃ کا لفظ مطلق ہے یہ بہنوں کو شامل نہیں ہے جس طرح البنین کا لفظ البنات کو شامل نہیں ہے یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ ماں کو ایک بھائی اور ایک بہن ثلث سے سدس کی طرف محجوب نہیں کرے گی اور یہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ جب آیت میں بھائیوں کے ساتھ بہنیں مراد ہیں تو انفرادی طور پر بھی مراد ہوں گی اور تمام نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جمع کا کم از کم فرد تثنیہ (2) ہے کیونکہ تثنیہ کا معنی ایک چیز کو اس کی مثل کے ساتھ جمع کرنا ہے پس معنی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ جمع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دو اور اس سے اوپر جماعت ہیں (1)۔ سیبویہ سے حکایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے خلیل سے ما احسن وجوھھا کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا: دو جماعت ہیں۔

شاعر کا قول صحیح ہے:

وَمَهْمَهَيْنِ قَذَفَيْنِ مَرْتَيْنِ ظهراهما مِثْلُ ظُهورِ التُّرْسَيْنِ

خوفناک چٹیل دو میدان بہت دور ایسی زمینیں جن پر نہ پانی ہے نہ نبات ان کی بلند جگہیں ڈھالوں کی بلند جگہوں کی مثل ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لما أتتنا المرأتان بالخَبَرْ فقلن إن الأمر فينا قد شُهِرْ

جب دو عورتیں ہمارے پاس خبر لائیں تو انہوں نے کہا: ہمارے متعلق معاملہ شہرت پا چکا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب الاثنان جماعۃ، حدیث نمبر 961، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یُحیّیٰ بالسلام غِنیّ قومٍ ویُبْخَل بالسلام علی الفقیرِ

ألیس الموت بینهما سواء إذا ماتوا وصاروا فی القبورِ

غنی شخص کو سلام کیا جاتا ہے اور فقیر پر سلام کے ساتھ بخل کیا جاتا ہے۔ کیا ان دونوں میں موت برابر نہیں ہوگی جب مریں گے اور قبور میں جائیں گے؟

جب حضرت عثمان اور حضرت ابن عباس کے درمیان کلام واقع ہوئی تو حضرت عثمان نے حضرت ابن عباس سے کہا: ان قومك حجبوها تیری قوم نے انہیں (قریش) مجوب کر دیا ہے۔ وہ اہل فصاحت و بلاغت تھے اور جن علماء نے جمع کا کم از کم فرد تین کو بنایا ہے۔ اگرچہ یہاں انہوں نے بھی نہیں کہا۔ وہ حضرت ابن مسعود، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم وغیر ہم ہیں۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر اور عاصم نے یوصی (صاد کے فتحہ کے ساتھ) پڑھا ہے اور باقی قراء نے صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح دوسرے کو بھی پڑھا گیا ہے اور دونوں جگہ یُّوۡصِىۡ کے متعلق عاصم سے مختلف اقوال ہیں۔ صاد پر کسرہ ابو عبیدہ اور ابو حاتم کا اختیار ہے، کیونکہ میت کا ذکر اس سے پہلے جاری ہے۔ اخفش نے کہا: اس کی تصدیق یہ ارشاد کر رہا ہے یوصین اور توصون۔

مسئلہ نمبر 21۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرض کے ذکر پر وصیت کے ذکر کو مقدم کرنے میں کیا حکمت ہے حالانکہ دین بالا جماع مقدم ہے۔ ترمذی نے حارث عن علی کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کو وصیت سے پہلے ادا کرنے کا حکم فرمایا اور تم قرض سے پہلے وصیت کو ثابت کرتے ہو(1)۔ فرمایا: عام اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ وصیت سے پہلے قرض کو پورا کیا جائے گا۔ دار قطنی نے عاصم بن ضمرہ عن علی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین (قرض) وصیت سے پہلے ہے اور وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔ اس حدیث کو ابو اسحاق ہمدانی نے روایت کیا ہے اس کا جواب پانچ وجوہ سے ہے۔

(۱) ان دو فصلوں کو میراث پر مقدم کرنے کا قصد کیا ہے اور ان کی ذوات میں ترتیب کا قصد نہیں کیا اسی وجہ سے لفظ میں وصیت مقدم ہے۔

(۲) جب وصیت لزوم کے اعتبار سے قرضہ کی نسبت کم تھی تو اس کے اہتمام کے لیے اسے مقدم فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً (الکہف: 49)

(۳) وصیت کے وجود اور وقوع کی کثرت کی وجہ سے اسے مقدم فرمایا۔ پس یہ ہر میت کے لیے لازم کی طرح ہوگی جب کہ اس پر شرع کی نص بھی موجود ہے اور دین (قرضہ) کو اس کے کم ہونے کی وجہ سے اسے مؤخر فرمایا، کیونکہ قرض کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے پس اس کے ذکر سے آغاز کیا جو ضروری تھا اور اس کا عطف کیا جو کبھی کبھی واقع ہوتا ہے اور او کے ساتھ عطف اس کو مزید قوت دیتا ہے اگر قرض بھی ضروری ہوتا تو عطف واؤ کے ساتھ ہوتا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوصایا من رسول اللہ، باب ما جاء یبدأ بالدین قبل الوصیة، حدیث نمبر 2048، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(۴) وصیت کو مقدم فرمایا، کیونکہ یہ مساکین اور کمزور لوگوں کا حصہ ہے اور قرض کو مؤخر فرمایا، کیونکہ وہ قرض خواہ کا حصہ ہے وہ سلطان کی طاقت کے ذریعے طلب کرسکتا ہے اور اسے اس میں کلام کی گنجائش ہے۔

(۵) وصیت کا منشاء انسان کی اپنی ذات سے ہے اس لیے اسے مقدم فرمایا اور قرض تو ادا کیا ہی جاتا ہے خواہ اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 22۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو امام شافعی نے میراث پر حج اور زکوٰۃ کے قرض کو مقدم فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب کوئی شخص زکوٰۃ میں سستی کرے تو اس کے راس المال سے زکوٰۃ لینا واجب ہے۔ یہ بادی النظر میں ظاہر ہے، کیونکہ یہ بھی حقوق میں سے ایک حق ہے پس موت کے بعد اس سے اس کی ادائیگی لازم ہے جس طرح انسانوں کے حقوق کا حکم ہے خصوصاً زکوٰۃ کا مصرف بھی آدمی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے کہا: اگر میت نے اس کی وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اگر خاموش رہا تو کوئی چیز اس کے مال سے نہیں نکالی جائے گی۔ یہ علماء فرماتے ہیں: کیونکہ یہ تو ورثاء کو فقراء چھوڑنے کے مترادف ہے مگر اس نے جان بوجھ کر تمام حقوق ترک کیے ہوں حتیٰ کہ جب وہ فوت ہو تو یہ اس کے تمام مال کو گھیر لیں تو پھر ورثاء کے لیے کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔

مسئلہ نمبر 23۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ مبتدا کی وجہ سے ان پر رفع پڑھا گیا ہے اور خبر مضمر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے هم المقسوم عليهم وهم المعطون ان پر مال تقسیم ہوگا اور انہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا بعض علماء نے فرمایا: تم نہیں جانتے کہ دعا اور صدقہ کے اعتبار سے دنیا میں کون تمہارے لیے زیادہ نفع بخش ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ان الرجل ليرفع بدعاء ولده من بعده انسان کا مرتبہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کی دعا کی وجہ سے بلند کیا جاتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے جب انسان مرتا ہے تو اس کا سلسلہ عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا اجر اور فائدہ اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ اس حدیث میں ہے "اور نیک بیٹا جو باپ کے لیے دعا کرتا ہے" اور بعض علماء نے فرمایا: آخرت میں جو زیادہ نفع بخش ہے تم اسے نہیں جانتے۔ کبھی بیٹا افضل ہوتا ہے پس وہ اپنے باپ کی سفارش کرے گا۔ حضرت ابن عباس اور حسن سے مروی ہے کہ بعض مفسرین نے کہا: بیٹا جب آخرت میں باپ کے درجہ سے افضل درجہ میں ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے باپ کو اس کی طرف بلند کر دے گا اسی طرح باپ جب اپنے بیٹے سے بلند درجہ ہوگا تو وہ بھی سوال کرے گا تو اللہ تعالیٰ بیٹے کو باپ کے پاس پہنچا دے گا۔ اس کی مزید تفصیل سورۃ الطور میں آئے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: دنیا و آخرت کے اعتبار سے ہے۔ یہ ابن زید کا قول ہے لفظ اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَرِیْضَةً اس کو مصدر مؤکد کی بنا پر نصب ہے، کیونکہ یُوْصِیْكُمُ کا معنی ہے يفرض عليكم۔ مکی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ حال مؤکدہ ہے اور اس میں عامل یوصیکم ہے اور یہ ضعیف قول ہے۔ امت ماقبل سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا کہ وہ قرابت کی وجہ سے خود حکم کرنے کی مشقت سے بچائے گئے ہیں جب کہ تمہارے رشتہ دار قرابت میں جمع ہو جائیں یعنی آباء، ابناء دنیا میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں شفاعت

کرتے ہیں جب یہ آباء اور ابناء میں ثابت ہو گیا تو تمام اقارب میں ثابت ہو گیا اگر تقسیم اجتہاد پر موقوف ہوتی تو رشتہ داروں میں سے ہر ایک کے غنا میں نظر کرنا واجب ہوتا اور اس وقت امر ضبط سے خارج ہو جاتا، کیونکہ امر مختلف ہو جاتا پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ بندے کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو مواریث کی مقدار میں استعمال نہ کرے بلکہ شرعی مقادیر کو بیان کرے۔ پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا اللہ تعالیٰ مواریث کی تقسیم کو جاننے والا ہے۔ حَكِيْمًا اس نے مواریث کی تقسیم کو پختہ فرمایا اور اس کے اہل کو بیان فرمایا۔ زجاج نے کہا: عَلِيْمًا یعنی اشیاء کو ان کی تخلیق سے پہلے جانتا ہے۔ حَكِيْمًا ہر چیز کو مقدر کرنے میں اس کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماضی اور مستقبل برابر ہیں۔ اور سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے حکمت وعلم کو دیکھا تو انہیں کہا گیا: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اسی طرح تھا جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ یہ خطاب مردوں کو ہے اور یہاں الولد سے مراد صلبی بیٹے اور پوتے ہیں اگرچہ نیچے کے ہوں مذکر ہوں یا مؤنث ہوں ایک ہو یا زائد ہوں یہ بالا جماع ثابت ہے۔ اور علماء سے اس پر بھی اجماع ہے کہ بیٹے یا پوتے نہ ہوں تو خاوند کے لیے نصف ہے اور بیٹے یا پوتے کے ہوتے ہوئے 1/4 ہے۔ بیوی اپنے خاوند سے 1/4 کی وارث ہوگی جب کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اولاد کے ہوتے ہوئے بیوی کو 1/8 ملے گا اور علماء کا اجماع ہے کہ ایک بیوی ہو، دو ہوں، تین ہوں، چار ہوں تمام کا حکم ایک بیوی کا ہے اگر خاوند کی اولاد نہ ہوگی تو سب کو 1/4 حصہ ملے گا اور ایک بیٹا بھی ہوگا تو 1/8 حصہ ملے گا۔ تمام 1/8 میں شریک ہوں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور تمام کے حکم میں کوئی فرق نہیں کیا، جس طرح کہ ایک بیٹی اور ایک بہن اور بہت سی بیٹیوں اور بہنوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً، الکلالہ مصدر ہے۔ تکللہ النسب یعنی احاط بہ۔ اسی سے الاکلیل ہے۔ یہ چاند کی منزلوں میں ایک منزل ہے وہ چاند کو گھیر لیتی ہے۔ اسی سے الاکلیل ہے۔ اس کا مطلب تاج، پگڑی ہے جو سر کو گھیر لیتی ہے جب انسان فوت ہو اور اس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد ہو تو اس کا ورثہ کلالہ ہے یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی اور جمہور اہل علم کا قول ہے۔ یحییٰ بن آدم نے شریک، زہیر اور ابوالاحوص سے انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے سلیمان بن عبداللہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے علماء کو اس پر متفق دیکھا ہے کہ کلالہ وہ ہے جو فوت ہو اور اس کی اولاد اور والد نہ ہو۔ اسی طرح کتاب العین کے مصنف ابو منصور اللغوی، ابن عرفہ، قتبی، ابوعبید، ابن الانباری نے کہا ہے: الاب، الابن دونوں انسان کی طرفیں ہیں جب وہ دونوں نہ ہوں تو اس کا نسب اس کو گھیر لیتا ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: روضۃ مکللہ جب روضہ نور سے گھیرا گیا ہو۔ بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے:

سَكَنَهُ　رَوضَةٌ　مُكَلَّلَةٌ　عَمَّ بِهَا الأَيْقَانُ وَ الدُّرَقُ

اس کا مسکن نورانی روضہ ہے اس کے ارد گرد گھاس اور بوٹیاں ہیں۔

امرؤ القیس نے کہا:

أصاحِ تری بَرْقًا أُرِیكَ ومیضَهٗ　كلمعِ الیدینِ فی حَبِیٍّ مُكَلَّلِ

قرابت کو کلالۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے میت کو تمام جوانب سے گھیر لیا ہوتا ہے وہ نہ ان سے ہوتے ہیں اور نہ وہ ان سے ہوتا ہے۔ وہ اسے گھیر لیتے ہیں اور اس کے ساتھ وہ منسوب ہوتے ہیں جیسا کہ اعرابی نے کہا: مالی کثیر و یرثنی کلالہ متراخ نسبھم۔ میرا مال کثیر ہے اور میرے رشتہ دار میرے وارث ہیں۔ جن کا نسب متاخر ہے۔

فرزدق نے کہا:

ورِثتم قناۃ المجد لاعن كلالۃٍ　عن ابنی منافٍ عبدِ شمسٍ و هاشِمِ

اسی طرح ایک اور شاعر نے کہا:

إنّ أبا المَرْءِ أحْمَی له　ومَوْلَی الكلالۃ لا یغضبَ

بعض علماء نے فرمایا: کلالہ، کلال سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے تھکانا، گویا وہ میراث کو وارث کی طرف دور سے تھک کر لوٹاتا ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

فآلیت لا أرثی لها من كلالۃ　ولا من وَجًی حتی تلاقِی محمدا

ابوحاتم اور الاثرم نے ابوعبیدہ سے روایت کیا ہے فرمایا: کلالۃ وہ ہوتا ہے جس کا نہ باپ، نہ بیٹا اور نہ بھائی وارث ہو۔ ابو عمر نے کہا: ابوعبیدہ کا باپ اور بیٹے کے ساتھ کلالہ کی شرط میں بھائی کا ذکر غلط ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے کلالہ کی شرط میں بھائی کو ذکر نہیں کیا۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ حضرت ابوبکر سے یہ مروی تھا پھر ان دونوں حضرات نے اس سے رجوع کر لیا۔ ابن زید نے کہا: کلالہ زندہ اور میت دونوں ہوتے ہیں۔ عطاء سے مروی ہے کہ الکلالۃ سے مراد مال ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ عجیب قول ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ ہے اعراب سے ابھی یہ واضح کیا گیا ہے۔ ابن اعرابی سے مروی ہے کہ کلالہ دور کے چچا کے بیٹے ہیں۔ سدی سے مروی ہے کہ کلالہ میت ہے اور ان سے جمہور کے قول کی مثل مروی ہے۔ یہ اقوال ان کی وجوہ بھی اعراب سے واضح ہوئی ہیں بعض کوفیوں نے یورِث کلالۃً یعنی را کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن اور ایوب نے یورث را کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح اصحاب المعانی نے حکایت کیا ہے۔ پہلا ورث سے اور دوسرا اورث سے مشتق ہے۔ کلالہ مفعول ہے اور کان بمعنی وقع ہے اور جنہوں نے یورث را کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے نزدیک بھی کلالہ سے مراد مال ہونے کا احتمال ہے۔ تقدیر ہو گی یورث ورثۃ کلالۃ۔ اس صورت میں یہ مصدر محذوف کی صفت ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ کلالہ ورثاء کا اسم ہو اور یہ کان کی خبر ہو۔ تقدیر یوں ہو گی ذا ورثۃ۔ اور کان کا تامہ ہونا بھی جائز ہے۔ یورث، رجل کی صفت ہے۔ رجل کو رفع کان کی وجہ سے ہے اور کلالۃ تفسیر یا حال کی بنا پر منصوب ہے اس بنا پر کہ کلالہ سے مراد میت ہو۔ تقدیر یوں ہو گی وان کان رجل یورث متکلل النسب الی المیت۔

مسئلہ نمبر 28۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کلالہ کا دو جگہوں پر ذکر فرمایا ہے۔ سورہ کے آخر میں اور یہاں۔ اور

دونوں جگہوں میں بھائیوں کے علاوہ کسی وارث کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور رہی یہ آیت تو علماء کا اجماع ہے کہ اس میں بھائیوں سے مراد ماں کی طرف سے بھائی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِ (اگر وہ زیادہ ہوں اس سے تو وہ تہائی میں شریک ہیں) اور حضرت سعد بن ابی وقاص ولہ اخ واخت من امہ پڑھتے تھے اور اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ سگے بھائی یا باپ کی طرف سے بھائی ان کی میراث اس طرح نہیں ہے پس ان کا اجماع دلیل ہے کہ سورۃ کے آخر میں جن بھائیوں کا ذکر ہے وہ متوفی کے سگے بھائی ہیں یا باپ کی طرف سے بھائی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِن كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ اور اس میں علماء کا اختلاف نہیں کہ ماں کی طرف سے بھائیوں کی میراث اس طرح نہیں۔ پس یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ تمام بھائی کلالۃ ہیں۔ شعبی نے کہا: اولاد اور والد کے علاوہ ورثاء کلالۃ ہیں خواہ وہ بھائی ہوں یا دوسرے عصبہ ہوں۔ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید اور حضرت ابن عباس نے بھی یہی فرمایا ہے اور پہلا قول بھی یہی ہے جس کا ہم نے ابتدا میں ذکر کیا ہے۔ طبری نے کہا: درست بات یہ ہے کہ کلالۃ وہ لوگ ہیں جو میت کے وارث ہوتے ہیں سوائے اولاد اور والد کے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خبر صحیح میں ہے۔ ''میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کلالہ میرے وارث ہوں گے کیا میں سارے مال کی وصیت کر دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں''۔

مسئلہ نمبر 29۔ اہل لغت نے کہا: کہا جاتا ہے رجل کلالۃ و امرأۃ کلالۃ۔ اس کا نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع، کیونکہ یہ مصدر ہے جیسے وکالۃ، دلالۃ، سماحۃ، شجاعۃ۔ اس کی طرف ضمیر مفرد لوٹائی فرمایا: ولہ اخ، لھما کی ضمیر نہیں ذکر فرمائی۔ عربوں کی عادت ہے مرد اور عورت پہلے ذکر ہو چکے ہوں تو جب وہ دو اسم ذکر کرتے ہیں پھر ان کے متعلق خبر دیتے ہیں اور وہ دونوں ایک حکم میں ہوتے ہیں تو کبھی ایک اسم کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے اور کبھی دونوں کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ عرب کہتے ہیں: جس کے پاس غلام اور لونڈی ہوں تو کہتے ہیں: فلیحسن الیہ والیھما والیھم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ (بقرہ:45)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا (النساء:135)

اور أَوْلَىٰ بِهِمَا جائز ہے۔ یہ فراء وغیرہ سے مروی ہے۔ اور امرأۃ کے لیے مرأۃ بھی کہا جاتا ہے یہ اس کی اصل ہے۔ اخ کی اصل اَخَوٌ ہے اس پر دلیل اخوان ہے۔ اخ سے واؤ کو حذف کیا گیا اور بغیر قیاس کے اس میں یہ تبدیلی کی گئی۔ فراء نے کہا: اخت کے ہمزہ کو ضمہ دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے واؤ کو حذف کیا گیا ہے اور بنت کے پہلے حرف کو کسرہ دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے یاء حذف کی گئی ہے اور یہ حذف اور تعلیل غیر قیاسی ہے۔

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِن كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِ۔ یہ تشریک مذکر اور مؤنث کے درمیان برابری کا تقاضا کرتی ہے اگرچہ زیادہ بھی ہوں، جب وہ ماں کی وجہ سے حصہ پائیں گے تو مؤنث پر مذکر کو ترجیح نہ ہوگی۔ اس پر علماء کا اجماع ہے اور فرائض میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مذکر اور مؤنث برابر ہوں مگر ماں کی طرف سے بھائیوں کی میراث میں یہ برابر ہوتے ہیں۔ جب کوئی عورت فوت ہو جائے اور اپنا خاوند، ماں اور ماں کی طرف سے بھائی

چھوڑ جائے تو خاوند کو نصف حصہ ملے گا، ماں کو 1/3 حصہ ملے گا اور 1/6 حصہ ماں کی طرف سے بھائی کو ملے گا۔ اور اگر دو بھائی اور دو بہنیں چھوڑے تو مسئلہ پھر بھی اسی طرح ہوگا خاوند کے لیے 1/2 ماں کے لیے 1/6 اور بھائیوں اور بہنوں کے لیے 1/3 حصہ ہوگا۔ اس طرح فریضہ مکمل ہو گیا۔ اسی پر عام صحابہ کا مسلک ہے۔ کیونکہ انہوں نے ماں کو بھائی اور بہن کی وجہ سے ثلث سے سدس کی طرف مجوب کر دیا ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عول کا اعتبار نہیں کیا۔ اگر ماں کے لیے 1/3 ہوں تو مسئلہ میں عول ہوگا اور وہ عول کا نظریہ نہیں رکھتے۔ عول کی وضاحت دوسرے مقام پر آئے گی یہ اس کا مقام نہیں ہے۔ اگر عورت اپنے خاوند، ماں کی طرف سے بہت سے بھائی اور سگا ایک بھائی چھوڑ کر جائے تو خاوند کے لیے 1/2 حصہ ہوگا ماں کی طرف سے بھائیوں کو 1/3 حصہ ملے گا اور باقی مال سگے بھائیوں کے لیے ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے مقررہ حصہ ہوگا وہ اسے دیا جائے گا اور باقی اگر بچے گا تو عصبہ کے لیے ہوگا۔ اگر عورت چھ متفرق بھائی چھوڑ جائے تو یہ مسئلہ حماریہ ہے اسے مشترکہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایک قوم نے کہا: ماں کی طرف سے بھائیوں کے لیے 1/3 ہے اور خاوند کے لیے 1/2 ہے اور ماں کے لیے 1/6 ہے۔ سگے بھائی اور بہن اور باپ کی طرف سے بھائی اور بہن محروم ہو جائیں گے۔ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوموسیٰ، شعبی، شریک اور یحییٰ بن آدم سے یہی مروی ہے اور یہی قول امام احمد بن حنبل کا ہے اور ابن المنذر نے اس کو اختیار کیا ہے، کیونکہ خاوند، ماں اور ماں کی طرف سے بھائی اصحاب فرائض ہیں اور عصبہ کے لیے کچھ نہیں بچا ہے۔ ایک قوم نے کہا: ماں ایک ہے اور ان کا باپ گدھا تھا اور انہوں نے ان کے درمیان ثلث میں اشتراک کی ہے اسی وجہ سے اسے مشترکہ اور حماریہ مسئلہ کہتے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود، مسروق اور شریح سے یہی مروی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ یہ مسئلہ درست نہیں رہتا اگر میت مرد ہو۔ یہ علم الفرائض کے مسائل تھے جن کو یہ آیت متضمن تھی واللہ الموفق۔

زمانہ جاہلیت میں وراثت مرد ہونے اور قوت والا ہونے کی حیثیت سے جاری ہوتی تھی اور لوگ صرف مردوں کو وارث بناتے تھے عورتوں کو وارث نہیں بناتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ، وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ کے ارشاد کے ساتھ اس باطل نظریہ کو ختم کر دیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ورثاء زمانہ جاہلیت میں اسی طرح تھے اور اسلام کے آغاز میں حلیف ہونے کے اعتبار سے وارث ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ حلیف ہونے کے بعد ہجرت کی وجہ سے ورثہ ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا (الانفال:72) اس کی تفصیل آئندہ آئے گی وہاں ذوی الارحام اور ان کی میراث کے متعلق قول آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور سورۃ النور میں ملاعنۃ کے لڑکے ولد الزنا (حرامی) اور مکاتب کی میراث کا ذکر توفیق الٰہی سے ہوگا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: وہ قیدی جس کی زندگی معلوم ہو اس کی میراث ثابت ہے، کیونکہ وہ بھی ان مسلمانوں میں داخل ہے جن پر احکام اسلام جاری ہوتے ہیں اور سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ جو دشمن کے ہاتھ میں قیدی ہے وہ وارث نہیں ہے اور مرتد کی میراث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ

مسئلہ نمبر 31۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے غَيْرَ مُضَآرٍّ اس کو نصب حال کی بنا پر ہے اور اس کا عامل یوصی ہے۔ ای یوصی بھا غیر مضار۔ یعنی ورثاء پر ضرر (نقصان) کو داخل کرنے والا نہ ہو یعنی اسے اپنے اوپر ایسے فرض کی وصیت کرنا مناسب نہیں جو اس پر نہیں ہے، تا کہ ورثاء کو ضرر نہ ہو اور نہ قرض کا اقرار کرے۔ الاضرار کا تعلق وصیت اور دین سے (قرض) ہے۔ رہا وصیت کی طرف اس کا مرجع تو وہ یہ ہے کہ وہ 1/3 حصہ سے زائد کی وصیت کر دے یا کسی وارث کے لیے وصیت کر دے اگر وہ 1/3 سے زائد کی وصیت کرے گا تو اسے لوٹایا جائے گا مگر یہ کہ ورثاء اسے جائز قرار دیں، کیونکہ زیادہ وصیت سے روکنا ورثاء کے حقوق کی وجہ سے ہے نہ کہ حق الله کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ وارث کے لیے وصیت کرے گا تو وہ میراث کی طرف لوٹے گا۔ علماء کا اجماع ہے کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ رہا اضرار کو قرض کی طرف لوٹانا تو وہ یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں قرض کا اقرار کرے جس میں اس کے لیے اقرار جائز نہیں ہے جیسا کہ اگر وہ مرض میں وارث کے لیے یا مہربان دوست کے لیے قرض کا اقرار کرے تو یہ ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔

حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے غیر مضار وصیۃ من الله پڑھا ہے یعنی مضار کو وصیت کی طرف مضاف کر کے پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ غلطی ہے، کیونکہ اسم فاعل مصدر کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور حذف پر قرأت بہتر ہے اور معنی یہ ہے غیر مضار ذی وصیۃ۔ یعنی وہ وصیت کی وجہ سے اپنے ورثاء کو ان کی میراث میں نقصان دینے والا نہ ہو۔ علماء کا اجماع ہے کہ حالت مرض میں غیر وارث کے لیے قرض کا اقرار جائز ہے جبکہ صحت کی حالت میں اس پر قرض نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 32۔ اگر صحت کی حالت میں قرض اس پر دلیل سے ثابت ہو اور وہ اجنبی کے لیے قرض کا اقرار کرے تو ایک جماعت کا خیال ہے کہ صحت کے دین سے ادائیگی کا آغاز کیا جائے گا۔ یہ نخعی اور کوفیوں کا قول ہے۔ فرماتے ہیں: حالت صحت میں قرض دینے والا جب اپنا قرض وصول کرلے گا تو مرض میں جن لوگوں کے لیے اس نے قرض کا اقرار کیا ہے پھر وہ حصہ لیں گے۔ ایک طائفہ نے کہا کہ حالت صحت میں قرض دینے والے اور حالت مرض میں جن کے لیے اس میت نے اقرار کیا ہے دونوں برابر ہوں گے جب کہ وہ اقرار غیر وارث کے لیے ہو۔ یہ امام شافعی، ابوثور اور ابوعبید کا قول ہے۔ ابوعبید نے ذکر کیا ہے کہ یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور انہوں نے حسن سے یہ روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 33۔ سورۂ بقرہ میں وصیت میں اضرار کے بارے میں وعید اور اس کی وجوہ گزر چکی ہیں۔ ابوداؤد نے شہر بن حوشب (اس پر طعن کیا گیا ہے) کی حدیث سے روایت کیا ہے شہر بن حوشب نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد یا عورت الله تعالیٰ کی اطاعت کا عمل ساٹھ سال کرتا رہتا ہے پھر ان پر موت آتی ہے تو وہ وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کے لیے آگ ثابت ہو جاتی ہے (1)۔ فرمایا: حضرت ابوہریرہ نے مجھ پر یہ آیت مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ سے لے کر ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ تک پڑھی۔ حضرت

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی کراهیة الاضرار فی الوصیة، حدیث نمبر 2483، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن عباس نے فرمایا: وصیت میں اضرار، کبیرہ گناہوں میں سے ہے یہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے مگر امام مالک اور ابن القاسم کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کا فعل 1/3 حصہ میں نقصان دینے والا شمار نہ ہوگا، کیونکہ تہائی میں تصرف کرنا اس کا حق ہے جیسے چاہے تصرف کرے۔ اور المذہب میں یہ قول ہے کہ نقصان کی صورت میں اسے لوٹایا جائے گا۔ وباللہ التوفیق

مسئلہ نمبر 34۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَصِيَّةً اس کو حال کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے، یہ مصدر ہے اس کا عامل يُوْصِيْكُمُ ہے۔ اس میں مضار کا عمل کرنا بھی صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وصیت کے ساتھ ضرر واقع ہو یا اس کے سبب واقع ہو اس پر ضرر کا وقوع مجازاً ہے۔ یہ ابن عطیہ کا قول ہے۔ حسن بن ابی الحسن نے غَيْرَ مُضَآرِّ وَصِيَّةٍ کو اضافت کے ساتھ پڑھا ہے جیسے تو کہتا ہے: شجاع حرب وبغضة المتجرد۔ یہ طرفہ بن العبد کے شعر میں استعمال ہوا ہے اور معنی کی صحت کی وجہ سے لفظ میں مجاز ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے پھر فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ یعنی اہل میراث کو جاننے والا ہے اور تم میں جاہل لوگوں کو جاننے والا ہے اور بعض متقدمین نے واللہ علیم حکیم پڑھا ہے یعنی میراث اور وصیت کی تقسیم کو پختہ کرنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 35۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ، تلك، ھذہ کے معنی میں ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جن کو اس نے تمہارے لیے بیان کیا ہے تاکہ تم ان کو پہچان لو اور ان کے مطابق عمل کرو۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ جو میراث کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اس کا اقرار کرے گا اور ان کے مطابق عمل کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے: يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، تَجْرِيْ جنت کی نعت کی بنا پر منصوب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی جو میراث کی تقسیم نہیں کرتا اور ان پر عمل نہیں کرتا وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ اور اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کرتا ہے يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔ اگر نافرمانی سے مراد کفر ہے تو آگ میں ہمیشہ رہنا اپنے مفہوم پر صحیح ہوگا، اگر اس سے مراد گناہ کبیرہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اوامر سے تجاوز ہو تو ہمیشہ رہنا ایک مدت تک کے لیے ہوگا۔ جیسے تو کہتا ہے: خلد اللہ ملکہ (اللہ تعالیٰ اس کا ملک ہمیشہ رکھے) زہیر نے کہا:

ولا خالداً الا الجبال الرواسیا

(یعنی گاڑھے ہوئے پہاڑوں کے علاوہ کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں) یہ مفہوم بہت سے مقام پر گزر چکا ہے۔ نافع اور ابن عامر نے ندخلہ اور دونوں جگہ نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے اور باقی علماء نے دونوں جگہ یا کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسے داخل کرے گا۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

''اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کر دو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کرے

ان (کی زندگی) کو موت یا بنادے اللہ تعالیٰ ان (کی رہائی) کے لیے کوئی راستہ''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں عورتوں سے حسن سلوک کرنے اور انہیں مہر دینے کا ذکر فرمایا تو پھر مردوں کے ساتھ ان کی میراث کا بھی ذکر فرمایا اور وہ اگر غلط کاری کریں تو ان پر سختی کرنے کا ذکر فرمایا تا کہ عورت کو یہ وہم نہ ہو کہ اس کے لیے پاکدامنی کا ترک بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالّٰتِیْ یہ التی کی جمع ہے یہ مؤنث کے لیے مبہم اسم ہے اور یہ معرفہ ہے نکرہ بنانے کے لیے اس سے الف، لام کو دور کرنا جائز نہیں ہے اور یہ صلہ کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ اس میں تین لغات ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس کی جمع اللاتِ یعنی یا کے حذف اور کسرہ کے باقی رکھنے کے ساتھ بھی بنائی جاتی ہے اور اللائی ہمزہ اور یا کے اثبات کے ساتھ بھی جمع آتی ہے اور اللاء ہمزہ کے کسرہ اور یا کے حذف کے ساتھ بھی آتی ہے اللا ہمزہ کے حذف کے ساتھ بھی جمع آتی ہے اگر تو جمع کی جمع بنائے تو اللاتی کی جمع اللواتی اور اللاء کی جمع اللوائی بنائے گا۔ عربوں سے اللوات یعنی تا کے حذف اور کسرہ کے اثبات کے ساتھ بھی مروی ہے۔ یہ ابن الشجری کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: ابوعبیدہ نے یہ شعر کہا ہے:

من اللّواتِي والتِي واللّاتِ زَعَمن أنْ قد كَبُرتُ لِداتِ

اللوا، تا کے اسقاط کے ساتھ ہے۔ التی کی تصغیر اللّتَیَّا فتحہ اور تشدید کے ساتھ ہے۔ راجز نے کہا:

بعد اللُّتیا واللّتیا والتی

بعض شعراء نے التی پر حرف ندا داخل کیا ہے جب کہ حروف ندا اس اسم پر داخل نہیں ہوتے جس پر الف لام ہو سوائے ہمارے قول: یا اللہ کے۔ گویا التی کو اس اسم جلالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس حیثیت سے کہ الف، لام اس سے جدا نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے شاعر نے کہا:

من أجلكِ یالتِي تَیَّمْتِ قلبِي وأنتِ بَخِیلَةٌ بِالوَدِّ عَنِّي

کہا جاتا ہے: یہ اللّتیا اور اللّتی یہ دونوں داهية (مصیبت) کے اسماء میں سے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ یہاں فاحشة سے مراد زنا ہے اور الْفَاحِشَةَ برے فعل کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے جیسے عاقبة اور عافية مصدر ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے باجارہ کے ساتھ بالفاحشة پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اسلام کے معنی میں اضافت ہے اور مومن عورتوں کی حالت کا بیان ہے جیسے ارشاد فرمایا: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (بقرہ: 282) کیونکہ کافرہ کبھی نسب کی وجہ سے مسلمانوں کی عورتوں سے ہوتی ہے اس کو یہ حکم لاحق نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ یعنی مسلمانوں میں سے ان پر چار گواہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے زنا پر خصوصی طور پر چار گواہ مقرر فرمائے، مدعی پر تغلیظ اور بندوں کی پردہ پوشی کے لیے اور زنا پر چار

گواہوں کی تعدیل کا حکم تورات، انجیل اور قرآن میں ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النور: 4)

اور یہاں فرمایا: فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ ابوداؤد نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے فرمایا: یہود اپنے ایک مرد اور عورت کو لے آئے جنہوں نے زنا کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس اپنے دو عالم آدمی لے آؤ تو وہ صوریا کے دو بیٹے لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم تورات میں ان دونوں کا معاملہ کیسے پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم تورات میں دیکھتے ہیں کہ جب چار آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے اس کا آلہ تناسل، عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سرچو ہوتا ہے تو ان دونوں کو رجم کیا جائے گا۔ فرمایا: تم لوگوں کو کون سی چیز ان کے رجم کرنے سے مانع تھی؟ انہوں نے کہا: ہماری سلطانی چلی گئی، پس ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا وہ آئے اور گواہی دی کہ انہوں نے اس کا ذکر اس کی فرج میں سرمہ دانی میں سرچو کی طرح دیکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا(1)۔ ایک قوم نے کہا: زنا میں چار گواہ ہیں تاکہ زنا کرنے والوں میں سے ہر ایک پر دو دو گواہ گواہی دیں جس طرح دوسرے حقوق میں گواہ گواہی دیتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جو ان میں سے ہر ایک سے لیا جائے گا۔ یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ قسم، اموال میں داخل ہوتی ہے اور اللوث، قسامت میں داخل ہے اور ان میں سے یہاں کسی ایک کا دخل نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ گواہوں کے لیے مذکر ہونا ضروری ہے، کیونکہ ارشاد ہے مِّنْكُمْ اس میں امت کا کوئی اختلاف نہیں اور گواہ عادل ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوع اور رجعت میں عدالت شرط قرار دی ہے۔ یہ بڑا معاملہ ہے اور یہ اس کے لیے اولیٰ ہے اور یہ دلیل کے ساتھ مقید پر مطلق کو حمل کرنے سے ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔ گواہ ذمی نہ ہوں گے اگرچہ حکم، ذمیۃ پر بھی لگایا ہو۔ سورۂ مائدہ میں اس کا ذکر آئے گا۔ اور امام ابوحنیفہ نے اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ کے قول سے اس مسئلہ میں دلیل پکڑی ہے کہ قذف میں جب ایک گواہ خاوند ہو تو لعان نہ ہوگا اس کا بیان ان شاء اللہ، سورۂ نور میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ یہ زنا کرنے والوں کی پہلی سزا ہے اور یہ ابتداء اسلام میں تھا۔ یہ حضرت عبادہ بن صامت، حسن اور مجاہد کا قول ہے حتیٰ کہ بعد والی اذیت کے ساتھ یہ سزا منسوخ ہوگئی پھر وہ اذیت سورۂ نور کی آیت کے ساتھ اور ثیبہ میں رجم کے ساتھ منسوخ ہوگئی۔ ایک فرقہ نے کہا: اذیت پہلی سزا تھی پھر امساک کے ساتھ وہ منسوخ ہوگئی لیکن تلاوت مؤخر و مقدم کی گئی۔ یہ ابن فورک کا قول ہے اور یہ گھروں میں امساک اور حبس ابتداء اسلام میں تھا جب کہ ایسا جرم کرنے والے کم تھے، جب زیادہ ہوگئے اور ان کی قوت کا خدشہ ہوا تو ان کے لیے قید بنائی گئی۔ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ قید حد تھی یا حد کی وعید دی تھی؟ دو قول ہیں (1) حد کی دھمکی دی گئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حد ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور حسن کا قول ہے۔ ابن زید نے یہ زائد کہا ہے کہ انہیں نکاح کرنے سے منع کیا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی رجم الیہودیین، حدیث نمبر 3862، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جائے گا حتی کہ وہ مر جائیں یہ ان کے لیے بطور سزا ہے جب انہوں نے نکاح کو بغیر وجہ کے طلب کیا۔ یہ دلیل ہے کہ وہ حد تھی بلکہ اس سے بھی سخت تھی مگر یہ حکم ایک حد تک محدود تھا اور وہ دوسری آیت میں اذیت ہے، دونوں تاویلوں کے اختلاف پر کہ کون سی آیت پہلے ہے۔ دونوں سزائیں ایک حد تک محدود تھیں۔ اور وہ غایت حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث میں موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھ سے حاصل کرو، مجھ سے حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راستہ بنایا ہے کنوارے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے''۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (بقرہ: 187) جب رات آئے گی تو اس کی غایت کی انتہا کی وجہ سے روزے کا حکم اٹھ جائے گا نہ کہ اس کے منسوخ ہونے کی وجہ سے حکم اٹھ جائے گا۔ یہ متاخرین محققین اصولیین کا قول ہے۔ نسخ دو متعارض قولوں میں ہوتا ہے جن کو کسی اعتبار سے جمع کرنا ممکن نہ ہو اور قید، تعزیر، کوڑے اور رجم کو جمع کرنا ممکن ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اذیت اور تعزیر، کوڑوں کے ساتھ باقی ہے، کیونکہ یہ متعارض نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں ایک شخص پر لاگو کیے جائیں گے، رہا قید کرنا، تو یہ اجماع کے ساتھ منسوخ ہے اور متقدمین کا ایسی صورت میں نسخ کا اطلاق مجازاً ہے۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

''جو مرد وعورت ارتکاب کریں بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیت دو انہیں پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں تو چھوڑ دو انہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذٰنِ یہ الذی کا تثنیہ ہے اور قیاس یہ تھا کہ اللذیان کہا جاتا جیسے رحیان، مصطفیان، شجیان۔ سیبویہ نے کہا: یا کو حذف کیا گیا ہے تاکہ اسماء متمکنہ اور اسماء مبہمات میں فرق ہو جائے۔ ابو علی نے کہا: یا کو تخفیفاً حذف کیا گیا ہے، کیونکہ اللذان میں التباس کا امن ہے کیونکہ نون حذف نہیں ہوتی۔ اسماء متمکنہ میں تثنیہ کا نون اضافت کے ساتھ حذف ہوتا ہے جیسے رحیان، **مصطفیا القوم**۔ اگر یا حذف ہو تو تثنیہ کے ساتھ مفرد مشتبہ ہو جائے گا۔ ابن کثیر نے اللذان کو نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قریش کی لغت ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ تشدید، زا کے الف کا بدل ہے اس کی وضاحت سورۃ القصص میں فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ کے تحت آئے گی۔ اس میں دوسری لغت ہے اللذا یعنی نون کے حذف کے ساتھ ہے۔ یہ کوفیوں کا قول ہے۔ بصریوں نے کہا: نون کو حذف کیا گیا ہے، کیونکہ صلہ کی وجہ سے اسم طویل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ھذان اور فذانك برھان پڑھا ہے اور باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے صرف فذانك برھانان پڑھا ہے۔ اللذان ابتدا کی وجہ سے رفع دیا گیا ہے۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے فیما یتلی علیکم اللذان یاتیانھا۔ ھا ضمیر سے مراد فاحشۃ ہے۔ فآذوھما میں فا داخل کیا گیا ہے، کیونکہ کلام میں امر کا معنی ہے، کیونکہ جب الذی فعل کے ساتھ ملایا گیا تو اس میں شرط کا معنی پایا گیا، کیونکہ اس پر کوئی معین شئ واقع نہیں ہوئی۔ جب

شرط اور ابہام اس میں پایا گیا تو شرط کے قائم مقام ہوا پس فا داخل ہوئی۔ ماقبل مضمر اس پر عمل نہیں کرتا جس طرح اس کا ماقبل شرط میں عمل نہیں کرتا جب ان سے پہلے فعل کا اضمار اچھا نہیں تا کہ دونوں کو نصب دے تو ابتدا کی وجہ سے رفع دیا گیا۔ یہ سیبویہ کا اختیار ہے۔ فعل کے اضمار کی تقدیر پر نصب جائز ہے یہ مختار ہے جب کلام میں امر، نہی کا معنی ہو جیسے تیرا قول ہے الذی عندك فاکرمهما۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰذُوْهُمَا قتادہ اور سدی نے کہا: اس کا مطلب توبیخ اور عار دلانا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہ بغیر عار دلائے جفا اور سب ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: یہ زبان سے تنبیہ اور جوتوں سے مارنا ہے۔ نحاس نے کہا: ایک قوم نے کہا: یہ منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں: ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ۔ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا یہ ابتدا میں حکم تھے پھر سورۃ النور کی آیت نے ان دونوں کو منسوخ کر دیا۔ یہ نحاس کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اولیٰ ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے یہ ان کو توبیخ کے ساتھ ادب سکھانا واجب ہے۔ انہیں کہا جائے گا: تو نے فجور کیا، تم نے فسق کیا اور تم نے اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ الّٰتِیْ اور الَّذٰنِ کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے مجاہد وغیرہ نے کہا: سورۃ النساء کی پہلی آیت عام ہے شادی شدہ عورتیں ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں اور دوسری آیت مردوں کے متعلق خاص ہے۔ تثنیہ کے لفظ نے مردوں کی دونوں قسموں کو بیان کیا جو شادی شدہ ہیں اور جو غیر شادی شدہ ہیں عورتوں کی سزا قید کرنا ہے اور مردوں کی سزا اذیت ہے۔ لفظ اس قول کا مقتضی ہے اور کلام کی نص زانیوں کی تمام اقسام کو شامل ہے اور پہلی آیت میں مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اور دوسری آیت میں مِنْكُمْ کا ارشاد لفظ کی جہت سے اسی قول کی تائید کرتا ہے۔ نحاس نے اس قول کو پسند کیا ہے اور انہوں نے یہ قول حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ سدی اور قتادہ وغیرہ نے کہا: المحصنات کا لفظ جو پہلی آیت میں ہے اس میں مردوں میں سے جو شادی شدہ ہیں وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہیں، دوسری آیت میں مرد اور عورت جو کنوارے ہیں وہ داخل ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس قول کا معنی مکمل ہے مگر آیت کا لفظ اس سے پوری مناسبت نہیں رکھتا۔ طبری نے اس کو ترجیح دی ہے اور نحاس نے اس کا انکار کیا ہے اور فرمایا: مذکر پر مؤنث کو غلبہ دینا بعید ہے، کیونکہ کوئی چیز مجاز کی طرف نہیں نکالی جاتی جب کہ حقیقت میں اس کا معنی صحیح ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: زانیہ کو روکنا ہے جبکہ زانی کو روکنا نہیں ہے۔ روکنے میں عورت خصوصی طور پر ذکر کی گئی ہے پھر اذیت میں دونوں جمع کیے گئے ہیں۔ قتادہ نے کہا: عورت کو قید کیا جائے گا اور دونوں کو اکٹھی اذیت دی جائے گی۔ یہ اس لیے ہے، کیونکہ مرد محنت و مزدوری کا محتاج ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مقتضیٰ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جس میں زانیوں کے احکام کا بیان ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کیا ان سے اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے اور انہوں نے شراحہ ہمدانیہ کو سو کوڑے لگائے تھے اور اس کے بعد اسے رجم کیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں نے کتاب اللہ کے حکم سے اسے کوڑے لگائے ہیں اور سنت رسول کی وجہ سے اسے رجم کیا ہے۔ یہ قول حسن بصری، حسن بن صالح

بن حیی اور اسحاق کا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا شادی شدہ زانیہ پر بغیر کوڑوں کے رجم ہوگا۔ یہ حضرت عمر سے مروی ہے اور یہ قول زہری، نخعی، مالک، ثوری، اوزاعی، شافعی، اصحاب رائے، امام احمد، ابوثور کا ہے۔ ان علماء نے نبی کریم ﷺ کے فعل سے دلیل پکڑی ہے کہ آپ ﷺ نے ماعز اور غامدیہ کو رجم کیا تھا اور دونوں کو کوڑے نہیں لگائے تھے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت انیس سے کہا تھا: تم اس کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ بھی اپنے جرم کا اعتراف کرلے تو اسے رجم کردو۔ دونوں نے کوڑے مارنے کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر یہ مشروع ہوتے تو آپ ﷺ خاموش نہ رہتے۔ ان کو کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ اس لیے خاموش رہے، کیونکہ وہ کتاب اللہ سے ثابت تھے شہرت اور قرآن میں تنصیص کی وجہ سے خاموش رہنا ممتنع نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (نور:2) یہ تمام زانیوں کو عام ہے واللہ اعلم۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل خلفاء راشدین سے ماخوذ تھا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ اسے کہا گیا: تو نے منسوخ پر عمل کیا اور ناسخ کو چھوڑ دیا۔ یہ تو واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ کنوارے آدمی کو کوڑے لگانے کے ساتھ جلاوطن کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ کوڑوں کے ساتھ اسے جلاوطن بھی کیا جائے گا۔ یہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور حضرت ابن عمر کا بھی یہی قول ہے۔ عطا، طاؤس، سفیان، امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور کا قول ہے اور حماد بن ابی سلیمان، امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن نے جلاوطنی کے ترک کا قول کیا ہے۔ جمہور کی حجت حضرت عبادہ کی حدیث ہے اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد کی حدیث ہے اور العسیف (نوکر) والی حدیث ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، رہی بکریاں اور لونڈی، تو وہ تجھے واپس کی جائے گی۔ آپ ﷺ نے اس کے بیٹے کو سو کوڑے لگائے اور ایک سال جلاوطن کیا۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے اور جو علماء جلاوطن کرنے کا نظریہ نہیں رکھتے وہ لونڈی میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں، اس میں کوڑوں کا ذکر ہے جلاوطنی کا ذکر نہیں ہے۔ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: حضرت عمر نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب کی حد میں خیبر کی طرف جلاوطن کیا تو وہ ہرقل سے جا ملا اور نصرانی ہوگیا۔ حضرت عمر نے کہا: اس کے بعد کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ یہ علماء فرماتے ہیں: اگر جلاوطن کرنا اللہ تعالیٰ کی حد ہوتی تو اس کے بعد حضرت عمر اسے ترک نہ کرتے۔ پھر کتاب میں جو نص ہے وہ کوڑے ہیں اور نص پر زیادتی نسخ ہے۔ پس اس سے ایک قطعی حکم کا خبر واحد کے ساتھ نسخ لازم آتا ہے۔ جمہور علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں حضرت ابوہریرہ کی حدیث لونڈیوں کے متعلق ہے، نہ کہ آزاد لوگوں کے متعلق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے لونڈی کو زنا کی وجہ سے مارا اور اسے جلاوطن بھی کیا۔ اور رہی حضرت عمر کی حدیث اور ان کا قول کہ میں اس کے بعد کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا، یہ شراب کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ نافع نے حضرت ابن عمر سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

مارا اور جلاوطن کیا۔ حضرت ابوبکر نے مارا اور جلاوطن کیا، حضرت عمر نے مارا اور جلاوطن کیا (1)۔ یہ ترمذی نے اپنی جامع میں نقل کی ہے اور نسائی نے اپنی سنن میں ابو کریب محمد بن علا ہمدانی عن عبداللہ بن ادریس عن عبید اللہ بن عمر عن نافع کے سلسلہ سے روایت کی ہے۔ دار قطنی نے کہا: عبداللہ بن ادریس اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہیں، ابو کریب کے علاوہ کسی ثقہ راوی نے اسے مسند روایت نہیں کیا۔ اور نبی کریم ﷺ سے صحت کے ساتھ جلاوطنی مروی ہے، پس اس کے ہوتے ہوئے کلام کی گنجائش نہیں اور جس نے سنت کی مخالفت کی، سنت ہی اس سے مخاصمت کرے گی۔ وباللہ التوفیق۔

رہا ان کا یہ قول کہ نص پر زیادتی نسخ ہے۔ یہ مسلم نہیں ہے، بلکہ اصل کے ساتھ دوسرے حکم کی زیادتی ہے۔ پھر وہ خبر واحد صحیح کے ساتھ پانی پر نبیذ کے وضو کرنے کی زیادتی کرتا ہے اور قربیٰ میں فقر کی شرط لگاتا ہے، اس کے علاوہ بہت سی چیزیں ہیں جو قرآن میں منصوص نہیں ہیں خبر واحد کے ساتھ ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ جلاوطنی کے قائل علماء کا مذکر آزاد کو جلاوطن کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ غلام اور لونڈی کو جلاوطن کرنے میں اختلاف ہے۔ جو علماء غلام اور لونڈی کو جلاوطن کرنے کی رائے رکھتے ہیں ان میں حضرت ابن عمر بھی ہے۔ حضرت ابن عمر نے اپنی لونڈی کو زنا کی وجہ سے کوڑے لگائے اور فدک کی طرف جلاوطن کیا۔ امام شافعی، ابو ثور، ثوری، طبری اور داؤد کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا قول غلام کی جلاوطنی کے بارے میں مختلف ہے۔ کبھی تو انہوں نے کہا: میں غلام کو جلاوطن کرنے میں اللہ سے استخارہ کروں گا، اور کبھی فرمایا: نصف سال جلاوطن کروں گا، کبھی فرمایا: ایک سال دوسرے شہر کی طرف بھیج دوں گا۔ یہی طبری کا قول ہے۔ لونڈی کی جلاوطنی کے بارے میں بھی دو قول ہیں۔ امام مالک نے فرمایا: مرد کو جلاوطن کیا جائے گا عورت اور غلام کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا اور جس کو جس شہر کی طرف جلاوطن کیا جائے اس میں اسے قید کر دیا جائے گا۔ مصر سے حجاز، شغب، اسوان اور اس جیسے شہروں کی طرف جلاوطن کیا جائے گا مدینہ سے خیبر اور فدک کی طرف جلاوطن کیا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسی طرح کیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے بصرہ کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ ابن عربی نے کہا: جلاوطنی کی اصل یہ ہے کہ بنی اسماعیل نے اجماع کیا تھا کہ جو حرم میں کوئی گناہ کرے گا اسے حرم سے جلاوطن کر دیا جائے گا پس یہ سنت ہوگی وہ اس کی پیروی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سنت بن گئی کہ جب کوئی جرم کرے گا اسے اس کے شہر سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ جاری رہا حتی کہ اسلام آگیا۔ پس اسلام نے زنا میں اس کو خصوصی طور پر برقرار رکھا۔ اور جو علماء غلام پر جلاوطنی کا نظریہ نہیں رکھتے وہ لونڈی میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں۔ دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ غلام کو جلاوطن کرنا اس کے مالک کو سزا دینا ہے، کیونکہ جلاوطنی کی مدت میں اس کے منافع سے اسے روکنا ہے۔ یہ شرع کا تصرف مناسب نہیں پس غیر مجرم کو سزا نہیں دی جاتی۔ اسی وجہ سے جمعہ، حج اور جہاد اس سے سردرد کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ وہ حق اللہ ہے۔ اسی طرح جلاوطنی ہے۔

عورت جب جلاوطن کی جائے گی تو اکثر اس کا فاحشہ سبب ہوتا ہے اور یہ جلاوطنی اس کی شرمگاہ کے کھولنے اور اس کی

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحدود عن رسول اللہ، باب ما جاء فی النفی، حدیث نمبر 1358، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حالت کو ضائع کرنے کا سبب ہے، کیونکہ اصل اس کو گھر سے نکلنے سے منع کرنا ہے اور اس کی نماز بھی گھر میں افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو خروج کے لباس سے علیحدہ کرو وہ گھر کو لازم پکڑیں۔ پس اس سے تغریب کی حدیث کے عموم کی تخصیص حاصل ہو گی۔ اس مصلحت کی وجہ سے جس کی شہادت اعتبار کے ساتھ دی گئی ہے۔ اصولیین اور اہل نظر کے نزدیک اس میں اختلاف ہے۔ ایک طائفہ نے شافی قول کیا ہے کہ کوڑوں اور رجم کو شیخ پر جمع کیا جائے گا، جوان کو کوڑے لگائے جائیں گے انہوں نے حضرت زید بن ثابت کی حدیث میں لفظ الشیخ سے دلیل پکڑی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجمھا البتة۔ اس حدیث کو نسائی نے نقل کیا ہے۔ اس طائفہ کا یہ قول فاسد ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں الثیب کا ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ تَابَا یعنی اگر وہ زنا سے توبہ کریں وَ اَصْلَحَا یعنی اس کے بعد عمل کی اصطلاح کریں۔ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا یعنی ان کی اذیت اور تعییر چھوڑ دو۔ یہ حدود کے نزول سے پہلے کا حکم تھا۔

جب حدود نازل ہوئیں تو اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ اعراض سے مراد ہجرت نہیں ہے، لیکن ہجرت برائی کو چھڑانے والی ہے، اعراض کرانے والی ہے اس میں سابقہ معصیت کے سبب ان کے لیے حقارت ہے اور دوسری آیت میں جہالت کے مطابق احتقار ہے۔ واللہ تواب یعنی اپنے بندوں کے گناہوں سے رجوع کرنے والا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

''توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے ان کی توبہ ہے جو کر بیٹھتے ہیں گناہ بے سمجھی سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے پس یہی لوگ ہیں (نظر رحمت سے) توجہ فرماتا ہے اللہ ان پر اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا۔ اور نہیں یہ توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں انہیں کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک''۔

اس آیت میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے کوئی گناہ کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن سے جہالت کی بنا پر گناہ ہوا اور توبہ ہر اس شخص کے

لیے ہے جس نے دوسری جگہ میں گناہ کیا۔ اور امت کا اتفاق ہے کہ مومنین پر توبہ کرنا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (نور: 31) رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو!۔

اور ایک گناہ سے توبہ کرنا صحیح ہے جب کہ کسی دوسرے گناہ پر قائم بھی ہو جو اس پہلے گناہ کی نوع سے نہ ہو۔ معتزلہ کا قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں: وہ توبہ کرنے والا شمار نہ ہو گا جو کسی بھی گناہ پر قائم ہو، دو معصیتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (پہلا) مذہب اہل سنت و جماعت کا ہے۔ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کی توبہ قبول فرمالے چاہے تو قبول نہ فرمائے۔ عقل کے طریق سے بھی اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب نہیں، جیسا کہ مخالف کا قول ہے، کیونکہ واجب کی شرط میں سے ہے کہ وہ موجب علیہ سے اعلیٰ مرتبہ ہو، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق کا خالق اور مالک ہے اور ان کو مکلف بنانے والا ہے۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس پر کوئی چیز واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود خبر دی ہے۔ اور وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے۔ کہ وہ اپنے گناہگار بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ فرمایا وہ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (الشوریٰ: 25) وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (توبہ: 104) (کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طٰہٰ: 82) (اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی چیزوں کے متعلق خبر دی ہے کہ اس نے وہ چیزیں اپنے اوپر واجب کی ہیں، یہ ان چیزوں کے وجوب کا مقتضی ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ عقلاً اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ رہی نقلی دلیل تو اس کا ظاہر توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرنا ہے۔ ابو المعالی وغیرہ نے کہا: یہ ظواہر ظن غالب کا فائدہ دیتی ہیں۔ توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعی واجب نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ابو المعالی وغیرہ کی اس معنی میں مخالفت کی گئی ہے۔ جب ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص نے خالص توبہ کی جس میں توبہ کی مکمل شرائط موجود تھیں تو ابو المعالی نے کہا: اس کی توبہ کی قبولیت کا ظن غالب ہوتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق خبر دی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرا والد اسی قول کی طرف میلان رکھتا تھا اور اس کو راجح قرار دیتا تھا اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ اس توبہ کرنے والے کے بارے میں یہ معنی ختم کردے جو اس کے اس ارشاد میں ہے وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (شوریٰ: 25) اور ارشاد ہے وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ (طٰہٰ: 82)

جب یہ ثابت ہو گیا تو تو جان لے کہ عَلَى اللّٰهِ کے کلمات میں حذف ہے یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے، اس کا مطلب ہے علی فضل اللہ و رحمتہ بعبادہ۔ یہ اس طرح ہے جیسے حضرت معاذ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اتدری ما حق العباد علی اللہ؟۔ کیا تجھے معلوم ہے اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق کیا ہے؟ حضرت معاذ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان یدخلھم الجنۃ کہ انہیں جنت میں داخل کرے۔ ان تمام آیات اور احادیث کا مطلب یہ ہے کہ

اس کے فضل اور اس کی رحمت پر سچا وعدہ ہے اور اس کا قول سچا ہے اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام:12) (واجب کرلیا ہے اس نے اپنے آپ پر رحمت فرمانا)

یعنی اس نے رحمت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں علی بمعنی عند ہے اور تقدیر عبارت عند اللہ ہے یعنی یہ اس کا وعدہ ہے اور اس کے وعدہ میں خلاف نہیں ہے وہ توبہ قبول فرماتا ہے جب وہ ایسی شرائط کے ساتھ ہو جو اسے درست کرنے والی ہیں۔ توبہ کی شرائط چار ہیں۔ دل سے شرمندہ ہونا، فی الحال معصیت کو ترک کرنا، دوبارہ وہ برائی نہ کرنے کا عزم کرنا اور یہ اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے ہو نہ کسی دوسرے کی وجہ سے ہو۔ جب ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ ہوگی تو توبہ صحیح نہ ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کی شرائط میں سے یہ بھی ہے گناہ کا اعتراف کرنا، کثرت سے استغفار کرنا۔ سورۂ آل عمران میں توبہ کے بہت سے معانی اور اس کے احکام گزر چکے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق توبہ حد کو ساقط نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء نے فرمایا: چور مرد، چور عورت اور تہمت لگانے والا جب یہ توبہ کریں جب کہ ان کے خلاف گواہی قائم ہو چکی ہو تو ان پر حدود قائم کی جائیں گی۔

بعض علماء نے فرمایا: یہاں علی بمعنی من ہے یعنی انما التوبة من اللہ للذین ...... الخ یہ ابوبکر بن عبدوس کا قول ہے واللہ اعلم۔ توبۃ النصوح کے بارے میں کلام اور وہ اشیاء جن کی وجہ سے توبہ کی جاتی ہے ان پر گفتگو ان شاء اللہ سورۃ التحریم میں آئے گی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ اس آیت میں اور سورۂ انعام میں اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ میں سوء کا لفظ کفر اور گناہوں کو شامل ہے۔ جس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ جاہل تھا حتی کہ وہ اپنے اس گناہ سے علیحدہ ہو جائے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے خواہ وہ عمداً ہو یا بے سمجھی کی وجہ سے ہو۔ یہ حضرت ابن عباس، قتادہ، ضحاک، مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ ضحاک اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں جہالت سے مراد عمد (جان بوجھ کر) ہے۔ عکرمہ نے کہا: دنیا کے تمام امور جہالت ہیں ان کی مراد وہ دنیا کے اعمال ہیں جو اللہ کی اطاعت سے خارج ہیں۔ یہ قول اس ارشاد کے ساتھ جاری ہے اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ (محمد:36) (دنیوی زندگی کھیل اور تماشا ہے) زجاج نے کہا: بِجَهَالَةٍ کا مطلب ہے وہ فانی لذت کو باقی لذت پر ترجیح دیتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: بِجَهَالَةٍ کا مطلب ہے وہ عقوبت کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ یہ ابن فورک نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ان کا یہ قول ضعیف قرار دیا گیا ہے اور رد کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے مرض اور موت سے پہلے (توبہ کرتے ہیں) ضحاک سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہر وہ کام جو موت سے پہلے ہے وہ قریب ہے۔ ابو مجلز، ضحاک، عکرمہ اور ابن زید وغیرہ نے کہا: ملائکہ اور نزع کو دیکھنے سے پہلے اور انسان کے مغلوب ہونے سے پہلے وہ توبہ کرتے ہیں۔ محمود الوراق نے کتنا عمدہ کہا تھا:

قَدِّمْ لِنَفْسِكَ تَوْبَةً مَرْجُوَّةً　　قَبْلَ الْمَمَاتِ وَقَبْلَ حَبْسِ الْأَلْسُنِ

بَادِرْبِهَا غَلَقَ النُّفُوسِ فَإِنَّهَا　　ذُخْرٌ وَغُنْمٌ لِلْمُنِيبِ الْمُحْسِنِ

موت سے پہلے اور زبان پر قفل لگنے سے پہلے اپنے لیے توبہ آگے بھیجو جس کی امید کی جاسکتی ہو اور توبہ کرنے میں جلدی کرو فرصت کے ضیاع سے پہلے، کیونکہ محسن، منیب شخص کے لیے ذخیرہ اور غنیمت ہے۔

ہمارے علماء نے فرمایا: انسان سے اس وقت بھی توبہ صحیح ہے، کیونکہ امید باقی ہے اس سے شرمندگی، فعل کے ترک پر عزم صحیح ہے۔ ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک اس کی روح اس کے حلقوم تک نہیں پہنچ جاتی'' (1)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حدیث کا یہ معنی ہروی نے بیان کیا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے بغیر اصرار کے قریب زمانہ میں گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔ صحت میں جلدی توبہ کرنے والا افضل ہے اور زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس سے عمل صالح کی امید ہے اور بعد سے مراد موت ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

وأين مكانُ البُعْدِ إلاَّ مكانيا

صالح مری نے حسن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عار دلائی جس سے وہ توبہ کر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس گناہ میں مبتلا کرے گا۔ حسن نے کہا: ابلیس جب زمین پر اترا تو اس نے کہا: مجھے تیری عزت کی قسم میں ابن آدم سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ روح اس کے جسم میں باقی ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ابن آدم کو توبہ سے محروم نہیں کروں گا جب تک کہ اس کی روح گلے تک نہیں پہنچ جائے گی۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تائبین کے حکم میں داخل ہونے سے نفی کی ہے جن پر موت کا وقت قریب آجائے اور وہ مایوسی کے عالم میں پہنچ جائیں جیسا کہ فرعون تھا جب وہ پانی میں غرق ہونے لگا تو اس نے ایمان لانے کا اظہار کیا تو اس اظہار ایمان نے اسے کچھ فائدہ نہ دیا، کیونکہ اس وقت میں توبہ نفع نہیں دیتی، کیونکہ وہ تکلیف کے زوال کی حالت ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زید اور جمہور مفسرین کا قول ہے۔ رہے کفار تو وہ اپنے کفر پر مرتے ہیں، پس آخرت میں ان کے لیے توبہ نہیں ہے۔ اس کی طرف اس ارشاد میں اشارہ ہے أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا اس عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اگر اس ارشاد سے اشارہ تمام لوگوں کی طرف ہو تو نافرمانوں کی جہت سے وہ عذاب دائمی نہ ہوگا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ وہ گناہ کفر سے کم ہوں یعنی توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو کفر سے کم درجہ کے گناہ کرتے ہیں پھر موت کے وقت توبہ کرتے ہیں اور نہ ان کے لیے توبہ ہے جو کافر ہو کر مرتے ہیں پھر قیامت کے دن توبہ کریں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں سیئات سے مراد کفر ہے تو معنی یہ ہوگا جو حالت کفر میں مرتے ہیں۔ ابو العالیہ نے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبہ، حدیث نمبر 4242، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً، جامع ترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ باب فی فضل التوبۃ والاستغفار، حدیث نمبر 3460، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کہا: پہلی آیت مومنین کے بارے میں نازل ہوئی اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ...... الخ اور دوسری آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ یعنی ان لوگوں کے لیے توبہ کی قبولیت نہیں ہے جو اپنے فعل پر اصرار کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ یعنی جب نزع کی حالت میں ہو جاتا ہے اور حضرت عزرائیل کو دیکھ لیتا ہے۔ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ اس کے لیے توبہ نہیں ہے پھر کفار کی توبہ کا ذکر کیا فرمایا: وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا یعنی کفار کے لیے دردناک دائمی عذاب ہے۔ یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝

''اے ایمان والو! نہیں حلال تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ روکے رکھو انہیں تا کہ لے جاؤ کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انہیں بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کھلی بدکاری کا اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے پھر اگر تم ناپسند کرو انہیں (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیر کثیر''۔

اس آیت میں آٹھ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا اس کا تعلق پہلے مذکور بیویوں کے ذکر سے ہے۔ اس سے مقصود ان سے ظلم اور تکلیف کو دور کرنا ہے اور خطاب اولیاء کو ہے ان، یحلّ کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ یعنی تمہارے لیے عورتوں کا وارث بننا صحیح نہیں ہے۔ کرھا مصدر ہے حال واقع ہو رہا ہے۔ اس آیت کے نزول کے سبب میں روایات اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے ورثاء اس کی بیوی کے زیادہ حق دار ہوتے اگر کوئی چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا، اگر وہ چاہتے تو کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیتے، اگر چاہتے تو اس کا نکاح نہ کرتے وہ اس عورت کے اس کے گھر والوں کی نسبت زیادہ حق دار ہوتے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوداؤد نے بھی اس کی ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ زہری اور ابومجلز نے کہا: عربوں کی عادت سے تھا کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس شخص کا دوسری بیوی سے جو بیٹا ہوتا وہ یا مرنے والے کا عصبہ اس شخص کی بیوی پر اپنا کپڑا ڈالتا تو وہ اس عورت کا اس کی اپنی ذات اور اس کے اولیاء سے زیادہ حق دار بن جاتا، اگر وہ چاہتا تو بغیر مہر کے اس سے نکاح کر لیتا اور وہی مہر جو میت نے اس عورت کو دیا ہوتا (اس پر اکتفا کرتا) اگر وہ چاہتا تو کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیتا اور اس کا مہر خود لے لیتا اور اس عورت کو کچھ نہ دیتا، اگر وہ چاہتا تو اس کو روک لیتا حتیٰ کہ وہ فدیہ دے وہ مال جو اس کو میت کی طرف سے ملا ہے یا وہ عورت مر جائے اور وہ اس کا وارث ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (1)۔

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 140

پس معنی یہ ہوگا کہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم ان عورتوں کے وارث ہو ان کے خاوندوں کی طرف سے پھر تم ان کے خاوند بن جاؤ۔ بعض علماء نے فرمایا: وارث اگر جلدی کرتا اور اس عورت پر کپڑا ڈال دیتا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہوتا اگر عورت جلدی کرتی اور اپنے میکے چلی جاتی، تو وہ عورت اپنے نفس کی خود حق دار ہوتی، یہ سدی کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایک شخص کے عقد میں بوڑھی عورت ہوتی جب کہ اس کا نفس جوان عورت کی خواہش کرتا، تو وہ بوڑھی عورت کے فراق کو اس کے مال کی وجہ سے ناپسند کرتا پس وہ اسے روکے رکھتا اور اس کے قریب بھی نہ جاتا حتیٰ کہ وہ اسے اپنا مال فدیہ دے یا وہ مر جائے اور اس کے مال کا وہ وارث بن جائے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ خاوند کو حکم دیا گیا کہ وہ اگر بیوی کی صحبت کو پسند نہیں کرتا تو اسے طلاق دے دے اور اس کو ناپسند کرتے ہوئے روکے نہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْهًا اس آیت سے مقصود زمانہ جاہلیت کی رسم کا قلع قمع کرنا ہے۔ یعنی عورتوں کو مال کی طرح نہ بنایا جائے تاکہ مال کی طرح ان میں بھی میراث جاری ہو۔ کُرْهًا (کاف کے ضمہ کے ساتھ) حمزہ اور کسائی کی قرأت ہے اور فتحہ کے ساتھ باقی قراء کی قرأت ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ قتبی نے کہا: الکرہ کاف کے فتحہ کے ساتھ اکراہ کے معنی میں ہے اور کاف کے ضمہ کے ساتھ مشقت کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے: لتفعل ذالك طوعا او کرها یعنی تجھے یہ کرنا چاہیے خواہ خوشی سے یا مجبوری سے۔ یہ خطاب اولیاء کے لیے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب عورتوں کے خاوندوں کے لیے ہے جب وہ انہیں روکے رکھیں اور ان سے برتاؤ بھی اچھا نہ کریں اور یہ ان کی میراث کے لالچ کی خاطر ہو یا وہ اپنے بعض مہر فدیہ دے دیں۔ یہ قول اصح ہے اور ابن عطیہ نے اس کو اختیار کیا ہے انہوں نے کہا: اس کی دلیل یہ ارشاد ہے اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ جب وہ برائی کا ارتکاب کرے تو والی کے لیے اس کو روکنا جائز نہیں تاکہ اس کا مال لے جائے اس پر امت کا اجماع ہے اور یہ خاوند کے لیے ہے۔ اس کا بیان بعد والے مسئلہ میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ، عضل کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے اور وہ ہے روکنا اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ، الفاحشة کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد زنا ہے۔ جب کنواری زنا کرے تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال جلاوطن کی جائے گی اور اپنے خاوند کو وہ رقم لوٹا دے گی جو بطور مہر لے چکی ہوگی۔ ابو قلابہ نے کہا: جب کسی مرد کی بیوی زنا کرے تو کوئی حرج نہیں کہ خاوند اسے تکلیف پہنچائے اور اس پر سختی کرے تاکہ وہ اس سے لیا ہوا مال واپس کر دے۔ سدی نے کہا: جب عورتیں ایسے فعل کا ارتکاب کریں تو ان کے مہر واپس لے لو۔ ابن سیرین اور ابو قلابہ نے کہا: خاوند کے لیے بیوی سے فدیہ لینا جائز نہیں مگر یہ کہ اس کے پیٹ پر کسی غیر مرد کو پائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، ضحاک اور قتادہ نے کہا: فاحشة مبینه سے مراد اس آیت میں بغض اور نافرمانی ہے۔ ان علماء نے فرمایا: جب عورت نافرمان ہو تو مرد کے لیے اس کا مال لینا جائز اور حلال ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میں اس آیت میں فاحشة کے متعلق خاوند کے لیے کوئی نص نہیں پاتا۔ ایک قوم نے کہا: اس سے مراد بدزبانی کرنا اور قول اور فعل سے برا سلوک کرنا ہے۔ یہ نشوز کا معنی ہے۔

بعض اہل علم بطور خلع نافرمان عورت سے مال لینا جائز قرار دیتے ہیں مگر وہ یہ خیال رکھے کہ جو اس نے دیا ہے اس سے تجاوز نہ کرے، اس قول پر عمل کرے لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ۔ امام مالک اور اہل علم کی ایک جماعت نے کہا: خاوند کے لیے جائز ہے کہ نافرمان بیوی سے سب کچھ لے لے جس کی وہ مالک ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: زنا خاوند پر نافرمانی اور اذیت سے زیادہ برداشت کرنا مشکل ہے یہ تمام فاحشۃ کے حکم میں ہے مال کا لینا یہ حلال کر دیتا ہے۔ ابوعمر نے کہا: ابن سیرین اور ابوقلابہ نے کہا: میرے نزدیک یہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ فاحشۃ کبھی بدزبانی اور اذیت سے ہوتی ہے، اسی وجہ سے بدزبان کو فاحش اور متفحش کہتے ہیں اس بنا پر اگر وہ اس بیوی کی فاحشۃ پر مطلع ہو تو اس کے لیے لعان کرنا ہوگا اور اگر چاہے تو اسے طلاق دے دے۔ اور رہا اسے تکلیف دینا حتیٰ کہ وہ اسے اپنے مال کا فدیہ دے تو یہ خاوند کے لیے جائز نہیں۔ میں کسی ایسے عالم کو نہیں جانتا جس نے کہا ہو کہ اسے تکلیف دینا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا خاوند کے لیے جائز ہے حتیٰ کہ وہ اس سے خلع کر لے جب وہ اسے زنا کرتے ہوئے پائے، سوائے ابوقلابہ کے۔ واللہ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (بقرہ: 229) یعنی حسن معاشرت اور خاوند کے حق کا قیام اور بیوی کے حق کے قیام میں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں تو فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (بقرہ: 229) پس کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝ پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوش دلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے۔

یہ آیات اس باب میں اصل ہیں۔ عطا خراسانی نے کہا: جب کسی مرد کی بیوی برائی کا ارتکاب کرے تو وہ اس سے وہ مال لے لے جو اس نے اسے دیا تھا اور اسے باہر نکال دے۔ پھر یہ حکم حدود کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ چوتھا قول اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ مگر یہ کہ وہ بدکاری کریں تو وہ گھروں میں روکی جائیں گی۔ یہ نسخ سے پہلے تھا۔ یہ عطا کے قول کے معنی میں ہے اور یہ ضعیف ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب ہم اس قول کو اختیار کریں کہ عضل میں خطاب اولیاء کو ہے تو اس کا فقہ یہ ہے کہ جب ولی میں یہ صحیح ثابت ہو کہ وہ عضل کرنے والا ہے تو قاضی عورت اور مرد کے بارے میں غور کرے گا مگر باپ اپنی بیٹیوں کے بارے میں ایسا کرے تو اس کے لیے یہ حکم نہیں۔ اگر اس عضل میں اصلاح ہو تو پھر اسے نہیں چھیڑا جائے گا۔ یہ ایک قول ہے۔ اور یہ ایک اور بہت سے نکاح کا پیغام دینے کے اعتبار سے ہے، روکنا صحیح ہو تو اس میں امام مالک کے مذہب میں دو قول ہیں۔ وہ تمام اولیاء کی طرح ہے۔ قاضی اس کی بیٹیوں میں سے جس کا نکاح چاہے گا کر دے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ بھی جائز ہے کہ تَعْضُلُوْهُنَّ نہی کی بنا پر مجزوم ہو اور واؤ عاطفہ ہو جملہ کلام پہلے جملہ سے جدا ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اَنْ تَرِثُوْا پر عطف کی بنا پر منصوب ہو اور واؤ مشترکہ ہو، فعل کا فعل پر عطف ہو۔ حضرت ابن مسعود نے ولا ان تعضلوھن پڑھا ہے۔ یہ قرأت نصب کے احتمال کو قوت دیتی ہے۔ اور روکنا ان احکام میں سے ہے جو نص کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُّبَيِّنَةٍ یا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ نافع اور ابوعمرو کی قرأت ہے۔ باقی قراء نے یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس نے با کے کسرہ اور یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ابان الشئ سے مشتق ہوگا۔ کہا جاتا ہے: ابان الامر بنفسه، ابنته وبين وبينت۔ یہ تمام قرأت فصیح لغات ہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی ان سے اچھا سلوک کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے ہر ایک کے لیے حسن معاشرت ضروری ہے خواہ وہ خاوند ہو یا ولی ہو لیکن اغلب طور پر اس امر سے مراد خاوند ہوتے ہیں۔ یہ اس ارشاد کی مثل ہے فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ (بقرہ: 229) یہ ان کو پورا مہر اور خرچ دینا ہے۔ اس کی غلطی کے بغیر اس کے سامنے منہ نہ بسورے۔ اچھے انداز میں اس سے گفتگو کرے، نہ بد خلقی سے، نہ سخت کلام کرے اور نہ اپنا میلان دوسری بیوی کی طرف ظاہر کرنے والا ہو۔ العشرۃ کا معنی مخالطت اور ممازجت ہے اسی سے طرفہ کا قول ہے:

فلئن شَطَّتْ نَوَاهَا مرَّةً لَعَلَى عهدِ حَبِيبٍ مُعْتَشِرٍ

شاعر نے حبیب کو جمع کے معنی میں استعمال کیا ہے جیسے خلیط اور غریق استعمال ہوتے ہیں۔ عاشرہ معاشرۃ، تعاشر القوم واعتشروا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں سے حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا ہے جب ان سے عقد نکاح کریں بہتر انداز میں آپس میں تعلق باقی رہے۔ اس سے انسان کا نفس پر سکون ہوتا ہے اور زندگی خوشگوار رہتی ہے۔ یہ خاوند پر واجب ہے قضا اس پر لازم نہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: مرد عورت کے لیے اسی طرح اپنے آپ کو مزین رکھے جس طرح عورت مرد کے لیے اپنے آپ کو مزین رکھتی ہے۔ یحییٰ بن عبد الرحمٰن الحنظلی نے کہا: میں محمد بن حنفیہ کے پاس آیا، وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے ایک سرخ چادر اوڑھی ہوئی تھی اور ان کی داڑھی سے خوشبو کے قطرے گر رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ محمد بن حنیفہ نے کہا: یہ چادر مجھ پر میری بیوی نے ڈالی ہے اور اس نے مجھے خوشبو لگائی ہے وہ ہم سے ایسی ہی خواہش کرتی ہیں جیسی ہم ان سے رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اپنی بیوی کی خاطر اپنے آپ کو مزین کرنا پسند کرتا ہوں جس طرح میں پسند کرتا ہوں کہ بیوی میرے لیے مزین ہو۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اس میں داخل ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: آیت کے مفہوم کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد رہنمائی کرتا ہے: فاستمتع بها وفيها عوج (1) یعنی تو اس سے بدسلوکی نہ کر جب کہ اس میں ٹیڑھا پن موجود بھی ہو، عورت سے مخالفت شروع ہوتی ہے اور اس کے ذریعے ناچاقی واقع ہوتی ہے اور یہ خلع کا سبب ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ ہمارے علماء نے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ کے قول سے استدلال کیا ہے کہ عورت کے لیے ایک خادمہ کافی نہ ہو تو خاوند پر اس کی کفالت کی مقدار خدمت کرنا ضروری ہے جیسے بادشاہ اور خلیفہ کی بیٹی اگر کسی کی بیوی ہو تو انہیں ایک خادمہ کفایت نہیں کرتی۔ یہ معاشرۃ بالمعروف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا: خاوند پر ایک خادمہ لازم ہے یہ اس کی ذات کی خدمت کے لیے کافی ہے، دنیا میں ایک عورت کے لیے ایک خادمہ کافی ہوتی ہے یہ اس جنگجو کی طرح ہے جس

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المدارۃ مع النساء، حدیث نمبر 4786، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کے بہت سے گھوڑے ہوں تو اسے ایک گھوڑے کا حصہ ملتا ہے، کیونکہ قتال ایک گھوڑے پر ہی ممکن ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ غلط ہے، کیونکہ بادشاہوں کی بیٹیوں کی بہت سی خادمائیں ہوتی ہیں انہیں ایک خادمہ کفایت نہیں کرتی، کیونکہ وہ کپڑے دھونے، آرام وغیرہ کے خیال کرنے اور دوسرے کاموں کے لیے ایک خادمہ کافی نہیں ہوتی ہے۔ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ بدصورت یا بدخلق ہونے کی وجہ سے اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو جب کہ وہ فاحشہ اور نافرمان نہیں ہے۔ یہ سارے احتمال ہو سکتے ہیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس عورت سے نیک صالح اولاد عطا فرمادے ان کو رفع عسی کی وجہ سے ہے ان اور فعل مصدر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ مفہوم صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مومن، مومنہ کو جدا نہ کرے اگر اس سے ایک خلق کو ناپسند کرے گا تو اس کی دوسری عادت سے خوش ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ عورت سے کلی طور پر بغض نہ رکھے جو اسے اس کے فراق پر برانگیختہ کردے۔ یعنی اس کے لیے یہ مناسب نہیں بلکہ اس کی برائی کو اس کی اچھائی کی وجہ سے معاف کردے اور اس کی ناپسندیدہ بات کو اس کی پسندیدہ باتوں کی وجہ سے برداشت کرے۔ مکحول نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرتا ہے پس اسے خیر دی جاتی ہے پس وہ اپنے رب پر شکوہ کرتا ہے پھر تھوڑے عرصہ بعد وہ دیکھتا ہے کہ اسے خیر دی گئی ہوتی ہے۔ ابن عربی نے ذکر کیا فرمایا: مجھے ابو القاسم بن حبیب نے خبر دی، انہوں نے ابو القاسم السیوری سے روایت کیا انہوں نے ابو بکر بن عبد الرحمن سے روایت کیا فرمایا: الشیخ ابو محمد بن ابی زید علم اور دین میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ اس کی بیوی بڑی بدسلوکی کرتی تھی، اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی تھی اور اپنی زبان کے ساتھ اسے اذیت دیتی تھی۔ شیخ صاحب کو بیوی کے معاملہ میں کہا گیا اور اس پر اتنا صبر کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں ایک ایسا شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بدن کی صحت، اپنی معرفت اور غلاموں کی نعمتیں کی ہیں شاید میرے گناہوں کی سزا اس کی صورت میں دی گئی ہو مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کو جدا کروں تو مجھ پر اس سے سخت سزا اور عقوبت نازل ہو۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس میں طلاق کی کراہت کی دلیل ہے اگرچہ مباح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مباح چیزوں میں سے کسی چیز کو ناپسند نہیں فرماتا سوائے طلاق اور کھانے کے۔ اللہ تعالیٰ معدہ کو ناپسند فرماتا ہے جب وہ بھر جاتا ہے۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

''اور اگر تم ارادہ کرلو کہ بدلو ایک بیوی کو پہلی بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال (زمانہ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرکے؟ اور کیوں کر (واپس) لیتے

ہو تم مال کو حالانکہ مل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ''۔

ان آیات میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ گزشتہ آیات میں اس جدائی کا حکم گزر چکا جس کا سبب عورت ہے اس صورت میں خاوند کے لیے اپنا مہر واپس لینا جائز تھا اب اس جدائی کا ذکر ہو رہا ہے جس کا سبب خاوند ہے۔ یہاں فرمایا کہ جب مرد، عورت کو بغیر بدخلقی اور سوء معاشرت کے اسے طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس سے مال طلب نہ کرے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کا اختلاف ہے کہ جب میاں، بیوی آپس میں جدائی کا ارادہ کرتے ہوں اور دونوں کی طرف سے نافرمانی اور سوء معاشرت کا مظاہرہ ہو، تو امام مالک نے فرمایا: خاوند کے لیے اس سے مال لینا جائز ہے جب جدائی کا سبب عورت بھی ہو، مرد کے سبب ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ ایک جماعت علماء کا قول ہے کہ اس کے لیے مال لینا جائز نہیں مگر یہ کہ عورت ہی خود نافرمانی کرتی ہو اور جدائی چاہتی ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا اس آیت میں مہر زیادہ رکھنے کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مثال نہیں دیتا مگر مباح چیز کے ساتھ۔ حضرت عمر نے خطاب فرمایا اور کہا: خبردار! عورتوں کے مہر میں غلو نہ کرو اگر مہر کی زیادتی دنیا میں باعث عزت ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعث تقویٰ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے زیادہ اس کے مستحق ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی کسی بیوی اور کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں رکھا (1)۔ ایک عورت کھڑی ہوئی اور کہا: اے عمر اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرماتا ہے اور تو ہمیں محروم کرتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اس عورت نے ٹھیک کہا، عمر نے غلطی کی۔ ایک روایت میں ہے حضرت عمر نے سر جھکا دیا پھر فرمایا: اے عمر! تجھ سے تمام لوگ زیادہ فقیہ ہیں۔ ایک روایت ہے: عورت نے ٹھیک کہا، مرد نے غلطی کی اور انکار کو ترک فرما دیا۔ اس حدیث کو ابو حاتم البستی نے اپنی مسند میں ابوالعجفاء سلمی سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عمر نے خطبہ دیا آگے بارہ اوقیہ تک روایت ذکر کی۔ عورت کے کھڑے ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ابوالعجفاء سے روایت کیا ہے اور بارہ اوقیہ کے بعد یہ ذکر کیا ہے کہ مرد کو عورت کا مہر بوجھل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل میں اس عورت کے لیے عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کہتا ہے: قد كلفتُ اِليكِ علق القربة او عرق القربه۔ مجھے تیری طرف سے مشکیزہ کے پانی کی تکلیف دی گئی ہے۔ میں پیدائشی عربی تھا میں علق القربة او عرق القربة کے متعلق نہیں جانتا تھا کہ یہ کیا ہے۔ جوہری نے کہا: علق القربة، عرق القربة میں ایک لغت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: علق القربة سے مراد مشکیزہ کی وہ رسی ہے جس کے ساتھ مشکیزہ کو لٹکایا جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے: كلفت اِليكَ حتى عصام القربة۔ مجھے تیری مشقت میں ڈالا گیا ہے حتیٰ کہ مشکیزہ کی رسی بھی میرے ذمہ ہے اور اس کا پانی بھی میری ذمہ داری ہے۔ کہتا ہے: حشِمت اليكِ حتى سافرت واحتجت الى عرق القِربة۔ اس جملہ میں عرق القربة سے مراد مشکیزہ کا پانی ہے اور یہی لفظ پانی کے بہاؤ کے لیے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، حدیث نمبر 1801، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 340

بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: لوگ پانی سفر میں ساتھ لے جاتے تھے اور اسے اونٹ پر لٹکا دیتے تھے اور اسے بانٹتے تھے تو سواری پر وہ شاق ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ العرق اور العلق دونوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اصمعی نے کہا: عرق القربة ایسا کلمہ ہے جس کا معنی شدت ہے اور فرمایا: میں نہیں جانتا کہ اس کی اصل کیا ہے۔ اصمعی نے کہا: میں نے ابن ابی طرفہ سے سنا، میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں سے یہ زیادہ فصیح ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شیوخ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لقیت من فلان عرقة القربة۔ یعنی میں نے فلاں سے تکلیف پائی اور اس نے ابن الاحمر کا یہ شعر پڑھا:

لَیْسَتْ بِمُشْتَمَةٍ تُعَدُّ وَ عَفْوُھا　　عَرَقُ السَّقاءِ علی القَعُود اللّاغِبِ

ابوعبیدہ نے کہا: شاعر کی مراد یہ ہے کہ وہ ایک کلمہ سنتا ہے جو اسے غضب ناک کرتا ہے وہ گالی بھی نہیں ہے کہ ایسے کہنے والے کا مؤاخذہ کیا جائے، حالانکہ مجھے اس حد تک پہنچایا گیا ہے جیسا کہ عرق القربة۔ شاعر نے عرق السقا کہا، کیونکہ شعری وزن درست نہیں رہتا تھا پھر کہا علق القعود واللاغب۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سفروں میں لوگ پیٹھ پر مشکیزہ لٹکاتے تھے۔ یہ معلیٰ اور فراء کے حکایت کردہ معنی کے مشابہ ہے۔ اس نے کہا: لوگ جنگلوں میں سفر کرتے تھے اور پانی ساتھ لے جاتے تھے اور اسے اونٹ پر لٹکا دیتے تھے اور اسے تقسیم کرتے تھے۔ یہ سواری پر مشقت اور تھکاوٹ کا باعث ہوتا تھا۔ فراء نے یہ علق کی تفسیر کی ہے۔ ایک قوم نے کہا: یہ آیت زیادہ مہر رکھنے کے جواز کو مہیا نہیں کرتی کیونکہ قنطار کے ساتھ تمثیل یہ مبالغہ کی جہت سے ہے گویا یوں فرمایا وآتیتم ھذا القدر العظیم الذی لا یؤتیه احد یعنی تم اتنی مقدار میں دو کہ کسی نے اتنی مقدار میں نہ دیا ہو۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرح ہے: من بنی لله مسجدا ولو کمفحص قطاة بنی الله له بیتا فی الجنة (جس نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائی اگرچہ وہ کونج کے گھونسلے کی طرح ہو تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر بنا دے گا) اور یہ معلوم شدہ بات ہے کہ کونج کے گھونسلے کی مقدار مسجد نہیں ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحدرد کو فرمایا تھا جب کہ وہ مہر کے سلسلہ میں مدد طلب کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہر کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ دو سو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا: گویا تم سونا چاندی پتھریلی زمین یا پہاڑ سے کاٹتے ہو۔ بعض لوگوں نے مہر زیادہ رکھنے سے منع فرمایا۔ یہ لازم نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نکاح کرنے والے پر انکار مہر زیادہ رکھنے کی وجہ سے نہ تھا انکار اس وجہ سے تھا کہ وہ اس حالت میں فقیر تھا اور مدد طلب کرنے اور سوال کرنے کا محتاج تھا اور یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ حضرت عمر نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کو جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، چالیس ہزار درہم مہر دیا تھا۔ ابو داؤد نے عقبة بن عامر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا: کیا تو خوش ہے کہ میں تیرا نکاح فلاں عورت سے کر دوں؟ اس شخص نے کہا: ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے کہا: کیا تجھے پسند ہے کہ میں فلاں سے تیرا نکاح کر دوں؟ اس عورت نے کہا: ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کر دیا۔ اس شخص نے اس عورت سے حقوق زوجیت ادا کیے اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا اور نہ اسے کچھ دیا (1)۔ یہ حدیبیہ میں موجود لوگوں میں سے تھا اس کو خیبر سے حصہ ملا تھا جب وہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً..... حدیث نمبر 1808، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شخص فوت ہونے لگا تو اس نے کہا: رسول الله ﷺ نے فلاں عورت سے میرا نکاح کیا تھا اور میں نے اس کا مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ میں نے اسے کوئی اور چیز دی تھی، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بطور مہر خیبر کا حصہ دیا، اس عورت نے وہ حصہ لے لیا اور اسے ایک لاکھ میں فروخت کیا۔ علماء کا اجماع ہے کہ مہر کی زیادتی کی کوئی حد نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا اور کم از کم مہر کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ کے تحت آئے گی۔ سورۃ آل عمران میں قِنْطَارًا کی تحدید کا قول گزر چکا ہے۔ ابن محیصن نے وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ کے الف وصل کے ساتھ پڑھا ہے یہ ایک لغت ہے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

تسمع من تحت العجاج لها ازْملا

اور ایک اور کا قول ہے۔

إن لم أقاتلْ فألبسوني بُرْقُعا

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا بکر بن عبد اللہ المزنی نے کہا: خلع کرنے والی عورت سے خاوند کچھ واپس نہ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَاْخُذُوْا اور اس کو سورۃ بقرہ کی آیت کے لیے ناسخ بنایا ہے۔ ابن زید وغیرہ نے کہا: یہ سورۃ بقرہ کی آیت وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا (بقرہ: 229) سے منسوخ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیات محکمہ ہیں نہ ان میں کوئی ناسخ ہے اور نہ کوئی منسوخ ہے، بلکہ ایک دوسرے پر مبنی ہیں۔ طبری نے کہا: یہ آیت محکمہ ہے بکر کے قول کا کوئی معنی نہیں۔ اگر عورت خود دینے کا ارادہ کرے تو نبی کریم ﷺ نے ثابت کے لیے جائز قرار دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے وہ لے لے جو اس نے اسے دیا تھا۔ بُهْتَانًا مصدر ہے حال واقع ہو رہا ہے۔ اِثْمًا اس کا عطف بُهْتَانًا پر ہے۔ مُّبِیْنًا، اِثْمًا کی نعت ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ، خلوت اختیار کرنے کے بعد مال لینے سے منع کی علت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الافضاء کا مطلب ہے مرد کا ایک لحاف میں عورت کے ساتھ ہونا خواہ اس نے حقوق زوجیت ادا کیے ہوں یا نہ کیے ہوں۔ یہ ہروی نے حکایت کیا ہے۔ اور کلبی کا بھی یہی قول ہے۔ فراء نے کہا الافضاء کا معنی مرد اور عورت کا خلوت اختیار کرنا اور جماع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور سدی وغیرہ نے کہا: اس آیت میں افضاء سے مراد جماع ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کریم ہے وہ کنایہ فرماتا ہے۔ اور لغت میں الافضاء کی اصل مخالطت ہے ملی جلی چیز کو فضا کہا جاتا ہے، شاعر نے کہا:

فقلتُ لها يا عمّتي لكِ ناقتي   وتَمْرٌ فَضًا في عَيْبَتي وزَبيب

کہا جاتا ہے: القوم فَوْضَی فَضًا یعنی لوگ ملے جلے ہیں ان کا کوئی امیر نہیں ہے۔ اَفْضٰی کا معنی خلوت اختیار کی ہے اگرچہ جماع نہ کیا ہو، تو کیا خلوت کی وجہ سے مہر ثابت ہو جائے گا یا نہیں؟ ہمارے علماء کے اس کے متعلق مختلف چار اقوال ہیں (۱) مہر صرف خلوت سے ثابت ہو جاتا ہے (۲) وطی سے مہر ثابت ہوتا ہے (۳) جس گھر میں عورت بھیجی گئی ہے اس میں خلوت سے

ثابت ہوتا ہے (۴) مرد اور عورت کے گھروں کے درمیان جدائی سے ثابت ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مطلقاً خلوت سے ثابت ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب کا یہی قول ہے۔ یہ فرماتے ہیں: جب خلوت صحیحہ ہو جائے تو پورا مہر اور عدت واجب ہو جاتی ہے، خواہ مرد نے عورت سے دخول کیا ہو یا دخول نہ کیا ہو۔ کیونکہ دار قطنی نے ثوبان سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عورت کا دوپٹہ کھولا اور اس کی طرف دیکھا تو مہر واجب ہے(1)۔ حضرت عمر نے کہا: جب دروازہ بند کیا، پردہ لٹکا دیا اور شرمگاہ کو دیکھا تو مہر واجب ہو گیا(2)۔ امام مالک نے فرمایا: جب وہ عورت کے ساتھ ایک طویل عرصہ ٹھہرا رہا مثلاً ایک سال وغیرہ۔ اور وہ دونوں متفق ہوں کہ جماع نہیں ہوا اور عورت پورا مہر طلب کرے تو اس کے لیے یہ ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: اس عورت پر عدت نہ ہوگی اور اسے نصف مہر ملے گا سورۂ بقرہ میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا اس کے متعلق تین اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ذریعے حاصل کیا ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ ان کی فروج کو حلال کیا ہے''۔ یہ عکرمہ اور ربیع کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ارشاد مراد ہے فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (بقرہ: 229) یہ حسن، ابن سیرین، قتادہ، ضحاک اور سدی کا قول ہے تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نکاح کا عقد ہے۔ مرد کہتا ہے: میں نے نکاح کیا اور میں نکاح کی عقد کا مالک ہوا۔ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ میثاق غلیظ سے مراد بچہ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾

''اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وہ معاف ہے) بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل اور بہت برا طریقہ تھا''۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا (اے ایمان والو! نہیں حلال تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی) کے نزول کے بعد اپنے باپ کی بیوی سے اس کی رضا سے نکاح کر لیتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی وَ لَا تَنْكِحُوْا الخ پس یہ تمام احوال میں حرام ہو گیا، کیونکہ نکاح کا اطلاق جماع اور نکاح کرنے پر ہوتا ہے۔ اگر باپ کسی عورت سے نکاح کرے یا اس سے وطی کرے بغیر نکاح کے بیٹے پر وہ عورت حرام ہو جائے گی۔ اس کا مزید بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا نَكَحَ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد عورتیں ہیں۔ بعض نے فرمایا: عقد ہے یعنی جو تمہارے آباء نے نکاح فاسد کیا جو اللہ کے دین کے مخالف تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی وجہ کو پختہ کیا اور اس کی

1۔ سنن دار قطنی، 3824　　2۔ ایضاً، 3819

شرائط کو واضح کر دیا ہے۔ یہ طبری کا مختار قول ہے۔ من، تَنْكِحُوْا کے متعلق ہے اور مَانَكَحَ مصدر ہے۔ فرمایا: اگر اس کا معنی یہ ہو کہ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا تو پھر ما کی جگہ من کا ہونا واجب تھا۔ اس بناء پر نہی اس پر واقع ہوئی کہ وہ اپنے باپ دادا کے فاسد نکاح کی طرح نکاح نہ کریں۔ پہلا قول اصح ہے۔ اور ما بمعنی الذی اور من ہو گا اس پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس آیت کو اس معنی پر محمول کیا اور بیٹوں کے لیے اپنے باپ دادا کی بیویوں سے نکاح کرنے سے استدلال کیا ہے۔ عرب میں ایسے قبائل تھے جن کی عادت تھی کہ باپ مر جاتا تو بیٹا اس کی بیوی (سوتیلی ماں) سے نکاح کر لیتا۔ یہی طریقہ انصار میں بھی تھا اور قریش میں یہ طریقہ باہم رضامندی پر مباح تھا، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عمرو بن امیہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا پھر اس سے مسافر یا ابو معیط کو اس نے جنم دیا اور پہلے امیہ سے اس کے بیٹے ابو العیص وغیرہ تھے۔ بنو امیہ، مسافر اور ابو معیط کے بھائی تھے اور ان کے چچے بھی تھے۔ اسی سے ہے کہ صفوان بن امیہ بن خلف نے اپنے باپ کے بعد اپنی سوتیلی ماں فاختہ بنت اسود بن مطلب بن اسد سے نکاح کیا تھا۔ امیہ قتل ہوا تھا جب کہ وہ اس کے عقد میں تھی۔ اس میں سے یہ ہے منظور بن زبان نے ملیکہ بنت خارجہ سے نکاح کیا تھا اور یہ پہلے اس کے باپ زبان بن سیار کے عقد میں تھی۔ حصن بن ابی قیس نے اپنے باپ کی بیوی کبیشہ بنت معن سے نکاح کیا تھا۔ اسود بن خلف نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا۔ اشعث بن سوار نے کہا: ابو قیس فوت ہوا اور یہ انصار کے نیک افراد میں سے تھا، اس کے بیٹے قیس نے اپنے باپ کی بیوی کو نکاح کا پیغام بھیجا، اس عورت نے کہا: میں تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتی ہوں اور آپ سے مشورہ طلب کرتی ہوں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور صورت حال عرض کی پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ عربوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنی بیٹیوں سے نکاح کیا تھا وہ حاجب بن زرارہ تھا، وہ مجوسی ہو گیا تھا اس نے یہ فعل شنیع کیا تھا اس کا ذکر نضر بن شمیل نے اپنی ''کتاب المثالب'' میں کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو منع فرمایا اس سے جس طریقہ پر ان کے آباء نکاح کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یعنی جو گزر چکا اور جو ہو چکا یعنی جو تمہارے باپ دادا اور قرابتداروں سے جو ہو چکا وہ معاف ہے۔ یہ استثنا منقطع ہے یعنی جو کچھ پہلے ہو چکا تم اس سے اجتناب کرو اور اسے چھوڑ دو۔ بعض علماء نے فرمایا: اِلَّا بمعنی بعد ہے یعنی بعد ما سلف۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (الدخان: 56) اس آیت میں اِلَّا بمعنی بعد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب لا ما سلف یعنی وہ نہیں جو ہو چکا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا۔ یعنی ولا خطا۔ بعض علماء نے فرمایا: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا معنی ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا اور بعض علماء نے فرمایا: اس آیت میں اضمار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ یعنی نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا) اگر تم ایسا کرو گے تو تم سے مواخذہ ہوگا اور تمہیں سزا دی جائے گی مگر جو ہو چکا وہ معاف ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا اس عمل کی مذمت فرمائی اس میں مبالغہ فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ اس نے جو فعل کیا وہ انتہائی قبیح اور برا ہے۔ ابو العباس نے کہا: میں نے ابن عربی سے نکاح المقت کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا: وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے نکاح کرے جب باپ اسے طلاق دے یا باپ مرجائے۔ ایسے شخص کو الضَیزَن کہا جاتا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: عربوں میں جب کوئی شخص اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرتا اور پھر اس عورت سے بچہ پیدا ہوتا تو اس بچے کو مقتی کہا جاتا تھا۔ المقت کی اصل البغض ہے۔ یہ مقت یمقت مقتاً فھو ممقوت و مقیتٌ سے مشتق ہے۔ اور باپ کی بیوی سے بچہ پیدا کرنے والے کو مقیت کہتے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو مقتاً فرمایا ہے، کیونکہ یہ مقت والا ہے۔ ایسا نکاح کرنے والے کو وہ بچہ لاحق ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت سے مراد نہی ہے اس بات سے کہ آدمی ایسی عورت سے وطی کرے جس سے اس کا باپ یا دادا وطی کر چکا ہو مگر جو زمانہ جاہلیت میں ان کے آباء جن عورتوں سے زنا کر چکے وہ معاف ہے، جب کہ وہ مناکحت کے اعتبار سے صحبت نہ تھی، کیونکہ تمہارے لیے ان سے نکاح جائز ہے اور تم عقد نکاح کے ذریعے وطی کر سکتے ہو جن سے تمہارے آباء نے زنا کے اعتبار سے وطی کی ہے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔ اس صورت میں استثنا متصل ہوگی اور اس میں اصل ہوگی کہ زنا حرام نہیں کرتا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ٘ وَ حَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟ۙ

''حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پارہی) ہیں ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں اور (حرام کی گئیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو بہنوں کو مگر جو گزر چکا (سو وہ معاف ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس آیت میں گیارہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ یعنی تم پر اپنی ماؤں سے نکاح کرنا اور اپنی بیٹیوں سے نکاح کرنا

حرام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان عورتوں کا ذکر فرمایا جن سے نکاح کرنا حلال ہے اور جن سے نکاح کرنا حرام ہے جیسا کہ باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کی حرمت ذکر کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سات عورتیں نسب کی وجہ سے اور چھ عورتیں حرمت رضاعت اور حرمت مصاہرت کی وجہ سے حرام کی ہیں اور سنت متواترہ نے ساتویں عورت کو اس کے ساتھ لاحق کیا ہے وہ ہے پھوپھی، بھتیجی کو جمع کرنا۔ اس پر اجماع ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: نسب کی وجہ سے سات عورتیں حرام ہیں اور حرمت مصاہرت کی وجہ سے سات عورتیں حرام ہیں پھر یہ آیت تلاوت کی۔ عمرو بن سالم مولی الانصار نے اس کی مثل کہا ہے اور فرمایا: ساتویں صورت اس ارشاد میں ہے وَّالْمُحْصَنٰتُ۔ اور وہ سات عورتیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ یہ ہیں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور وہ عورتیں جن کی حرمت کا سبب مصاہرت اور رضاعت ہے وہ سات ہیں رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں، عورتوں کی مائیں۔ کسی دوسرے مرد سے بیوی کی بیٹیاں، بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو جمع کرنا اور ساتویں وہ عورت جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں۔

امام طحاوی نے فرمایا: یہ تمام محکم اور متفق علیہ طور پر حرام ہیں ان میں سے کسی عورت سے بالاجماع نکاح کرنا جائز نہیں ہے مگر ان عورتوں کی مائیں جن کے ساتھ دخول نہیں ہوا۔ جمہور علماء سلف کا نظریہ یہ ہے کہ بیٹی سے عقد کرنے سے ماں حرام ہو جاتی ہے اور ماں، بیٹی کو حرام نہیں کرتی مگر جب ماں سے دخول ہو چکا ہو۔ تمام ائمہ فتویٰ کا یہی قول ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے کہا: ماں اور ربیبۃ (بیوی کی بیٹی جو دوسرے خاوند سے ہے) برابر ہیں ان میں سے کوئی ایک حرام نہیں ہوتی مگر دوسری سے صحبت کر لینے کے بعد۔ یہ علماء کہتے ہیں: اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔ یہ علماء کہتے ہیں: دخول کی شرط امہات اور ربائب تمام کی طرف راجع ہے۔ خلاس نے حضرت علی بن ابی طالب سے یہ روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت زید بن ثابت سے بھی مروی ہے۔ یہی ابن زبیر اور مجاہد کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: دونوں میں دخول مراد ہے۔ جمہور کا قول اس کا مخالف ہے۔ حکم اور فتویٰ جمہور کے قول پر ہے۔ اہل عراق نے اس میں سختی کی ہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا: اگر عورت سے زنا سے وطی کی یا شہوت کے ساتھ بوسہ دیا یا چھوا تو اس عورت کی بیٹی اس شخص پر حرام ہو جائے گی۔ مالکیوں اور شوافع کے نزدیک نکاح صحیح کے ساتھ حرام ہوگی۔ حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا جیسا کہ آگے آئے گا اور خلاس کی حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ علماء حدیث کے نزدیک اس کی روایت صحیح نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح، جمہور کے قول کے مثل مروی ہے۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطا سے پوچھا ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے پھر نہ اسے دیکھتا ہے نہ اس سے مجامعت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے طلاق دے دیتا ہے کیا اس شخص کے لیے اس عورت کی ماں حلال ہوگی؟ عطا نے کہا: نہیں۔ یہ مطلق ہے خواہ اس نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ میں نے عطا سے پوچھا کیا حضرت ابن عباس وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں نہیں۔ سعید نے قتادہ سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت مبہم ہے بیٹی پر عقد کی وجہ سے ماں حلال نہیں ہوگی۔ اسی طرح

مالک نے اپنے مؤطا میں حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے زید نے کہا: نہیں الامر (ماں) مبہم ہے اس میں شرط نہیں ہے۔ شرط صرف ربائب میں ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ صحیح ہے، کیونکہ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ کے ارشاد میں تمام عورتوں کی مائیں داخل ہیں۔ اس قول کی تائید اعراب کی جہت سے بھی ہوتی ہے جب دو خبریں عامل میں مختلف ہوں تو ان کی نعت ایک نہیں ہوتی اور نحویوں کے نزدیک مررت بنسائك وهربت من نساء زيد الظريفات اس بنا پر جائز نہیں کہ الظریفات، نسائك اور نساء زید کی نعت ہو۔ اسی طرح اس آیت میں اللاتی کا دونوں کی نعت ہونا جائز نہیں، کیونکہ دونوں خبریں مختلف ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے جائز ہے خلیل اور سیبویہ نے یہ شعر پڑھا ہے:

إنّ بِها أكْتَلَ أو رِزامَا خُوَيْرِبَيْنِ يَنْقُفانِ الهَامَا

یعنی اکتل اور رزام یعنی خویربان کھوپڑی کو توڑتے ہیں۔

اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے صراحۃً مروی ہے کہ "جب کوئی شخص عورت سے نکاح کرے تو اس کے لیے اس عورت کی ماں سے نکاح کرنا حلال نہیں خواہ بیٹی سے صحبت کر چکا ہو یا صحبت نہ کی ہو اور جب ماں سے نکاح کرے اور اس نے ابھی دخول نہ کیا ہو پھر اسے طلاق دے دے تو پھر اگر چاہے تو اس کی بیٹی سے نکاح کر لے"۔ اس حدیث کو صحیحین میں نقل کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب یہ ثابت ہو گیا، تو تو جان لے کہ تحریم، اعیان کی صفت نہیں اور نہ اعیان تحلیل و تحریم کا مورد ہیں نہ مصدر ہیں، امر و نہی کے ساتھ تکلیف کا تعلق مکلفین کے افعال کے ساتھ ہے، لیکن اعیان جب افعال کا مورد ہیں تو امر و نہی اور حکم کو ان کی طرف منسوب کیا گیا اور مجازاً ان کے ساتھ معلق کیے گئے محل کے اعتبار سے کہ فعل یہاں پایا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُمَّهٰتُكُمْ امہات کی حرمت ہر حال کو شامل ہے کسی وجہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اسی وجہ سے اہل علم اسے المبہم کہتے ہیں یعنی اس میں نہ باب ہے، نہ اس کی تحریم کو روکنے کا کوئی راستہ ہے۔ اسی طرح بیٹیوں اور بہنوں اور محرمات کی حرمت ہے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔ امہات، امہۃ کی جمع ہے کہا جاتا ہے۔ ام و امهة کا ایک معنی ہے۔ قرآن میں یہ دونوں لفظ آئے ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ام کی اصل امهة ہے فعلة کے وزن پر جیسے قبرة و حمرة یہ دو پرندوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ پہلے ۃ ساقط ہو گئی پھر جمع میں واپس آ گئی شاعر نے کہا:

أمَّهتي خِنْدِفُ والدَّوْسُ أبِي

بعض علماء نے فرمایا: ام کی اصل امۃ ہے، انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے:

تقبلتَها عن أمّةٍ لك طالما تَثُوبُ إليها في النوائب أجمعا

اور اس کی جمع امات ہو گی۔ جرواہے نے کہا تھا۔

كانت نَجائبُ مُنْذِرٍ و مُحَرِّقٍ أُمَّاتِهِنَّ وطَرْقُهُنَّ فَحِيلَا

پس الام کا لفظ ہر مونث کا اسم ہے جس کے لیے تجھ پر ولادت کا رشتہ ہو۔ پس اس میں قریبی والدہ اس کی والدہ اور اس کی

دادی، باپ کی والدہ اور دادی سب داخل ہیں اگرچہ بہت اوپر کی ہوں اور البنت ہر اس مؤنث کا نام ہے تیرے لیے اس پر ولادت کا رشتہ ہو۔ اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے: ہر وہ مؤنث جس کا نسب تیری طرف ولادت کی وجہ سے لوٹے خواہ ایک درجہ ہو یا زیادہ درجات ہوں، پس اس میں صلبی بیٹی، اس کی بیٹیاں، بیٹوں کی بیٹیاں اگرچہ بہت نیچے کی ہوں سب داخل ہیں۔ الاخت ہر اس مؤنث کا اسم ہے تیرے دونوں اصلوں میں تیری پڑوسی ہو یا ایک اصل میں تیری پڑوسی ہو۔ بنات، جمع ہے بنت کی اس کی اصل بنیة ہے اور مستعمل ابنة اور بنت ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: بنت کی با کو کسرہ دیا گیا ہے تاکہ یا پر دلالت کرے اور اخت میں ہمزہ پر ضمہ دیا گیا ہے تاکہ واؤ کے حذف پر دلالت کرے، کیونکہ اخت کی اصل اخوة ہے اور جمع اخوات ہے اور العمة ہر مونث کا اسم ہے جو تیرے باپ یا تیرے دادا کے ساتھ اس کی دونوں اصل میں شریک ہو یا ایک اصل میں شریک ہو اگر تو چاہے تو یہ کہہ سکتا ہے ہر مذکر جس کا نسب تیری طرف لوٹے تو اس کی بہن تیری پھوپھی ہے کبھی پھوپھی ماں کی جہت سے ہوتی ہے یہ تیری ماں کے باپ کی بہن ہے۔ خالہ ہر اس مونث کا اسم ہے جو تیری ماں کے ساتھ دونوں اصلوں میں شریک ہو یا ایک اصل میں شریک ہو۔ اگر چاہے تو کہہ سکتا ہے ہر وہ مونث جس کا نسب تیری طرف ولادت کے ساتھ لوٹے تو اس کی بہن تیری خالہ ہے کبھی خالہ باپ کی جہت سے ہوتی ہے وہ تیرے باپ کی ماں کی بہن ہے اور بنت الاخ ہر اس مونث کا اسم ہے تیرے بھائی کا اس پر ولادہ کا رشتہ ہو بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو۔ اور اسی طرح بنت الاخت (بھانجی) ہے۔ یہ سات عورتیں ہیں جن کی حرمت کا سبب نسب ہے نافع نے اور ایک روایت میں ابوبکر بن ابی اویس نے الاخ کی وجہ سے خا کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جب اس میں الف، لام ہو حرکت کے نقل کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 4۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ یہ تحریم میں ان کی طرح ہیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رضاعت کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ عبد الله نے وامهاتكم الائی بغیر تا کے پڑھا ہے جیسے الله تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ الّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ (الطلاق: 4) شاعر نے کہا:

من اللَّاءِ لم یحجُجْنَ یَبْغِین حِسْبَةً　　ولکن لیقتُلنَ البَرِیَ المغَفَّلا

اَرْضَعْنَكُمْ جب عورت بچے کو دودھ پلا دے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی ماں بن جاتی ہے اور اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی بہن ہو جاتی ہے اور اس کی بہن حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی خالہ بن جاتی ہے اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی نانی بن جاتی ہے اور اس کے خاوند کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی بہن بن جاتی ہے اور اس خاوند کی بہن حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی پھوپھی بن جاتی ہے اور اس خاوند کی ماں حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی دادی بن جاتی ہے اور اس عورت کے بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں حرام ہو جاتی ہیں، کیونکہ وہ اس کے بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیاں بن جاتی ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابونعیم عبید الله بن ہشام الحلبی نے کہا: امام مالک سے پوچھا گیا: کیا عورت حج کرے اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ؟ امام مالک نے فرمایا: ہاں۔ ابونعیم نے کہا: امام مالک سے پوچھا گیا: ایک عورت نے شادی کی اس کے خاوند

نے اس کے ساتھ صحبت کی پھر ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میں نے ان دونوں (میاں، بیوی) کو دودھ پلایا تھا۔ امام مالک نے فرمایا: انہیں جدا کر دیا جائے اور جو کچھ عورت نے مرد سے مہر لیا تھا وہ اس کا ہوگا اور جو باقی ہے وہ اس خاوند پر باقی نہ رہے گا۔ پھر امام مالک نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کہا تھا۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بوڑھی عورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں نے اپنی بہن سے نکاح کیا ہے؟

مسئلہ نمبر 6۔ رضاع سے حرمت تب ثابت ہوتی ہے جب کہ دو سال کے دوران دودھ پلایا جائے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ہمارے نزدیک قلیل دودھ پلانے یا زیادہ دودھ پلانے کے درمیان کوئی فرق نہیں جب معدہ تک دودھ پہنچ جائے گا اگرچہ ایک گھونٹ بھی ہوگا تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ امام شافعی نے دودھ پلانے میں دو شرائط کا اعتبار کیا ہے ایک شرط پانچ چسکیاں، کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے ”جو اللہ نے نازل فرمایا اس میں تھا کہ دس معلوم چسکیاں حرام کر دیتی ہیں پھر پانچ چسکیوں کے ساتھ دس والا حکم منسوخ ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا جب کہ یہ قرآن سے پڑھی جاتی تھیں“۔ اس سے استدلال یہ ہے کہ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ دس چسکیاں، پانچ کے ساتھ منسوخ ہو گئیں اگر تحریم پانچ سے کم چسکیوں کے ساتھ معلق کریں تو یہ پانچ کے لیے نسخ ہوں گی اور اس میں خبر واحد اور قیاس قبول نہیں ہوتا، کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نسخ واقع نہیں ہوتا اور سہلہ کی حدیث میں ہے ”تو اسے (سالم) پانچ چسکیاں دودھ پلا دے وہ ان کی وجہ سے حرام ہو جائے گا“۔ دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پلانا دو سال میں ہو۔ اگر دو سال سے زائد عمر میں دودھ پلایا جائے گا تو حرمت ثابت نہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (بقرہ:233) تمام اور کمال کے بعد کوئی چیز نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ نے اڑھائی سال کا اعتبار کیا ہے اور امام مالک نے ایک ماہ زائد کا اعتبار کیا ہے۔ امام زفر نے کہا: جب تک وہ دودھ پیتا ہے اور اس کا دودھ چھڑایا نہیں گیا تو وہ رضاع ہے اگرچہ اس پر تین سال بھی گزر چکے ہوں۔ اوزاعی نے کہا: جب ایک سال بعد دودھ چھڑا دیا گیا ہو پھر متواتر دودھ چھوٹا ہی رہے تو اس کے بعد رضاع ثابت نہ ہوگا۔ لیث بن سعد علماء کے درمیان منفرد ہیں۔ وہ کہتے ہیں: بڑے کو دودھ پلانا بھی حرمت کا موجب ہے۔ یہ حضرت عائشہ کا قول ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے بھی روایت ہے اور حضرت ابوموسیٰ سے اس سے رجوع بھی مروی ہے۔ یہ ابوحصین نے ابوعطیہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: ایک شخص مدینہ طیبہ سے اپنی بیوی کے ساتھ آیا اس نے بچہ جنم دیا اور اس کے پستان پھول گئے تھے۔ پس اس کے خاوند نے اسے چوسنا شروع کر دیا اور کلی کرنا شروع کر دیا تو دودھ کا گھونٹ اس کے پیٹ میں چلا گیا اس نے حضرت ابوموسیٰ سے مسئلہ پوچھا تو حضرت ابوموسیٰ نے کہا: تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی اور تو حضرت ابن مسعود کے پاس جا اور اسے یہ مسئلہ بتا۔ اس شخص نے ایسا کیا حضرت ابن مسعود اس اعرابی کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ کے پاس آئے اور کہا: کیا تم اس سفید، سیاہ بالوں والے کو رضیع خیال کرتے ہو! حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب دودھ گوشت اور ہڈیوں کو بڑھاتا ہے اشعری نے کہا: تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو جب کہ تمہارے درمیان یہ بہت بڑا عالم موجود ہے۔ پس ”پس تم نہ پوچھا کرو“ کے الفاظ دلیل ہیں کہ آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سالم مولیٰ ابن

حذیفہ کے واقعہ سے حجت پکڑی ہے کہ وہ اس وقت مرد تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ بنت سہیل کو کہا تھا کہ تو اسے دودھ پلا دے۔ اس حدیث کو مؤطا وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔ ایک طائفہ نے شاذ قول کیا ہے اور دس چسکیاں پینے کا اعتبار کیا ہے انہوں نے عشر رضعات جو قرآن میں تھا اس کا اعتبار کیا ہے گویا انہیں ناسخ نہیں پہنچا تھا۔ داؤد نے کہا: حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی مگر تین چسکیاں پینے کے ساتھ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے حجت پکڑی ہے ''ایک چسکی اور دو چسکیاں حرمت رضاعت کو ثابت نہیں کرتی ہیں'' اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ یہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن زبیر سے مروی ہے۔ یہی امام احمد، اسحاق، ابوثور اور ابوعبید کا قول ہے۔ یہ دلیل الخطاب سے تمسک (دلیل پکڑنا) ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ان علماء کے علاوہ ائمہ فتویٰ کا یہ نظریہ ہے کہ ایک گھونٹ بھی حرام کر دیتا ہے جب یقین ہو جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے انہوں نے کم از کم مقدار جس پر رضاع کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے اس سے حجت پکڑی ہے۔ اس کی تائید، اہل مدینہ کے عمل سے اور مصاہرت پر قیاس کے ساتھ کی گئی ہے، اس علت کے ساتھ کہ یہ لاحق ہونے والا معنی ابدی تحریم کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس میں عدد شرط نہیں ہے جس طرح مصاہرت میں عدد شرط نہیں ہے۔ لیث بن سعد نے کہا: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ دودھ تھوڑا پینا اور زیادہ پینا، پنگھوڑے میں حرام کر دیتا ہے جو روزہ دار کے روزہ کو افطار کر دیتا ہے۔ ابوعمر نے کہا: لیث اس کے خلاف پر آگاہ نہیں تھے۔ میں کہتا ہوں: اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: لا تحرم المصة ولا المصتان (ایک اور دو چسکیاں حرام نہیں کرتی ہیں) نص ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے یہ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ کی تفسیر کرتا ہے۔ یعنی وہ تمہیں تین چسکیاں پلائیں یا زیادہ مگر یہ ممکن ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے جب دودھ کا بچے کے پیٹ میں پہنچنا متحقق نہ ہو، کیونکہ دس معلوم چسکیوں اور پانچ معلوم چسکیوں کا ارشاد موجود ہے پس معلوم کے ساتھ وصف ذکر فرمایا یہ پیٹ میں دودھ کے پہنچنے میں شک اور وہم سے بچنے کے لیے ہے۔ دلیل خطاب اس کو فائدہ دیتی ہے کہ چسکیاں جب غیر معلوم ہوں تو حرام نہیں کرتیں۔ واللہ اعلم۔ امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ املاجة والا ملاجتین والی حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن زبیر کبھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں، کبھی حضرت عائشہ سے روایت فرماتے ہیں، کبھی اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں اس قسم کا اضطراب حدیث کو حجت ہونے سے ساقط کر دیتا ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ صرف سات چسکیاں پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بہن حضرت ام کلثوم کو حکم دیا کہ وہ سالم کو دس چسکیاں پلا دے۔ حضرت حفصہ سے اس کی مثل مروی ہے ان سے تین چسکیاں پلانا بھی اور پانچ چسکیاں پلانا بھی مروی ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اسحاق سے یہ حکایت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ جن علماء نے نر کے دودھ کی نفی کی ہے انہوں نے اس جملہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، ابوسلمہ بن عبدالرحمن کا قول ہے۔ یہ علماء فرماتے ہیں: نر کا دودھ مرد کی طرف سے کسی چیز کو حرام نہیں کرتا۔ اور جمہور علماء فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ دلیل ہے کہ نر باپ ہے، کیونکہ دودھ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے سبب دودھ دیتا ہے یہ ضعیف ہے، کیونکہ بچہ مرد

اور عورت دونوں کے پانی سے پیدا ہوا ہوتا ہے اور دودھ عورت سے ہوتا ہے مرد سے دودھ نہیں نکلتا اور مرد کی طرف سے وطی ہوتی ہے جو مرد سے پانی کے نزول کا سبب ہے۔ جب بچہ ماں سے جدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دودھ پیدا فرماتا ہے کسی اعتبار سے مرد کی طرف مضاف نہیں ہوتا اسی وجہ سے مرد کو دودھ میں کوئی حق نہیں ہے۔ دودھ عورت کے لیے ہوتا ہے پانی پر قیاس سے اس کو لینا ممکن نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (1) (جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاع سے بھی حرام ہوتے ہیں) یہ رضاع کی وجہ سے تحریم کا تقاضا کرتا ہے اور مرد کی طرف رضاع کی نسبت کی وجہ اس طرح ظاہر نہیں ہوتی جس طرح پانی کی نسبت مرد کی طرف اور رضاع کی نسبت عورت کی طرف ظاہر ہوتی ہے ہاں اس میں اصل زہری، ہشام بن عروہ عن عائشہ کے سلسلہ سے مروی حدیث ہے کہ افلح ابی قعیس کا بھائی حضرت عائشہ کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا، وہ حضرت عائشہ کا رضاعی چچا تھا یہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے تو حضرت عائشہ نے کہا: میں اسے اجازت نہیں دیتی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے مسئلہ عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تیرے پاس آنا چاہیے، کیونکہ وہ تمہارا چچا ہے تربت یمینك، ابوالقعیس اس عورت کا خاوند تھا جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا۔ یہ بھی خبر واحد ہے یہ بھی احتمال ہے کہ افلح نے حضرت ابوبکر کے ساتھ دودھ پیا ہو اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہو: وہ تیرے پاس داخل ہو، کیونکہ وہ تمہارا چچا ہے۔ بہر حال اس میں حتمی قول کرنا مشکل ہے اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن عمل اس پر ہے اور تحریم میں احتیاط بہتر ہے جبکہ یہ ارشاد بھی موجود ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (اس کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں) یہ مخالف کے قول کو تقویت دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اس سے مراد سگی بہن ہے اور وہ بہن ہے جس کو تیرے باپ کے دودھ سے تیری ماں نے دودھ پلایا ہے خواہ اس کو تیرے ساتھ دودھ پلایا ہو یا وہ تجھ سے پہلے پیدا ہوئی ہو یا بعد میں اور وہ جو صرف باپ کی طرف سے تیری بہن ہے اور وہ وہ ہے جس کو تیرے باپ کی بیوی نے دودھ پلایا ہے اور صرف ماں کی طرف سے بہن یہ وہ ہے جس کو تیری ماں نے کسی دوسرے مرد کے دودھ سے دودھ پلایا ہے پھر حرمت مصاہرت کا ذکر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ تمہاری بیویوں کی مائیں۔ مصاہرت کے سبب حرام ہونے والی عورتیں چار ہیں، بیوی کی ماں، بیوی کی بیٹی، باپ کی بیوی، بیٹے کی بیوی اور بیوی کی ماں، بیٹی سے عقد صحیح سے حرام ہو جاتی ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ یہ ایک مستقل کلام ہے اور مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ کا ارشاد پہلے فریق کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ یہ ربائب کی طرف راجع ہے، کیونکہ یہ قریب مذکور ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور بیبۃ خاوند کی بیوی کی بیٹی جو پہلے خاوند سے ہو اس کو ربیبۃ اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنی گود میں اس کی تربیت کرتا ہے پس یہ مربوبۃ ہے۔ فعیلۃ بمعنی مفعولۃ ہے۔ فقہاء نے اتفاق کیا ہے کہ ربیبۃ اپنی ماں کے خاوند پر حرام ہوتی ہے جب وہ ماں سے صحبت کر لیتا ہے اگرچہ ربیبۃ اس کی پرورش میں نہ بھی ہو۔ بعض متقدمین اور اہل ظواہر نے شاذ

1۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب مایحرم من الرضاع، حدیث نمبر 3248، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

قول کیا ہے کہ ربیبۃ اس مرد پر حرام نہیں ہوتی مگر جب کہ وہ اس شخص کی پرورش میں ہو جس نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے اگر وہ بچی دوسرے شہر میں ہو اور ماں کو وہ دخول کے بعد جدا کر دے تو اس شخص کے لیے اس بچی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ انہوں نے اس آیت سے حجت پکڑی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ربیبۃ کو دو شرطوں کے ساتھ حرام کیا ہے (۱) وہ ماں سے نکاح کرنے والے کی پرورش میں ہو، دوسری یہ کہ وہ ماں سے دخول کر چکا ہو۔ جب ان دو شرطوں میں سے ایک مفقود ہو تو تحریم نہیں پائی جائے گی اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی حجت پکڑی ہے کہ ''اگر یہ میری گود میں پرورش نہ پاتی تب بھی میرے لیے حلال نہ تھی، کیونکہ یہ میرے رضائی بھائی کی بیٹی ہے'' (1)۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں پرورش کو شرط قرار دیا ہے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی اجازت روایت کی ہے۔ ابن المنذر اور طحاوی نے کہا کہ رہی حضرت علی کی حدیث تو وہ ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس کا راوی ابراہیم بن عبید غیر معروف ہے اور اکثر اہل علم نے اس کو دور کیا ہے اور اس کے خلاف قول کیا ہے۔ ابوعبید نے کہا: اس کو فلا تعرضن علی بناتکن ولا اخوتکن دور کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عام فرمایا ہے اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اپنی وہ بیٹیاں پیش نہ کرو جو میری گود میں ہیں بلکہ تحریم میں سب کو برابر کیا۔ امام طحاوی نے فرمایا: گود میں ہونے کی اضافت غالب طور پر ہے کہ وہ ربائب ہوتی تھیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گود میں پرورش نہ پا رہی ہوں تو حرام ہی نہیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی ماں کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنے میں تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے جب تم انہیں طلاق دے دو یا وہ مر جائیں۔ علماء کا اجماع ہے کہ آدمی جب ایک عورت سے نکاح کرے پھر اسے طلاق دے دے یا وہ دخول سے پہلے مر جائے تو اس آدمی کے لیے اس عورت کی بیٹی سے نکاح کرنا حلال ہے، امہات کے ساتھ دخول میں اختلاف ہے جس سے ربائب کی تحریم واقع ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا دخول سے مراد جماع ہے۔ طاؤس اور عمرو بن دینار وغیرہما کا یہی قول ہے۔ امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ، اوزاعی اور لیث کا اتفاق ہے کہ جب عورت کو شہوت کے ساتھ چھو لے تو اس پر اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی اور وہ عورت اس کے باپ اور اس کے بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ دیکھنے میں اختلاف ہے امام مالک نے فرمایا: جب اس کے بالوں یا سینے کو یا دوسرے محاسن کو لذت کے لیے دیکھا تو اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی۔ کوفیوں نے کہا: جب اس کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھے گا تو یہ شہوت سے چھونے کے قائم مقام ہوگا۔ ثوری نے کہا: جب وہ اس کی فرج کی طرف جان بوجھ کر دیکھے گا یا اسے چھوئے گا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ انہوں نے شہوت کا ذکر نہیں کیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: دیکھنے سے حرام نہ ہوگی حتیٰ کہ چھو لے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے: دلیل اس پر کہ دیکھنے سے تحریم واقع ہو جاتی ہے، یہ ہے کہ اس میں استمتاع کی ایک قسم ہے پس یہ نکاح کے قائم مقام ہوگا کیونکہ احکام معانی سے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ الفاظ کے۔ یہ کہنے کا بھی احتمال ہے کہ یہ استمتاع کے ساتھ جمع ہونے کی ایک نوع ہے، کیونکہ دیکھنا اجتماع اور ملاقات ہے اس میں محبت کرنے والوں کے درمیان استمتاع ہے۔ شعراء نے اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح باب امہاتکم التی ارضعنکم، حدیث نمبر 4711، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں مبالغہ کیا ہے:

أليس الليل يجمع أم عمرو　　وإيانا فذاك بنا تدانِ

نعم ترى الهلال كما أراهُ　　ويعلوها النهار كما علانِ

تو پھر دیکھنے، مل کر بیٹھنے، باتیں کرنے اور لذت میں یہ کیفیت کیسے نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمْ، الحلائل جمع ہے حلیلة کی۔ اس سے مراد بیوی ہے بیوی کو حلیلہ اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ تحل مع الزوج حیث حل یعنی یہ خاوند کے ساتھ اترتی ہے جہاں وہ اترتا ہے یہ فعیلہ بمعنی فاعلة ہے۔ زجاج اور ایک اور قوم کا یہ نظریہ ہے کہ یہ لفظ الحلال سے ہے یہ حلیلہ بمعنی محللہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ نام اس کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ میاں، بیوی سے ہر ایک دوسرے کا ازار کھولتا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ علماء کا اجماع ہے باپ، دادا جن عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہ بیٹوں پر حرام ہو جاتی ہیں اور جس سے بیٹے نکاح کرتے ہیں وہ باپ، دادا پر حرام ہو جاتی ہیں خواہ نکاح کے ساتھ وطی ہو یا نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک نکاح فاسد کرے تو دوسرے پر اس سے عقد کرنا حرام ہوگا جس طرح عقد صحیح سے حرام ہوتا ہے، کیونکہ نکاح فاسد یا تو ایسا ہوگا کہ اس کے فساد پر اتفاق ہوگا یا اس میں اختلاف ہوگا۔ اگر اس کے فساد پر اتفاق ہو تو وہ حکم کو ثابت نہیں کرتا اور اس کا وجود نہ ہونے کی طرح ہوتا ہے اگر اس میں اختلاف ہے تو اس کے ساتھ وہ حرمت متعلق ہوتی ہے جو نکاح صحیح کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، کیونکہ احتمال ہے کہ وہ نکاح صحیح ہو پس وہ مطلق اللفظ کے تحت داخل ہوگا۔ اور فروج جب ان میں تحریم و تحلیل کا تعارض ہو تو تحریم کو غلبہ دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن المنذر نے کہا: علماء امصار کا اجماع ہے کہ جب کوئی شخص نکاح فاسد کے ساتھ عورت سے وطی کرے تو اس کے باپ اور بیٹے پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے اور ذیل کے مسئلہ پر علماء کا اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ لونڈی کو کسی کا خریدنا اسے اس کے باپ اور بیٹے پر حرام نہیں کرتا، جب کوئی شخص لونڈی خریدے پھر اسے چھوئے یا بوسہ دے تو وہ اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔ میں ان علماء کو نہیں جانتا جو اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوں۔ ابن المنذر نے کہا: جو کچھ ہم نے کہا کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف صحیح مروی نہیں۔ یعقوب اور محمد نے کہا: جب کوئی شخص کسی عورت کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھے تو وہ عورت اس کے باپ اور اس کے بیٹے پر حرام ہو جائے گی اور اس شخص پر اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی۔ امام مالک نے فرمایا: جب لونڈی سے وطی کرے یا وطی کے لیے اس کے پاس بیٹھے اور اس کا پردہ بکارت نہ پھاڑے یا اسے بوسہ دے یا اس کے جسم کے ساتھ جسم لگائے یا اسے ہاتھ لگائے اور یہ بطور تلذذ ہو تو اس کے بیٹے کے لیے وہ حلال نہ ہوگی۔ امام شافعی نے فرمایا: چھونے سے حرام ہوگی نظر سے حرام نہ ہوگی۔ یہی قول اوزاعی کا بھی ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ زنا سے وطی میں اختلاف ہے کہ کیا وہ حرام کرے گا یا نہیں؟ اکثر علماء کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی

عورت سے زنا کرے تو اس پر اس سے اس کی وجہ سے نکاح کرنا حرام نہ ہوگا اسی طرح اس پر اس کی بیوی حرام نہ ہوگی جب وہ بیوی کی ماں یا بیٹی سے زنا کرے گا اور اس پر حد لگائی جائے گی پھر وہ اپنی بیوی سے صحبت کرے گا اور جس نے ایک عورت سے زنا کیا پھر اس کی ماں یا بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو وہ دونوں اس وجہ سے اس پر حرام نہ ہوں گی اور ایک جماعت نے کہا کہ وہ حرام ہو جائے گی۔ یہ قول عمران بن حصین سے مروی ہے یہی قول امام شعبی، عطا، حسن، سفیان ثوری، احمد، اسحاق اور اصحاب رائے کا ہے۔ امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ زنا ماں اور بیٹی کو حرام کر دیتا ہے اور یہ حلال وطی کے قائم مقام ہے۔ یہ اہل عراق کا قول ہے اور امام مالک اور اہل حجاز کا صحیح قول یہ ہے کہ زنا کا کوئی حکم نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ اور جس سے زنا ہوا ہے وہ اس کی عورتوں کی ماؤں سے نہیں ہے نہ اس کی ربائب بیٹیوں میں سے ہے۔ یہ امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے، کیونکہ جب زنا کی وجہ سے مہر، عدت کا وجوب، میراث، لحوق الولد کا حکم اٹھ گیا اور حد واجب ہوئی تو اس کے لیے جائز نکاح کا حکم بھی اٹھ گیا۔ دارقطنی سے زہری عن عروہ عن عائشہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا پھر وہ اس عورت سے یا اس کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام۔ حلال کو حرام نہیں کرتا حرام وہ وطی کرتی ہے جو نکاح سے ہو۔

اور دوسرے قول کی حجت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جریج کے متعلق خبر دینا ہے جب جریج نے اس بچے سے پوچھا اے بچہ! تیرا باپ کون ہے؟ تو بچہ بول پڑا اس نے کہا: فلاں چرواہا۔ یہ دلیل ہے کہ زنا بھی حرام کرتا ہے جس طرح حلال وطی حرام کرتی ہے پس جس عورت سے زنا کیا گیا وہ اور اس کی بیٹی زانی کے باپ، دادا اور اس کے بیٹوں کے لیے حلال نہیں ہے۔ یہ ابن القاسم کی روایت المدونۃ میں ہے۔ اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ زانی کے پانی سے ہونے والی اس کی ماں سے زنا کرنے والے کے لیے حلال نہیں ہے۔ یہ مشہور ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جس نے عورت اور اس عورت کی بیٹی کی فرج کو دیکھا۔ آپ نے حلال اور حرام کے درمیان فرق نہیں فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جس نے عورت (ماں) اور بیٹی دونوں کا پردہ کھولا''۔ ابن خویز منداد نے کہا: اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بوسہ اور استمتاع کی تمام صورتیں حرمت کو پھیلاتی ہیں۔ عبدالملک الماجشون نے کہا: وہ حلال ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا (الفرقان: 54) یعنی نکاح صحیح کے ساتھ نسب اور سسرال بنائے اس کی تفصیل سورۂ الفرقان میں آئے گی۔ ان دو مسئلوں پر حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جریج کے بارے میں حکایت کی کہ اس نے زانی کے بیٹے کو زانی کی طرف منسوب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت کی تصدیق فرمائی کہ اس نے خلاف عادت بچہ کو اس کی شہادت دینے کے لیے قوت گویائی عطا فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جریج سے مدح اور اظہار کرامت کے طور پر بیان فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کی تصدیق اور اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کے ساتھ یہ نسبت صحیح ہے پس بنوت اور اس کے احکام ثابت ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ زنا کی صورت میں بنوت، ابوت کے احکام جاری ہوں گے مثلاً توراث،

ولایات وغیرہ، جب کہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ان کے درمیان توارث نہیں ہے تو پھر یہ نسبت کیسے صحیح ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ اس کا موجب ہے اور وہ احکام جن پر اجماع ہے ہم نے ان کی استثنا کی ہے اور دوسروں کو باقی رکھا ہے اس دلیل کی اصل پر۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 15۔ لواطت کرنے والے کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ لواطت کرنے والے سے نکاح حرام نہیں۔ ثوری نے کہا: جب کسی لڑکے سے کوئی ملاعبت کرے تو اس پر اس کی ماں حرام ہوگی۔ یہ امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔ انہوں نے فرمایا: جس نے اپنی عورت کے بیٹے، عورت کے باپ یا عورت کے بھائی سے لواطت کی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ امام اوزاعی نے کہا: جو کوئی کسی لڑکے سے لواطت کرے پھر جس سے لواطت کی گئی ہے اس کی لڑکی پیدا ہو تو لواطت کرنے والے کے لیے اس لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کی بیٹی ہے جس کے ساتھ وہ دخول کر چکا ہے یہ امام احمد کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یہ تخصیص ہے تا کہ اس سے ہر وہ شخص خارج ہو جائے جس کو عرب متبنیٰ بتاتے ہیں جو صلب سے نہیں ہوتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ کی (مطلقہ) بیوی سے نکاح کیا تو مشرکین نے کہا: اس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا متبنیٰ بنایا تھا جیسا کہ اس کا بیان سورۃ الاحزاب میں آئے گا۔ رضاعی بیٹے کی بیوی حرام ہے اگرچہ وہ بھی صلب سے نہیں ہوتا۔ اس پر اجماع ہے اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ (1) رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 17۔ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ اس کا عطف حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ پر ہے اس وجہ سے اَنْ محل رفع میں ہے اور دو بہنوں کا لفظ تمام صورتوں کو شامل ہے خواہ انہیں نکاح کے ساتھ جمع کیا جائے یا ملک یمین کے ساتھ جمع کیا جائے اور امت کا اجماع ہے کہ اس آیت کی وجہ سے ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا ممنوع ہے، اور اس کی دوسری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے لا تعرض علی بناتکن ولا اخواتکن (2) تم مجھ پر اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں پیش نہ کرو۔ اور ملک یمین میں دو بہنوں کو جمع کرنے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ملکیت کے ذریعے وطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ ملکیت میں ویسے جمع کرنا بالاجماع جائز ہے۔ اسی طرح ماں اور بیٹی کو ایک سودے میں خریدنا جائز ہے، لیکن جس لونڈی سے وطی کی گئی ہو اس کی بہن سے نکاح کرنے میں اختلاف ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: جب وہ اپنی لونڈی سے ملک یمین کی وجہ سے وطی کر چکا ہو تو اس کے لیے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: ملک یمین، بہن کے نکاح سے مانع نہیں۔ ابو عمر نے کہا: جنہوں نے عقد نکاح کو شرا (خریدنا) کی طرح بنایا انہوں نے اس کی اجازت دی اور

1۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاع، حدیث نمبر 3248، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب وربائبکم اللاتی فی حجورکم الخ، حدیث نمبر 4715، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جنہوں نے اس کو وطی کی طرح بنایا تو انہوں نے جائز قرار نہیں دیا۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ یعنی دونوں کو عقد نکاح کے ذریعے جمع کرنا حرام ہے پس تم ٹھہر جاؤ جس پر علماء نے اجماع کیا اور جس میں اختلاف کیا ان شاء اللہ درست نظریہ تیرے لیے واضح ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 18۔ اہل ظواہر نے ایک علیحدہ نظریہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا: وطی میں ملک یمین کے ذریعے دو بہنوں کو جمع کرنا جائز ہے جس طرح ملکیت میں ان کو جمع کرنا جائز ہے اور انہوں نے اس روایت سے حجت پکڑی ہے جو ملک یمین سے دو بہنوں کو جمع کرنے کے متعلق حضرت عثمان سے مروی ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: ایک آیت نے ان دونوں کو حرام کیا اور ایک آیت نے دونوں کو حلال کیا۔ یہ عبدالرزاق نے ذکر کی ہے۔ عبدالرزاق نے کہا: ہمیں معمر نے بتایا انہوں نے زہری سے روایت کیا انہوں نے قبیصہ بن ذویب سے روایت کیا کہ حضرت عثمان سے ان دو بہنوں کے متعلق پوچھا گیا جو ملک یمین میں جمع کی جائیں، تو حضرت عثمان نے فرمایا: نہ میں اس کا تجھے حکم دیتا ہوں اور نہ تجھے منع کرتا ہوں، ایک آیت نے انہیں حلال کیا اور ایک آیت نے انہیں حرام کیا۔ پس وہ سائل وہاں سے نکلا اور صحابہ کرام میں سے کسی شخص سے ملا۔ معمر نے کہا: میرا خیال ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس شخص نے کہا: تو نے عثمان سے کیا پوچھا ہے؟ اس نے جو پوچھا تھا اور جو حضرت عثمان نے بتایا تھا سب کچھ بتایا۔ اس صحابی نے کہا: لیکن میں تجھے منع کرتا ہوں، اگر مجھے تجھ پر گرفت کا اختیار ہوتا پھر تو ایسا کرتا تو میں تجھے سخت سزا دیتا (1)۔ امام طحاوی اور دارقطنی نے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت عثمان کے قول کی مثل ذکر کیا ہے اور وہ آیت جو انہیں حلال کرتی ہے وہ یہ ہے وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ان کے علاوہ تمہارے لیے عورتیں حلال کی گئی ہیں۔ لیکن فتویٰ دینے والے ائمہ نے اس قول کو لائق التفات نہیں سمجھا، کیونکہ انہوں نے کتاب اللہ کی تاویل سے اس کا خلاف سمجھا ہے اور ان پر تاویل کی تحریف جائز نہیں۔ اور صحابہ کرام میں سے جن کا یہ نظریہ تھا ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان، حضرت ابن عباس، حضرت عمار، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابن زبیر۔ پس یہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے جو ان کی مخالفت کرنے والا ہے وہ تاویل میں ہٹ دھرمی کرنے والا ہے۔ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے وطی کے ساتھ جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ جمہور اہل علم نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ امام مالک کو بھی ان میں شمار کیا جنہوں نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ صرف ملکیت میں جمع کرنے کے جواز میں اختلاف نہیں۔ اسی طرح ماں اور بیٹی کو ملکیت میں جمع کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اسحاق کا قول ہے کہ وطی میں دونوں کو جمع کرنے والے کو رجم کیا جائے گا۔ امام مالک کے قول سے کراہیت ثابت ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا: جب وہ ایک سے وطی کرے پھر دوسری سے وطی کرے تو دونوں سے توقف کرے حتیٰ کہ ایک کو حرام کرے، پس اس پر حد لازم نہ ہوگی، ابو عمر نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ''میں اسے سزا دیتا''۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اسے زانی کی حد لگاتا، کیونکہ اس نے یہ فعل آیت یا سنت کی تاویل سے کیا ہے اور اس نے از خود حرام وطی نہیں کی پس بالاجماع وہ زانی نہیں ہے اگرچہ وہ خطا کرنے والا ہے مگر وہ

1۔ مصنف عبدالرزاق، 12728

صورت جس میں وہ ایسا دعویٰ کرتا ہے جس میں جہالت کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا جاتا۔ اور ملک یمین کی وجہ سے دو بہنوں کو جمع کرنے میں بعض سلف کا قول انہیں ایک آیت حلال کرتی ہے اور ایک آیت حرام کرتی ہے۔ معلوم محفوظ ہے، پس جو اتنے قوی شبہ کی موجودگی میں کوئی ایسا فعل کرتا ہے تو اسے زانی کی حد کیسے لگائی جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ نمبر 19۔ علماء کا اختلاف ہے جب ایک سے وطی کر چکا تھا پھر دوسری سے وطی کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حسن، بصری، اوزاعی، شافعی، امام احمد اور اسحاق نے فرمایا: دوسری سے اس کا وطی کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ پہلی کو اپنی ملکیت سے نکال کر اس کی فرج کو حرام کر دے مثلاً اسے بیچ دے یا آزاد کر دے یا اس کا کسی اور سے نکاح کر دے۔ ابن المنذر نے کہا: اس میں دوسرا قول قتادہ کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ایک سے وطی کر چکا ہو اور دوسری سے وطی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ پہلی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی نیت کر لے اور اس کے قریب نہ جانے کی نیت کرے، پھر دونوں سے رکا رہے حتیٰ کہ پہلی جس کو حرام کیا تھا اس کا رحم صاف ہو جائے۔ پھر دوسری سے صحبت کرے۔ اس میں تیسرا قول بھی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کے پاس دو بہنیں ہوں تو وہ کسی کے بھی قریب نہ جائے۔ حکم اور حماد نے اسی طرح کہا ہے۔ اس کا مفہوم نخعی سے بھی مروی ہے۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں دو بہنیں ہوں، تو اس کے لیے جائز ہے جس سے چاہے وطی کرے اور دوسری سے رکنا اس کی امانت کے سپرد ہے اگر وہ دوسری سے وطی کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے اوپر پہلی کی فرج کو حرام کر دے اپنے کسی فعل سے جو اسے اس کی ملکیت سے نکال دے مثلاً اس کا کسی دوسرے سے نکاح کر دے یا اسے فروخت کر دے یا اسے ایک مدت تک آزاد کر دے یا اسے مکاتبہ بنا دے یا طویل خدمت کرنے کے لیے کسی کو دے دے۔ اگر ایک سے وطی کر چکا تھا پھر فوراً دوسری سے وطی کر دی جب کہ پہلی کو حرام نہیں کیا تھا تو دونوں سے رک جائے۔ اس کے لیے کسی کے قریب جانا جائز نہیں حتیٰ کہ دوسری کو حرام کر دے اور یہ اس کی امانت کے سپرد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ اب متہم ہو چکا ہے اور پہلے وہ متہم نہ تھا جب اس نے صرف ایک سے وطی کی تھی۔ اس باب میں کوفیوں، ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ وہ اگر لونڈی سے وطی کر چکا ہے تو دوسری سے وطی نہ کرے۔ اگر پہلی کو بیچ دے یا اس کا نکاح کر دے، پھر وہ اس کی طرف لوٹ آئے تو دوسری سے رک جائے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے وطی کرے جب تک اس کی بہن طلاق کی یا وفات کی عدت میں ہے اور عدت کے گزرنے کے بعد نہیں، حتیٰ کہ اس عورت کی فرج کا کسی دوسرے کو مالک بنا دے جس سے وہ وطی کر چکا ہے۔ یہ مفہوم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ علماء فرماتے ہیں: کیونکہ ملک جو ابتداء میں لونڈی کی وطی سے مانع تھی وہ اب بھی موجود ہے کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ اس کی طرف دوبارہ لوٹ کر آئے یا اس کی ملک میں باقی رہے۔ امام مالک کا قول عمدہ ہے کیونکہ یہ فی الحال صحیح تحریم ہے، مآل کی رعایت کو لازم نہیں اور یہ کافی ہے کہ جب وہ بیع یا آگے نکاح کرنے کے ساتھ اس کی فرج اپنے اوپر حرام کر دے گا تو وہ اس پر فی الحال حرام ہو گی اور آزاد کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ وہ اس میں کسی حالت میں تصرف نہیں کر سکتا، رہا اس لونڈی کو مکاتبہ بنانا کبھی وہ زر کتابت ادا کرنے سے عاجز آ جاتی ہے اور پھر اس کی ملک کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس لونڈی ہو جس سے وہ وطی کرتا ہو پھر وہ اس کی

بہن سے نکاح کرے تو اس کے نکاح کے بارے میں تین اقوال ہیں، تیسرا قول مدونہ میں یہ ہے کہ وہ دونوں سے رک جائے جب عقد نکاح واقع ہو حتیٰ کہ ایک کو حرام قرار دے، کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے وطی میں کراہت آ گئی ہے، کیونکہ یہ ایسی جگہ میں عقد ہے جس میں وطی جائز نہیں ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ ملک یمین نکاح سے مانع نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی سے گزر چکا ہے۔ اس باب میں ایک اور قول بھی ہے کہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا اور یہی اوزاعی کے قول کا معنی ہے۔ اشہب نے کتاب الاستبراء میں لکھا ہے کہ ایک میں نکاح کی عقد مملوکۃ (لونڈی) کی فرج کو حرام کر دیتی ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ علماء کا اجماع ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسی طلاق دے جس سے رجوع کر سکتا ہے تو اس کے لیے اس مطلقہ عورت کی بہن سے یا اس کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ مطلقہ کی عدت گزر جائے اس میں اختلاف ہے کہ جب ایسی طلاق دے جس میں رجوع کا مالک نہیں ہے تو ایک جماعت نے کہا کہ نہ اس کی بہن سے اور نہ چوتھی سے نکاح کرنا جائز ہے حتیٰ کہ مطلقہ کی عدت گزر جائے۔ یہ حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے۔ اور مجاہد، عطا بن ابی رباح، نخعی، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل اور اصحاب الرائے کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا: اس کے لیے اس کی بہن سے اور اس کے سوا چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ عطا سے مروی ہے اور عطا سے یہ اثبت روایت ہے۔ یہ حضرت زید بن ثابت سے بھی مروی ہے۔ اور یہی سعید بن مسیب، حسن، قاسم، عروہ بن زبیر، ابن ابی لیلی، امام شافعی، ابوثور اور ابوعبید کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: امام مالک کا قول میں بھی یہی خیال کرتا ہوں اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اس میں احتمال ہے کہ اس کا مطلب بھی وہی ہو جو وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ میں جو اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا معنی ہے اور یہ زائد کا بھی احتمال رکھتا ہے اور وہ ہے گزشتہ فعل کا جواز۔ زمانہ جاہلیت میں جمع کرنا دو بہنوں کو جائز تھا اور یہ نکاح صحیح تھا جب اسلام آیا تو دو بہنوں میں اختیار دیا گیا جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے مگر اسلام کے موجب اور شرع کے مقتضی پر کفار کی عقود کو جاری کیے بغیر خواہ ان دونوں بہنوں کو ایک عقد سے جمع کیا ہو یا دو عقدوں سے جمع کیا ہو۔ امام ابوحنیفہ دونوں کے نکاح کو باطل قرار دیتے ہیں اگر ایک عقد میں جمع کی گئی ہوں۔ ہشام بن عبداللہ نے محمد بن حسن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: زمانہ جاہلیت کے لوگ ان تمام محرمات کو جانتے تھے جو اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں سوائے دو کے، ایک باپ کی عورت سے نکاح کرنا اور دوسرا دو بہنوں کو جمع کرنا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔ اور فرمایا وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔ اور باقی تمام محرمات میں اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا ذکر نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ

الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

''اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہارے ملک میں آ جائیں فرض کیا ہے اللہ نے (ان احکام کو) تم پر اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے ماسوا ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعہ پاک دامن بنتے ہوئے نہ زنا کار بنتے ہوئے پس جو تم نے لطف اٹھایا ہے ان سے تو دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے''۔

اس میں چودہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَّالْمُحْصَنٰتُ اس کا عطف محرمات اور پہلے ذکر کی گئی عورتوں پر ہے۔ التحصن کا معنی بچنا ہے اس سے الحصن (قلعہ) ہے، کیونکہ اس میں حفاظت کی جاتی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ (الانبیاء: 80) (اور ہم نے سکھا دیا انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدے کے لیے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے) اسی سے گھوڑے کے لیے حصان (بکسر الحاء) استعمال ہوتا ہے، کیونکہ گھوڑا بھی اپنے مالک کو ہلاکت سے بچاتا ہے۔ الحصان (بفتح الحاء) پاک دامن عورت جو اپنے آپ کو ہلاکت سے بچاتی ہے۔ حصنت المرأة تحصن فهي حصان۔ جیسے جبنت فهي جبان۔ حضرت حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا تھا:

حَصَانٌ رَزَانٌ ما تُزَنّ بِرِيبَةٍ　　وتُصبِح غَرْثَى من لحُومِ الغَوَافِلِ

مصدر الحصانة (بفتح الحاء) اور الحِصن جیسے العلم ہے۔ اَلْمُحْصَنٰتُ سے یہاں مراد خاوندوں والی عورتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے: امرأ محصنة یعنی شادی شدہ عورت اور محصنة آزاد عورت کو بھی کہتے ہیں اسی سے ہے اَلْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (المائدہ: 5) (پاک دامن، مومن عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب) اور محصنة سے مراد پاک دامن عورت بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ (پاک دامن بنتے ہوئے نہ زنا کار بنتے ہوئے) اور فرمایا: مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (پاک باز بنتے ہوئے نہ زنا کار بنتے ہوئے) مُحصَنة، مُحصِنة و حَصان اس کا معنی پاک دامن عورت ہے یعنی فسق سے رکنے والی، آزادی آزاد عورت کو ایسے کام سے روکتی ہے جو غلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (نور: 4) یعنی جو آزاد عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لونڈی کا عرف زنا تھا۔ کیا آپ نے ہند بنت عتبہ کا قول ملاحظہ نہیں کیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی: کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے (1)۔ خاوند اپنی بیوی کو کسی غیر سے نکاح کرنے سے روکتا ہے؟ ح، ص اور نون کی بنا کا معنی روکنا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اسلام میں الاحصان استعمال ہوتا ہے، کیونکہ یہ حافظ اور مانع ہے یہ قرآن میں اس معنی میں وارد نہیں ہوا اور سنت میں وارد ہوا ہے۔ اسی سے نبی کریم

1۔ المحرر الوجیز، الحدیث اخرجہ ابو یعلی

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الایمان قید الفتك۔ ایمان دھوکے سے قتل کرنے کی قید ہے۔ اسی سے ہذلی کا قول ہے:

فلیس کعھد الدار یا أم مالكٍ　　ولکن احاطتْ بالرقاب السلاسِلُ

ایک اور شاعر نے کہا:

قالت ھَلُمّ الی الحدیث فقلت لا　　یأبی علیكِ اللہ والإسلامُ

اسی سے سحیم کا قول ہے:

کفی الشیبُ والإسلامُ للمرءِ ناھِیا

''انسان کو بڑھاپا اور اسلام روکنے کے لیے کافی ہے''۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر اس آیت کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، ابو قلابہ، ابن زید، مکحول، زہری اور حضرت ابو سعید خدری نے کہا: یہاں الْمُحْصَنٰتُ سے مراد قیدی خاوندوں والی عورتیں ہیں یعنی وہ حرام ہیں مگر دار الحرب سے قیدی بن کر آنے کی وجہ سے تمہاری مملوکہ بن جائیں تو حلال ہیں اور یہ عورت اس کے لیے حلال ہوگی جس کے حصہ میں آئے گی اگرچہ اس کا خاوند بھی ہوگا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے کہ قیدی ہونا عصمت کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ ابن وہب، ابن عبد الحکم کا قول ہے اور انہوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ اشہب کا بھی یہی قول ہے۔ اس پر صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث دلالت کرتی ہے حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن اوطاس کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ پس وہ دشمن سے ملے ان سے جنگ کی اور ان پر غالب آ گئے۔ ان کو قیدی عورتیں ملیں تو صحابہ کرام ان سے ہم بستری کرنے سے بچنے لگے، کیونکہ ان کے مشرک خاوند موجود تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وہ تمہارے لیے حلال ہیں جب ان کی عدت گزر جائے یہ صریح اور صحیح نص ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ کرام خاوندوں والی قیدی عورتوں سے وطی کرنے سے بچنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں: اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ کا ارشاد نازل فرمایا۔ یہی قول امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابو ثور کا ہے اور یہی صحیح ہے ان شاء اللہ۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ استبراء رحم کیسے ہوگا۔ حسن نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایک حیض کے ساتھ قیدی عورت کا استبراء کرتے تھے یہ حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے اوطاس کی قیدی عورتوں کے متعلق مروی ہے اور حاملہ سے وطی نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ بچہ جنم دے دے اور دوسری عورت سے وطی نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ اسے حیض آ جائے۔ اور سابق خاوند کے فراش کا کوئی اثر نہیں ہوگا حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ قیدی عورت مملوکہ ہے لیکن وہ بیوی تھی اس کا نکاح زائل ہو گیا پس وہ لونڈیوں والی عدت گزارے گی۔ جیسا کہ حسن بن صالح سے منقول ہے انہوں نے فرمایا: اس پر عدت دو حیض ہیں جب اس کا دار الحرب میں خاوند تھا۔ اور اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا استبراء اور اس کا استبرا جس کا خاوند نہیں ہے، ایک جیسا ہے تمام کا استبرا ایک حیض ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ میاں بیوی اکٹھے قیدی ہوں یا علیحدہ علیحدہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے ابن بکیر نے ان سے روایت کیا ہے کہ میاں بیوی اگر اکٹھے

قیدی کیے جائیں اور مرد کو زندہ رکھا گیا ہے تو دونوں اپنے نکاح پر قائم رکھے جائیں گے اس روایت میں انہوں نے یہ دیکھا کہ اسے زندہ باقی رکھنا اس کی ملکیت باقی رکھنا ہے، کیونکہ اس کے لیے عہد ہو گیا اور اس کی بیوی بھی اس کی ملکیت سے ہے ان کے درمیان کوئی حائل نہ کیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے اور ابن القاسم کا یہی قول ہے اور انہوں نے یہ امام مالک سے روایت کیا ہے اور صحیح پہلا قول ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پس ملک یمین پر اس کو پھیر دیا اور اسے موثر بنایا پس عموم اور تعلیل دونوں کے اعتبار سے حکم اس کے ساتھ معلق ہو گا مگر دلیل جس کو خاص کر دے تو اس کا حکم علیحدہ ہو گا۔ اس آیت کے بارے میں دوسرا قول بھی ہے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سعید بن مسیب، حضرت حسن بن ابی الحسن، حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ایک روایت میں عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس آیت سے مراد خاوندوں والی عورتیں ہیں یعنی وہ حرام ہیں مگر آدمی خاوند والی عورت کا استبرا کرے۔ لونڈی کا بیچنا اس کی طلاق ہے، اس کو صدقہ کرنا اس کی طلاق ہے، اس کو میراث میں دینا اس کی طلاق ہے اور خاوند کا اسے طلاق دینا اس کی طلاق ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: جب لونڈی بیچی جائے اور اس کا خاوند ہو تو مشتری کو اس کے بضع کا زیادہ حق ہے اسی طرح دارالحرب سے قیدی ہو کر آنے والی عورت کا حکم ہے۔ یہ تمام اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان جدائی کا موجب ہے۔ علماء نے فرمایا: جب معاملہ اس طرح ہو گا تو لونڈی کا بیچنا لونڈی کے لیے ضرور طلاق ہو گا، کیونکہ ایک شرمگاہ ایک حال میں دو شخصوں پر بالاجماع حرام ہے۔

میں کہتا ہوں: حدیث بریرہ اس کو رد کرتی ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کو خریدا تھا اور آزاد کر دیا تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اختیار دیا اور وہ خاوند والی تھی۔ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ حضرت بریرہ کو حضرت عائشہ کے خریدنے اور آزاد کرنے کے بعد اپنے خاوند مغیث کے پاس رہنے کا اختیار دیا گیا تھا یہ دلیل ہے کہ لونڈی کو بیچنا اس کی طلاق نہیں ہے۔ اس پر فقہا اور ائمہ حدیث کا اجماع ہے۔ لونڈی کی طلاق نہیں ہے مگر طلاق۔ بعض ائمہ نے اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے عموم سے اور قیدی عورتوں پر قیاس سے حجت پکڑی ہے اور ہم نے جو حدیث بریرہ ذکر کی ہے وہ اسے خاص کرتی ہے اور اسے رد کرتی ہے۔ وہ حضرت ابوسعید کی حدیث کی بنا پر مسبیات (قیدی عورتوں) کے ساتھ خاص ہے۔ انشاء اللہ یہی قول حق اور درست ہے۔ اور اس آیت میں تیسرا قول بھی ہے ثوری نے مجاہد سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد مسلمانوں اور مشرکوں کی بیویاں ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: مشرکوں کی بیویاں ہیں۔ اور موطا میں سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ الْمُحْصَنٰتُ سے مراد خاوندوں والی عورتیں ہیں۔ یہ اس طرف راجع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کیا ہے ایک جماعت نے کہا اس آیت میں الْمُحْصَنٰتُ سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی تمام عورتیں حرام ہیں جن پر احصان کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ خاوند والی ہے یا خاوند والی نہیں ہے، کیونکہ شرائع اسی بات کا تقاضا کرتی ہیں۔

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے نکاح کے ساتھ یا خریدنے کے ساتھ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ

مالک ہوئے۔ یہ ابو العالیہ، عبیدہ السلمانی، طاؤس، سعید بن جبیر، علاء کا قول ہے۔ یہ عبیدہ نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے پس انہوں نے ملک یمین کے تحت نکاح کو داخل کیا ہے ان کے نزدیک اس ارشاد اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کا معنی یہ ہوگا کہ تم جن کی عصمت کے نکاح کے ساتھ مالک ہوتے ہو اور جن کی گردن کے خریدنے کے ساتھ مالک ہوتے ہو، گویا وہ تمام ملک یمین ہیں اور اس کے علاوہ زنا ہے یہ حسن قول ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اَلْمُحْصَنٰتُ سے مراد مسلمانوں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس تاویل سے آیت کا معنی زنا کی تحریم کی طرف لوٹتا ہے۔ طبری نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ حضرت ابن عباس سے جب اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا؟ حضرت سعید نے کہا: حضرت ابن عباس اس کو نہ جانتے تھے۔ اور مجاہد سے سنداً روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اگر میں کوئی ایسا شخص جانتا جو اس آیت کی تفسیر کرتا تو میں اس کی طرف اونٹوں کے جگر پگھلاتا (یعنی مشقت کے ساتھ سفر کر کے جاتا) اَلْمُحْصَنٰتُ سے حَكِيْمًا تک کا قول مراد ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ حضرت ابن عباس کی طرف کیسے یہ قول منسوب کیا اور میں نہیں جانتا کہ مجاہد اس قول تک کیسے پہنچے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ مصدر مؤکد کی بنا پر اسے نصب دی گئی ہے یعنی یہ عورتیں حرام کی گئی ہیں اللہ کی طرف سے تم پر یہ فرض کیا گیا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ کا معنی كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ہے۔ زجاج اور کوفیوں نے کہا: اس کو نصب اغرا کی بنا پر ہے۔ یعنی الزموا اللہ یا علیکم کتاب اللہ (یعنی اللہ کی کتاب کو لازم پکڑو) اس میں نظر ہے جیسا کہ ابوعلی نے ذکر کیا ہے، کیونکہ اغراء میں، حرف اغراء پر منصوب کو مقدم کرنا جائز نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاتا: زیداً علیك، یا زیداً دونك بلکہ علیك زیداً و دونك عمراً کہا جاتا ہے۔ علیکم سے منصوب ہونے کی بنا جو انہوں نے کہا یہ صحیح ہے، رہا فعل کے حذف کی تقدیر پر تو وہ جائز ہے اور هذا کتاب اللہ و فرضه کے معنی پر رفع بھی جائز ہے۔ ابوحیوہ، محمد بن سمیقع نے کتب اللہ علیکم یعنی فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور اسم جلالت کو فاعل بنایا ہے۔ معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو تحریم بیان فرمائی ہے وہ اللہ نے تم پر فرض کی ہے۔ عبیدہ السلمانی وغیرہ نے کہا: كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ یہ قرآن میں موجود ارشاد مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ کی طرف اشارہ ہے۔ اس قول میں بعد ہے اور اظہر یہ ہے کہ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یہ اس تحریم کی طرف اشارہ ہے جو لوگوں کے درمیان اور عرب جو کچھ کرتے تھے اس کے درمیان آڑ تھی۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ حمزہ، کسائی، عاصم اور ایک روایت میں حفص نے وأحل لکم پڑھا ہے اور حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ پر عطف کیا ہے اور باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ پر عطف کیا ہے۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ عورتوں کو حرام نہ کرے مگر جن کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان کے ذریعے ایسی عورتوں کو حرام کیا ہے جن کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے، پس انہیں بھی اس کے ساتھ ملایا جائے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7) (جو تمہیں رسول (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) عطا کرے تو اسے لے لو اور جس سے وہ تمہیں منع کرے تو اس سے رک جاؤ) مسلم وغیرہ نے

حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع نہ کرے اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع نہ کرے''۔ ابن شہاب نے کہا: ہم دیکھتے ہیں کہ عورت کے باپ کی خالہ اور اس کے باپ کی پھوپھی اس کے مقام پر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنے کی حرمت آیت سے پائی گئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو جمع کرنا حرام کیا ہے اور عورت اور اس کی پھوپھی، جمع بین الاختین (دو بہنوں کو جمع کرنے) کے حکم میں ہے یا خالہ والدہ کے معنی میں ہے اور پھوپھی والد کے معنی میں ہے۔ صحیح پہلا قول ہے، کیونکہ کتاب اور سنت ایک چیز کے حکم میں ہیں یا فرمایا: جو ہم نے کتاب میں ذکر کی ہیں اور جن کا بیان محمد ﷺ کی زبان سے میں نے مکمل کیا ہے ان کے علاوہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ اور ابن شہاب کا قول کہ ہم عورت کے باپ کی خالہ اور عورت کے باپ کی پھوپھی کو اس کے قائم مقام دیکھتے ہیں۔ یہ انہوں نے اس لیے کہا ہے کہ انہوں نے خالہ اور پھوپھی کو عموم پر محمول کیا ہے اور اس کے لیے یہ تمام ہوا ہے، کیونکہ عمۃ ہر اس مؤنث کا اسم ہے جو تیرے باپ کے ساتھ دونوں اصلوں میں یا ایک اصل میں شریک ہے اور خالہ بھی اسی طرح ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور مصنف ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھوپھی پر بھتیجی اور بھتیجی پر پھوپھی سے نکاح نہیں کیا جائے گا اور خالہ پر اس کی بھانجی سے اور بھانجی پر اس کی خالہ سے نکاح نہیں کیا جائے گا اور چھوٹی پر بڑی سے اور بڑی پر چھوٹی سے نکاح نہیں کیا جائے گا۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنا اور دو پھوپھیوں اور دو خالاؤں کو جمع کرنا ناپسند فرمایا (1)۔ لا یجمع کو عین کے رفع کے ساتھ خبر کی بنا پر پڑھنا جائز ہے اور نہی اس کے ضمن میں ہوئی۔ اس حدیث پر عمل میں اجماع ہے کہ جن کا پیچھے ذکر ہوا ہے ان کا جمع کرنا نکاح میں حرام ہے۔ خوارج نے دو بہنوں کو جمع کرنا اور پھوپھی اور بھتیجی کو جمع کرنا اور خالہ اور بھانجی کو جمع کرنا جائز قرار دیا ہے۔ ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دین سے نکل گئے ہیں اور دین سے خارج ہو گئے ہیں، کیونکہ یہ ثابت سنت کی مخالفت کرتے ہیں اور حدیث کے الفاظ لا یجمع بین العمتین و الخالتین۔ بعض علماء کے لیے سمجھنا مشکل ہو گیا وہ اس کے مفہوم میں متحیر ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اسے ایسا مفہوم پہنایا جو بہت بعید ہے یا جائز ہی نہیں ہے۔ اس نے کہا: بین العمتین کا معنی مجاز پر ہے یعنی پھوپھی اور بھانجی کو جمع کرنا، ان دونوں کو عمتان کہا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے: سنۃ العمرین۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سنت کے لیے اور بین الخالتین کے بارے میں بھی اسی طرح کہا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ ایسا تعسف ہے جس کو سنا بھی نہیں جا سکتا۔ اس میں واقعی تعسف کے ساتھ ساتھ بغیر فائدہ کے کلام میں تکرار ہے، کیونکہ جب معنی یہ ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی کو جمع کرنا منع ہے اور پھر اگر العمتین کا بھی یہی معنی کیا جائے تو کلام میں بغیر فائدہ کے تکرار ہو گا۔ اگر اس طرح ہوتا جس طرح اس نے کہا ہے تو وبین الخالۃ ہونا واجب ہوتا، حالانکہ حدیث اس طرح نہیں ہے، کیونکہ حدیث یہ ہے کہ پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنے سے منع فرمایا۔ پس حدیث کے لفظ پر واجب ہے کہ ایسی دو عورتوں کو جمع نہ کیا جائے جبکہ ایک دوسری کی پھوپھی ہو اور دوسری کی خالہ ہو۔ نحاس

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 1878

نے کہا: یہ صحیح معنی پر نکل سکتا ہے مثلاً ایک شخص اور اس کا بیٹا ہو باپ بیٹی سے نکاح کرلے اور بیٹا اس عورت کی ماں سے نکاح کرے۔ پھر باپ کی بھی بیٹی پیدا ہو اور بیٹے کی بھی بیٹی پیدا ہو۔ پس باپ کی بیٹی، بیٹے کی بیٹی کی پھوپھی ہوگی اور بیٹے کی بیٹی باپ کی بیٹی کی خالہ ہوگی۔ اور رہا دو خالاؤں کو جمع کرنا، یہ ثابت کرتا ہے کہ دو عورتیں ہوں ان میں سے ہر ایک دوسری کی خالہ ہو۔ یہ اس طرح ہے کہ ایک شخص، دوسرے شخص کی بیٹی سے نکاح کرے اور دوسرا شخص پہلے شخص کی بیٹی سے نکاح کرے، ہر ایک کی بیٹی پیدا ہو، تو ان میں سے ہر ایک کی بیٹی دوسری کی خالہ ہوگی۔ اور رہا دو پھوپھیوں کو جمع کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ ایسی دو عورتیں نہ جمع کی جائیں جن میں سے ہر ایک دوسری کی پھوپھی ہو۔ یہ اس طرح ہے ایک شخص، دوسرے شخص کی ماں سے نکاح کرے دوسرا اس کی ماں سے نکاح کرے ہر ایک کی بیٹی پیدا ہو تو ان میں سے ہر ایک دوسری کی پھوپھی ہوگی۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حرام قرار دیا جو قرآن میں سے نہیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو جن دو عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے ان کے لیے ایک عمدہ کلیہ بنایا ہے۔ معتمر بن سلیمان نے فضیل بن میسرہ سے انہوں نے ابو جریر سے انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہر دو ایسی عورتیں جب ان میں سے ایک کو مذکر تصور کیا جائے تو دوسری سے اس کا نکاح نہ ہو سکے تو ان دونوں کا جمع کرنا باطل ہے۔ میں نے شعبی سے پوچھا یہ کن سے مروی ہے؟ شعبی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے۔ سفیان ثوری نے کہا: ہمارے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ نسب سے ہو اور وہ عورت اور اس کے خاوند کی بیٹی کی طرح نہ ہو، ان کو اگر چاہے تو جمع کر سکتا ہے۔ ابو عمر نے کہا امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ، اوزاعی اور محدثین وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس اصل میں ان کا اختلاف نہیں ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے اس کو ناپسند کیا ہے کہ ایک شخص، کسی شخص کی بیٹی اور اس کی بیوی کو جمع کرے، کیونکہ اگر ان میں سے ایک کو مذکر بنایا جائے تو دوسری سے نکاح جائز نہ ہوگا اور جس پر علماء کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس میں رعایت نسب کی ہے، مصاہرت کی نہیں ہے۔ پھر بعض اخبار میں جمع نہ کرنے کی علت پر تنبیہ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جمع کرنا قطع رحمی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ غیرت کی وجہ سے سوکنوں کے درمیان دشمنی اور شر واقع ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی پر اس کی بھتیجی سے اور خالہ پر اس کی بھانجی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا: جب تم ایسا کرو گے تو قطع رحمی کرو گے۔ یہ ابو محمد اصیلی نے فوائد میں اور ابن عبد البر وغیرہما نے اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ ابو داؤد کی مراسیل سے، حسین بن طلحہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع رحمی کے خوف کی وجہ سے بہن پر بہن سے نکاح کرنے سے منع فرمایا۔ بعض علماء نے اس علت کو عام کیا ہے پس انہوں نے ہر دو قریبی عورتوں کو جمع کرنے سے منع کیا ہے پہلی بیوی کی خواہ وہ چچا کی بیٹی ہو یا پھوپھی کی بیٹی ہو یا خالو کی بیٹی ہو یا خالہ کی بیٹی ہو۔ یہ اسحاق بن طلحہ، عکرمہ، قتادہ اور عطا سے مروی ہے۔ اور ایک روایت ابن ابی نجیح سے بھی یہی ہے۔ ابن جریج نے ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔ حضرت حسن بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے ایک رات میں محمد بن علی کی بیٹی اور عمر بن علی کی بیٹی سے نکاح کیا تھا پس انہوں نے چچا کی بیٹیوں کو جمع کیا تھا۔ یہ روایت عبد الرزاق نے ذکر کی

ہے۔ ابن عیینہ نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ عورتیں نہیں جانتی تھیں کہ کس کے پاس جائیں۔ امام مالک نے ایسی صورت کو ناپسند کیا ہے لیکن ان کے نزدیک یہ حرام نہیں۔

ابن القاسم کی سماع میں ہے امام مالک سے پوچھا گیا دو چچوں کی بیٹیوں کو جمع کیا جائے گا؟ امام مالک نے فرمایا: میں اسے حرام نہیں جانتا، پوچھا گیا کیا آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں؟ امام مالک نے فرمایا: لوگ اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ ابن القاسم نے کہا: یہ حلال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابن المنذر نے کہا: میں کسی ایسے عالم کو نہیں جانتا جس نے اس نکاح کو باطل قرار دیا ہو۔ یہ دونوں عورتیں ان عورتوں میں داخل ہیں جن سے نکاح مباح کیا گیا ہے یہ ان سے کتاب وسنت اور اجماع سے خارج نہیں ہیں۔ اسی طرح پھوپھیوں اور خالاؤں کی بیٹیوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ سدی نے وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ کے متعلق فرمایا: یعنی نکاح کرنا حلال ہے۔ بغیر نکاح کے فرج حلال نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تمہارے قریبی محارم عورتوں کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ قتادہ نے کہا: ملک یمین اس کے ساتھ خاص ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ یہ لفظ نکاح کرنے اور خریدنے کو شامل ہے۔ اَنْ محل نصب میں ہے ما سے بدل ہے اور حمزہ کی قرأت پر محل رفع میں ہے۔ یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ لِاَنْ یا بِاَنْ کے معنی میں ہو پھر لام اور با کو حذف کیا گیا ہو، پھر یہ محل نصب میں ہو گیا ہو۔ مُّحْصِنِيْنَ حال کی بنا پر منصوب ہے، اس کا معنی ہے زنا سے بچنے والے۔ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ زنا نہ کرنے والے۔ السفاح کا معنی زنا ہے یہ سفح الماء سے مشتق ہے جس کا معنی پانی کا بہنا ہے اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جب آپ نے شادی کے موقع پر دف بجانے والے کی آواز سنی: ''یہ نکاح ہے زنا نہیں ہے، نہ خفیہ نکاح ہے'' (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے (ا) جو ہم نے ذکر کی ہے وہ نکاح کی عقد کے ساتھ احصان ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ بضع کے منافع اپنے اموال کے ذریعے نکاح کے طریقہ پر حاصل کرو نہ کہ زنا کے طریقہ پر۔ اس وجہ پر آیت کے لیے عموم ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے مُّحْصِنِيْنَ یعنی احصان عورتوں کی صفت ہو۔ معنی یہ ہوگا کہ تم ان میں احصان کی شرط پر ان سے نکاح کرو۔ پہلی وجہ اولیٰ ہے، کیونکہ جب آیت کو اس کے عموم پر جاری کرنا اور اس کے مقتضی کے تعلق پر جاری کرنا ممکن ہو تو وہ اولیٰ ہوتا ہے، کیونکہ دوسری وجہ کا مقتضی یہ ہے کہ جو بدکارہ ہیں ان سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَمْوَالِكُمْ اللہ تعالیٰ نے فروج کو اموال کے ساتھ مباح کیا ہے اور کوئی فرق نہیں فرمایا ہے۔ پس جب بغیر مال کے واقع ہو تو اباحت واقع نہ ہوگی، کیونکہ وہ اس شرط کے بغیر پایا گیا ہے جس میں اجازت دی گئی ہے جیسے اگر شراب یا خنزیر پر یا ایسی چیز پر نکاح کرے جس کا مالک ہونا ہی صحیح نہیں ہے۔ یہ قول امام احمد کا رد کرتا ہے جو انہوں نے فرمایا کہ آزاد کرنا مہر ہوگا، کیونکہ اس میں مال کا حوالے کرنا نہیں ہے، اس میں ملک کو ساقط کرنا ہے بغیر اس کے وہ اس کے ساتھ اس بات کی مستحق ہو کہ مال اس کے حوالے کیا جائے۔ مالک اپنی طرف سے جس کا مالک ہوتا ہے وہ اس کی طرف منتقل

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 36

نہیں ہوتا وہ سقوط ہے پس جب خاوند اس کے حوالے کوئی چیز نہیں کرے گا تو وہ اس پر کسی چیز کی مستحق نہیں ہوگی۔ اس نے اس کے ساتھ خود اپنی ملک کو تلف کیا ہے۔ یہ آزاد کرنا مہر نہ ہوگا۔ یہ واضح ہے نیز یہ ارشاد بھی ہے کہ وَاٰتُوا النِّسَآءَ عورتوں کو دو۔ یہ حکم ایجاب کا تقاضا کرتا ہے اور آزادی کا عطا کرنا صحیح نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ۔ اور یہ چیز عتق میں محال ہے پس مہر صرف مال ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَمْوَالِكُمْ پھر مہر کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی نے بِاَمْوَالِكُمْ کے عموم سے ہر قلیل وکثیر کو مہر ہونے کے جواز پر دلیل پکڑی ہے اور یہ صحیح ہے اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کرتا ہے: ولو خاتما من حدید (1) اگر لوہے کی انگوٹھی ہی ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بیواؤں کا نکاح کرو، پوچھا گیا: یارسول اللہ! ان کے درمیان کیا مہور ہوں؟ فرمایا: جس پر ان کے اہل راضی ہو جائیں اگرچہ کیکر کی ٹہنی ہی ہو''۔ حضرت ابوسعید خدری نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے مہر کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر ان کے اہل صلح کرلیں۔ جابر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی عورت کو ہاتھ بھر کھانا دے تو اس کی وجہ سے وہ حلال ہو جائے گی۔ ان دونوں حدیثوں کو دارقطنی نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کے لیے کسی شیٔ کی قیمت بننا جائز ہے یا اس کا اجرت ہونا جائز ہو تو وہ مہر بن سکتی ہے۔ یہ جمہور اہل علم کا قول ہے اور اہل مدینہ میں سے محدثین کی ایک جماعت وغیرہ نے قلیل اور کثیر مال سے مہر مقرر کرنا جائز قرار دیا ہے۔ یہ عبداللہ بن وہب، صاحب مالک کا قول ہے۔ اور ابن المنذر وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: اگر اسے کوڑا مہر کے طور دے تو اس کے ساتھ حلال ہو جائے گی۔ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی عبداللہ بن وداعہ کو دو دراہم کے مہر کے عوض نکاح کر دی۔ ربیعہ نے کہا: ایک درہم کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ ابوالزناد نے کہا: جس پر ان کے اہل راضی ہو جائیں۔ مالک نے کہا: دینار کی چوتھائی یا تین دراہم سے کم مہر نہ ہوگا۔ ہمارے بعض اصحاب نے اس کی یہ علت بیان کی ہے یہ قطع ید کے مشابہ ہے، کیونکہ بضع بھی عضو ہے اور ہاتھ بھی عضو ہے۔ مقدر مال کے ساتھ مباح کیا جاتا ہے اور وہ دینار کی چوتھائی ہے یا تین دراہم کیلا ہیں۔ امام مالک نے ہاتھ پر قیاس کرتے ہوئے بضع کو اس مقدار کی طرف لوٹایا ہے۔ ابوعمر نے کہا: امام ابوحنیفہ کا اس سے پہلے یہ قول تھا مہر کو انہوں نے قطع ید پر قیاس کیا اور ہاتھ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں کاٹا جاتا مگر ایک دینار سونا یا دس دراہم کے بدلے میں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دس دراہم سے کم مہر نہیں ہے اس پر ان کے اصحاب کی جماعت کا قول ہے۔ اور ان کے اہل مذہب کا قول ہے ان کے شہر کے اکثر علماء کا یہی قول قطع ید کے بارے میں ہے۔ کم از کم مہر کے بارے میں نہیں ہے۔ دراوردی نے مالک سے کہا: جب انہوں نے کہا کہ چار دینار سے کم مہر نہیں ہے اے ابا عبداللہ! اس مسئلہ میں تم عراقی ہو گئے ہو یعنی تم اہل عراق کے راستہ پر چلے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو حضرت جابر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس دراہم سے کم مہر نہیں ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں مبشر بن عبید ہے وہ متروک ہے داؤد الاودی سے مروی ہے انہوں نے شعبی سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دس

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراءۃ عن ظہر القلب، حدیث نمبر 4642، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دراہم سے کم مہر نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: غیاث بن ابراہیم نے داؤد الاودی کو تلقین کی انہوں نے شعبی سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ دس دراہم سے کم مہر نہیں ہے۔ پس یہ حدیث ہوگئی۔ نخعی نے کہا: اس کی کم از کم مقدار چالیس دراہم ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: 50 دراہم ہیں ابن شبرمۃ نے کہا: پانچ دراہم ہیں۔ یہ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پانچ دراہم سے کم مہر نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً**۔ استمتاع سے مراد تلذذ ہے۔ الاجور سے مراد مہور ہیں۔ مہر کو اجر اس لیے کہا گیا ہے، کیونکہ یہ استمتاع کا اجر ہے یہ نص ہے کہ مہر کو اجر کہا جاتا ہے یہ دلیل ہے کہ یہ بضع کے مقابلہ میں ہے، کیونکہ جو منفعت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اسے اجر کہا جاتا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ نکاح میں معقود علیہ (جس پر عقد کی گئی ہے) کیا ہے، عورت کا بدن، یا بضع کی منفعت یا تمام حلال ہونا؟ یہ تین اقوال ہیں مجموع (تمام) ہے، کیونکہ عقد تمام کا تقاضا کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ حسن اور مجاہد وغیرہما نے کہا: جو تم نے نکاح صحیح کے ذریعے عورتوں سے جماع کر کے نفع اور لطف اٹھایا ہے **فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** تو انہیں ان کے مہر دو۔ جب کوئی ایک مرتبہ جماع کر لے گا تو پورا مہر واجب ہوگا اگر وہ متعین ہوگا، اگر متعین نہ ہوگا تو مہر مثل واجب ہوگا۔ اگر نکاح فاسد ہوگا تو نکاح فاسد میں امام مالک سے روایت مختلف ہے کیا وہ مہر مثل یا مہر مسمی کی مستحق ہوگی جب کہ مہر صحیح ہوگا؟ کبھی تو امام مالک نے فرمایا: مہر مسمی دینا ہوگا یہی امام مالک کا ظاہر مذہب ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ جس پر وہ راضی ہوئے ہیں وہ یقینی ہے اور مہر مثل میں اجتہاد ہے پس یقین کی طرف رجوع واجب ہے، کیونکہ شک کے ساتھ اموال کا استحقاق نہیں ہوتا اور مہر مثل کا قول اس لیے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی اس کا نکاح باطل ہوگا اگر مرد نے اس سے صحبت کر لی ہے تو اسے مہر مثل ملے گا، کیونکہ اس کی فرج حلال کی گئی ہے'' (1)۔ ابن خویز منداد نے کہا: اس آیت کو متعہ کے جواز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کے نکاح سے منع فرمایا اور اسے حرام قرار دیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ** تم نکاح کرلو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اہل کی اجازت سے نکاح وہ نکاح شرعی ہے جو ولی اور دو گواہوں کی موجودگی میں ہو اور نکاح متعہ اس طرح نہیں ہے۔ جمہور علماء نے کہا: نکاح متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابی اور حضرت ابن جبیر نے فما استمتعم به منهن الی اجل مسمی فاتوهن اجورهن پڑھا ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا تھا۔ سعید بن مسیب نے کہا: ایۃ المیراث نے اس کو منسوخ کر دیا ہے، کیونکہ متعہ میں میراث نہیں تھی۔ حضرت عائشہ اور قاسم بن محمد نے کہا: متعہ کی حرمت اور اس کا نسخ قرآن میں ہے اور وہ اس ارشاد میں ہے **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝** (المومنون) (اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، حدیث نمبر 1868، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جو ان کی ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بے شک انہیں ملامت نہیں کی جائے گی) اور متعہ نہ نکاح ہے اور نہ ملک یمین ہے۔ دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا۔ فرمایا: یہ پہلے اس شخص کے لیے تھا جو نکاح نہیں پاتا تھا جب نکاح، طلاق، عدت، میاں، بیوی کے درمیان میراث کے احکام نازل ہوئے تو متعہ کا حکم منسوخ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا: رمضان کے روزہ نے ہر روزہ کو منسوخ کر دیا، زکوٰۃ نے ہر صدقہ کو منسوخ کر دیا، طلاق، عدت اور میراث نے متعہ کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے ہر ذبح کو منسوخ کر دیا۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: متعہ منسوخ ہے اس کو طلاق، عدت اور میراث نے منسوخ کیا ہے۔ عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: متعہ اللہ کی طرف سے رحمت تھا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا تھا اگر حضرت عمر نے اس سے منع نہ کیا ہوتا تو کوئی زنا نہ کرتا مگر بدبخت شخص۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اختلاف ہے کہ متعہ کتنی مرتبہ مباح ہوا اور کتنی مرتبہ منسوخ ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تھے اور ہمارے پاس عورتیں نہیں ہوتی تھیں، ہم نے کہا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خصی ہونے سے منع فرمایا، پھر ہمیں رخصت دی کہ ہم ایک مدت تک کے لیے کپڑے کے بدلے میں کسی عورت سے نکاح کر لیں (1)۔ ابو حاتم البستی نے اپنی صحیح میں کہا: صحابہ کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا کہ کیا خصی نہ ہو جائیں؟ یہ دلیل ہے کہ متعہ سے ان کے لیے استمتاع مباح ہونے سے پہلے ممنوع تھا اگر متعہ ممنوع نہ ہوتا تو ان کے اس سوال کا کوئی معنی نہ تھا۔ پھر انہیں جہاد میں ایک مدت تک ایک کپڑے کے عوض عورت سے نکاح کرنے کی رخصت دی۔ پھر متعہ سے خیبر کے سال منع کر دیا پھر فتح مکہ کے سال متعہ کی اجازت دی گئی پھر تین سال بعد حرام کر دیا۔ پس متعہ قیامت تک حرام ہے۔ ابن عربی نے کہا: عورتوں سے متعہ شریعت کے غرائب سے ہے، کیونکہ یہ اسلام کے ابتدائی دور میں مباح کیا گیا پھر خیبر کے دن حرام کیا گیا پھر غزوۂ اوطاس میں مباح کیا گیا پھر اس کے بعد حرام کیا گیا اور تحریم پر اس کا امر قرار پا گیا سوائے مسئلہ قبلہ کے شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، کیونکہ اس پر دو مرتبہ نسخ طاری ہوا پھر اس کے بعد قرار پا گیا۔ اور دوسرے علماء جنہوں نے متعہ کے متعلق احادیث کو جمع کیا انہوں نے کہا: یہ سات مرتبہ تحلیل و تحریم کا تقاضا کرتی ہیں۔ ابن ابی عمرہ سے مروی ہے کہ یہ ابتداء اسلام میں جائز تھا حضرت سلمہ بن اکوع نے روایت کیا ہے کہ یہ اوطاس کے سال حلال تھا اور حضرت علی کی روایت میں اس کی حرمت خیبر کے دن ہوئی۔ حضرت ربیع بن سمرہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے دن اس کی اباحت تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام طرق صحیح مسلم میں ہیں اور مسلم کے علاوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غزوۂ تبوک میں اس کی نہی مروی ہے۔ اس کو اسحاق بن راشد نے زہری سے انہوں نے عبداللہ بن محمد بن علی سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس روایت پر اسحاق بن رشد کا ابن شہاب سے روایت کرنے میں کوئی متابع نہیں ہے اور مصنف

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 3650

ابی داؤد میں ربیع بن سبرہ کی حدیث سے حجۃ الوداع کے موقع پر متعہ سے نہی ثابت ہے۔ ابوداؤد کا نظریہ یہ ہے کہ جتنا اس کے متعلق روایت کیا گیا ہے اس میں یہ قول اصح ہے۔ عمرو نے حسن سے روایت کیا ہے: متعہ کبھی حلال نہیں ہوا مگر عمرۃ القضاء میں صرف تین دن حلال ہوا، نہ اس سے پہلے حلال ہوا، نہ اس کے بعد حلال ہوا۔ یہ بھی سبرہ سے روایت کیا گیا ہے یہ سات جگہیں ہیں جن میں متعہ حلال کیا گیا اور حرام کیا گیا۔ ابوجعفر طحاوی نے کہا: تمام لوگ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعہ کا اطلاق روایت کیا انہوں نے بتایا کہ یہ سفر میں تھا۔ اس کے بعد سفر میں اس کو نہی لاحق ہوئی اور اس سے منع فرمایا کسی نے یہ نہیں بتایا کہ متعہ حضر میں حلال تھا۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود سے مروی ہے۔ رہی حضرت سبرہ کی وہ حدیث جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجۃ الوداع میں اس کی اباحت کا ذکر ہے وہ ان تمام معانی سے خارج ہے اور ہم نے اس حرف کے بارے میں خوب غور وفکر کیا تو ہمیں یہ صرف عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز کی روایت میں ملا۔ اور اسے اسماعیل بن عیاش نے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز سے روایت کیا اور ذکر کیا کہ یہ فتح مکہ کے موقع پر تھا کہ لوگوں نے آپ کی بارگاہ میں عورتوں سے جدائی کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں متعہ کی رخصت دی اور حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کا عورتوں سے جدائی کی شکایت کرنا محال ہے، کیونکہ انہوں نے عورتوں کے ساتھ حج کیا تھا اور مکہ میں عورتوں سے نکاح کرنا بھی انہیں ممکن تھا اس وقت وہ اس طرح نہیں تھے جیسا کہ وہ پہلے غزوات میں تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ اس قسم کا حکم مغازی میں اور جامع مواقع پر بار بار بیان فرماتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کی تحریم کا ذکر حجۃ الوداع میں اس لیے کیا، کیونکہ لوگ جمع تھے تاکہ انہیں بھی سنا دیں جنہوں نے پہلے اس کے متعلق نہیں سنا تھا آپ نے اسے مؤکد فرمایا تاکہ کسی ایسے شخص کے لیے شبہ نہ رہے جو اس کی حلت کا دعویٰ کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ متعہ کو کثرت سے استعمال کرتے تھے (اس لیے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تحریم کا ذکر کیا)

مسئلہ نمبر 11۔ لیث بن سعد نے بکیر بن اشج سے انہوں نے عمار مولی شرید سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت ابن عباس سے متعہ کے متعلق پوچھا: کیا یہ زنا ہے یا نکاح ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہ زنا ہے، نہ نکاح ہے۔ میں نے کہا: پھر کیا ہے؟ فرمایا: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ میں نے کہا: کیا اس عورت پر عدت ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: ہاں ایک حیض۔ میں نے کہا: متعہ کرنے والے مرد اور عورت ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: نہیں۔ ابوعمر نے کہا: سلف وخلف علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ متعہ ایک مدت تک نکاح ہے جس میں میراث نہیں ہے اور مدت کے پورا ہونے کے وقت بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: متعہ کے پورا ہونے کے وقت بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: متعہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے دو گواہوں کی موجودگی میں اور عورت کے ولی کی اجازت سے مقرر مدت تک نکاح کرے اس بنا پر کہ ان دونوں کے درمیان میراث نہ ہوگی اور مرد عورت کو وہ مال دے گا جس پر ان میں اتفاق ہوا تھا۔ جب مدت گزر جائے گی تو مرد کو اس عورت پر کوئی راہ نہ ہوگی اور وہ استبراء رحم کرے گی، کیونکہ بلاشک اس میں بچہ لاحق ہوگا اور اگر وہ حاملہ نہ ہوگی تو وہ دوسرے کے لیے حلال ہوگی۔ نحاس کی کتاب میں

ہے کہ اس میں خطا ہے، بچہ نکاح متعہ میں لاحق نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: یہ نحاس کی عبارت کا مفہوم ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ متعہ یہ ہے کہ مرد عورت کو کہے: میں تجھ سے ایک دن کے لیے (یا اس کی مثل کوئی مدت متعین کرے) نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھ پر عدت نہ ہوگی اور نہ ہمارے درمیان میراث ہوگی اور نہ طلاق ہوگی اور نہ گواہ ہوگا جو اس پر گواہی دے گا یہ بعینہ زنا ہے اور اسلام میں یہ کبھی مباح نہیں تھا اسی وجہ سے حضرت عمر نے کہا تھا: میرے پاس متعہ کے ذریعے نکاح کرنے والا شخص نہیں لایا جائے گا مگر میں اسے پتھروں کے نیچے غائب کردوں گا(1)۔

مسئلہ نمبر 12۔ ہمارے علماء کا اختلاف ہے کہ جب نکاح متعہ میں مباشرت کرے گا تو کیا حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق نہ ہوگا یا حد شبہ کی وجہ سے نہ لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق ہوگا، اس شخص کو تعزیر لگائی جائے گی اور اسے سزا دی جائے گی، جب آج بچہ بعض علماء کے قول میں نکاح متعہ میں لاحق ہوگا جبکہ تحریم متعہ کا قول بھی موجود ہے۔ تو پھر اس وقت بچہ اس مرد کے ساتھ کیسے لاحق نہ ہوگا جبکہ متعہ مباح تھا۔ پس یہ دلیل ہے کہ نکاح متعہ نکاح صحیح کے حکم پر تھا اور نکاح متعہ، نکاح صحیح سے جدا ہوتا ہے مدت میں اور میراث میں۔ مہدوی نے حضرت ابن عباس سے حکایت کیا ہے کہ نکاح متعہ بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے ہوتا تھا۔ جو اس نے حکایت کیا ہے کہ نکاح متعہ بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے ہوتا تھا، اس میں ضعف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عباس متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ پھر ان کا متعہ کے جواز کے قول سے رجوع ثابت ہے۔ پس متعہ کی حرمت پر اجماع منعقد ہے جب کوئی نکاح متعہ کرے گا تو اسے مشہور مذہب میں رجم کیا جائے گا۔ اور دوسری روایت امام مالک سے یہ ہے کہ اسے رجم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نکاح متعہ حرام نہیں ہے لیکن ہمارے علماء کے لیے ایک دوسری غریب اصل ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے تمام علماء سے منفرد ہو گئے وہ یہ ہے کہ جو سنت کی وجہ سے حرام کیا جاتا ہے کیا وہ قرآن سے حرام کیے گئے کی مثل ہے یا مثل نہیں ہے؟ بعض مدنی علماء کی امام مالک سے روایت یہ ہے کہ وہ برابر نہیں ہیں۔ یہ ضعیف ہے۔ ابو بکر طرطوسی نے کہا: نکاح متعہ کی رخصت صرف حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عباس، بعض صحابہ اور اہل بیت کی ایک جماعت نے دی۔ حضرت ابن عباس کے قول کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

أقول لِلرَّكْب إذْ طال الثَّواءَ بنا　　يا صاحِ هل لك فى فُتْيَا ابن عباس

فى بَضَّةٍ رَخْصة الأطراف ناعمةٍ　　تكون مَثْواك حتى مَرجِعَ الناس

علماء، فقہاء، صحابہ، تابعین اور سلف صالحین میں سے تمام کا نظریہ یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور متعہ حرام ہے۔ ابو عمر نے کہا: اہل مکہ اور یمن سے حضرت ابن عباس کے ساتھی حضرت ابن عباس کے مذہب پر متعہ کو حلال سمجھتے تھے اور تمام لوگوں نے اس کو حرام قرار دیا۔ معمر نے کہا: زہری نے کہا ہے کہ لوگ متعہ سے زیادہ ناراض ہونے لگے حتیٰ کہ شاعر نے کہا:

قال المحدّث لما طال مجلسه　　يا صاحِ هل لك فى فُتْيَا ابن عباس

1۔ الناسخ والمنسوخ، جلد 2، صفحہ 193

جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُجُوْرَهُنَّ یہ مال وغیرہ کو شامل ہے پس اعیان کے منافع کا مہر ہونا جائز ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، مزنی، لیث، امام احمد، امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی اس سے منع کرتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ نے کہا: جب وہ اس پر نکاح کرے گا تو نکاح جائز ہوگا اور اس کے حکم میں ہوگا جس کا مہر متعین نہ کیا گیا ہو اور عورت کو مہر مثل ملے گا اگر وہ اس سے دخول کر چکا ہوگا اور اگر دخول نہ کر چکا ہو تو اسے متعہ (تین کپڑے) ملے گا۔ ابن القاسم نے محمد کی کتاب میں ناپسند کیا ہے اور اصبغ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن شاس نے کہا: نکاح واقع ہو جائے تو وہ اکثر اصحاب کے قول میں نکاح ہو جائے گا۔ یہ اصبغ کی ابن القاسم سے روایت ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: نکاح ثابت ہے اور اس پر لازم ہے کہ جو اس کے لیے شرط ہے وہ اس کو تعلیم دے اگر وہ دخول سے پہلے طلاق دے گا تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں ایک یہ کہ عورت کو اس سورت کی تعلیم کے اجر کا نصف ملے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو مہر مثل کا نصف ملے گا۔ اسحاق نے کہا: نکاح جائز ہے۔ ابوالحسن لخمی نے کہا: اور اس تمام کے جواز کا قول بہتر ہے۔ اجارہ اور حج وغیرہ اموال کی طرح ہیں جو ملکیت دیئے جاتے ہیں، بیچے جاتے ہیں اور خریدے جاتے ہیں۔ امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے، کیونکہ مستحب ہے کہ مہر معجل ہو، اجارہ اور حج مؤجل کے معنی میں ہیں اور پہلے قول والوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد بِاَمْوَالِكُمْ سے حجت پکڑی ہے اور مال کی حقیقت یہ ہے کہ جس کے ساتھ طمع متعلق ہو اور نفع حاصل کرنے کے لیے شمار کیا جائے گا اور اجارہ میں رقبہ کی منفعت اور علم کے لیے تعلیم کی منفعت یہ تمام مال نہیں ہیں۔ امام طحاوی نے فرمایا: وہ اصل جس پر اجماع ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اجرت پر لے اس شرط پر کہ وہ اسے قرآن کی فلاں سورت ایک درہم کے بدلے سکھائے گا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ اجارات جائز نہیں ہیں مگر دو معانی میں سے ایک معنی کے لیے یا تو متعین عمل پر اسے لے گا جیسے کپڑا سینے کے لیے یا کسی اور متعین کام کے لیے یا وقت معلوم پر لے گا اور جب کسی سورت کی تعلیم پر اجرت پر لے گا تو یہ اجارہ نہ وقت معلوم پر ہوگا اور نہ عمل معلوم پر ہوگا اس نے اس کو تعلیم دینے پر اجرت پر لیا ہے جب کہ تھوڑی تعلیم اور زیادہ تعلیم تھوڑے وقت میں اور زیادہ وقت میں سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اپنا گھر کسی کو اس شرط پر بیچے کہ وہ اسے قرآن کی ایک سورت سکھائے گا تو مذکورہ معانی کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔ جب تعلیم کے ذریعے منافع اور اعیان الاموال کی ملکیت حاصل نہیں کی جاسکتی تو نظر سے ثابت ہوا کہ تعلیم کے ذریعے بضع کی ملکیت بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ واللہ الموفق۔

اور جنہوں نے اس کی اجازت دی ہے انہوں نے حدیث الموهوبة میں حضرت سہل کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو جا میں نے تجھے اس کا مالک بنا دیا اس کے عوض جو تیرے پاس قرآن ہے" (1)۔ ایک روایت میں ہے "تو جا میں نے تیرا اس کے ساتھ نکاح کر دیا تو اسے قرآن میں سے سکھا دے"۔ علماء فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ نکاح کے انعقاد اور مہر (جو تعلیم تھی) کو مؤخر کرنے کی دلیل ہے اور یہ بما معك من القرآن سے ظاہر الفاظ پر

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب القراءة عن ظهر القلب، حدیث نمبر 4642، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ کیونکہ باعوض کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: خذ هذا، بهذا یعنی اس چیز کے بدلے یہ چیز لے۔ اور دوسری روایت میں ہے: فعلمها ''تو اسے سکھا'' یہ تعلیم دینے کے حکم میں نص ہے اور کلام کا سیاق گواہی دیتا ہے کہ یہ نکاح کے لیے تھا، اس شخص کے قول کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا جو کہتا ہے کہ یہ اس شخص کے اکرام کے لیے تھا، کیونکہ اس نے قرآن یاد کیا ہوا تھا اور با بمعنی لام ہے، کیونکہ دوسری حدیث اس کے خلاف کی تصریح کرتی ہے فرمایا: فعلمها من القرآن۔ اور ابوطلحہ سے جو مروی ہے اس میں بھی حجت نہیں ہے کہ انہوں نے ام سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا کہ تو اسلام قبول کر میں نکاح کرلوں گی انہوں نے اسلام قبول کیا پھر اس سے نکاح کیا، پس کوئی مہر اس کے مہر سے معزز نہ تھا۔ اس کا مہر اسلام تھا، کیونکہ یہ اس کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ ام سلیم کو ابوطلحہ کی طرف سے کچھ نہیں ملتا تھا بخلاف تعلیم اور دوسرے منافع کے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر کیا تھا کہ وہ اس کے مہر میں شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائے گا۔ اس کا بیان سورۃ القصص میں آئے گا اور حضرت ابن عباس کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا: اے فلاں! کیا تو نے شادی کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں میرے پاس کوئی ایسی چیز ہی نہیں ہے جس کے عوض میں نکاح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے پاس قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سورۃ نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں یہ تو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ثلث القرآن (قرآن کا تہائی) ہے۔ کیا تیرے پاس ایۃ الکرسی نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن کا چوتھائی ہے۔ کیا تیرے پاس اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن کا چوتھائی ہے، کیا تیرے پاس اِذَا زُلْزِلَتِ (سورہ) نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! فرمایا وہ قرآن کا چوتھائی ہے۔ نکاح کر، نکاح کر (1)۔

میں کہتا ہوں: دارقطنی نے حضرت سہل کی حدیث، حضرت ابن مسعود کی حدیث سے روایت کی ہے اس میں اس چیز کی زیادہ وضاحت ہے جس سے امام مالک وغیرہ نے حجت پکڑی ہے، اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عورت سے کون نکاح کرے گا؟ ایک شخص کھڑا ہوا اس نے کہا: میں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تیرے پاس مال ہے؟ عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں سورۂ بقرہ اور سورۂ مفصل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تیرا اس سے نکاح کر دیا اس پر کہ تو اسے پڑھائے گا اور اسے تعلیم دے گا اور جب اللہ تعالیٰ تجھے عطا فرمائے گا تو تو اس کو عوض دے گا۔ پس اس شخص نے اس عورت سے اس شرط پر نکاح کر لیا۔ یہ نص ہے۔ اگرچہ صحیح ہے کہ تعلیم مہر نہیں ہوگی۔ دارقطنی نے کہا: اس حدیث کو روایت کرنے میں عتبة بن سکن منفرد ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ فریضة مصدر کی بنا پر منصوب ہے حال بن رہا ہے یعنی مفروضة۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ یعنی مہر میں کمی بیشی کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ فریضة کے استقرار کے بعد باہم رضامندی سے کمی، بیشی کرنا جائز ہے۔ مقصود مہر سے عورت

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی اذا زلزلت، حدیث نمبر 2820، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کا بری کرنا ہے یا مرد کا پورا مہر ادا کرنا ہے اگر وہ اسے دخول سے پہلے طلاق دے دے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ آیت متعہ کے بارے میں ہے وہ کہتے ہیں: یہ اشارہ ہے جس پر متعہ کی مدت میں زیادتی کرنے میں راضی ہو جاتے تھے ابتداء اسلام میں (مثلاً) ایک شخص کسی عورت سے ایک دینار کے بدلے میں ایک مہینہ کے لیے نکاح کرتا تھا جب مہینہ مکمل ہو جاتا تھا تو وہ اسے کہتا: مدت میں میرے لیے زیادتی کر میں تیرے لیے مہر میں زیادتی کروں گا پس ظاہر ہوا کہ یہ تراضی کے وقت جائز تھا۔

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

''اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد عورتوں سے، تو وہ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو بعض تمہارے بعض (کی جنس) سے ہے، تو نکاح کرلو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو مہر دستور کے موافق (تاکہ نکاح سے) وہ پاک دامن بن جائیں نہ اعلانیہ زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں پھر اگر وہ ارتکاب کرے بدکاری کا تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لیے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم سے۔ اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس آیت میں اکیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اللہ تعالیٰ نے نکاح میں تخفیف پر آگاہ فرمایا اور وہ لونڈی سے نکاح کرنا ہے اس کے لیے جو طاقت نہیں رکھتا کہ آزاد عورت سے نکاح کرے۔ طول کے معنی میں علماء کے تین مختلف اقوال ہیں پہلا معنی یہ ہے السعة و الغنى یعنی خوشحالی اور غنیٰ۔ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، سدی، ابن زید۔ اور امام مالک کا مدونہ میں قول ہے کہا جاتا ہے: طال یطول طولاً یعنی فضل کرنے اور قدرت میں طاقت رکھتا ہے۔ فلان ذو طول یعنی وہ مال میں قدرت والا ہے۔ یہ طا کے فتحہ کے ساتھ ہے اور طا کے ضمہ کے ساتھ ہو تو وہ قصر (پست) کی ضد ہے۔ یہاں اکثر علماء کے قول میں مہر پر قدرت مراد ہے۔ یہی امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور اسحاق کا قول ہے۔ احمد بن المعذل نے کہا: عبدالملک نے کہا ہے کہ الطول سے مراد ہر وہ نقدی یا سامان یا مالدار شخص پر قرض ہے جو نکاح پر مقرر کیا جاتا ہے اور فرمایا:

ہر وہ چیز جس کا بیچنا اور اجارہ کرنا ممکن ہے وہ طول ہے۔ اور فرمایا: ایک بیوی، دو بیویاں اور تین بیویاں طول نہیں ہیں۔ اور فرمایا: میں نے امام مالک سے سنا کہ عبدالملک نے کہا: بیوی کے ذریعے نکاح نہیں کیا جاتا اور نہ اس کے ذریعے غیر تک پہنچا جاتا ہے، کیونکہ وہ مال نہیں ہے۔ امام مالک سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جس نے لونڈی سے نکاح کیا جب کہ وہ طاقت رکھتا ہے تو امام مالک نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ان کے درمیان تفریق کی جائے۔ پھر کہا گیا: وہ بدکاری کا خوف رکھتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: اسے کوڑے سے مارا جائے گا پھر اس کے بعد تخفیف فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے: الطول سے مراد آزاد عورت ہے۔ امام مالک کا قول آزاد عورت کے بارے میں مختلف ہے کہ کیا وہ طول ہے یا نہیں؟ المدونہ میں فرمایا: آزاد عورت طول نہیں ہے جو لونڈی کے نکاح سے روکتی ہے جب وہ دوسری کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے بدکاری کا خوف ہو اور کتاب محمد میں جو ہے وہ تقاضا کرتا ہے کہ آزاد عورت طول ہے۔ لخمی نے کہا: یہی ظاہر قرآن ہے۔ یہی ابن حبیب سے مروی ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ جس کے پاس آزاد عورت ہو اس کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ طاقت نہ رکھتا ہو اور بدکاری کا خوف بھی ہو، کیونکہ وہ شہوت طلب کرتا ہے اور اس کے پاس عورت موجود ہے۔ یہی طبری کا قول ہے۔ اور اس قول کی تائید میں حجت قائم کی ہے امام ابو یوسف نے فرمایا: الطول سے مراد پہلے آزاد عورت کا عقد میں موجود ہونا ہے۔ جب اس کے عقد میں آزاد عورت ہوگی تو وہ ذوالطول ہوگا اس کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ الطول سے صبر اور جبر ہے اس شخص کے لیے جو کسی لونڈی سے محبت رکھتا ہے اور اتنی محبت رکھتا ہے کہ وہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ لونڈی سے نکاح کرے جب کہ وہ اس کی محبت پر ضبط نہیں رکھتا اور اسے اس کے ساتھ بدکاری کا خوف ہے اگرچہ وہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کے لیے مال میں وسعت بھی رکھتا ہو۔ یہ قتادہ، نخعی، عطا، سفیان ثوری کا قول ہے۔ اس تاویل پر لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ کا ارشاد صبر نہ کرنے کی صفت میں ہوگا اور پہلی تاویل پر لونڈی سے نکاح کرنا دو شرطوں کے ساتھ معلق ہوگا مال میں وسعت نہ رکھنا اور بدکاری کا خوف، پس یہ حکم صحیح نہ ہوگا مگر دونوں شرطوں کے جمع ہونے کے ساتھ۔ یہ امام مالک کے مذہب کی مدونہ میں ابن نافع، ابن القاسم، ابن وہب اور ابن زیاد کی روایت سے نص ہے۔ مطرف اور ابن ماجشون نے کہا: انسان کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ اور یہ دونوں ثابت نہیں کرتے مگر یہ کہ دونوں شرطیں جمع ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اصبغ نے بھی یہی کہا ہے اور یہ قول حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عباس، عطا، طاؤس، زہری اور مکحول سے مروی ہے اور یہی قول امام شافعی، ابوثور، امام احمد، اسحاق کا ہے۔ ابن المنذر وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ پس اگر مہر پائے اور نفقہ نہ پائے تو امام مالک نے کتاب محمد میں فرمایا: اس کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اصبغ نے کہا: یہ جائز ہے، کیونکہ لونڈی کا خرچہ اس کے مالکوں پر ہے جب خاوند اس کو اپنے ساتھ نہ رکھے۔ اور اس آیت میں چوتھا قول بھی ہے۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس لونڈی پر دوسری لونڈی اور نصرانیہ عورت سے نکاح کرنے کی وسعت دی ہے اگر وہ شخص خوشحال ہو امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔ اور انہوں نے بدکاری کے خوف کی شرط نہیں رکھی جب کہ پہلے اس کے نکاح میں آزاد عورت نہ ہو۔ یہ علماء فرماتے ہیں:

ہر وہ مال جس کے ساتھ لونڈی سے شادی کرنا ممکن ہے، اس کے ساتھ آزاد عورت سے شادی کرنا بھی ممکن ہے پس اس بنا پر مطلقاً لونڈی سے نکاح کے جواز میں یہ آیت اصل ہے۔

مجاہد نے کہا: اس کے مطابق سفیان بھی عمل کرتے تھے۔ میں نے ان سے لونڈی کے نکاح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ابن ابی لیلیٰ عن المنہال عن عباد بن عبد اللہ عن علی رضی اللہ عنہ کی سند سے بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کیا جائے تو آزاد کے لیے دو دن ہوں گے اور لونڈی کے لیے ایک دن ہوگا۔ فرمایا: حضرت علی اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے تھے، اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اور ارشاد باری تعالیٰ وَ مَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ ؕ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِيَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ کا عموم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً (اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے دو دو، تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی) علماء کا اتفاق ہے کہ آزاد آدمی چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے اگرچہ اسے عدل نہ کرنے کا خوف بھی ہو۔ علماء نے فرمایا: اسی طرح اس کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ وہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا بھی ہو اور اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو۔ امام مالک سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ آزاد عورت پر قدرت کے باوجود لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے اور یہ ان کا ضعیف قول ہے۔ اور کبھی امام مالک نے فرمایا: یہ واضح حرام نہیں ہے اور میں اس کو جائز کہتا ہوں اور صحیح یہ ہے کہ آزاد مسلمان مرد کے لیے کسی غیر مسلمہ لونڈی سے نکاح کرنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے مسلمان لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ جن کو نص قرآنی میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے العنت سے مراد زنا ہے۔ اگر آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور زنا کا خدشہ بھی نہ ہو تو لونڈی سے نکاح کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے اسی طرح اگر آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور زنا کا اندیشہ ہو (تو پھر بھی لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں) اگر آزاد کتابیہ سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو پھر یہ مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ کیا لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے؟ اس کے متعلق ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ مسلمان لونڈی، کافرہ لونڈی سے ملحق نہیں ہے مومنہ لونڈی، مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے۔ ابن عربی نے اس کو اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: کتابیہ سے نکاح کرے، کیونکہ لونڈی ایمان کی وجہ سے اگرچہ کافرہ آزاد پر فضیلت رکھتی ہے تو کافرہ حریت (آزادی) کی وجہ سے اس پر فضیلت رکھتی ہے۔ یہ بیوی ہے اگر اس کا بچہ پیدا ہوگا تو وہ آزاد ہوگا غلام نہیں بنایا جائے گا اور لونڈی کا بچہ غلام ہوگا۔ وہ اپنے مذہب پر مسئلہ بیان کررہے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس شخص کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جو لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کرتا ہے، جبکہ آزاد عورت کو اس کا علم نہیں ہے (کہ پہلے اس کا لونڈی سے نکاح ہے)۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ نکاح ثابت ہے۔ سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، شافعی، ابو ثور اور اصحاب الرائے نے اسی طرح کہا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: آزاد عورت کو جب علم ہو تو اسے اختیار ہے۔ پھر اسے کس چیز میں اختیار ہے؟ زہری، سعید بن مسیب، امام مالک، امام احمد اور اسحاق نے کہا: چاہے تو اپنے خاوند کے ساتھ رہے، چاہے تو اسے جدا کر دے۔ عبد الملک نے کہا: لونڈی کے نکاح کو قائم رکھنے یا اسے فسخ کرنے میں اسے اختیار ہے۔ نخعی نے کہا: جب لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کرے تو لونڈی کو جدا کر دے مگر یہ کہ لونڈی سے اس کی اولاد ہو چکی ہو تو پھر وہ لونڈی کو جدا نہ کرے۔ مسروق نے کہا: لونڈی کا نکاح فسخ کیا جائے گا، کیونکہ یہ ضرورت کے لیے مباح کیا گیا تھا جس طرح مردار ضرورت کے لیے مباح ہوتا ہے جب ضرورت اٹھ گئی تو اباحت بھی اٹھ گئی۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر کسی کے نکاح میں دو لونڈیاں ہوں جبکہ آزاد عورت کو ان میں سے ایک کا علم ہو دوسری کا علم نہ ہو تو آزاد عورت کو اختیار ہوگا کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اگر آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کرے پھر وہ راضی ہو پھر اس پر ایک اور لونڈی سے نکاح کرے پھر وہ راضی ہو، پھر اس پر ایک اور لونڈی سے نکاح کرے، پھر وہ انکار کرے تو اس کے لیے یہ اختیار ہے۔ اسی طرح اس کو دو لونڈیوں سے نکاح کا علم نہیں تھا اور ایک کے بارے میں علم تھا (تو اسے اختیار ہے)۔ ابن القاسم نے کہا: امام مالک نے فرمایا: ان مسائل میں ہم نے آزاد عورت کے لیے اختیار رکھا ہے، کیونکہ مجھ سے پہلے علماء نے یہی فرمایا ہے۔ ان علماء سے مراد سعید بن مسیب، ابن شہاب وغیرہ ہیں۔ امام مالک نے فرمایا: اگر مذکورہ علماء کے اقوال نہ ہوتے تو میں اسے حلال سمجھتا، کیونکہ یہ کتاب اللہ میں حلال ہے۔ اگر مرد کو ایک آزاد عورت کفایت نہ کرے اور اسے دوسری عورت کی ضرورت ہو اور وہ اس کے مہر پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے حتیٰ کہ ظاہر قرآن کی وجہ سے چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کا نکاح رد کیا جائے گا، ابن عربی نے کہا: دلیل میں پہلا قول اصح ہے، اسی طرح قرآن میں ہے، کیونکہ جو سبب محقق کی وجہ سے راضی ہے وہ سبب مرتب کی وجہ سے راضی ہے، اسے اختیار نہ ہوگا، کیونکہ وہ جان چکی ہے کہ مرد کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کا اختیار ہے، وہ جان چکی ہے کہ اگر وہ آزاد عورت سے نکاح پر قادر نہ ہوگا تو لونڈی سے نکاح کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر شرط نہیں لگائی ہے جس طرح اس نے اپنے اوپر شرط لگائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شرط میں اس کے علم کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس باب میں یہی تحقیق کی انتہا ہے اور اس میں انصاف کا پہلو ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں اس کی دلیل آزاد اور لونڈیوں کے درمیان تقسیم ہے جو اس ارشاد میں ہے: مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی پاک دامن عورتیں ہیں اور یہ ضعیف قول ہے، کیونکہ لونڈیاں بھی اس کے تحت واقع ہوتی ہیں، پس اہل کتاب کی لونڈیوں سے نکاح جائز قرار دیا ہے اور

بدکارہ مومنات اور کتابیات کو حرام کیا ہے۔ یہ ابن میسرہ اور سدی کا قول ہے۔ علماء کا اختلاف ہے لونڈیوں سے نکاح کرنے کے جواز میں اس آزاد کے لیے جو آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا اور اسے بدکاری کا خطرہ ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، ابن شہاب زہری اور حارث عکلی نے کہا کہ اس کے لیے چار لونڈیوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حماد بن ابی سلیمان نے کہا: دو لونڈیوں سے زیادہ سے نکاح کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ امام شافعی، ابوثور، امام احمد، اسحاق نے کہا کہ صرف ایک لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور مسروق اور ایک جماعت کا قول ہے اور انہوں نے اس ارشاد سے دلیل پکڑی ہے لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡکُمۡ اور یہ خدشہ ایک کے نکاح سے زائل ہو جاتا ہے (یعنی ایک سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے)

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ یعنی غیر کی لونڈی سے نکاح کرے اور علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپنی لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں حقوق کا تعارض ہے اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ یعنی لونڈیاں فتیات، جمع ہے فتاۃ کی اور عرب غلام کو فتی اور لونڈی کو فتاۃ کہتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے تم میں کوئی عبدی اور امتی (میرا غلام، میری لونڈی) نہ کہے بلکہ فتای وفتاتی کہے(1)۔ الفتی اور الفتاۃ کا اطلاق جوان آزاد مرد اور عورت پر ہوتا ہے لیکن غلاموں کے لیے جوانوں اور بوڑھے دونوں صورتوں میں بولے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الۡمُؤۡمِنٰتِ اس لفظ کے ساتھ بیان فرمایا کہ کتابیہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ صفت امام مالک، امام شافعی اور ان کے متبعین کے نزدیک اور ثوری، اوزاعی، حسن بصری، زہری، مکحول اور مجاہد کے نزدیک شرط ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت نے کہا: جن میں اصحاب الرائے بھی ہیں، کہ کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ ابوعمر نے کہا: میں ان سے پہلے کسی کا قول نہیں جانتا، سوائے ابوعمرو بن شرحبیل کے قول کے اس نے کہا ہے کہ اہل کتاب کی لونڈیاں، ان کی آزاد عورتوں کے قائم مقام ہیں۔ یہ علماء فرماتے ہیں: الۡمُؤۡمِنٰتِ کا لفظ یہ فاضل وصف کی جہت سے ہے یہ ایسی شرط نہیں ہے کہ اس کے علاوہ جائز ہی نہیں۔ یہ اس قول کی طرح ہے فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً (اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی) اگر کسی کو عدل نہ کرنے کا خوف ہو پھر وہ ایک سے زیادہ سے نکاح کرے تو بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ وہ زیادہ عورتوں سے نکاح نہ کرے۔ اسی طرح یہاں بھی افضل یہ ہے کہ وہ نکاح نہ کرے مگر مومنہ عورت سے، اگر غیر مومنہ سے نکاح کرے گا تو جائز ہوگا اور انہوں نے آزاد عورتوں پر قیاس سے حجت پکڑی ہے۔ جب آزاد عورتوں میں مومنات کی صفت نے کتابیات سے نکاح کرنے سے منع نہیں کیا تو اسی طرح لونڈیوں میں مومنات کا قول، کتابی لونڈیوں سے نکاح کرنے سے مانع نہ ہوگا۔ اشہب نے المدونہ میں کہا ہے کہ مسلمان غلام کے لیے کتابیہ لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے اور ان کے نزدیک خاوند کو حریت اور دین دونوں میں فضیلت ہے۔ اور اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں کہ مجوسیہ اور بت پرست لونڈی سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں اور جب ان کا نکاح بالاجماع حرام ہے تو اسی

1۔ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق وقولہ عبدی او امتی، حدیث نمبر 2366، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرح ملک یمین کی وجہ سے وطی کرنا بھی قیاساً اور نظراً حرام ہے۔ طاؤس، مجاہد، عطا اور عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ ملک یمین کی وجہ سے مجوسیہ لونڈی سے وطی میں کوئی حرج نہیں۔ یہ شاذ اور متروک قول ہے۔ فقہاء امصار میں سے کسی نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ ایسی لونڈی سے وطی کرنا حلال نہیں حتی کہ مسلمان ہو جائے۔ اس مسئلہ میں تفصیلی گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ امور کے بواطن کو جاننے والا ہے۔ جبکہ تم امور کے ظاہر کو جانتے ہو۔ تم تمام آدم کی اولاد ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے اور ضرورت کے وقت لونڈی سے نکاح کرنے کو عار نہ سمجھو اگرچہ ان کے قیدی ہونے کا زمانہ قریب ہو یا وہ گونگی ہو یا اس جیسی کسی اور صورت میں ہو۔ اس لفظ میں تنبیہ ہے کہ بعض اوقات لونڈی کا ایمان بعض آزاد عورتوں کے ایمان سے افضل ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ یہ مبتدا خبر ہیں جیسے تیرا قول ہے: زید فی الدار مطلب یہ ہے کہ تم آدم کے بیٹے ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تم مومن ہو۔ بعض نے فرمایا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی یہ ہے کہ جو تم میں سے آزاد مومنات سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو تم میں سے بعض، بعض سے نکاح کر لے۔ یہ اس کی لڑکی سے، یہ اس کی لڑکی سے پس اس تقدیر پر بَعْضُكُمْ، فعل فلینکح کی وجہ سے مرفوع ہوگا، اور اس کلام سے مقصود ان عربوں کے نفوس کو مطمئن کرنا ہے جو لونڈی کی اولاد کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اس کو عار دلاتے تھے اور اس کو الھجین کہتے تھے۔ جب شریعت اسلامیہ نے لونڈی سے نکاح کے جواز کا حکم دیا تو انہوں نے جان لیا کہ اس تھجین کا کوئی معنی نہیں۔ لونڈی کا مرتبہ جب کم ہو گیا تو آزاد مرد کے لیے بغیر ضرورت کے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ بچے کی غلامی کا سبب بنتی ہے اور لونڈی ہمیشہ اپنے خاوند کے لیے فارغ بھی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ یعنی ان کے ارباب ولایت کی اجازت سے نکاح کرو اسی طرح غلام بھی اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کرے گا، کیونکہ غلام مملوک ہوتا ہے اس کا کوئی امر نہیں ہوتا اور اس کا پورا بدن مستغرق ہوتا ہے لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ غلام جب آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا پھر اس کا آقا اس کی اجازت دے گا تو نکاح جائز ہوگا۔ یہ امام مالک اور اصحاب الرائے کا مذہب ہے۔ اور یہی قول حسن بصری، عطا بن ابی رباح، سعید بن مسیب، شریح اور شعبی کا قول ہے اور لونڈی جب اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو وہ نکاح فسخ ہو جائے گا آقا کی اجازت سے جائز نہ ہوگا، کیونکہ لونڈی میں اُنوثت کا نقصان قطعی طور پر اس کے نکاح کے انعقاد سے مانع ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: جب غلام بھی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا تو اس کا نکاح بھی فسخ ہوگا۔ یہ امام شافعی، اوزاعی، داؤد بن علی کا قول ہے۔ یہ علماء فرماتے ہیں: آقا کی اجازت جائز نہیں کرتی اگر وہ نکاح میں موجود نہ ہو، کیونکہ فاسد عقد کو اس کی اجازت صحیح نہیں کرتی۔ اگر وہ نکاح کا ارادہ کرے گا تو دوبارہ نکاح کرے گا۔ مسلمانوں کے علماء کا اجماع ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر ایسے غلام کو زانی شمار کرتے تھے اور اسے حد لگاتے تھے۔ یہی ابو

ثور کا قول ہے۔ عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر اور عن معمر عن ایوب، عن نافع عن ابن عمر کی دو سندوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے اپنے ایک غلام کو پکڑا جس نے ان کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تھا پھر اسے حد لگائی اور انہیں (میاں، بیوی کو) جدا کر دیا اور اس عورت کے مہر کو باطل قرار دیا۔ عبدالرزاق نے کہا: ہمیں ابن جریج نے بتایا انہوں نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ ابن عمر، آقا کی اجازت کے بغیر غلام کے نکاح کو زنا خیال کرتے تھے اور اس کو حد لگانے کا نظریہ رکھتے تھے اور انہیں بھی سزا دیتے تھے جو ان دونوں کا نکاح کرتے تھے (1)۔ عبدالرزاق نے فرمایا ہمیں ابن جریج نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کر کے بتایا کہ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت جابر بن عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ زانی ہے'' (2)۔ اور حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے: یہ نکاح حرام ہے۔ اگر آقا کی اجازت سے نکاح کرے گا تو طلاق اس کے ہاتھ میں ہوگی جو فرج کو حلال کرے گا۔ ابو عمر نے کہا: اس پر حجاز اور عراق کے علماء کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس سے بلا اختلاف مروی ہے کہ طلاق آقا کے ہاتھ میں ہے اس پر حضرت جابر بن عبداللہ اور ایک فرقہ نے ان کی متابعت کی ہے۔ یہ علماء کے نزدیک شاذ قول ہے اس پر توجہ نہیں دی جائے گی، میرا خیال ہے حضرت ابن عباس نے اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (النحل: 75) اللہ تعالیٰ نے عبد مملوک کی مثال بیان فرمائی جو کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا۔ اور اہل علم کا اجماع ہے کہ غلام کا نکاح، آقا کی اجازت سے جائز ہے۔ اگر اس نے نکاح فاسد کیا تو امام شافعی نے فرمایا: اگر اس نے مصاحبت نہیں کی تو عورت کے لیے کچھ نہ ہوگا اور اگر مصاحبت کر چکا ہوگا تو اس پر مہر ہوگا جب وہ آزاد ہوگا یہ صحیح مذہب ہے یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے، اس پر مہر نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ آزاد ہو جائے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اگر اس سے مصاحبت کرے گا تو اس عورت کے لیے مہر ہوگا۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: جب غلام دو شخصوں کا ہو اور ایک مالک اسے نکاح کی اجازت دے دے اور وہ نکاح کرے تو نکاح باطل ہوگا، رہی لونڈی جب اپنے مالک سے نکاح کی اجازت طلب کرے اور وہ اسے نکاح کی اجازت دے دے تو جائز ہے اگرچہ وہ خود عقد نہ بھی کرے لیکن اس کو عقد کا ولی بنایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ نکاح میں مہر کے وجوب پر یہ جملہ دلیل ہے اور یہ مہر لونڈی کے لیے ہوگا۔ بِالْمَعْرُوْفِ اس کا معنی ہے شرع اور سنت کے مطابق۔ یہ کلام تقاضا کرتا ہے کہ لونڈیاں اپنے مہر کی اپنے مالکوں کی نسبت خود زیادہ حق دار ہیں۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ کتاب الرہون میں ہے: آقا کے لیے لونڈی کا مہر لینا اور بغیر جہیز (سامان) کے اسے چھوڑ دینا جائز نہیں (3)۔ امام شافعی نے فرمایا: مہر آقا کے لیے ہے، کیونکہ وہ عوض ہے پس مہر لونڈی کے لیے نہ ہوگا۔ اس کی اصل لونڈی سے منفعت اٹھانے کی اجازت ہے۔ لونڈی کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے، کیونکہ مہر

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی نکاح العبد بغیر اذن سیدہ، حدیث نمبر 1779، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 132۔ ایضاً، حدیث نمبر 1090، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 38

اس کے سبب واجب ہوا ہے۔ قاضی اسماعیل نے احکام میں ذکر کیا ہے کہ بعض عراقیوں نے خیال کیا ہے کہ جب مالک اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام سے کر دے تو مہر نہیں ہوگا۔ یہ قول کتاب وسنت کے خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُحْصَنٰتٍ یعنی پاک دامن عورتیں۔ کسائی نے اسے محصِنات سارے قرآن میں صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے سوائے اس ارشاد کے وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اور باقی قراء نے پورے قرآن میں صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر فرمایا: غیر مسافحات اعلانیہ زنا کرنے والی نہ ہوں، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں علانیہ زنا کرنے والی ہوتی تھیں۔ ان کے لیے جھنڈے گاڑھے ہوئے ہوتے تھے بیطار کے جھنڈے کی طرح۔

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار) برائی پر دوست نہ بنانے والی ہوں۔ اخدان کا واحد خدن اور خدین ہے۔ وہ جو تمہیں دوست بنائے۔ رجل خدنۃ جب کوئی دوست بنائے۔ یہ ابوزید سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مسافحہ کا معنی اعلانیہ زنا کرنے والی ہے یعنی جو عورت کرائے پر زنا کرتی ہے۔ ذات الخدن جو پوشیدہ زنا کرتی ہے بعض علماء نے فرمایا: المسافحہ سے مراد ہر شخص سے بدکاری کرنے والی اور ذات الخدن جو کسی ایک سے زنا کرتی ہے عرب اعلانیہ زنا کو معیوب سمجھتے تھے اور پوشیدہ یار بنانے کو معیوب نہیں جانتے تھے۔ اسلام نے یہ تمام صورتیں اٹھا دیں اس کے متعلق یہ ارشاد نازل ہوا۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام: 151) یہ حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَآ اُحْصِنَّ۔ عاصم، حمزہ اور کسائی کی قرأت ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے (1) اور باقی قراء کی قرأت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے: جب وہ اسلام قبول کریں اور جب ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے: جب ان کا نکاح کیا گیا ہو۔ جب مسلمان لونڈی زنا کرے گی تو اسے آزاد عورت کے کوڑوں سے نصف کوڑے لگائیں جائیں گے۔ اس کا مسلمان ہونا اس کا محصن ہونا ہے یہ جمہور، حضرت ابن مسعود، شعبی، زہری وغیرہم کے قول میں ہے اور کافرہ لونڈی کو حد نہیں لگائی جائے گی جب وہ زنا کرے گی۔ یہ امام شافعی کا قول ہے جو ابن المنذر نے ذکر کیا ہے۔ دوسرے علماء نے فرمایا: لونڈی کا احصان اس کا آزاد شخص سے نکاح کرنا ہے جب غیر شادی شدہ مسلمان لونڈی زنا کرے گی تو اس پر حد نہ ہوگی۔ یہ سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے اور ابوعبید نے بھی یہی کہا ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب کی حدیث میں ہے کہ ان سے لونڈی کی حد کے بارے پوچھا گیا تو حضرت عمر نے فرمایا: اِنَّ الأمۃ أَلقت فَرْوَۃَ راسھا من وراء الدار۔ اصمعی نے کہا: الفروۃ سر کی جلد کو کہتے ہیں۔ ابوعبید نے کہا: حضرت عمر نے فروہ سے مراد سر کی جلد نہیں لی ہے اسے کیسے گھر کے پیچھے پھینک سکتی ہے۔ لیکن یہ مثال ہے فروہ سے مراد پردہ ہے۔ یعنی اس پر کوئی پردہ اور حجاب نہیں ہوتا وہ ہر جگہ جاتی ہے جہاں اس کے مالک اسے بھیجتے ہیں وہ اس سے بچنے پر قادر نہیں ہوتی۔ پس وہ اس وجہ سے برائی سے بچنے پر قادر نہیں ہوتی مثلاً اسے بکریاں چرانا ہوتی ہیں، ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ گویا حضرت عمر نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اس پر اس وجہ سے حد نہیں ہے اگر وہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 47

زنا کرے۔ ایک فرقہ نے کہا ہے کہ لونڈی کا احصان اس کا نکاح کرنا ہے مگر غیر شادی شدہ مسلمان لونڈی پر حد سنت سے واجب ہے، جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! لونڈی جب زنا کرے اور شادی شدہ نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر حد کو واجب کیا (1)۔ اور زہری نے کہا: شادی شدہ مسلمان لونڈی کی حد قرآن نے متعین فرمائی ہے اور غیر شادی شدہ کی حد، حدیث سے متعین ہے (2) اور جن علماء نے اذا احصن کا معنی اسلام لانا کیا ہے۔ قاضی اسماعیل نے کہا: اس میں بُعد ہے، کیونکہ ایمان کا ذکر تو ان سے پہلے مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ میں گزر چکا ہے۔ اور رہے وہ علماء جنہوں نے اُحۡصِنَّ کا معنی تزوجن کیا ہے اور کہا ہے کہ لونڈی پر حد نہیں ہے حتیٰ کہ وہ شادی کرلے۔ یہ علماء ظاہر قرآن پر گئے ہیں میرا خیال ہے انہیں یہ حدیث معلوم نہیں تھی ہمارے نزدیک معاملہ یہ ہے کہ لونڈی جب زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہو تو کتاب اللہ کے ساتھ اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور جب زنا کرے جب شادی شدہ نہ ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی وجہ سے کوڑے لگائے جائیں گے، لونڈی پر رجم نہ ہوگا کیونکہ رجم کا نصف نہیں ہوتا۔ ابو عمر نے کہا: قرآن کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ لونڈی پر حد نہیں ہے اگرچہ وہ مسلمان بھی ہو مگر شادی کے بعد۔ پھر سنت نے اس کے کوڑوں کو بیان کیا اگرچہ شادی شدہ نہ ہو پس یہ اس کے بیان کی زیادتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مومن کی پیٹھ محفوظ ہے اسے مباح نہیں کیا جائے گا مگر یقین کے ساتھ اور اختلاف کے ہوتے ہوئے یقین نہیں ہوتا، تو پھر صحیح سنت میں اس کی کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے اسے کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔ واللہ اعلم

ابن المنذر نے ابوثور کا قول ذکر کیا ہے کہ اگر علماء کا غلام اور لونڈی کو، زنا کی صورت میں رجم کرنے میں اختلاف ہوگا تو جب وہ محصن ہوں گے تو انہیں رجم کیا جائے گا اور اگر اجماع ہوگا تو پھر اجماع اولیٰ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 15۔ علماء کا اختلاف ہے کہ غلام اور لونڈی زنا کریں گے تو ان پر حد کون لاگو کرے گا؟ ابن شہاب نے کہا: سنت قائم ہو چکی ہے کہ زنا کی صورت میں انہیں ان کے مالک حد لگائیں گے مگر ان کا مقدمہ سلطان تک پہنچایا جائے گا تو پھر کسی کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام کرنا جائز نہ ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا بھی یہی مقتضیٰ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے تو وہ اسے حد لگائے'' (3)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: اپنے غلاموں پر حد قائم کرو جو ان میں سے محصن ہیں اور جو محصن نہیں ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی نے زنا کیا تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوڑے لگانے کا حکم فرمایا، اس کا قریب ہی بچہ پیدا ہوا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اسے کوڑے لگاؤں گا تو اسے قتل کر دوں گا، میں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے اچھا کیا (4) (کہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 70۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع العبد الزانی، حدیث نمبر 2009، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 39

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 70۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع المدبر، حدیث نمبر 2080، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ جامع ترمذی، کتاب الحدود، جلد 1، صفحہ 173

اسے کوڑے نہیں لگائے)'' اس حدیث کو مسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوف نقل کیا ہے، نسائی نے اسے مسند ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر (زنا کرنے کی صورت میں) حد قائم کرو جو ان میں محصن ہیں اور جو محصن نہیں ہیں''۔ یہ نص ہے کہ سردار ہی اپنے غلاموں پر حدود قائم کریں گے ان میں سے جو محصن ہیں اور جو محصن نہیں ہیں۔ امام مالک نے فرمایا: آقا اپنے غلام کو حد لگائے گا زنا، شراب پینے اور قذف لگانے میں جب کہ گواہ اس کے پاس گواہی دیں اور چوری میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹے گا بلکہ امام اس کا ہاتھ کاٹے گا۔ یہ لیث کا قول ہے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے غلاموں پر حدود قائم کیں، ان صحابہ میں حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ان کا مخالف نہیں۔ ابن ابی لیلی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: میں نے انصار کے بقیہ لوگوں کو پایا کہ وہ اپنی لونڈیوں میں سے اس لونڈی کو اپنی مجالس میں مارتے تھے جب وہ زنا کرتی تھی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: غلاموں او رلونڈیوں پر زنا اور تمام حدود میں سلطان حدود قائم کرے گا، آقا یہ نہیں کرے گا۔ یہی حسن بن حیی کا قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: آقا ہر حد لگائے گا اور ہاتھ کاٹے گا اور امام شافعی نے ان احادیث سے حجت پکڑی ہے جو ہم نے ذکر کی ہیں، ثوری اور اوزاعی نے کہا: زنا میں آقا اسے حد لگائے گا اور یہی احادیث کا مقتضیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی سورت میں غلام کو جلاوطن کرنے کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اگر لونڈی زنا کرے پھر آقا کے حد لگانے سے پہلے وہ آزاد کر دی گئی تو آقا کو اس کو حد لگانے کا اختیار نہ ہوگا اور سلطان اسے کوڑے لگائے گا جب زنا اس کے سامنے ثابت ہو جائے گا۔ اگر لونڈی زنا کرے پھر نکاح کر لے تو پھر بھی آقا کو اسے کوڑے مارنے کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ خاوند کے حق کو نقصان پہنچے گا یہ امام مالک کا مذہب ہے جب کہ خاوند بھی اس آقا کا غلام نہ ہو، اگر خاوند بھی اسی مالک کا غلام ہوگا تو پھر آقا کے لیے حد لگانا جائز ہوگا، کیونکہ ان دونوں کا حق اس کا حق ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر غلام زنا کا اقرار کرے اور آقا اس کا انکار کرے تو غلام پر اس کے اقرار کی وجہ سے حد واجب ہو گی اور آقا کے انکار کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔ اس پر علماء کا اجماع ہے اسی طرح مدبر، ام ولد، مکاتب اور جس کا بعض حصہ آزاد ہے، ان تمام کا حکم ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ لونڈی جب زنا کرے پھر آزاد کی جائے تو اسے لونڈیوں والی حد لگائی جائے گی اور جب وہ زنا کرے جب کہ اسے اپنی آزادی کا علم نہیں تھا، پھر اسے علم ہوا تو اس پر آزاد عورت کی پوری حد لگائی جائے گی، ابن المنذر نے یہ ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ غلام اور لونڈی جب زنا کریں تو آقا کے ان کو معاف کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں: اسے معاف کرنے کا اختیار ہے۔ ان کے علاوہ علماء نے کہا: اسے حد قائم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، جیسا کہ سلطان کو حد کے ثبوت کے متعلق علم ہونے کے بعد معاف کرنے کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح آقا کو اپنی لونڈی کو معاف کرنے کی گنجائش نہیں جب اس پر حد واجب ہو جائے۔ یہ ابوثور کے مذہب پر ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ یعنی کوڑوں کی سزا نصف

ہو گی لونڈیوں پر، یہاں الْمُحْصَنٰتِ سے مراد کنواری آزاد عورتیں ہیں، کیونکہ شادی شدہ پر رجم ہے اور رجم کا نصف نہیں ہوتا۔ کنواری کو محصنۃ کہا گیا ہے اگرچہ وہ شادی شدہ نہیں ہے، کیونکہ احصان شادی کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: قربانی کو اس کو قربان کرنے سے پہلے کہا جاتا ہے اور اسی طرح بقرۃ (بیل) کو مثیرہ (ہل چلانے والی) کہا جاتا ہے اس کے زمین میں ہل چلانے سے پہلے۔ بعض علماء نے فرمایا: الْمُحْصَنٰتِ سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں، کیونکہ ان پر حدیث میں ضرب اور رجم ہے اور رجم کا نصف نہیں ہوتا پس ان پر نصف کوڑوں کی سزا ہو گی۔ لونڈیوں کی حد میں کمی اس وجہ سے ہے کہ وہ آزاد عورتوں سے کمزور ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے: وہ (لونڈیاں) اپنی مراد کو نہیں پہنچتی ہیں جس طرح آزاد عورتیں پہنچتی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: سزا نعمت کی مقدار کے مطابق واجب ہوتی ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو فرمایا: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ (الاحزاب: 30) (اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کی تو اس کے لیے عذاب کو دو چند کر دیا جائے گا) جب ازواج مطہرات کی نعمت زیادہ تھی تو اس کی سزا کو بھی سخت فرمایا: اسی طرح لونڈیوں کی نعمت جب کم تھی تو اس کی سزا کو کم کیا۔ اس آیت میں خاص لونڈیوں کی حد کا ذکر فرمایا اور غلاموں کی حد کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن غلاموں اور لونڈیوں کی سزا برابر ہے زنا میں پچاس کوڑے اور حد قذف اور شراب پینے کی حد چالیس کوڑے ہے، کیونکہ لونڈی کی حد غلامی کے نقصان کی وجہ سے کم ہوئی تو غلامی کی علت کی وجہ سے اس میں غلام بھی داخل ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من اعتق شركا له فی عبد (1) (جس نے غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا) میں لونڈیاں بھی داخل ہیں، اس کو علماء قیاس فی معنی الاصل کا نام دیتے ہیں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (النور: 4) اس آیت میں محصن مرد بھی قطعاً داخل ہیں۔ اس کا بیان ان شاء اللہ، سورۃ النور میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر 20۔ علماء کا اجماع ہے کہ زانیہ لونڈی کو بیچنا مالک پر لازم نہیں ہے اگر وہ اس کو اپنے لیے پسند کریں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اسے آقا حد لگائے اور اسے ملامت نہ کرے، پھر اگر زنا کرے تو آقا اسے حد لگائے اور اسے ملامت نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے بیچ دے اگرچہ بالوں کی رسی سے (بیچ دے) (2)“ اس حدیث کو مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اہل ظاہر نے چوتھی مرتبہ زنا کرنے کی صورت میں اسے بیچنے کے وجوب کا قول کیا ہے، ان علماء میں داؤد وغیرہ ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا: فلیبعها (اسے بیچ دے) اور فرمایا: ثم بیعوها ولو بضفیر (پھر اسے بیچو اگر بالوں کی رسی کے ساتھ (بیچو)۔ ابن شہاب نے فرمایا: میں نہیں جانتا تیسری یا چوتھی مرتبہ کے بعد بیچنے کا حکم دیا۔ الضفیر سے مراد رسی ہے۔ جب اسے فروخت کرے تو اس کے زنا کی وضاحت کرے، کیونکہ یہ عیب ہے اور اسے چھپانا حلال نہیں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 53

ایضاً صحیح بخاری، کتاب العتق، باب اذا أعتق عبدا بین اثنین او امة بین الشركاء، حدیث نمبر 2338، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 70

ہے۔ اگر کہا جائے کہ حدیث کا مقصود زانیہ کو دور کرنا تھا اور بائع پر اس کے زنا کو بتانا واجب تھا تو کسی کے لیے اس کا خریدنا بھی مناسب نہ ہوگا، کیونکہ ہمیں اس کے دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لونڈی مال ہے اور اسے ضائع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے اور نہ اسے ہمیشہ کے لیے روکا جائے گا، کیونکہ یہ چیز اس کے لیے زنا پر ابھارنے والی ہے اور یہ اسے زنا پر قدرت دینا ہے اور نہ اسے ہمیشہ کے لیے محبوس کیا جائے گا، کیونکہ اس میں اس کے آقا کی منفعت کو معطل کرنا ہے پس اس کا بیچنا ہی باقی رہ جاتا ہے شاید دوسرا آقا وطی کے ذریعے اسے زنا سے بچالے یا وہ اس کے بچاؤ میں مبالغہ کرے اور اس طرح وہ اسے اس برائی سے محفوظ کرلے۔ علی الجملہ مالکوں کے تبدیل ہونے کے وقت اس کے احوال تبدیل ہوجائیں گے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی لونڈی سے نکاح کرنے کی نسبت کنوارہ رہ کر صبر کرنا بہتر ہے، کیونکہ یہ بچے کو غلام بنانے تک پہنچاتا ہے۔ نفس کو روکنا اور مکارم اخلاق پر صبر کرنا گھٹیا چیز سے بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس آزاد مرد نے لونڈی سے نکاح کیا اس نے اپنا نصف غلام بنالیا۔ یعنی وہ اپنی اولاد کو غلام بنانے والا ہے پس اس سے صبر افضل ہے تاکہ اولاد کو غلام نہ بنائے۔ سعید بن جبیر نے کہا: لونڈی سے نکاح زنا نہیں مگر قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی لونڈیوں کے نکاح سے صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ضحاک بن مزاحم سے مروی ہے فرمایا: میں نے انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "جو اللہ تعالیٰ سے طاہر مطہر ملنا چاہتا ہے تو وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے" (1)۔ ابو اسحاق ثعلبی نے یونس بن مرداس کی حدیث سے روایت کیا ہے اور یہ حضرت انس کا خادم تھا اور اس نے یہ زائد کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ "آزاد عورتیں گھر کے لیے صلاح (بہتر) ہیں اور لونڈیاں گھر کے لیے ہلاکت ہیں یا فرمایا گھر کے لیے فساد ہیں"۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۶

"چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ کھول کر بیان کردے (اپنے احکام) تمہارے لیے اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے"۔

یعنی تمہارے لیے تمہارے دین کے معاملات اور معاملات کے مصالح بیان کردے اور جو تمہارے لیے حلال ہے اور جو تمہارے لیے حرام ہے اسے بیان کردے۔ یہ کسی بھی واقعہ کے حکمت سے خالی نہ ہونے پر دلیل ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: 38)

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 135۔ ایضاً حدیث نمبر 1851، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی۔ اس کے بعد فرمایا: یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ۔ الله چاہتا ہے کہ ہلکا کرے تم سے (پابندیوں کا بوجھ) یہ اَنْ کے ساتھ آیا ہے اور پہلا ارشاد لام کے ساتھ تھا۔ فراء نے کہا: عرب لام، کَیْ اور اَنْ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ اَنْ کی جگہ کَیْ کے معنی پر لام کو امرت اور اردت میں ذکر کیا جاتا ہے، عرب کہتے ہیں: اردت ان تفعل، اردت لتفعل، کیونکہ یہ دونوں مستقبل کو طلب کرتے ہیں اور ظننت لتفعل جائز نہیں ہے کیونکہ تو کہتا ہے: ظننت ان قد قمت۔ اور قرآن حکیم میں ہے وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ (الشوریٰ:15) وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام) یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ (الصف:8) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ (التوبہ:32)

شاعر نے کہا:

أرید لِأنسَی ذکرها فکأنّما تُمثَّلُ لی لَیلَی بکل سبیلِ (1)

اس شعر میں یرید أن انسی مراد ہے۔ نحاس نے کہا: زجاج نے اس قول میں غلطی کی ہے اور کہا: اگر لام بمعنی أن ہوتا تو اس پر دوسرا لام داخل ہوتا ہے جیسے تو کہتا ہے: جئت کی تکرمنی۔ پھر تو کہتا ہے: جئت لکی تکرمنی اور ہم نے یہ شعر بطور دلیل پڑھا:

أردتُ لکیما یعلم الناس أنها سراویل قَیْس والوُفودُ شُهود

اس کی تقدیر یہ ہے اردته لیبین لکم۔ نحاس نے کہا: اس پر امر اتنا بڑھا کہ بعض قراء نے کہا: لام أن، بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے الله تعالیٰ اس سے ارادہ فرماتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بیان فرمائے۔

وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یعنی اہل حق میں سے۔

بعض علماء نے فرمایا: یَهْدِیَكُمْ کا معنی ہے وہ تمہارے لیے تم سے پہلے اہل حق اور اہل باطل لوگوں کے طرق کو بیان کرتا ہے۔ بعض اہل نظر نے کہا: اس میں دلیل ہے کہ الله تعالیٰ نے ہم پر اس آیت سے پہلے جو حرام کیا وہ ہم سے پہلے لوگوں پر بھی حرام تھا۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ معنی ہوگا وہ تمہارے لیے تم سے پہلے لوگوں کا امر بیان کرتا ہے۔

اور کبھی معنی ہوگا وہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے جس طرح کہ اس نے تم سے پہلے انبیاء کے لیے بیان فرمایا، پس بعینہ اس کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یُرِیْدُ اللّٰهُ کا قول قصہ کی ابتدا ہے یعنی الله تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تمہارے لیے اپنی طاعت کی کیفیت بیان کرے۔ یَهْدِیَكُمْ یعنی تمہیں پہلے لوگوں کے طرق بیان کرے۔ انہوں نے جب میرے احکام کو ترک کیا تو میں نے انہیں کیسے سزا دی اور تم جب ایسا کرو گے تو میں تمہیں سزا نہیں دوں گا بلکہ میں تم پر نظر رحمت کروں گا وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ الله اسے جانتا ہے جو توبہ کرتا ہے اور حَكِیْمٌ توبہ کی قبولیت میں اس کی حکمت کارفرما ہے۔

وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۫ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ۲۷ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۲۸

''اور الله تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 40

خواہشوں کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ موڑ لو۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ یہ مبتدا خبر ہے اور اَنْ، يُرِيْدُ کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اسی طرح يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ میں بھی اَنْ، يُرِيْدُ کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ کو قبول کرنے، تمہارے گناہوں سے تجاوز کرنے اور تم سے تخفیف کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام احکام شرع میں ہیں اور یہی صحیح قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: تخفیف سے مراد لونڈی سے نکاح کرنا ہے یعنی جب ہم نے جان لیا کہ تم عورتوں پر صبر کرنے میں کمزور ہو تو ہم نے لونڈیوں سے نکاح کرنے کی تخفیف کر دی۔ یہ مجاہد، ابن زید اور طاؤس کا قول ہے۔ طاؤس نے کہا: انسان عورتوں کے معاملہ میں انتہائی کمزور ہے(1)۔ شہوات کی اتباع کرنے والوں کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد زنا کرنے والے ہیں۔ سدی نے کہا: یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ ایک جماعت نے کہا: یہ صرف یہود ہیں، کیونکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مسلمان، باپ کی طرف سے بہنوں سے نکاح کرنے میں ان کی پیروی کریں۔ ابن زید نے کہا: یہ عموم پر ہے اور یہ اصح ہے(2)۔ المیل کا معنی سیدھے راستہ سے پھر جانا ہے۔ پس جو سیدھے راستے پر ہوتا ہے وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے ساتھی بھی اس راستہ پر ہوں تاکہ اسے فساد لاحق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا، ضَعِيْفًا کی نصب حال کی بنا پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی خواہش نے اس کو راہ حق سے ہٹایا اور اس کی شہوت اور غضب نے اسے حقیر بنایا، یہ انتہائی ضعف ہے پس وہ تخفیف کا محتاج ہوا۔ طاؤس نے کہا: یہ خاص عورتوں کے معاملہ میں ضعف کا ذکر ہے(3)۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے خَلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيْفًا (4) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضعیف پیدا فرمایا یعنی وہ عورتوں کے سلسلہ میں صبر نہیں کر سکتا۔ ابن مسیب نے کہا: مجھ پر اسی سال گزر گئے اور میری ایک آنکھ چلی گئی اور میں دوسری سے بھی کم دیکھتا ہوں اور میرا ساتھی (شرمگاہ) نابینا اور بہرہ ہے اور مجھے عورتوں کے فتنہ سے اندیشہ ہے۔ اور حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: کیا تم مجھے نہیں دیکھتے کہ میں سہارا کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوں اور میں نہیں کھاتا مگر جو میرے لیے نرم کیا جاتا ہے اور گرم کیا جاتا ہے اور میرا ساتھی ایک عرصہ سے مر چکا ہے، پھر بھی مجھے پسند نہیں کہ میں کسی ایسی عورت سے خلوت کروں جو میرے لیے حلال نہیں، ہر روز مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں میرے پاس شیطان نہ آجائے اور اسے مجھ پر حرکت دے دے۔ میرے ساتھی (شرمگاہ) کے لیے نہ سننے کی طاقت ہے نہ دیکھنے کی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۲۹

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 40، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 40
3۔ جامع البیان للطبری، جلد 5، صفحہ 39
4۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 41

"اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے"۔

اس آیت میں نو مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِالْبَاطِلِ یعنی بغیر حق کے۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور سورۂ بقرہ میں اس کا معنی بیان کیا ہے اور باطل طریقہ سے مال کھانے کی ایک صورت بیع العُریان بھی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص تجھ سے کوئی سامان لے یا تجھ سے جانور کرائے پر لے اور تجھے ایک درہم یا اس سے زیادہ رقم دے اس شرط پر کہ اگر وہ اس چیز کو خریدے گا یا سواری پر سوار ہوگا تو وہ سامان کی قیمت یا جانور کے کرایہ سے ہوگا اور اگر سامان نہیں خریدے گا یا سواری کرائے پر نہیں لے گا تو جو اس نے تجھے دیا ہے وہ تیرا ہوگا، یہ جائز نہیں ہے اور حجازی علماء اور عراقی علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ جوئے اور دھوکے اور خطرے کی بیع سے ہے اور یہ بغیر عوض اور بغیر ہبۃ کے مال کھانا ہے اور یہ بالاجماع باطل ہے۔ بیع عریان فسخ ہوگی جب اس طرح بیع واقع ہوگی خواہ وہ قبضہ سے پہلے ہو یا قبضہ کے بعد ہو۔ اگر سامان موجود ہوگا تو وہ واپس کیا جائے گا اور اگر سامان ضائع ہو چکا ہوگا تو قبضہ کے دن کی قیمت لوٹائی جائے گی۔ ابن سیرین، مجاہد، نافع بن عبدالحارث اور زید بن اسلم نے بیع العریان کو جائز قرار دیا ہے اور زید بن اسلم کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز قرار دیا۔ ابو عمرو نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ سے صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ یہ عبدالرزاق نے اسلمی عن زید بن اسلم کے سلسلہ سے مرسل روایت کی ہے اور اس جیسی روایت حجت نہیں ہوتی۔ اور یہ احتمال ہے کہ بیع العریان جو جائز ہے وہ اس تاویل پر ہو جو امام مالک اور ان کے ساتھ فقہاء نے کی ہے۔ وہ تاویل یہ ہے کہ پہلے تو وہ اسے رقم دے دے پھر اس پہلی رقم کو ثمن سے شمار کیا جائے جب بیع کی تکمیل کو اختیار کرے۔ امام مالک اور دوسرے علماء کے نزدیک اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ موطا امام مالک میں عن الثقة عندہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع العربان سے منع فرمایا (1)۔ ابو عمر نے کہا: علماء نے اس مقام میں الثقة عندہٗ میں کلام کی ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ انہوں نے ابن لہیعہ سے یہ حدیث لی یا ابن وہب عن ابن لہیعہ کے سلسلہ سے روایت کی۔ ابن لہیعہ علماء میں سے ہے مگر کہا جاتا ہے کہ اس کی کتابیں جل گئی تھیں پھر جب اس کے بعد وہ اپنے حافظہ سے بیان کرتا تھا تو غلطی کرتا تھا اور جو ابن لہیعہ سے ابن مبارک اور ابن وہب نے روایت کیا ہے وہ بعض علماء کے نزدیک صحیح ہے اور بعض علماء ابن لہیعہ کی تمام احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، حالانکہ اس کے پاس وسیع علم تھا اور وہ کثرت سے احادیث رکھتا تھا مگر علماء کے نزدیک یہی حال تھا جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ یہ استثنا منقطع ہے یعنی وہ تجارت جو باہمی رضامندی سے ہو۔ تجارت سے مراد خرید و فروخت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ: 275) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور تجارۃ کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی الا ان تقع تجارۃ۔

1۔ موطا امام مالک، کتاب البیوع، صفحہ 568

اس پر سیبویہ نے یہ شعر دلیل دیا ہے:

فِدیً لبني ذُهْلِ بنِ شَيبانَ ناقتي   إذا كان يومٌ ذو كواكِب أشهبُ

اس کان کو تامہ کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ فاعل کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اور اسے مفعول کی احتیاج نہیں ہوتی۔ تجارۃً نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں ناقصہ ہوگا، کیونکہ بغیر خبر کے اسم کے ساتھ مکمل نہیں ہوتا پس اسم اس میں مضمر ہوگا اور اگر چاہے تو اس کو مقدر کر لے یعنی الا ان تکون الاموال تجارۃ، پس مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اسی سے یہ ارشاد ہے وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ (بقرہ:280)

مسئلہ نمبر3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تِجَارَةً لغت میں تجارت سے مراد معاوضہ ہے اسی سے وہ اجر ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کو ان اعمال صالحہ کے عوض دیتا ہے جو اس کے فعل کا بعض ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الصف) (اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچائے تمہیں دردناک عذاب سے)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (فاطر) (وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ (توبہ: 111) (یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال)۔

ان تمام صورتوں میں بیع وشرا کا ذکر مجازاً ہے۔ بیع وشرا کو عقود کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جن کے ساتھ اغراض حاصل ہوتی ہیں۔ تجارت کی دو قسمیں ہیں بغیر نقل اور سفر کے حضر میں پھیرنا ہے۔ یہ تربص اور احتکار ہے۔ اور معزز لوگوں نے اس سے اعراض کیا ہے، متقین نے اس سے دلچسپی نہیں رکھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سفر کے ساتھ مال گھمانا اور دوسرے شہروں کی طرف منتقل کرنا ہے۔ یہ اہل مروّت کے لائق ہے اور اس میں منفعت عام ہے، مگر اس میں خطرہ زیادہ ہوتا ہے اور دھوکا بھی بڑا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: مسافر اور اس کا مال ہلاکت پر ہوتا ہے مگر جو اللہ تعالیٰ بچالے۔ یعنی خطرے پر ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: تورات میں ہے: اے آدم کے بیٹے! سفر کر میں تیرے لیے رزق پیدا کروں گا۔ طبری نے کہا: یہ آیت متصوفین کے قول کے فساد پر بڑی دلیل ہے۔

مسئلہ نمبر4۔ ہر معاوضہ تجارت ہے خواہ وہ عوض کسی اعتبار سے ہو، مگر بِالْبَاطِلِ کا ارشاد اس سے ہر اس عوض کو خارج کر دیتا ہے جو شرعاً جائز نہیں مثلاً سود، یا جہالت یا فاسد عوض کو مقدر کرنا جیسے شراب، خنزیر وغیرہ۔ اور اس سے ہر وہ عقد بھی خارج ہو جاتا ہے جو جائز تو ہوتا ہے، لیکن اس میں عوض نہیں ہوتا جیسے قرض، صدقہ، ہبۃ لیکن ثواب اس سے ملتا ہے اور تبرعات کی عقود دوسرے دلائل کے ساتھ جائز ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر آئیں گے یہ دونوں طرفیں متفق علیہا ہیں اور اس سے وہ دعوت بھی خارج ہوگئی جس کی طرف تمہارا بھائی تمہیں بلاتا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ کے تحت روایت کیا ہے کہ ایک شخص اس آیت کے نزول کے بعد کسی کے پاس کھانا کھانے سے اجتناب کرتا تھا، تو اس آیت کو سورۂ نور کی آیت سے منسوخ کر دیا، فرمایا: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (النور: 61) (نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں میں الخ)

ایک امیر آدمی اپنے کھانے کی طرف اپنے اہل میں سے کسی شخص کو بلاتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ میں اس سے کھانے میں حرج دیکھتا ہوں اور وہ کہتا: مجھ سے اس کا مسکین زیادہ حق دار ہے پس اس ارشاد میں اس چیز کا کھانا حلال فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور اہل کتاب کا کھانا حلال فرمایا (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اگر تو بازار سے کوئی چیز خریدے پھر اس چیز کا مالک تجھے خریدنے سے پہلے کہے: تو اس کو چکھ لے تیرے لیے حلال ہے۔ پس تو اس سے نہ کھا، کیونکہ اس کا کھانے کی اجازت دینا خریدنے کی وجہ سے ہے۔ بعض اوقات تمہارے درمیان سودا واقع نہیں ہوتا پس اس کا کھانا مشتبہ ہوگا، لیکن اگر وہ تیرے لیے اس چیز کی صفت بیان کرے پھر تو اس سے خریدے اور تو اسے اس صفت پر نہ پائے تو تجھے اختیار ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ جمہور علماء تجارت میں غبن کے جواز کے قائل ہیں مثلاً کوئی شخص ایک یاقوت ایک درہم میں بیچے، حالانکہ وہ سو درہم کے مساوی ہو تو یہ تیرے لیے جائز ہے، کیونکہ مالک جس کی ملکیت صحیح ہے اس کے لیے اپنے بہت سے مال کو تھوڑے مال کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جب کہ اس کی قدر معروف ہو، جس طرح ہبہ جائز ہے اگر ہبہ کیا جائے۔ اور اس میں اختلاف ہے جب اس کی قدر معروف نہ ہو۔ ایک قوم نے کہا: اگر اس کی قدر معروف ہو یا نہ ہو یہ بیع جائز ہے جب کہ بیچنے والا دانا، آزاد اور بالغ ہو۔ اور ایک جماعت نے کہا: جب غبن تہائی سے تجاوز کر جائے (2) تو مردود ہے اس سے قریب قریب اور تجارت میں متعارف غبن مباح ہے لیکن بہت زیادہ غبن جائز نہیں ہے۔ یہ ابن وہب کا قول ہے جو امام مالک کے اصحاب میں سے ہیں، پہلا قول صحیح ہے، کیونکہ زانیہ لونڈی کی حدیث میں ہے ''اس کو بیچ دو اگرچہ بالوں کی رسی کے بدل ہو (3)'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے کہا تھا: ''اس کو نہ خرید اگرچہ وہ تجھے ایک درہم میں ہی بیچ دے'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق دیتا ہے (4)'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شہری دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے (5)''۔ ان ارشادات میں قلت و کثرت، تہائی وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، جلد 2، صفحہ 171 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 41 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 258
4۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 4 5۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ یعنی تم جو باہم رضا مندی سے کرو۔ یہاں تراض بمعنی رضاً ہے لیکن باب مفاعلہ اس لیے ذکر کیا۔ کیونکہ تجارت دو شخصوں کے درمیان ہوتی ہے۔ علماء کا تراضی کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بیع کا تمام اور جزم بیع کی عقد کے بعد ابدان کے جدا ہونے کے ساتھ ہے یا ایک دوسرے کو کہے: تو اختیار کر لے۔ دوسرا کہے: میں نے اختیار کر لیا۔ اس صورت میں عقد کے بعد سودا پختہ ہو جائے گا اگرچہ ابدان کے ساتھ جدا بھی نہ ہوں (1) یہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ اور امام شافعی، ثوری، اوزاعی، لیث، ابن عیینہ، اسحاق وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ امام اوزاعی نے کہا: بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں مگر تین بیوع میں اختیار نہیں سلطان کا مال غنیمت کی بیع کرنا، میراث میں شرکت کی بیع کرنا اور تجارت میں شرکت کرنا جب ان تین بیوع کا سودا ہوگا تو بیع واجب ہو جائے گی اور دونوں کو اختیار نہیں ہوگا اور فرمایا: جدائی کی حد یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک دوسرے سے چھپ جائے یہ اہل شام کا قول ہے۔ اور لیث نے کہا: جدائی یہ ہے کہ ایک کھڑا ہو جائے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے: دونوں کو اختیار ہے جب تک جسموں کے ساتھ جدا جدا نہ ہو جائیں خواہ انہوں نے کہا ہو کہ اختیار کر لو یا نہ کہا ہو، حتیٰ کہ ابدان کے ساتھ اپنی اپنی جگہ سے جدا ہو جائیں۔ یہ بھی امام شافعی کا قول ہے اور اس باب میں یہی صحیح ہے، کیونکہ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں، یہ حضرت ابن عمر، حضرت ابو برزہ اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا: بیع کا تمام یہ ہے کہ زبان سے بیع کرنا۔ اس سے بیع پختہ ہو جائے گی اور اختیار اٹھ جائے گا۔ امام محمد بن حسن نے کہا: البیعان بالخیار مالم یتفرقا (2) کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بائع جب کہے: میں نے تجھے (یہ چیز) بیچی تو اس کے لیے رجوع کا حق ہے جب تک کہ مشتری نے یہ نہ کہا ہو کہ میں نے قبول کیا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ امام مالک نے اس پر نص قائم فرمائی۔ یہ ابن خویز منداد نے حکایت کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کو رجوع کا حق نہیں۔ یہ قول سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پہلے قول کے قائلین نے حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابو برزہ، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ، حضرت حکیم بن حزم وغیرہم کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے روایت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیع کرنے والوں کو خیار ہے جب تک جدا نہ ہو جائیں یا ایک دوسرے کو کہے: اختیار کر لے (3)۔ یہ دوسری روایت الابیع الخیار اور الا ان یکون بیعھما عن خیار کا معنی ہے یعنی بیع کے مکمل ہونے کے بعد ایک دوسرے کو کہے: بیع کا نفاذ یا بیع کا فسخ اختیار کر لے، اگر وہ بیع کو قائم رکھنا اختیار کرے تو بیع مکمل ہو جائے گی اگرچہ ایک دوسرے سے جدا بھی نہ ہوں حضرت ابن عمر جو حدیث کے راوی ہیں وہ جب کسی سے بیع کرتے اور اس بیع کو نافذ کرنا پسند کرتے تو تھوڑا سا چل پڑتے پھر لوٹ آتے۔ ''الاصول'' میں ہے: جو حدیث روایت کرتا ہے وہ اس کی تاویل کو زیادہ جانتا ہے خصوصاً صحابہ کرام، کیونکہ وہ بات کو زیادہ جاننے والے تھے اور حالات سے زیادہ واقف تھے۔ ابو داؤد، دارقطنی نے ابو الوضیٔ سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم ایک لشکر میں سفر پر تھے تو ایک شخص آیا جس کے ساتھ ایک گھوڑا تھا ہم میں سے ایک شخص نے اسے کہا: کیا تو یہ گھوڑا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 41　2۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 1، صفحہ 279　3۔ سنن نسائی، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 213

اس غلام کے عوض بیچے گا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس نے گھوڑا غلام کے عوض بیچ دیا پھر اس نے ہمارے ساتھ رات گزاری، جب صبح ہوئی تو وہ اپنے گھوڑے کی طرف گیا، تو خریدنے والے نے اسے کہا: اب تجھے گھوڑے سے کیا غرض؟ کیا تو نے مجھے یہ فروخت نہیں کیا تھا؟ اس نے کہا: مجھے اس بیع کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر خریدنے والے نے کہا: تجھے اس سے کیا غرض؟ تو مجھے یہ بیچ چکا ہے، ان دونوں کو لوگوں نے کہا: یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابو برزہ موجود ہیں تم دونوں ان کے پاس جاؤ، حضرت ابو برزہ نے ان دونوں سے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہو؟ ان دونوں نے کہا: ہاں، ابو برزہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دونوں بیع کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں۔ اور میں نہیں دیکھتا کہ تم جدا ہوئے تھے۔ یہ دونوں صحابی ہیں اور حدیث کے مخرج کو انہوں نے جان لیا اور اس کے مقتضا پر عمل کیا بلکہ یہ صحابہ کا عمل تھا سالم نے کہا: حضرت ابن عمر نے کہا: ہم جب بیع کرتے تھے تو ہم میں سے ہر ایک کو خیار ہوتا تھا جب تک کہ بیع کرنے والے دونوں جدا نہ ہو جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں نے اور حضرت عثمان نے بیع کی میں نے انہیں وادی کی زمین دی اور ان کی خیبر کی زمین لی۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: جب میں نے سودا کر دیا تو میں الٹے پاؤں چلنے لگا اس خوف سے کہ کہیں حضرت عثمان میرے جدا ہونے سے پہلے مجھے سودا لوٹا نہ دیں۔ یہ روایت دارقطنی نے نقل کی ہے، پھر فرمایا: اہل لغت نے فَرَقت اور فرّقت میں فرق کیا ہے؟ فرقت کو کلام کے اعتبار سے اور فرّقت ابدان کے اعتبار سے جدائی کو لیا ہے۔ احمد بن یحییٰ ثعلب نے کہا: مجھے ابن اعرابی نے مفضل سے روایت کر کے بتایا کہ فرقت دو کلاموں کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے اور فرّقت دو شخصوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے یعنی میں نے دو کلاموں کے درمیان فرق کیا تو دونوں جدا ہو گئیں اور فرقت کا مطلب ہے: دو آدمیوں کے درمیان جدائی کی تو دونوں جدا ہو گئے۔ افتراق کلام کے لیے استعمال کیا اور التفرق ابدان کے لیے استعمال کیا۔ مالکی علماء نے آیۃ الدین سے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ: 1) سے حجت پکڑی ہے۔ یہ دونوں شخص عقد کر چکے ہیں اور اس حدیث میں الوفاء بالعقود کا ابطال ہے۔ انہوں نے فرمایا: کبھی التفرق قول کی تفریق میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے عقد نکاح اور اس طلاق کا وقوع جس کو اللہ تعالیٰ نے فراق کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا (آل عمران: 105) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تفترق امتی (میری امت جدا ہو جائے گی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بابدانہا نہیں فرمایا۔ دارقطنی وغیرہ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے شعیب کو یہ کہتے ہوئے سنا، وہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''جو شخص کسی دوسرے سے کوئی چیز خریدے تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہو گا حتیٰ کہ اپنی جگہ سے جدا ہو جائیں مگر یہ کہ خیار کا سودا ہو پس ان میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے جدا ہو جائے اس خوف سے کہ اس کا ساتھی سودا واپس نہ کر دے (1)''۔ ان علماء نے فرمایا: یہ چیز دلیل ہے کہ افتراق سے پہلے ان کے درمیان بیع مکمل ہو چکی ہے، کیونکہ سودا واپس کرنا صحیح نہیں ہوتا مگر اسی صورت میں جب بیع مکمل ہو چکی ہو۔ فرماتے ہیں: المتبایعان بالخیار (2) کا معنی ہے کہ دونوں خیار

1۔ سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 50　　2۔ سنن نسائی، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 213

میں برابر ہیں جب تک کہ انہوں نے عقد نہیں کیا جب دونوں نے عقد کر لیا تو اس میں خیار باطل ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو انہوں نے افتراق بالکلام سے اس کی علت بیان کی ہے اس سے مراد ابدان ہیں جس طرح ہم نے سورۂ آل عمران میں بیان کیا ہے اگر چہ بعض جگہ میں افتراق بالکلام صحیح ہوتا ہے، لیکن اس جگہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ ہمیں اس کلام کے متعلق خبر دیں جس کے ساتھ اجتماع واقع ہوا اور اس کے ساتھ بیع مکمل ہو گئی کیا یہ وہ کلام ہے جس سے افتراق یا اس کے علاوہ کا ارادہ کیا گیا ہے؟ اگر وہ کہیں کہ اس کے علاوہ ہے تو وہ پھر گئے اور ایسی بات لائے جو غیر معقول ہے، کیونکہ وہاں اس کلام کے علاوہ کوئی کلام تھی ہی نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ یہ بعینہ وہ کلام ہے تو انہیں کہا جائے گا: یہ کیسے جائز ہے کہ وہ کلام جس کے ساتھ وہ جمع ہوئے اور جس کے ساتھ ان کی بیع مکمل ہو، اسی کلام کے ساتھ جدا ہوئے؟ یہ عین محال ہے اور فاسد قول ہے۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ کسی کے لیے اپنے ساتھی سے جدا ہونا حلال نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ سودا واپس نہ کر دے (1)۔ اس کا معنی استحباب پر محمول ہے، اگر یہ قول صحیح ہے اس کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: من اقال مسلما اقالہ اللہ عثرتہ (2) (جو کسی مسلمان کو سودا واپس کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی لغزش معاف کر دے گا) اور مسلمانوں کے اجماع سے حجت پکڑی ہے کہ ظاہر حدیث کے خلاف پر ایسا کرنے والے کے لیے یہ حلال ہے اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے جدا ہو جائے تاکہ اس کی بیع کو نافذ کر دے اور وہ واپس نہ کر سکے مگر یہ کہ جب وہ چاہے اور اس وجہ سے انہوں نے اس پر اجماع کیا ہے جس نے لایحل روایت کیا ہے اس کی روایت رد ہے اگر اس خبر کی وجہ استحباب نہ ہو ورنہ بالا جماع یہ باطل ہے۔ اور رہی یہ تاویل کہ المتبایعان سے مراد المتساومان ہے یہ لفظ کے ظاہر سے عدول ہے، اس کا معنی ہے ان دونوں کے عقد کے بعد انہیں اختیار ہے جب تک کہ وہ دونوں اپنی مجلس میں ہیں مگر ایسی بیع جس میں ایک اپنے ساتھی سے کہے کہ تو اختیار کر لے، پس وہ اختیار کر لے۔ ایسی صورت میں دونوں کا اختیار ختم ہو جائے گا اگر چہ وہ جدا نہ بھی ہوں۔ اگر خیار فرض کیا جائے تو معنی ہوگا: مگر بیع الخیار، پھر خیار جسموں کے ساتھ جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا، اس باب کی تمیم اختلافی کتب میں موجود ہے اور عمرو بن شعیب کے قول میں سمعت ابی یقول حدیث کی صحت کے لیے دلیل ہے۔ دارقطنی نے کہا: ہمیں ابو بکر نیسا پوری نے کہا انہوں نے کہا ہمیں محمد بن علی الوراق نے بیان کیا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا شعیب نے اپنے باپ سے کوئی چیز سنی ہے انہوں نے کہا: وہ کہتے تھے: مجھے میرے باپ نے بتایا میں نے پوچھا اس کے باپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے سنا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: ہاں میرا خیال ہے اس نے اس سے سنا ہے۔ دارقطنی نے کہا: میں نے ابو بکر نیسا پوری کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص ہے عمرو بن شعیب کا اپنے باپ شعیب سے سماع صحیح ہے اور شعیب کا اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سماع صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ دارقطنی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سچا امانت دار

1۔ جامع ترمذی، کتاب البیوع، جلد 1، صفحہ 150　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 134

مسلمان تاجر قیامت کے روز انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا'' (1)۔ اور تاجر کے لیے اپنے سامان کی ترویج اور تزیین کے لیے قسم اٹھانا مکروہ ہے یا سامان پیش کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مکروہ ہے مثلاً وہ اس طرح کہے: صلی اللہ علی محمد! یہ کتنا عمدہ سامان ہے، اور تاجر کے لیے مستحب ہے کہ فرائض کی ادائیگی سے تجارت اسے مشغول نہ رکھے جب نماز کا وقت آجائے تو اسے تجارت کو چھوڑ دینا مناسب ہے تاکہ وہ اس آیت کے مصداق لوگوں میں سے ہوجائے۔ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: 37) (ایسے مرد جنہیں تجارت اور بیع ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی) مزید بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ یہ آیت اور مذکورہ احادیث صوفیاء میں سے ان لوگوں کا رد کرتی ہیں جو تجارت اور صنعت کے ذریعے خوراک حاصل کرنے کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باطل ذرائع سے مال کھانے کو حرام کیا ہے اور تجارت کے ذریعے مال کو حلال کیا ہے اور یہ بالکل واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اس میں ایک مسئلہ ہے حضرت حسن نے کثرت پر دلالت کی بنا پر تُقَتِّلوا پڑھا ہے۔ اس پر اہل تاویل کا اجماع ہے کہ اس آیت سے مراد بعض کے بعض کو قتل کرنے سے نہی ہے۔ پھر لفظ اپنے آپ کے قتل کو بھی شامل ہے یعنی دنیا پر حرص اور طلب مال کے لالچ میں اس کو قتل نہ کرے (2)، یعنی اپنے آپ کو ایسے دھوکوں میں نہ ڈالے جو اسے تلف تک پہنچانے والے ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ تنگی اور غضب میں اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ ان تمام صورتوں کو نہی شامل ہے۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس آیت سے حجت پکڑی تھی جب انہوں نے غزوۂ ذات السلاسل میں اپنے نفس پر خوف کی وجہ سے جنبی ہونے کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے غسل نہیں کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احتجاج کو قائم رکھا تھا اور ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے تھے اور مزید کچھ نہ کہا تھا۔ اس حدیث کو ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰

''اور جو شخص کرے گا یوں سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے''۔

ذٰلِكَ کا اشارہ قتل کی طرف ہے، کیونکہ وہ قریب مذکور ہے۔ یہ عطا کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا اشارہ باطل ذریعے سے مال کھانے اور قتل نفس کی طرف ہے، کیونکہ ان دونوں کے متعلق نہی متواتر آئی ہے پھر نہی کے مطابق وعید وارد ہوئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سورت کے آغاز سے جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان تمام کی طرف یہ اشارہ ہے۔ طبری نے کہا: ذٰلِكَ کا اشارہ ان چیزوں کو شامل ہے جو آخری وعید کے بعد منع کی گئی ہیں اور وہ یہ ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا۔

کیونکہ سورت کے آغاز میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان کے ساتھ وعید متصل ہے مگر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ

1۔ سنن دار قطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 7　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 42

نَكُمْ کے قول کے بعد وعید نہیں ہے مگر یہ آیت کریمہ: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا۔

العدوان، حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں (1) اور الظلم کسی چیز کو اس کی مناسب جگہ پر نہ رکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ وعید کو عدوان اور ظلم کے ذکر کے ساتھ مقید فرمایا تا کہ اس سے سہو اور غلطی کا فعل نکل جائے۔ عدوان اور ظلم دونوں کا ذکر فرمایا، حالانکہ ان کے معانی قریب قریب ہیں، ان کی وجہ ان کے الفاظ کا اختلاف ہے اور کلام میں یہ حسن ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

والفی قولها کذبا و مینا

اس جملہ میں کذبا اور مینا کا ذکر کیا، حالانکہ دونوں کا معنی جھوٹ ہے۔

اور الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے عطف عمدہ ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: بُعْدًا و سُحْقًا اس سے یعقوب علیہ السلام کا قول ہے اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف: 86) لفظ کے اختلاف کی وجہ سے یہ عمدہ ہے۔

نُصْلِيْهِ۔ اس کا معنی ہے ہم اسے آگ کی گرمی مس کریں گے (2)۔ ہم ان آیات اور حضرت ابو سعید خدری کی حدیث کو جمع کرنے کا مفہوم نافرمانوں اور گناہ کبیرہ کرنے والوں میں بیان کیا ہے جن کے لیے وعید نافذ ہو گی پس اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اعمش اور نخعی نے نصلیہ کو نون کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ صلی نارا سے منقول ہے یعنی میں نے اس کو گرم کیا۔ اور حدیث میں ہے: شاۃ مصلیۃ۔ بھونی ہوئی بکری۔ اور جنہوں نے نون کو ضمہ دیا ان کے نزدیک ہمزہ سے منقول ہے، مثلاً طعمت اور اطعمت۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

"اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمہیں جن سے تو ہم محو کر دیں گے تمہارے (نامہ اعمال) سے تمہاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ میں"۔

اس آیت کے ضمن میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بڑے بڑے گناہوں سے منع فرمایا چھوٹے گناہوں سے اجتناب پر تخفیف کا وعدہ فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ گناہ چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی ہوتے ہیں۔ یہی اہل تاویل اور فقہاء کی جماعت کا نظریہ ہے، چھونا اور دیکھنا یقینی طور پر بڑے گناہوں سے اجتناب کے ساتھ معاف ہو جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اس کا قول حق ہے لیکن اس پر یہ چیز واجب نہیں۔ اس کی نظیر پہلے اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ کے ارشاد میں توبہ کی قبولیت کے بارے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے گناہوں سے اجتناب کی وجہ سے چھوٹے گناہ معاف فرما دیتا ہے، لیکن ایک اور چیز بھی اجتناب کبائر کے ساتھ متصل ہو تو یہ صغیر گناہ معاف ہوں گے اور وہ ہے فرائض کا قائم کرنا۔ امام

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 43-42　　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 43

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پانچ نمازیں، جمعہ سے جمعہ تک، رمضان سے رمضان تک گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جب کبائر سے اجتناب کرے (1)۔ ابو حاتم البستی نے مسند میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے پھر تین مرتبہ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! (2) پھر خاموش ہو گئے ہم میں سے ہر شخص رسول اللہ ﷺ کی قسم کی وجہ سے سر جھکا کر رو رہا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ پانچ نمازیں ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور سات بڑے گناہوں سے اجتناب کرے تو قیامت کے روز اس کے لیے جنت کے آٹھ دروازے کھولے جائیں گے حتیٰ کہ انہیں زور سے بند کیا جائے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ۔ کتاب و سنت سے چھوٹے گناہوں کی تکفیر کی تائید ملتی ہے مثلاً غیر محرم کو دیکھنا اور اس کے مشابہ گناہ۔ اور سنت نے بیان فرمایا کہ تَجْتَنِبُوْا سے مراد تمام بڑے گناہوں سے کامل اجتناب نہیں ہے واللہ اعلم۔ اصولیوں نے فرمایا: کبیرہ گناہوں سے اجتناب کے ساتھ چھوٹے گناہوں کا کفارہ ہونا قطعی طور پر واجب نہیں بلکہ یہ غلبہ ظن، قوت رجا پر محمول ہے اور مشیت ثابت ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر گناہ کبیرہ سے اجتناب کرنے والے کے لیے اور فرائض ادا کرنے والے کے لیے ہم قطعی طور پر صغیر گناہوں کے کفارہ کا حکم لگائیں تو یہ اس کے لیے اس مباح کے حکم میں ہوں گے جس میں قطعی طور پر گناہ نہیں ہوتا اور یہ شریعت میں نقص ہے۔ اور ہمارے نزدیک کوئی صغیر نہیں ہوگا۔ قشیری عبد الرحیم نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ یہ کبائر ہیں، لیکن بعض دوسروں سے بڑے گناہ ہیں۔ تمیز نہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ بندہ تمام گناہوں سے اجتناب کرے۔

میں کہتا ہوں: جس نے نفس کی مخالفت کی طرف دیکھا جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا تو گناہ کے چھوٹا ہونے کی طرف نہ دیکھ بلکہ تو اس کی طرف دیکھ جس کی تو نے نافرمانی کی۔ اس نسبت سے تمام گناہ بڑے ہیں اس طریقہ پر قاضی ابو بکر، استاذ ابو اسحاق اسفرائینی، ابو المعالی، ابو النصر عبد الرحیم قشیری کا کلام اسی پر محمول کیا جائے گا۔ انہوں نے فرمایا: بعض گناہوں کو دوسروں کی نسبت سے صغیرہ گناہ کہا جاتا ہے جس طرح زنا کو کفر کی نسبت صغیرہ کہا جاتا ہے بلکہ یہ تمام کبیرہ ہیں اور کفر کے علاوہ جس کے لیے وہ چاہے گا اسے معاف کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے۔

اور انہوں نے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبِیْرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ کی قرأت سے بھی حجت پکڑی ہے اور بڑا گناہ شرک ہے اور علماء اصول نے فرمایا: کبائر کی صورت میں اس سے مراد کفر کی اجناس ہوگی۔ وہ آیت جس نے حکم کو مقید کیا ہے تمام مطلقات کو اس کی طرف پھیرا جائے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ اسی طرح علماء اصول نے مسلم وغیرہ کی اس روایت سے بھی حجت پکڑی ہے جو ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم سے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ کو واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا''۔ ایک شخص نے عرض کی یا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 122　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 44

رسول اللہ! اگرچہ وہ حق تھوڑا سا بھی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگرچہ وہ کیکر کی چھڑی ہی ہو'' (1)۔ پس تھوڑے سے گناہ پر بھی شدید وعید آئی ہے جس طرح زیادہ گناہ پر آئی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آگ یا غضب یا لعنت یا عذاب کی وعید سنائی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے جن گناہوں سے منع فرمایا ہے وہ تینتیس تک ہیں اور اس کی تصدیق یہ ارشاد ہے: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ۔ طاؤس نے کہا: حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا گناہ کبیرہ سات ہیں؟ فرمایا: یہ ستر کے قریب ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا: کبیرہ گناہ سات ہیں؟ فرمایا: یہ سات سو تک ہیں ان میں بڑے سات ہیں مگر استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور اصرار کے ساتھ کوئی گناہ صغیرہ نہیں۔ حضرت ابن مسعود سے مروی فرمایا: کبیرہ گناہ چار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی اور رحمت الٰہیہ سے قنوط اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن میں ہونا (2) اور اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، اس پر قرآن دلیل ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ گناہ کبیرہ نو ہیں اور وہ یہ ہیں (1) کسی نفس کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، محصنہ پر تہمت لگانا، جھوٹی گواہی دینا، والدین کی نافرمانی کرنا، میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، جادو کرنا اور بیت الحرام میں الحاد کرنا (3)۔ اور علماء کے نزدیک مندرجہ ذیل گناہ بھی کبائر میں سے ہیں جوا، چوری، شراب پینا، سلف صالحین کو گالی دینا، شرعی احکام سے عدول کرنا، خواہش کی اتباع کرنا، جھوٹی قسم اٹھانا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، انسان کا اپنے والدین کو گالی دینا۔ آدمی کسی کے والدین کو گالی دیتا ہے پھر وہ اس کے والدین کو گالی دیتا ہے۔ زمین میں فساد کی کوشش کرنا۔ اس کے علاوہ بھی کثرت سے گناہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں اور احادیث میں آیا ہے جن کو ائمہ نے تخریج کیا ہے۔ مسلم نے کتاب الایمان میں ان میں سے اکثر کا ذکر کیا ہے۔ کبائر کے متعلق آثار کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد اور حصر میں علماء کا اختلاف ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ کبائر کے متعلق صحیح اور حسن احادیث وارد ہیں ان میں حصر اور شمار کا قصد نہیں کیا گیا ہے، لیکن بعض دوسروں کی نسبت بڑے ہیں جن کا ضرر و نقصان زیادہ ہے۔ شرک تمام کبائر سے بڑا ہے یہ وہ ہے جس کی بخشش نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر نص قائم فرمائی ہے اور اس کے بعد بڑا گناہ رحمت الٰہیہ سے مایوسی ہے، کیونکہ اس میں قرآن کی تکذیب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا قول حق ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف: 156) پس جو کہتا ہے کہ وہ اسے نہیں بخشے گا تو اس نے ایک وسیع چیز کو محدود کر دیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (یوسف) اس کے بعد بڑا گناہ قنوط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝ (الحجر) اس کے بعد بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن میں ہونا ہے پس وہ گناہوں میں لگا رہتا ہے اور بغیر عمل کے اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف) (تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے۔ پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے) اور فرمایا: ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 80 | 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 43 | 3۔ ایضاً

الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ (حم السجدہ) (اور تمہارے اس گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے) اس کے بعد بڑا گناہ کسی کو قتل کرنا ہے، کیونکہ نفس کا ضیاع اور وجود کو ختم کرنا ہے، لواطت، اس میں نسل کو ختم کرنا ہے، زنا، اس میں نسب کا اختلاط ہے، شراب پینا، اس میں عقل کا چلا نا جانا ہے جس پر تکلیف کا مدار ہے، نماز کا ترک کرنا اور آذان کو ترک کرنا اس میں شعائر اسلام کے اظہار کا ترک ہے، جھوٹی گواہی دینا، اس میں خونوں، شرمگاہوں اور اموال وغیرہ کا مباح کرنا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے امور جن کا نقصان واضح ہے۔ ہر وہ گناہ جس کو شرع نے برا کہا اس پر عقاب کی دھمکی دی اور اس پر سختی فرمائی یا اس کا نقصان وجود میں زیادہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ گناہ کبیرہ ہے اس کے علاوہ گناہ صغیرہ ہے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ابو عمرو اور اکثر کوفیوں نے مُّدْخَلًا کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس میں احتمال ہے کہ مصدر ہو یعنی ادخالاً اور مفعول محذوف ہے یعنی ہم تمہیں جنت میں داخل کریں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مُّدْخَلًا مکان کے معنی میں ہو، تو اس صورت میں مفعول ہو گا۔ اہل مدینہ نے میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ دخل کا مصدر ہو اور فعل کے اضمار کے ساتھ منصوب ہو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ندخلکم فتدخلون مدخلاً اور کلام اس پر دلیل ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اسم مکان ہو پھر اس کو نصب مفعول بہ کی حیثیت سے ہوگی یعنی ہم تمہیں معزز جگہ یعنی جنت میں داخل کریں گے۔ یہ ابو سعید بن اعرابی نے کہا: میں نے ابو داؤد سجستانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مسلمان تمام جنت میں جائیں گے، میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ یعنی اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمہیں جن سے تو ہم محو کر دیں گے تمہارے (نامہ اعمال) سے تمہاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ میں یعنی جنت میں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ذخیرہ کیا ہے'' (1)۔ جب اللہ تعالیٰ کبائر کے علاوہ معاف فرما دے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبیرہ گناہوں کی سفارش کریں گے تو پھر مسلمانوں پر کون سا گناہ باقی رہے گا۔ اور ہمارے علماء نے فرمایا: اہل سنت کے نزدیک کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے ہر اس شخص کے لیے جو موت سے پہلے انہیں ترک کر دے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور مسلمانوں میں سے جو ان پر مرے گا اسے بھی بخش دیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی شرک کے علاوہ گناہ معاف فرما دے گا جس کے لیے چاہے گا۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو گناہوں پر مرا ہو اگر موت سے پہلے توبہ کرنے والا مراد ہو تو پھر شرک اور دوسرے گناہوں میں فرق کا کوئی معنی نہیں رہے گا، کیونکہ شرک سے توبہ کرنے والے کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: سورۂ نساء کی پانچ آیات ایسی ہیں جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں (۱) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ (۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ

1۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 4، صفحہ 282، دار المسیرہ بیروت

يُّشْرَكَ بِهٖ (۳) وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ (۴) وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا (۵) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ۔ ابن عباس نے فرمایا: سورۂ نساء میں آٹھ آیات ہیں جو اس امت کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہیں جن پر سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے (۱) يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ (۲) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ (۳) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ (۴) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (۶) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (۷) وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ (۸) مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ (الآیۃ)

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

''اور نہ آرزو کرو اس چیز کی بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر، مردوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل (وکرم) کو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر1۔ ترمذی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتی ہیں، ہمارے لیے نصف میراث ہے (اس کی کیا حکمت ہے؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اور مجاہد نے کہا: اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ الخ (الاحزاب:35) اور حضرت ام سلمہ پہلی سفر کرنے والی عورت تھی جو مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئی تھی۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث مرسل ہے، بعض نے اس حدیث کو ابن ابی نجیح عن مجاہد کے سلسلہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے اس طرح کہا ہے(1)۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے، جب انہیں وارث بنایا گیا تو مرد کے لیے دو عورتوں کے حصوں کے برابر حصہ رکھا گیا عورتوں نے خواہش کی کہ کاش ان کے حصے بھی مردوں کے حصوں کی طرح ہوتے اور مردوں نے کہا: ہم امید کرتے ہیں کہ آخرت میں ہماری نیکیوں کی وجہ سے ہمیں عورتوں پر فضیلت دی جائے گی جس طرح میراث میں ہمیں ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی: وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

مسئلہ نمبر2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَتَمَنَّوْا، التمنی ارادہ کی ایک قسم ہے جس کا تعلق مستقبل سے ہے جس طرح التلہف اس کی ایک قسم ہے جس کا تعلق ماضی سے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو التمنی (آرزو) سے منع فرمایا،

1۔ جامع الترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 127

کیونکہ اس میں تعلق خاطر ہے اور موت کو بھولنا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس تمنی کی نہی میں رشک داخل ہے یا نہیں؟ رشک یہ ہے کہ ایک شخص خواہش کرے کہ اس کے پاس فلاں آدمی جیسی حالت ہو اگرچہ اس سے اس حالت کے زوال کی خواہش نہ کرے۔ جمہور علماء رشک کی اجازت دیتے ہیں مثلاً امام مالک وغیرہ اور بعض علماء کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد: لاحسد الا فی اثنتین (1) رشک نہیں ہے مگر دو شخصوں میں ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہو وہ اسے دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کے ساتھ کھڑا ہوتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو وہ اسے دن، رات کے اوقات میں اس سے لوگوں کو نفع دیتا ہو۔ اور لَاحَسَدَ کا معنی ہے کوئی رشک ان دو امور میں رشک سے اعظم و افضل نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس مفہوم پر متنبہ کیا ہے، کیونکہ انہوں نے باب ان الفاظ میں باندھا ہے باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ۔ مہلب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا جو تمنا جائز نہیں ہے اور یہ دنیا کے ساز و سامان کی خواہش کرنا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اعمال صالحہ کی تمنا یہ اچھی چیز ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ پر تمنا کرے مگر اپنی تمنا کو ایسی چیزوں سے نہ ملائے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو یہ جائز ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے: وَدِدْتُ ان اُحْیا ثم اُقتل میں خواہش کرتا ہوں کہ میں زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

میں کہتا ہوں: حدیث جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب التمنی میں ذکر کی ہے وہ خیر کی تمنا نیک افعال اور ان میں رغبت پر دلیل ہے اس میں نیکی کے تمام اعمال پر شہادت کی فضیلت کا ذکر ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی تمنا کی، کسی دوسری چیز کی تمنا نہ کی، یہ شہادت کا بلند مرتبہ ہے اور اہل شہادت کی کرامت و عزت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شہادت عطا فرمائی تھی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خیبر کا کھانا زہر کی تکلیف کو مجھ پر لوٹاتا ہے یہ وہ وقت ہے کہ میری رگ جان (اس کی وجہ سے) کٹ گئی۔ اور صحیح میں ہے شہید کو کہا جائے گا تو تمنا کر، پس وہ کہے گا: میں تمنا کرتا ہوں کہ میں دنیا کی طرف لوٹ جاؤں حتیٰ کہ تیرے راستہ میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے ایمان اور ابولہب اور قریش کے سرداروں کے ایمان کی تمنا کرتے تھے، حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: ہائے میرا شوق ان بھائیوں کی طرف جو میرے بعد آئیں گے مجھ پر ایمان لائیں گے جب کہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں۔ یہ تمام احادیث دلیل ہیں کہ ایسی تمنا سے منع نہیں کیا گیا جو حسد اور بغض کی داعی نہ ہو۔ اور اس آیت میں جس تمنا سے نہی کی گئی ہے وہ اسی قبیل سے ہے اور اس میں وہ تمنا داخل ہے جس میں انسان دوسرے کی حالت کی تمنا کرتا ہے خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ہو اور ساتھ یہ خواہش کرتا ہے کہ وہ نعمت دوسرے سے چھن جائے، برابر ہے تو نے اس کے ساتھ تمنا کی ہو کہ تیری طرف وہ چیز لوٹ آئے یا نہیں۔ یہ بعینہ حسد ہے اس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے ارشاد فرمایا: **اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** (کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے) اور اس میں داخل ہے اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجنا، یا اس کی بیع پر بیع کرنا، کیونکہ یہ حسد اور ناراضگی کی داعی ہے۔ بعض علماء نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 272

رشک کو بھی مکروہ کہا ہے ان کے نزدیک یہ بھی نہی میں داخل ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دینے والا ہے۔ ضحاک نے کہا: کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی کے مال کی تمنا کرے کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں سنا جنہوں نے کہا تھا: يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ...... وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ (القصص: 79 تا 82) (اے کاش ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ وجلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو....... اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے۔ جب اسے زمین میں اپنے محل اور مال کے ساتھ دھنسا دیا گیا۔ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا (القصص: 82) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔

کلبی نے کہا: کوئی شخص اپنے بھائی کے مال، عورت، خادم اور سواری کی تمنا نہ کرے بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے: یا اللہ! مجھے بھی اس کی طرح یہ نعمتیں عطا فرما۔ اسی طرح تورات میں ہے اور اسی طرح قرآن میں ہے: وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی کے مال اور اہل کی تمنا سے منع فرمایا ہے اور اپنے مومنین بندوں کو حکم فرمایا کہ اس کا فضل اس سے طلب کرو۔ اور جمہور کی حجت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''دنیا چار افراد کے لیے ہے ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم عطا فرمایا ہو پھر وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہو اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں حق جانتا ہو یہ افضل ترین مرتبہ ہے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور مال عطا نہ فرمایا ہو پس وہ سچی نیت سے یہ کہتا ہو: ''اگر میرے لیے مال ہوتا تو میں فلاں کی طرح اسے خرچ کرتا پس اس کی اس نیت کی وجہ سے دونوں کا اجر برابر ہوگا'' (1)۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ حسن نے کہا: تم میں سے کوئی مال کی تمنا نہ کرے اسے کیا معلوم کہ اس کی ہلاکت اس میں ہو۔ یہ اس صورت میں صحیح ہے جب وہ دنیا کے لیے تمنا کرے۔ مگر جب وہ کسی خیر کے لیے تمنا کرے تو شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے پس بندہ تمنا کرے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے رب کا قرب حاصل کرے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا اس سے مراد ثواب اور عقاب ہے۔ وَلِلنِّسَآءِ اسی طرح عورتوں کے لیے ہے۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ عورت کے لیے بھی ایک نیکی کا بدل دس نیکیاں ہیں جس طرح مردوں کے لیے ایک نیکی کا بدل دس نیکیاں ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد میراث ہے۔ اس قول کے مطابق اکتساب بمعنی الاصابۃ ہوگا۔ مرد کے لیے حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بنا پر تمنا سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں حسد کے دواعی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مصالح کو زیادہ جانتا ہے پس اس نے ان کے مصالح کو جانتے ہوئے ان کے درمیان میراث کی تقسیم میں فرق رکھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو وہ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ، جلد 2، صفحہ 56

کرنا ہے"۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے" (1)۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا حکم واجب ہے۔ بعض علماء نے اس معنی کو لیا ہے اور اسے نظم کیا ہے:

اللہ یغضب إن ترکت سؤالہ وبنی آدمَ حین یُسأل یغضبُ

اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے اور انسان سے جب سوال کیا جاتا ہے تو ناراض ہوتا ہے۔

احمد بن المعذل ابو الفضل الفقیہ المالکی نے کیا خوب کہا ہے:

أَلتمِس الأرزاقَ عندَ الذی مادونَه إن سِیلَ مِن حاجِبِ

مَنْ یُبغِض التاركَ تَسْألَهُ جوداً ومن یَرضَی عن الطالبِ

ومَنْ إذا قال جَرَی قولُه بغیر تَوْقِیعٍ إلی کاتبِ

ہم نے اپنی کتاب "قمع الحرص بالزھد والقناعۃ" میں اس کے قریب مفہوم میں کلام ذکر کی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی عبادت کا سوال کرو۔ فضل سے مراد امر دنیا نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد پسندیدہ عمل کی توفیق طلب کرنا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: اپنے رب سے سوال کرو حتیٰ کہ سیر ہو کر کھانے کا بھی اسی سے سوال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر وہ عطا نہیں فرمائے گا تو کبھی بھی میسر نہ آئے گا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سوال کا حکم نہیں دیا مگر اس لیے کہ وہ عطا کرے۔

کسائی اور ابن کثیر نے وَسَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ پڑھا ہے یعنی تمام قرآن میں بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے وَسْئَلُوا اللّٰهَ اس کی اصل ہمزہ کے ساتھ ہے مگر تخفیف کے لیے ہمزہ حذف کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾

"اور ہر ایک کے لیے بنا دیے ہیں ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان تو دو انہیں ان کا حصہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے"۔

اس آیت میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہر انسان کے ورثاء اور موالی ہیں، ہر ایک کو اس سے نفع حاصل کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے اس کے لیے تقسیم فرمایا ہے اور غیر کے مال کی خواہش نہ کرے۔ بخاری نے کتاب الفرائض میں حضرت سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا......الخ کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کے تحت فرمایا مہاجرین جب مدینہ طیبہ آئے تو انصار کا مہاجر وارث ہوتا تھا، حالانکہ وہ اس کا ذی محرم نہیں ہوتا

1۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات عن الرسول، جلد 2، صفحہ 173

تھا۔ یہ اس اخوت کی وجہ سے تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان قائم فرمائی تھی پھر جب لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ کی آیت نازل ہوئی تو اسے وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ سے منسوخ کر دیا(1)۔ ابوالحسن بن بطال نے کہا: تمام نسخوں میں یہی ہے کہ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ کو وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ نے منسوخ کر دیا جب کہ صحیح یہ ہے کہ ناسخ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ہے اور منسوخ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ ہے۔ اس طرح طبری نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے۔

سلف جمہور سے مروی ہے کہ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ کو منسوخ کرنے والی آیت 75 سورۂ انفال میں ہے وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ یہ انہوں نے حضرت ابن عباس، حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے۔ ابو عبیدہ نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں اسی چیز کو ثابت کیا ہے۔ اس میں ایک دوسرا قول بھی ہے جسے زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا: جن لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنے بیٹوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنے متبنیٰ بنایا تھا اور اسلام میں وہ وارث بنتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ وصیت میں ان کے لیے حصہ مقرر کرو اور میراث کو اللہ تعالیٰ نے ذوی الرحم اور عصبہ ورثاء کی طرف لوٹا دیا۔ ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم فرمایا کہ اپنے حلیفوں کو نصرت و نصیحت وغیرہ کے اعتبار سے کچھ دو اور ان کے لیے وصیت کرو جب کہ میراث ختم ہو چکی ہے۔ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: نحاس نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہ انہوں نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے اور نسخ صحیح نہیں ہے کیونکہ جمع کرنا ممکن ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا جو طبری نے ذکر کیا ہے۔ بخاری نے یہ مفہوم ''کتاب التفسیر'' میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ذوی الارحام کی میراث کا ذکر سورۂ انفال میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 2۔ کل کا لفظ عرب کلام میں احاطہ اور عموم کے لیے استعمال ہوتا ہے جب یہ مفرد آئے تو تمام نحویوں کے نزدیک یقیناً کلام میں حذف ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے قبل اور بعد کی طرح مررت بکل جائز قرار دیا حذف کی تقدیر یہ ہوگی۔ ولکل احدٍ جعلنا موالی۔ یعنی ورثاء بنائے۔ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حلف کے ساتھ عہد و پیمان باندھتے ہیں۔ یہ قتادہ سے مروی ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ایک شخص کسی سے عہد و پیمان کرتا تھا اور کہتا تھا: میرا خون، تیرا خون، مدد و نصرت میں، ہم ایک چیز ہوں گے اور میرا بدلہ اور تیرا بدلہ ایک ہوگا، میری جنگ اور تیری جنگ ایک ہوگی، میری صلح اور تیری صلح ایک ہوگی، تو میرا وارث ہوگا میں تیرا وارث ہوں گا، تو میری وجہ سے طلب کیا جائے گا میں تیری طرف سے طلب کیا جاؤں گا، تو میری طرف سے دیت دے گا میں تیری طرف سے دیت دوں گا، پس حلیف کو اپنے دوسرے حلیف کی میراث میں چھٹا حصہ ملتا تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ موالی کا لفظ مشترک ہے کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ آزاد کرنے والا، آزاد کیا گیا، آزاد کرنے والے کو مولی اعلیٰ اور آزاد کیے گئے کو مولی اسفل کہا جاتا ہے۔ مددگار کو بھی مولی کہا جاتا ہے: وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ۝

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 999

(محمد) یعنی کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔ چچا کے بیٹے کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔ پڑوسی کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ۔ اس سے مراد عصبہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "فرائض سے جو بچ جائے وہ قریبی مذکر عصبہ کے لیے ہے" (1) اور عصبات میں سے مولی اعلیٰ ہے، نہ کہ مولی اسفل۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے، کیونکہ معتق (آزاد کرنے والا) معتق (آزاد کیا گیا) پر انعام کرنے والا ہے جیسے اس کا موجد ہے اس معنی کی وجہ سے اس کو میراث کا حق دیا جاتا ہے۔

طحاوی نے حسن بن زیاد سے روایت کیا ہے کہ مولی اسفل، مولی اعلیٰ کا وارث ہوگا اور انہوں نے اس روایت سے حجت پکڑی ہے کہ ایک شخص نے اپنا غلام آزاد کیا، پھر آزاد کرنے والا فوت ہو گیا اور اس نے اپنے آزاد کیے گئے غلام کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دے دی (2)۔ امام طحاوی نے فرمایا: اس حدیث کی کوئی معارض حدیث نہیں ہے، پس اس پر عمل واجب ہے، کیونکہ جب آزاد کرنے والے کے لیے میراث کا ثابت کرنا ممکن ہے اس تقدیر پر کہ وہ اس کے لیے موجد کی طرح ہے تو وہ باپ کے مشابہ ہے اور مولی اسفل، بیٹے کے مشابہ ہے یہ چیز میراث میں برابری کا تقاضا کرتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اتصال عام ہوتا ہے اور حدیث میں ہے قوم کا مولی، ان میں سے ہے۔ اور جنہوں نے اس کی مخالفت کی وہ جمہور علماء ہیں وہ فرماتے ہیں: میراث قرابت کا تقاضا کرتی ہے اور یہاں کوئی قرابت نہیں ہے، مگر ہم نے معتق پر انعام کے حکم کی وجہ سے معتق کے لیے میراث کو ثابت کیا ہے اور انعام کا مقابلہ، مجازاۃ کا تقاضا کرتا ہے اور یہ مولی اسفل میں منعکس نہیں ہوتا۔ رہا بیٹا تو وہ سب لوگوں سے زیادہ میراث کا مستحق ہے، کیونکہ وہ اپنے باپ کا خلیفہ ہوتا ہے اور اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور معتق اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ اپنے معتق (آزاد کرنے والا) کے قائم مقام ہو، معتق نے اس پر انعام کیا ہوتا ہے پس شرع نے اسے معتق کی میراث کا حق دار بنا دیا۔ پس یہ صفت مولی اسفل (آزاد کردہ غلام) میں نہیں پائی جاتی۔ پس ان کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ علی بن کبشہ نے حمزہ سے روایت کیا ہے عقدت یعنی کثرت پر دلالت کرنے کے لیے قاف کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ سے مشہور قرأت عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ (قاف کی تخفیف) کے ساتھ ہے۔ یہی قرأت عاصم اور کسائی کی ہے۔ یہ قرأت بعید ہے، کیونکہ عہد و پیمان نہیں ہوتا مگر دو یا زیادہ شخصوں کے درمیان پس اس کا باب فاعل ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: حمزہ کی قرأت عربی میں غموض پر تجوز ہے اس تقدیر میں وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد قسم اٹھانا اور پختہ عہد و پیمان ہوگا۔ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اس کی تقدیر یوں ہوگی عقدت لهم ايمانكم الحلف۔ پھر لام کو حذف کیا گیا ہے جس طرح کہ اس ارشاد میں ہے: وَاِذَا كَالُوْهُمْ (المطففین: 3) یعنی كَالُوْهُمْ اور دوسرے مفعول کو حذف کیا گیا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: كِلْتُكَ یعنی كِلْتُ لَكَ بُرًّا مفعول اول حذف کیا گیا، کیونکہ وہ صلہ میں متصل ہے۔

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2657

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفرائض عن رسول اللہ، باب میراث العصبہ، حدیث نمبر 2024، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ان کے ساتھ عہد و پیمان دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ وفا کو پسند کرتا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

''مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر، اس وجہ سے کہ فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کے لیے) تو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں، حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے اور وہ عورتیں اندیشہ ہو تمہیں جن کی نافرمانی کا تو (پہلے نرمی سے) انہیں سمجھاؤ اور (پھر) الگ کر دو انہیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انہیں پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر (ظلم کرنے کی) راہ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے''۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ یہ مبتدا خبر ہیں یعنی مرد عورتوں کا خرچ اٹھاتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں اسی طرح مردوں میں حکام، امراء اور جہاد کرنے والے ہوتے ہیں، جب کہ یہ فرائض عورتوں پر نہیں۔ کہا جاتا ہے قوام و قیم (نگران)۔ یہ آیت حضرت سعد بن ربیع کے حق میں نازل ہوئی ان کی بیوی حضرت حبیبہ بنت زید بن خارجہ بن ابی زہیر نے نافرمانی کی تو انہوں نے اسے طمانچہ مارا، حضرت حبیبہ کے والد نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی سعد کو دی، اس نے اسے طمانچہ مارا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ اپنے خاوند سے قصاص لے، وہ اپنے باپ کے ساتھ واپس لوٹی تا کہ اپنے خاوند سے قصاص لے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوٹ آؤ میرے پاس جبریل آیا ہے''۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم نے ایک امر کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے امر کا ارادہ فرمایا''۔ دوسری روایت میں ہے: ''میں نے ایک چیز کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا وہ بہتر ہے''۔ آپ نے پہلا حکم ختم کر دیا(1)۔

بعض علماء نے فرمایا: وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ (طٰہٰ: 114) اسی حکم کے بارے میں نازل ہوا۔ اسماعیل بن اسحاق نے ذکر کیا اور فرمایا: حجاج بن منہال اور عارم بن فضل نے ہمیں بتایا۔ یہ الفاظ حجاج بن منہال کے

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 144

ہیں۔ فرمایا: ہمیں جریر بن حازم نے بتایا فرمایا میں نے حسن کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: میرے خاوند نے میرے چہرے پر مارا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے درمیان قصاص ہوگا''۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ ابوروق نے کہا: یہ جمیلہ بنت ابی اور ان کے خاوند ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی۔ کلبی نے کہا: یہ عمیرہ بنت محمد بن مسلمہ اور اس کے خاوند سعد بن ربیع کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا سبب ام سلمہ کا پہلا قول ہے۔ وجہ النظم یہ ہے کہ عورتوں نے میراث میں مردوں کی عورتوں پر فضیلت کے بارے میں بات کی تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَتَمَنَّوْا، پھر اللہ تعالیٰ نے میراث میں مردوں کی عورتوں پر فضیلت کو بیان فرمایا، کیونکہ مردوں پر مہر اور خرچ کی ذمہ داری ہے پھر مردوں کی فضیلت کا فائدہ عورتوں کی طرف لوٹتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مردوں کو عقل اور تدبیر میں زائد فضیلت حاصل ہے، پس مردوں کو عورتوں پر قیام کا حق دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفس اور طبع میں مردوں کے لیے زیادہ قوت ہے، جو عورتوں میں نہیں ہے، کیونکہ مردوں کی طبیعت پر حرارت اور سختی غالب ہے، پس اس میں قوت اور شدت ہوگی جب کہ عورتوں کی طبیعت میں رطوبت اور برودت غالب ہے، پس اس میں نرمی اور ضعف کا معنی ہوگا۔ پھر مردوں کے لیے عورتوں پر قیام کا حق اسی لیے رکھا گیا۔ اور دوسری وجہ یہ ارشاد ہے: وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مرد، عورتوں کو ادب سکھائیں۔ جب وہ مردوں کے حقوق کی حفاظت کریں تو پھر مرد کو ان کے ساتھ غیر مناسب طرز معاشرت نہیں اپنانا چاہیے۔ قوام، فعال کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کا مطلب ہے کسی چیز کی نگرانی کرنا، خود اس چیز میں غور و فکر کرنا اور اجتہاد کے ساتھ اس چیز کی حفاظت کرنا، پس مردوں کا عورتوں پر قیام اس حد تک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی تدبیر، تادیب، گھر میں انہیں روکے رکھنے اور زیب و زینت ظاہر کرنے سے منع کرنا ہے اور عورت پر مرد کی اطاعت کرنا اور اس کے حکم کو قبول کرنا ہے جب تک کہ معصیت نہ ہو، اس کی علت فضیلت، نفقہ، امر جہاد میں قوت و عقل، میراث، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے ہے۔ بعض نے تفضیل میں داڑھی کی رعایت کی ہے حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ کبھی داڑھی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسری صفت نہیں ہوتی جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اس کا رد سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ کے ارشاد سے علماء نے یہ سمجھا کہ جب مرد اس کے خرچہ سے عاجز ہوگا تو اس پر قوام نہیں ہوگا اور جب قوام نہیں ہوگا تو عورت کے لیے عقد کا فسخ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ وہ مقصود زائل ہے جس کے لیے نکاح مشروع کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ نفقہ اور لباس سے عاجزی کے وقت نکاح کو فسخ کرنے کا ثبوت ہے۔ یہی امام مالک و امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا: ایسی صورت میں نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ (بقرہ: 280) اس پر کلام اسی سورت میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ یہ تمام خبر ہے اس سے مقصود خاوند کی

اطاعت، اس کے مال کے حق کو قائم کرنے اور خاوند کی عدم موجودگی میں اپنے نفس کی حفاظت کرنے کا حکم ہے۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''بہتر عورت وہ ہے جسے جب تو دیکھے تو تجھے وہ خوش کرے، جب تو اسے حکم دے تو وہ تیری اطاعت کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو وہ اپنی عصمت کی اور تیرے مال کی حفاظت کرے''۔ فرمایا: پھر یہ آیت تلاوت کی: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ...... الخ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: ''کیا میں تجھے مرد کے خزانہ میں سے بہتر چیز نہ بتاؤں، وہ نیک صالحہ بیوی ہے جب وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کرے، جب وہ اسے حکم دے تو وہ اطاعت کرے، جب وہ اس سے غائب ہو تو وہ اس کی حفاظت کرے''(1)۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: کیا میں تجھے اس بہترین چیز کے بارے میں نہ خبر دوں ایک مرد جیسے خزانہ کرتا ہے؟ وہ صالح عورت ہے الخ، پھر سابقہ حدیث ذکر کی۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں فالصوالح قوانت حوافظ کے الفاظ ہیں۔ یہ وزن مؤنث کے ساتھ مختص ہیں۔ ابن جنی نے کہا: جمع مکسر از روئے لفظ کے معنی کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ وہ کثرت کا معنی دیتی ہے اور یہاں یہی مقصود ہے۔ اور بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ میں ما مصدریہ ہے یعنی بحفظ اللہ لہن۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ ما بمعنی الذی ہو اور حفظ میں عائد ضمیر منصوب ہوگی۔ اور ابو جعفر کی قرأت میں بما حفظ اللہ (2) اسم جلالت نصب کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: رفع زیادہ واضح ہے یعنی حافظات لمغیب ازواجہن بحفظ اللہ و معونتہ و تسدیدہ وہ اپنے خاوندوں کی غیر حاضری کے وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت، معونت اور درستگی کے ساتھ حفاظت کرنے والی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: بما حفظہن اللہ فی مہورہن وعشرتہن، یعنی اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے ان کے مہور میں اور معاشرت میں۔ بعض علماء نے اس کا معنی یہ کیا ہے: بما استحفظہن اللہ ایاہ من اداء الامانات الی ازواجہن۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے خاوندوں تک ان کی امانات کی ادائیگی کے لیے ان عورتوں کی حفاظت کی اور نصب کی قرأت کا معنی یہ ہے: بحفظہن اللہ۔ یعنی انہوں نے اللہ کے امر اور دین کی حفاظت کرنے کی وجہ سے۔ بعض نے یہ تقدیر بیان کی بما حفظن اللہ پھر فعل واحد ذکر کیا گیا جس طرح کہا گیا ہے: فان الحوادث أودی بہا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے بحفظِ اللہ جیسے حفظتُ اللہ۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ، الّٰتِيْ، التی کی جمع ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: تَخَافُوْنَ کا معنی علم اور یقین ہے۔ بعض نے فرمایا: اپنے معنی خوف پر ہے۔ النشوز کا معنی نافرمانی ہے۔ یہ النشز سے ماخوذ ہے۔ النشز زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: نشز الرجل ینشز جب کوئی بیٹھا ہو پھر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (المجادلہ: 11) یعنی اٹھو اور جنگ کی طرف یا اللہ کے امور میں سے کسی امر کی طرف اٹھو۔ معنی یہ ہے کہ تمہیں ان کی نافرمانی کا خوف ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان پر خاوندوں کی اطاعت واجب کی تھی اس کے ادا نہ کرنے کا خوف ہو۔ ابو منصور اللغوی نے کہا: النشوز کا معنی ہے میاں، بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے کو ناپسند کرنا۔ کہا جاتا ہے: نشزت تنشز فھی ناشز (بغیر تاء کے) نشمت تنشص یہ معاشرت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 423　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 47، دار الکتب العلمیہ بیروت

کے لیے برائی ہے۔ ابن فارس نے کہا: نشزت المرأۃ یعنی عورت نے اپنے خاوند پر سختی کی اور نشزبعلھا علیھا جب خاوند عورت کو مارے اور ظلم کرے۔ ابن درید نے کہا: نشزت المرأۃ ونشست و نشصت کا ایک معنی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَعِظُوْهُنَّ یعنی الله کی کتاب کے ساتھ انہیں نصیحت کرو یعنی انہیں خاوند کے ساتھ حسن صحبت اور حسن معاشرت میں سے جو ان پر الله نے واجب کیا ہے وہ انہیں یاد دلاؤ اور انہیں خاوند کا وہ بلند مرتبہ کا اعتراف کراؤ جو الله نے اسے ان پر عطا فرمایا ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو خاوند کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا'' اور فرمایا: ''عورت اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے نہ روکے اگرچہ وہ پالان پر ہی ہو''۔ اور فرمایا: ''جو عورت اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارتی ہے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں''۔ ایک روایت میں ہے ''حتیٰ کہ وہ واپس آجائے اور اپنا ہاتھ اپنے خاوند کے ہاتھ میں رکھ دے۔ اور ایسا کام کرے جو اس کی مثل ہو''۔

مسئلہ نمبر 7۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ابن مسعود اور نخعی وغیرہما نے فی المضجع پڑھا ہے گویا اسم جنس ہے جو جمع کا مفہوم دیتا ہے۔ الهجر فی المضاجع کا مطلب ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہم بستر ہو اور پیٹھ پھیر کر سوئے اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کرے۔ یہ حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے۔ اور مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے ان کے بستروں سے دور ہو جاؤ۔ اس کلام پر حذف مقدر ہوگا اور اس کی تائید اهْجُرُوْهُنَّ کا لفظ کرتا ہے جو الهجران سے مشتق ہے جس کا معنی دوری ہے۔ کہا جاتا ہے: ہجرہ اس سے دور ہو جا اور اس سے علیحدہ ہو جا اور دور ہونا ممکن نہیں مگر ان کا بستر چھوڑنے کے ساتھ۔ یہ معنی ابراہیم نخعی، شعبی، قتادہ اور حسن بصری نے بیان کیا ہے۔ اور یہی معنی ابن وہب اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ ابن عربی نے اس کو پسند کیا ہے۔ ان علماء نے امر کو اکثر اور مکمل معنی پر محمول کیا یہ اس طرح ہوگا جیسے تو کہتا ہے: اهجرہ فی الله۔ الله کے لیے اس کو چھوڑ دے۔ یہ امام مالک کی اصل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول عمدہ ہے۔ خاوند جب اس کے بستر سے اعراض کرے گا پھر اگر عورت کو خاوند سے محبت ہوگی تو اس پر یہ چیز شاق ہوگی اور وہ اصلاح کی طرف لوٹ آئے گی اگر وہ بغض رکھنے والی ہوگی تو اس سے نافرمانی ظاہر ہوگی پھر ظاہر ہوگا کہ نشوز (نافرمانی) اس کی طرف سے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اهْجُرُوْهُنَّ یہ الهجر سے مشتق ہے اور اس سے مراد قبیح کلام ہے یعنی کلام میں ان سے سختی کرو اور جماع وغیرہ کے لیے ان سے ہم بستر ہو۔ یہ معنی سفیان نے بتایا فرمایا: یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کو ان کے گھروں میں پابند کر دو۔ یہ ان کے قول ھجر البعیر سے مشتق ہے یعنی رسی کے ساتھ اونٹ کو باندھ دیا۔ الهجار اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔ یہ طبری کا مختار مذہب ہے اور انہوں نے تمام کلام پر جرح کی ہے اور ان کے کلام میں اس جگہ نظر (اعتراض کی گنجائش) ہے۔ قاضی ابوبکر بن العربی نے ''احکام'' میں ان کا رد کیا ہے اور کہا ہائے قرآن وسنت کے عالم کی لغزش! اور اس مفہوم پر جس حدیث نے انہیں ابھارا وہ غریب حدیث ہے۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق، حضرت زبیر بن عوام کی بیوی تھی

وہ باہر نکلتی تھی حتیٰ کہ انہیں عتاب کیا گیا فرمایا: حضرت زبیر بن عوام نے اسے اور اس کی سوکن کو عتاب کیا پھر ایک کے بال دوسری کے بالوں کے ساتھ باندھ دیئے پھر انہیں سخت سزا دی سوکن بہت زیادہ بچنے والی تھی اور اسماء زیادہ بچنے والی نہ تھی پس اسے ضربیں بھی زیادہ لگیں۔ حضرت اسماء نے اپنے باپ حضرت ابوبکر سے شکایت کی، حضرت ابوبکر نے اسے کہا: اے بیٹی! صبر کر زبیر صالح آدمی ہے شاید تیرا خاوند جنت میں ہوگا، اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ جب مرد بیوی سے ابتکار کرتا ہے تو جنت میں اس سے نکاح کرے گا۔ پس اهْجُرُوْهُنَّ کا ان علماء نے ربط اور عقد (باندھنا) معنی لیا کیونکہ لفظ میں احتمال تھا اور ساتھ ساتھ حضرت زبیر کا فعل تھا تو اس نے یہ تفسیر بیان کردی۔ اور ان کے بستر کو چھوڑنے کا زیادہ سے زیادہ عرصہ علماء کے نزدیک ایک مہینہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے راز کی بات کی تھی تو انہوں نے حضرت عائشہ کو بتا دی تھی اور انہوں نے اس پر ایکا کر لیا تھا اور ان چار مہینوں تک یہ چھوڑنا نہ پہنچے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایلاء کی مدت بنایا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاضْرِبُوْهُنَّ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مرد عورت کی اصلاح کے لیے پہلے انہیں وعظ و نصیحت کرے، پھر اس کے بستر سے جدا ہو جائے پھر اگر یہ دونوں صورتیں کارگر نہ ہوں تو پھر مارنا ہے، کیونکہ یہ چیز اس کے لیے اس کی اصلاح کرے گی اور اسے اس کا حق پورا کرنے پر ابھارے گی اور اس آیت میں مارنے سے مراد اس طرح مارنا ہے کہ وہ زخمی نہ کردے اور وہ اس کی ہڈی نہ توڑ دے اور نہ زخم سے اس کو عیب لگا دے جیسے مکا مارنا وغیرہ، کیونکہ اس سے مقصود اصلاح ہے (نہ کہ اسے زخمی کرنا ہے) پس جب وہ اسے اتنی سزا دے گا کہ اسے ہلاک کردے تو اس پر ضمانت واجب ہوگی۔ اور اسی طرح بچے کو تعلیم دینے اور ادب سکھانے میں سزا کا حکم ہے۔ صحیح مسلم میں ہے: ''عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی امانت سے تم نے انہیں حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمہارے بستر پر کسی کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو انہیں سزا دو مگر ایسی نہیں جو زخمی کردے'' (1)۔ امام مسلم نے حضرت جابر کی طویل حدیث کتاب الحج میں ذکر کی ہے یعنی وہ تمہارے گھروں میں ایسے رشتہ داروں اور اجنبی عورتوں کو داخل نہ کریں جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اسی مفہوم پر اس روایت کو محمول کیا جائے گا جو امام ترمذی نے عمرو بن الاحوص سے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر وعظ و نصیحت فرمائی پھر فرمایا: ''عورتوں کے متعلق خیر کی وصیت حاصل کرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں اس کے علاوہ تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو مگر یہ کہ وہ واضح برائی کا ارتکاب کریں، اگر وہ ایسا کریں تو ان کے بستروں سے جدا ہو جاؤ اور انہیں مارو مگر ایسی مار جو زخمی نہ کردے۔ اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر انہیں اذیت دینے کی راہ تلاش نہ کرو۔ خبردار تمہارے لیے تمہاری عورتوں پر حقوق ہیں اور تمہارے عورتوں کے لیے تم پر حقوق ہیں، تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے گھروں میں ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور انہیں تمہارے گھروں میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 397

اجازت نہ دیں جنہیں تم اچھا نہیں سمجھتے۔ خبردار ان کا حق تم پر یہ ہے کہ لباس اور طعام کے سلسلہ میں تم ان سے حسن سلوک کرو" (1)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو گھر میں داخل نہ کریں جن کو ان کے خاوند ناپسند کرتے ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اس سے مراد زنا نہیں ہے، کیونکہ زنا تو حرام ہے اور اس پر حد لازم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کو مارو جب وہ کسی نیکی میں تمہاری نافرمانی کریں لیکن وہ مار زخمی کرنے والی نہ ہو"۔ عطا نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: نہ زخمی کرنے والی سزا کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: مسواک وغیرہ سے مارنا (2)۔ روایت ہے کہ حضرت عمر نے اپنی بیوی کو مارا تو انہیں اس سے منع کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مرد جو اپنی بیوی کو سزا دیتا ہے اس کے بارے میں اس سے نہیں پوچھا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ یعنی وہ نافرمانی چھوڑ دیں۔ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا یعنی قول یا فعل کے ساتھ ان پر زیادتی نہ کرو۔ یہ ان پر ظلم کرنے سے نہی ہے اس کے بعد کہ ان پر مردوں کی فضیلت کو ثابت فرمایا اور ان کو ادب سکھانے کی قدرت عطا فرمائی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تم انہیں اپنے ساتھ محبت کرنے کی تکلیف نہ دو، کیونکہ یہ ان کے بس میں نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا یہ خاوندوں کو اشارہ ہے کہ نرمی اختیار کریں اور تواضع کا مظاہرہ کریں یعنی اگر تم عورتوں پر قادر ہو تو تم اللہ کی قدرت کو یاد کرو، اس کا دست قدرت، ہر ہاتھ سے بلند ہے پس کوئی شخص اپنی بیوی پر بلندی نہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ تاڑ رہا ہے یہاں علو اور کبر کی صفات کا ذکر کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کسی چیز کو مارنے کا صراحۃً حکم نہیں دیا سوائے اس مقام کے اور حدود میں۔ تو معلوم ہوا کہ ان کے خاوند کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور یہ کام ان کے خاوندوں کے سپرد ہے ائمہ کے سپرد نہیں ہے۔ یہ خاوندوں کے لیے روا رکھا جب کہ قاضیوں کے بغیر گواہوں اور دلائل کے کسی کو سزا دینا جائز نہیں۔ خاوند اللہ کی طرف سے عورتوں کے امین بنائے گئے ہیں۔ مہلب نے کہا: عورتوں کو مارنا جائز ہے جب وہ اپنے خاوندوں کو مباشرت سے منع کریں اور خدمت نہ کرنے کی صورت میں سزا دینے میں اختلاف ہے۔ قیاس اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ جب مباشرت کے منع کرنے پر سزا دینا جائز ہے تو معروف طریقہ پر خاوند کی ایسی خدمت نہ کرنے پر بھی سزا دینا جائز ہو، جو خدمت عورت پر مرد کے لیے واجب تھی۔ ابن خویز منداد نے کہا: نافرمانی، نفقہ اور تمام حقوق زوجیت کو ساقط کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے خاوند کو تادیبی کارروائی کرنا جائز ہے جب کہ وہ سزا اسے زخمی کرنے والی نہ ہو اور اسے وعظ و نصیحت ہو اور اس کے بستر کو ترک کر دے حتیٰ کہ وہ نافرمانی سے باز آ جائے۔ جب وہ لوٹ آئے گی تو اس کے حقوق بھی لوٹ آئیں گے۔ اسی طرح ادب جس سزا کا تقاضا کرتا ہے خاوند کے لیے ایسی سزا دینا جائز ہے اور ارفع اور ادنیٰ ادب میں حالت مختلف ہوتی ہے۔ رفیع ادب کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الرضاع، جلد 1، صفحہ 139　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 48، دار الکتب العلمیہ بیروت

لیے جدائی ہے اور ادنی ادب کے لیے کوڑا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنا کوڑا لٹکائے رکھا اور اپنے گھر والوں کو ادب سکھایا'' اور فرمایا: ''ابوجہم اپنا ڈنڈا اپنے کندھے سے اتارتا ہی نہیں'' (1)۔ بشار نے کہا:

الحرُّ یُلحَی والعصا للعبدِ　آزاد آدمی کو صرف ملامت کی جاتی ہے اور غلام کے لیے چھڑی ہے۔

ابن درید نے کہا:

واللَّوْمُ للحرّ مُقيمٌ رادِعٌ　　والعبد لا يَرْدَعُه الا العَصَا

آزاد آدمی کو ملامت ہی روکنے والی ہوتی ہے جب کہ غلام کو صرف ڈنڈا ہی باز رکھتا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اہل علم کا عورت کے اخراجات کا خاوندوں پر واجب ہونے پر اتفاق ہے جب کہ وہ بالغ ہوں مگر عورتوں میں سے جو نافرمان اور اپنے نفس سے روکنے والی ہو اس کا نفقہ واجب نہیں۔ ابوعمر نے کہا: جو عورت دخول کے بعد اپنے خاوند کی نافرمان ہو تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا مگر یہ کہ وہ حاملہ ہو۔ ابن القاسم نے نافرمان کے نفقہ میں فقہاء کی جماعت کی مخالفت کی ہے انہوں نے نافرمان کا نفقہ بھی واجب کیا ہے جب نافرمان اپنے خاوند کی طرف لوٹ آئے تو پھر مستقبل کا نفقہ واجب ہوگا اور نافرمانی کے علاوہ کسی صورت میں عورت کا نفقہ خاوند سے ساقط نہ ہوگا نہ مرض سے، نہ حیض سے، نہ نفاس سے، نہ روزے سے، نہ حج سے، نہ اس کے خاوند کے غائب ہونے سے اور نہ کسی حق یا ظلم کی وجہ سے خاوند کے قیدی ہونے سے سوائے اسی صورت کے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۟

''اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا ان کے درمیان تو مقرر کرو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے اگر وہ دونوں (پنچ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر بات سے خبردار ہے''۔

اس آیت میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا، الشقاق کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ گویا میاں، بیوی میں سے ہر ایک اپنی اپنی طرف لیتا ہے۔ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا مصدر کو ظرف کی طرف مضاف کیا گیا ہے جیسا کہ تیرا قول یعجبنی سیر اللیلۃ المقمرۃ۔ صوم یوم عرفۃ اور قرآن حکیم میں ہے: بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ (سبا: 33) بعض علماء نے فرمایا: بین اسماء کے قائم مقام ہے اور اس سے ظرفیت زائل کی گئی ہے، کیونکہ بینھما حالھما و عشرتھما کے معنی میں ہے یعنی اگر خوف کرو تم ان کی عشرت اور صحبت کا فابعثوا تو مقرر کرو۔ و خفتم گزشتہ اختلاف پر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حکم یہ ہے کہ پہلے خاوند اسے نصیحت کرے اگر اس کو قبول کرے تو فبہا ورنہ اس کا بستر چھوڑ دے، اگر وہ ایسی صورت میں اطاعت

1۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 74

کرے تو فبہا ورنہ خاوند اسے مارے، اگر وہ ایسی صورت میں قبول کرے تو فبہا ورنہ حاکم وقت ایک پنچ مرد کی طرف سے اور ایک پنچ عورت کی طرف سے مقرر کرے وہ دونوں ان کے ضرر کو دیکھیں اگر صلح کی کوئی صورت نہ ہو تو خلع ہو گا۔ بعض علماء نے فرمایا: خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے وعظ و نصیحت سے پہلے بھی سزا دے۔ لیکن آیت میں جو ترتیب ہے وہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جمہور علماء نے کہا: وَ اِنْ خِفْتُمْ کا مخاطب حکام اور امراء ہیں اور اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا سے مراد حکمین یعنی پنچ ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد وغیرہما کا قول ہے یعنی اگر پنچ اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان کوئی نہ کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: مخاطب میاں، بیوی ہیں یعنی اگر میاں بیوی اصلاح کا ارادہ کریں جو کچھ انہوں نے پنچوں کو بتایا اس میں سچ بولیں تو اللہ تعالیٰ ان میں مصالحت کی صورت پیدا فرما دے گا۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب اولیاء کو ہے یعنی تم میاں بیوی کے درمیان اختلاف جان لو تو پھر مرد کی طرف سے ایک پنچ اور عورت کی طرف سے ایک پنچ مقرر کرو اور وہ پنچ مرد اور عورت کی طرف سے ہوں، کیونکہ وہ دونوں میاں بیوی کے احوال بگاڑ کی طرف جانے سے روکیں گے اور وہ دونوں عادل ہوں حسن بصیرت اور حسن نظر کے حامل ہوں اگر ان کے اہل میں سے ایسے دو شخص نہ ہوں تو پھر کوئی اور دو شخص جو عادل اور عالم ہوں یہ اس وقت ہے جب معاملہ سمجھنا مشکل ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ زیادتی کس کی طرف سے ہے۔ اگر ظالم کا علم ہو جائے تو دوسرے کے لیے اس کا حق لیا جائے گا اور ضرر کو دور کرنے کے لیے ظالم کو مجبور کیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے: خاوند کی طرف کا پنچ خاوند سے علیحدگی میں پوچھے کہ تم مجھے اپنے دل کی بات بتاؤ کیا تم اس سے محبت کرتے ہو یا نہیں تا کہ میں تیری مراد جان لوں؟ اگر وہ کہے کہ مجھے اس عورت کی کوئی ضرورت نہیں میرے لیے اس سے وہ لے لو جس کی تو طاقت رکھتا ہے اور میرے اور اس کے درمیان تفریق کر دو، پس معلوم ہو جائے گا کہ مرد کی طرف سے زیادتی ہے اور اگر وہ کہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ میرے مال سے اس کو خوش کرو جو تو چاہتا ہے اور میرے اور اس کے درمیان تفریق نہ کرو، پس معلوم ہو جائے گا کہ مرد زیادتی کرنے والا نہیں۔ اور عورت کی طرف والا حکم عورت سے علیحدگی میں پوچھے اسے کہے: کیا تو اپنے خاوند سے محبت کرتی ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہے کہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کر دو اور جو وہ ارادہ کرتا ہے میرے سے اسے دے دو۔ معلوم ہو جائے گا کہ زیادتی عورت کی طرف سے ہے۔ اگر وہ کہے کہ ہمارے درمیان تفریق نہ کرو بلکہ اسے اس بات پر ابھارو کہ وہ میرے خرچ میں اضافہ کرے اور میرے ساتھ حسن سلوک کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ زیادتی عورت کی طرف سے نہیں ہے۔ اگر دونوں پنچوں کے لیے ظاہر ہو جائے کہ زیادتی مرد کی طرف سے تھی تو دونوں پنچ اسے نصیحت کریں، اسے زجر و توبیخ کریں اور انہیں زیادتی سے منع کریں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَابْعَثُوْا حَكَمًا الایہ سے یہی مراد ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے فرمایا: اس آیت نے عورتوں کی عقلی تقسیم کی، کیونکہ وہ یا تو اطاعت شعار ہوتی ہیں یا نافرمان ہوتی ہیں۔ پھر نافرمانی اور زیادتی اطاعت شعاری کی طرف لوٹے گی یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہو تو دونوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ نسائی نے روایت کیا ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے فاطمہ بنت عتبۃ بن ربیعہ سے نکاح کیا جب عقیل اپنی بیوی

کے پاس گیا تو وہ کہنے لگی: اے بنی ہاشم! اللہ کی قسم میرا دل تم سے محبت نہیں کرتا وہ لوگ کہاں جن کی گردنیں چاندی کے لوٹے کی طرح ہیں! جن کے ناک، ان کے ہونٹوں کی طرف مڑے ہوئے ہیں۔ عتبہ بن ربیعہ کہاں، ابن شیبہ بن ربیعہ کہاں۔ عقیل یہ سب کچھ سن کر خاموش رہے حتیٰ کہ وہ ایک دن اس کے پاس گئے جب کہ وہ پریشان و تنگ دل تھا۔ فاطمہ نے کہا: کہاں ہے عتبہ بن ربیعہ؟ عقیل نے کہا: تیری بائیں جانب آگ میں، جب تو داخل ہوگی۔ فاطمہ نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور حضرت عثمان کے پاس آئی اور ان کے سامنے یہ سب ذکر کیا۔ حضرت عثمان نے حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ کو بلایا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں ان کے درمیان تفریق کروں گا۔ حضرت معاویہ نے کہا: میں بنی عبد مناف کے دو شیخوں کے درمیان تفریق نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ ان دونوں (میاں بیوی) کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں پایا کہ انہوں نے اپنے اوپر دروازہ بند کیا ہوا ہے اور دونوں اپنے معاملہ میں صلح کر چکے ہیں۔ اگر پنچ میاں بیوی کو اختلاف پر پائیں اور صلح نہ کریں اور ان کا معاملہ ناہموار ہو تو پہلے وہ ان دونوں میں محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات یاد دلائیں اور ایک دوسرے سے تعاون پر برانگیختہ کریں اگر وہ واپس آ جائیں اور رجوع کر لیں تو انہیں چھوڑ دیں اگر دوسری صورت ہو اور دونوں پنچ جدائی کی رائے قائم کریں تو ان کے درمیان جدائی کر دیں اور ان پنچوں کو جدائی کرنا میاں بیوی پر جائز ہے، خواہ شہر کے قاضی کا حکم اس فیصلہ کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ میاں بیوی نے یہ معاملہ ان کے سپرد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور ان کے درمیان طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ وہ دونوں انہیں اپنے پنچ نہ بنائیں اور وہ دونوں ان کے حالات سے امام وقت کو آگاہ نہ کریں۔ یہ اس بنا پر ہے کہ وہ دونوں رسول پیغام رساں اور گواہ ہیں۔ پھر امام اگر ارادہ کرے تو ان میں تفریق کرے اور تفریق کا حکم دے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے اور یہی ابو ثور کا قول ہے اور صحیح پہلا قول ہے۔ پنچوں کے لیے طلاق دینا ہے نہ وکالت کرنا ہے۔ یہ امام مالک، اوزاعی اور اسحاق کا قول ہے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس سے اور شعبی اور نخعی سے مروی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نص ہے کہ وہ دونوں پنچ قاضی ہیں، وکیل نہیں ہیں اور گواہ ہیں۔ وکیل کے لیے شریعت میں ایک نام اور معنی ہے اور شریعت میں پنچ کے لیے علیحدہ اسم اور معنی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو بیان فرمایا تو شاذ کے لیے مناسب نہیں تو پھر عالم کے لیے کیسے ہوگا کہ ایک کے معنی کو دوسرے پر جوڑے۔ دارقطنی نے محمد بن سیرین کی حدیث سے، عبیدہ سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے، وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔ فرمایا: ایک شخص اور ایک عورت حضرت علی کے پاس آئے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کا ایک گروہ تھا، حضرت علی نے انہیں حکم دیا کہ ایک مرد کی طرف پنچ اور ایک عورت کی طرف سے پنچ مقرر کرو۔ پھر آپ نے ان پنچوں سے فرمایا: تم جانتے ہو تم پر کیا لازم ہے؟ تم پر یہ ہے کہ اگر تم ان کی جدائی کا نظریہ رکھو تو انہیں جدا کر دو۔ عورت نے کہا: میں اللہ کی کتاب کے فیصلہ پر راضی ہوں جو مجھ پر مرد کے لیے لازم ہوتا ہے اور جو میرا حق بنتا ہے۔ خاوند نے کہا میں جدائی نہیں چاہتا۔ حضرت علی نے فرمایا: تو نے جھوٹ بولا ہے اللہ کی قسم! تو اس جگہ سے نہیں جائے گا حتیٰ کہ تو بھی اس عورت کی طرح اقرار کر لے۔ یہ سند صحیح ہے اور

ثابت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کئی وجوہ سے ابن سیرین عن عبیدہ کے سلسلہ سے ثابت ہے۔ یہ ابو عمر کا قول ہے اگر یہ دونوں وکیل اور گواہ ہوتے تو حضرت علی انہیں یہ نہ کہتے کہ کیا تم جانتے ہو تم پر کیا واجب ہے؟ آپ فرماتے: کیا تم جانتے ہو جس کا تمہیں وکیل بنایا گیا ہے؟ یہ واضح ہے۔ امام ابو حنیفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے حجت پکڑی ہے جو آپ نے خاوند سے کہا تھا: ''تو اپنی جگہ سے نہیں جائے گا حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے گا جس سے وہ راضی ہوئی''۔ پس یہ دلیل ہے کہ حضرت علی کا مذہب یہ ہے کہ وہ پنچ جدائی نہیں کریں گے مگر خاوند کی رضا سے۔ امام ابو حنیفہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ اجتماعی مسئلہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے یا مرد جس کے سپرد یہ اختیار کر دے۔ امام مالک اور ان کے متبعین نے اس کو اس باب سے شمار کیا ہے کہ سلطان، غلام اور عنین کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر دونوں پنچ مختلف ہو جائیں تو ان کا قول نافذ نہ ہوگا اور اس سے کچھ لازم نہ ہوگا مگر یہ کہ جس معاملہ پر دونوں پنچ متفق ہو جائیں۔ اسی طرح ہر پنچ کسی ایک معاملہ میں فیصلہ کرے، اگر ایک فرقت کا فیصلہ کرے اور دوسرا یہ فیصلہ نہ کرے یا ایک مال کا فیصلہ کرے اور دوسرا اس کا انکار کرے، کچھ بھی نہ ہوگا حتیٰ کہ دونوں متفق ہو جائیں۔ امام مالک نے پنچوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ تین طلاقیں دے دیں تو ایک لازم ہوگی اور ان دونوں کے لیے جدائی ایک طلاق بائنہ سے زیادہ کے ساتھ نہ ہوگی۔ یہ ابن القاسم کا قول ہے۔ ابن القاسم نے کہا: تینوں طلاقیں بھی واقع ہو جائیں گی اگر دونوں پنچ ان پر جمع ہو جائیں۔ یہ مغیرہ، اشہب، ابن الماجشون اور اصبغ کا قول ہے۔ ابن المواز نے کہا: اگر ایک پنچ ایک طلاق کا فیصلہ کرے اور دوسرا تین طلاق کا فیصلہ کرے تو ایک ہوگی۔ ابن حبیب نے اصبغ سے حکایت کیا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ایک شخص کو میاں، بیوی کی طرف بھیجنا بھی جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زنا میں چار گواہوں کا فیصلہ کیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زانیہ عورت کی طرف انیس کو اکیلا بھیجا تھا اور اسے فرمایا کہ اگر وہ عورت زنا کا اعتراف کرے تو اسے سنگسار کر دو۔ عبد الملک نے ''المدونۃ'' میں اسی طرح کہا ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: جب ایک آدمی کو بھیجنا جائز ہے تو پھر میاں، بیوی ایک پنچ مقرر کر لیں تو جائز ہوگا یہ جواز کے اعتبار سے اولیٰ ہے جب دونوں اس پر راضی ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجنے کا حکم، حکام کو دیا ہے نہ کہ میاں، بیوی کو دیا ہے۔ اگر میاں بیوی دو پنچ مقرر کریں اور وہ کوئی فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ نافذ ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک تحکیم جائز ہے اور پنچ کا فیصلہ ہر مسئلہ میں نافذ ہوگا جب ہر پنچ عادل ہو۔ اگر عادل نہ ہو تو عبد الملک نے کہا: اس کا فیصلہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ انہیں دھوکے کا خطرہ ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، کیونکہ وہ وکیل بنایا گیا تھا اور وکیل کا فعل نافذ ہوتا ہے۔ اگر وہ حکم بنایا گیا تھا تو انہوں نے خود اسے اپنے نفسوں پر مقدم کیا اور دھوکا اس میں مؤثر نہیں جس طرح توکیل کے باب میں مؤثر نہیں۔ قضا کا باب تمام دھوکے پر مبنی ہے اس میں محکوم علیہ کا اس کو جاننا لازم نہیں جس کی وجہ سے فیصلہ اس کی طرف لوٹتا ہے (2)۔ ابن عربی نے کہا پنچوں کا مسئلہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نص ہے اور میاں بیوی کے درمیان ناچاقی اور اختلاف کے ظہور کے وقت پنچ کے ساتھ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 427 2۔ ایضاً

فیصلہ ہوگا یہ ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اس کی اصل پر امت کا اجماع ہے کہ حکم مقرر کیے جائیں گے اگرچہ اس پر جو مسائل مرتب ہوتے ہیں ان کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ ہمارے شہر کے اہل علم پر تعجب ہے جو کتاب وسنت کے حکم سے غافل رہے اور انہوں نے کہا: ان دونوں کو ایک امین شخص کے سپرد کیا جائے گا اس قول میں نص کی مخالفت ہے جو تم پر مخفی نہیں ہے، نہ تو انہوں نے کتاب اللہ کے مطابق حکم دیا اور نہ قیاس سے یہ جسارت کی، میں نے اس کو حقیقت کی طرف بلایا تو اس نے مجھے ناچاقی کے وقت دو پنچوں کو بھیجنے کا جواب نہ دیا۔ مگر ایک قاضی کی طرف بھیجنے کو کہا اور نہ ایک گواہ کے ساتھ قسم کے ذریعے فیصلہ کرنے کو تسلیم کیا مگر دوسرے گواہ کی موجودگی ضروری قرار دی جب مجھے اللہ تعالیٰ نے اس امر پر قدرت دی تو میں نے سنت کو اس طرح جاری کیا جس طرح مناسب تھا۔ ہمارے علاقہ کے علماء پر تعجب نہ کرو، کیونکہ انہیں جہالت نے گھیر رکھا ہے لیکن امام ابوحنیفہ پر تعجب ہے جن کے پاس دو پنچوں کے بارے کوئی خبر نہیں بلکہ اس سے دوگنا تعجب امام شافعی پر ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: وہ چیز جو ظاہر آیت کے مشابہ ہے وہ یہ ہے جس میں دونوں میاں، بیوی برابر ہوں حتیٰ کہ اس میں دونوں کے حالات مشابہ ہوں۔ فرمایا: یہ اس لیے ہے کہ میں نے پایا کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کی زیادتی کی صورت میں صلح کی اجازت دی اور حدود الٰہیہ کو قائم نہ کرنے کی صورت میں خلع کی اجازت دی اور یہ عورت کی رضا کے مطابق ہونے کے مشابہ ہے اور منع فرمایا کہ مرد نے جو کچھ عورت کو دیا تھا اس میں سے واپس لے جب خاوند اپنی بیوی کی جگہ دوسری بیوی تبدیل کرنا چاہتا ہو۔ جب میاں بیوی کی ناچاقی کی صورت میں دو پنچوں کو مقرر کرنے کا حکم دیا تو یہ دلیل ہے کہ ان کا فیصلہ میاں کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہوگا تو ایک پنچ خاوند کی طرف سے اور ایک پنچ عورت کی طرف سے مقرر کیا جائے گا اور دونوں پنچ میاں بیوی کی رضا پر متعین ہوں گے اور ان کے سپرد ہوگا ان کا جمع کرنا اور ان میں جدائی کرنا، جب وہ جدائی کو ہی بہتر دیکھیں یہ دلیل ہے کہ دونوں پنچ میاں بیوی کے وکیل ہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ امام شافعی کے کلام کی انتہا ہے اور ان کے اصحاب اس پر خوش ہوتے ہیں، حالانکہ اس میں کوئی چیز قابل التفات نہیں ہے اور نہ اس کا نصاب علم میں بہتر ہے۔ قاضی ابو اسحاق نے ان کا رد کیا ہے لیکن اکثر کلام میں انہوں نے انصاف نہیں کیا۔ رہا امام شافعی کا قول کہ "ظاہر آیت جس کے مشابہ ہے وہ یہ ہے کہ میاں بیوی برابر ہیں" حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ واضح طور پر قرآن حکیم میں ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ اور جس کو اپنی بیوی سے زیادتی کا اندیشہ ہو تو وہ اسے وعظ کرے اگر وہ اطاعت کی طرف لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اس کے بستر سے علیحدہ ہو جائے اگر وہ مان جائے تو فبہا ورنہ اسے سزا دے اگر پھر بھی عورت اپنی زیادتی پر قائم رہے تو دو پنچ ان کی طرف جائیں۔ یہ اس صورت میں ہے اگر نص نہ ہو اور قرآن میں بیان نہ ہو اور اس کو چھوڑ دے جو نص نہ ہو۔ وہ ظاہر ہوگا۔ رہا امام شافعی کا قول کہ "ظاہر کے مشابہ ہے" ہم نہیں جانتے کہ ظاہر کے مشابہ کیا ہے پھر امام شافعی نے کہا: جب انہیں حدود الٰہیہ کو قائم نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو خلع کا حکم فرمایا۔ یہ عورت کی رضا کے مشابہ ہے بلکہ ایسا ہونا واجب ہے۔ یہی اس حکم کی نص ہے۔ پھر فرمایا: جب دو پنچوں کا حکم دیا تو ہم نے جان لیا کہ پنچوں کا حکم خاوندوں کے حکم کے علاوہ ہے اور واجب ہے کہ وہ اس کا غیر ہو اس طرح کہ ان پر ان کا حکم بغیر اختیار کے نافذ ہو۔ پس غیریت متحقق ہوگی اور جب وہ ان پر وہ نافذ کریں جن کا میاں بیوی نے انہیں وکیل بنایا

تھا تو وہ میاں، بیوی کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ نہ کریں تو غیریت متحقق نہ ہوئی۔ رہا امام شافعی کا یہ قول کہ "میاں بیوی کی رضا اور ان کی توکیل کے ساتھ"۔ یہ واضح خطا ہے اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے علاوہ کو خطاب فرمایا ہے جب میاں بیوی کے درمیان پنچوں کو بھیجنے کے ساتھ بھی ناچاقی کا اندیشہ ہو اور جب مخاطب ان دونوں کے علاوہ ہوں تو یہ ان کی توکیل سے کیسے ہوگا؟ اور ان دونوں کے لیے حکم صحیح نہ ہوگا مگر جس پر دونوں پنچ جمع ہو جائیں (1)۔ یہ انصاف کی صورت ہے اور رد کی تحقیق ہے۔ آیت میں تحکیم کے اثبات پر دلیل ہے، اس طرح نہیں جس طرح خوارج کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کے لیے تحکیم نہیں ہے۔ یہ کلمہ حق ہے مگر وہ اس سے باطل مراد لیتے ہیں۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾ۙ

"اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو رشتہ دار ہے اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی، غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو"۔

اس آیت میں اٹھارہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت محکم ہے اس میں سے کوئی چیز منسوخ نہیں ہے، یہ تمام کتب میں اسی طرح ہے اگر یہ اس طرح نہ بھی ہوتی تو یہ عقل کی جہت سے معلوم ہو جاتی، اگر اس کے ساتھ کتاب نازل نہ بھی ہوتی۔ عبودیت کا معنی تذلل اور افتقار پہلے گزر چکا ہے اور یہ فقط اس ذات کے لیے ہے جس کے لیے حکم اور اختیار ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے لیے عبادت کرنے اور عبادت میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے لیے خالص اعمال کرنے اور اعمال کا ریا کاری سے پاک ہونے کی اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾** (الکہف) حتیٰ کہ بعض علماء نے فرمایا: جس نے ٹھنڈک کی خاطر طہارت کی یا معدہ کی اصلاح کے لیے روزہ رکھا اور ساتھ ساتھ تقرب کی بھی نیت کی تو یہ جائز نہ ہوگا، کیونکہ تقرب کی نیت میں اس نے دنیوی نیت کو ملا دیا اور اللہ کے لیے صرف وہ عمل ہوتا ہے جو خالص ہو جیسا کہ اللہ نے فرمایا: **اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ** (الزمر:3) (خبردار! صرف اللہ کے لیے ہے دین خالص) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ** (البینہ:5) (حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے) اسی طرح جب کوئی امام رکوع میں ہو اور کسی کی آمد محسوس کرے تو اس کا انتظار نہ کرے کیونکہ رکوع میں اس کا انتظار اس کے رکوع کو خالص اللہ کے لیے ہونے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 422

سے نکال دے گا۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میں شرکاء کے شرک سے غنی ہوں، جس نے ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا تو میں نے اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیا ہے (1)۔ دارقطنی نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز صحیفوں کو لایا جائے گا جن پر مہر لگائی گئی ہوگی پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس کو پھینک دو اور اس کو قبول کرلو۔ فرشتے عرض کریں گے: تیری عزت کی قسم! ہم نے نہیں دیکھا مگر خیر کو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے۔ یہ میرے غیر کے لیے تھا آج میں قبول نہیں کروں گا مگر صرف وہی عمل جو میری رضا کے لیے کیا گیا ہوگا'' (2)۔ ضحاک بن قیس فہری سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں شریک سے بہتر ہوں جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ میرے شریک کے لیے ہے۔ اے لوگو! خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اعمال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خاص اس کے لیے ہو اور یہ نہ کہو: یہ اللہ کے لیے ہے اور رحم کے لیے ہے۔ وہ عمل رحم کے لیے ہے اللہ کے لیے اس میں سے کچھ نہیں ہے۔ یہ نہ کہو کہ یہ اللہ کے لیے ہے، یہ تمہارے لیے ہے، یہ تمہارے لیے ہے اس میں سے اللہ کے لیے کچھ نہیں ہے۔

مسئلہ: جب یہ ثابت ہوگیا تو جان لو کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں: شرک کے تین مراتب ہوتے ہیں اور تمام حرام ہیں۔ شرک کی اصل یہ ہے کہ الوہیت میں اللہ تعالیٰ کے شریک کا اعتقاد رکھنا۔ یہ شرک اعظم ہے اور یہ جاہلیت کا شرک ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ سے یہی مراد ہے اور پھر اس سے متصل فعل میں اللہ تعالیٰ کے شریک کا اعتقاد رکھنا ہے۔ یہ اس کا قول ہے جو کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا موجود ہے جو فعل کے کرنے اور ایجاد میں مستقل ہے اگرچہ وہ اس کے الٰہ ہونے کا اعتقاد نہ بھی رکھتا ہو جیسے قدریہ فرقہ جو اس امت کے مجوسی ہیں۔ حضرت ابن عمر نے ان سے براءت کا اظہار کیا جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے۔ اور پھر اس سے متصل شرک فی العبادۃ ہے اور یہ ریا کاری ہے۔ یعنی کوئی شخص ان عبادات میں سے کوئی عبادت غیر اللہ کے لیے کرے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی حرمت کے لیے آیات اور احادیث بیان کی گئی ہیں۔ یہ اعمال کو باطل کرنے والا ہے اور یہ مخفی ہے جس کو ہر جاہل کند ذہن نہیں پہچانتا۔ اللہ تعالیٰ محاسبی سے راضی ہو انہوں نے اپنی کتاب (الرعایۃ) میں اس کو اعمال کو فاسد کرنے والا بیان کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ انصاری سے مروی ہے اور یہ صحابہ میں سے تھے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: جس نے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ٹھہرایا تھا وہ اپنا بدلہ اس غیر اللہ سے طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرکاء کے شرک سے مستغنی ہے'' (3)۔ سنن ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے فرمایا: ہمارے پاس رسول اللہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقاق، جلد 2، صفحہ 411
2۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 51
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 1، صفحہ 320

صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس چیز کے متعلق نہ بتاؤں جو تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں یا رسول اللہ! ضرور کرم فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرک خفی یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس کے لیے مزین کرے جو اسے دیکھ رہا ہے'' (1)۔ حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے سب سے زیادہ خوف اپنی امت پر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے میں نہیں کہتا کہ وہ سورج کی پوجا کریں گے یا چاند کی پوجا کریں گے یا بت کی پوجا کریں گے، لیکن وہ غیر اللہ کے لیے اور خفیہ شہوت کے لیے اعمال کریں گے'' (2)۔ اس حدیث کو حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔ سورۃ الکہف کے آخر میں مزید بیان آئے گا۔ اس میں خفیہ شہوت کا بیان ہے۔ ابن لہیعہ نے یزید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہوت خفیہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ''وہ شخص جو علم حاصل کرے جو پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس بیٹھا جائے''۔ سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: ریا کی تین صورتیں ہیں (۱) جو اپنے فعل میں غیر اللہ کی نیت کرتا ہے اور اس سے ارادہ یہ کرتا ہے کہ یہ جانا جائے کہ یہ اللہ کے لیے ہے، یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور ایمان میں تشکک ہے (۲) کسی عمل میں اللہ کے لیے داخل ہوتا ہے جب کوئی شخص اس پر مطلع ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ یہ جب توبہ کرے تو سابقہ تمام عمل کا اعادہ کرے۔ (۳) کسی عمل میں اخلاص کے ساتھ داخل ہوا اور اس سے فارغ بھی اللہ کے لیے ہو پھر اس کا یہ عمل جانا گیا اور اس پر مدح کی گئی اور وہ لوگوں کی مدح پر خاموش رہا۔ یہ ریا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ سہل نے کہا: لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: ریا یہ ہے کہ تو اپنے عمل کا ثواب دنیا میں طلب کرے، قوم کا عمل آخرت کے لیے تھا۔ لقمان سے پوچھا گیا: ریا کا علاج کیا ہے؟ لقمان نے کہا: عمل کا چھپانا۔ پھر پوچھا گیا: عمل کیسے چھپایا جائے گا؟ فرمایا: تو عمل کے ظاہر کرنے کا مکلف نہیں کیا گیا پس تو ہر عمل میں اخلاص کے ساتھ داخل ہو اور جس کے اظہار کے ہم مکلف نہیں میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ اس پر اللہ کے سوا کوئی مطلع نہ ہو۔ فرمایا: ہر وہ عمل جس پر مخلوق مطلع ہو جائے اس کو عمل سے شمار نہ کر۔ ایوب سختیانی نے کہا: وہ عقل مند نہیں جو اپنے عمل کی وجہ سے اپنا مقام پہچاننا پسند کرے۔

میں کہتا ہوں: سہل کا قول کہ ''عمل میں اخلاص کے ساتھ داخل ہوا الخ''۔ اگر اس کا سکون اور سرور اس لیے ہوتا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت پیدا ہوگی پھر وہ اس کی تعریف کریں گے اور اس کا عزت و احترام کریں گے اور وہ ان سے مال وغیرہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو یہ مذموم ہے، کیونکہ اس کا دل ان کے اطلاع پانے کی وجہ سے خوشی سے بھرا ہوا ہے۔ اگرچہ وہ اس عمل سے فارغ ہونے کے بعد مطلع ہوئے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس پر مخلوق کو مطلع کر دے جب کہ وہ لوگوں کی اس پر اطلاع کو پسند نہیں کرتا تھا پھر وہ اللہ کی صنع اور اللہ کے فضل کے ساتھ خوش ہو تو اللہ کے فضل پر اس کا خوش ہونا اطاعت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (یونس) (اے حبیب! فرمایئے یہ کتاب محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے پس چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں یہ بہتر ہے ان تمام

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 1، صفحہ 320 2۔ ایضاً

چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں) اس کی تفصیل اور تتمیم محاسبی کی ''الرعایۃ'' میں ہے جو تفصیل پڑھنا چاہتا ہے وہ وہاں سے آگاہی حاصل کرے۔

سہل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے متعلق پوچھا گیا: ''میں عمل کو مخفی کرتا ہوں پھر اس پر اطلاع ہو جاتی ہے تو مجھے اچھا لگتا ہے'' سہل نے فرمایا: وہ اللہ کے شکر کی وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ظاہر کر دیا۔ یہ کلام ریا میں اور اعمال میں خلوص کے بارے میں کافی ہے اور سورۂ بقرہ میں اخلاص کی حقیقت گزر چکی ہے۔ والحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اس سورۃ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ والدین سے احسان کا مطلب ان کو آزاد کرنا ہے اور سورۂ سبحان الذی میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم تفصیل سے آئے گا۔ ابن ابی عبلۃ نے احسانٌ یعنی رفع کے ساتھ پڑھا ہے یعنی واجب الاحسان الیھما۔ باقی قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی کی بنا پر کہ احسنوا الیھما احساناً ان سے حسن سلوک کرو۔

علماء نے فرمایا: خالق اور احسان کرنے والے کے شکر کے بعد سب سے زیادہ احسان کرنے، حسن سلوک کرنے اور طاعت کے حق دار انسان کے والدین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت، اطاعت اور شکر کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کو ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ (لقمان: 14) (کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا)

شعبۃ اور ہشیم الواسطیان نے یعلی بن عطا سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رب کی رضا والدین کی رضا ہے اور والدین کی ناراضگی میں رب کی ناراضگی ہے'' (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ۔ اس پر کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ اللہ تعالیٰ نے پڑوسی کی حفاظت کے حقوق کا قیام، اس کے ذمہ کی رعایت کا حکم اپنی کتاب میں اور اپنے نبی کی زبان پر حکم دیا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے والدین اور اقرباء کے ذکر کے بعد پڑوسی کا ذکر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى یعنی قریبی پڑوسی اور الجار الجنب سے مراد دور کا پڑوسی ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ اسی طرح لغت میں ہے اسی سے ہے فلان اجنبی۔ اسی طرح الجنابۃ کا معنی دوری ہے اہل لغت نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے:

فلا تَحرِمَنّي نائلاً عن جَنابةٍ　　فإني امرُؤٌ وسْطَ القِبابِ غَرِيبُ (2)

اور اعشیٰ نے کہا:

أتيتُ حُرَيثا زائراً عن جَنابةٍ　　مكان حُرَيثٌ عن عطائِ جَامِداً (3)

1۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 1، صفحہ 440　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 50، دار الکتب العلمیہ بیروت

3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 50، دار الکتب العلمیہ بیروت

اعمش اور مفضل نے والجار الجنب کو جیم کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے: جنْب و جنُب، اجنب واجنبی۔ جب کہ ان دونوں کے درمیان رشتہ داری نہ ہو اور اس کی جمع اجانب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مضاف کے حذف کی تقدیر پر ہے یعنی والجار ذی الجنب یعنی طرف والا۔ نوف الشامی نے کہا: الجار ذی القربیٰ سے مراد مسلمان ہے اور الجار الجنب سے مراد یہودی و نصرانی ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر پڑوسی کے متعلق وصیت جس کا حکم دیا گیا ہے وہ مستحب ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو۔ یہی صحیح ہے۔ الاحسان کبھی، مواساۃ (ہمدردی) کے معنی میں ہوتا ہے کبھی حسن معاشرت، اذیت کو روکنا اور حفاظت کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ یہ اسے وارث بنا دے گا'' (2)۔ ابوشریح سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم مومن نہیں، اللہ کی قسم مومن نہیں، اللہ کی قسم مومن نہیں، عرض کی گئی یارسول اللہ! کون؟ فرمایا: جس کا پڑوسی اس کی زیادتیوں سے امن میں نہیں'' (3)۔ یہ ہر پڑوسی میں عام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ قسم اٹھا کر پڑوسی کی اذیت کو ترک کرنے کو مؤکد فرمایا۔ جو اپنے پڑوسی کو اذیت دیتا ہے وہ مومن نہیں۔ مومن کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی اذیت سے اجتناب کرے اور اس سے بچ جائے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے اور اس چیز اور عمل میں رغبت رکھے جس پر اللہ اور اس کا رسول راضی ہیں اور جس پر برانگیختہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''پڑوسی تین ہیں پھر ایک پڑوسی کے تین حقوق ہیں اور ایک پڑوسی کے دو حق ہیں اور ایک پڑوسی کا ایک حق ہے۔ وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں وہ قریبی مسلمان پڑوسی ہے، اس کے لیے پڑوس کا حق ہے، قرابت کا حق ہے اور اسلام کا حق ہے اور وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں وہ مسلمان پڑوسی ہے اس کے لیے حق الاسلام اور پڑوس کا حق ہے اور وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے وہ کافر پڑوسی ہے اس کے لیے صرف پڑوس کا حق ہے''۔

مسئلہ نمبر 5۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کو ہدیہ بھیجوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو از روئے دروازے کے تمہارے زیادہ قریب ہو'' (4)۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى کی مراد کی تفسیر کرتی ہے یعنی وہ شخص جس کا مسکن تیرے قریب ہو۔ وَالْجَارِ الْجُنُبِ جس کا مسکن تجھ سے دور ہو۔ اس سے پڑوسی کے لیے شفعہ کے ثبوت پر حجت پکڑی گئی ہے اور نبی کریم کے اس ارشاد: **الجار احق بصقبه** (5) (یعنی پڑوسی پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا حق دار ہے) سے تائید دی ہے۔ اس میں کوئی حجت نہیں ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ تحفہ دینے میں آغاز

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 50، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 889
3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، کتاب الشفعہ، جلد 1، صفحہ 300
5۔ ایضاً

کس پڑوسی سے کروں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کا دروازہ تمہارے زیادہ قریب ہو وہ دوسروں سے زیادہ حق دار ہے''۔ ابن المنذر نے کہا: یہ حدیث دلیل ہے کہ جار کا لفظ اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس کا گھر ملا ہوا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کے ظاہر سے یہ نکالا ہے کہ متصل پڑوسی جب شفعہ چھوڑ دے اور اس سے ملا ہوا پڑوسی شفعہ طلب کرے جب کہ اس کی نہ دیوار اس گھر کے ساتھ متصل ہے نہ اس کا راستہ متصل ہے تو اس میں اس کے لیے شفعہ کا حق نہیں۔ عام علماء کہتے ہیں: جب کوئی شخص اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کرے تو متصل پڑوسی اور دوسرے پڑوسیوں کو اس کا مال دیا جائے گا مگر امام ابو حنیفہ کا قول عام علماء سے جدا ہے فرمایا: انہوں نے فرمایا: صرف متصل پڑوسی کو وہ وصیت ملے گی۔

مسئلہ نمبر 6۔ پڑوس کی حد میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اوزاعی فرماتے تھے: ہر طرف سے چالیس گھر (1)۔ یہ ابن شہاب کا بھی قول ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں ایک قوم کے محلہ میں اترا ہوں ان میں سے جو میرا زیادہ قریبی ہے وہ مجھے زیادہ اذیت دینے والا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی کو بھیجا کہ مساجد کے دروازوں پر اعلان کرو کہ ''خبردار چالیس گھر پڑوسی ہیں وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی زیادتیوں سے امن میں نہیں''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے آذان سنی وہ پڑوسی ہے۔ ایک جماعت نے کہا: جس نے نماز کی تکبیر سنی وہ مسجد کا پڑوسی ہے۔ ایک جماعت نے کہا: جس نے کسی شخص کو کسی محلہ یا شہر میں ٹھہرایا وہ پڑوسی ہے (2)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ لَنُغۡرِیَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَكَ فِیۡهَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝ (الاحزاب) اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں ان کے اجتماع کو جوار (پڑوس) بنایا ہے۔ پڑوس کے مراتب میں بعض بعض سے زیادہ قریبی ہیں۔ قریب ترین پڑوسی زوجہ ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

أَیَا جَارَتَا بِیۡنِی فَاِنَّكِ طَالِقَهۡ

مسئلہ نمبر 7۔ پڑوسی کے اکرام کے متعلق مسلم میں حضرت ابوذر سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی زیادہ بنا اور اپنے پڑوسیوں کا خیال کر'' (3)۔ نبی کریم ﷺ نے مکارم اخلاق پر برانگیختہ کیا، کیونکہ ان پر محبت، حسن معاشرت، حاجت دور کرنے اور فساد دور کرنے کا دارومدار ہے، کیونکہ پڑوسی اپنے پڑوسی کی ہنڈیا کی بو سے اذیت پاتا ہے بعض اوقات اس کے بچے ہوتے ہیں اور ان کی شہوت کو وہ ابھارتی ہے اور جوان بچوں کی کفالت کرنے والا ہوتا ہے اس پر الم اور کلفت زیادہ ہو جاتی ہے خصوصاً اگر کفالت کرنے والا کمزور ہو یا غریب ہو تو اس پر مشقت اور زیادہ ہوتی ہے اور اس پر تکلیف اور حسرت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی عقوبت تھی جیسا کہ کہا گیا ہے جس چیز میں ان کی پکانے وغیرہ میں شرکت ہوتی ہے وہ ان کو دینی چاہیے اسی معنی کی وجہ سے قریبی پڑوسی کو ہدیہ دینے پر ابھارا ہے، کیونکہ وہ اپنے پڑوسی کے گھر میں داخل ہونے والی اور خارج ہونے والی چیز کو دیکھتا ہے جب وہ اسے دیکھتا ہے تو وہ اس میں شرکت کو پسند کرتا ہے، نیز پڑوسی اپنے پڑوسی کی غفلت و دھوکا کے وقت جلدی ضرورت کو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 50 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، جلد 2، صفحہ 329

پہنچتا ہے اسی وجہ سے اس سے ہدیہ کا آغاز کرے اور انہیں بعد میں دے جن کا دروازہ دور ہے اگرچہ ان کا گھر قریب ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء نے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاکثر ماءھا یعنی سالن کا شوربا زیادہ کر۔ اس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخیل پر معاملہ کو آسان کرنے کی تنبیہ لطیف فرمائی اور ایسی چیز کو زیادہ کرنے کا حکم فرمایا جس کی کوئی قیمت نہیں ہے یعنی پانی۔ اسی وجہ سے یہ نہیں فرمایا کہ جب تو سالن بنائے تو گوشت زیادہ کر۔ کیونکہ یہ ہر ایک کے لیے آسان نہیں ہوتا۔

کسی شاعر نے کتنا اچھا کہا ہے:

قِدْرِی وقِدْرُ الجار واحدۃٌ　　والیہ قَبْلِی تُرفع القِدر

میری اور میرے پڑوسی کی ہانڈی ایک ہے مجھ سے پہلے ہانڈی اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

اور کوئی حقیر گھٹیا تھوڑی سی چیز ہدیہ نہ دی جائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اپنے پڑوسیوں کے گھر والوں کو دیکھ پھر انہیں ایسی چیز بھیجو جو عرفاً بھیجی جاتی ہے'' (1)۔ تھوڑی چیز اگر وہ ایسی چیزوں میں سے ہے جو ہدیہ کے طور پر بھیجی جاتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر میسر نہ آئے مگر تھوڑی سی چیز تو وہ بھیج دو اسے حقیر نہ سمجھو اور وہ چیز اسے بھی قبول کرنی چاہیے جسے وہ بھیجی گئی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: یا نساء المؤمنات لا تحتقرن احدا کن لجارتھا ولو کراع شاۃ محرقا (2)۔ اے ایمان والیو! تم میں سے کوئی اپنی پڑوسن کو حقیر نہ جانے اگرچہ وہ بکری کا جلا ہوا کھر بھی ہو۔ اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ ہم نے اس طرح اس کو ضبط کیا ہے یا نساء المومنات بغیر اضافت کے رفع کے ساتھ اور تقدیر اس طرح ہوگی یاایھا النساء المومنات جیسے تو کہتا ہے: یا رجال الکرام۔ پس منادی محذوف ہے اور وہ یاایھا ہے اور اس تقدیر میں النساء ایھا کی صفت ہے اور المومنات، النساء کی صفت ہے۔ اس میں یا نساء المومنات اضافت کے ساتھ بھی کہا گیا ہے لیکن پہلا قول زیادہ ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ پڑوسی کے اکرام میں سے یہ ہے کہ اسے اپنی دیوار میں شہتیر رکھنے سے منع نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے''۔ پھر حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں: کیا وجہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم اس سے اعراض کرنے والے ہو؟ اللہ کی قسم! میں اس عمل کو تمہارے کندھوں کے درمیان ماروں گا (3) (یعنی تمہیں اس پر عمل کرنے پر مجبور کروں گا)۔ حدیث میں خُشُبہ اور خَشَبہ یعنی جمع اور مفرد دونوں طرح مروی ہے (جس کا معنی لکڑی ہے) اور اکتافکم تا کے ساتھ اور اکنافکم نون کے ساتھ بھی مروی ہے اور بھا ضمیر کا مرجع کلمہ اور قصہ ہے۔ پس کیا یہ وجوب یا ندب کا تقاضا کرتا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا خیال ہے کہ یہ پڑوسی سے نیکی کرنے، اس سے درگزر کرنے اور اس سے احسان کرنے کے استحباب کے لیے ہے۔ اس میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، جلد 2، صفحہ 329　　2۔ مؤطا امام مالک، کتاب الجامع، صفحہ 717

3۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم والقصاص، جلد 1، صفحہ 333

وجوب نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر یہ کہ وہ خوشی سے عطا کرے'' (1)۔ یہ علماء فرماتے ہیں: لا یمنع احد کم جارہ (2) کا معنی نبی کریم ﷺ کے اس قول کی مثل ہے اذا استاذنت احد کم امراتہ الی المسجد لا یمنعھا (3) تمام علماء کے نزدیک اس کا معنی استحباب ہے جب کہ آدمی اس میں صلاح اور خیر دیکھے۔ امام شافعی، اور ان کے اصحاب اور امام ابن حنبل، اسحاق، ابوثور، داؤد بن علی اور جماعت اہل حدیث کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد وجوب کے لیے ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اگر حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے وجوب نہ سمجھا ہوتا تو وہ لوگوں پر غیر واجب کو واجب نہ کرتے۔ یہی حضرت عمر بن خطاب کا مذہب ہے۔ انہوں نے محمد بن مسلمہ پر ضحاک بن خلیفہ کے لیے خلیج (نالہ) کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ محمد بن مسلمہ کی زمین سے گزارے گا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اسے گزارے گا اگرچہ تیرے پیٹ پر سے گزارے گا۔ حضرت ضحاک کو وہ نالہ گزارنے کا حکم دیا تو ضحاک نے وہ نالہ گزارا۔ اس کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ امام شافعی نے کتاب ''الرد'' میں کہا ہے کہ امام مالک نے کسی صحابی سے حضرت عمر کی اس مسئلہ میں مخالفت روایت نہیں کی۔ امام شافعی نے امام مالک پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے خود اس واقعہ کو روایت کیا اور اپنی کتاب میں داخل کیا لیکن اس پر خود عمل نہیں کیا بلکہ اپنی رائے سے اسے رد کیا۔ ابو عمر نے کہا: یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح امام شافعی نے کہا ہے، کیونکہ محمد بن مسلمہ کی رائے حضرت عمر کی رائے کے خلاف تھی اور انصار کی رائے بھی حضرت عمر کی رائے کے خلاف تھی۔ عبد الرحمٰن بن عوف کی رائے بھی نالی کو پھیرنے کے سلسلے میں حضرت عمر کی رائے سے مختلف تھی۔ جب صحابہ کرام کا اختلاف ثابت ہوا تو نظر کی طرف رجوع واجب ہوا اور نظر اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمانوں کے خون، اموال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں مگر یہ کہ وہ خوش دلی سے دیں۔ یہی چیز نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ کا قول بھی دلالت کرتا ہے مالی اراکم عنھا معرضین الخ کیا وجہ ہے کہ تم اس مسئلہ سے اعراض کرنے والے ہو؟ اللہ کی قسم! میں تمہیں اس مسئلہ پر مجبور کروں گا۔ پہلے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سہارا دینے کا فیصلہ سنت سے اس ارشاد لا یحل مالُ امرا مسلم إلاعن طیب نفیس منہ (4) سے خارج ہے، کیونکہ اس کا معنی مالک بنانا، ہلاک کرنا ہے جب کہ لکڑی کا سہارا اس سے نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکم میں ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ پس اس چیز کو جمع کرنا واجب نہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے جدا جدا کیا ہے۔ امام مالک نے حکایت کیا ہے کہ مدینہ میں ایک قاضی تھا جو اس کے ساتھ فیصلہ کرتا تھا اسے ابو المطلب کہا جاتا تھا۔ ان علماء نے اعمش عن انس کی حدیث سے حجت پکڑی ہے، فرمایا: جنگ احد میں ہم میں سے ایک نوجوان شہید ہوگیا۔ اس کی والدہ اس کے چہرے سے مٹی جھاڑ رہی تھی اور کہہ رہی تھی: تجھے جنت مبارک ہو۔ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ''تجھے کیا معلوم؟ شاید یہ لایعنی کلام کرتا ہو اور ایسی چیز کو روکتا ہو جو اس کو نقصان دینے والی نہ ہو''۔ اعمش کا حضرت انس سے سماع ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ ابو عمرو کا قول ہے۔

1۔ مسند امام احمد حنبل، جلد 5، صفحہ 72
2۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 1، صفحہ 333
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 183
4۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 5، صفحہ 72

مسئلہ نمبر 10۔ ایک حدیث وارد ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسی کے منافع کو جمع فرمایا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا: ہم نے کہا: یارسول اللہ! پڑوسی کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ''اگر وہ تجھ سے قرضہ طلب کرے تو اسے تو قرضہ دے، اگر وہ تجھ سے مدد طلب کرے تو اس کی مدد کر، اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے عطا کر، اگر وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کر، اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ چل، اگر اسے خبر پہنچے تو وہ تجھے خوشی دے اور تو اسے مبارک دے، اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تجھے بھی تکلیف ہو اور تو اس کی تعزیت کر اور اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اسے اذیت نہ دے مگر یہ کہ تو اسے اس سے کچھ دے دے اور اس پر اپنی عمارت بلند نہ کر تا کہ تو اس پر جھانکے اور اس پر ہوا کو بند کر دے مگر یہ کہ اس کی اجازت سے، اگر تو پھل خریدے تو اس سے پڑوسی کو بھی ہدیہ دے ورنہ وہ پھل آہستہ سے اپنے گھر میں داخل کر، تیرا بچہ ایسی چیز کو باہر نہ لے جائے، جس سے پڑوسی کے بچے پریشان ہوں۔ کیا جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں تم اسے سمجھ رہے ہو؟ پڑوسی کا حق ادا نہیں کرتے مگر بہت تھوڑے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے''۔ یا اس طرح کا کلمہ ارشاد فرمایا ہے۔ یہ ایک جامع حدیث ہے اس کی سند میں ابوالفضل بن مظہر الشیبانی ہے جو غیر پسندیدہ ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ علماء نے فرمایا: پڑوسی کے اکرام میں احادیث مطلق ہیں مقید نہیں ہیں حتیٰ کہ کافر (بھی ان میں داخل ہے) جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم قربانیوں کا گوشت ان کو کھلائیں؟ فرمایا: ''مسلمانوں کی قربانیوں سے مشرکوں کو مت کھلاؤ'' اور مسلمانوں کی قربانیوں سے مشرکوں کو کھلانے کی نہی یہ احتمال رکھتی ہے کہ یہ واجبی قربانیاں ہوں وہ قربانی کرنے والے کے ذمہ لازم ہوتی ہیں اور اس قربانی سے قربانی کرنے والے کے لیے خود کھانا اور دوستوں کو کھلانا جائز نہیں ہوتا۔ رہا غیر واجب جس کا اغنیاء کو کھلانا جائز ہوتا ہے تو ان کا اہل ذمہ کو کھلانا بھی جائز ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قربانی کے گوشت کی تقسیم کے وقت فرمایا: ''ہمارے یہودی پڑوسی سے شروع کر''۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے گھر والوں نے ایک بکری ذبح کی، جب حضرت عبداللہ آئے تو کہا: کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو یہ ہدیہ دیا ہے؟ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے ''جبریل مجھے پڑوسی کے بارے وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وارث بنا دے گا'' (1)۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ یعنی سفر کا رفیق۔ طبری نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ میں سے ایک شخص تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ شخص سواریوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے، وہاں سے دو چھڑیاں کاٹیں، ان میں سے ایک ٹیڑھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جھنڈ سے باہر آئے تو سیدھی چھڑی اپنے ساتھی کو دی، اس شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے فلاں! ایسا ہرگز نہیں ہر آدمی جو دوسرے کے ساتھ سنگت اختیار کرتا ہے اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے پوچھا جائے گا اگرچہ دن کی ایک گھڑی (2) (بھی سنگت اختیار کرے)'' ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے کہا: سفر کے لیے مروت ہے اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 889　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 51، دار الکتب العلمیہ بیروت

حضر کے لیے مروّت ہے، سفر میں مروءت یہ ہے کہ زادراہ خرچ کرے اور اپنے ساتھیوں سے اختلاف کم کرے اور کثرت سے مزاح کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہ ہو۔ اور حضر میں مروءت یہ ہے کہ ہمیشہ مساجد کی طرف جانا، کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنا اور کثرت سے اللہ کی رضا میں بھائی بنانا۔ بنی اسد کے ایک شاعر نے کہا: بعض علماء نے کہا: وہ حاتم طائی تھا۔

إذا ما رفيقي لم يكن خلفَ ناقتي　له مركب فضلاً فلا حملت رِجلي

ولم يك من زادي له شطرُ مِزْوَدِي　فلا كنت ذا زادٍ و كنت ذا فضلِ

شريكان فيما نحن فيه وقدأرى　علىّ له فضلاً بما نال من فضلي

جب میرا ساتھی میری اونٹنی کے پیچھے اپنی سواری پر سوار نہ ہو تو میں اپنا پاؤں سواری پر نہیں رکھتا اور میرے زادراہ میں اس کے لیے نصف حصہ نہ ہو تو میں نہ زادراہ والا ہوتا ہوں، نہ میں فضل والا ہوتا ہوں، اس مال میں ہم دونوں شریک ہوتے ہیں میں اس کے لیے فضیلت دیکھتا ہوں اس وجہ سے جو اس نے میرے فضل (مال) سے پایا ہوتا ہے۔

حضرت علی اور حضرت ابن مسعود اور ابن ابی لیلی نے فرمایا: وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ سے مراد بیوی ہے (1)۔ ابن جریج نے کہا: وہ جو تیری سنگت اختیار کرتا ہے اور تیرے نفع کی امید پر تجھے لازم پکڑتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن جبیر، عکرمہ، مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ آیت کریمہ ان تمام اقوال کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابْنِ السَّبِیْلِ۔ مجاہد نے کہا: جو تجھ سے گزرتا ہے۔ السبیل سے مراد راستہ ہے مسافر کو ابن السبیل اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ راستہ سے گزرتا ہے اور اسے لازم پکڑتا ہے۔ اسی سے احسان یہ ہے کہ اسے کچھ عطا کیا جائے، اس سے مہربانی کی جائے، اس کی راہنمائی کی جائے اور اسے صحیح راستہ بتایا جائے۔

مسئلہ نمبر 14۔ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اللہ تعالیٰ نے غلاموں سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بیان کیا ہے۔ مسلم وغیرہ نے معرور بن سوید سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم ربذہ کے مقام پر ابوذر کے پاس سے گزرے، ان پر ایک چادر تھی اور اسی قسم کی چادر ان کے غلام پر تھی، ہم نے کہا: اے ابوذر! اگر تم یہ دونوں چادریں لے لیتے تو تمہارا سوٹ بن جاتا۔ ابوذر نے کہا: میرے اور میرے ساتھیوں میں سے ایک کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی، اس کی ماں عجمی تھی میں نے اسے ماں کی عار دلائی۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری شکایت کر دی، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوذر! تو ایک ایسا شخص ہے جس میں ابھی جاہلیت کی خصلت ہے''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جو آزاد مردوں کو گالیاں دیتا ہے وہ اس کے باپ اور ماں کو گالی دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوذر! تو ایک ایسا شخص ہے جس میں جاہلیت کی خصلت ہے۔ یہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا ماتحت بنایا ہے تم انہیں وہ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور انہیں وہ پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور انہیں ایسے کام کا مکلف نہ کرو جو انہیں مغلوب کر دے اگر انہیں ایسا مشکل کام دو تو ان کی مدد کرو'' (2)۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 51، دار الکتب العلمیہ بیروت

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 52

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ ایک دن اپنے خچر پر سوار تھے اور ان کا غلام ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، کسی نے حضرت ابو ہریرہ سے کہا: اگر تم اس غلام کو اتار دو اور وہ پیچھے سے تمہاری سواری کو چلائے (تو بہتر ہوگا)۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: میرے ساتھ آگ کے دو شعلے ہوں میرے پیچھے وہ ہر چیز کو جلا دیں تو میرے نزدیک ان کا جلانا اس سے بہتر ہے کہ میرے غلام میرے پیچھے دوڑ رہا ہو، ابو داؤد نے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو تمہارے غلاموں میں سے تمہاری موافقت کرے اسے وہ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اسے وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور جو ان میں سے تمہاری موافقت نہ کرے تو اسے بیچ دو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو'' (1)۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''غلام کے لیے کھانا اور لباس ہے اور اسے کسی ایسے عمل کی تکلیف نہیں دی جائے گی جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو'' (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی عَبدِی اور اَمتی نہ کہے بلکہ اسے فَتایَ و فَتَاتِی کہنا چاہیے'' (3)۔ اس کی مزید وضاحت سورۂ یوسف میں آئے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند و بالا مکارم اخلاق کی طرف بلایا اور ان پر امت کو ابھارا اور احسان کی طرف راہنمائی فرمائی اور تواضع کی روش اختیار کرنے کی راہنمائی فرمائی تاکہ وہ اپنے غلاموں پر اپنے آپ میں کوئی فضیلت نہ دیکھیں، کیونکہ تمام لوگ اللہ کے عبید (غلام) ہیں اور مال اللہ کا مال ہے، لیکن بعض کو بعض کے لیے مسخر کر دیا حکمت کے نفاذ اور نعمت کے اتمام کے لیے، بعض کو بعض کا مالک بنا دیا اگر لوگ انہیں وہ کھلائیں یا پہنائیں جو صفت و مقدار میں اس سے کم ہو جو وہ خود کھاتے اور پہنتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے جب کہ وہ اس کے واجبات کو پورا کرتا ہو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے واللہ اعلم۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے جب اس کا ملازم آیا اور داخل ہوا تو آپ نے پوچھا: غلاموں کو ان کی خوراک دے دی ہے۔ اس نے کہا: نہیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: جاؤ اور انہیں خوراک دے آؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انسان کے لیے یہی گناہ کے طور پر کافی ہے کہ وہ اپنے غلاموں سے خوراک روک لے'' (4)۔

مسئلہ نمبر 15۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے غلام کو ایسی حد لگائی جس کا موجب اس نے جرم نہیں کیا تھا یا اس نے اسے طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ اس کو آزاد کرنا ہے''۔ مطلب یہ ہے کہ وہ غلام کو حد کی مقدار سزا دے حالانکہ اس پر حد واجب نہ تھی۔ کسی صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں سے خادم کے لیے قصاص لیا اور خادم کو آزاد کر دیتے جب قصاص (بدلہ) کا ارادہ نہ کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی تو اس پر قیامت کے روز اسی کوڑے حد قائم کی جائے گی'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے غلام سے اچھا سلوک نہ کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بدخلقی برائی ہے اور غلاموں سے حسن سلوک بڑھوتری ہے اور صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے اور صدقہ بری موت سے بچاتا ہے''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 52
3۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 316
4۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 322

مسئلہ نمبر 16۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آزاد افضل ہے یا غلام افضل ہے۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصلح غلام کے دو اجر ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے! اگر اللہ کے راستہ میں جہاد، حج اور والدین سے حسن سلوک نہ ہوتا تو میں پسند کرتا کہ مجھے موت آئے تو میں غلام ہوں (1)۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غلام جب اپنے سردار سے خلوص کا اظہار کرے اور اچھی طرح اللہ کی عبادت کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں'' (2)۔ ایسی احادیث سے غلام کی فضیلت ظاہر ہوئی، کیونکہ وہ دو جہتوں سے مخاطب ہے ایک اس سے اللہ کی عبادت کا مطالبہ کیا گیا ہے اور دوسرا سردار کی خدمت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ابو عمر و یوسف بن عبد البر النمری، ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن احمد الغامری البغدادی الحافظ کا یہی نظریہ ہے۔

اور آزاد کو فضیلت دینے والے علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ دنیا و دین کے امور میں مستقل آزاد ہوتا ہے۔ امور دنیا آزاد سے حاصل ہوتے ہیں اور غلام عدم استقلال کی وجہ سے مفقود کی مانند ہے، جس طرح آلہ ہوتا ہے جسے جبر کے ساتھ پھیرا جاتا ہے، جیسے جانور جبر کے ساتھ مسخر کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے شہادت کا منصب عظیم اور ولایت کا مرتبہ رفیع غلاموں سے چھینا گیا ہے اور ان کی حدود آزاد افراد کی حدود سے کم رکھی گئی ہیں تا کہ یہ شعور ملے کہ ان کی مقدار و منزلت کم ہے۔ آزاد سے اگر ایک جہت سے مطالبہ کیا گیا ہے تو اس میں اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اور اس کا اہتمام عظیم ہے پس اس کا ثواب بھی زیادہ ہے اسی چیز کی طرف حضرت ابو ہریرہ نے اشارہ کیا ہے کہ وہ اگر جہاد، حج نہ ہوتا الخ۔ اگر وہ نقص نہ ہوتا جو ان امور کے فوت ہونے کی وجہ سے غلام کو لاحق ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جبریل مجھے متواتر پڑوسی کے بارے وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ یہ اسے وارث بنا دے گا اور مجھے عورتوں کے بارے وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ یہ ان کی طلاق کو حرام کر دے گا اور مجھے غلاموں کے بارے وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا وہ ان کے لیے ایک مدت متعین کر دے گا جب وہ اس مدت کو پہنچیں گے تو آزاد ہو جائیں گے اور جبریل مجھے مسواک کی وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ میرا منہ گھسا دے گا۔ روایت ہے قریب تھا کہ وہ میرا منہ گھسا دے۔ اور جبریل مجھے قیام اللیل کے متعلق وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ میری امت کے نیک لوگ رات کو نہیں سوئیں گے۔ اس حدیث کو سمرقندی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ یعنی اللہ پسند نہیں فرماتا مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور رضا کی اس شخص سے نفی کر دی جو ان صفات سے متصف ہے یعنی اللہ تعالیٰ آخر میں اپنی نعمت کے آثار اس پر ظاہر نہیں فرمائے گا۔ اس میں ایک قسم کی دھمکی ہے۔ المختال تکبر کرنے والے کو کہتے ہیں اور الفخور جو تکبر کی وجہ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 53 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 52

اپنے مناقب شمار کرتا ہے۔ الفخر سے مراد تکبر کرنا اور بڑائی بیان کرنا ہے۔ ان دو صفات کو ذکر میں خاص کیا، کیونکہ یہ دونوں صفات انسان کو قریبی فقیر اور پڑوسی فقیر وغیرہ سے دوری پر ابھارتی ہیں۔ پس ان سے احسان کرنے کے امر الٰہی کو ضائع کر دیتا ہے۔ عاصم نے اسے الجار الجنب جیم کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مفضل نے عاصم سے روایت کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ مضاف کے حذف کی تقدیر پر ہے۔ یعنی الجار ذی الجنب، دور والا پڑوسی۔

اخفش نے یہ کہا ہے:

الناسُ جَنْبٌ والأميرُ جَنْب

الجنب الناحیہ یعنی قرابت سے دور ہونے والا۔ واللہ اعلم

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾

”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (وکرم) سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب“۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ، الَّذِيْنَ، من کان سے بدل ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے اور یہ صفت نہیں ہے۔ کیونکہ من اور ما نہ صفت بنتے ہیں نہ ان کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ فخور میں مضمر سے بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ محل رفع میں ہو اور اس پر عطف کیا گیا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو اور خبر محذوف ہو۔ یعنی الذین یبخلون لھم کذا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خبر یہ ہو اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ یہ بھی جائز ہے کہ اعنی کے اضمار کے ساتھ منصوب ہو۔ پس پھر یہ آیت مومنین کے متعلق ہوگی اور یہ آیت اس تاویل پر ہوگی کہ بخل کرنے والوں سے اللہ کی محبت کی نفی کی گئی ہے پس اے مومنو! جس کا ذکر کیا گیا ہے ان سے احسان کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں فرماتا جس میں ایسی خصلتیں ہوں جو احسان سے مانع ہوں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ، بخل شرع میں مذموم ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان پر واجب کیا ہے اسے ادا نہ کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مثل ہے وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (آل عمران: 180) یہ آیت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے اور بخل اور اس کی حقیقت کے متعلق کلام بھی ہو چکی ہے اور بخل اور شح کے فرق پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ کے قول میں اس آیت سے مراد یہود ہیں، کیونکہ انہوں نے تکبر، فخر، مال پر بخل اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات میں نازل شدہ صفات کو چھپانے کی قبیح صفات جمع کی ہوئی تھیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ منافق ہیں جن کا خرچ کرنا اور ایمان تقیہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے اور بخل کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ ان تمام اعرابی

صورتوں کی بنا پر ہے جو ہم نے ذکر کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا اللہ تعالیٰ نے بخل کرنے والے مومنین کی دھمکی کو کافروں کی دھمکی سے جدا فرمایا ہے پہلے (مومنین) لوگوں کے لیے محبت کے نہ ہونے کی دھمکی دی اور کافروں کو عذاب مہین کی دھمکی دی۔

وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝۳۸

''اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور وہ (بدقسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے''۔

اس آیت میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ اس کا الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ پر عطف فرمایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا الکافرین پر عطف ہے اس صورت میں محل جر میں ہوگا اور جو واؤ کی زیادتی کی رائے رکھتے ہیں وہ جائز قرار دیتے ہیں کہ دوسرا ان کے نزدیک پہلے کی خبر ہو۔ جمہور علماء نے فرمایا: یہ منافقین کے بارے نازل ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رِئَآءَ النَّاسِ اور رِئَآ نفاق سے ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ یہود کے بارے نازل ہوئی۔ طبری نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس طائفہ سے ایمان باللہ اور یوم آخرت پر ایمان کی نفی کی ہے جب کہ یہودی ایسے نہ تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: مجاہد کا قول مبالغہ اور الزام پر مبنی ہے، کیونکہ آخرت کے متعلق ان کا ایمان، ایمان نہ ہونے کے مترادف تھا، کیونکہ ان کے لیے وہ نفع بخش نہیں تھا (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بدر کے دن کھلانے والے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی اور یہ مکہ کے رؤساء تھے جو لوگوں پر اس لیے خرچ کرتے تھے تاکہ وہ بدر کی طرف نکلیں۔ ابن عربی نے کہا: ریا کے طور پر خرچ کرنا احکام میں اس حیثیت سے داخل ہے کہ یہ کفایت نہیں کرتا۔

میں کہتا ہوں: اس پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ (توبہ: 53) اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا کلام میں اضمار ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ولا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر فقرینھم الشیطان و من یکن الشیطان لہ قرینا فساء قرینا۔ اور قرین، ساتھی اور دوست کو کہتے ہیں یہ الاقران سے فعیل کے وزن پر ہے۔ عدی بن زید نے کہا:

عن المرء لا تسألْ وسَلْ عن قَرِينه فكلُّ قَرِينٍ بالمقارِن يَقْتَدِي

آدمی کے متعلق مت پوچھ، اس کے دوست کے بارے میں پوچھ ہر دوست اپنے دوست کی پیروی کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں شیطان کی بات کو قبول کیا اس نے اس کے ساتھ دوستی کر لی۔ اور یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 52، دار الکتب العلمیہ بیروت

کہ جس کا ساتھی آگ میں شیطان بنایا گیا وہ بہت برا ساتھی ہے۔ یعنی شیطان برا ساتھی ہے قرینا کونصب تمیز کی بناء پر ہے۔

وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹

''کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے''۔

اس آیت میں ما مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور ذا اس کی خبر ہے۔ اور ذا بمعنی الذی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ما اور ذا ایک اسم ہو۔ پہلی صورت میں تقدیر یوں ہوگی وما الذی علیہم اور دوسری صورت میں تقدیر یوں ہوگی ای شئ علیہم (لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ) یعنی وہ واجب الوجود کی اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کی تفاصیل میں سے لے کر آئے تھے اس کی تصدیق کرتے اور خرچ کرتے اس سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا تھا۔ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا اس کا معنی و مفہوم کئی مقامات پر گزر چکا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰

''بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے عمل کے ثواب میں کچھ کمی نہیں فرمائے گا اگرچہ ذرہ برابر عمل ہوگا، بلکہ وہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا اور انہیں اعمال پر ثواب دے گا۔ اس کلام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تھوڑے اور زیادہ عمل کے ثواب میں کمی نہیں فرمائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا (یونس: 44) (اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر ذرہ برابر) ذرۃ کا معنی سرخ چیونٹی ہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے: یہ چیونٹیوں میں سے چھوٹی چیونٹی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ چیونٹی کا سر ہے۔ یزید بن ہارون نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ سرخ چیونٹی کا وزن نہیں ہوتا اور حکایت کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے روٹی رکھی حتیٰ کہ اس پر اتنی مقدار میں چیونٹیاں چڑھ گئیں کہ انہوں نے روٹی کو ڈھانپ لیا پھر اس نے اس کا وزن کیا تو روٹی کے وزن پر کوئی اضافہ نہیں تھا۔

میں کہتا ہوں: قرآن وسنت چیونٹی کا وزن ہونے پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ دینار اور نصف دینار کا وزن ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: الذرۃ سے مراد رائی کا دانہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا (الانبیاء: 47) (پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو اسے بھی ہم لا حاضر کریں گے)

بعض علماء نے اس کے علاوہ قول کیے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بھی جزا دے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی مومن کی نیکی میں کمی نہیں فرماتا حتیٰ کہ دنیا میں بھی اس کی برکت عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی جزا عطا فرمائے گا۔ رہا کافر تو وہ اپنے اعمال خیر کے بدلے میں دنیا میں خوراک کھاتا ہے حتیٰ کہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی نہ ہوگی جس کی اسے جزا دی جائے گی'' (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا یعنی نیکی کا ثواب زیادہ فرمائے گا۔ اہل حجاز نے حسنۃٌ یعنی رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور عام قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے رفع کی صورت میں تَكُ بمعنی تحدث ہوگا اور تامہ ہوگا اور دوسری صورت میں یہ ناقصہ ہوگا۔ یعنی ان تك فعلته حسنة یعنی اگر تیرا عمل نیکی ہوگا۔ اور حسن نے نضاعفھا نون کے ساتھ پڑھا ہے جو عظمت پر دلالت کرتی ہے اور باقی قراء نے یا کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ اصح ہے، کیونکہ آگے دیؤت آیا ہوا ہے۔ ابو رجاء نے یضعفھا پڑھا ہے اور باقی قراء نے یضاعفھا پڑھا ہے ان دونوں لغتوں کا معنی کثرت ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا یضاعفھا اس کا معنی ہے وہ اسے کئی گنا کر دے گا اور یضعفھا (تشدید کے ساتھ) اس کا معنی ہے وہ اسے دوگنا فرما دے گا۔

مِنۡ لَّدُنۡهُ یعنی من عندہ اس میں چار لغات ہیں لَدُن، لُدْن، لَدُ اور لَدَی۔ جب عرب اس کو اپنی طرف مضاف کرتے ہیں تو نون کو مشدد کرتے ہیں اور اس پر من داخل ہوتا ہے جہاں من ابتدائے غایت کے لیے ہوتا ہے۔ لُدُنْ بھی اسی طرح ہے۔ جب دونوں میں برابر ہو تو اس پر من کا دخول عمدہ ہے اسی وجہ سے سیبویہ نے کہا: لدن میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ ابتدائے غایت کے لیے آتا ہے۔ اَجۡرًا عَظِيۡمًا۝ یعنی جنت۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری سے ایک طویل حدیث شفاعت مروی ہے جس میں ہے کہ ''جب مومنین آگ سے نجات پائیں گے، فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ سے حق کا زیادہ مطالبہ کرنے والا نہیں جتنا کہ مومنین قیامت کے روز اپنے ان بھائیوں کے لیے کریں گے جو آگ میں ہوں گے۔ مومنین کہیں گے: اے ہمارے رب! وہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، حج کرتے تھے۔ انہیں کہا جائے گا: جنہیں تم پہچانتے ہو انہیں نکالو۔ پس ان کی صورتیں آگ پر حرام کر دی جائیں گی وہ بہت سے لوگوں کو نکالیں گے آگ جن کی نصف پنڈلی تک اور گھٹنے تک پہنچی ہوگی، پھر وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! آگ میں اب کوئی ایسا آدمی نہیں رہا جن کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم دوبارہ لوٹ جاؤ تم جس کے دل میں دینار کے برابر نیکی پاؤ اسے نکالو، وہ پھر ایک جم غفیر کو نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے ان میں سے کوئی نہیں چھوڑا جن کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم لوٹ جاؤ اور جس کے دل میں نصف دینار کے برابر خیر پاؤ اسے نکالو، وہ خلق کثیر کو نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے کوئی نہیں چھوڑا جن کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم واپس جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر نیکی پاؤ اسے نکالو وہ پھر ایک خلق کثیر کو نکالیں گے، پھر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے آگ میں کوئی نیکی نہیں چھوڑی''۔

1۔ صحیح مسلم، صفات المنافقین، جلد 2، صفحہ 374

حضرت ابو سعید خدری فرماتے تھے: اگر تم میری اس حدیث پر یقین نہ کرو تو یہ پڑھ لو اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ...... الخ (1) حضرت ابن مسعود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز ایک بندے کو لایا جائے گا اور اسے کھڑا کیا جائے گا، پھر ایک نداد ینے والا لوگوں کے سروں پر ندا دے گا، یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا اس پر کوئی حق ہے وہ اس سے اپنا حق لے لے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: انہیں اپنے حقوق ادا کر۔ وہ عرض کرے گا: یا رب! میں کہاں سے لوں؟ جب کہ دنیا تو ختم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس کے اعمال صالحہ کو دیکھو اور ان میں سے کچھ ان پر حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کو دے دو، اگر ایک ذرہ برابر نیکی بچ جائے گی تو فرشتے عرض کریں گے: یا رب! حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے۔ ہر صاحب حق کو اپنا حق دے دیا گیا ہے اور ذرہ برابر نیکی بچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس ایک نیکی کو میرے بندے کے لیے کئی گناہ کر دو اور اسے میری رحمت کے فضل کے طفیل جنت میں داخل کر دو۔ اس کا مصداق یہ آیت ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَ اِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْهَا۔

اگر وہ بندہ بد بخت ہو گا تو فرشتے عرض کریں گے: اے ہمارے الٰہ! اس کی نیکیاں ختم ہو گئی ہیں اور اس کی برائیاں باقی ہیں اور مطالبہ کرنے والے بہت سے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مطالبہ کرنے والوں کی برائیوں میں سے لے کر اس کی برائیوں کے ساتھ ملا دو، پھر اس کے لیے دوزخ کا پروانہ لکھ دو، اس تاویل پر آیت جھگڑنے والوں کے متعلق ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کسی خصم کے لیے کسی خصم پر ذرہ برابر حق نہیں چھوڑے گا، اس کے لیے اس سے حق وصول کرے گا اور ذرہ برابر کی نہیں کرے گا جو اس کے لیے باقی ہو گی بلکہ اس کو اس پر ثواب دے گا اور اسے اس کے لیے کئی گنا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ اِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْهَا سے یہی مراد ہے (2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے میں بیس لاکھ نیکیاں عطا کرے گا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَ اِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا عبیدہ نے کہا: حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَجْرًا عَظِیْمًا تو کون اس کا اندازہ کر سکتا ہے؟ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴۱﴾

''تو کیا حال ہو گا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ''۔

فاء کو التقاء ساکنین کی وجہ سے فتحہ دیا گیا ہے اور (اِذَا) ظرف زمان ہے اور اس میں عامل جِئْنَا ہے۔ ابو اللیث سمرقندی نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں خلیل بن احمد نے بتایا فرمایا: ہمیں ابن منیع نے بتایا فرمایا: ہمیں ابو کامل نے بتایا فرمایا: ہمیں فضیل نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 103-102　　2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 32

بتایا، انہوں نے یونس بن محمد بن فضالہ سے روایت کیا، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس بنی ظفر میں تشریف لائے، آپ اس چٹان پر بیٹھ گئے جو بنی ظفر میں تھی اور آپ کے ساتھ حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ اور دوسرے چند صحابہ تھے آپ نے ایک قاری کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ جب وہ اس آیت پر پہنچا **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا**..... تو رسول اللہ ﷺ رونے لگ گئے حتیٰ کہ آپ کے رخسار تر ہو گئے، آپ ﷺ نے عرض کی: یا رب! یہ ان پر ہے جن کے درمیان میں ہوں، ان کی کیا حالت ہوگی جن کو میں نے نہیں دیکھا؟ بخاری نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر قرآن پڑھو، میں نے عرض کی: کیا میں آپ پر پڑھوں جب کہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ پر سورہ نساء پڑھی حتیٰ کہ میں **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا**..... الخ پر پہنچا تو فرمایا: ٹھہر جا، جبکہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو تھے'' (1)۔ مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن اس میں امسك (ٹھہر جا) کے الفاظ کی جگہ رفعت راسی (میں نے اپنا سر اٹھایا) ہے یا فرمایا: غمزنی رجلٌ الی جنبی میرے پہلو میں ایک شخص تھا جس نے مجھے اشارہ کیا تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کا رونا اس ہولناکی اور شدت کی وجہ سے تھا جس کا بیان اس آیت میں ہے، کیونکہ انبیاء کو اپنی اپنی امتوں پر تصدیق و تکذیب کے لیے بطور گواہ لایا جائے گا اور نبی کریم ﷺ کو قیامت کے روز بطور گواہ لایا جائے گا اور **عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ** سے اشارہ قریش کے کفار اور دوسرے کفار کی طرف ہے، کفار قریش کو خصوصی طور پر ذکر فرمایا، کیونکہ دوسروں کی بنسبت ان پر عذاب شدید ہوگا، کیونکہ معجزات کو دیکھنے کے وقت ان کا انکار عناد کی بنا پر تھا، وہ معجزات جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے عادت کے خلاف ظاہر فرمائے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کفار کا کیا حال ہوگا جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ۔ کیا یہ عذاب دیئے جائیں یا انعام کیے جائیں؟ یہ استفہام بمعنی توبیخ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: **هٰٓؤُلَآءِ** کا اشارہ تمام امت کی طرف ہے۔ ابن المبارک نے ذکر کیا کہ ہمیں ایک انصاری شخص نے بتایا اس نے منہال بن عمرو سے روایت کیا، اس نے اسے بتایا کہ اس نے سعید بن مسیب کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لیس من یوم الا تعرض علی النبی ﷺ امته غدوۃ وعشیة فیعرفهم بسیماهم واعمالهم فلذالك یشهد علیهم۔ یعنی نبی کریم ﷺ پر ہر صبح و شام آپ کی امت پیش کی جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہر امتی کے چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں اسی وجہ سے آپ ﷺ لوگوں کے متعلق گواہی دیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ**۔ یعنی اس امت کے نبی کو ہم گواہ لائیں گے۔ **وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا** اور آپ کو ان پر گواہ لائیں گے۔ کیف مضمر فعل کی وجہ سے محل نصب میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے فکیف یکون حالهم۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور کبھی فعل مضمر کے قائم مقام اذا کو رکھا جاتا ہے اور إِذَا میں عامل **جِئْنَا** ہے اور **شَهِيدًا** حال ہے اور حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ طالب کا شیخ پر پڑھنا اور اس پر کتاب پیش کرنا جائز ہے اور اس کا برعکس بھی جائز

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 659

ہے اس کا بیان سورہ لم یکن میں حضرت ابی کی حدیث میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شَهِيۡدًا حال کی بنا پر منصوب ہے۔

يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا ۝

''اس روز تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کہ کاش (انہیں دبا کر) ہموار کر دی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات''۔

عَصَوُا میں واؤ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے ضمہ دیا گیا ہے اور اس کو کسرہ دینا جائز ہے۔ نافع، ابن عامر نے تَسَّوّٰى تا کے فتحہ اور سین کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے بھی اسی طرح پڑھا ہے مگر انہوں نے سین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (1) اور باقیوں نے تا کے ضمہ اور سین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جس کے فاعل کا ذکر نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر زمین کو برابر کر دیتا۔ یعنی انہیں اور زمین کو برابر کر دیتا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ خواہش کریں گے کاش اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ نہ اٹھاتا اور ان پر زمین برابر رہتی، کیونکہ وہ مٹی سے نقل کیے گئے تھے پہلی اور دوسری قرأت پر الارض فاعل ہوگی معنی یہ ہوگا کہ وہ خواہش کریں گے اگر زمین ان کے لیے کھلتی اور وہ اس کے اندر چلے جاتے۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: با بمعنی علی ہے یعنی کاش ان پر زمین پھٹتی اور پھر ان پر ہموار کر دی جاتی، یہ ابوالحسن سے مروی ہے۔ تشدید کی قرأت اور ادغام کی بنا پر ہے اور تخفیف تا کے حذف کی بنا پر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ یہ تمنا کریں گے جب وہ دیکھیں گے کہ جانور مٹی ہو گئے ہیں اور وہ جان لیں گے کہ انہوں نے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ۝ (النباء) کا یہی معنی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ یہ تمنا کریں گے جب یہ امت انبیاء کو دیکھے گی جیسا کہ پہلے سورہ بقرہ آیت 143 میں وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا کے تحت گزر چکا ہے، تو گزشتہ امتیں کہیں گی۔ ان میں زنا کار اور چور ہیں ان کی شہادت قبول نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتیوں کا تزکیہ فرمائیں گے، پھر مشرک کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ ۝ (الانعام) پس ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا... کا یہی مطلب ہے یعنی انہیں دھنسا دیا جاتا۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا زجاج نے کہا: بعض نے کہا: یہ جملہ مستانفہ ہے، کیونکہ جو انہوں نے اعمال کیے وہ اللہ کی بارگاہ میں ظاہر ہیں وہ انہیں چھپانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ معطوف ہے معنی ہے وہ خواہش کریں گے کاش زمین ان پر برابر کر دی جاتی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپائی نہ ہوتی، کیونکہ اس نے ان کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق اور وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ ۝ کے متعلق پوچھا گیا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب وہ دیکھیں گے کہ جنت میں تو صرف اہل اسلام داخل ہوں گے، تو وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم مشرک نہ تھے، تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں بولیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 55، دار الکتب العلمیہ بیروت

کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ حسن اور قتادہ نے کہا: آخرت کے بعض مقام پر وہ بولیں گے اور بعض مقام پر نہیں بول سکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے لیے ان کے اعمال ظاہر ہوں گے اور ان کا محاسبہ کیا جائے گا تو وہ کچھ نہیں چھپائیں گے۔ مزید بیان سورۂ انعام میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝٤٣

”اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم سفر کر رہے ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر میں یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے (اپنی) عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو (اس صورت میں) تیمم کر لو پاک مٹی سے اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیر دا پنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے“۔

اس میں چوالیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى اللہ تعالیٰ نے اس خطاب کے ساتھ مومنین کو خاص فرمایا، کیونکہ وہ نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے شراب پی تھی اور اس نے ان کے ذہنوں کو ختم کر دیا تھا پس وہ اس خطاب سے خاص کیے گئے، کیونکہ کفار تو نہ ہوش میں نماز پڑھتے تھے، نہ حالت نشہ میں۔ ابوداؤد نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو حضرت عمر نے دعا کی: اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے واضح حکم بیان فرما، تو سورہ بقرہ کی آیت يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ (بقرہ: 219) نازل ہوئی۔ فرمایا: حضرت عمر کو بلایا گیا ان پر یہ آیت پڑھی گئی۔ پھر حضرت عمر نے کہا: اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے متعلق واضح حکم بیان فرما۔ تو سورۂ نساء کی آیت يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کا منادی ندا دیتا تھا جب نماز کھڑی ہوتی تھی کہ خبردار کوئی نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے۔ حضرت عمر کو بلایا گیا اور ان پر یہ آیت پڑھی گئی، حضرت عمر نے کہا: اللہ ہمارے لیے شراب کے متعلق کوئی شافی حکم بیان فرما، تو یہ آیت نازل ہوئی فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُونَ ۝ (المائدہ) حضرت عمر نے کہا: ہم رک گئے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: لوگ زمانہ جاہلیت کے امر پر تھے حتیٰ کہ انہیں کسی کا حکم دیا گیا یا منع کیا گیا۔ وہ ابتدائے اسلام میں شراب پیتے تھے حتیٰ کہ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ المائدہ، حدیث نمبر 2975، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 378

الْمَيْسِرِ ۗ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (بقرہ:219) کا ارشاد نازل ہوا۔ لوگوں نے کہا: ہم منفعت کے لیے پیتے ہیں گناہ کے لیے نہیں پیتے۔ پھر ایک شخص نے شراب پی اور آگے بڑھ کر نماز پڑھانے لگا اس نے قل یایھا الکافرون اعبد ما تعبدون پڑھ دیا، تو یہ آیت نازل ہوئی یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ لوگوں نے کہا: عین نماز کے علاوہ وقت میں ہم پئیں گے۔ حضرت عمر نے دعا کی: اے اللہ! ہم پر شراب کے بارے شافی بیان فرما، تو اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ (المائدہ:91) کا ارشاد نازل ہوا۔ حضرت عمر نے کہا: انتھینا انتھینا ہم رک گئے، ہم رک گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے چکر لگایا اور کہا: خبردار شراب حرام کی گئی ہے۔ اس کا بیان ان شاء اللہ سورۂ مائدہ میں آئے گا۔

ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ہمارے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کھانا تیار کیا ہمیں بلایا اور ہمیں شراب پلائی۔ شراب نے ہمیں مدہوش کر دیا۔ نماز کا وقت ہوا تو لوگوں نے مجھے آگے کیا۔ میں نے پڑھا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝، ونحن نعبد ما تعبدون۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔(1)

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس آیت کا ماقبل سے اتصال کی وجہ اور مقابل سے ترتیب کی وجہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا پھر ایمان کے بعد نماز کا ذکر فرمایا جو عبادت کی اصل ہے اسی وجہ سے نماز کے تارک کو قتل کیا جاتا ہے اور اس کا فرض ساقط نہیں ہوتا۔ کلام اس کی شروط میں جاری ہوئی جن کے بغیر یہ صحیح نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر 2۔ جمہور علماء اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ سکر سے مراد شراب کا نشہ ہے مگر ضحاک نے کہا: سکر سے مراد نیند کا نشہ اور غلبہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اذا نعس احد کم فی الصلاۃ فلیرقد حتی یذھب عنہ النوم فانہ لا یدری لعلہ یستغفر و فیسب نفسہ (2)۔ جب تم میں سے نماز میں کسی پر نیند کا غلبہ ہو جائے تو اسے سو جانا چاہیے حتیٰ کہ اس سے نیند کا غلبہ دور ہو جائے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ تو استغفار کرنا چاہتا ہو اور وہ اپنے نفس کو (نیند کے غلبہ کی وجہ سے) گالی دے رہا ہو۔ عبیدہ سلیمانی نے کہا: وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى کا مطلب ہے جب تم پیشاب کو روکے ہوئے ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی پیشاب روک کر نماز نہ پڑھے'' (3)۔ ایک روایت میں ''جبکہ وہ اپنی رانوں کو ملائے ہوئے ہو'' (4)۔

میں کہتا ہوں: ضحاک اور عبیدہ کا قول صحیح ہے، کیونکہ نماز سے مطلوب دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور غیر اللہ کی طرف التفات کو ترک کرنا ہے اور نیند، حقنہ اور بھوک میں جو اس کی توجہ کو مشغول کرتی ہے اور اس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے جدا کرتی ہے اور حالت کو تبدیل کرتی ہے اس سے خالی ہونا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب شام کا کھانا حاضر ہو اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ'' (5)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر تشویش پیدا کرنے والی چیز کے زوال کی رعایت فرمائی ہے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 127 2۔ صحیح بخاری، کتاب الوضو، جلد 1، صفحہ 34 3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، صفحہ 48
4۔ موطا امام مالک، کتاب قصر الصلوٰۃ فی سفر، صفحہ 144 5۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 208

جس سے دل متعلق ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے رب کی عبادت کی طرف خالص دل کے ساتھ متوجہ ہو اور نماز میں خشوع کرے۔ اس آیت میں یہ ارشاد قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ (المومنون) بھی داخل ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی سورۂ مائدہ کی آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا (مائدہ:6) کے ساتھ منسوخ ہے۔ اس قول پر انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھیں پھر انہیں ہر حال میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ یہ تحریم سے پہلے ہے۔ مجاہد نے کہا: شراب کی تحریم کے ساتھ منسوخ ہوگئی۔ اسی طرح عکرمہ اور قتادہ نے کہا ہے حضرت علی کی مذکور حدیث کی وجہ سے اس باب میں یہی صحیح ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: نماز کھڑی ہوگئی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی: نشہ والا شخص نماز کے قریب نہ جائے (1)۔ یہ نحاس نے ذکر فرمایا ہے۔ ضحاک اور عبیدہ کے قول پر یہ آیت محکمۃ ہے، اس میں نسخ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْرَبُوْا۔ جب کہا جاتا ہے: لا تقرب (راء کے فتحہ کے ساتھ) تو اس کا معنی ہوتا ہے یہ فعل نہ کر اور جب راء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوتا ہے فعل کے قریب نہ جا۔ یہ حکم تمام امت کے غیر مدہوش لوگوں کے لیے ہے اور رہا نشہ والا، وہ چونکہ نشہ کی وجہ سے عقل ہی نہیں رکھتا تو وہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت اس کا مخاطب ہی نہیں ہوتا۔ وہ اس کی پیروی کا مخاطب ہے جو اس پر واجب ہے اور نشہ کے وقت جو احکام اس نے ضائع کیے جن کا وہ نشہ سے پہلے مکلف تھا ان کا کفارہ دینے کے ساتھ مخاطب ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصَّلٰوةَ یہاں الصَّلٰوةَ سے کیا مراد ہے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: اس سے مراد عبادت معروفہ ہے (2)۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد نماز کی جگہیں ہیں۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ مضاف کو حذف کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ (الحج:40) اس میں نماز کی جگہوں کو صلاۃ کہا گیا ہے اس تاویل پر دلیل یہ قول ہے وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ جنبی شخص کے لیے مسجد سے گزرنا جائز ہے نہ اس میں نماز جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ سے مراد مسافر ہے جب وہ پانی نہ پائے تو وہ تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ ایک جماعت نے کہا: الصلاۃ سے نماز اور نماز کی جگہیں دونوں مراد ہیں، کیونکہ وہ مسجد میں نہیں آتے تھے مگر نماز کے لیے اور وہ نماز نہیں پڑھتے تھے مگر اکٹھے ہو کر اور وہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی یہ مبتدا خبر ہیں اور تَقْرَبُوْا سے حال ہے۔ سُكٰرٰی، سکران کی جمع ہے جیسے کسلان کی جمع کسالی ہے۔ نخعی نے سکری سین کے فتح کے ساتھ فعلی کے وزن پر پڑھا ہے یہ سکران کی جمع مکسر ہے سکری پر اس کی جمع مکسر بنائی گئی، کیونکہ سکر ایک آفت ہے جو عقل کو لاحق ہوتی ہے پس یہ صرعی کے قائم مقام جاری ہوا اور اس کے باب پر جاری ہوا۔ اعمش نے اسے حبلی کے وزن پر سُکری پڑھا ہے اور یہ صفت مفردہ ہے اور جمع کی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربہ، جلد 2، صفحہ 161　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 57

خبر صفت مفردہ جائز ہے جس طرح جمع کے متعلق خبر واحد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

السکر یہ صحو کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے: سکر یسکر سکرا یہ باب حمد یحمد سے ہے سکرت عین تسکر یعنی اس کی آنکھ حیران ہوئی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا (الحجر: 15) سکرت الشق کا مطلب ہے میں نے اسے بند کر دیا۔

پس نشہ والا شخص اس سے رک جاتا ہے جو عقل کی وجہ سے اس پر ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اس آیت میں دلیل ہے بلکہ نص ہے کہ ابتداء اسلام میں شراب کا پینا حلال تھا حتیٰ کہ وہ پینے والے کو نشہ تک پہنچا دیتا۔ ایک قوم نے کہا: نشہ عقلاً حرام ہے اور کسی دین میں یہ مباح نہیں کیا گیا اور انہوں نے السکر کو اس آیت میں نیند پر محمول کیا ہے۔ قفال نے کہا: یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے لیے شراب مباح کی گئی تھی، کیونکہ یہ طبیعت میں سخاوت، شجاعت اور حمیت پیدا کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں: یہی معنی عربوں کے اشعار میں موجود ہے، حضرت حسان نے کہا:

ونشربھا فتترکنا ملوکا

ہم شراب پیتے ہیں یہ ہمیں بادشاہ بنا دیتی ہے۔ ہم نے اس معنی کا اشارہ سورۂ بقرہ میں کیا تھا۔ قفال نے کہا: جب وہ شراب جو عقل کو زائل کر دے حتیٰ کہ پینے والا جنون اور غشی کی حد کو پہنچ جائے تو قصداً اس کا پینا مباح نہیں کیا گیا اور اگر بغیر قصد کے اس حد تک پہنچ جائے تو وہ معاف ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے اس کا بیان سورۂ المائدہ میں حضرت حمزہ کے قصہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمان نماز کے اوقات میں شراب سے اجتناب کرتے تھے اور جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو پھر شراب پیتے وہ ہمیشہ اسی معمول پر رہے حتیٰ کہ سورۂ مائدہ میں شراب کی حرمت نازل ہوئی فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ)

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ یعنی حتیٰ کہ تم یقین رکھتے ہو کہ اس میں غلطی نہیں ہے اور نشہ والا شخص نہیں جانتا جو وہ کہتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا: نشہ والے شخص کی طلاق لازم نہیں ہوتی (1)۔ حضرت ابن عباس، طاؤس، عطا، قاسم اور ربیعہ سے یہ مروی ہے یہی قول لیث ابن سعد، اسحاق، ابوثور، مزنی کا ہے، طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے فرمایا: علماء کا اجماع ہے کہ معتوہ کی طلاق جائز نہیں اور سکران معتوہ (نیم پاگل) ہے، جس طرح وسواس میں مبتلا شخص وسواس کی وجہ سے معتوہ ہے اور اس میں علماء کا اختلاف نہیں کہ جس نے بھنگ پی اور اس کی عقل ضائع ہو گئی تو اس کی طلاق جائز نہیں اسی طرح شراب کی وجہ سے جو مدہوش ہو گیا اس کا حکم ہے۔ ایک جماعت نے نشہ والے شخص کی طلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت معاویہ اور تابعین کی جماعت سے مروی ہے یہی قول امام ابوحنیفہ، ثوری اور اوزاعی کا ہے۔ اس میں امام شافعی کا قول مختلف ہے۔ امام مالک نے طلاق، زخم میں دیت اور قتل میں قصاص کو لازم کیا ہے اور نکاح اور بیع کو لازم نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: نشہ والے شخص کے افعال اور اس کی عقود تمام

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 57، دار الکتب العلمیہ بیروت

ثابت ہوں گی جس طرح غیر مدہوش کے ثابت ہوتے ہیں، سوائے ارتداد کے، کیونکہ جب وہ مرتد ہوگا تو اس کی بیوی اس سے جدا نہ ہوگی مگر استحساناً۔ امام ابو یوسف نے کہا: وہ نشہ کی حالت میں مرتد ہو جائے گا۔ یہی امام شافعی کا قول ہے، لیکن اسے نشہ کی حالت میں نہ قتل کیا جائے گا اور نہ اس سے توبہ طلب کی جائے گی۔

امام ابو عبداللہ مازری نے کہا: ہمارے پاس ایک شاذ روایت ہے کہ نشہ والے کی طلاق لازم نہیں ہوتی۔ محمد بن عبد الحکم نے کہا: نشہ والے کی نہ طلاق لازم ہے، نہ آزادی۔ ابن شاس نے کہا: شیخ ابو الولید نے مخلط کے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے جس کے پاس کچھ عقل باقی ہوتی ہے مگر وہ اختلاط پر ضبط کی قدرت نہیں رکھتا وہ کبھی غلط بات کرتا ہے اور کبھی درست بات کرتا ہے۔ فرمایا: نشہ والا وہ ہے جو آسمان اور زمین میں، مرد اور عورت میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ تمام افعال اور احوال میں بندوں کے ساتھ معاملات میں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات میں مجنون کی طرح ہے مگر اس صورت میں جب اس کی نمازوں کا وقت نکل جائے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس سے احکام ساقط نہیں ہوتے بخلاف مجنون کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے نشہ اپنے اوپر خود داخل کیا جس طرح جان بوجھ کر نماز کو ترک کرنے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جاتا ہے۔

سفیان ثوری نے کہا: نشہ کی حد، عقل کا اختلال ہے جب اس سے قرآن پڑھایا جائے تو قرأت میں خلط ملط کرے ایسی باتیں کرے جو معروف نہ ہوں تو اسے کوڑے لگائیں جائیں گے۔ امام احمد نے فرمایا: جب صحت کی حالت سے اس کی عقل بدل جائے تو وہ نشہ والا ہے۔ امام مالک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جب اس کی قرأت میں خلط ملط ہو تو وہ نشہ والا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ سے استدلال کیا ہے۔ جب وہ ایسی حالت میں ہو کہ وہ نہ جانتا ہو جو وہ کہہ رہا ہو تو وہ تلویث مسجد کے خوف سے مسجد سے دور رہے اور اس کی نماز صحیح نہ ہوگی اگر وہ نماز پڑھے گا تو اسے پھر قضا کرے گا اور اگر وہ ایسی حالت میں ہو کہ وہ جانتا ہو جو وہ کہہ رہا ہو تو اسے نماز کے لیے لایا جائے گا اور اس کا حکم صحیح کا حکم ہوگا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا جُنُبًا اس کا عطف، حَتّٰى تَعْلَمُوْا میں جملہ منصوبہ کی جگہ پر ہے، یعنی تم نماز نہ پڑھو جب کہ تم جنبی ہو۔ کہا جاتا ہے: تجنبتم اجنبتم، جنبتم تمام کا ایک معنی ہے۔ الجنب کے لفظ کی نہ مونث آتی ہے، نہ تثنیہ، نہ جمع۔ چونکہ یہ مصدر کے وزن پر ہے جیسے بُعْدٌ اور قُرْبٌ ہیں۔ کبھی اس میں تخفیف کرتے ہیں اور کہتے ہیں: جنب۔ ایک قوم نے اس طرح بھی پڑھا ہے، فراء نے کہا، کہا جاتا ہے: جنب الرجل و اجنب یہ جنابت سے مشتق ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الجنب کی جمع ایک لغت میں اجناب آئی ہے جیسے عنق و اعناق، طنب و اطناب اور جس نے واحد کے لیے جانب کہا اس نے جمع میں جناب کہا جیسے راکب کی جمع رکاب۔ اس کا اصل معنی البعد ہے گویا جنبی آدمی ٹپک کر نکلنے والے پانی کی وجہ سے نماز سے دور ہو گیا۔ شاعر نے کہا:

فلا تَحْرِمَنِّي نائِلاً عن جنابةٍ　　فإنّي امْرُؤٌ وَسْطَ القِبَابِ غَرِيبُ

رجل جنبٌ۔ مسافر آدمی۔ الجنابۃ مرد کا عورت سے ملنا۔

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور علماء امت فرماتے ہیں: انزال کی وجہ سے یا شرمگاہ کے شرمگاہ میں تجاوز کی وجہ سے آدمی ناپاک ہو جاتا ہے مگر یہ کہ وہ غسل کر لے۔ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انزال سے آدمی ناپاک ہوتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انما الماء من الماء (1)۔ غسل صرف انزال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ بخاری میں ابی بن کعب سے مروی ہے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب مرد، عورت سے جماع کرے اور اسے انزال نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اس حصہ کو دھودے جو عورت سے مس ہوا ہے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے''۔ ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے کہا: غسل کرنا احوط ہے (2)۔ دوسری صورت ہم نے علماء کے اختلاف کے اظہار کے لیے بیان کی ہے۔ مسلم نے اس کے ہم معنی اپنی صحیح میں حدیث نقل کی ہے اور آخر میں فرمایا: ابو العلاء بن شخیر نے کہا: رسول اللہ ﷺ اپنی بعض احادیث کو بعض سے منسوخ کرتے تھے جس طرح قرآن، بعض قرآن کو منسوخ کرتا ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: یہ منسوخ ہے۔ ترمذی نے کہا: یہ حکم اسلام کے ابتدائی دور میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

میں کہتا ہوں: اسی مسئلہ پر صحابہ، تابعین اور فقہاء کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ التقاء ختانین (شرمگاہ کا شرمگاہ میں داخل ہونے) سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ پہلے صحابہ کرام کا اختلاف تھا پھر تمام نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کی طرف رجوع کیا جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے فرمایا: ''جب مرد اپنی بیوی کی رانوں اور پنڈلیوں کے درمیان بیٹھے اور شرمگاہ، شرمگاہ میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہے'' (3)۔ یہ مسلم نے روایت کی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب مرد اپنی بیوی کی رانوں اور پنڈلیوں کے درمیان بیٹھے پھر شرمگاہ کو شرمگاہ میں داخل کر دے تو اس پر غسل واجب ہے''۔ مسلم نے یہ زائد نقل کیا ہے ''اگرچہ اسے انزال نہ بھی ہو''۔ ابن قصار نے کہا: تابعین اور بعد والے علماء کا التقاء ختانین (شرمگاہوں کا ملنا) والی حدیث پر عمل میں اجماع ہے، اس کے بعد کہ پہلے لوگوں میں اختلاف تھا۔ اختلاف کے بعد جب اجماع صحیح ہے تو یہ اختلاف کو ساقط کرنے والا ہو گا۔ قاضی عیاض نے فرمایا: ہم کسی کو نہیں جانتے صحابہ کے اختلاف کے بعد اس نے یہ کہا ہو مگر جو اعمش سے حکایت کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد داؤد اصبہانی سے حکایت کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو (الماء من الماء) والی حدیث کو چھوڑنے پر ابھارا جب لوگوں نے اس مسئلہ پر اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس نے اس حدیث کو احتلام پر محمول کیا ہے یعنی احتلام میں پانی کے انزال سے پانی کے ساتھ غسل کرنا واجب ہوتا ہے جب انزال نہ ہو اگرچہ وہ خواب میں دیکھے کہ وہ جماع کر رہا ہے تو اس پر غسل نہیں ہے اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کہا جاتا ہے: عبرت الطریق یعنی ایک جانب سے دوسری جانب تک راستہ طے کیا۔ عبرت النھر عبورا میں نے نہر کو عبور کیا۔ ھذا عبر النھر یہ نہر کا کنارہ ہے۔ کہا جاتا ہے: مَعْبَر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، جلد 1، صفحہ 155
2۔ صحیح بخاری، کتاب الغسل، جلد 1، صفحہ 43
3۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، جلد 1، صفحہ 156

(عین کے ضمہ کے ساتھ) اور المعبر کشتی یا پل جس کے ذریعے نہر کو عبور کیا جاتا ہے۔ ھذا عابر السبیل یعنی راستہ سے گزرنے والا۔ ناقۃ عُبْرُ أسفار ایسی اونٹنی جس پر ہمیشہ سفر کیا جاتا ہے اور اس کے تیز چلنے کی وجہ سے صحراؤں اور گرمی کے وقت کو عبور کیا جاتا ہے۔

عَيْرَانَةٌ　سُرُحُ　اليَدَيْنِ　شِمِلَّةٌ　　عُبْرُ الهَوَاجِرِ كالهِزَفِّ الخاضِب (1)

اونٹنی تیز رفتار، چاک و چوبند ہے گرمی کے لمحات کو عبور کرنے والی ہے جیسے لمبے پروں والے اور سرخ پنڈلیوں والی ہے۔
عبر القوم، قوم مرگئی۔ اور شاعر نے شعر کہا:

قضاء　الله　يغلب　كلّ　شئ　　ويلعب　بالجَزُوع　و　بالصَبُورِ
فان　نَعْبُرْ　فإنّ　لنا　لُمَاتٍ　　وإن　نَغْبُرْ　فنحن　على　نُذُورِ

شاعر کہتا ہے: اللہ کی قضا ہر چیز پر غالب ہے جزع فزع کی جائے یا صبر کیا جائے وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے اگر ہم فوت ہو گئے تو ہمارے دوست ہیں اور اگر ہم بچ گئے تو بھی ہمیں ضرور موت آنے والی ہے گویا ہم نے اس کے آنے کی نذر مانی ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، ابن جبیر، مجاہد اور حکم نے فرمایا: عَابِرِیْ سَبِیْلٍ سے مراد مسافر ہے۔ اور نماز کے قریب جانا کسی کے لیے صحیح نہیں ہے جب کہ وہ جنبی ہو مگر غسل کے بعد مگر مسافر تیمم کرے (2)۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، کیونکہ عام طور پر حضر میں پانی معدوم نہیں ہوتا اور گھر میں مقیم شخص پانی کے پائے جانے کی وجہ سے غسل کر لیتا ہے اور مسافر جب پانی نہیں پاتا تو تیمم کرتا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اصحاب الرائے نے مسافر جنبی کے بارے میں کہا: جو ایسی مسجد سے گزرتا ہے جس میں پانی کا چشمہ ہے تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے پھر مسجد میں داخل ہو، چشمے سے پانی بھرے پھر مسجد کو پانی سے باہر لے آئے۔ اور ایک جماعت نے جنبی آدمی کو مسجد میں داخل ہونے پر رخصت دی ہے۔ اور بعض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد: المومن لیس بنجیس مومن ناپاک نہیں ہے سے دلیل پکڑی ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے بھی یہ کہا ہے۔ حضرت ابن مسعود، عکرمہ اور نخعی نے کہا: عابر السبیل سے مراد خطرے والا (3) جو مسجد سے گزرنے والا ہے۔ یہ عمرو بن دینار، امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: جنبی آدمی مسجد سے نہ گزرے مگر یہ کہ مسجد کے علاوہ کوئی چارہ نہ پائے تو تیمم کرے اور اس میں سے گزر جائے، اسی طرح ثوری، اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔ امام احمد اور اسحاق نے جنبی کے بارے میں کہا: جب وضو کرے تو مسجد میں بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے آیت کے سبب میں روایت کیا ہے کہ انصار کی ایک قوم تھی جن کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے جب ان میں سے کسی کو جنابت لاحق ہوتی تو وہ مسجد سے گزرنے پر مجبور ہوتے (4)۔
میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے، اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے جو جسرہ بنت دجاجہ سے روایت کی ہے فرماتی ہیں:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 57، دار الکتب العلمیہ بیروت　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ ان کے اصحاب کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان گھروں کے دروازے مسجد سے ہٹا دو"۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں نے ایسا نہیں کیا تھا اس امید سے کہ ان کے لیے رخصت نازل ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "گھروں کے دروازے مسجد سے ہٹا دو میں حیض والی عورت اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا" (1)۔ اور صحیح مسلم میں ہے "مسجد میں کوئی کھڑکی باقی نہ رہے سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے" (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا، کیونکہ یہ مسجد کو گزرگاہ بنانے اور اس کو عبور کرنے کا موجب تھے حضرت ابوبکر کے اکرام اور خصوصیت کی خاطر ان کی کھڑکی کی استثناء فرما دی۔ کیونکہ عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جدا جدا نہیں ہوتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "کسی کے لیے مسجد سے گزرنے اور مسجد میں بیٹھنے کی اجازت نہیں مگر علی بن ابی طالب کو اجازت ہے"۔ اس روایت کو عطیہ العوفی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں اور کسی کے لیے درست نہیں کہ وہ مسجد میں جنبی حالت میں ہو سوائے میرے اور حضرت علی کے"۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس طرح ہونا جائز ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمرہ مسجد میں تھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمرہ مسجد میں تھا اگرچہ وہ کمرے مسجد میں نہ تھے لیکن مسجد سے متصل تھے اور ان کے دروازے مسجد میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں شمار کیا فرمایا: "مسلمان کے لیے مناسب نہیں"...... الخ۔ وہ روایت جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر مسجد میں تھا ابن شہاب کی روایت ہے جو انہوں نے سالم بن عبداللہ سے روایت کی ہے فرمایا: ایک شخص نے میرے باپ سے حضرت علی اور حضرت عثمان کے بارے پوچھا کہ ان میں سے کون بہتر ہے۔ عبداللہ نے اسے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے اور اس کے پہلو میں حضرت علی کے گھر کی طرف اشارہ کیا مسجد میں ان کے علاوہ کوئی گھر نہیں تھا۔ آگے حدیث ذکر کی۔ یہ دونوں حضرات مسجد میں جنبی نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنے اپنے گھر میں جنبی ہوتے تھے۔ ان کے گھر مسجد میں سے تھے، کیونکہ ان کے دروازے مسجد میں تھے جب وہ حالت جنابت میں گھروں سے نکلتے تھے تو مسجد کے راستہ سے گزرتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان دونوں حضرات کی تخصیص ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی چیزوں کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ خاص احکام میں سے یہ بھی ہو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص کیا ہو پس ان کے لیے وہ رخصت ہو جو دوسروں کے لیے نہ ہو اور اگر ان کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے دروازے کے علاوہ سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عمرو بن میمون نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سدوا الابواب الاباب علی (3)۔ سب دروازے بند کر دو سوائے حضرت علی کے دروازہ کے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 30　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 272

3۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، جلد 2، صفحہ 214

فرمایا کہ ان کا دروازہ مسجد میں رہنے دیا۔ وہ اپنے گھر میں جنبی ہوتے تھے اور ان کا گھر مسجد میں تھا۔ رہا یہ قول کہ ''مسجد میں کسی کا دروازہ نہ رہے سوائے ابوبکر کے دروازہ کے''۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مسجد میں کئی دروازے کھلتے تھے اور گھروں کے دروازے مسجد سے باہر تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کھڑکیوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا لیکن حضرت ابوبکر کے اکرام کی خاطر اس کو چھوڑ دیا۔ الخوخات، سوراخ اور کھڑکی وغیرہ کو کہتے ہیں۔ حضرت علی کا دروازہ وہ مراد ہے جس سے آپ داخل ہوتے تھے اور نکلتے تھے۔ حضرت ابن عمر نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے کہ ان کے علاوہ مسجد میں کوئی دروازہ نہ تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ عطا بن یسار سے ثابت ہے کہ وہ فرماتے تھے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو جنابت لاحق ہوتی تھی وہ وضو کرتے تھے پھر مسجد میں آتے تھے اور اس میں باتیں کرتے تھے۔ یہ دلیل ہے کہ جنبی آدمی کے لیے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے جب وہ وضو کرے اور امام احمد اور اسحاق کا مذہب بھی یہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وضو، جنابت کی حدث کو دور نہیں کرتا۔ ہر جگہ جو عبادت کے لیے متعین کی جاتی ہے وہ نجاست ظاہرہ سے پاک رکھی جاتی ہے مناسب ہوتا ہے کہ وہ شخص اس جگہ داخل نہ ہو جو اس عبادت کے لیے پسندیدہ نہیں اور اس کے لیے اس عبادت سے ملتبس ہونا صحیح نہیں۔ ان کے منقولہ احوال میں سے غالب یہ ہے کہ وہ گھروں میں غسل کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ محدث (بے وضو) کا پھر کیا حکم ہے؟ ہم کہیں گے اس کا وقوع زیادہ ہوتا ہے اور ہر وقت وضو کرنا شاق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ میں وہ ہے جو کفایت کرتا ہے۔ جب مسجد میں جنبی حالت میں ٹھہرنا جائز نہیں تو یہ زیادہ لائق ہے کہ اس کے لیے قرآن کو چھونا اور اس میں قرأت کرنا بھی جائز نہ ہو، کیونکہ اس کی زیادہ حرمت ہے۔ اس کا مزید بیان سورۂ واقعہ میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر 12۔ ہمارے علماء کے نزدیک قرأت قرآن سے جنبی کو روکا جائے گا مگر یہ کہ تھوڑی سی آیات تعوذ کے لیے پڑھی جائیں (تلاوت قرآن کی نیت سے نہ ہوں)۔

موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنبی اور حائض قرآن میں سے کوئی چیز نہ پڑھے''(1)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور دارقطنی نے سفیان عن مسعر د شعبہ عن عمرو بن مرہ عن عبداللہ بن سلمہ عن علی کے سلسلہ سے روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت قرآن سے کسی کو نہیں روکتے تھے مگر یہ کہ وہ جنبی ہوتا۔ سفیان نے کہا: مجھے شعبہ نے کہا: میں نے اس سے بہتر حدیث بیان نہیں کی۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے فرمایا: حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبہ عن عمرو بن مرہ۔ پھر اس کی ہم معنی حدیث روایت کی۔ یہ سند صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس عن عبداللہ بن رواحہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی حالت میں ہر ایک کو قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔ اس حدیث کو دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ عکرمہ سے مروی ہے فرمایا: ابن رواحہ اپنی بیوی کے پہلو میں سوئے ہوئے تھے پھر وہ اپنی اس لونڈی کے پاس گئے جو حجرہ کے ایک کونہ میں تھی پھر اس سے مجامعت کی ان کی عورت گھبرا گئی اس نے اپنے بستر پر نہ پایا، ان کی بیوی اٹھی باہر نکلی تو اسے اپنی لونڈی پر پایا وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ وہاں سے چھری اٹھائی اور

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 49

نکل پڑی، اتنی دیر میں حضرت ابن رواحہ فارغ ہو چکے تھے وہ اسے ملے جب کہ وہ چھری اٹھائے ہوئے تھی۔ ابن رواحہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ کیا ہے؟ اگر میں تجھے ایسی حالت میں پاتی جس میں پہلے میں نے تجھے دیکھا تھا تو میں تیرے کندھوں کے درمیان یہ چھری مارتی۔ ابن رواحہ نے کہا: تو نے مجھے دیکھا تھا؟ اس نے کہا: میں نے تجھے لونڈی پر دیکھا تھا۔ حضرت ابن رواحہ نے کہا: تو نے مجھے نہیں دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ ہم میں سے کوئی قرآن پڑھے جب کہ وہ جنبی ہو۔ بیوی نے کہا: تو پڑھ (وہ قرآن نہیں پڑھی ہوئی تھی) حضرت ابن رواحہ نے قرآن کی جگہ یہ اشعار پڑھ دیئے:

آتانا رسولُ اللہ یَتْلُو کتابَہ کما لاحَ مشھورٌ من الفجر ساطِعُ

أتى بالھدى بعد العمى فقلوبُنا بہ موقِناتٌ أنَّ ما قال واقِعُ

یَبِیتُ یُجافی جنبَہ عن فراشہ إذا اسْتَثْقَلَتْ بالمشرکین المضاجِعُ

ہمارے پاس رسول اللہ تشریف لائے جب کہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے جس طرح فجر طلوع ہوتی ہے ہماری گمراہی کے بعد آپ ہدایت لے کر آئے ہمارے دل یقین رکھتے ہیں کہ جو آپ نے فرمایا ہے وہ یقیناً واقع ہونے والا ہے، وہ اپنے بستر سے جدا ہو کر رات گزارتا ہے جب کہ مشرکین پر بستر بھاری ہوتے ہیں۔

حضرت ابن رواحہ کی بیوی (سمجھ نہ سکی کہ یہ قرآن ہے یا اشعار ہیں) نے کہا: میں اللہ پر ایمان لائی اور میں نے آنکھ کو جھٹلایا۔ صبح ابن رواحہ رسول اللہ کے پاس گئے اور اپنا رات کا واقعہ ذکر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا اللہ تعالیٰ نے نماز سے منع فرمایا ہے مگر غسل کرنے کے بعد اور اغتسال کا معنی معقول ہے اور عربوں کے نزدیک اس کا لفظ معلوم ہے اس سے مراد مغسول پر پانی کے ساتھ ہاتھ ملنا ہے اسی وجہ سے عربوں نے اپنے قول غسلت الثوب اور أفَضْتُ علیہ الماء و غمستہ فی الماء میں فرق کیا ہے جب یہ ثابت ہو گیا تو جان لے کہ علماء کا جنبی کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ صرف اپنے جسم پر پانی انڈیل دے یا پانی میں غوطہ لگائے اور جسم کو ملے نہیں۔ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جسم کو ملے بغیر غسل کافی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنبی کو اغتسال کا حکم دیا ہے جس طرح وضو کرنے والے کو چہرہ اور ہاتھ دھونے کا حکم دیا ہے اور متوضی کے لیے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے ہاتھ پانی کے ساتھ اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملے، اسی طرح جنبی آدمی کا جسم اور اس کا سر متوضی کے چہرہ اور ہاتھوں کے حکم میں ہے۔ یہ مزنی کا قول ہے اور اس کا اختیار ہے۔ ابو الفرج عمرو بن محمد مالکی نے فرمایا: یہ غسل کے لفظ سے معقول ہے، کیونکہ لغت میں اغتسال باب افتعال ہے اور جس نے اپنے ہاتھوں کو جسم پر نہیں مارا اور جس نے صرف پانی انڈیلا اور ہاتھ کو جسم پر نہیں مارا تو اہل زبان اسے غسل کرنے والا نہیں کہتے بلکہ اسے پانی کو انڈیلنے والا اور پانی میں غوطہ لگانے والا کہتے ہیں۔ فرمایا: اسی مفہوم پر نبی کریم سے آثار مروی ہیں، فرمایا: ''ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے پس تم اپنے بالوں کو دھوؤ اور اپنی کھال کو صاف کر''(1)۔ فرمایا:

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 16

انقاء (صاف کرنا) نہیں ہوتا مگر اس پر پانی گزارنے کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ دو اعتبار سے حجت نہیں (۱) اس کی تاویل میں مخالفت کی گئی ہے سفیان بن عیینہ نے کہا: وانقوا البشرۃ سے مراد شرمگاہ کو دھونا اور اسے صاف کرنا ہے۔ البشرۃ سے مراد شرمگاہ ہے۔ ابن وہب نے کہا: احادیث کی تفسیر میں ابن عیینہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

(۲) اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے اور اس میں فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسی طرح ابن داسہ کی روایت میں ہے اور اللولی کی روایت جوان سے مروی ہے اس میں حارث بن وجیہ ضعیف راوی ہے اور اس کی حدیث منکر ہے پس حدیث سے استدلال ساقط ہوا اور صرف زبان (لغت) پر اعتماد باقی رہ گیا جس طرح کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اور اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیشاب کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوایا اور پیشاب کے پیچھے بہا دیا اور اسے دھویا نہیں (1)۔ یہ حضرت عائشہ نے روایت کیا۔ اور اسی طرح ام قیس بنت محصن سے مروی ہے۔ ان دونوں حدیثوں کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ جمہور علماء اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: جنبی کے لیے پانی بہانا اور پانی میں غوطہ لگانا کافی ہے جب کہ پانی پورے جسم پر پہنچ جائے اگرچہ ہاتھوں سے نہ بھی ملے، کیونکہ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ کی حدیث، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے متعلق یہی تقاضا کرتی ہے ان کی احادیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم پر پانی بہاتے تھے۔ محمد بن عبدالحکم نے بھی یہی کہا ہے۔ ابوالفرج نے اس کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اس کو امام مالک نے روایت کیا ہے۔ فرمایا: ہاتھوں کو غسل میں جسم پر پھیرنے کا حکم دیا، کیونکہ ہو سکتا ہے جو ہاتھوں کو نہیں پھیرتا اس کے جسم کے اس حصہ تک پانی نہ پہنچے جہاں تک پانی پہنچانا واجب تھا۔ ابن عربی نے کہا: تعجب ہے ابوالفرج پر جس نے صاحب مذہب سے روایت کیا ہے کہ ہاتھ ملنے کے بغیر غسل نہیں ہوتا، حالانکہ امام مالک نے یہ نہ کبھی نصاً کہا ہے نہ تخریجاً، یہ ابوالفرج کے اوہام میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک سے نصاً روایت کیا گیا ہے۔ مروان بن محمد ظاہری نے کہا: جب کہ وہ شامی لوگوں میں ثقہ شخص ہے، فرماتے ہیں: میں نے مالک بن انس سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے پانی میں غوطہ لگایا جب کہ وہ جنبی تھا اور اس نے وضو نہیں کیا تھا۔ امام مالک نے فرمایا: اس کی نماز ہو گئی۔ ابوعمر نے کہا: اس روایت میں ہے کہ اس نے نہ ہاتھ سے جسم کو ملا اور نہ وضو کیا جب کہ امام مالک کے نزدیک غسل جائز ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ غسل جائز نہیں حتیٰ کہ وہ جسم کو ملے۔ انہوں نے چہرے اور ہاتھوں کو دھونے پر قیاس کیا ہے۔ اور جماعت کی حجت یہ ہے کہ جس نے اپنے اوپر پانی انڈیل دیا اس نے غسل کر لیا۔ عرب کہتے ہیں: بارش نے مجھے غسل دیا۔ حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کا طریقہ بیان فرمایا تو انہوں نے ملنے کا ذکر نہیں فرمایا، اگر ملنا واجب ہوتا تو آپ ترک نہ فرماتے، کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے مراد کو بیان کرنے والے ہیں اگر آپ نے جسم کو ملا ہوتا تو آپ سے منقول ہوتا جیسا کہ پانی کے ساتھ بالوں کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 139

خلال کرنا منقول ہے اور سر پر چلو ڈالنا منقول ہے اس کے علاوہ غسل کا طریقہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنا منقول ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اس میں کوئی تعجب نہیں کہ عرب زبان میں ایک دفعہ ملنے، ایک دفعہ پانی انڈیلنے اور ایک دفعہ پانی بہانے سے غسل شمار کیا جاتا ہے جب ایسا ہے تو کوئی مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں اپنے بندوں کو پانی کے ساتھ اپنے چہروں پر ہاتھوں کو گزارنے کا مکلف کیا ہو اور یہ اس کا غسل ہو اور وہ غسل جنابت اور حیض میں اپنے جسموں پر پانی بہا دینے کا مکلف ہو اور یہ اس کا غسل ہو جو سنت کے مطابق ہو اور لغت سے خارج نہ ہو اور ان دونوں امروں میں سے ہر امر فی نفسہ اصل ہو، ایک کو دوسرے کی طرف لوٹانا واجب نہ ہو، کیونکہ قیاساً اصول کو ایک دوسرے کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔ اس میں علماء امت کا کوئی اختلاف نہیں قیاساً اصول پر فروع کو لوٹایا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ کی حدیث اس کو رد کرتی ہے جو شعبہ مولی ابن عباس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب وہ غسل جنابت کرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو سات مرتبہ اور اپنی شرمگاہ کو بھی سات مرتبہ دھوتے تھے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے فرمایا: نمازیں پچاس فرض تھیں، غسل جنات سات مرتبہ تھا، کپڑے سے پیشاب کا دھونا سات مرتبہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار سوال کرتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، غسل جنابت ایک مرتبہ اور کپڑے سے پیشاب کو دھونا بھی ایک مرتبہ رہ گیا (1)۔ ابن عبد البر نے کہا: اس حدیث کی سند ابن عمر سے ہے اور اس میں ضعف اور لین ہے۔ اگرچہ ابوداؤد نے اس کو نقل کیا ہے اور اس سے پہلے شعبہ مولی ابن عباس مروی ہے اور شعبہ قوی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ کی حدیث ان دونوں احادیث کو رد کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ جو اپنے جسم پر اپنے ہاتھ نہ مار سکتا ہو تو سحنون نے کہا: قریب والا شخص اس کے جسم پر ہاتھ ملے یا وہ کپڑے کے ساتھ اس کے جسم کو ملے۔ اور ''الواضحہ'' میں ہے جہاں تک اس کے ہاتھ پہنچتے ہوں وہاں تک ہاتھوں کو گزارے پھر پانی بہائے یہاں تک کہ پانی وہاں تک پہنچ جائے جہاں تک اس کے ہاتھ نہیں پہنچے تھے۔

مسئلہ نمبر 16۔ جنبی آدمی کا اپنی داڑھی میں خلال کرنا۔ اس میں امام مالک کا قول مختلف ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے اس پر داڑھی کا خلال واجب ہے۔ ابن عبد الحکم نے کہا: ہمارے نزدیک یہ محبوب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت میں اپنے بالوں کا خلال کرتے تھے اور یہ عام ہے اگرچہ اس میں ظاہر سر کے بالوں کا خلال ہے۔ علماء کے یہی دو قول ہیں۔ معنی کے اعتبار سے غسل میں پورے جسم کو گھیرنا واجب ہے اور داڑھی کے نیچے کی جلد بھی جسم میں سے ہے پس اس تک پانی کا پہنچانا واجب ہے اور ہاتھ سے اس کو ملنا واجب ہے فرض طہارت صغریٰ میں بالوں کی طرف منتقل ہوا، کیونکہ وہ تخفیف پر مبنی ہے بدل کی نیابت کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے خفین پر مسح جائز ہے لیکن غسل میں جائز نہیں۔ میں کہتا ہوں نبی کریم کا یہ قول اس کی تائید کرتا ہے: ''ہر بال کے نیچے جنابت ہے'' (2)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 33 2۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 16

مسئلہ نمبر 17۔ ایک قوم نے مبالغہ کیا اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو واجب قرار دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ان علماء میں سے امام ابوحنیفہ بھی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ناک اور منہ چہرہ سے ہیں ان کا حکم چہرے کے ظاہر کا حکم ہے جیسے رخسار اور پیشانی ہے۔ جو کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو ترک کرے گا اور نماز پڑھے گا تو وہ نماز اعادہ کرے گا جس طرح جو شخص اعضاء کو دھوتے وقت کوئی جگہ دھونے سے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن وضو میں جو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو ترک کر دے اس پر اعادہ نہیں۔ امام مالک نے فرمایا: کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہ جنابت میں فرض ہیں، نہ وضو میں، کیونکہ یہ دونوں جگہیں پوشیدہ ہیں پس ان کا دھونا واجب نہیں جس طرح جسم کے اندر کے حصہ کو دھونا واجب نہیں۔ اسی وجہ سے محمد بن جریر طبری، لیث بن سعد، اوزاعی اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی کہا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ، حماد بن ابی سلیمان نے کہا: یہ دونوں وضو اور غسل میں فرض ہیں۔ یہ اسحاق، امام احمد بن حنبل اور بعض اصحاب داؤد کا قول ہے۔ زہری اور عطا سے اس قول کی مثل مروی ہے۔ امام احمد سے یہ بھی مروی ہے کہ کلی کرنا سنت ہے اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے۔ بعض اصحاب داؤد نے یہ بھی کہا ہے۔ اور ان علماء کی حجت جو ان کو واجب نہیں کہتے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واجب کیا ہے اور نہ تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے۔ اور فرائض صرف ان صورتوں میں ثابت ہوتے ہیں۔ اور جنہوں نے ان دونوں کو واجب کیا، انہوں نے آیت کریمہ اور فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (المائدہ: 6) سے دلیل پکڑی ہے، جو چیز دھونے میں ایک میں واجب ہوتی ہے دوسرے میں بھی واجب ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی محفوظ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو وضو میں یا غسل جنابت میں ترک کیا ہو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے قولاً اور فعلاً اس کی مراد کو بیان کرنے والے ہیں اور جنہوں نے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں فرق کیا ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے دلیل پکڑی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل تو کیا لیکن اس کا حکم نہیں دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال مستحب ہیں واجب نہیں مگر دلیل کے ساتھ اور ناک میں پانی ڈالنے کا فعل کیا بھی ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہمیشہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ ہمارے علماء نے فرمایا: غسل جنابت میں نیت کرنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا یہ نیت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق اور ابوثور کا ہے۔ اسی طرح وضو اور تیمم میں بھی نیت کرنے کا حکم ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینۃ: 5) سے تائید حاصل کی ہے اور اخلاص کا مطلب تقرب الی اللہ کی نیت کرنا ہے اور مومن بندوں پر جو اللہ نے فرض کیا ہے اس کی ادائیگی کا اللہ کی رضا کے لیے ارادہ کرنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما الاعمال بالنیات (1) اور یہ عمل ہے۔ اوزاعی اور حسن نے کہا: بغیر نیت کے وضو اور تیمم جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: پانی کے ساتھ جو طہارت حاصل کی جاتی ہے وہ بغیر نیت کے بھی جائز ہے اور تیمم نیت کے ساتھ جائز ہے۔ انہوں نے اس کو نجاست کے ازالہ پر قیاس کیا ہے کہ وہ بالاجماع بغیر

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 2

نیت کے بدنوں اور کپڑوں سے دور کی جائے تو وہ پاک ہو جاتے ہیں۔ اس کو ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ پانی کی وہ مقدار جس سے غسل کیا جائے امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے عروہ بن زبیر سے انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل جنابت ایک فرق سے کرتے تھے (1)۔ الفرق را کے سکون اور حرکت کے ساتھ ہے۔ ابن وہب نے کہا: الفرق لکڑی کا یہ ایک برتن ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں: اس میں پانچ اقساط آتے تھے جو بنی امیہ کے اقساط تھے۔ محمد بن عیسیٰ اعشی نے الفرق کی تفسیر تین صاع سے کی ہے اور یہ پانچ اقساط ہیں اور فرمایا: پانچ میں نبی کریم ﷺ کے بارہ مد آتے ہیں اور صحیح مسلم میں ہے سفیان نے فرمایا: الفرق، تین صاع ہیں۔ حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ ایک مد کے ساتھ وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے لے کر پانچ مد پانی سے غسل کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے "پانچ مکاکیک سے غسل کرتے تھے اور ایک مکوک سے وضو کرتے تھے" (2)۔ یہ احادیث مخصوص کیل اور وزن کے بغیر پانی کے کم استعمال کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ انسان اتنا پانی استعمال کرے جو اسے کفایت کرے اور زیادہ پانی استعمال نہ کرے، کیونکہ زیادتی میں اسراف ہے اور اسراف مذموم ہے اور الاباضیہ کا مذہب زیادہ پانی کا استعمال کرنا ہے اور یہ شیطان کی طرف سے ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ...... الخ۔ یہ آیت تیمم ہے یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے بارے میں نازل ہوئی انہیں جنابت لاحق ہوئی جب کہ وہ زخمی تھے، تو انہیں تیمم کرنے کی رخصت دی گئی۔ پھر یہ عام لوگوں کے لیے ہوگئی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے نزول کا سبب غزوہ المریسیع میں صحابہ کو پانی کا نہ ملنا تھا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار ٹوٹ گیا تھا۔ اس حدیث کو امام مالک نے عبدالرحمن بن القاسم عن ابیہ عن عائشہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اس آیت کو عنوان بنایا ہے۔ پھر یہ حدیث ذکر کی گئی ہے حدثنا محمد اخبرنا عبدة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشه قالت هلكت قلادة لاسماء فبعث النبی صلی الله عليه وسلم فی طلبها رجالاً فحضرت الصلاة وليسوا علی وضوء ولم يجدوا ماء وصلوا وهم علی غير وضوء فانزل الله تعالی آية التيمم (3)۔ یعنی حضرت عائشہ نے فرمایا حضرت اسماء کا ہار گم ہوگیا (جو حضرت عائشہ نے عاریۃً ان سے لیا ہوا تھا) تو نبی کریم ﷺ نے بہت سے لوگوں کو اس کی تلاش میں بھیجا، نماز کا وقت ہوگیا جب کہ وہ وضو کیے ہوئے نہیں تھے انہوں نے پانی نہ پایا پس انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی، تو اللہ تعالیٰ نے آیت التیمم نازل فرمائی۔

میں کہتا ہوں: اس روایت کے ذکر کی جگہ نہیں اس میں ہے کہ حضرت اسماء کا ہار تھا۔ یہ امام مالک کی حدیث کے خلاف ہے۔ نسائی نے علی بن مسہر عن ہشام بن عروہ بن ابیہ عن عائشہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے وہ حضرت اسماء سے عاریۃً لیا ہوا تھا حضرت عائشہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں، وہ ہار آہستہ سے ٹوٹ کر گر گیا یہ وہ مقام تھا جس کو الصلصل کہا جاتا تھا۔ آگے مکمل حدیث ذکر کی۔ اس روایت میں ہشام سے مروی ہے کہ ہار حضرت اسماء کا تھا اور حضرت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، جلد 1، صفحہ 148　　2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 149　　3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 659

عائشہ نے ان سے عاریۃً لیا ہوا تھا۔ یہ امام مالک کی حدیث کا بیان ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا: حضرت عائشہ کا ہار گر گیا تھا۔ اور بخاری کی حدیث میں ہے: اسماء کا ہار گم ہو گیا تھا۔ اس میں ہے کہ اس جگہ کو الصلصل کہا جاتا تھا۔ ترمذی نے یہ حدیث اس طرح ذکر کی ہے حدثنا الحمیدی حدثنا سفیان حدثنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ انھا سقطت قلادتھا لیلۃ الابواء فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلین فی طلبھا۔ یعنی حضرت عائشہ کا ہار لیلۃ الابواء میں گر گیا آپ نے اس کی تلاش کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا۔ اس روایت کو جو ہشام سے مروی ہے ہار کی نسبت حضرت اسماء کی طرف ہے لیکن حدیث نسائی کی وجہ سے یہ اضافت مستعیر ہے اور مکان کے بارے میں فرمایا: وہ الابواء تھا جیسا کہ امام مالک نے فرمایا ہے، لیکن اس میں بغیر شک کے ہے اور امام مالک کی حدیث میں فرمایا: ہم نے وہ اونٹ اٹھایا جس پر میں تھی تو ہم نے ہار اس کے نیچے پایا۔ بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار پایا۔ ان تمام روایات کا معنی صحیح ہے۔ عقد اور قلادہ کے بارے میں نقل کرنے والوں کا اختلاف نہیں ہے اور نہ جگہ میں اختلاف ہے جو حدیث میں قدح کا باعث ہو اور نہ یہ حدیث کو کمزور کرتا ہے، کیونکہ حدیث سے مقصود اور مراد تیمم کا نزول ہے اور روایات قلادہ (ہار) کے بارے میں ثابت ہیں۔ رہا امام ترمذی کی حدیث میں یہ قول کہ آپ نے دو آدمی اس ہار کی تلاش میں بھیجے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایک اسید بن حضیر تھا۔ شاید بخاری کی حدیث میں الرجال سے مراد یہی دو شخص ہوں اور انہیں جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو، کیونکہ جمع کا کم از کم فرد تثنیہ ہے یا ان دو کے پیچھے کسی اور کو بھیجا ہو پس لفظ کا اطلاق صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ وہ گئے انہوں نے تلاش کیا تو انہیں کوئی چیز نہ ملی جب وہ واپس آئے تو انہوں نے اونٹ کو اٹھایا تو وہ ہار اس کے نیچے سے پا لیا۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو زخم لگے وہ پھیل گئے پھر وہ جنابت سے دوچار ہوئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تکلیف کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ اس کے خلاف نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے، کیونکہ صحابہ کرام کو غزوات میں زخم لگے تھے جن سے وہ واپس آئے تھے، کیونکہ ان میں جنگ ہوتی تھی تو صحابہ نے شکایت کی اور ہار بھی گم ہوا تھا تو آیت تیمم نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: ہار کا گم ہونا بنی مصطلق کے غزوہ میں تھا یہ اس کے قول کے مخالف نہیں جس نے کہا کہ مریسیع کے غزوۂ میں یہ معاملہ پیش آیا تھا، کیونکہ یہ ایک ہی غزوہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق کا غزوہ شعبان 6ھ میں لڑا تھا جیسا کہ خلیفہ بن خیاط اور ابو عمرو بن عبد اللہ نے کہا ہے اور مدینہ پر حضرت ابوذر غفاری کو مقرر فرمایا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت نمیلۃ بن عبد اللہ اللیثی کو مدینہ پر مقرر فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کیا تھا جب کہ وہ حملہ کرنے والے تھے۔ وہ پانی پر تھے جس کو المریسیع کہا جاتا تھا یہ قدید کی طرف سے تھا جو ساحل سے متصل ہے پس آپ نے قتل کر دیا جن کو قتل کر دیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا اور اس دن مسلمانوں کا شعار تھا اَمِتْ اَمِتْ۔ بعض علماء نے کہا: بنی مصطلق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمع ہوئے تھے اور انہوں نے آپ کا ارادہ کیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ان کی طرف نکلے اور انہیں پانی پر ملے۔ یہ تیمم کے آغاز اور اس کے سبب میں احادیث وارد ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: سورہ مائدہ کی آیت تیمم ہے اس کا بیان آگے آئے گا۔ ابو عمر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی اور یہی آیت وضو ہے جو سورۃ المائدہ میں ہے یا وہ آیت جو سورۃ

النساء میں ہے ان دو آیتوں کے علاوہ ہیں تیمم ذکر نہیں ہے اور یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَّرْضٰۤى مرض سے مراد بدن کا حد اعتدال سے نکل کر، اعوجاج اور شذوذ کی طرف چلا جانا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں زیادہ اور تھوڑا۔ جب مرض اتنی سخت ہو کہ پانی کی ٹھنڈک کی وجہ سے موت کا اندیشہ ہو یا اس بیماری کی وجہ سے جو اسے لاحق ہے پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ ہو یا بعض اعضاء کے ضیاع کا خوف ہو تو بالاجماع تیمم کر سکتا ہے مگر حسن اور عطا سے مروی ہے کہ وہ طہارت حاصل کرے اگرچہ فوت بھی ہو جائے۔ یہ مردود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) (اور نہیں رکھی اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ۔

دارقطنی نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے: وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ کے تحت روایت کیا ہے کہ جب آدمی کو اللہ کے راستے میں زخم لگے اور پھر وہ جنبی ہو جائے، پھر اسے خوف ہو کہ غسل کرے گا تو فوت ہو جائے گا(1) تو تیمم کر لے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: تیمم کی مریض کو رخصت دی گئی ہے۔

حضرت عمرو بن العاص نے تیمم کیا تھا جب انہیں سردی کی شدت سے ہلاک ہونے کا خوف ہوا تھا نبی کریم ﷺ نے انہیں نہ غسل کا حکم دیا تھا اور نہ اعادہ کا حکم دیا تھا۔ اور اگر مرض تھوڑی ہو مگر اسے پانی کے استعمال سے مرض کے پیدا ہونے یا بڑھنے یا زخم کے آہستہ ٹھیک ہونے کا اندیشہ ہو تو بالاجماع ایسے لوگ بھی تیمم کریں۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نے یہی محفوظ کیا ہے(2)۔

میں کہتا ہوں: الباجی نے اس میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ قاضی ابوالحسن نے کہا: جیسے صحیح شخص کو نزلہ یا بخار کا اندیشہ ہو اور اسی طرح مریض کو مرض کی زیادتی کا اندیشہ ہو۔ امام ابوحنیفہ نے اس کی مثل کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: پانی کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں مگر اسے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر جائز ہے۔ یہ قاضی ابوالحسن نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام شافعی نے کہا: مریض کے لیے تیمم مباح نہیں ہے مگر جب تلف ہونے کا خوف ہو، کیونکہ مرض کی زیادتی متحقق نہیں ہے، کیونکہ مرض زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی زیادہ نہیں ہوتی یقینی فرض کو مشکوک خوف کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں۔ ہم نے کہا: آپ کے قول میں تناقض ہے آپ نے کہا: سردی سے تلف ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر لے، پس جس طرح تلف ہونے کے خوف سے تیمم مباح ہے اسی طرح مرض کا خوف تیمم کو مباح کرتا ہے، کیونکہ مرض سے بچاؤ ضروری ہے جس طرح تلف سے بچاؤ ضروری ہے۔ فرمایا: امام شافعی پر تعجب ہے فرماتے ہیں: اگر پانی اپنی قیمت سے ایک حبہ (دانہ) زائد پر ملے تو اس کا خریدنا لازم نہیں تا کہ مال محفوظ رہے اور اسے تیمم کرنا لازم ہے جب کہ یہاں اسے اپنے بدن پر مرض کا خوف ہے۔ یہ ان کا ایسا کلام نہیں ہے جس کا سننا درست ہو(3)۔

میں کہتا ہوں: قشیری ابونصر عبدالرحیم نے اپنی تفسیر میں امام شافعی کا صحیح قول ذکر کیا ہے۔ وہ مرض جس کے لیے تیمم مباح ہوتا ہے وہ ہے جس میں روح کے فوت ہونے یا بعض اعضاء کے ضائع ہونے کا خوف ہو اگر وہ پانی استعمال کرے۔ اور اگر

1۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 177	2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 58	3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 441

مرض کے لمبے ہونے کا خوف ہو تو صحیح قول امام شافعی کا یہ ہے کہ اس کے لیے تیمم جائز ہے۔ ابوداؤد اور دارقطنی نے یحییٰ بن ایوب عن یزید بن ابی حبیب عن عمران بن ابی انس عن عبدالرحمٰن بن جبیر عن عمرو بن العاص کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے کہا: مجھے غزوہ ذات السلاسل میں ایک ٹھنڈی رات کو احتلام ہو گیا مجھے ڈر لگا کہ اگر میں غسل کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا، میں نے تیمم کیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی، پس انہوں نے اس کا ذکر رسول الله ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! ''تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی حالت میں نماز پڑھا دی ہے''؟ میں نے غسل نہ کرنے کی وجہ عرض کی اور میں نے کہا: میں نے الله تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا ہے: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ نبی کریم ﷺ ان کی بات سن کر مسکرا دیئے اور اسے کچھ بھی نہ فرمایا(1)۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ خوف کی حالت میں تیمم مباح ہے اگرچہ یقین نہ بھی ہو۔ اس میں تیمم پر جنبی اسم کا اطلاق ہے اور اس میں یہ بھی جواز ہے کہ وضو کرنے والوں کو تیمم کرنے والا نماز پڑھا سکتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور یہ صحیح ہے۔ امام مالک نے اس کو موطا میں پڑھا ہے، موت تک اس پر آپ پر پڑھا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نماز نہ پڑھائے، کیونکہ وہ وضو کرنے والے سے فضیلت میں کم ہے اور امام کا حکم یہ ہے کہ وہ اعلیٰ مرتبہ ہو۔ دارقطنی حضرت جابر بن عبدالله کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا رسول الله ﷺ نے فرمایا: تیمم کرنے والا، وضو کرنے والوں کو نماز نہ پڑھائے۔ اس کی سند ضعیف ہے(2)۔ ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم ایک سفر میں نکلے ہم میں سے ایک شخص پر پتھر لگا اور اس کا سر زخمی کر دیا پھر اس زخمی کو احتلام ہو گیا اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم میرے لیے تیمم میں رخصت دیکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم تیرے لیے رخصت نہیں پاتے جب کہ تو پانی پر قدرت رکھتا ہے۔ اس شخص نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو ہم نے آپ کو بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہوں نے اسے قتل کیا ہے الله انہیں قتل کرے''۔ انہوں نے کیوں نہ پوچھا جب وہ جانتے نہ تھے؟ جہالت کی شفا سوال ہے، اسے تیمم کرنا کافی تھا اور زخم پر پٹی باندھنا، پھر اس پر مسح کرنا اور اپنے پورے جسم کو دھونا کافی تھا۔

دارقطنی نے کہا: حضرت ابوبکر نے کہا: یہ سنت ہے اس کے ساتھ اہل مکہ منفرد ہیں اور اہل جزیرہ نے اسے حاصل کیا اور اس کو عطا عن جابر کے سلسلہ سے زبیر بن خریق کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کیا اور وہ قوی نہیں ہے۔ اوزاعی نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس نے یہ عطا سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اور یہی درست ہے۔ اوزاعی سے مختلف صورتوں میں مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: اوزاعی عن عطاء۔ بعض نے فرمایا: اوزاعی سے مروی ہے کہ مجھے عطا سے یہ خبر پہنچی۔ آخر میں اوزاعی نے عطا سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کی ہے اور یہی درست ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے ابی اور ابوزرعہ سے اس کے متعلق پوچھا تو ان دونوں نے کہا: اس کو ابن ابی العشرین نے اوزاعی سے انہوں نے اسماعیل بن مسلم سے انہوں نے عطا سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ حدیث کو مسند ذکر فرمایا(3)۔ داؤد نے فرمایا: ہر شخص جس پر مریض کا اطلاق ہوتا ہو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے، کیونکہ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ

1۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 178 2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 185 3۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 190

مَّرْضٰی (اگر تم بیمار ہو) ابن عطیہ نے کہا: یہ ایسا قول ہے جس کی مخالفت کی گئی ہے۔ علماء امت کے نزدیک تیمم اس کے لیے جائز ہے جس کو پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ ہو یا پانی کا استعمال اسے اذیت دیتا ہو جیسے مجدور اور محصوب شخص۔ اور وہ دوسری بیماریاں جن پر پانی کے استعمال میں خوف ہوتا ہے (1) جیسا کہ حضرت ابن عباس سے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلٰی سَفَرٍ، سَفَرٍ کے سبب تیمم جائز ہے خواہ سفر لمبا ہو یا مختصر ہو جب کہ پانی موجود نہ ہو۔ ایسے سفر کی کوئی شرط نہیں جس میں نماز قصر کی جاتی ہے۔ یہ امام مالک اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ ایک قوم نے کہا: وہ تیمم نہ کرے مگر اس سفر میں جس میں نماز قصر کی جاتی ہے اور دوسرے علماء نے سفر طاعت کی شرط لگائی ہے یہ تمام اقوال ضعیف ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ سفر میں تیمم کے جواز پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور حضر میں علماء کا تیمم کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ تیمم سفر و حضر میں جائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: صحیح مقیم کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ اسے تلف ہونے کا اندیشہ ہو یہی قول طبری کا ہے۔ امام شافعی، لیث اور طبری نے کہا: جب حضر میں پانی نہ ہو اور وقت کے ختم ہونے کا خوف بھی ہو تو صحیح اور بیمار تیمم کرے اور نماز پڑھے اور پھر نماز کا اعادہ کرے۔ ابو یوسف اور زفر نے کہا: حضر میں تیمم کرنا جائز نہیں نہ مرض کے لیے، نہ خوف وقت کے لیے۔ حسن اور عطا نے کہا: مریض تیمم نہ کرے جب وہ پانی پائے اور غیر مریض تیمم کرے اس اختلاف کا سبب آیت کے مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور ان کے متبعین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تیمم کی شرط میں مریضوں اور مسافروں کا ذکر کیا ہے، کیونکہ اغلب طور پر یہ وہ لوگ ہیں جو پانی نہیں پاتے جب کہ مقیم لوگ اغلب طور پر پانی پاتے ہیں اسی وجہ سے ان پر نص نہیں فرمائی۔ ہر وہ شخص جو پانی نہ پائے یا پانی کا استعمال اسے مانع ہو یا اسے نماز کے وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مسافر نص کی وجہ سے تیمم کرے اور مقیم معنی کی وجہ سے تیمم کرے، اسی طرح مریض نص کی وجہ سے تیمم کرے اور صحیح معنی کی وجہ سے تیمم کرے، اسی طرح مریض نص صریح کی وجہ سے تیمم کرے اور صحیح معنی کی وجہ سے۔ اور جنہوں نے حضر میں تیمم سے منع کیا ہے انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت مریض اور مسافر کے لیے رکھی ہے جس طرح روزہ کا افطار اور نماز کی قصر بیمار اور مسافر کے لیے ہے اور تیمم صرف دو شرطوں کے ساتھ مباح ہے اور وہ مرض اور سفر ہیں صحیح مقیم اس میں داخل نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شرط سے خارج ہے۔ رہا حسن اور عطا کا قول وہ پانی کے ہوتے ہوئے تمام لوگوں کو تیمم کرنے سے منع کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پانی نہ ہونے کی شرط لگائی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا تیمم کسی کے لیے مباح نہیں فرمایا مگر پانی کے نہ ہونے کے وقت۔ ابو عمرو نے کہا: اگر جمہور کا قول نہ ہوتا اور مروی اثر نہ ہوتا تو حسن اور عطا کا قول صحیح ہوتا۔ واللہ اعلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کے لیے تیمم جائز فرمایا جب کہ وہ مسافر تھے، کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ پانی سے غسل کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے، پس مریض تیمم کا زیادہ مستحق ہے۔ میں کہتا ہوں:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 58

حضر میں تیمم کے جواز پر دلیل کتاب وسنت ہے جب کہ نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو جب وہ پانی کی طرف جائے۔

کتاب اللہ میں یہ ارشاد ہے: اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ یعنی مقیم جب پانی نہ پائے تو تیمم کرے۔ اس پر قشیری عبدالرحیم نے نص قائم کی انہوں نے کہا: قضا کے وجوب میں نظر قطعی ہے، کیونکہ حضر میں پانی کا عدم نادر عذر ہے اور قضا میں دو قول ہیں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے اصحاب نے اس شخص کے بارے میں اسی طرح واضح فرمایا ہے جو حضر میں تیمم کرتا ہے۔ پس کیا جب وہ پانی پالے گا تو وہ نماز کا اعادہ کرے گا؟ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا اور یہی صحیح ہے۔ ابن حبیب اور محمد بن عبدالحکم نے فرمایا: وہ اعادہ کرے گا۔ یہ ابن المنذر نے امام مالک سے روایت کیا ہے اور ولید نے ان سے روایت کیا ہے کہ وہ غسل کرے اگرچہ سورج طلوع بھی ہو جائے۔

اور رہی سنت تو اس میں بخاری کی روایت ہے جو انہوں نے ابوالجہیم بن حارث صمۃ انصاری سے روایت کی ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ بئر جمل کی طرف سے آئے انہیں ایک شخص ملا اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ دیوار پر آئے، اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا پھر اسے سلام کا جواب دیا (1)۔ اس کو مسلم نے بھی نقل کیا ہے، اس میں بئر کا لفظ نہیں ہے۔ اس کو دارقطنی نے حضرت ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا ہے اس میں ہے ثم رد علی الرجل السلام۔ یعنی پھر اس شخص پر سلام لوٹایا اور فرمایا: ''مجھے تجھ پر سلام لوٹانے سے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر میں باوضو نہ تھا'' (2)۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ، الْغَآىِٕطِ کا اصل معنی زمین کی پست جگہ ہے اور اس کی جمع الغیطان یا الاغواط آتی ہے، اسی وجہ سے غوطۃ دمشق کہتے ہیں۔ عرب قضاء حاجت کے لیے پست جگہ کا قصد کرتے تھے تاکہ لوگوں کی نظروں سے چھپ جائیں انسان سے نکلنے والے حدث کو بھی اتصال کی وجہ سے الغائط کہتے ہیں۔ غاط فی الارض یغوط بولا جاتا ہے زمین میں کوئی چیز غائب ہو جائے۔ زہری نے اسے الغیط سے مشتق کیا ہے۔ یہ احتمال ہے کہ اس کی اصل الغیط ہو پھر تخفیف کی گئی ہو۔ الغوط کی واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا۔ جس طرح لاحول میں لاحیل کہتے ہیں۔ اور او بمعنی واؤ ہے یعنی اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو اور تم میں سے کوئی پاخانہ سے آئے تو تیمم کرے پس تیمم کا موجب سبب حدث ہے نہ کہ مرض اور سفر۔ پس یہ حضر میں تیمم کے جواز کی دلیل ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور ''او'' میں صحیح یہ ہے کہ یہ اہل نظر کے نزدیک اپنے معنی میں ہے۔ ''او'' کا اپنا معنی ہے اور واؤ کا اپنا معنی ہے۔ یہ ان کے نزدیک حذف پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ اگر تم ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں تم پانی کو چھونے پر قدرت نہیں رکھتے یا سفر پر ہو اور پانی نہ پاؤ اور تمہیں پانی کی ضرورت ہو۔

مسئلہ نمبر 25۔ الغائط کا لفظ طہارت صغریٰ کو توڑنے والے تمام احداث کو شامل ہے۔ علماء کا ان احداث کے حصر میں اختلاف ہے۔ ان کے بارے میں عمدہ قول جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تین اقسام ہیں، ہمارے مذہب میں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے (۱) عقل کا زائل ہونا (۲) جسم سے عادۃً خارج ہونے والی اشیاء (۳) عورت کو چھونا۔ اور امام ابوحنیفہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 48

2۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 177

کے نزدیک جسم سے جو نجاست خارج ہوتی ہے۔ امام صاحب مخرج کی رعایت نہیں رکھتے اور لمس کو بھی ناقض وضو نہیں سمجھتے۔
اور امام شافعی اور محمد بن عبد الحکم کے مذہب پر وہ چیز جو سبیلین (شرمگاہیں) سے خارج ہو۔ وہ بھی معتاد کی رعایت نہیں کرتے اور یہ لمس کو ناقض شمار کرتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو جان لے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس کی عقل، اغماء یا جنوں یا سکر (نشہ) کی وجہ سے زائل ہو جائے اس پر وضو ہے اور نیند کے بارے میں اختلاف ہے کیا وہ دوسرے احداث کی طرح حدث ہے یا حدث نہیں ہے یا حدث کے گمان کی جگہ ہے؟ تین اقوال ہیں دو اطراف اور ایک وسط۔

طرف اول: مزنی ابو ابراہیم اسماعیل کا خیال ہے کہ نیند حدث ہے۔ دوسرے احداث کی طرح نیند کم ہو یا زیادہ اس کی وجہ سے وضو واجب ہوتا ہے۔ امام مالک کے قول کا مقتضیٰ بھی یہی ہے انہوں نے فرمایا: وہ وضو نہ کرے مگر اس حدث کی وجہ سے جو ذکر، دبر سے نکلے یا نیند کی وجہ سے۔ حضرت صفوان بن عسال کی حدیث کا مقتضیٰ بھی یہی ہے، نسائی، دارقطنی، ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے (1)۔ اور تمام سے عاصم بن ابی النجود کی حدیث سے زر بن حبش سے روایت کیا ہے فرمایا: میں صفوان بن عسال مرادی کے پاس آیا، میں نے کہا: میں آپ سے خفین پر مسح کے متعلق پوچھنے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت صفوان نے فرمایا: ہاں میں ایک لشکر میں تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خفین پر مسح کرنے کا حکم دیا جب ہم پاؤں دھو کر ان میں داخل کریں جب سفر میں ہوں تو تین دن مسح کریں اور جب مقیم ہوں تو ایک دن مسح کریں اور ہم پیشاب، پائخانہ اور نیند کی وجہ سے خفین کو نہ اتاریں مگر جنابت کی وجہ سے۔ اس حدیث میں اور امام مالک کے قول میں الغائط، البول اور النوم میں برابری ہے۔ علماء نے فرمایا: قیاس یہ ہے کہ نیند جب زیادہ ہو اور عقل پر غالب آ جائے تو وہ حدث ہوتی ہے پس کم نیند کا بھی یہی حکم ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دُبر کا دھاگہ آنکھیں ہیں پس جب کوئی سو جائے تو وہ وضو کرے" (2)۔ یہ حکم عام ہے۔ اس کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ دارقطنی نے حضرت معاویہ بن سفیان کی حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔

دوسری طرف۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے وہ دلیل ہے کہ نیند ان کے نزدیک کسی حال میں بھی حدث نہیں ہے حتیٰ کہ سونے والے کو نیند کے علاوہ کوئی حدث لاحق ہو جائے، کیونکہ وہ اس کے سپرد ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے جب وہ سو جاتا ہے۔ اگر اس سے حدث نہ نکلے تو وہ نیند سے اٹھے اور نماز پڑھے۔ عبیدہ، سعید بن مسیب، اوزاعی اور ایک روایت میں محمود بن خالد سے یہ مروی ہے۔ جمہور علماء ان دونوں اطراف کے مخالف ہیں۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ ہر سونے والا جو نیند کی وجہ سے بوجھل ہو جائے اور اس کی نیند لمبی ہو جائے تو اس پر وضو واجب ہے خواہ نیند کی حالت میں بھی ہو۔ یہی قول زہری، ربیعہ، اوزاعی اور ایک روایت میں ولید بن مسلم کا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اگر نیند ہلکی پھلکی ہو اس کے دل پر غالب نہ آئے تو وہ مضر نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: وضو نہیں ہے مگر اس پر جو پہلو کے بل سو جائے یا سرین کے بل سو

1۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات عن الرسول۔ ایضاً حدیث نمبر 3458، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، جلد 1، صفحہ 27

جائے۔ امام شافعی نے فرمایا: جو بیٹھے ہوئے سو جائے اس پر وضو نہیں۔ ابن وہب نے امام مالک سے یہی روایت کیا ہے۔ ان اقوال میں سے صحیح امام مالک کا مشہور مذہب ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات عشاء کی نماز سے مشغول رہے آپ نے اسے مؤخر کر دیا حتیٰ کہ ہم مسجد میں سو گئے، پھر ہم بیدار ہوئے، پھر سو گئے پھر بیدار ہوئے، پھر ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پھر فرمایا: ''اہل زمین میں سے کوئی ایسا نہیں جو تمہارے علاوہ نماز کا انتظار کر رہا ہو۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے(1)'' اور یہ لفظ بخاری کے ہیں اور اسناد اور عمل کی جہت سے اس باب میں یہ حدیث واضح ہے۔ رہا موطا میں امام مالک کا قول اور حضرت صفوان بن عسال کا قول ان کی حدیث میں ان کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بھاری نیند جو نفس پر بھاری ہو جائے۔ اس حدیث کی دلیل کی وجہ سے اور اس کے ہم معنی احادیث کی وجہ سے یہی معنی مناسب ہے۔ حضرت صفوان کی حدیث کو وکیع نے مسعر سے انہوں نے عاصم بن ابی النجود سے روایت کیا ہے اس میں او نوم کی جگہ او ریح کے الفاظ ہیں۔ دارقطنی نے کہا: وکیع عن مسعر کے علاوہ کسی نے اس حدیث میں او ریح کے الفاظ روایت نہیں کیے۔

میں کہتا ہوں: وکیع امام ہے، ثقہ ہے۔ بخاری، مسلم اور دوسرے ائمہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، پس حدیث حضرت صفوان سے اس شخص کا استدلال ساقط ہو گیا جس نے کہا کہ نیند حدث ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ضعیف ہے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے جب کہ آپ سجدہ میں تھے حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے پھر آپ اٹھے اور نماز پڑھی۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ تو سو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وضو اس پر ہے جو پہلو کے بل سو جائے جب وہ پہلو کے بل سو جائے گا تو اس کے مفاصل ڈھیلے ہو جائیں گے''۔ ابو خالد، قتادہ سے روایت کرنے میں اس میں منفرد ہے اور یہ صحیح نہیں ہے(2)۔ یہ دارقطنی کا قول ہے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور یہ قول کہ ''وضو اس پر ہے جو پہلو کے بل سو جائے(3)'' یہ حدیث منکر ہے، اس کو ابو یزید دالانی کے علاوہ قتادہ سے کسی نے روایت نہیں کیا اس کا ابتدائی حصہ ایک جماعت نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس میں سے کوئی چیز ذکر نہیں فرمائی۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ قتادہ کے ثقہ اصحاب میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا۔ ابو خالد الدلانی اس میں منفرد ہے، علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور جو کچھ ان سے نقل کیا گیا ہے وہ حجت نہیں ہے۔ رہا امام شافعی کا قول کہ ہر سونے والے پر وضو ہے مگر جو تنہا بیٹھا ہو اور ہر وہ شخص جو استوا کی حد سے زائل ہو جائے اور سو جائے تو اس پر وضو ہے۔ یہ طبری اور داؤد کا قول ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ بیٹھنے والا نیند سے بوجھل نہیں ہوتا وہ خفیف نیند کے معنی میں ہوتا ہے اور دارقطنی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بیٹھ کر سو جائے اس پر وضو نہیں ہے اور جس نے پہلو رکھا اس پر وضو ہے''(4)۔ رہا خارج ہونے والا عارضہ تو ہم کہتے ہیں امام

1۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 81　2۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 160

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 27۔ ایضاً، حدیث نمبر 173، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 161

بخاری نے حدثنا قتیبہ قال حدثنا یزید بن زریع عن خالد عن عکرمہ عن عائشہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک زوجہ محترمہ نے اعتکاف کیا، اس نے خون اور زردی دیکھی جب کہ تھال ان کے نیچے تھا اور وہ نماز پڑھ رہی تھی (1)، یہ نکلنے والا مواد غیر معتاد تھا، یہ ایک رگ تھی جو مرض کی وجہ سے پھٹ گئی تھی، جو اس طرح سبیلین سے نکلے ہمارے نزدیک اس کی وجہ سے وضو واجب نہیں ہوتا، جب کہ امام شافعی کا قول اس کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور ہماری توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حنفی پر رد ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ نجس خارج کی رعایت کرتا ہے پس امام مالک بن انس کا مذہب واضح اور صحیح ہے نفس میں کوئی تردد نہیں۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ، نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، عاصم اور ابن عامر نے لامستم پڑھا ہے، حمزہ اور کسائی نے لمستم پڑھا ہے (2)۔ اس کے معنی میں تین اقوال ہیں (۱) تم جماع کرو (۲) تم مباشرت (جسم کا جسم کو چھونا) کرو (۳) یہ دونوں امر جمع ہوں۔ اور اکثر علماء کے نزدیک لامستم کا بھی یہی معنی ہے مگر محمد بن یزید سے حکایت کیا جاتا ہے کہ اس نے کہا: لغت میں لامستم کا معنی قبلتم تم نے بوسہ دیا یا اس کی مثل کوئی فعل ہے، کیونکہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے فعل ہوتا ہے اور فرمایا: لمستم کا معنی چھا جانا اور جماع کرنا ہے، اس میں عورت کے لیے کوئی فعل نہیں ہے۔

علماء کے اس آیت کے حکم میں پانچ مذاہب ہیں (۱) ایک جماعت نے کہا: یہاں ملامست، ہاتھ کے ساتھ چھونے کے ساتھ مختص ہے اور جنبی کا ذکر نہیں ہے مگر پانی کے ساتھ معنی مراد میں وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى کی وجہ سے وہ اس میں داخل نہیں پس اسے تیمم کی کوئی گنجائش نہیں وہ غسل کرے گا یا نماز کو چھوڑ دے گا حتیٰ کہ وہ پانی پالے گا۔ یہ قول حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے۔ ابو عمر نے کہا: حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ کے قول کے ساتھ اس مسئلہ میں کسی مجتہد اور حاملین آثار میں سے کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔ اس کی وجہ حضرت عمار، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوذر کی حدیث ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنبی کے تیمم کے بارے مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس قول کے برعکس قول کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ملامست سے مراد یہاں جماع ہے پس جنبی تیمم کرے گا اور ہاتھ کے ساتھ چھونے والے کا یہاں کوئی ذکر نہیں اور ہاتھ کے ساتھ چھونا نہ حدث ہے، نہ وضو کے لیے ناقص ہے۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو لذت کے لیے بوسہ دے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا (3) اور انہوں نے اس کو تائید دارقطنی کی حضرت عائشہ کی روایت سے دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو بوسہ دیتے تھے پھر نماز کے لیے نکلتے تھے اور وضو نہیں فرماتے تھے۔ عروہ نے کہا: میں نے کہا: وہ نہیں ہوگی مگر تم؟ تو حضرت عائشہ ہنس پڑیں (4)۔ امام مالک نے کہا: جماع کرنے والا تیمم کرے گا اور جب ہاتھ سے چھوئے جب کہ لذت محسوس کرے تو تیمم کرے گا اور جب بغیر شہوت کے چھوئے گا تو اس پر وضو نہیں ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ یہی آیت کا مقتضی ہے۔ علی بن زیاد نے کہا: اگر عورت پر موٹا کپڑا ہو تو مرد پر کچھ نہیں ہے، اگر باریک کپڑا ہو تو مرد پر وضو ہے۔ عبد الملک بن

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحیض، جلد 1، صفحہ 45
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 58
3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 59
4۔ سنن دارقطنی، کتاب الوضو، جلد 1، صفحہ 138

الماجشون نے کہا: جس نے اپنی بیوی کو ملاعبت کے لیے چھوا تو وہ وضو کرے خواہ لذت محسوس ہو یا نہ ہو۔ القاضی ابو الولید الباجی نے ''المنتقیٰ'' میں فرمایا: امام مالک اور ان کے اصحاب کے مذہب کی تحقیق یہ ہے کہ وضو لذت کے قصد کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں اور جس نے چھونے سے لذت کا قصد کیا اس پر وضو واجب ہے، اس سے اسے لذت آئے یا لذت نہ آئے یہی معنی ہے جو ''العتبیہ'' میں عیسیٰ عن ابن القاسم کی روایت سے ہے۔ اور صرف حرکت کا ہونا تو ابن نافع نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس پر وضو واجب نہیں ہوتا اور ذکر کا دھونا بھی نہیں ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ لمس یا مذی ہو۔ شیخ ابو اسحاق نے کہا: اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ یہی قول امام مالک کا ''مدونہ'' میں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب مرد اپنے جسم کو عورت کے جسم کے ساتھ لگائے خواہ وہ ہاتھ ہو یا کوئی اور عضو ہو تو اس کی طہارت ٹوٹ جائے گی۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، زہری اور ربیعہ کا یہی قول ہے۔ اوزاعی نے کہا: جب ہاتھ کے ساتھ لمس ہو تو طہارت ٹوٹ جائے گی اور اگر بغیر ہاتھ کے ہو تو طہارت نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلمسوہ بایدیھم یہ پانچ مذاہب ہیں۔ ان میں سے مضبوط امام مالک کا مذہب ہے اور یہ حضرت عمر اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ ملامست جماع کے علاوہ ہے اور اس سے وضو واجب ہوتا ہے اس کی طرف کثیر علماء کی رائے ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہی آیت کے معنی سے ظاہر ہے، کیونکہ اس آیت کی ابتدا میں ہے: وَ لَا جُنُبًا۔ یہ جماع کا فائدہ دیتا ہے اور اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ یہ حدث کا فائدہ دیتا ہے اور لامستم، لمس اور بوسہ دینے کا فائدہ دیتا ہے پس یہ تین جملے تین احکام کے لیے ہیں یہ علم اور اعلام میں غایت ہے۔ اگر لمس سے مراد جماع ہوتا تو کلام میں تکرار ہوتا (1)۔

میں کہتا ہوں: امام ابو حنیفہ نے جس حضرت عائشہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ مرسل ہے اس کو وکیع نے اعمش سے انہوں نے حبیب بن ابی ثابت سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید نے کہا: اعمش عن حبیب عن عروہ کی حدیث کو ذکر کیا اور فرمایا: سفیان ثوری اس کو تمام لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے۔ انہوں نے کہا: حبیب نے عروہ سے کچھ نہیں سنا ہے۔ یہ دارقطنی نے کہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ تم مرسل کو بیان کرتے ہو تمہیں اس کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ ہم کہتے ہیں ہم نے آیت کے ظاہر اور صحابہ کے عمل کی وجہ سے اس حدیث کو چھوڑ دیا۔ اگر کہا جائے کہ ملامست سے مراد جماع ہے اور یہ حضرت ابن عباس سے مروی بھی ہے۔ ہم کہیں گے ان کی حضرت عمر، حضرت ابن عمر نے مخالفت کی ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود جو کوفی ہیں انہوں نے بھی حضرت عمر اور حضرت ابن عمر کی متابعت کی ہے پھر تم کیوں ان کی مخالفت کرتے ہو؟ اگر کہا جائے کہ ملامستہ باب مفاعلہ ہے اور باب مفاعلہ دو آدمیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ہاتھ سے چھونا تو ایک شخص کی طرف سے ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ ملامست سے مراد جماع ہے۔ ہم کہیں گے ملامست کا مقتضیٰ دونوں جسموں کا ملانا ہے خواہ وہ ایک کی طرف سے ہو یا دونوں کی طرف سے ہو، کیونکہ ان میں سے ہر ایک لامس اور ملموس ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ملامست کبھی ایک کی طرف سے بھی ہوتی ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسہ سے منع

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 444

فرمایا۔ کپڑا ملموس (چھوا گیا) ہوتا ہے لامس (چھونے والا) نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عمر نے اپنے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: انا یومئذ قد ناھزت الاحتلام (میں اس وقت قریب البلوغ تھا) اس میں باب مفاعلہ ایک کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حدث کا سبب ذکر فرمایا اور وہ ہے پاخانہ سے آنا تو جنابت کا سبب بھی ذکر فرمایا اور وہ ہے ملامست۔ پس پانی کے نہ ہونے کے وقت حدث اور جنابت کا حکم بیان فرمایا جس طرح کہ پانی کے موجود ہونے کے وقت ان دونوں کا حکم بیان فرمایا۔ تو ہم کہیں گے ہم لفظ کو جماع اور لمس پر محمول کرنے سے منع نہیں کرتے۔ یہ دونوں حکموں کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور لمستم بھی پڑھا گیا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ رہا امام شافعی کا مذہب کہ جو عورت کو اپنے بعض اعضاء سے چھوئے جب کہ اس کے اور عورت کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو شہوت کے لیے ہو یا بغیر شہوت کے ہو اس پر وضو واجب ہے۔ یہ قرآن کا ظاہر ہے۔ اس طرح اگر عورت نے مرد کو چھوا تو پھر بھی مرد پر وضو واجب ہے لیکن بالوں کو چھوا تو وضو واجب نہ ہوگا، کیونکہ جس نے عورت کے بالوں کو چھوا اس پر وضو نہیں خواہ اس نے شہوت سے چھوا ہو یا بغیر شہوت کے۔ اسی طرح دانتوں اور ناخنوں کو چھونے کا حکم ہے، کیونکہ یہ جسم کے مخالف ہیں اگر احتیاطاً بالوں کو چھونے والا وضو کر لے تو اچھا ہے۔ اگر مرد نے ہاتھ سے چھوا یا عورت نے مرد کو اپنے ہاتھ سے چھوا کپڑے کے اوپر سے، پھر لذت محسوس کی یا لذت محسوس نہ کی تو اس پر کچھ نہیں ہوگا حتیٰ کہ دوسرے جسم تک جسم کو پہنچائے، خواہ عمداً ایسا کرے یا بھول کر کرے، عورت زندہ ہو یا مردہ ہو جب کہ وہ اجنبیہ ہو۔ جب کوئی چھوٹی بچی کو چھوئے یا بوڑھی کے ہاتھ سے چھوئے یا اپنی کسی محرم عورت کو چھوئے جس سے اس کا نکاح حلال نہیں ہے، اس کے متعلق ان کا قول مختلف ہے۔ کبھی فرمایا: وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔ اس میں بچی، بوڑھی کی کوئی تفریق نہیں فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ ان میں شہوت کا کوئی دخل نہیں۔ مروزی نے کہا: امام شافعی کا قول ظاہر کتاب کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔ شہوت اور غیر شہوت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اسی طرح جن صحابہ نے وضو کو واجب کہا ہے انہوں نے بھی شہوت کی شرط نہیں لگائی۔ فرمایا: یہی عام تابعین کا قول ہے۔ مروزی نے کہا: امام مالک جو کپڑے کے اوپر سے لذت اور شہوت کی رعایت کرتے ہیں اور وضو کو واجب کرتے ہیں اس پر ان کی موافقت لیث بن سعد نے کی ہے۔ ہم نہیں جانتے ان کے علاوہ کسی نے ایسا کہا ہو۔ فرمایا: یہ نظر میں بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ جس نے ایسا کیا وہ عورت کے کپڑے کو چھونے والا ہے۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ اگر چھونے سے اسے لذت محسوس ہو تو اس پر وضو واجب نہیں اسی طرح کپڑے کے اوپر سے جس نے چھوا وہ عورت کو چھونے والا نہیں۔ میں کہتا ہوں: مروزی نے جو ذکر کیا ہے کہ امام مالک کی صرف لیث بن سعد موافقت کرنے والے ہیں۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ یہی قول اسحاق اور امام احمد کا ہے۔ امام شعبی اور امام نخعی سے بھی یہ روایت کیا گیا ہے۔ یہ تمام علماء کہتے ہیں: جب چھوئے اور لذت محسوس ہو تو وضو واجب ہے اگر لذت محسوس نہ ہو تو وضو واجب نہیں رہا۔ یہ قول کہ نظر میں یہ صحیح نہیں۔ یہ بھی ان کا قول صحیح نہیں۔ حضرت عائشہ سے صحیح خبر میں آیا ہے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوئی تھی اور میرے پاؤں آپ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ سے اشارہ

کرتے تو میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو میں پھر پاؤں پھیلا دیتی، فرمایا: اس وقت گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے (1)۔ یہ نص ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو چھوتے تھے، کیونکہ آپ حضرت عائشہ کے پاؤں چھوتے، جیسا کہ قاسم کی روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے، ''جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کو چھوتے تو میں پاؤں سکیڑ لیتی (2)'' اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ یہ اَوْ لٰمَسْتُمُ کے قول کے عموم کو خاص کرتی ہے۔ آیت کے ظاہر کی وجہ سے ہر چھونے والے کا وضو ٹوٹ جانا واجب ہے خواہ وہ جیسے بھی چھوئے۔ سنت اور کتاب اللہ کا بیان ہے کہ وضو بعض چھونے والوں پر ہے اور بعض پر نہیں ہے اور جن پر وضو نہیں ہے وہ ایسے افراد ہیں جو لذت محسوس نہ کریں اور نہ لذت کا قصد کریں۔ اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ شاید حضرت عائشہ کے قدموں پر کپڑا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے پاؤں کو اپنی آستین ماری ہو۔ ہم کہیں گے الغمز کی حقیقت ہاتھ مارنا ہے۔ اسی سے ہے: غمزت الکبش۔ یعنی تو مینڈھے کو روک لیتا ہے تاکہ تو دیکھے کہ کیا وہ موٹا ہے یا نہیں؟ آستین کے ساتھ مارنا غمز نہیں کہلاتا۔ عام طور پر سونے والے آدمی کا پاؤں ظاہر ہوتا ہے خصوصاً اس کے پاؤں لمبے کرنے اور اس کو سکیڑنے کی حالت میں۔ یہی حالت اس وقت بھی تھی۔ کیا آپ نے حضرت عائشہ کا عمل ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جب آپ کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ ٹانگیں پھیلا دیتیں اور آپ کا قول کہ ''اس وقت گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے''۔ حضرت عائشہ سے صراحۃً مروی ہے فرماتی ہیں میں اپنی ٹانگیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمت کیے ہوئے ہوتی تھی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے اپنا ہاتھ مارتے تو میں ٹانگیں سکیڑ لیتی جب آپ کھڑے ہوتے تو اپنی ٹانگیں پھیلا دیتی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غمز حقیقت میں ہاتھ کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا میں نے آپ کو تلاش کیا تو میرے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے بطن پر پڑے جب کہ آپ مسجد (سجدہ) میں تھے اور آپ کے پاؤں سیدھے کھڑے تھے (3)۔ (الحدیث) جب حضرت عائشہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ہاتھ رکھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کو لمبا کر دیا۔ یہ دلیل ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا مگر بعض چھونے والوں کا۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے قدموں پر کوئی چیز موجود ہو جیسا کہ مزنی نے کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قدم، قدم تب کہلاتا ہے جب کوئی چیز حائل نہ ہو حتیٰ کہ حائل ثابت ہو جائے۔ اصل یہی ہے کہ ہر چیز ظاہر پر محمول ہوتی ہے بلکہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے نص کی مانند مواد جمع ہو جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ امت کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو مجبور کرے اور مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ سے مل جائے جب کہ عورت کو لذت نہ ہوئی ہو یا وہ سوئی ہوئی ہو اور لذت محسوس نہ کرے اور اسے شہوت نہ ہو تب بھی عورت پر غسل واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جس نے شہوت کے ساتھ بغیر شہوت کے بوسہ دیا یا چھوا تو اس کی طہارت ٹوٹ گئی اور اس پر وضو واجب ہے، کیونکہ ٹٹولنے، چھونے اور بوسہ دینے میں فعل ہے نہ کہ لذت۔ ہم کہیں گے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اعمش وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے جس اجماع کا تم نے دعویٰ کیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 56 2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 74 3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 192

تاہم اس کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ اجماع سے استدلال محل نزاع ہے پس یہ لازم نہیں ہوگا اور ہم نے اپنے مذہب کی صحت پر احادیث صحیحہ سے استدلال کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا: جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ اس قول کی طرف پہلے کوئی نہیں گیا، حالانکہ ان کے شیخ امام مالک کا یہی قول ہے جیسا کہ ہمارے نزدیک مشہور ہے۔ ''جب حدیث صحیح ہے تو تم اس کو لازم پکڑو اور میرے قول کو چھوڑ دو''۔ جب حدیث اس کے متعلق ثابت ہے تو پھر تم اس کا اقرار کیوں نہیں کرتے پس تمہارے مذہب کے مطابق جو شخص اپنی بیوی کو مارے اور اسے ادب سکھانے کے لیے ہاتھ سے طمانچہ مارے اور اس پر سختی کرنے کے لیے ایسا کرے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ مقصود فعل کا وجود ہے۔ میری معلومات کے مطابق کوئی بھی ایسا نہیں کہتا۔ امام مالک اور دوسرے ائمہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاص کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے نماز پڑھی جب آپ رکوع فرماتے تو اسے اتار دیتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو اسے پھر سے اٹھا لیتے (1)۔ یہ امام شافعی کے ایک قول کا رد ہے جو انہوں نے کہا ہے کہ اگر کسی نے چھوٹی بچی کو چھوا تو اس کی طہارت ٹوٹ گئی آپ نے النساء کے لفظ سے دلیل پکڑی ہے۔ یہ ضعیف ہے، کیونکہ چھوٹی بچی کا چھونا دیوار کو چھونے کی مانند ہے اور ذوات المحارم کے بارے میں امام شافعی کا قول مختلف ہے، کیونکہ اس میں لذت کا اعتبار نہیں کرتے۔ ہم لذت کا اعتبار کرتے ہیں جہاں لذت پائی جائے گی وہاں حکم پایا جائے گا اور یہ وضو کا وجوب ہے۔ رہا اوزاعی کا قول کہ وہ خاص ہاتھ سے چھونے کا اعتبار کرتے ہیں، کیونکہ چھونا اکثر ہاتھ سے ہوتا ہے، پس اس نے ہاتھ سے چھونے کو خاص کیا ہے دوسرے اعضاء کا اعتبار نہیں کیا حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنے پاؤں اپنی عورت کے کپڑوں میں داخل کرے اور اس کی شرمگاہ یا اس کے بطن کو مس کرے تو اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور جو اپنی بیوی کو بوسہ دیتا ہے اس کے بارے میں فرمایا: اگر وہ مجھ سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آئے گا تو میں اسے وضو کرنے کو کہوں گا اور اگر وہ وضو نہیں کرے گا تو میں اس کو عیب نہیں لگاؤں گا۔ ابوثور نے کہا: اس پر وضو نہیں جس نے اپنی بیوی کو بوسہ دیا یا جسم سے جسم لگایا یا اسے چھوا۔ یہ امام ابوحنیفہ کے مذہب پر مسئلہ تخریج کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنی تم وہ اسباب نہ پاؤ جن کے ساتھ مسافر پانی پاتا ہے اور وہ یا تو سارے اسباب نہ پائے یا بعض اسباب نہ پائے یا اسے دوست کے فوت ہونے کا خوف ہو یا پانی طلب کرنے کی صورت میں سواری پر خوف ہو یا اسے چوروں یا درندوں کا خطرہ ہو یا وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو یا اپنے اوپر پیاس کا اندیشہ ہو یا دوسروں کی پیاس کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح اسے شوربا کی ضرورت ہو جو وہ اپنے نفس کی مصلحت کے لیے پکاتا ہے۔ ان مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت پائی جائے تو وہ تیمم کرے اور نماز پڑھے اور مریض کے لیے پانی کا نہ ہونا سمجھا جائے گا اگر وہ ایسا شخص نہ پائے جو اسے پانی دے یا اسے پانی کے استعمال سے نقصان کا خدشہ ہو اور صحیح مقیم کے لیے پانی کا نہ ہونا سمجھا جائے گا جب کہ وہ بہت مہنگا ملتا ہو اور یہ مہنگائی تمام صورتوں کو شامل ہے یا وہ مقیم شخص قید کیا گیا ہو یا باندھا گیا ہو۔ حسن نے کہا: آدمی اپنے تمام مال سے پانی کو خریدے اور خود مال سے محروم رہ جائے۔ یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ دین آسان

1۔ موطا امام مالک، کتاب جامع الصلوٰۃ، صفحہ 156

ہے۔ایک گروہ نے کہا: وہ شخص مال کے ساتھ پانی خریدے جب اسے قیمت سے تہائی یا کچھ زائد قیمت نہ دینی پڑے۔ایک طائفہ نے کہا: درہم کی قیمت کا پانی دو اور تین دراہم کے ساتھ خریدے۔ یہ تمام امام مالک کے مذہب میں اقوال ہیں۔اشہب سے پوچھا گیا: کیا ایک مشکیزہ دس دراہم میں خریدا جائے گا؟ انہوں نے کہا: میں لوگوں پر یہ تکلیف نہیں دیکھتا۔امام شافعی نے فرمایا: بغیر زیادہ قیمت کے خریدے۔

مسئلہ نمبر28۔علماء کا اختلاف ہے کہ کیا صحت تیمم میں پانی کا طلب کرنا شرط ہے یا نہیں؟ امام مالک کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ یہ شرط ہے۔یہی امام شافعی کا قول ہے۔قاضی ابو محمد بن نصر کا نظریہ ہے کہ پانی طلب کرنا صحت تیمم کے لیے شرط نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ان کے راستہ سے دو غلوۃ (600 سو ہاتھ سے لے کر 800 ہاتھ) تک کے فاصلے پر سفر میں پانی ہوتا تو وہ اپنے راستہ سے نہ پھرتے۔اسحاق نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی طلب کرنا لازم نہیں مگر اپنی جگہ میں (جہاں وہ ہے) اور انہوں نے حضرت ابن عمر کی حدیث ذکر کی ہے۔ پہلا قول اصح ہے۔اور مؤطا میں امام مالک کا مشہور مذہب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً۔ یہ ارشاد تقاضا کرتا ہے کہ تیمم کا استعمال کرنا جائز نہیں مگر پانی طلب کرنے کے بعد۔اور قیاس کی جہت سے بھی یہی درست ہے، کیونکہ یہ بدل ہے اس کا حکم دیا گیا ہے مبدل سے عجز کی صورت میں اور اس کا فعل جائز نہیں مگر مبدل کے یقینی طور پر نہ ہونے کے ساتھ جس طرح کفارہ میں غلام آزاد کرنے کے ساتھ روزہ ہے۔

مسئلہ نمبر29۔جب یہ ثابت ہو جائے گا اور پانی معدوم ہوگا تو مندرجہ ذیل صورتوں سے خالی نہ ہوگا۔مکلف وقت کے اندر پانی ملنے سے مایوس ہوگا یا اسے پانی ملنے کا گمان غالب ہوگا اور اسے پانی ملنے کی قوی امید ہوگی یا دونوں صورتیں برابر ہوں گی۔یہ تین احوال ہیں (۱) اس کے لیے اوّل وقت میں تیمم کرنا اور نماز پڑھنا مستحب ہے، لیکن جب پانی کی فضیلت فوت ہوگی تو اس کے لیے اوّل وقت کی فضیلت بچانا مستحب ہے۔

(۲) وقت کے درمیان تیمم کرے یہ امام مالک کے اصحاب نے امام مالک سے حکایت کیا ہے پس وہ پانی کی فضیلت کے ادراک کی امید پر نماز کو مؤخر کرے جب تک کہ پہلے وقت کی فضیلت فوت نہ ہو، کیونکہ پہلے وقت کی فضیلت درمیانے وقت میں پائی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ پہلے وقت کے قریب ہے

(۳) نماز کو آخر وقت میں پانی ملنے تک مؤخر کرے، کیونکہ پانی کی فضیلت اوّل وقت کی فضیلت سے اعظم ہے، کیونکہ اول وقت کی فضیلت مختلف فیہ ہے اور پانی کی فضیلت متفق علیہ ہے اور اوّل وقت کی فضیلت کا بغیر ضرورت کے ترک کرنا جائز نہیں اور پانی کی فضیلت کا ترک کرنا ضرورت کے لیے جائز ہے اور اس میں وقت، آخری وقت مختار ہے۔ یہ ابن حبیب کا قول ہے۔ اگر وقت کے آخر میں پانی کو پالینا جان لے پھر وقت کی ابتدا میں تیمم کرے اور نماز پڑھ لے تو ابن قاسم نے کہا: یہ جائز ہوگا اگر پانی پالے گا تو وقت میں اعادہ کرے گا۔عبدالملک بن الماجشون نے کہا: اگر پانی اس کے بعد پالے گا تو اعادہ کرے گا۔

مسئلہ نمبر30۔اس پانی کے پانے کا اعتبار ہوگا جو طہارت کے لیے کافی ہو، کیونکہ اگر کفایت سے کم پانی پائے تو تیمم

کرے اور جو تھوڑا سا پانی پائے اس کو وضو کے لیے استعمال نہ کرے۔ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کو فرض کیا ہے پانی یا مٹی۔ اگر پانی اتنا نہ ہو جو تیمم سے مستغنی کر دے تو اس پانی کا شرعاً موجود نہ ہونا سمجھا جائے گا، کیونکہ اس کے پائے جانے سے مراد اس کا کفایت کرنا ہے۔ امام شافعی نے دوسرے قول میں فرمایا: جو پانی موجود ہے اس کو استعمال کرے اور تیمم بھی کرے، کیونکہ وہ پانی پانے والا ہے اور تیمم کی شرط متحقق نہیں ہے، جب وہ اس کو استعمال کر دے گا تو پھر پانی مفقود ہو جائے گا اب وہ پانی نہ پانے والا ہوگا۔ امام شافعی کا قول اس صورت میں مختلف ہے جب کوئی شخص اپنے کجاوہ میں پانی بھول جائے اور تیمم کرے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ نماز کا اعادہ کرے، کیونکہ جب اس کے پاس پانی موجود تھا تو وہ پانی پانے والا تھا اس نے خود کوتاہی کی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نماز کا اعادہ نہ کرے یہ امام مالک کا قول ہے، کیونکہ اسے معلوم نہ تھا تو اس نے پانی (گویا) پایا ہی نہیں۔

مسئلہ نمبر 31۔ امام ابو حنیفہ نے متغیر پانی کے ساتھ وضو کرنا جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً (پانی نہ پاؤ) فرمایا: نکرہ نفی کے تحت آیا ہے اور لغت میں یہ عموم پر دلالت کرتا ہے پس یہ متغیر اور غیر متغیر پانی کے ساتھ وضو کے جواز میں مفید ہوگا اس لیے کہ متغیر پانی پر بھی ماء کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: نکرہ نفی کے تحت عموم پر دلالت کرتا ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں جس طرح تم کہتے ہو لیکن جنس میں اور یہ ہر پانی میں عام ہے خواہ وہ آسمان کا پانی ہو یا نہر کا پانی ہو یا میٹھا چشمہ ہو یا نمکین چشمہ ہو لیکن رہا جنس کے علاوہ تو وہ متغیر پانی ہے وہ اس میں داخل نہیں جس طرح بیگن اور پھول کا پانی اس میں داخل نہیں۔ پانیوں کا حکم سورۂ فرقان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 32۔ علماء کا اجماع ہے کہ وضو اور غسل پانی کے نہ ہونے کے وقت نبیذ کے علاوہ کسی مشروب سے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا اس کا رد کرتا ہے۔ اور وہ حدیث جس میں نبیذ سے وضو کرنے کا ذکر ہے اس کو حضرت ابن مسعود نے روایت کیا ہے وہ ثابت نہیں ہے، کیونکہ جو ابوزید نے روایت کیا ہے وہ مجہول ہے۔ حضرت عبداللہ کی صحبت سے معروف نہیں ہے یہ ابن المنذر وغیرہ کا قول ہے مزید بیان سورۃ الفرقان میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر 33۔ وہ پانی جس کی عدم موجودگی تیمم کو مباح کرتی ہے وہ ایسا پانی ہے جو پاک ہو، پاک کرنے والا ہو اور اپنے خلقی اوصاف پر باقی ہو۔ اور بعض علماء جنہوں نے قرآن کے احکام میں تالیفات کیں انہوں نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا تو اللہ تعالیٰ نے پانی کے ہر جز کے نہ ہونے کے وقت تیمم مباح فرمایا، کیونکہ یہ لفظ نکرہ ہے پانی کے ہر جز کو شامل ہے خواہ وہ کسی دوسری چیز سے ملا ہوا ہو یا اکیلا ہو۔ نبیذ تمر کو ماء کہنا ممنوع نہیں جب معاملہ اس طرح ہے تو کسی بھی پانی کے موجود ہوتے ہوئے تیمم جائز نہ ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور انہوں نے اخبار ضعیفہ سے استدلال کیا ہے جن کا ذکر سورۃ الفرقان میں آئے گا اور وہاں ان شاء اللہ پانی کے متعلق تفصیلی گفتگو ہوگی۔

مسئلہ نمبر 34۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَيَمَّمُوْا تیمم اس امت کے ساتھ خاص ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر وسعت کے لیے اس کی رخصت دی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمیں دوسرے لوگوں پر تین چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے (ا) ہمارے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا گیا ہے اور اس کی مٹی ہمارے لیے باعث طہارت بنائی گئی ہے'' (1)۔ آگے مکمل حدیث ذکر کی۔ اس کے نزول کا ذکر آ چکا ہے اور یہ ہار کے سبب سے رخصت ملی تھی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، وہ اسباب جو تیمم کو مباح کرتے ہیں ان کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اس کے لغوی اور شرعی معنی، اس کی صفت، اس کا طریقہ اور جن چیزوں کے ساتھ اور جن کے لیے تیمم کیا جائے گا اور کس کے لیے تیمم جائز ہے اور تیمم کی شرائط وغیرہ پر کلام ہوگی۔

تیمم کا لغوی معنی قصد کرنا ہے، تیممت الشئ کا معنی ہے میں نے فلاں کا قصد کیا۔ تیممت الصعید میں نے مٹی کا قصد کیا۔ تیممتہ برمحی و سھمی میں نے اپنے نیزے اور تیر کے ساتھ صرف اس کا قصد کیا۔

خلیل نے بطور استشہاد یہ شعر پڑھا ہے:

یممته الرّمح شزراً ثم قلت له　　هذی البَسَالة لالِعب الزّحالیقِ

خلیل نے کہا: جس نے اس بیت میں اممتہ کہا اس نے غلطی کی، کیونکہ اس نے کہا: شزراً اور الشزر ایک طرف سے ہوتا ہے اس کے ساتھ سامنے کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

امرؤالقیس نے کہا:

تیممتها من أذرِعاتٍ واهلُها　　بِیثرِب أدْنَ دارِها نظرٌ عالِ

امرءالقیس کا دوسرا شعر ہے:

تَیَممتِ العینَ التی عند ضارِجٍ　　یَفِیٔ علیها الظلُّ عَرَمَضُها طامِی(2)

ایک اور نے کہا:

إنِّی کذالك اذا ما ساء نی بلدٌ　　یممتُ بعیرِی غیره بلداً

اعشیٰ نے کہا:

تیممتُ قَیْسًا دکم دونه　　من الأرض من مَهْمَةٍ ذی شَزَنْ(3)

حمید بن ثور نے کہا:

سل الرّبعَ انّی یممتْ أمُّ طارقٍ　　وهل عادةٌ للرّبعِ أن یتکلّما

امام شافعی نے فرمایا:

عِلمی معِی حیثما یممتُ أحمِله　　بطنِی وعاءٌ له لا بطن صُندوق

ان تمام اشعار میں تیممت کا معنی قصد کرنا ہے۔

ابن السکیت نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا یعنی تم قصد کرو۔ پھر اس کلمہ کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا حتیٰ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 199　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 59، دار الکتب العلمیہ بیروت　　3۔ ایضاً

کہ تیمم چہرے اور ہاتھوں کا مٹی سے مسح کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ ابن الانباری نے کہا: عربوں کے قول میں تیمم الرجل کا معنی ہے مٹی سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا۔

میں کہتا ہوں: یہ تیمم شرعی ہے جب اس سے قربت مقصود ہو۔ یممت المریض فتیمم للصلاۃ۔ رجل مُیَمَّم۔ وہ شخص جو طلب کرے اس میں کامیاب ہو جائے۔ شیبانی سے مروی ہے:

إنا وجدنا أعْصُرَ بن سعد مُيَمَّم البيتِ رفيعَ المجدِ

ایک اور شاعر نے کہا:

أزْهَر لم يولَد بنَجْمِ الشُّحِّ مُيَمَّم البيت كريم السِّنْخِ

مسئلہ نمبر 35۔ لفظ تیمم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سورۂ بقرہ میں، سورۂ مائدہ میں اور اس سورۃ میں ذکر کیا ہے اور اس سورۃ میں یہ آیۃ التیمم ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا: یہ ایک مشکل مسئلہ ہے، میں نے کسی کے پاس اس کا حل نہیں پایا یہ دو آیتیں ہیں ان میں تیمم کا ذکر ہے۔ ایک سورۂ النساء میں ہے اور دوسری مائدہ میں ہے ہمیں معلوم نہیں حضرت عائشہ نے اپنے قول انزل اللہ آیۃ التیمم سے کونسی آیت مراد لی ہے۔ پھر فرمایا: حضرت عائشہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ تیمم اس سے پہلے معلوم نہ تھا اور نہ صحابہ اس پر عمل کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: ابوبکر ابن عربی کا یہ قول کہ ہم نہیں جانتے کہ حضرت عائشہ نے کون سی آیت مراد لی ہے۔ یہ یہی آیت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قاضی کا یہ کہنا کہ اس کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ اس سے پہلے تیمم معلوم نہ تھا اور اس پر عمل نہ تھا۔ یہ صحیح ہے سیرت نگاروں میں اس میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ غسل جنابت وضو سے پہلے فرض نہ تھا جس طرح کہ تمام سیرت نگاروں کے ہاں معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نماز مکہ میں فرض ہوئی تو آپ نے آج کے وضو کی طرح وضو کر کے نماز پڑھی۔ پس یہ دلیل ہے کہ وضو کی آیت نازل ہوئی، کیونکہ اس کا پہلا فرض قرآن میں متصل ہے اور فرمایا کہ آیت التیمم نازل ہوئی، آیت الوضوء نہیں فرمایا۔ یہ بیان ہے کہ اس وقت جو ان کو علم ہوا وہ تیمم کا حکم تھا نہ کہ وضو کا حکم تھا یہ بالکل واضح ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 36۔ تیمم ہر مکلف پر لازم ہوتا ہے جس پر نماز لازم ہوتی ہے جب پانی نہ ہو اور نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین اور مزنی جو امام شافعی کے پیروکار ہیں فرماتے ہیں: وقت سے پہلے بھی تیمم کرنا جائز ہے، کیونکہ ان کے نزدیک پانی کا طلب کرنا شرط نہیں ہے۔ یہ انہوں نے نوافل پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے۔ جب پانی تلاش کیے بغیر نوافل کے لیے تیمم کرنا جائز ہے تو فرائض کے لیے بھی جائز ہے اور ان علماء نے حدیث سے استدلال کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا: ''پاکیزہ مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ دس سال بھی پانی نہ پائے'' (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کو

1۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 187

وضو کہا ہے جس طرح پانی کو وضو کہا جاتا ہے پس تیمم کا حکم پانی کا حکم ہے۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** اور یہ نہیں کہا جاتا۔ اس نے پانی نہیں پایا مگر جو طلب کرے اور پانی نہ پائے۔ یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ تیمم ضرورۃً طہارت ہے جس طرح مستحاضہ ہوتی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاں تجھے نماز کا وقت ہو جائے تیمم کر لے اور نماز پڑھ لے''(1)۔ یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 37۔ علماء کا اجماع ہے کہ تیمم جنابت اور حدث کو نہیں اٹھاتا ہے، جنابت اور حدث کے لیے تیمم کرنے والا جب پانی پالے گا تو پھر جنبی یا محدث شمار ہو جائے گا جس طرح پہلے تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا: ''جب تو پانی پائے تو اپنی جلد پر پانی بہا''(2)۔ مگر ایک چیز جو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے اسے ابن جریج اور عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ نے ان سے روایت کیا ہے اور ابن ابی ذئب نے عبدالرحمٰن بن حرملہ سے اور انہوں نے بھی ان سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: جنبی تیمم پانی پالے تو بھی طہارت پر ہوتا ہے وہ نہ غسل کا محتاج ہے، نہ وضو کا حتیٰ کہ اسے حدث لاحق ہو جائے۔ ابوسلمہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو تیمم کرے اور نماز پڑھے پھر وقت میں پانی پالے تو وہ وضو کرے اور نماز کا اعادہ کرے۔ ابن عبدالبر نے کہا: یہ تناقض ہے اور قلت رویت ہے، ابوسلمہ ان کے نزدیک اس طرح فقیہ نہ تھے جس طرح مدینہ کے تابعین فقیہ تھے۔

مسئلہ نمبر 38۔ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے تیمم کیا پھر نماز میں داخل ہونے سے پہلے پانی پالیا تو اس کا تیمم باطل ہو جائے گا اور اس پر پانی کا استعمال واجب ہوگا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: جس نے تیمم کیا اور نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہوا جب کہ اس نے پانی کی تلاش میں کوشش کی تھی اور اس کی سواری میں بھی پانی نہ تھا تو اس کی نماز مکمل ہے، کیونکہ اس نے فرض ادا کیا جس طرح اس کو حکم دیا گیا تھا پس اس پر اعادہ کا بغیر حجت کے واجب کرنا جائز نہیں۔ بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ جب وضو کرے اور غسل کرے تو وقت کے اندر اعادہ کرنا مستحب ہے۔ طاؤس، عطا، قاسم بن محمد، ابن سیرین، زہری اور ربیعۃ یہ تمام علماء فرماتے ہیں: نماز کا اعادہ کرے۔ اوزاعی نے بھی اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے فرمایا: دو آدمی ایک سفر پر نکلے نماز کا وقت ہو گیا ان کے ساتھ پانی نہیں تھا ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت کے اندر پانی پالیا پس ان میں سے ایک نے نماز کا وضو کر کے اعادہ کیا اور دوسرے نے اعادہ نہ کیا پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنا مسئلہ ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا اعادہ نہ کرنے والے کو کہا: تو ''سنت کو پہنچا اور تیری نماز درست ہے'' اور جس نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کیا تھا اسے فرمایا: ''تیرے لیے دوہرا اجر ہے''(3)۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور فرمایا: ابن نافع کے علاوہ نے یہ حدیث لیث سے انہوں نے عمیرہ بن ابی ناجیہ سے انہوں نے بکر بن سوادہ سے انہوں نے عطا سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ حضرت ابوسعید کا ذکر اس حدیث میں محفوظ نہیں ہے دارقطنی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں فرمایا: پھر وقت میں

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7068
2۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 187
3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 189

بعد میں پانی پالیا (1)۔

مسئلہ نمبر 39۔ علماء کا اختلاف ہے جب نماز میں داخل ہونے کے بعد پانی پالے۔ امام مالک نے فرمایا: اس پر نماز کا توڑنا اور پانی کا استعمال کرنا واجب نہیں بلکہ وہ اپنی اس نماز کو مکمل کرے اور آئندہ نماز کے لیے وضو کرے۔ امام شافعی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ ابن المنذر نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل اور مزنی کا قول ہے کہ وہ نماز کو توڑ دے اور وضو کرے اور پانی کے پائے جانے کی وجہ سے نماز کو نئے سرے سے شروع کرے اور ان کی حجت یہ ہے کہ تیمم جس طرح نماز سے پہلے پانی کی موجودگی کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے اسی طرح بقیہ نماز بھی پانی کے وجود کی وجہ سے باطل ہو جائے گی، جب بعض نماز باطل ہوگی تو تمام نماز باطل ہوگی، کیونکہ علماء کا اجماع ہے وہ عورت جو مہینوں کے ساتھ عدت گزار رہی ہو اور اس کی تھوڑی سی عدت باقی ہو پھر اسے حیض آجائے تو اپنی عدت نئے سرے سے حیض کے ساتھ گزارے گی۔ یہ علماء فرماتے ہیں: جس کو پانی میسر آجائے جب کہ وہ نماز میں ہو تو اس کے لیے بھی قیاساً اور نظراً یہی حکم ہے یعنی نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝ (محمد) (اپنے اعمال کو باطل نہ کرو) اور پانی کی عدم موجودگی کے وقت تیمم کے ساتھ نماز میں داخل ہونے کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے اور نماز توڑنے میں اختلاف ہے جب پانی دیکھا جائے اور نماز کا توڑنا نہ تو سنت ثابت کرتی ہے نہ اجماع۔ اور بھی حجت میں سے یہ بھی ہے کہ جس پر ظہار میں یا قتل میں روزہ واجب ہو پھر وہ اکثر روزے رکھ چکا ہو پھر وہ غلام پالے تو اس کے روزے لغو نہ ہوں گے اور نہ غلام آزاد کرنے کی طرف رجوع کرے گا اسی طرح جو تیمم کے ساتھ نماز میں داخل ہو تو وہ نہ نماز کو توڑے گا اور نہ پانی کے ساتھ وضو کی طرف رجوع کرے گا۔

مسئلہ نمبر 40۔ علماء کا اختلاف ہے کیا ایک تیمم کے ساتھ بہت سی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا ہر نماز فرض اور نفل کے لیے تیمم لازم ہے؟ شریک بن عبداللہ القاضی نے کہا: ہر نفلی اور فرضی نماز کے لیے تیمم کرے۔ اور امام مالک نے فرمایا: ہر فرض کے لیے تیمم کرے، کیونکہ اس پر ہر نماز کے لیے پانی تلاش کرنا ضروری ہے اور جو پانی تلاش کرے اور اسے نہ پائے تو وہ تیمم کرے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری، لیث، حسن بن حی اور داؤد نے فرمایا: ایک تیمم کے ساتھ جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے جب تک کہ اسے حدث لاحق نہ ہو، کیونکہ وہ پاک ہے جب تک کہ وہ پانی نہ پائے اور اس پر پانی طلب کرنا واجب نہیں جب وہ پانی سے مایوس ہو چکا ہو۔ اور جو ہم نے کہا ہے: وہ اصح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز قائم کرنے والے پر پانی کا طلب کرنا واجب کیا ہے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں وقت نکلنے سے پہلے نماز کی استباحت کے لیے تیمم کو واجب کیا ہے۔ یہ طہارت ضروریہ ناقصہ ہے، کیونکہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ پانی کے پائے جانے کے وقت تیمم باطل ہو جاتا ہے اگرچہ اسے حدث لاحق نہ بھی ہو جب کہ پانی کی طہارت ایسی نہیں ہے۔ وقت کے داخل ہونے سے پہلے تیمم کے جواز میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی اور پہلے مقالہ والے اس کو جائز قرار نہیں دیتے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا اس سے تیمم کا جواز حاجت سے ثابت ہوا اور وقت سے پہلے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس بنا پر ایک تیمم کے ساتھ دو فرض نہیں پڑھے گا۔ یہ واضح ہے۔

1۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 189

ہمارے علماء کا اختلاف ہے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک تیمم کے ساتھ دو نمازیں پڑھیں۔ یحیٰ بن یحیٰ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے کہ وہ دوسری نماز کا اعادہ کرے جب تک وقت کے اندر ہے۔ ابوزید بن ابی الغمر نے ان سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر صورت میں اعادہ کرے گا۔ اسی طرح مطرف، ابن ماجشون سے مروی ہے کہ وہ ہر صورت میں دوسری نماز کا اعادہ کرے گا۔ اس پر ہمارے علماء جھگڑتے ہیں، کیونکہ پانی کا طلب کرنا شرط ہے۔ ابن عبدوس نے ذکر کیا ہے کہ نافع نے امام مالک سے اس شخص کے متعلق روایت کیا ہے جو دو نمازوں کو جمع کرتا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے علیحدہ تیمم کرے۔ ابو الفرج نے اس شخص کے بارے فرمایا: جس نے اپنی بہت سی نمازیں یاد کیں پھر اگر وہ انہیں ایک تیمم کے ساتھ قضا کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں اور یہ اس کے لیے جائز ہے، یہ اس لیے کہ پانی کا طلب کرنا شرط نہیں۔ پہلا قول اصح ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 41۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صَعِيْدًا طَيِّبًا، صعید زمین کی اس سطح کو کہتے ہیں جس پر مٹی ہو یا نہ ہو۔ یہ خلیل، ابن الاعرابی اور زجاج کا قول ہے۔ اس کے متعلق اہل لغت کا کوئی اختلاف میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ (الکہف) یعنی ایسی سخت زمین جو کوئی چیز نہ اگاتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ (الکہف) اسی سے ذوالرمہ کا قول ہے:

كأنه بالضحى تَرْمِي الصعيدَ به دَبَّابةٌ في عظام الرأس خُرْطُومُ (1)

اس کو صعید کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ زمین کی بلند جگہ ہوتی ہے۔ الصعید کی جمع صعدات ہے۔ اسی سے حدیث شریف ہے ایاکم والجلوس فی الصعدات راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ الصعید کو طیب سے مقید کرنے کی وجہ سے اس میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ زمین کی ہر سطح کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے خواہ وہ مٹی ہو یا ریت ہو یا پتھر ہو یا کان ہو یا شور یلی ہو۔ یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، ثوری اور طبری کا مذہب ہے اور طَيِّبًا کا معنی پاک ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: طَيِّبًا کا معنی حلال ہے۔ یہ تشویش کن قول ہے۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف نے فرمایا: الصعید سے مراد وہ مٹی ہے جو اگاتی ہے وہ طیب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (الاعراف: 58) ان علماء کے نزدیک اس کے علاوہ مٹی کے ساتھ تیمم جائز نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: الصعید کے لفظ کا اطلاق صرف ایسی مٹی پر ہوتا ہے جو غبار والی ہو۔ عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کون سی مٹی پاک ہے؟ فرمایا: الحرث (کھیت) ابوعمر نے فرمایا: حضرت ابن عباس کے قول میں دلیل ہے کہ الصعید سے مراد کھیت کی زمین کے علاوہ جگہ ہے۔ حضرت علی نے فرمایا: خاص طور پر مٹی مراد ہے۔ خلیل کی کتاب میں ہے تیمم بالصعید یعنی اس کے غبار سے لو۔ یہ ابن فارس نے حکایت کیا ہے۔ یہ قول مٹی کے ساتھ تیمم کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ سخت پتھر پر غبار نہیں ہوتا۔ الکیا طبری نے فرمایا: امام شافعی نے شرط قرار دیا ہے کہ مٹی ہاتھ سے لگے اور اس کے ساتھ تیمم کرے اعضاء تیمم کی طرف اسے نقل کرے۔ جس طرح پانی اعضاء وضو کی طرف نقل کیا جاتا ہے۔ الکیا نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ الصعید امام شافعی کے قول میں نص نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جعلت لی الارض

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 59

مسجداً وترابہا طہوراً (1) نے اس کو بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں: اس مقالہ والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے وجعلت تربتھا لنا طہوراً (2) یہ علماء فرماتے ہیں: اس کا تعلق مطلق اور مقید کے باب سے ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ عموم کے بعض اشخاص پر نص کے باب سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ (الرحمٰن) ہم نے سورۂ بقرہ میں وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ (بقرہ:98) کے تحت اس بحث کو ذکر کیا ہے۔ اہل لغت نے حکایت کیا ہے کہ الصعید سطح زمین کا نام ہے جس طرح کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ قرآن کی نص ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بیان کے بعد کوئی بیان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنبی کے بارے میں فرمایا: علیك بالصعید فانه یکفیك (3) تجھ پر مٹی سے تیمم کرنا لازم ہے وہ تیرے لیے کافی ہے۔ اسی بناء پر صعیداً ظرف مکان ہوگا اور جنہوں نے اس کو مٹی کے لیے بنایا ان کے نزدیک باء کے حذف کی تقدیر کے ساتھ مفعول بہ ہے۔ یعنی بصعیدٍ اور طَيِّبًا اس کی صفت ہے اور جنہوں نے طَيِّبًا بمعنی حلال کیا ہے انہوں نے اسے حال یا مصدر کی بناء پر منصوب کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 42۔ جب یہ مسلم ہو گیا تو جان لو کہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس میں سے جامع بات یہ ہے کہ آدمی ایسی مٹی پر تیمم کرے جو اگانے والی ہو، پاک ہو، منقول اور مغصوب نہ ہو اور منع میں اجماع یہ ہے کہ آدمی خالص سونے، چاندی، یاقوت، زمرد اور کھانے والی چیزوں، روٹی، گوشت وغیرہ پر یا نجاسات پر تیمم نہ کرے اس کے علاوہ میں اختلاف ہے جیسے معدن (کانیں)۔ بعض علماء نے ان پر تیمم جائز قرار دیا۔ یہی امام مالک وغیرہ کا مذہب ہے اور بعض نے منع فرمایا۔ یہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے۔ ابن خویز منداد نے فرمایا: امام مالک کے نزدیک گھاس پر تیمم جائز ہے جب کہ وہ زمین سے جدا ہو اور برف پر تیمم کرنے کے بارے میں امام مالک سے مختلف قول مروی ہے۔ مدونہ اور مبسوط میں اس کا جواز مروی ہے اور دوسری کتب میں منع مروی ہے لکڑی پر تیمم کرنے کے بارے میں مذاہب مختلف ہیں۔ جمہور علماء منع فرماتے ہیں اور ''مختصر الوقار'' میں ہے کہ جائز ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: زمین سے متصل اور منفصل لکڑی کے بارے میں فرق ہے متصل پر جائز ہے اور منفصل پر جائز نہیں۔ ثعلبی نے کہا: امام مالک نے فرمایا: اگر درخت پر ہاتھ مارا پھر اس سے مسح کیا تو جائز ہوگا۔ فرمایا: اوزاعی اور ثوری نے کہا: زمین پر اور ہر اس چیز پر جو زمین پر ہے تیمم جائز ہے خواہ وہ درخت ہو، پتھر ہو، روڑا وغیرہ ہو حتیٰ کہ ان دونوں حضرات نے کہا: اگر برف اور اولوں پر بھی تیمم کیا تو جائز ہوگا۔ ابن عطیہ نے کہا: منقول مٹی کے بارے میں جمہور کا فتویٰ جواز پر ہے اور المذہب میں منع ہے اور غیر المذہب میں یہ زیادہ ہے۔ رہا وہ جو پکایا گیا ہو جیسے کانچ، پکی اینٹ اس کے بارے مذہب میں دو قول ہیں اجازت اور منع۔ اور دیوار پر تیمم کے بارے اختلاف ہے (4)۔

میں کہتا ہوں صحیح جواز ہے، کیونکہ ابو جہیم بن حارث بن ضمہ انصاری کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بئر جمل سے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 43
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 199
3۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 49
4۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 60

تشریف لائے آپ کو ایک شخص ملا اس نے آپ پر سلام کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ دیوار کے پاس آئے اور اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں پر مسح کیا پھر سلام کا جواب دیا (1)۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ یہ بغیر مٹی کے تیمم کی صحت پر دلیل ہے جس طرح امام مالک اور ان کے موافق علماء نے کہا اور یہ رد ہے امام شافعی اور ان کے موافق علماء کا جو کہتے ہیں کہ جس چیز پر مسح کیا جائے گا وہ غبار والی پاک مٹی ہوگی جو ہاتھ کے ساتھ لگے گی۔ نقاش نے ابن علیہ اور ابن کیسان سے روایت کیا ہے کہ وہ دونوں کستوری اور زعفران کے ساتھ تیمم کو جائز قرار دیتے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ کئی جہات سے خالص خطا ہے (2)۔ ابو عمر نے کہا: علماء کی جماعت شوریلی زمین پر تیمم کی اجازت دیتی ہے مگر اسحاق بن راہو یہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ حضرت ابن عباس سے اس شخص کے بارے مروی ہے جس کو تیمم کی ضرورت تھی جب کہ وہ گیلی مٹی پر ہے فرمایا: وہ گیلی مٹی میں سے کچھ لے لے اسے اپنے جسم کے کسی حصہ پر مل لے پھر جب وہ خشک ہو جائے تو اس سے تیمم کر لے۔ ثوری اور امام احمد نے کہا: نمدہ کے غبار سے تیمم کرنا جائز ہے۔ ثعلبی نے کہا: امام ابو حنیفہ نے سرمہ، ہڑتال، چونا حس پسے ہوئے جوہر سے تیمم جائز قرار دیا ہے، جب سونے، چاندی، تانبا، نحاس اور شیشہ کے برادہ سے تیمم کرے تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ وہ زمین کی جنس سے نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 43۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مس لفظ مشترک ہے جماع کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: مسح الرجل المرأۃ۔ مرد نے عورت سے جماع کیا۔ اور مسح الشیٔ بالسیف۔ چیز کو تلوار سے کاٹا۔ مسحت الابل یومھا۔ اونٹ پورا دن چلا۔ المساء ایسی عورت جس کی سرین نہ ہو۔ بفلان مسحۃ من جمال۔ جمال والا شخص۔ یہاں مسح سے مراد ممسوح چیز پر ہاتھ کو کھینچنا۔ اگر وہ آلہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد آلہ کو ہاتھ کی طرف نقل کرنا اور پھر ممسوح چیز پر اسے کھینچنا۔ سورۂ مائدہ کی آیت فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ (المائدہ: 6) سے یہی مراد ہے۔ اور منه کا قول دلیل ہے کہ محل تیمم کی طرف مٹی کا نقل کرنا ضروری ہے اور یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور ہم یہ شرط نہیں لگاتے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے ہاتھ زمین پر رکھتے تھے اور پھر انہیں اٹھاتے تھے تو ہاتھوں پر پھونک مارتے تھے۔ ایک روایت میں نفخ (پھونک مارنا) کی جگہ نفض (جھاڑنا) ہے یہ دلیل ہے کہ آلہ شرط نہیں ہے اور آپ کا دیوار پر تیمم اس کی وضاحت کرتا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب پانی کے ساتھ سر کا مسح کرنا ضروری ہے جس میں پانی کی تری کو سر کی طرف نقل کیا جاتا ہے تو اسی طرح مٹی سے مسح کرنے کے وقت مٹی کا نقل کرنا بھی ضروری ہو۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تیمم اور وضو میں چہرے کا حکم اس کو ڈھانپ لینا ہے اور ہر ہر جگہ کی تلاش ہے۔ بعض نے جائز قرار دیا ہے کہ ہر ہر جگہ پر ہاتھ مسح میں پہنچانا ضروری نہیں جس طرح خفین پر مسح کے وقت دراڑوں کا حکم ہے اور جو حصہ انگلیوں کے درمیان ہے۔ یہ المذہب میں محمد بن مسلمہ کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے اس کو حکایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ہاتھوں سے پہلے چہرے کا مسح کرے یہی جمہور کا قول ہے۔ بخاری نے باب التیمم ضربۃ میں عمار کی حدیث لکھی ہے اس میں چہرے سے پہلے ہاتھوں کا ذکر ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 48 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 60

بعض اہل علم نے وضو کی تنکیس (الٹ کرنا) پر قیاس کرتے ہوئے یہ قول کیا ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 44۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ہاتھوں میں تیمم کہاں تک کرے؟ ابن شہاب نے کہا: کندھوں تک کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے مروی ہے۔ مصنف ابوداؤد میں اعمش سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نصف ذراع (بازو) تک مسح کیا(☆)۔ ابن عطیہ نے کہا: میری یاداشت میں کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے(2)۔ بعض علماء نے وضو پر قیاس کرتے ہوئے کہنیوں تک مسح کرنے کو کہا ہے یہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان دونوں کے اصحاب، ثوری، ابن ابی سلمہ اور لیث کا قول ہے تمام کہنیوں تک مسح کرنے کو فرض، واجب خیال کرتے ہیں۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم اور ابن نافع کا یہی قول ہے۔ اسماعیل القاضی کا یہی نظریہ ہے۔ ابن نافع نے کہا: جس نے ہاتھ کی کلائی تک تیمم کیا وہ ہر حال میں نماز کا اعادہ کرے۔ امام مالک نے مدونہ میں کہا ہے: وقت کے اندر اعادہ کرے۔ کہنیوں تک تیمم کو نبی کریم ﷺ سے حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عمر نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمر یہی کہتے تھے۔ دارقطنی نے کہا: قتادہ سے سفر میں تیمم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: حضرت ابن عمر کہنیوں تک تیمم کرنے کو کہتے تھے۔ حسن اور ابراہیم نخعی دونوں کہنیوں تک مسح کرنے کا کہتے تھے۔ فرمایا: مجھے ایک محدث نے شعبی سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابزی سے انہوں نے حضرت عمار بن یاسر سے روایت کر کے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہنیوں تک مسح کرنے کو فرمایا۔ ابواسحاق نے کہا: میں نے اس کا ذکر امام احمد بن حنبل سے کیا تو انہیں اس سے تعجب ہوا اور فرمایا: یہ کتنا خوبصورت قول ہے(3)۔ ایک جماعت نے کہا: وہ کلائیوں تک مسح کرے۔ حضرت علی بن ابی طالب، اوزاعی، عطاء ایک روایت میں شعبی سے یہی مروی ہے۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، داؤد بن علی اور طبری نے بھی یہی کہا ہے۔ امام مالک سے یہی مروی ہے اور امام شافعی کا قدیم قول یہی ہے اور مکحول نے کہا: میں اور زہری جمع ہوئے ہم نے تیمم پر گفتگو کی زہری نے کہا: بغلوں تک مسح ہے۔ میں نے پوچھا: تم نے یہ کہاں سے لیا ہے؟ اس نے کہا: کتاب اللہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ۔ یہ پورا ہاتھ ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ: 38) چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا؟ اس نے کہا: کنارہ سے۔ دراوردی سے حکایت کیا جاتا ہے کہ کلائیوں تک مسح کرنا فرض ہے اور بغلوں تک فضیلت ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ایسا قول ہے جس کی نہ قیاس تائید کرتا ہے اور نہ دلیل۔ ایک قوم نے لفظ ید کو عام کیا اور کندھے تک مسح کو واجب کیا۔ ایک قوم نے وضو پر قیاس کیا اور انہوں نے کہنیوں تک مسح کو واجب کیا۔ یہی جمہور علماء امت کا قول ہے۔ ایک قوم حدیث کے باوجود کلائیوں تک مسح کرنے کو کہتی ہے اور انہوں نے اس کو چور کے ہاتھ کاٹنے پر قیاس کیا ہے، کیونکہ وہ حکم شرعی ہے اور تطہیر ہے جس طرح یہ تطہیر ہے۔ ایک قوم نے حضرت عمار کی حدیث کے ساتھ کفین ہتھیلیوں پر مسح کرنے کو کہا ہے(4)۔ یہی شعبی کا قول ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 60، دارالکتب العلمیہ بیروت
2۔ ایضاً
3۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم جلد 1، صفحہ 182
4۔ سنن دارقطنی، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 182
☆ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 275، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 45۔ علماء کا اختلاف ہے کہ تیمم میں ایک ضرب کافی ہے یا نہیں؟ مالک کا مدونہ میں یہ نظریہ ہے کہ تیمم دو ضربیں ہیں۔ ایک ضرب چہرہ کے لیے اور دوسری ضرب ہاتھوں کے لیے۔ یہ اوزاعی، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا قول ہے اور ثوری، لیث اور ابن ابی سلمہ کا نظریہ ہے۔ یہ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عمر نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی جہم نے کہا: تیمم ایک ضرب ہے۔ اوزاعی سے مشہور قول یہی مروی ہے۔ عطا اور شعبی کا ایک روایت میں یہی قول ہے۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق، داؤد اور طبری کا یہی نظریہ ہے۔ جو حدیث حضرت عمار سے اس کے متعلق مروی ہے اس سے یہ زیادہ ثابت ہے۔ امام مالک نے کتاب محمد میں کہا: تیمم ایک ضرب سے کرنا جائز ہے۔ ابن نافع نے کہا: ایسی صورت میں نماز کا اعادہ کرے گا۔ ابوعمرو نے کہا، ابن ابی لیلی اور حسن بن حی نے کہا: دو ضربیں ہیں، ایک ضرب کے ساتھ چہرے کا مسح کرے اور ایک ضرب کے ساتھ دونوں ہاتھ اور کہنیوں کا مسح کرے۔ ان دو علماء کے علاوہ کسی صاحب علم نے یہ نہیں کہا۔ ابوعمر نے کہا: جب تیمم کی کیفیت میں آثار مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض ہیں تو ظاہر کتاب کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔ یہ دو ضربوں پر دلالت کرتی ہے ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ انہوں نے وضو پر قیاس کیا ہے اور حضرت ابن عمر کے غسل کی اتباع کی ہے۔ ان کا علم کتاب اللہ کے حکم کو دور نہیں کرسکتا۔ اگر اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی چیز ثابت ہوتی تو اس پر وقوف واجب تھا۔ وباللہ التوفیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا اللہ تعالیٰ ہمیشہ عفو کو قبول فرماتا ہے۔ عفو سے مراد سہل ہے۔ یغفر الذنب وہ گناہ کو بخشتا ہے یعنی اپنی عقوبت کو ڈھانپ دیتا ہے اور سزا نہیں دیتا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۟ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۟ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۟

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بھٹک جاؤ تم بھی راہ راست سے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ حمایتی اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ تعالیٰ مددگار۔ کچھ لوگ جو یہودی ہیں پھیر دیتے ہیں اللہ کے کلام کو اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں:) سنو تم نہ سنائے جاؤ اور (کہتے ہیں:) راعنا بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ (یوں) کہتے: ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور (اسے) مان لیا اور (ہماری عرض) سنیے اور نگاہ (کرم) فرمائیے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر ان کے لیے اور بہت درست۔ لیکن (اپنی رحمت سے) دور کر دیا انہیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں گے مگر تھوڑے سے۔ اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب! ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف یا لعنت کریں ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر۔ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ وہ ارتکاب کرتا ہے گناہ عظیم کا۔ کیا نہیں دیکھا آپ نے لوگوں کی طرف جو پاکباز بتلاتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ (یہ تو) اللہ (کی شان ہے کہ) پاکباز بنا دے جسے چاہے اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ دیکھیے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے (انہیں رسوا کرنے کے لیے) یہ کھلا گناہ۔ کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار۔ کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ سے لے کر فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ تک۔ یہ آیات کریمہ مدینہ طیبہ اور اس کے قریب رہنے والے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا: رفاعۃ بن زید بن التابوت یہود کے علماء میں سے تھا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتا تو اپنی زبان کو ٹیڑھا کرتا اور کہتا:

ارعنا سمعك يا محمد حتى نفهمك اے محمد! ہمارے سننے کی رعایت کریں تا کہ آپ کی بات سمجھ جائیں، پھر اس نے اسلام میں طعن کیا اور اسلام کو عیب لگایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾ (1) اور يَشْتَرُوْنَ کا معنی تبدیل کرنا ہے۔ یہ حال کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے يشترون الضلالہ بالهدى۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (البقرہ:16) یہ قتبی وغیرہ کا قول ہے۔

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ اس کا يَشْتَرُوْنَ پر عطف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم حق کے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ۔ حسن نے تَضَلُّوا ضاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ یعنی اللہ تم سے چاہتا ہے پس تم اپنے دشمنوں (یہود) کی سنگت اختیار نہ کرو وہ تمہارے دشمن ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعلم بمعنی علیم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27) یہاں اهون بمعنی هين ہے (وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا) الباء زائدہ ہے۔ یہ اس لیے زائدہ کی گئی ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے اکتفوا باللہ تم اللہ پر بھروسہ کرو وہ تمہارے دشمنوں کو کافی ہے وَلِيًّا اور نَصِيْرًا کو نصب بیان کی بناء پر ہے۔ اگر تو چاہے تو حال کی بنا پر منصوب پڑھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا۔ زجاج نے کہا: اگر من کا تعلق ماقبل سے ہو تو پھر نَصِيْرًا پر وقف نہیں کیا جائے گا اگر من کو ماقبل کلام کے متعلق نہ کیا جائے تو پھر نَصِيْرًا پر وقف جائز ہوگا تقدیر عبارت اس طرح ہے من الذین هادوا قوم يحرفون الکلم۔ پھر حذف کیا گیا (2)۔ یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ نحویوں نے اس کی یہ دلیل دی ہے:

لو قلت ما في قومها لم تيثَمِ　　يفضُلها في حسبٍ و مَيْسِمِ

فرماتے ہیں: اس کی تقدیر اس طرح ہے لو قلت ما في قومها احدٌ يفضلها۔ پھر حذف کیا گیا۔ فراء نے کہا: محذوف مَنْ ہے مطلب یہ ہے من الذين هادوا من يحرفون۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے: وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ (الصافات) یعنی من له اور ذوالرمۃ نے کہا:

فظلّوا ومنهم دَمْعُه سابقٌ له　　وآخر يُذرِي عَبْرَةَ العَيْنِ بالهَمْلِ (3)

اس سے مراد ومنهم من دمعه ہے، پس موصول حذف کیا گیا، مبرد اور زجاج نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ موصول کا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 189، مطبعہ حجازی بالقاہرہ　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 62
3۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 141

حذف بعض کلمہ کے حذف کی طرح ہے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی اور ابراہیم نخعی نے "الکلام" پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہاں "الکلم" اولیٰ ہے، کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات کو بدلتے تھے یا جو ان کے پاس تورات میں تھا وہ تمام کلام میں تحریف کرتے تھے۔ یحرفون کا معنی ہے وہ غلط تاویل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ان کی مذمت کی ہے، کیونکہ وہ اعتماد سے ایسا کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: عَنْ مَّوَاضِعِهٖ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو بدلتے تھے۔ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا یعنی ہم نے تمہاری بات سنی اور تمہارے حکم کی نافرمانی کی وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے تم سنو، تم کبھی نہ سن سکو۔ یہ ان کی مراد تھی۔ اللہ ان پر لعنت کرے۔ وہ ظاہر یہ کرتے تھے کہ وہ چاہتے ہیں تم سنو اور مکروہ و اذیت نہ سنو۔ حسن اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے تجھ سے نہ سنا جائے یعنی تمہاری بات مقبول نہ ہو اور تمہاری بات کا جواب نہ دیا جائے۔ نحاس نے کہا: اگر یہ معنی ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی غیر مسموع منك۔ رَاعِنَا کے متعلق کلام گزر چکی ہے۔ لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وہ اپنی زبانوں کو حق سے پھیرتے ہیں یعنی وہ اس کی طرف پھیرتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے۔ الّیّ کا اصل معنی بٹنا ہے اس کو نصب مصدر کی بنا پر ہے اگر تو چاہے تو اسے مفعول لاجلہ بنا دے اس کی اصل لویا تھی پھر واؤ کو یا میں ادغام کیا گیا۔ وَ طَعْنًا یہ لَيًّا پر معطوف ہے یعنی وہ دین میں طعن کرتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو کہتے ہیں: اگر یہ نبی ہوتے تو جان لیتے کہ ہم انہیں برا کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ بتلا دیا۔ پس یہ علامات نبوت سے تھا اور انہیں اس بات سے منع کیا۔ اَقْوَمَ کا معنی ہے ان کے لیے رائے میں درست تھا۔ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ یعنی اتنا تھوڑا ایمان لائے ہیں کہ اس کی وجہ سے ایمان کے اسم کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ایمان نہیں لائے مگر ان میں سے تھوڑے (1)۔ یہ بعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے علماء سے بات کی جن میں عبداللہ بن صوریا الاعور اور کعب بن اسد بھی تھا۔ آپ نے انہیں فرمایا: اے یہود کے گروہ! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو، اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ جو میں لے کر آیا ہوں وہ حق ہے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم یہ نہیں جانتے انہوں نے اس کا انکار کیا جس کو وہ جانتے تھے اور کفر پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے نازل فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ...... الخ (2)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اس کو نصب حال کی بنا ہے: مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا، الطمس کا معنی ہے کسی چیز کے اثر کو بالکل مٹا دینا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ (المرسلات) نطمس اور نُطمس میم کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں۔ کلام میں کہا جاتا ہے: طمس، یطمس اور یطمسِ بمعنی طمس ہے۔ کہا جاتا ہے: طمس الاثر و طسم اس کا معنی مٹا دینا ہے۔ یہ تمام لغات ہیں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ (یونس: 88) یعنی ان کے اموال کو ہلاک کر دے۔ ابن عرفہ سے مروی ہے کہا جاتا ہے: طمسته فطمس، لازم اور متعدی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 63　2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 189

استعمال ہوتا ہے۔ طمس الله بصرہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو مٹا دیا۔ وھو مطموس البصر وہ جس کی آنکھ کا اثر ہی ختم ہو جائے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْيُنِهِمْ (یٰسین:66) یعنی ہم انہیں نابینا کر دیں۔

علماء کا اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے کیا یہ حقیقت ہے اور چہرہ کو گدی کی طرح کر دیا جائے گا، ناک، منہ، ابرو، آنکھ سب مٹ جائیں گے یا یہ ان کی گمراہی مراد ہے جو ان کے دلوں میں ہوگی اور ان سے توفیق سلب کر لی جائے گی؟ یہ دو قول ہیں۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ یعنی ہم تمہیں ایسا گمراہ کر دیں گے کہ تم اس کے بعد ہدایت نہ پاؤ گے۔ حضرت ابی بن کعب کا نظریہ یہ ہے کہ یہ تمثیل ہے اور وہ اگر ایمان نہیں لائیں گے تو ان کے ساتھ یہ بطور سزا ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ان کے چہروں کو گدیوں کی طرح کر دیں گے، یعنی ناک، ہونٹ، آنکھیں اور ابرو ختم کر دیئے جائیں گے۔ اہل لغت کے نزدیک یہی معنی ہے۔ حضرت ابن عباس اور عطیہ العوفی سے مروی ہے کہ الطمس کا معنی ہے آنکھیں زائل کر دی جائیں گی اور گدی میں لوٹا دی جائیں گی۔ آنکھیں پیچھے لگا دی جائیں گی وہ الٹے پاؤں چلے گا(1)۔ امام مالک نے کہا: ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا کعب الاحبار رات کے وقت ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا۔ پس کعب نے اپنے چہرے پر اپنے ہاتھ رکھ لیے اور اپنے گھر کی طرف الٹے چلنے لگے پھر اسی جگہ اسلام قبول کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے خوف ہوا کہ میں اپنے گھر نہیں پہنچ سکوں گا حتیٰ کہ میرا چہرہ مٹا دیا جائے گا(2) (تو پھر کیا حالت ہوگی)۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام نے کیا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اسے سنا تو اپنے گھر جانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نہیں جانتا تھا کہ میں آپ تک پہنچوں گا جب کہ میرا چہرہ میری گدی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اگر کہا جائے: یہ کیسے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں چہروں کے مٹانے کی دھمکی دے اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے پھر وہ ایمان نہ لائے تو ان کے ساتھ ایسا نہیں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے جب یہ ایمان لائے اور ان کے متبعین ایمان لائے تو باقی لوگوں سے وعید اٹھالی گئی تھی۔ مبرد نے کہا: وعید باقی ہے اور اس کا انتظار باقی ہے اور فرمایا: یہود میں یہ طمس ہوگا اور قیامت کے دن سے پہلے ان کا مسخ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ نَلْعَنَهُمْ یعنی جن کے چہرے مٹائے جائیں گے ہم ان پر لعنت کریں گے۔ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ یعنی ہم انہیں بندروں اور خنازیر میں مسخ کر دیں گے۔ یہ حسن اور قتادہ سے مروی ہے(3)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب سے غائب کی طرف خروج ہے۔ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا یعنی اللہ کا امر موجود ہے یہاں امر بمعنی مامور ہے۔ یہ مصدر ہے مفعول کی جگہ واقع ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے تو اسے پیدا کر دیتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے ہر کام جس کی اللہ نے ہونے کی خبر دی ہے وہ ایسا ہی ہوگا جس طرح اس نے بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلاوت فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر:53) ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! شرک بھی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 63 2۔ ایضاً 3۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 150

بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (1)۔

یہ آیت محکم، متفق علیہ ہے۔ اس میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ متشابہ میں سے ہے جس میں علماء نے کلام کی ہے۔ محمد بن جریر طبری نے کہا: اس آیت نے ظاہر کیا کہ ہر گناہ کبیرہ کرنے والا الله کی مشیئت میں ہے اگر چاہے گا تو اس کا گناہ معاف کر دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو سزا دے گا جب تک کہ وہ کبیرہ گناہ الله کے ساتھ شرک نہ ہوگا (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کو الله تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ۔ تو جان لو کہ وہ اس شخص کے صغیرہ گناہ معاف فرما دے گا جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے گا اور اس کے صغیرہ گناہ بھی معاف نہیں فرمائے گا جو کبیرہ گناہ کرے گا۔ بعض اہل تاویل کا یہ نظریہ ہے کہ یہ آیت اس آیت کی ناسخ ہے جو سورۃ الفرقان میں ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے کہا: سورۂ نساء سورۂ فرقان کے چھ ماہ بعد نازل ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ نسخ نہیں ہے، کیونکہ اخبار میں نسخ محال ہوتا ہے۔ ان آیات کی جمع کا بیان اس سورت میں اور سورۂ فرقان میں آئے گا ان شاء الله تعالیٰ۔

اور ترمذی میں حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے فرمایا: ''قرآن میں مجھے اس آیت سے زیادہ کوئی محبوب آیت نہیں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے (3)۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ یہ لفظ اپنے ظاہر میں عام ہے اور کسی مفسر کا اختلاف نہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ اس مفہوم میں اختلاف ہے جس کے ساتھ وہ اپنی تعریف کرتے تھے۔ قتادہ اور حسن نے کہا: ان کا یہ قول ہے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ: 18) (ہم الله کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) اور ان کا یہ قول ہے: لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (بقرہ: 111) نہیں داخل ہوگا جنت میں (کوئی بھی) بغیر ان کے جو کہ یہودی ہیں یا عیسائی۔ اور ضحاک اور سعدی نے کہا: ان کا یہ قول ہے ہمارا کوئی گناہ نہیں ہے، جو ہم دن کے وقت کرتے ہیں وہ رات کو معاف کر دیا جاتا ہے اور جو ہم رات کو کرتے ہیں وہ دن کو معاف کر دیئے جاتے ہیں، ہم گناہوں کے نہ ہونے میں بچوں کی طرح ہیں۔ مجاہد، ابو مالک اور عکرمہ نے کہا: ان کا نماز کے لیے چھوٹے بچوں کا آگے کرنا اس لیے تھا، کیونکہ ان پر گناہ نہیں ہیں۔ یہ آیت کے مقصد سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: یہ ان کا قول ہے کہ جو ہمارے آباء فوت ہو گئے ہیں وہ ہمارے لیے شفاعت کریں گے اور ہمارا تزکیہ کریں گے۔ حضرت عبدالله بن مسعود نے فرمایا: یہ ان کی ایک دوسرے پر ثنا ہے (4)۔ جو کچھ کہا گیا ہے یہ قول اس سے بہتر ہے، کیونکہ یہ آیت کے معنی سے ظاہر ہے۔ التزکیۃ کا معنی

1۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 152
2۔ ایضاً
3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، جلد 2، صفحہ 129
4۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 65

گناہوں سے پاک کرنا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اور فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النجم:32) کا ارشاد تقاضا کرتا ہے کہ مزکی اپنی تعریف سے اپنی زبان کو روکے اور کسی کو اپنے اعمال کے بارے نہ بتائے، کیونکہ حقیقت میں قابل ستائش وہ ہے جس کے افعال اچھے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کا تزکیہ فرمائے (1)۔ انسان کے اپنے تزکیہ کا کوئی اعتبار نہیں اصل اعتبار اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کا تزکیہ کرنا ہے۔ صحیح مسلم میں محمد بن عمرو بن عطا سے مروی ہے فرمایا: میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا، مجھے زینب بنت ابی سلمہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے منع کیا ہے اور تو نے اس کا نام برہ رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی تعریف خود نہ کرو اللہ تعالیٰ تم سے نیکوکاروں کو بہتر جانتا ہے''۔ صحابہ نے کہا: ہم اس کا کیا نام رکھیں۔ فرمایا: ''اس کا نام زینب رکھو'' (2)۔ کتاب وسنت دلالت کرتی ہیں کہ انسان اپنا تزکیہ نہ کرے۔ اس طرح اب مصری شہروں میں کثرت سے اپنی صفات لوگ ذکر کرتے ہیں جو تزکیہ کا تقاضا کرتی ہیں مثلاً زکی الدین، محی الدین اور اس کے مشابہ القاب لیکن جب ان اسماء کے ساتھ مسلمانوں کی قباحتیں زیادہ ہوگئیں تو ان صفات کا اپنے اصل سے دور ہونا ظاہر ہوگیا اور یہ اس طرح ہوگئیں کہ اب کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ کسی دوسرے کا تزکیہ کرنا اور اس کی مدح کرنا، بخاری میں ابوبکرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا گیا اور ایک شخص نے اس کی خیر کے ساتھ تعریف کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کئی مرتبہ فرمایا۔ اگر تم میں سے کوئی لامحالہ کسی کی تعریف کرنے والا ہو تو اسے کہنا چاہیے میں اسے اس طرح گمان کرتا ہوں اگر وہ اسے اس طرح دیکھتا ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر کسی کا تزکیہ نہ کرے'' (3)۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی ایسی تعریف کرنے سے منع فرمایا جو اس میں نہ ہو ورنہ اس میں اعجاب وکبر داخل ہو جائے گا اور گمان کرے گا کہ وہ حقیقت میں اس مقام پر فائز ہے اور یہ چیز اسے عمل کے ضائع کرنے اور فضیلت کی زیادتی کو ترک کرنے تک پہنچا دے گی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ویحك قطعت عنق صاحبك تجھ پر افسوس تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔ اور دوسری حدیث میں ہے: قطعتم ظهر الرجل (4)۔ تم نے آدمی کی پیٹھ توڑ دی۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب لوگوں نے ایک شخص کی ایسی تعریف کی جو اس میں نہیں تھی۔ اس بناء پر علماء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: احثوا التراب فی وجوه المداحین (5) (تعریف کرنے والوں کے مونہوں میں مٹی ڈالو) کی تاویل کی ہے۔ یہاں ایسے تعریف کرنے والے مراد ہیں جو باطل طریقہ سے مدح کریں اور ایسی صفات بیان کریں جو انسان میں نہ ہوں حتیٰ کہ اس کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہوں۔ اس کے ذریعے ممدوح سے کھانا حاصل کرتے ہوں اور اسے فتنہ میں مبتلا کرتے ہوں۔ رہا کسی کا کسی کی ایسے اچھے عمل اور محمود امر پر تعریف کرنا جو واقعی اس میں ہے تاکہ اس میں مزید

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 66-65　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 208

3۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 895　　4۔ ایضا　　5۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 7، صفحہ 214

اچھے اعمال کی ترغیب ہو اور لوگوں کو اس کی اقتدا پر ابھارا جائے تو یہ وہ مدح نہیں ہوگی (جس کی مذمت کی گئی ہے) اگرچہ وہ انسان کے اچھے افعال و اقوال کی تعریف کرنے والا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار، خطبوں اور کلام کی خود تعریف فرمائی اور تعریف کرنے والوں کے مونہوں میں مٹی نہ ڈالی اور نہ اس کا حکم دیا جیسے ابو طالب کا قول ہے:

وأبیض یُستسقَی الغمامُ بوجهه ثِمال الیتامی عِصْمة للأرامل

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس اور حضرت حسان کی ان کے اشعار کی وجہ سے تعریف فرمائی، حضرت کعب بن زہیر کی مدح فرمائی اور اپنے صحابہ کی مدح فرمائی فرمایا: ''تم طمع کے وقت کم ہو گے اور گھبراہٹ کے وقت زیادہ ہو گے'' صحیح حدیث میں رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم وقولوا عبداللہ و رسولہ(1) (یعنی تم میری اس طرح تعریف میں مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا اور تم کہو عبداللہ ورسولہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میری ایسی صفات بیان نہ کرو جو مجھ میں نہیں ہیں جن کے ذریعے میری مدح تلاش کرتے ہو، جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایسی صفات بیان کی تھیں جو ان میں نہیں تھیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، پس اس طرح انہوں نے کفر کیا اور گمراہ ہوئے۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جس کسی کو اس کی حد سے بلند کیا اور اس کی ایسی صفات بیان کیں کہ اس کی قدر سے تجاوز کیا تو وہ شخص حد سے بڑھنے والا گنہگار ہے، کیونکہ یہ اگر کسی میں جائز ہوتا تو سب مخلوق سے زیادہ اس کے مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا، یُظْلَمُوْنَ میں ضمیر ان لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو اپنا تزکیہ کرتے ہیں اور جن کا اللہ تعالیٰ تزکیہ فرماتا ہے اور ان دو اصناف کے علاوہ جو لوگ ہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔ الفتیل کھجور کی گٹھلی کی شق میں جو سفید دھاگا ہوتا ہے اسے کہتے ہیں: یہ حضرت ابن عباس، عطا اور مجاہد کا قول ہے(2)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ باریک پردہ ہے جو گٹھلی کے اردگرد ہوتا ہے جب کھجور پکی اور کچی کیفیت کے درمیان ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو مالک اور سدی کا قول ہے جب تو اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں کو ملتا ہے تو جو میل نکلتی ہے اس کو فتیل کہتے ہیں (3)۔ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ یہ تمام مفہوم کسی شے کی تحقیر اور تصغیر سے کنایہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اسی تحقیر کی مثال یہ ارشاد ہے: ولا یظلمون نقیراً، نقیر اس نکتہ کو کہتے ہیں جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ اسی سے کھجور پیدا ہوتی ہے۔ شاعر نے کسی بادشاہ کی مذمت میں کہا:

تَجمعُ الجَیشَ ذا الألوف و تغزُو ثم لا ترزأ العدوّ فَتیلاً

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے تعجب کرایا، فرمایا: اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (دیکھیے کیسے اللہ پر افترا باندھتے ہیں) اپنے اس قول میں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اپنی ستائش خود کرتے ہیں (4)۔ یہ ابن جریج سے مروی ہے۔ روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے لیے کوئی گناہ نہیں سوائے اس کے جس طرح

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 1، صفحہ 490 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 66 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ہمارے بیٹوں کے گناہ ہیں جس دن کی پیدائش ہوتی ہے۔ الافتراء کا معنی جھوٹ گھڑنا ہے۔ اسی سے ہے: افتریٰ فلان علی فلان یعنی اس نے اس پر جھوٹی تہمت گائی۔ فریت الشئ۔ میں نے اسے کاٹ دیا۔ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا بیان کی بنا پر منصوب ہے مطلب گناہ کی بڑائی اور اس کی مذمت ہے۔ عرب اس کی مثل مدح اور مذمت میں استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یعنی یہود۔ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ۔ اہل تاویل کا الجبت اور الطاغوت کی تاویل میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور ابو العالیہ نے کہا: حبشی زبان میں الجبت جادوگر کو کہتے ہیں اور الطاغوت کاہن کو کہتے ہیں (1)۔ حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر نے فرمایا: الجبت سے مراد جادو ہے اور الطاغوت سے مراد شیطان ہے (2)۔ حضرت ابن مسعود سے فرمایا: الجبت اور الطاغوت سے مراد یہاں کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب ہے۔ عکرمہ نے کہا: الجبت سے مراد حیی بن اخطب ہے اور الطاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ۔ قتادہ نے کہا: الجبت سے مراد شیطان ہے اور الطاغوت سے مراد کاہن ہے (3)۔ ابن وہب نے حضرت مالک بن انس سے روایت کیا ہے الطاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ فرمایا: میں نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا کہ جبت سے مراد شیطان ہے۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ دونوں اللہ کے سوا ہر معبود کے لیے استعمال ہوتے ہیں یا وہ جس کی اللہ کی معصیت میں اطاعت کی جاتی ہے۔ یہ احسن ہے۔ الجبت کا اصل الجبس ہے وہ جس میں خیر نہ ہو، تا سین کا بدل ہے۔ یہ قطرب کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الجبت سے مراد ابلیس ہے اور الطاغوت سے مراد اس کے اولیاء ہیں۔ اس باب میں امام مالک کا قول بہتر ہے۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36) اور فرمایا: وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا (الزمر: 17) قطن بن المخارق نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الطرق والطیرۃ والعیافۃ من الجبت (4)، الطرق سے مراد جھڑکنا ہے اور العیافۃ سے مراد خط ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے بعض علماء نے فرمایا: الجبت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو اللہ نے حرام کیا اور الطاغوت سے مراد ہر سرکش انسان ہے۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہود، قریش کے کفار کو کہتے: تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ کعب بن اشرف ستر سوار لے کر مکہ کی طرف جنگ احد کے بعد نکلا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر قریش سے معاہدہ کرے۔ کعب ابوسفیان کے پاس اترا اس نے اسے اچھا ٹھکانا دیا اور باقی یہود دوسرے قریش کے گھروں میں ٹھہرے سب نے معاہدہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑیں گے۔ ابوسفیان نے کہا: تو ایک ایسا شخص ہے جو کتاب پڑھتا ہے اور جانتا ہے اور ہم امی (ان پڑھ) لوگ ہیں، ہم نہیں جانتے ہم میں سے کون حق کے زیادہ قریب اور

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 66
2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 158
3۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 158
4۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 477

ہدایت یافتہ ہے، ہم یا محمد؟ کعب نے کہا: اللہ کی قسم! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ راہ راست پر ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ۔ ام متصلہ ہے، نصیبٌ کا معنی حصہ ہے۔ مِّنَ الْمُلْكِ، ملک سے ہے۔ یہ بطور انکار ہے یعنی ان کے لیے کوئی ملک نہیں ہے اگر اس میں سے ان کے لیے کچھ ہوتا تو اپنے بخل اور حسد کی وجہ سے کسی کو کچھ نہ دیتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے بلکہ کیا ان کے لیے حصہ ہے (1)؟ اس صورت میں اَم منقطعہ ہوگا اس کا معنی پہلی بات سے اضراب اور دوسری کے لیے آغاز ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ عاطفہ ہے، محذوف پر عطف ہے کیونکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے نفرت کرتے تھے۔ تقدیر اس طرح ہے أهم اولی بالنبوة ممن ارسلته امرلهم نصيب من الملك۔

فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا یعنی وہ لوگوں کے حقوق روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق ان کے عمل کی خبر دی جو ان کے متعلق وہ جانتا ہے۔ النقیر گٹھلی کی پیٹھ پر نکتہ کو کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ النقیر جو انسان اپنی انگلی سے کریدتا ہے جس طرح وہ زمین کو کریدتا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا میں نے حضرت ابن عباس سے النقیر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے کی طرف اپنی شہادت کی انگلی کے باطن پر رکھی پھر دونوں کو بلند کیا اور کہا یہ نقیر ہے (2)۔ النقیر اصل میں وہ لکڑی ہے جس کو کریدا جاتا ہے اور اس میں نبیذ بنائی جاتی ہے۔ اس کے استعمال میں پہلے نہی وارد ہوئی تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ فلان کریم النقیر یعنی کریم الاصل ہے۔ اذاً یہاں ملغہ ہے، غیر عاملہ ہے، کیونکہ اس پر فا عاطفہ داخل ہے اور اگر نصب دیتا تو جائز ہوتا۔ سیبویہ نے کہا: اذاً افعال کے عوامل میں اس طرح ہے جس طرح اسماء کے عوامل میں اظن ہے۔ یعنی جب کلام کا اعتماد اس پر نہ ہو تو لغو ہوتا ہے اور اگر کلام کی ابتدا میں ہو تو اس کے بعد فعل مستقبل ہو تو یہ نصب دیتا ہے جیسے تیرا قول ہے: انا ازورك میں تیری زیارت کو آؤں گا۔ وہ تجھے جواباً کہے: اذاً اکرمك۔ عبداللہ بن عنمۃ الضبی نے کہا:

اُرْدُدْ حِمَارَكَ لَا يَرْتَعْ بِرَوْضَتِنَا اِذَنْ يُرَدَّ وَقَيْدُ الْعَيْرِ مَكْرُوْبُ

یہاں اذن نے نصب دی ہے، کیونکہ اذن سے پہلے جو کلام ہے وہ مکمل ہے اور یہ ابتدائے کلام میں واقع ہوا ہے اگر یہ دو چیزوں کے درمیان واقع ہو جیسے تیرا قول ہے، زید اذا یزورك تو لغو ہوتا ہے۔ اگر اس پر یا عاطفہ یا واؤ عاطفہ داخل ہو تو اس میں اعمال اور الغا جائز ہے۔ اعمال اس لیے کہ واؤ کے بعد نئی کلام ہے، جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ اور غیر قرآن میں فاذا لا یوتوا جائز ہے۔ قرآن میں ہے: وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ (الاسراء: 76) اور مصحف ابی میں تھا: واذا لا یلبثوا۔ اور الغا اس لیے کہ واؤ کے بعد جو ہوتا ہے وہ اس کلام کے بعد ہوتا ہے جس پر عطف کیا جاتا ہے۔ سیبویہ کے نزدیک فعل کے لیے ناصب اذن ہے اور خلیل کے نزدیک اذن کے بعد ان مضمرہ ناصب ہے۔ فراء نے کہا: اذاً الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور یہ منون ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے سنا کہ میں نے ابو العباس محمد بن یزید کو یہ کہتے سنا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اس شخص کے ہاتھ کو داغ دوں جو اذا کو الف کے ساتھ لکھتا ہے کیونکہ یہ لن اور ان کی مثل ہے اور حروف میں تنوین داخل نہیں ہوتی۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 67 2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 165

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

''کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرما دی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرما دی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت، تو ان سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لیے) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ''۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَمْ يَحْسُدُونَ اس سے مراد یہود ہیں۔ النَّاسَ سے مراد خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہما سے روایت ہے (1) یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت ملنے پر حسد کیا تھا اور آپ کے صحابہ پر حسد کیا تھا ان کے ایمان لانے پر۔ قتادہ نے کہا: ''الناس'' سے مراد عرب ہیں (2)، یہود نے نبوت کی وجہ سے ان سے حسد کیا۔ ضحاک نے کہا: یہود نے قریش سے حسد کیا، کیونکہ ان میں نبوت تھی۔ حسد مذموم ہے اور حسد کرنے والا مغموم ہے حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔ حضرت انس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے۔ حسن نے کہا: میں نے حاسد سے زیادہ کوئی ظالم نہیں دیکھا جو مظلوم کے زیادہ مشابہ ہو جس کا نفس ہمیشہ قلق میں رہتا ہے۔ غم لاحق رہتا ہے اور اس کے آنسو ختم ہی نہیں ہوتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں سے دشمنی نہ کرو۔ ان سے کہا گیا: کون اللہ کی نعمتوں سے دشمنی کرتا ہے؟ فرمایا: وہ لوگ جو لوگوں سے حسد کرتے ہیں ان نعمتوں پر جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی بعض کتب میں فرماتا ہے: حسد کرنے والا میری نعمتوں کا دشمن ہے، میری قضا سے ناراض ہے اور میری تقسیم پر خوش نہیں ہے۔ منصور الفقیہ نے کہا:

ألا قُلْ لمن ظَلّ لی حاسداً أ تدرِی علی مَن أساءتَ الأدَبْ

اساتَ علی اللہ فی حکمہ إذا أنتَ لم ترض لی ما وَهَبْ

''خبردار میرے حاسد کو کہو: کیا تو جانتا ہے تو نے کس کی بے ادبی کی؟ تو نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سلسلہ میں اس کی بے ادبی کی جب تو مجھ سے خوش نہیں جو اس نے مجھے عطا فرمایا''۔

کہا جاتا ہے: حسد پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ آسمان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ زمین میں نافرمانی کی گئی۔ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین میں قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔ ابو العتاہیہ نے لوگوں کے بارے میں کہا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 68، دار الکتب العلمیہ بیروت 2۔ ایضاً

فیاربِ إن الناس لا یُنصفوننی ۔۔۔ فکیف ولو أنصفتُهم ظلَمونی

وان کان لی شیٌٔ تصدّوا لأخذہ ۔۔۔ وان شئتُ أبغی شیئَهم منعونِی

وان نالهم بذْلی فلا شُکر عندهم ۔۔۔ وان أنا لم أبذُلْ لهم شتمُونِی

وان طَرَقَتْنِی نکبةٌ فکِهُوا بها ۔۔۔ وان صَحِبتنِی نعمةٌ حسدونِی

سأمنع قلبی ان یَحِن إلیهمو ۔۔۔ وأحجب عنهم ناظری و جُفُونِی (1)

بعض علماء نے فرمایا: جب تجھے پسند ہو کہ تو حاسد سے سلامت رہے تو اس پر اپنا معاملہ ظاہر نہ کر۔ قریش سے ایک شخص نے کہا:

حسدوا النعمةَ لما ظهرتْ ۔۔۔ فرموها بأباطیل الکلِمْ

واذا ما الله أسدی نعمه ۔۔۔ لم یَضِرها قولُ أعداءِ النِّعَمْ

اور کتنا خوب کہا ہے:

إصبر علی حسدِ الحسودِ ۔۔۔ فإن صبرك قاتلهُ

فالنار تاکل بعضها ۔۔۔ إن لم تجد ما تاکلهُ

بعض اہل تفسیر نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ (حم السجدہ) کے تحت فرمایا کہ الذین سے مراد جنوں میں سے ابلیس ہے اور انسانوں میں سے قابیل ہے۔ کیونکہ ابلیس پہلا فرد ہے جس نے کفر کا طریقہ جاری کیا اور قابیل پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ جاری کیا۔ اس کی اصل حسد ہے۔ شاعر نے کہا:

إن الغرابَ وکان یمشی مشیةً ۔۔۔ فیما مضی من سالف الأحوال

حسد القَطاةَ فرامَ یمشی مشیَها ۔۔۔ فأصابه ضربٌ من التعقالِ

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقَدْ اٰتَيْنَآ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور انہیں ملک عظیم بخشا۔ ہمام بن حارث نے کہا: ان کی فرشتوں کے ذریعے تائید کی گئی (2)۔ بعض نے فرمایا: یہاں ملک سے مراد حضرت سلیمان کی بادشاہی ہے (3)۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے کیا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے ہیں اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عورتیں حلال کیں؟ پس اس بنا پر ملک عظیم سے مراد یہ ہوگا کہ اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ننانوے عورتیں حلال کیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اس سے بھی زائد عورتیں حلال کیں۔ طبری نے فرمایا: اس سے مراد جو اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی اور عورتوں کی حلت عطا فرمائی تھی۔ اور مراد یہود کی تکذیب اور ان پر رد ہے انہوں نے جو کہا تھا کہ اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو زیادہ عورتوں میں رغبت نہ رکھتے

1۔ دیوان ابی العتاہیہ، صفحہ 308 ۔ 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 68 ۔ 3۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 169

اور نبوت انہیں ان سے علیحدہ ورکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی جو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے لیے تھا۔ انہیں (یہود) توبیخ فرمائی پس یہود نے اقرار کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ہزار عورتیں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا کہ ان کی ہزار عورتیں تھیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، تین سو مہر والی اور سات سو لونڈیاں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس سو عورتیں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''ایک شخص کے پاس ہزار عورتیں تھیں ایک شخص کے پاس سو عورتیں تھیں یہ زیادہ ہیں یا نو عورتیں زیادہ ہیں''۔ یہود خاموش ہو گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج مطہرات تھیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تمام انبیاء سے زیادہ بیویاں تھیں۔ کثرت ازواج میں فائدہ یہ تھا کہ ان میں چالیس انبیاء کی قوت تھی، جو جتنا طاقت ور ہوتا ہے وہ زیادہ نکاح کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: نکاح سے آپ نے زیادہ تعلقات قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا، کیونکہ ہر عورت کے دو قبیلے ہوتے ہیں ایک باپ کی طرف سے، ایک ماں کی طرف سے۔ پس جب کوئی کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو دو قبیلے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ہر قبیلہ اس کے لیے اس کے دشمنوں کے خلاف مددگار ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: جو متقی ہوتا ہے اس کی شہوت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ جو متقی نہیں ہوتا وہ نظر اور لمس کے ذریعے اپنی شہوت کم کرتا رہتا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا جو حدیث میں مروی ہے کہ ''آنکھیں زنا کرتی ہیں، ہاتھ زنا کرتے ہیں'' (1)۔ جب دیکھنا اور چھونا شہوت کے پورا کرنے کی ایک قسم ہے تو جماع کم ہوتا ہے اور متقی نہ کسی کی طرف دیکھتا ہے، نہ چھوتا ہے تو اس کی شہوت اس کے نفس میں جمع ہوتی ہیں پس وہ زیادہ جماع پر قادر ہوتا ہے۔ ابو بکر الوراق نے کہا: ہر شہوت دل کو سخت کرتی ہے مگر جماع دل کو صاف کرتا ہے اسی وجہ سے انبیاء زیادہ نکاح کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ یعنی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کیا جاتا تھا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ یعنی جس نے اعراض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔ بعض علماء نے فرمایا: بہ کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (2)۔ معنی یہ ہوگا کہ آل ابراہیم میں سے جو حضرت ابراہیم پر ایمان لایا اور جنہوں نے اس سے روکا۔ بعض نے فرمایا: ضمیر کا مرجع الکتاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾

''بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب بھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری تاکہ وہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو۔ بے شک اللہ

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 1، صفحہ 412　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 68، دار الکتب العلمیہ بیروت

تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں تا ابد، ان کے لیے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انہیں گھنے سایہ میں''۔

الاصلاء کا معنی اس سورہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ حمید بن قیس نے نون کے فتحہ کے ساتھ نصلیهم پڑھا ہے یعنی ہم انہیں بھون دیں گے، کہا جاتا ہے: شاة مصلية (بھونی ہوئی بکری)۔ نارا اس قراءت پر حرف جر کے حذف کے ساتھ ہے تقدیر عبارت بنار ہوگی۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ کہا جاتا ہے: نضج الشیء نُضجاً ونَضجاً فلان نضيج الرای یعنی وہ پختہ رائے والا ہے۔ آیت کا معنی ہے ہم انہیں دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے۔ زنادقہ میں سے جو قرآن پر طعن کرتے ہیں اگر وہ کہیں کہ جلد کو کیسے عذاب دیا جائے گا جب اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اسے کہا جائے گا: جلد کو عذاب وعقاب نہیں کیا گیا حقیقت تکلیف نفوس پر واقع ہے، کیونکہ یہی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں اور کھالوں کی تبدیلی نفوس کے عذاب میں زیادتی ہے۔ اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اور ارشاد ہے كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (الاسراء)

پس مقصود ابدان کو عذاب دینا اور روحوں کو تکلیف پہنچانا ہے۔ اگر کھالوں کا ارادہ ہوتا تو یوں کہا جاتا: لیذقن العذاب۔ مقاتل نے کہا: آگ اسے ہر روز سات مرتبہ کھائے گی۔ حسن نے کہا: ستر مرتبہ کھائے گی۔ جب وہ انہیں کھالے گی تو انہیں کہا جائے گا: دوبارہ اسی طرح ہو جاؤ جس طرح پہلے تھے، تو وہ پہلی کیفیت میں ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عمر نے کہا: جب وہ جل جائیں گے تو کاغذوں کی طرح سفید کھالیں ان کے لیے بدل جائیں گی (1)۔ بعض نے فرمایا: کھالوں سے مراد ان کے لباس ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ (ابراہیم)

لباس کو کھال کہا گیا ہے، کیونکہ لباس کھالوں کو قرب کی وجہ سے لازم ہوتا ہے جس طرح جو چیز انسان کے ساتھ خاص ہوتی ہے اس کے لیے کہا جاتا ہے: هو جلدة مابين عينيه۔ حضرت ابن عمر نے یہ شعر کہا تھا:

يلومونني في سالمٍ وألومهم وجِلدةُ بَيْنَ العينِ والأنفِ سالمُ

وہ مجھے سالم کے بارے ملامت کرتے ہیں اور میں انہیں ملامت کرتا ہوں سالم تو میرے ساتھ خاص ہے۔

جب ایک لباس جل جائے گا تو پھر دوبارہ دے دیا جائے گا۔ شاعر نے کہا:

كسا اللؤمُ تَيْمًا خضرةً في جلودها فويلٌ لتَيْمٍ مِن سرابيلها الخُضْرِ

پس جلود، سرابیل سے کنایہ ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم انہیں پہلی کھالیں نئی کر کے لوٹا دیں گے جس طرح تو کاریگر کو کہتا ہے: تو میرے لیے اس انگوٹھی سے نئی انگوٹھی بنا دے۔ پس وہ اسے توڑتا ہے اور اس سے تیرے لیے نئی انگوٹھی بنا دیتا ہے۔ انگوٹھی جو بنائی گئی حقیقت میں وہی پہلی انگوٹھی ہے، لیکن بناوٹ بدل گئی جب کہ چاندی ایک تھی۔ یہ نفس کی طرح ہے جب وہ مٹی بن جائے گا تو وہ لاشئی ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا جیسے تیرا اپنے صحیح بھائی کے لیے عہد تھا پھر تو اسے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 69، دار الکتب العلمیہ بیروت

بعد میں بیمار کمزور دیکھتا ہے تو تو اسے کہتا ہے: تو کیسا ہے؟ وہ کہتا ہے: میں اس کے علاوہ ہوں جس کے ساتھ تیرا عہد تھا، حالانکہ وہ وہی ہے لیکن اس کی حالت بدل گئی ہے۔ قائل کا قول کہ میں وہ نہیں جس کا تیرا عہد تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد غَیْرَهَا مجاز ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ (ابراہیم: 48) اس دن زمین، دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، حالانکہ بعینہ یہ وہی زمین ہوگی مگر ان کے لیے ٹیلے، پہاڑ، انہار، اشجار بدل جائیں گے اس کی وسعت میں اضافہ کر دیا جائے گا اور اس کو برابر کر دیا جائے گا۔ مزید بیان سورۃ ابراہیم میں آئے گا۔ اس معنی سے شاعر کا قول ہے:

فما الناسُ بالناس الذین عهدتم ولا الدار بالدار التی کنتُ أعرفُ

اور شعبی نے کہا: ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور کہا: کیا آپ ملاحظہ نہیں فرماتے عائشہ نے کیا کہا؟ اس نے اپنے زمانہ کی مذمت کی۔ اور انہوں نے لبید کے دو بیت پڑھے ہیں۔

ذهب الذین یُعاشُ فی أکنافِهم وبقِیتُ فی خَلْفٍ کجلْدِ الأجْربِ

یَتلذّذون مجانَةً و مَذلةً ویُعاب قائلهم وإن لم یَشْغَبِ

حضرت عائشہ نے کہا: اللہ تعالیٰ لبید پر رحم فرمائے، یہ اگر وہ ہمارے زمانہ کو دیکھتا تو وہ کیسے کہتا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اگر حضرت عائشہ نے اپنے زمانہ کی مذمت کی ہے تو عاد نے اپنے زمانہ کی مذمت کی، کیونکہ عاد کی ایک الماری میں ان کے ہلاک ہونے کے طویل زمانہ بعد ایک تیر پایا گیا وہ اس زمانہ کے نیزہ سے بھی لمبا تھا اس پر لکھا ہوا تھا:

بلاد بهاکُنا و نحن بأهلها إذِ الناسُ ناسٌ والبلادُ بِلادُ

شہر تو اسی طرح باقی تھے مگر ان کے احوال اور ان کے رہنے والوں کے احوال بدل گئے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا یعنی کوئی چیز اسے عاجز نہیں کرتی نہ اس سے کوئی چیز فوت ہوتی ہے۔ حَکِیْمًا اپنے بندوں کو لوٹانے میں اس کی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی صفت میں فرمایا: وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا یعنی اتنے گھنے سائے کہ ان میں دھوپ نہیں لگے گی۔ حسن نے کہا: ظلا کی صفت ظلیلا لگائی گئی۔ کیونکہ اس میں وہ چیزیں داخل نہ ہوں گی جو دنیا کے سایہ میں داخل ہوتی ہیں مثلاً گرم ہوا وغیرہ۔ ضحاک نے کہا: درختوں کے سائے اور محلات کے سائے۔ کلبی نے کہا: ظِلًّا ظَلِیْلًا سے مراد دائمی سایہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝۵۸

”بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کر و امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، ہر چیز کو دیکھنے والا ہے“۔

اس آیت میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ یہ آیت اہم ترین احکام سے ہے یہ اپنے ضمن میں دین وشرع کی تمام تفصیلات کی جامع ہے نہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس آیت کا مخاطب کون ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب، زید بن اسلم، شہر بن حوشب اور ابن زید نے کہا: یہ خطاب مسلمانوں کے والیوں کو ہے (1)۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے امراء کے لیے ہے پھر بعد کے تمام امراء کو شامل ہے۔ ابن جریج وغیرہ نے کہا: یہ خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کعبہ کی چابی کے بارے میں خطاب ہے جب آپ نے عثمان بن ابی طلحہ اور اس کے چچازاد شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ سے وہ چابی لی تھی۔ یہ دونوں حضرات فتح مکہ کے وقت کافر تھے، حضرت ابن عباس بن عبدالمطلب نے چابی کو طلب کیا تا کہ پانی پلانے کے عمل کے ساتھ سدانہ کے عمل کو بھی ساتھ ملالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے اور اس میں جو بت تھے انہیں توڑ دیا اور مقام ابراہیم کو نکالا، تو جبریل امین اس آیت کے ساتھ نازل ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ سے نکلے تو یہ آیت پڑھ رہے تھے، میں نے اس سے پہلے آپ سے یہ نہیں سنی تھی۔ عثمان اور شیبۃ کو بلایا اور کہا: یہ کعبہ کی چابی لے لو ہمیشہ ہمیشہ یہ تمہارے پاس رہے گی تم سے کوئی نہیں چھینے گا مگر ظالم۔ مکی نے حکایت کیا ہے کہ شیبۃ نے چابی نہ دینے کا ارادہ کیا پھر چابی اس نے پیش کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے فرمایا: ''یہ اللہ کی امانت لے لے'' (2)۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت والیوں کے ساتھ خاص ہے کہ وہ عورتوں کو نافرمانی وغیرہ سے بچنے کی نصیحت کریں اور ان عورتوں کو اپنے خاوندوں کی طرف لوٹا دیں (3)۔ اس آیت میں ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام لوگوں کو شامل ہے۔ یہ ولاۃ کو شامل ہے کہ ان کے پاس جو امانات ہیں انہیں تقسیم کرنے میں اور ظلم کو دور کرنے میں اور فیصلوں میں عدل کرنے میں امانت کا مظاہرہ کریں۔ یہ طبری کا اختیار ہے۔ دوسرے لوگوں کو شامل ہے کہ وہ ودیعتوں کی حفاظت کریں، جھوٹی شہادت سے اجتناب کریں وغیرہ۔ جس طرح ایک شخص کسی نازل شدہ معاملہ میں فیصلہ کرتا ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور تمام عبادات اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ یہ معنی حضرت ابن مسعود کی حدیث سے مرفوعاً بھی مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے راستہ میں شہید ہونا سارے گناہوں کا کفارہ ہے'' یا فرمایا: ''ہر چیز کا کفارہ ہے سوائے امانت کے۔ نماز میں امانت، روزے میں امانت، بات میں امانت اور سب سے سخت ودیعتیں ہیں'' (4)۔ یہ حدیث ابونعیم حافظ نے الحلیۃ میں روایت کی ہے۔ جن علماء نے کہا کہ یہ آیت تمام لوگوں کو شامل ہے ان میں حضرت براء بن عازب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب ہیں۔ یہ علماء فرماتے ہیں: ہر چیز میں امانت ہے وضو، نماز، زکوٰۃ، جنابت، روزہ، کیل، وزن اور ودائع۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی تنگ دست اور خوشحال کو امانت روکنے کی رخصت نہیں دی (5)۔

میں کہتا ہوں: یہ اجماع ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ امانتیں، ان کے حق داروں کو لوٹائی جائیں گی خواہ نیکو کار ہوں یا فجار ہوں۔ یہ ابن المنذر کا قول ہے۔ امانت مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں ہے اسی وجہ سے اس کی جمع بنائی گئی ہے۔ نظم یہ کہ پہلے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 70، دار الکتب العلمیہ بیروت 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 10، صفحہ 219، حدیث نمبر 10627 5۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 70

گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی شان کو چھپایا تھا اور انہوں نے مشرکوں کو کہا: تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ یہ ان کی طرف سے خیانت تھی۔ پس کلام تمام امانات کے ذکر تک جاری ہوئی۔ پس یہ آیت اپنے نظم کی وجہ سے ہر امانت کو شامل ہے یہ بہت زیادہ ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ بڑی بڑی امانتیں احکام میں ہیں: ودیعت، لقطہ، رہن، عاریۃ۔ حضرت ابی بن کعب نے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ أدِّ الأمانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک (1)۔ جس نے تیرے پاس امانت رکھی تھی اسے امانت ادا کر دو اور اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو جو تم سے خیانت کرے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کا مفہوم گزر چکا ہے۔

حضرت ابو امامہ نے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں یہ فرماتے سنا: ''عاریۃ لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی، دودھ والا جانور جو تمہیں دودھ پینے کے لیے دیا گیا ہے وہ لوٹایا جائے گا اور قرض ادا کیا جائے گا اور زعیم غارم ہے'' (2)۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے۔ دارقطنی نے یہ زائد روایت کیا ہے: ایک شخص نے کہا: اللہ کا عہد (اس کا کیا حکم ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا حق ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے'' (3)۔ اس آیت اور حدیث کی بنا پر ودیعت لوٹائی جائے گی اور ہر حال میں یہ لوٹائی جائے گی خواہ اس کو چھپایا گیا ہو یا نہ چھپایا گیا ہو۔ اس میں تعدی کی گئی ہو یا تعدی نہ کی گئی ہو۔ یہ عطا، امام شافعی، امام احمد اور اشہب کا قول ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جس نے حیوان یا کوئی اور چیز عاریۃ لی اور وہ ایسی چیزوں میں سے ہو جس کو چھپایا نہ جا سکتا ہو پھر وہ عاریۃ لینے والے شخص کے پاس تلف ہو گئی تو اس شخص کی تلف میں تصدیق کی جائے گی اور وہ ضامن نہ ہو گا مگر تعدی کے ساتھ یہ حسن بصری اور نخعی کا قول ہے اور یہی قول کوفیوں اور اوزاعی کا قول ہے۔ ان علماء نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے ارشاد: العاریة مؤداة (عاریۃ لی گئی چیز واپس کی جائے گی) کا معنی اس ارشاد الٰہی کے معنی کی طرح ہے: **اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا**۔ جب امانت تلف ہو جائے گی تو امین پر اس کی چٹی لازم نہ ہو گی، کیونکہ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اسی طرح عاریۃ لی گئی چیز بغیر تعدی کے تلف ہو جائے تو اس کی ضمانت نہیں لی جائے گی اور جب تعدی کے ساتھ تلف کرے گا تو اس پر خیانت کی وجہ سے اس کی قیمت اس پر لازم ہو گی۔ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ عاریۃ لی گئی چیز میں ضمانت نہیں ہے۔ دارقطنی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے اس پر ضمانت نہیں'' (4)۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت صفوان نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا تھا، جب آپ نے اس سے زرہیں عاریۃ لی تھیں۔ کیا یہ عاریۃ مضمونۃ ہیں یا عاریۃ مؤداۃ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عاریۃ مؤداۃ ہیں (5)۔

1۔ سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 35، حدیث نمبر 141
2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 41، حدیث نمبر 166
3۔ ایضاً، حدیث نمبر 165
4۔ ایضاً، حدیث نمبر 167
5۔ ایضاً، حدیث نمبر 160

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ ضحاک نے کہا: اس کا مطلب ہے مدعی پر دلیل اور منکر پر قسم کے اصول کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہ خطاب والیوں، امراء اور حکام کو ہے اور معنی کے اعتبار سے تمام مخلوق کو شامل ہے جیسا کہ ہم نے اداء امانات میں ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انصاف کرنے والے قیامت کے روز رحمٰن کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں وہ لوگ جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل کے بارے میں اور جن کے والی ہوتے ہیں، ان کے بارے میں عدل کرتے ہیں'' (1) اور فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے پوچھا جائے گا، امام نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے پوچھا جائے گا، آدمی اپنے اہل پر نگران ہے اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر پر نگران ہے اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا، غلام اپنے آقا کے مال پر نگران ہے اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے پوچھا جائے گا'' (2)۔ ان احادیث صحیحہ میں یہ تمام نگران اور حکام ہیں اپنے اپنے مراتب پر۔ اسی طرح عالم اور حاکم بھی نگران ہے، کیونکہ جب وہ فتویٰ دیتا ہے تو حکم لگاتا ہے اور وہ حلال اور حرام، فرض اور ندب، صحت اور فساد کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہ تمام امانت ہے جو ادا کی جاتی ہے اور حکم ہے جس کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ نعما کے بارے میں سورۂ بقرہ میں کلام گزر چکی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت سمیع و بصیر کو بیان فرمایا وہ سنتا اور دیکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿۴۶﴾ (طٰہٰ) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سنتا اور دیکھتا ہوں۔ یہ سمع کا طریق ہے اور عقل اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ سمع اور بصر کا انتفاع اس کی نقیض اندھے پن اور بہرے پن پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ دو ضدوں کو قبول کرنے والا المحل ایک چیز سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نقائص سے پاک ہے اور یہ محال ہے کہ جو نقائص سے متصف ہو اس سے افعال کاملہ کا صدور ہو جیسے سننے اور دیکھنے کی تخلیق اس سے جس کے لیے سمع و بصر نہیں ہے۔ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نقائص سے پاک ہے یہ دلیل سمعی ہے اصل قرآن کے ساتھ ان لوگوں کے مناظرہ میں اس پر اکتفا کیا جائے گا جن کو کلمہ اسلام جمع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہم کرنے والوں کے وہم سے اور جھوٹ گھڑنے والوں کے افترا سے بلند و بالا ہے۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ (الصافات)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 121　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 122

ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز قیامت پر، یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام"۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ جب پہلی آیت میں ولاۃ کو خطاب فرمایا اور انہیں اداء امانات کا حکم دیا اور انہیں لوگوں کے درمیان عدل کا حکم دیا، تو اس آیت میں رعیت کو خطاب فرمایا، انہیں پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیا۔ اس سے مراد اس کے احکام کی پیروی کرنا، اس کی نواہی سے اجتناب کرنا ہے پھر رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ یعنی جو حکم دیا اور جو نہی فرمائی اس کی اطاعت کرنا۔ پھر امراء کی اطاعت کا حکم دیا۔ یہ جمہور علماء، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: سات چیزوں میں سلطان کی اطاعت کرو، دراہم و دنانیر بنانے میں، کیل اور وزن میں، احکام، حج، جمعہ، عیدین اور جہاد میں۔ سہل نے کہا: جب کوئی سلطان عالم کو فتویٰ دینے سے منع کر دے تو اسے فتویٰ نہیں دینا چاہیے اگر وہ فتویٰ دے گا تو گناہگار ہوگا اگرچہ امیر ظالم بھی ہو۔ ابن خویز منداد نے کہا: سلطان کی اطاعت ایسے امر میں واجب ہوتی ہے جس میں اللہ کی اطاعت ہو، اللہ کی معصیت میں اطاعت واجب نہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: ہمارے زمانہ کے والیوں کی اطاعت، معاونت اور تعظیم جائز نہیں اور ان کے ساتھ جہاد ثابت ہوگا اگر وہ ہمیں نماز پڑھائیں تو ان کے ساتھ نماز جائز ہوگی جب کہ وہ گناہوں کے اعتبار سے فاسق بھی ہوں۔ اگر وہ بدعتی ہوں تو ان کے ساتھ نماز جائز نہ ہوگی مگر یہ کہ ان کا خوف ہو تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے گی اور نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے فرمایا: امام پر حق ہے کہ وہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرے اور امانت ادا کرے جب وہ ایسا کرے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس کی اطاعت کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اداء امانت اور عدل کا حکم دیا پھر امام کی اطاعت کا حکم دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور مجاہد نے کہا: اولوالامر سے مراد اہل قرآن اور اہل علم ہیں۔ یہی قول امام مالک کا مختار ہے اور یہی ضحاک کا قول ہے۔ اس سے مراد ہیں فقہاء اور علماء دین۔

مجاہد سے حکایت ہے کہ اس سے مراد خالص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں (1)۔ اور عکرمہ سے حکایت ہے کہ یہ خاص حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی طرف اشارہ ہے (2)۔ سفیان بن عیینہ نے حکم بن ابان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عکرمہ سے امہات الاولاد کے بارے پوچھا: عکرمہ نے کہا: وہ آزاد ہیں۔ میں نے کہا: کس چیز سے؟ انہوں نے کہا: قرآن سے۔ میں نے کہا: قرآن میں کس آیت سے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ اور حضرت عمر اولی الامر میں سے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا: ام الولد آزاد ہوگئی اگرچہ بچہ گرا دے۔ اس کا تفصیلی بیان سورۃ الحشر میں وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ الخ (الحشر: 7) کے تحت آئے گا۔ ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد عقل والے اور اہل الرائے ہیں جو لوگوں کے معاملات کی تدبیر کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ان اقوال میں صحیح ترین قول پہلا اور دوسرا ہے۔ پہلا قول اس لیے کہ اہل قرآن سے امر کی اصل ہے اور حکم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 71 2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 180

ان کی طرف لوٹنا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کا ارشاد حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی السہمی کے بارے نازل ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریۃ (چھوٹا سا لشکر) میں اسے امیر بنا کر بھیجا (1)۔ ابو عمر نے کہا: حضرت عبداللہ بن حذافہ کا مزاح معروف تھا ان کے مزاح سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک لشکر میں امیر بنایا۔ انہوں نے اپنے لشکریوں کو کہا: لکڑیاں اکٹھی کرو اور آگ جلاؤ، جب انہوں نے آگ جلا دی تو انہیں آگ میں گھسنے کا حکم دیا۔ پھر انہیں کہا: کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ وہ صحابہ کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تا کہ ہم آگ سے بچ جائیں (اور تم پھر ہمیں آگ میں گھسنے کا حکم دے رہے ہو)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے فعل کو درست کہا اور فرمایا: ''خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت (کا حکم) نہیں ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ مشہور ہے۔

محمد بن عمرو بن علقمہ عن عمر بن حکم بن ثوبان کے سلسلہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس السہمی اصحاب بدر میں سے تھے اور ان کی طبیعت میں مزاح تھا۔ اور حضرت زبیر نے ذکر کیا فرمایا: مجھے عبدالجبار بن سعید نے بتایا انہوں نے عبداللہ بن وہب سے انہوں نے لیث بن سعد سے روایت کیا۔ فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حزام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کو کسی سفر میں بٹھایا قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گر پڑتے۔ ابن وہب نے کہا: میں نے لیث سے پوچھا یہ انہوں نے آپ کو ہنسانے کے لیے کیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں ان میں خوش طبعی تھی۔ میمون بن مہران، مقاتل اور کلبی نے کہا اُولِی الْاَمْرِ سے مراد اصحاب السریۃ (جہاد کرنے والے) ہیں۔ اور رہا دوسرا قول تو اس کی صحت پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ۔ اللہ تعالیٰ نے متنازع فیہ معاملہ کو کتاب اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے اور علماء کے علاوہ کسی کو کتاب وسنت کی طرف لوٹانے کی طاقت نہیں۔ علماء سے سوال کرنے کے وجوب کی صحت پر یہ دلیل ہے اور ان کے فتویٰ کی پیروی کے لزوم کی صحت پر دلیل ہے۔ سہل بن عبداللہ نے فرمایا: لوگ خیر پر رہیں گے جب تک سلطان اور علماء کی تعظیم کرتے رہیں گے اور جب لوگ ان دو شخصیات کی تعظیم کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت کی اصلاح فرما دے گا اور جب لوگ اپنے سلطان اور علماء کی تحقیر کریں گے تو ان کی دنیا و آخرت کو وہ خراب کر دے گا۔ رہا تیسرا قول تو وہ خاص ہے اور چوتھا قول اس سے بھی خاص ہے اور رہا پانچواں قول ظاہر لفظ اس کی تائید نہیں کرتے، اگرچہ معناً صحیح ہے، کیونکہ عقل پر فضیلت کی بنیاد ہے اور ہر ادب کا سرچشمہ ہے عقل کو ہی اللہ تعالیٰ نے دین کے لیے اصل دنیا کے لیے سہارا بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عقل کے کمال کے ساتھ تکلیف کو واجب کیا ہے اور عقل کے احکام کے ساتھ دنیا کی تدبیر بنائی ہے اور ایک عقل مند کوشش کرنے والوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یہ معنی حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ اولی الامر سے مراد حضرت علی اور ائمہ معصومین

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 659

ہیں۔ اگر یہ معاملہ ہوتو پھر فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ کا کوئی معنی نہیں رہتا بلکہ اللہ فرماتا: فردوہ الی الامام و اولی الامر۔ کیونکہ ان کے نزدیک وہ کتاب وسنت پر حکم لگانے والا ہے۔ یہ قول متروک ہے اور جمہور کے نظریہ کے مخالف ہے۔

اطاعت کی حقیقت، حکم کی پیروی کرنا ہے جس طرح کہ معصیت اس کی ضد ہے اور معصیت کا مطلب حکم کی مخالفت کرنا ہے اطاعت یہ اطاع سے ماخوذ ہے جب کوئی پیروی کرے اور معصیت، عصی سے ماخوذ ہے جب کوئی سخت ہو جائے۔ اولو اس کا واحد ذو ہے یہ بغیر قیاس کے ہے جس طرح النساء، الابل اور الخیل بغیر قیاس کے جمع ہیں ان میں سے ہر ایک اسم جمع ہے اس کا اس کے لفظ سے واحد نہیں ہے۔ بعض نے الخیل کا واحد خائل کہا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ یعنی تم جھگڑو اور اختلاف کرو۔ گویا ہر فریق دوسرے کی حجت کو کھینچتا اور ختم کرتا ہے۔ النزع کا معنی کھینچنا ہے المنازعۃ کا معنی حجتوں کا کھینچنا ہے اسی سے حدیث ہے (1) وانا اقول مالی ینازعنی القرآن۔ میں کہتا ہوں: مجھے کیا ہے کہ قرآن مجھ سے چھینا جا رہا ہے۔ اعشی نے کہا:

نازعتُهم قُضُبَ الرّیحان مُتَّکئاً　　وقهوةً مُزَّةً رَاوُوقها خَضِلُ

الخضل نرم بوٹیوں کو کہتے ہیں الخضیلۃ باغ کو کہتے ہیں۔ فی شئی یعنی تمہارے دینی معاملہ میں۔ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ یعنی یہ حکم کتاب اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ یعنی رسول کریم کی ظاہری حیات میں تو آپ سے سوال کرو اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنن میں غور وفکر کے ساتھ مسئلہ کا حل نکالو۔ یہ مجاہد، اعمش اور قتادہ کا قول ہے (2) اور یہ صحیح ہے۔ جس نے ایسا نظریہ نہیں دیکھا اس کے ایمان میں خلل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے تم کہو اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ یہ ردکا مطلب ہے (3)۔ یہ اس طرح ہے جیسے حضرت عمر بن خطاب نے کہا تھا: حق کی طرف رجوع، باطل پر ڈٹے رہنے سے بہتر ہے۔ اور پہلا قول اصح ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ہمارے پاس وہ ہے جو کتاب اللہ میں ہے اور جو اس صحیفہ میں ہے یا وہ فہم ہے جو کسی مسلمان آدمی کو عطا کیا جاتا ہے۔ اگر اس طرح ہوتا جس طرح اس قائل نے کہا ہے تو وہ اجتہاد باطل ہو جائے گا جو اس امت کی خصوصیت ہے اور وہ استنباط بھی باطل ہو جائے گا جو ایک مسلمان کو عطا کیا جاتا ہے۔ لیکن مثالیں دی جاتی ہیں اور مثال تلاش کی جاتی ہے تاکہ درست نتیجہ نکالا جائے۔

ابو العالیہ نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَاِلٰٓى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول (کریم) کی طرف اور با اقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ مگر وہ چیزیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرمایا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے: اللہ اعلم یعنی اللہ بہتر جانتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا (الاحقاف: 15)۔ اور وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 119　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 71　　3۔ ایضاً

حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ (بقرہ:233) سے استنباط کی ہے جب ہم نے تیس مہینوں سے دو سال جدا کیے تو باقی چھ ماہ رہ گئے۔ اس کی مثالیں کثیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اِلَى الرَّسُوْلِ میں دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جائے گا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی پیروی کی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں جس چیز سے منع کروں اس سے اجتناب کرو اور جس کا میں تمہیں حکم دوں اس پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو، تم سے پہلے لوگوں کو اپنے انبیاء پر اختلاف کرنے اور کثرت سے سوال کرنے نے ہلاک کیا تھا'' (1)۔

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ ابو داؤد نے ابو رافع سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے صوفے پر ٹیک لگائے ہوئے ہو اس کے پاس میرے امر میں سے کوئی امر آئے جس کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے میں نے منع کیا ہے اور وہ کہے: ہم نہیں جانتے ہم جو کتاب اللہ میں پائیں گے اس کی اتباع کریں گے'' (2)۔ حضرت عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جب کہ آپ لوگوں کو خطاب فرما رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے ''کیا تم میں سے کوئی اپنے صوفے پر ٹیک لگائے ہوئے گمان کرتا ہے کہ اللہ نے کسی چیز کو حرام نہیں کیا مگر جو اس قرآن میں ہے، خبردار! میں نے اللہ کی قسم حکم بھی دیا، وعظ بھی کیا اور کچھ چیزوں سے منع بھی کیا وہ قرآن کی مثل ہیں یا اس سے بھی زیادہ ہیں''۔ یہ حدیث ترمذی نے مقدام بن معدیکرب سے اس کے ہم معنی روایت کی ہے، فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے (3)۔ اور قطعی اس میں یہ ارشاد ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ (النور:63) (پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے)

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ خَيْرٌ مختلف فیہ مسئلہ کو کتاب وسنت کی طرف لوٹانا، اس میں جھگڑنے سے بہتر ہے۔ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا تاویل کا معنی مرجع ہے یہ آل یئول الی کذا سے مشتق ہے یعنی وہ ہو گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اُلْتُ الشیٔ سے مشتق ہے جب تو اسے جمع کرے اور اس کی اصلاح کرے۔ تاویل کا معنی ان الفاظ کے معانی کو جمع کرنا ہے، جن کا سمجھنا مشکل ہے، ایسے لفظ کے ساتھ جس میں کوئی مشکل نہ ہو۔ کہا جاتا ہے: اول اللہ علیك امرك۔ یعنی اللہ نے تجھ پر تیرا عمل جمع کر دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہو تمہاری تاویل سے بہتر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 215

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 2، صفحہ 279۔ ایضاً، حدیث نمبر 3989، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع ترمذی، ابواب العلم، جلد 2، صفحہ 91

اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۝

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انہیں بہت دور تک۔ اور جب کہا جائے انہیں کہ آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسول (پاک) کی طرف تو آپ دیکھیں گے منافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی کرتے ہوئے''۔

یزید بن زریع عن داؤد بن ابی ھند عن الشعبی کے سلسلہ سے مروی ہے شعبی نے فرمایا: ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ یہودی نے منافق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی طرف بلایا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رشوت قبول نہیں کرتے۔ منافق نے یہودی کو یہود کے حکام سے فیصلہ کرانے کی طرف بلایا، کیونکہ جانتا تھا کہ وہ اپنے فیصلوں میں رشوت لیتے ہیں۔ جب اختلاف ہوا تو دونوں نے جہینہ قبیلہ میں ایک کاہن کو اپنا حکم بنانے پر اتفاق کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ یعنی منافق اور وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یعنی یہودی يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ ...... وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

ضحاک نے کہا: یہودی نے منافق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا اور منافق نے کعب بن اشرف کی طرف بلایا۔ طاغوت یہی ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: منافقین میں سے ایک شخص جس کو بشر کہا جاتا تھا اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا یہودی نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور منافق نے کہا: بلکہ کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام طاغوت رکھا، یعنی سرکشی کرنے والا۔ یہودی نے انکار کیا اس لیے کہ فیصلہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں گے جب اس منافق نے یہ دیکھا تو وہ اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ جب وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے واپس آئے تو منافق نے کہا میں اس پر راضی نہیں ہوں۔ تم ہمارے ساتھ ابو بکر کے پاس چلو۔ حضرت ابو بکر نے بھی یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ منافق اس سے بھی راضی نہ ہوا۔ زجاج نے ذکر کیا ہے اس منافق نے کہا: عمر کے پاس چلو۔ دونوں حضرت عمر کے پاس آئے تو یہودی نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے پھر ابو بکر کے پاس گئے تھے لیکن یہ ان کے فیصلوں سے راضی نہیں ہوا۔ حضرت عمر نے منافق کو کہا: واقعی مسئلہ اسی طرح ہے؟ منافق نے کہا: ہاں۔ حضرت عمر نے کہا: تم دونوں یہاں ٹھہرے رہو حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آ جاؤں۔ حضرت عمر گھر میں داخل ہوئے تلوار پکڑی (باہر آئے) اور منافق کو ماردی حتیٰ کہ منافق مر گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا میں اس کا فیصلہ اس طرح کرتا ہوں۔ یہودی بھاگ گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انت الفاروق (1) (تو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے) جبریل امین نازل ہوئے اور کہا: حضرت عمر نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا۔ پس آپ کو فاروق کا نام دیا گیا۔ یہ تمام آیات وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا تک اس واقعہ میں نازل ہوئیں۔ ضلالاً معنی کی بنا پر منصوب ہے یعنی فیضلون ضلالاً۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (نوح) یہ معنی پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے صُدُوْدًا خلیل کے نزدیک مصدر کا اسم ہے اور مصدر الصد ہے۔ کوفی علماء کہتے ہیں: یہ دونوں مصدر ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

"پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے پھر حاضر ہوتے ہیں آپ کے پاس قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی (کہتے ہوئے بخدا) نہیں قصد کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا۔ یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے (اے حبیب!) چشم پوشی فرمایئے ان سے اور نصیحت کرتے رہیے انہیں اور کہیے انہیں تنہائی میں ایسی بات جو موثر ہو"۔

یعنی فَكَيْفَ کیا حال ہوگا یا فکیف، یصنعون یعنی وہ کیا کریں گے۔ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ یعنی صحابہ کرام سے استعانت ترک کرنے کی وجہ سے جب انہیں کوئی مصیبت آ پہنچتی ہے اور جو ذلت انہیں لاحق ہوتی ہے اس ارشاد میں: فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا (توبہ: 83) بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد ان کے اپنے سردار کا قتل ہے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ یہاں تک کلام مکمل ہے پھر ان کے فعل کے متعلق خبر دی۔ یہ اس طرح ہے کہ حضرت عمر نے جب ان کے ساتھی کو قتل کر دیا تو ان کی قوم اس کی دیت کا مطالبہ کرنے کے لیے آئی اور قسمیں اٹھانے لگے کہ ہم دیت طلب نہیں کر رہے ہیں مگر احسان کے لیے اور موافقت حق کے لیے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے فیصلہ میں آپ سے عدول نہیں کیا مگر جھگڑے میں مصالحت کے لیے اور فیصلہ میں بھلائی کے لیے۔ ابن کیسان نے کہا: اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ کا معنی عملاً اور حقاً ہے۔ اس کی مثال یہ ہے وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى (توبہ: 107) اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ زجاج نے کہا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ منافق ہیں اور ہمارے لیے فائدہ ہے کہ تم جان لو کہ یہ منافق ہیں۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ان کی سزا سے اعراض فرمائیں۔ بعض نے فرمایا: ان کے عذر قبول کرنے سے اعراض فرمائیں۔ وَعِظْهُمْ ان کو خوف دلائیں۔ بعض نے فرمایا: بھرے مجمع میں انہیں ڈرائیں۔ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا یعنی انہیں خلوت و اندرون خانہ خوب زجر و توبیخ کریں۔ حسن نے کہا: انہیں کہو اگر تم نے اپنے دلوں کی بات ظاہر کر دی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ عرب کہتے

1۔ تفسیر کشاف تفسیر سورۂ نساء، جلد 1، صفحہ 525

ہیں: بلغ القول بلاغة، رجل بليغ يبلغ بلسانه كنه ما في قلبه یعنی زبان کے ساتھ اپنے دل کی حقیقت تک پہنچا۔ عرب کہتے ہیں: احمق بلغ وبلغ یعنی وہ حماقت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ بعض نے فرمایا: جو وہ چاہتا ہے اس کو پہنچتا ہے اگر چہ وہ احمق تھا۔ کہا جاتا ہے: فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ مسجد ضرار بنانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو ظاہر فرما دیا اور ان کی مسجد گرانے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنے دفاع میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے قسمیں اٹھائیں ہم نے مسجد کی تعمیر فقط اللہ کی اطاعت اور کتاب کی موافقت میں کی ہے۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ ٱللَّهَ وَٱسْتَغْفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُوا۟ ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾

''اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے، والا نہایت رحم کرنے والا''۔

إِلَّا لِيُطَاعَ جس کا حکم دے اور جس سے منع کرے۔ بِإِذْنِ ٱللَّهِ، اللہ کے علم کے مطابق۔ بعض نے اس کا معنی کیا ہے اللہ کی توفیق سے۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ۔ ابو صادق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ہمارے پاس ایک اعرابی آیا جب کہ ہم تین دن سے رسول اللہ ﷺ کو دفن کر چکے تھے۔ اس اعرابی نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر ڈال دیا اور قبر انور کی مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ نے کہا تو ہم نے آپ کا قول سنا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے کلام یاد کیا اور ہم نے آپ سے کلام یاد کیا۔ جو اس نے تجھ پر نازل کیا اس میں ہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ (الآیۃ) میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میرے لیے استغفار کریں تو قبر انور سے آواز آئی ''تجھے بخش دیا گیا ہے'' (☆)۔

لَوَجَدُوا۟ ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا پائیں گے۔ یہ دونوں مفعول ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

''پس (اے مصطفیٰ!) تیرے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھر نہ بنائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کرلیں دل و جان سے''۔

☆ بہجۃ المجالس لابن عبد البر، جلد 3، صفحہ 275۔ المجموع للنووی، جلد 8، صفحہ 217

اس میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ مجاہد وغیرہ نے کہا: اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے جنہوں نے طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانے کا ارادہ کیا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ طبری نے کہا: فلا کا قول پیچھے جو ذکر ہو چکا ہے اس کا رد ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ پھر قسم سے آغاز فرمایا: وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (2)۔ دوسرے ائمہ نے فرمایا: قسم پر لا کو نفی کے ساتھ اہتمام اور اس کو قوت کے اظہار کے لیے مقدم کیا گیا ہے پھر قسم کے بعد دوبارہ نفی کے ساتھ اہتمام کی تاکید کے لیے ذکر فرمایا اور دوسرے (لا) کا ساقط کرنا صحیح تھا اور پہلے لا کی تقدیم کے ساتھ اکثر اہتمام باقی تھا اور پہلے لا کو ساقط کرنا صحیح تھا اور نفی کا معنی باقی ہوگا لیکن اہتمام کا معنی ختم ہو جائے گا (3)۔ شجر اس کا معنی اختلاف کرنا اور خلط ملط ہونا ہے۔ درخت کو شجر اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ اس کی ٹہنیاں ایک دوسرے سے الجھی ہوئی ہوتی ہیں ہودج کی لکڑیوں کو شجار کہتے ہیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے میں داخل ہوتی ہیں۔ شاعر نے کہا:

نفسی فداءك والرّماح شَوَاجِر والقوم ضُنك لِلقاءِ قیام

میرا نفس تجھ پر فدا تھا جب نیزے گتھم گتھم تھے

طرفہ نے کہا:

وهُمُ الحکام اربابُ الهدیٰ وسعاة الناس فی الأمر الشّجر

حکام ارباب الهدیٰ اور ایک مختلف امر میں کوشش کر رہے تھے۔

ایک طائفہ نے کہا: یہ آیت حضرت زبیر اور ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ان کا باغ کو پانی پلانے میں جھگڑا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو کہا: تو اپنی زمین کو پانی پلا، پھر پانی اپنے پڑوسی کی زمین کی طرف چھوڑ دے۔ انصاری کہنے لگا: میں تیری طرف دیکھتا ہوں کہ آپ اپنی پھوپھی کے بیٹے سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جملہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ سے رنگ بدل گیا اور آپ نے پھر حضرت زبیر سے کہا: تو اپنی زمین کو پانی پلا، پھر پانی روک لے حتیٰ کہ پانی وٹوں تک پہنچ جائے۔ اور پھر یہ آیت نازل ہوئی فَلَا وَ رَبِّكَ الخ۔ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے (4)۔ امام بخاری کی سند یہ ہے عن علی بن عبد اللہ عن محمد بن جعفر عن معمر۔ اور مسلم نے قتیبہ سے پھر دونوں نے زہری سے روایت کی ہے۔ انصاری شخص کے بارے اختلاف ہے، بعض نے فرمایا: وہ اہل بدر میں سے ایک انصاری تھا۔ مکی اور نحاس نے کہا: وہ حاطب بن ابی بلتعہ تھا۔ ثعلبی، واحدی اور مہدوی نے کہا: وہ حاطب تھا۔ بعض نے کہا: ثعلبہ بن حاطب تھا۔ اس کے علاوہ بھی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 75، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 74
3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، جلد 1، صفحہ 373

اقوال میں صحیح پہلا قول ہے، کیونکہ وہ غیر متعین اور غیر مسمی ہے۔ اسی طرح بخاری اور مسلم میں بھی رجل من الانصار ذکر ہے۔ طبری نے منافق اور یہودی میں اس کے نزول کو اختیار کیا ہے(1) جیسا کہ مجاہد نے کہا: یہ اپنے عموم کے ساتھ حضرت زبیر کے واقعہ کو شامل ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح ہے پس جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی فیصلہ میں متہم کیا وہ کافر ہے لیکن انصاری سے لغزش ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور اس کی لغزش کو معاف کر دیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے یقین کی صحت کا علم تھا۔ ان سے یہ لغزش عجلت میں ہو گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے یہ حکم نہیں ہے ہر وہ شخص جو حاکم کے حکم سے راضی نہ ہوگا اور وہ اس میں طعن کرے گا اور اسے رد کرے گا تو وہ گناہگار ہوگا اس سے توبہ طلب کی جائے گی اور جو حاکم میں طعن کرے اس کے فیصلہ میں طعن نہ کرے تو اس کو تعزیر لگانے اور اسے معاف کرنے کا حق ہے۔ اس کا مزید بیان سورۂ اعراف کے آخر میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب اس آیت کے نزول کا سبب وہ ہے جو ہم نے حدیث سے ذکر کیا تو اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور اس کے خصم کے بارے فیصلہ دیا وہ بطور صلح تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے زبیر تو پانی پلا''۔ کیونکہ پانی اس کے قریب تھا۔ ''پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دے''، یعنی اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے اور پورا پورا حق نہ لے اور اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑنے میں جلدی کر(2)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو مسامحت اور آسانی کرنے پر ابھارا جب انصاری نے یہ سنا اور اس سے راضی نہ ہوا اور ناراض ہوا، کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ حضرت زبیر بالکل پانی کو نہ روکے۔ تو اس نے اپنی زبان سے غلط ہلاک کرنے والا، شان رسالت کے جو لائق نہ تھا وہ کلمہ بولا۔ اس نے کہا: یہ اس لیے فیصلہ فرمایا ہے کہ زبیر تمہاری پھوپھی کا بیٹا ہے۔ اس کے جملہ میں آن ہے یہ ان مفتوحہ انکار کی جہت پر ہمزہ کی مد کے ساتھ ہے۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ کی وجہ سے چہرہ متغیر ہو گیا، پھر آپ نے حضرت زبیر کے لیے پورا پورا حق لینے کا فیصلہ دیا وہ کسی قسم کی مسامحت کا مظاہرہ نہ کریں۔ اس پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت غضب میں کیسے فیصلہ فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے''(3)۔ ہم کہیں گے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اور احکام میں خطا سے معصوم تھے۔ عقل کی دلیل کے ساتھ جو دلالت کرتی ہے کہ آپ جو اللہ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اس میں سچے ہیں۔ دوسرا کوئی آپ کی مثل نہیں ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ حاکم جھگڑنے والوں کے درمیان اصلاح کا راستہ اختیار کرے اگرچہ اس پر حق ظاہر بھی ہو جائے۔ امام مالک نے اس سے منع کیا ہے، امام شافعی کا قول اس میں مختلف ہے۔ اس حدیث میں جواز پر واضح حجت ہے۔ اگر وہ صلح کر لیں تو فبہا ورنہ صاحب حق اپنا پورا حق وصول کرے گا اور حکم ثابت ہوگا۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مالک کے اصحاب کا اوپر والے کا نیچے والے کی طرف پانی چھوڑنے کی صفت میں اختلاف ہے۔ ابن حبیب نے کہا: اوپر والا تمام پانی اپنے باغ میں داخل کرے گا اس سے اپنے باغ کو سیراب کرے گا حتیٰ کہ پانی باغ میں

1۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 190　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، جلد 1، صفحہ 373
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، جلد 2، صفحہ 149

اتنا ہو جائے کہ کھڑا ہونے والے کے ٹخنوں تک پہنچ جائے تو پھر پانی کا راستہ بند کرے اور ٹخنوں سے جو زائد مقدار میں پانی ہو وہ اپنے قریبی کی طرف چھوڑے معاملہ اسی طرح چلتا جائے حتیٰ کہ پانی آخری کھیت والے کو پہنچ جائے میرے لیے مطرف اور ابن الماجشون نے اسی طرح تفسیر بیان کی ہے۔ یہ ابن وہب کا قول ہے۔ ابن القاسم نے کہا: جب پانی باغ میں ٹخنوں کی مقدار تک پہنچ جائے تو تمام پانی نیچے والے کی طرف چھوڑ دے اور اپنے باغ میں کچھ بھی نہ روکے۔ ابن حبیب نے کہا: مطرف اور ابن الماجشون کا قول میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے وہ اسے زیادہ جانتے تھے، کیونکہ مدینہ طیبہ میں ان دونوں کا گھر تھا وہاں یہ واقعہ پیش آیا اور وہاں یہ عمل جاری تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مالک نے حضرت عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کیا ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور اور مذینب (مدینہ طیبہ کی دو وادیاں جن میں بارش کا پانی بہتا تھا) کے پانی کے بارے میں فرمایا: ''(پہلے باغ والا پانی کو ٹخنوں تک روک لے پھر وہ نیچے والے کی طرف چھوڑ دے''(1)۔ ابو عمر نے کہا: میں یہ حدیث نہیں جانتا کہ کسی طریق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل مروی ہو اس کی ارفع سند یہ ہے محمد بن اسحاق عن ابی مالك بن ثعلبة عن ابيه۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہزور والے آئے تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ پانی جب ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اوپر والا پانی کو نہ روکے(2)۔ عبدالرزاق نے ابو حازم قرطبی سے انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ''مہزور کے پانی میں یہ فیصلہ فرمایا کہ ہر کھیت میں پانی کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے گا تو پھر چھوڑ دیا جائے گا اس کے علاوہ پانیوں کا یہی حکم ہوگا''۔ ابو بکر البزار سے اس حدیث کے بارے پوچھا گیا تو اس نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں حدیث محفوظ نہیں کی جو ثابت ہو۔ ابو عمر نے کہا: اس معنی میں اگرچہ اس لفظ کے ساتھ حدیث ثابت نہیں ہے جس کی صحت پر اجماع ہے، اسے ابن وہب نے لیث بن سعد اور یونس بن یزید سے، ان دونوں نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ عروہ بن زبیر نے انہیں بیان فرمایا کہ انہیں حضرت عبداللہ بن زبیر انہیں حضرت زبیر سے روایت کر کے بتایا کہ ان کا ایک انصاری شخص سے پانی کی نالی میں جھگڑا ہوا دونوں اس نالی سے اپنے کھجوروں کے باغات کو سیراب کرتے تھے۔ یہ انصاری شخص نبی کریم کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوا تھا۔ انصاری نے کہا: ''تو پانی چھوڑ دے''۔ زبیر نے انکار کیا۔ دونوں اپنا جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آگے مکمل حدیث ذکر کی۔

ابو عمر نے کہا: ایک حدیث میں یرسل کے الفاظ ہیں اور دوسری میں اذا بلغ الماء الكعبين لم يحبس الاعلى (جب پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اوپر والا نہ روکے) یہ ابن القاسم کے قول کی تائید کرتے ہیں۔ نظر کا تقاضا یہ ہے کہ اوپر والا اگر پانی نہیں چھوڑے گا مگر جو ٹخنوں سے زائد ہوگا تو وہ پانی تھوڑی مدت میں ختم نہیں ہوگا اور وہ نہیں پہنچے گا وہاں تک جہاں اس نے پہنچنا ہے جب تمام پانی چھوڑے اور اوپر والا اگر ٹخنوں تک پانی لینے کے بعد چھوڑ دے تو اس میں عام فائدہ ہے اور زیادہ نفع ہے اس صورت میں تمام لوگوں کو شریک بنایا گیا ہے پس ہر حال میں ابن القاسم کا قول اولیٰ ہے جب کہ اسفل (نیچے والا) کے

1۔ موطا امام مالک، کتاب الاقضیہ، صفحہ 643　2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 2، صفحہ 86، حدیث نمبر 1386

لیے اس کی اصل ملک نہ ہو جو اس کے ساتھ خاص ہو اگر کوئی کسی عمل کی وجہ سے یا ملک صحیح کی وجہ سے یا قدیمی استحقاق اور ملک کے ثبوت کی وجہ سے پانی کا مستحق ہو تو ہر ایک اپنے حق پر قائم رہے گا جیسا کہ اس کا قبضہ ہے اور اصل مسئلہ ہے۔ وباللہ التوفیق

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ، حَرَجًا کا معنی تنگی اور شک ہے اسی وجہ سے گھنے درخت کو حرج و حرجۃ کہا جاتا ہے اس کی جمع حراج ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے جواب آپ نے فیصلہ فرمایا اس کا انکار کر کے گناہ نہ پائیں۔ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی فیصلہ میں آپ کے امر کی اطاعت کریں۔ زجاج نے کہا: تَسْلِیْمًا مصدر موکد ہے اور جب تو کہتا ہے: ضربت ضربًا تو گویا تو کہتا ہے: میں اس میں شک نہیں کرتا، اسی طرح وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی وہ آپ کے فیصلہ کو اس طرح تسلیم کریں کہ ان کے نفسوں میں کوئی شک نہ ہو۔

وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِیْتًا ۙ﴿۶۶﴾ وَّ اِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ۙ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۶۸﴾

"اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے اپنے گھروں سے تو نہ بجا لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور (اسی طرح) سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو جاتے، تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم۔ اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے راستے تک"۔

ان آیات کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس اور ایک یہودی نے باہم تفاخر کیا، یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! ہم پر اپنے آپ کو قتل کرنا فرض کیا گیا تھا ہم نے اپنے آپ کو قتل کیا (1)، اور ہمارے مقتول ستر ہزار تک پہنچ گئے۔ ثابت نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اللہ ہم پر فرض کرتا کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو تو ہم ایسا کرتے۔ ابو اسحاق السبیعی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ تو ایک شخص نے کہا: اگر ہمیں حکم دیا جاتا تو ہم ایسا کرتے، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں عافیت دی۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من امتی رجالاً الایمان اثبت فی قلوبھم من الجبال الرواسی (2)۔ میری امت کے کچھ ایسے لوگ ہیں ایمان ان کے دل میں مستحکم پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوطی سے موجود ہے۔ ابن وہب نے کہا: مالک نے کہا: یہ کہنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اسی طرح مکی نے کہا: وہ حضرت ابو بکر تھے۔ نقاش نے ذکر کیا کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر ہم پر یہ فرض کیا جاتا تو میں اپنے نفس اور اپنے گھر والوں سے اس حکم کی تعمیل کا آغاز کرتا (3)۔ ابو اللیث سمرقندی نے ذکر کیا ہے کہ وہ قائل حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ثابت بن قیس تھے، انہوں نے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 75، دار الکتب العلمیہ بیروت　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

کہا: اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیتا یا ہمیں اپنے گھروں سے نکلنے کا حکم دیتا تو ہم ضرور ایسا کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں کے دلوں میں ایمان مستحکم پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوطی سے موجود ہے"۔ (لو) حرف ہے، کسی دوسری چیز کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس چیز کے نہ پائے جانے پر دلالت کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس نے ہم پر مہربانی کرتے ہوئے ہم پر یہ فرض نہیں کیا تاکہ ہماری معصیت ظاہر نہ ہو کتنے ایسے احکامات ہیں جن کے خفیف ہونے کے باوجود ہم نے کوتاہی کی تو اتنا بھاری حکم آجاتا تو کیا حالت ہوتی۔ لیکن اللہ کی قسم! مہاجرین نے اپنے گھروں کو خالی چھوڑ دیا اور وہ ان کے ذریعے پسندیدہ زندگی کی تلاش میں نکلے۔ مَّا فَعَلُوْهُ انہوں نے اپنے آپ کو قتل نہ کیا اور نہ انہوں نے گھروں کو چھوڑا۔ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ، قلیلٌ، واؤ سے بدل ہے تقدیر اس طرح ہے ما فعله احدٌ الا قلیل۔ اہل کوفہ کہتے ہیں یہ تکریر پر ہے ما فعلوہ ما فعله الا قلیل منهم۔ عبداللہ بن عامر اور عیسیٰ بن عمر نے استثنا کی بنا پر الا قلیلاً پڑھا ہے، اسی طرح اہل شام کے مصاحف میں ہے۔ اور باقی قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ رفع تمام نحویوں کے نزدیک عمدہ ہے۔ بعض نے فرمایا: نصب فعل کے اضمار پر ہے تقدیر اس طرح ہوگی الا ان یکون قلیلاً منهم۔ رفع بہتر ہے، کیونکہ لفظ معنی سے اولیٰ ہوتا ہے اور وہ معنی پر بھی مشتمل ہے اور ان قلیل میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت ثابت بن قیس تھے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ حسن اور مقاتل نے حضرت عمار اور حضرت ابن مسعود کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہم نے بھی پہلے ان کا ذکر کیا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ یعنی اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ہوتا۔ وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا یعنی حق پر مضبوطی سے ثابت قدم ہو۔ وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا یعنی آخرت میں ثواب۔ بعض نے فرمایا: لام، لام الجواب ہے اور اذًا جزا پر دال ہے، معنی یہ ہے لو فعلوا ما یوعظون به لاتیناهم۔ اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تو ہم انہیں عطا فرماتے۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ﴿۷۰﴾

"اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا"۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ جب اللہ تعالیٰ نے اس امر کا ذکر کیا کہ اگر منافقین اس امر کو بجا لاتے جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اور وہ اس کی طرف رجوع کرتے تو اللہ تعالیٰ ان پر انعام فرماتا۔ اس کے بعد ان کا ثواب ذکر

فرمایا جو ایسا کرتا ہے۔ یہ آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال کے وقت کہا تھا: اللهم الرفيق الاعلى (1)۔ اے اللہ رفیق اعلیٰ کی سنگت عطا فرما۔ اس سے یہی مراد ہے۔ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا: ما من نبی يمرض الاخيربين الدنيا والاخرة۔ جو نبی مریض ہوتا ہے اسے دنیا اور آخرت میں اختیار دیا جاتا ہے۔

وہ تکلیف جس میں آپ مریض تھے آپ کو بولنے میں سخت دقت محسوس ہو رہی تھی تو میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ان لوگوں کی معیت جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ تو میں جان گئی کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے (2)۔ ایک طائفہ نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عبداللہ بن زید عبد ربہ انصاری جسے اذان دکھائی گئی تھی نے کہا: یا رسول اللہ! جب آپ کا وصال ہو جائے گا اور ہم بھی فوت ہو جائیں گے تو آپ علیین میں ہوں گے ہم آپ کو دیکھ نہیں سکیں گے اور نہ آپ کے ساتھ جمع ہوں گے۔ حضرت عبداللہ نے اس پر اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کسی نے اس عبداللہ سے ذکر کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے دعا کی تھی: اللهم اعمني فلا ارى شيئا بعده (3)۔ اے اللہ مجھے نابینا کر دے تاکہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو نہ دیکھوں۔ فعمي مكانه تو وہ اسی جگہ نابینا ہو گئے۔ قشیری نے اس کو حکایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اللهم اعمني فلا ارى شيئا بعد حبيبي حتى ألقى حبيبي، فعمي مكانه۔ اے اللہ مجھے اندھا کر دے میں اپنے حبیب کے بعد کسی کو نہ دیکھوں حتیٰ کہ میں اپنے حبیب سے ملاقات کروں پس وہ اس جگہ نابینا ہو گئے۔ ثعلبی نے حکایت کیا ہے کہ یہ ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ نبی کریم ﷺ سے شدید محبت رکھتے تھے اور آپ کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے جب کہ ان کا رنگ اڑا ہوا تھا اور جسم کمزور ہو چکا تھا اور حزن ان کے چہرے پر عیاں تھا آپ ﷺ نے پوچھا: اے ثوبان! تمہارا رنگ کیوں متغیر ہے۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے مگر میں جب آپ کو نہیں دیکھتا تو میرا اشتیاق بڑھ جاتا ہے اور مجھے انتہائی وحشت لاحق ہوتی ہے تو میں آپ سے ملاقات کرتا ہوں (اپنے عشق کی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہوں) پھر میں نے آخرت کو یاد کیا اور مجھے خوف ہوا کہ میں وہاں تو آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا میں جانتا ہوں کہ آپ کا مرتبہ تو انبیاء کے ساتھ بلند ہو گا اور میں اگر جنت میں داخل بھی ہوا تو آپ سے نیچے درجے پر ہوں گا اور اگر میں جنت میں داخل نہ ہوا تو پھر کبھی بھی آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (4)۔

واحدی نے یہ کلبی سے ذکر کیا ہے اور مسروق سے سنداً روایت کیا ہے فرمایا: صحابہ کرام نے کہا: ہمارے لیے مناسب نہیں کہ دنیا میں ہم آپ سے جدا ہوں لیکن جب آپ ہم سے جدا ہوں گے تو آپ کا مرتبہ ہم سے بلند ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 2، صفحہ 939
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 660
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 76
4۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 3، صفحہ 383

نازل فرمائی۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ...... الخ۔ اور الله کی اطاعت میں الله کے رسول کی اطاعت ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کے اسم کی قدر و منزلت کے اظہار کے لیے کیا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یعنی وہ ان کے ساتھ ایک گھر میں اور ایک جیسی نعمتوں میں ہوں گے وہ ان کی زیارت سے متمتع ہوں گے اور ان کے ساتھ حاضر ہوں گے لیکن وہ درجہ میں ان کے مساوی نہ ہوں گے وہ درجہ میں تو مختلف ہوں گے لیکن دنیا میں اتباع اور اقتدا کی وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کریں گے۔ جو بھی جنت میں ہوگا اسے اس کے حال کے مطابق رضا ملے گی، تو اس سے مفضول ہونے کا اعتقاد ختم ہو گیا۔

الله تعالیٰ نے فرمایا: ونزعنا ما فی صدورھم من غل۔ صدیق فعیل کا وزن ہے صدق یا تصدیق میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ صدیق وہ ہوتا ہے جو اپنے فعل سے اس کو ثابت کرتا ہے جو وہ زبان سے کہتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد انبیاء کی اتباع کرنے والے فضلاء ہیں جنہوں نے تصدیق میں سبقت کی جیسے حضرت ابو بکر صدیق، سورۂ بقرہ میں صدیق کا اشتقاق اور شہید کا معنی گزر چکا ہے۔ شہداء سے یہاں مراد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ہیں اور صالحین سے تمام صحابہ کرام ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: الشُّهَدَآءِ سے مراد الله کے راستہ میں شہید ہونے والے ہیں۔ صالحین سے مراد محمد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے نیک لوگ ہیں۔

میں کہتا ہوں: لفظ ہر صالح اور شہید کو شامل ہے۔ والله اعلم۔ رفیق نرم پہلو والے کو کہتے ہیں، ساتھی کو رفیق کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی صحبت کے ساتھ تجھ سے نرمی کرتا ہے۔ اسی سے الرفقة ہے۔ بعض، بعض سے مہربانی اور نرمی کرتے ہیں اور وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ بھی جائز ہے۔ اخفش نے کہا: رَفِيْقًا حال کی بنا پر منصوب ہے یہ بمعنی رفقاء ہے اور کہا کہ تمیز کی بنا پر منصوب ہے اسی وجہ سے واحد کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے گویا معنی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک رفیق ہے جیسے الله تعالیٰ نے فرمایا ثم نخرجکم طفلا یعنی تم میں سے ہر ایک کو نکالیں گے بطور بچہ۔ الله تعالیٰ نے فرمایا ینظرون من طرف خفی۔

اس کا معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ظاہر کرتا ہے خیر الرفقاء اربعة بہتر رفیق (دوست) چار ہیں۔ الله تعالیٰ نے بھی یہاں چار کا ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلیل ہے یہ اس طرح ہے کہ الله تعالیٰ نے جب اپنی کتاب میں اپنے اولیاء کے مراتب کا ذکر کیا تو پہلے ان سے آغاز فرمایا جو صدیقین سے اعلیٰ ہیں اور وہ انبیاء ہیں پھر صدیقین کا ذکر فرمایا اور ان کے درمیان واسطہ نہیں بنایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام صدیق رکھنے پر مسلمانوں کا اجماع ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رسول رکھنے پر اجماع ہے جب یہ ثابت ہو گیا اور صحیح یہ ہے کہ آپ صدیق ہے اور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے ہیں تو ان کے بعد کسی کا مقدم ہو جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے ذٰلِكَ الْفَضْلُ، الله تعالیٰ نے خبر دی کہ انہوں نے اپنی طاعت سے یہ مرتبہ نہیں پایا بلکہ الله تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مرتبہ پایا۔ معتزلہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے کہ بندہ یہ مقام اپنے فعل سے حاصل کرتا ہے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر احسان کا اظہار فرمایا اس کے ساتھ جو اس نے ان پر نوازشات فرمائی تھیں اور کسی کے لیے اس کام پر اپنی تعریف کرنا جائز نہیں ہوتا جو اس نے کیا نہیں ہوتا تو یہ معتزلہ کے قول کے بطلان کی دلیل ہے۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝

''اے ایمان والو! ہوشیار رہو پھر (وقت آجائے تو) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب مل کر''

اس میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ، یہ امت محمدیہ میں سے مخلص مومنین کو خطاب ہے اور انہیں کفار سے جہاد کرنے، اللہ کے راستہ میں نکلنے اور شرع کی حمایت کرنے کا خطاب ہے ماقبل آیت سے اس کی نظم اور اتصال کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت کا ذکر کیا تو اہل طاعت کو دین کے احیاء، اپنی دعوت کے اعلاء کے قیام کا حکم دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ بلا سوچے سمجھے دشمن کی صفوں میں گھس نہ جائیں حتیٰ کہ جو ہتھیار، سامان جنگ ان کے پاس ہے اس کا خوب پتا لگالیں اور جان لیں کہ وہ ان پر کیسے حملہ کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ مضبوطی کا باعث ہے فرمایا خُذُوْا حِذْرَكُمْ تو جنگ کرنے کا اسلوب سکھایا اور یہ توکل کے منافی نہیں بلکہ یہ عین توکل کا مقام ہے جیسا کہ پہلے سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے اور مزید آگے آئے گا۔

الحِذْر، الحَذَر دونوں لغتیں ہیں جیسے مثل اور مثل۔ الفراء نے کہا اکثر کلام میں الحذر استعمال ہوتا ہے الحذر بھی مسموع ہے کہا جاتا ہے خذ حذرک یعنی احذر (احتیاط کر) اور کہا جاتا ہے خذوا السلاح حذرا کیونکہ ہتھیار کے ساتھ احتیاط ہوتی ہے اور احتیاط تقدیر کو دور نہیں کرتی۔

مسئلہ نمبر 2۔ قدریہ اپنے اس قول میں کہ احتیاط دشمن کے مکائد اور سازشوں کو دور کرتا ہے۔ اہل سنت سے مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر احتیاط فائدہ نہ دیتی تو لوگوں کو احتیاط کا حکم دینے کا کوئی معنی نہیں تھا پس معتزلہ کو کہا جائے گا کہ آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ احتیاط تقدیر سے کچھ فائدہ دیتی ہے لیکن ہمیں مکلف کیا گیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو خود ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ اسی سے یہ حدیث ہے اونٹ کو باندھو اور توکل کرو (1)۔ اگرچہ تقدیر پر اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق جاری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس سے مراد دل کا اطمینان ہے نہ کہ یہ کہ احتیاط تقدیر سے کچھ فائدہ دیتی ہے اسی طرح احتیاط کرنا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (التوبہ: 51) سے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا جو ان پر فیصلہ تھا اس کے خلاف نہیں پہنچتا تو اس کلام کا کوئی معنی نہیں رہتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ کہا جاتا ہے نفر ینفر نفیراً فا کے کسرہ کے ساتھ، نفرت الدابۃ نفر نفوزا (فا کے ضمہ کے ساتھ) اس کا مطلب ہے دشمن سے جنگ کرنے کے لیے اٹھو، استنفر الامام الناس،

1۔ جامع ترمذی، حدیث نمبر 2441، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

امام نے لوگوں کو نصر کی طرف بلایا یعنی دشمن سے لڑنے کی دعوت دی۔ النفیر اس قوم کو کہتے ہیں جو جنگ کے لیے نکلتے ہیں اس کی اصل النفار اور النفور سے ہے اور اس کا معنی گھبراہٹ ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولوعلی ادبارھم نفورا یعنی وہ اسی سے ہے نفر الجلد یعنی جلد سوج گئی۔ تخلل رجل بالقصب فنفر فمہ یعنی آدمی نے سرکنڈے کے ساتھ خلال کیا تو اس کا منہ سوج گیا۔ ابوعبید نے کہا یہ نفار الشی من الشی سے مشتق ہے اور یہ ایک چیز کا دوسری چیز سے جدا ہونا ہے۔ ابن الفارس نے کہا النفر تین سے لے کر دس تک لوگوں کو کہتے ہیں النفیر اور النفر بھی ہے اسی طرح النفر اور النفرۃ بھی ہے۔ الفراء نے اس کو ہا کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ یوم النفر جس دن لوگ منیٰ سے نکلتے ہیں وثبات اس کا معنی ہے متفرق جماعتیں۔ کہا جاتا ہے ثبین جمع مذکر سالم اور جمع مونث سالم بنائی جاتی ہے عمرو بن کلثوم نے کہا۔

فاما یوم خشیتنا علیھم فتصبح خلینا عصبا ثبینا

پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ثُبَاتٍ یہ سرایا سے کنایہ ہے اس کا مفرد ثبۃ ہے۔ اس سے مراد لوگوں کا گروہ ہے اصل میں یہ الثبیۃ ہے۔ قد ثبیت الجیش کا مطلب ہے تو نے لشکر کو گروہ گروہ بنا دیا۔ الثبۃ حوض کے وسط کو کہتے ہیں جس کی طرف پانی لوٹتا ہے۔ النحاس نے کہا عربی میں کمزور کا گمان ہے کہ یہ دونوں ایک چیز ہیں اور ہر ایک دوسرے سے ہے حالانکہ ان کے درمیان فرق ہے۔ ثبۃ الحوض کی تصغیر میں کہا جاتا ثویبۃ کیونکہ یہ ثاب یثوب سے مشتق ہے اور ثبۃ جس کا معنی جماعت ہے اس کی تصغیر میں ثبیۃ کہا جاتا ہے۔ نحاس کے علاوہ نے کہا ثبۃ الحوض میں واؤ محذوف ہے۔ اور واؤ عین کلمہ ہے اور ثبۃ الجماعۃ، معتل اللام ہے یہ ثبا یثبو جیسے خلا یخلو سے مشتق ہے اور الثبۃ بمعنی الجماعت کا ثبۃ الحوض سے مشتق ہونا بھی جائز ہے۔ کیونکہ پانی جب لوٹتا ہے تو جمع ہوتا ہے اس بناء پر ایک جماعت نے اس کی تصغیر ثویبہ بنائی ہے پس ایک یا کو دوسری یا میں داخل ہو گئی۔ حالانکہ کہا گیا ہے کہ ثبۃ الجماعۃ یہ ثبیت علی الرجل سے مشتق ہے جب تو اس کی زندگی میں اس کی تعریف کرے اور تو نے اس کے ذکر کے محاسن جمع کیے پس وہ اجتماع کی طرف لوٹتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا اس کا معنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں لشکر بن کر نکلو یہ حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول ہے۔ سرایا، غنائم اور لشکروں کے احکام اور وجوب النفیر کے احکامات سورۃ الانفال اور سورہ برأت میں آئیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن خویز منداد نے ذکر کیا ہے کہ بعض علماء نے کہا یہ آیت اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا (توبہ: 31) اور اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ (توبہ: 39) کے ارشادات سے منسوخ ہے اور اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا (کا منسوخ ہونا فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا اور وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً (توبہ: 122) کے ارشادات کے ساتھ اولیٰ ہے۔ کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے جب بعض مسلمان سرحدوں پر ہوں تو باقی لوگوں سے وہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دونوں آیتیں محکم ہیں ایک اس وقت کے بارے میں ہے جب تمام پر حج فرض ہو جاتا ہے اور دوسری اس وقت کے بارے میں ہے جب کچھ لوگ ادا کر رہے ہوں تو کافی ہوتا ہے۔

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

''اور بے شک تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ضرور دیر لگائیں گے پھر اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت تو وہ کہے: احسان فرمایا ہے اللہ نے مجھ پر کہ میں نہیں تھا ان کے ہمراہ (جنگ میں) حاضر۔ اور اگر ملے تمہیں فضل (فتح اور مال غنیمت) اللہ کی مہربانی سے تو ضرور کہے جیسے نہیں تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی کاش میں بھی ہوتا ان کے ہمراہ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ اس سے مراد منافقین ہیں۔ التبطئة اور الابطاء کا معنی ہے پیچھے رہنا۔ تو کہتا ہے: ما أبطأك عنا تمہیں ہم سے کس چیز نے پیچھے رکھا۔ یہ لازم ہے اور بطأت فلانا عن کذا بھی جائز ہے یعنی میں نے اس کو پیچھے کر دیا تو یہ متعدی ہے۔ اس آیت میں دونوں معانی مراد ہیں۔ منافقین خود بھی جہاد کے لیے نہیں نکلتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اندر سے ہیں اور تمہاری جنس سے ہیں اور ان میں سے ہیں جس نے تمہارے لیے اپنا ایمان ظاہر کیا۔ منافقین ظاہر حال میں مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان پر مسلمانوں کے احکامات جاری کیے جاتے ہیں اور لمن میں لام تاکید کے لیے ہے اور دوسرا لام، لام قسم ہے اور من محل نصب میں ہے اور اس کے لیے صلہ لیبطئن ہے۔ کیونکہ اس میں قسم کا معنی ہے خبر منکم ہے۔ مجاہد، نخعی اور کلبی نے وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبْطِئَنَّ یعنی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں قراءتوں میں معنی ایک ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ سے مراد بعض مومنین ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وَ اِنَّ مِنْكُمْ کے ساتھ خطاب کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین اور منافقین کے درمیان وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ (توبہ: 56) کے قول کے ساتھ فرق کیا ہے۔ کلام کا سیاق اور ظاہر اس قول کی تائید نہیں کرتا اور ان کو جنس اور نسب کے اعتبار سے خطاب میں جمع فرمایا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے نہ کہ ایمان کے اعتبار سے جمع کیا ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس پر دلیل یہ آیت ہے فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ یعنی قتل اور شکست تمہیں پہنچے۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے پیچھے رکھ کر مجھ پر احسان فرمایا اور یہ عمل اور قول منافق سے ہی صادر ہوتا ہے خصوصاً اس مقدس دور میں مومن کا یہ کہنا تو بعید ہے۔ اس آیت کی تفسیر وہ حدیث بھی کرتی ہے جو ائمہ حدیث نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: ''منافقوں پر بھاری ترین نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے اگر وہ جانتے جو ان دو نمازوں میں فضیلت ہے تو وہ ان نمازوں کی طرف آتے خواہ انہیں گھٹنوں کے بل آنا پڑتا''۔ ایک روایت میں آیا ہے ''اگر انہیں معلوم ہو کہ انہیں موٹی ہڈی ملے گی تو یہ عشاء کی نماز میں حاضر ہوتے'' (1)۔ یعنی اگر دنیا کی کوئی چیز ظاہر ہو تو اس کو لے سکتے ہیں اور انہیں اس کے ملنے کا یقین ہو تو وہ اس کی طرف دوڑ کر آئیں گے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 232

وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنیمت اور فتح تمہیں ملے۔ لَيَقُوْلَنَّ تو یہ منافق، حاسد اور نادم کے قول جیسا قول کرے گا۔ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو میں عظیم کامیابی حاصل کرتا۔ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: معنی یہ ہے کہ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ یعنی اس نے تم سے جہاد پر کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ حال کی بنا پر منصوب ہے۔ حسن نے لیقولن (من) کے معنی کے اعتبار سے لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے (1) کیونکہ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ کے قول کا معنی کسی ایک خاص شخص کے لیے نہیں ہے اور جنہوں نے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، لفظ (من) کے اعتبار سے واحد کی ضمیر لوٹائی ہے۔ ابن کثیر اور حفص نے عاصم سے کان لم تکن، مودة کے لفظ کی بنا پر تا کے ساتھ پڑھا ہے اور جس نے یا کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے مودة کو الود کے معنی میں تصور کیا ہے۔ اور منافقین کا قول يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ مال غنیمت کے فوت ہونے پر تاسف اور حسد کی بنا پر اللہ کی جزا میں شک کے ساتھ یہ کہے گا۔ فافوز تمنی کا جواب ہے اسی وجہ سے نصب دیا گیا ہے۔ حسن نے فافوز رفع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ فوز کی تمنا ہے گویا یوں کہا: یالیتنی افوز فوزا عظیما اور نصب جواب کی بنا پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو کامیاب ہوتا، اس میں نصب ان کے اضمار کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ مصدر کی تاویل پر محمول ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: یالیتنی کان لی حضور ففوز کاش میرے لیے حاضری اور کامیابی ہوتی۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"پس چاہیے کہ لڑا کریں اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنہوں نے بیچ دی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض اور جو شخص لڑے اللہ کی راہ میں پھر (خواہ) مارا جائے یا غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجر عظیم"۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ مومنین کو خطاب ہے یعنی اللہ کے راستہ میں لڑیں کفار سے الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ جنہوں نے بیچ دیں اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کے لیے بِالْاٰخِرَةِ یعنی آخرت کے ثواب کے بدلے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ شرط ہے فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ اس پر معطوف ہے اور جزا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ہے۔ فَيُقْتَلْ کا معنی ہے جو شہید ہو گیا یا کامیاب ہو گا اور مال غنیمت لے گا۔ ایک جماعت نے من یقاتل اور فلیقاتل (لام امر کے سکون کے ساتھ) پڑھا ہے۔ ایک جماعت نے: فلیقاتل (لام امر کے کسرہ کے ساتھ) پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والے کی دونوں حالتوں کا ذکر فرمایا اور جو ان دونوں کے درمیان غایتیں تھیں ان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 78

پر اکتفا کیا۔ یہ ابن عطیہ نے ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے جو شہید کیا جائے گا یا مال غنیمت لے کر لوٹے گا ان کے درمیان برابری ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کفیل ہوتا ہے اس شخص کا جو اللہ کے راستہ میں نکلتا ہے اور اسے نہیں نکالتا مگر اللہ کے راستہ میں جہاد، مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق، تو وہ میری کفالت ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں گا یا اسے اپنے مسکن کی طرف لوٹاؤں گا جس سے وہ نکلا اجر یا غنیمت حاصل کرتے ہوئے'' (1)۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مجاہدین اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں پھر وہ مال غنیمت حاصل کرتے ہیں وہ اپنے آخرت کے اجر میں سے دو ثلث (2/3) جلدی حاصل کر لیتے ہیں اور ان کے لیے 1/3 حصہ باقی رہتا ہے، اگر انہیں غنیمت نہ ملی تو ان کے لیے اجر مکمل ہوگا'' (2)۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد: نائلا ما نال من اجر او غنیمۃ (اجر یا مال غنیمت حاصل کرتے ہوئے) یہ تقاضا کرتا ہے کہ جو مجاہدین سے شہید ہوتا ہے وہ دو امور میں سے ایک امر پائے گا یا اجر اگر مال غنیمت نہ پایا یا مال غنیمت پائے گا اور اجر نہیں ہوگا۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث اس کے خلاف مفہوم رکھتی ہے۔ جب صورت حال اس طرح ہو تو ایک قوم نے کہا حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث کوئی حیثیت نہیں رکھتی، کیونکہ اس کی سند میں حمید بن ہانی ہے وہ مشہور نہیں ہے اور انہوں نے پہلی حدیث کو اس کی شہرت کی وجہ سے ترجیح دی۔ اور دوسرے ائمہ نے کہا: ان کے درمیان اور اختلاف نہیں ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں او بمعنی واؤ ہے جیسا کہ کوفی علماء کہتے ہیں۔ اس پر ابو داؤد کی روایت دلالت کرتی ہے اس میں من اجر و غنیمۃ (3) کے الفاظ ہیں یعنی واؤ ہے جو جمع پر دلالت کرتی ہے۔ اور بعض مسلم کے راویوں نے واؤ جمع بھی روایت کی ہے۔ اور حمید بن ہانی مصری ہیں انہوں نے ابو عبدالرحمٰن الحبلی اور عمرو بن مالک سے سنا ہے حیوہ بن شریح اور ابن وہب نے ان سے روایت کیا ہے اور پہلی حدیث جہاد میں اخلاص اور مجرد نیت پر محمول ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ضمانت دی ہے یا تو اسے شہادت ملے گی یا وہ اپنے گھر والوں کے لیے مال غنیمت اور اجر حاصل کر کے لوٹے گا۔ اور دوسری کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جب وہ جہاد کی نیت کرتا ہے لیکن مال غنیمت پانے کے ساتھ۔ جب اس کی نیت تقسیم ہوگئی تو اس کا اجر کم ہوگا۔ اور سنت اس پر دلالت کرتی ہے مال غنیمت پانے والے کے لیے اجر ہے جیسا کہ قرآن کریم اس پر دال ہے پس کوئی تعارض نہیں ہے۔ پھر کہا گیا کہ مال غنیمت پانے والے کے اجر کی کمی اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا اس سے وہ متمتع ہوتا ہے اور اس زندگی کی سختی زائل فرما دیتا ہے اور جو مال غنیمت سے محروم ہوتا ہے تو اس نے کچھ نہ پایا اور وہ اپنی زندگی کی سختی پر باقی ہوتا ہے اور اپنی حالت پر صبر کرتا ہے تو اس کا پورا اجر باقی رہتا ہے بخلاف پہلے شخص کے۔ اس کی مثال دوسری حدیث میں ہے۔ فمنا من مات لم یاکل من اجرہ شیئًا ...... منھم مصعب بن عمیر ...... ومنا من اینعت لہ ثمرتہ فھو یھد بھا۔ جو ہم میں سے فوت ہوا اور اپنے اجر میں سے کچھ نہیں کھایا ان میں سے مصعب بن عمیر ہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 133 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 338 3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 337

......اور ہم میں سے کچھ لوگوں کا پھل پک چکا ہے وہ اسے چن رہا ہے۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

''کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو راہ خدا میں حالانکہ کئی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آکر) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! نکال ہمیں اس بستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے اور بنادے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی دوست اور بنادے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار''۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ جہاد پر برانگیختہ کرنا ہے۔ یہ اپنے ضمن میں اس بات کو لیے ہوئے ہے کہ کمزور لوگوں کو ان مشرکوں کے ہاتھوں سے آزاد کرانا ہے جو ان کمزور لوگوں کو سزا دیتے ہیں اور انہیں دین کے سلسلہ میں فتنہ میں ڈالتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اعلائے کلمۃ اللہ، دین کے غلبہ اور کمزور مومنین کو نجات دلانے کے لیے جہاد کو واجب فرمایا اگرچہ اس میں نفوس کا تلف بھی ہو۔ اور قیدیوں کا چھڑانا مسلمانوں کی جماعت پر واجب ہے، خواہ وہ جہاد سے ہو یا اموال خرچ کرنے کے ساتھ ہو۔ اور یہ ضروری ہے، کیونکہ یہ نفس سے کم درجہ رکھتے ہیں۔ امام مالک نے فرمایا: لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے تمام اموال کے ذریعے قیدیوں کا فدیہ دیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فُكّوا العانی (1) قیدی کو چھڑاؤ۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح علماء نے فرمایا: ان پر لازم ہے کہ وہ قیدیوں سے غم خواری کریں، کیونکہ مواسات (غم خواری) فدیہ دینے سے کم ہے۔ اگر قیدی غنی ہو تو وہ فدیہ دینے والے کو مال لوٹائے یا نہیں اس میں علماء کے دونوں قول ہیں لیکن اصح یہ ہے کہ وہ رجوع کرے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ اسم جلالت اللہ پر معطوف ہے یعنی وفی سبیل المستضعفین۔ کیونکہ مستضعفین (کمزور لوگوں) کو خلاصی دینا بھی فی سبیل اللہ میں سے ہے۔ یہ زجاج کا اختیار ہے اور یہی زہری کا قول ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: میرا پسندیدہ قول ہے کہ اس کا معنی ہے فی المستضعفین، اس صورت میں السبیل پر عطف ہوگا یعنی وفی المستضعفین یعنی وہ جہاد کریں کمزور لوگوں کو بچانے کے لیے۔ پس یہ دونوں راستے مختلف ہیں۔ یعنی مکہ میں مومنین میں سے جو لوگ کفار قریش کی تکالیف میں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہی معنی ہے: اللھم انج الولید بن الولید و سلمۃ بن ھشام و عیاش بن ابی ربیعہ و المستضعفین من المومنین (2)۔ اے اللہ ولید بن ولید، سلمۃ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور مومنین میں سے کمزور لوگوں کو نجات عطا فرما۔ حضرت ابن عباس نے کہا: میں اور میری والدہ کمزور لوگوں میں سے تھے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے الا المستضعفین من الرجالِ و النِّساءِ و الوِلدانِ۔ میں اور میری والدہ

1۔ شعب الایمان، کتاب فی الزکوۃ، جلد 3، صفحہ 215　2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 661

ان میں سے تھے جن کا عذر اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور میں بچوں میں سے تھا اور میری والدہ عورتوں میں سے تھی۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں قریۃ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ ظالم کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا اگرچہ یہ فعل مکہ والوں کا تھا، کیونکہ ضمیر کے ساتھ تعلق ہے یہ اس طرح ہے جیسے تو کہتا ہے: مررت بالرجل الواسعة دارہ، الکریم ابوہ الحسنة جاریتة۔ اس کے ساتھ آدمی کا وصف بیان کیا گیا ان کے درمیان لفظی تعلق ہے اگر تو کہے: مررت بالرجل الکریم عمرو تو یہ جائز نہیں کیونکہ کرم، عمرو کے لیے ہے پس اس کو رجل کی صفت بنانا جائز نہیں مگر تعلق کے ساتھ اور وہ ضمیر ہے اس صفت کا نہ تثنیہ ہوتا ہے نہ جمع، کیونکہ یہ فعل کے قائم مقام ہوتی ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ شہر جس کے بسنے والوں نے ظلم کیا اسی وجہ سے الظالمین نہیں فرمایا۔ تو کہتا ہے: مررت برجلین کریم ابواھما حسنة جاریتاھما و برجال کریم اباء ھم حسنة جواریھم۔ یعنی دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جن کے باپ کریم تھے ان کی لونڈی خوبصورت تھی اور ایسے مردوں کے پاس سے گزرا جن کے آباء کریم تھے ان کی لونڈیاں خوبصورت ہیں۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ، لَّدُنْكَ بمعنی عندك ہے۔ وَلِيًّا جو ہمیں بچائے۔ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا جو ہماری ان کے خلاف مدد کرے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

''جو ایمان لائے ہیں وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہاں فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد فی طاعتہ ہے یعنی جو اللہ کی اطاعت میں جنگ کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ۔ ابو عبیدہ اور کسائی نے کہا: طاغوت مذکر اور مونث استعمال ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ مذکر، مونث استعمال ہوتا ہے، کیونکہ وہ کاہن اور کاہنہ کو طاغوت کہتے تھے۔ فرمایا ہمیں حجاج نے بتایا انہوں نے ابن جریج سے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں ابو الزبیر نے بتایا کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے سنا ان طاغوتوں کے بارے میں پوچھا گیا جن کے پاس لوگ فیصلے کے لیے جاتے تھے، تو انہوں نے فرمایا: ایک طاغوت جہینۃ میں تھا ایک اسلم میں تھا اور ہر قبیلہ میں ایک طاغوت تھا۔ ابو اسحاق نے کہا: اس پر دلیل کہ وہ شیطان ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ یعنی شیطان کا مکر اور اس کے پیروکاروں کا مکر۔ کہا جاتا ہے: اس سے مراد بدر کا دن ہے جب مشرکین کو شیطان نے کہا تھا: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ (الانفال: 48) تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں بری الذمہ ہوں تم سے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں جب کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد اور کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک؟ (اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو: دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر''۔

عمرو بن دینار نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ان کے ساتھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں آئے اور کہا: اے اللہ کے نبی! ہم عزت میں تھے جب کہ ہم مشرک تھے جب ہم ایمان لائے تو ہم ذلیل ہو گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انی امرت بالعفو فلا تقاتلوا القوم (1)۔ مجھے عفو کا حکم دیا گیا ہے پس تم قوم سے نہ لڑو۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے کا حکم دیا تو آپ کو قتال کرنے کا حکم دیا پس وہ لوگ اس وقت جہاد سے رک گئے، پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حدیث کو نسائی نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ اور یہ کلبی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ یہود تھے (2)۔ حسن نے کہا: یہ مومنین کے بارے میں ہے (3)، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَخْشَوْنَ النَّاسَ، النَّاسَ سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ۔ یہ بشری تقاضا کے مطابق خوف تھا نہ مخالفت کی وجہ سے تھا۔ سدی نے کہا: یہ وہ لوگ تھے جو جہاد کے فرض ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے جب جہاد فرض کیا گیا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا: یہ منافقین کا وصف بیان کیا گیا ہے (4) معنی یہ ہے کہ وہ مشرکین کی طرف سے قتل سے ڈرتے تھے جس طرح وہ اللہ کی طرف سے موت سے ڈرتے تھے۔ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً یعنی وہ اپنے اعتقاد میں اس سے بھی زیادہ ڈرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت کے سیاق کے مطابق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ۔ یعنی لَوْ لَاۤ، ھلا کے معنی میں ہے اس سے متصل فعل ہوتا ہے۔ اللہ کی پناہ کہ کسی معزز صحابی سے یہ قول صادر ہو جو جانتا ہو کہ یہ زندگی کی عمر محدود ہے اور رزق تقسیم شدہ ہے بلکہ صحابہ تو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پیروی کرنے والے،

1۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 51　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 79
3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 80　　4۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 79

سننے اور اطاعت کرنے والے تھے، وہ جانتے تھے کہ اس دنیا میں رہنے کی نسبت آخرت کے گھر میں پہنچنا بہتر ہے جیسا کہ ان کی سیرت سے ظاہر ہے مگر یہ کہ اس کا قائل ایسا شخص ہو جس کا ایمان ابھی راسخ نہ ہوا اور ابھی اس کا دل اسلام کی عظمتوں کے ساتھ کشادہ نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اہل ایمان ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے تھے ان میں سے کچھ کامل تھے اور کچھ ناقص تھے۔ یہ وہ تھے جس کا نفس متنفر تھا اس حکم سے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا جس میں اسے مشقت لاحق ہوتی تھی اور شدت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ۔ یہ مبتدا خبر ہے اسی طرح وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ یعنی جو گناہوں سے بچا۔ اس پر کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا دنیا کی منفعت اور اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہونا مراد ہے۔ دنیا کی منفعت کو قلیل کہا کیونکہ اس کے لیے بقا نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری مثال اور دنیا کی مثال سوار کی طرح ہے جس نے ایک درخت کے نیچے قیلولہ کیا'' (1)۔ پھر وہ پچھلے پہر اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں تفصیلی مفہوم کے ساتھ گزر چکا ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝

''جہاں کہیں تم ہو گے آلے گی تمہیں موت اگرچہ (پناہ گزین) ہو تم مضبوط قلعوں میں اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے انہیں کوئی تکلیف تو کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے۔ (اے میرے رسول) آپ فرمائیے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو کیا ہو گیا اس قوم کو بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے؟''۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ شرط اور جزا ہے اور ما زائدہ ہے یہ خطاب عام ہے اگرچہ مراد منافقین یا وہ کمزور مومن ہیں جنہوں نے کہا تھا: لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ یعنی تو نے ہمیں کیونکہ ڈھیل نہ دی تاکہ ہم اپنی عمریں پوری کر کے فوت ہوتے۔ یہ منافقین کے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، کیونکہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہوں نے کہا: لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا (آل عمران: 156) اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے، ابو صالح نے ان سے روایت کیا ہے البروج کا واحد برج ہے، بلند عمارت اور عظیم محل کو کہتے ہیں۔ طرفہ نے اپنی اونٹنی کی تعریف میں کہا:

كأنها برج رومي تكففها　　بان بشيد وآجرّ و أحجار

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 312۔ ایضاً، جامع ترمذی، حدیث 2299، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اونٹنی کو شاعر نے بلند رومی محل سے تشبیہ دی ہے۔

طلحہ بن سلیمان نے یُدْرِکُکُمْ، کاف کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور فا کے اضمار کا اعتبار کیا ہے۔ یہ بہت قلیل ہے، یہ صرف اشعار میں ہوتا ہے۔

من یفعلِ الحسناتِ اللہُ یشکُرُھا

اس میں لفظ اللہ سے پہلے فا مضمر ہے۔

علماء تفسیر کا بروج کی مراد میں اختلاف ہے۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ زمین میں جو قلعے بنے ہوئے تھے وہ مراد ہیں۔ یہ قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ بچاؤ اور حفاظت میں انسان کی غایت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کی مثال دی۔ قتادہ نے کہا: قصورٌ محصنة۔ محفوظ قلعے۔ یہ ابن جریج اور جمہور کا قول ہے(1)۔ اسی سے ہے عامر بن طفیل کا قول جو اس نے نبی کریم ﷺ سے کیا تھا ھل لك فی حصن حصین و منعةٍ ؟ کیا آپ کے لیے کوئی محفوظ قلعہ ہے؟ مجاہد نے کہا: البروج سے مراد محلات ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: البروج سے مراد حصون، قلعے اور محلات ہیں اور مُّشَیَّدَةٍ کا معنی بلند و بالا ہے۔ یہ زجاج اور قتبی کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: جو جص کے ساتھ بنائے گئے ہوں۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے محفوظ۔ المشید اور المشَیَّد دونوں کا ایک معنی ہے۔ اسی سے ہے قصر مشید اور تشدید تکثیر کے لیے ہے۔ بعض نے فرمایا: الشیَّد سے مراد بلند و بالا ہے۔ الشید سے مراد وہ جو جس کے ساتھ لپائی کیے گئے ہوں۔ کہا جاتا ہے: شاد البنیان و اشاد بذ کرہ۔ سدی نے کہا: البروج سے مراد آسمان دنیا میں بنائے گئے بروج ہیں۔ یہ قول مکی نے امام مالک سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: کیا تم نے ملاحظہ نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ (البروج) جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (فرقان: 61) وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الحجر: 16) ابن عربی نے ابن القاسم عن مالک کے سلسلہ سے روایت کیا ہے۔ نقاش نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ کا معنی ہے وہ لوہے کے محلات میں ہیں(2)۔ ابن عطیہ نے کہا: اس قول کی تائید ظاہر لفظ نہیں کرتے (3)۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت عمروں کے بارے میں قدریہ کا رد کرتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ ...... الایۃ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب عمر ختم ہو جاتی ہے تو روح کا جسم سے جدا ہونا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ بذریعہ قتل ہو یا طبعی موت ہو یا کوئی اور طرح ہو جس کو اللہ تعالیٰ جاری فرمائے تاکہ روح جسم سے نکل جائے۔ معتزلہ نے کہا: مقتول کو اگر قاتل قتل نہ کرتا تو وہ زندہ رہتا۔ سورۂ آل عمران میں ان کا رد گزر چکا ہے مزید آگے آئے گا۔ انہوں نے اپنے اس قول کے ساتھ کفار اور منافقین کی موافقت کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ شہروں کا بنانا اور ان کی تعمیر کرنا تاکہ ان کے ذریعے اموال اور نفوس کی حفاظت کی جائے یہ بندوں میں اللہ کی سنت ہے۔ اس میں اس کی رد کی بہت بڑی دلیل ہے جو کہتے ہیں: توکل ترک اسباب کا نام ہے۔ شہروں کا بنانا بہت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 80	2۔ ایضاً	3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 81

بڑا سبب ہے اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ انبیاء کرام نے قلعے بنائے اور اپنی حفاظت میں اضافہ کرنے کے لیے شہروں کے ارد گرد خندقیں کھودیں۔ احنف سے پوچھا گیا: دیواروں کی کیا حکمت ہے؟ اس نے کہا: تا کہ وہ سفیہ (بے وقوف) کو روکے، تا کہ حکیم آئے اور وہ اس کی حفاظت کرے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر ہم امام مالک اور سدی کے قول کو تسلیم کریں کہ یہ آسمان کے بروج ہیں تو پھر فلک کے بروج بارہ ہیں اور اس سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ بعض نے فرمایا: ان ستاروں کے لیے بروج ہیں تا کہ وہ ظاہر ہوں۔ یہ برج یبرج سے مشتق ہے جب کوئی چیز ظاہر ہو اور بلند ہو اسی سے ہے: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الاحزاب: 33)

ان کو اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے لیے منازل بنایا اور ان میں اس کو مقدور کیا اور ان پر زمانوں کو مرتب کیا اور ان کو جنوبی اور شمالی بنایا، مصالح پر دلیل بنایا اور قبلہ پر علامت بنایا اور رات اور دن کے اوقات کے تحصیل کا راستہ بنایا تا کہ تہجد اور احوال معاش وغیرہ کے اوقات کی معرفت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ یعنی منافقین کو جب خوشحالی اور شادابی میسر آتی ہے تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ یعنی قحط سالی اور خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے یعنی یہ سب کچھ آپ کی، آپ کے صحابہ کی وجہ سے بے برکتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حَسَنَةٌ سے مراد سلامتی اور امن ہے اور سَيِّئَةٌ سے مراد امراض اور خوف ہے۔ بعض نے فرمایا: حَسَنَةٌ سے مراد غنا ہے اور سَيِّئَةٌ سے مراد فقر ہے۔ بعض نے فرمایا: حَسَنَةٌ سے مراد بدر کے دن کی نعمت فتح اور غنیمت ہے اور سَيِّئَةٌ سے مراد جنگ احد کی مصیبت، شدت اور قتل ہے۔ بعض نے فرمایا: حَسَنَةٌ سے مراد خوشی ہے، سَيِّئَةٌ سے مراد تکلیف ہے۔ یہ تمام مفسرین اور علماء تاویل کے اقوال ہیں جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ۔

یہ یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے کہا: جب سے یہ شخص اور اس کے صحابہ ہمارے پاس آئے ہیں اس وقت سے ہمارے پھلوں اور کھیتوں میں کمی آگئی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مِنْ عِنْدِكَ کا معنی ہے تمہاری بے تدبیری کی وجہ سے۔ بعض نے فرمایا: تمہاری نحوست کی وجہ سے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے یعنی تمہاری نحوست کی وجہ سے جو ہمیں لاحق ہوئی۔ یہ انہوں نے فال کی جہت سے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ یعنی شدت، خوشحالی، کامیابی، ناکامی سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس کے فیصلہ اور قدرت سے ہے۔ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ یعنی منافقین۔ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا یعنی کیا وجہ ہے کہ وہ نہیں سمجھتے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

”جو پہنچے آپ کو بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے اور بھیجا

ہے ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ یعنی اے پیارے محمد! جو آپ کو شادابی، صحت اور سلامتی میسر آئے تو وہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے اور جو انسان کو قحط سالی اور شدت لاحق ہو وہ اس کے گناہ کی وجہ سے ہے جس پر اسے عقاب کیا گیا ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے یعنی اے لوگو! تمہیں جو شادابی، وسعت رزق میسر آئے تو وہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور جو قحط سالی اور تنگی رزق پہنچے تو تمہاری اپنی طرف سے ہے یعنی تمہارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ یہ حسن اور سدی وغیرہما کا قول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (طلاق: 1) بعض علماء نے فرمایا: خطاب ایک انسان کو ہے اور مراد پوری جنس ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ (العصر) یعنی لوگ خسارے میں ہیں۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ ان سے استثنا کی فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور استثنا جملہ یا جماعت سے ہوئی ہے۔ اس تاویل پر مَآ اَصَابَكَ نئی کلام ہو گی۔ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں حذف ہے تقدیر کلام اس طرح ہے یقولون۔ اس پر کلام متصل ہو گی۔ معنی یہ ہو گا تو کیا ہو گیا اس قوم کو بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے حتیٰ کہ کہتے ہیں، جب پہنچے آپ کو بھلائی یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الف استفہام مضمرہ ہے معنی ہے فَمِنْ نَّفْسِكَ کیا آپ کی طرف سے ہے؟ اس کی مثل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ (الشعراء: 22) معنی یہ ہے او تلك نعمة اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ (الانعام: 77) ای اھذا ربی (یہ تمام مثالیں ہمزہ استفہام کی تقدیر کے ساتھ ہیں)۔

ابو الخراش الہذالی نے کہا:

رَمَوْنِي وقالوا يا خُوَيلِد لم تُرَع فقلت وأنكرتُ الوجوهَ هُمُ هُمُ

شاعر نے أهم کا ارادہ کیا ہے۔ ہمزہ استفہام مضمر ہے۔ یہ کثرت سے ہوتا ہے۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔ اخفش نے کہا: ما بمعنی الذی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ شرط ہے۔ نحاس نے کہا: درست اخفش کا قول ہے، کیونکہ یہ قحط سالی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا گناہوں سے کوئی تعلق نہیں اگر اس کا تعلق گناہوں سے ہوتا تو عبارت یوں ہوتی وما اصبت من سیئة۔ عبد الوہاب بن مجاہد نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ابن عباس، حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے: ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك وانا كتبتها عليك۔ یہ قرأت تفسیر کی بنا پر ہے۔ بعض کج رو لوگوں نے اس کو قرآن سے ثابت کیا ہے اور اس کے متعلق حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی سے مروی حدیث منقطع ہے، کیونکہ مجاہد نے نہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو دیکھا اور نہ حضرت ابی کو دیکھا۔ اور جنہوں نے کہا: الحسنة سے مراد جنگ بدر کی فتح اور غنیمت ہے اور السیئة سے مراد جنگ احد کی شکست ہے۔ صحابہ کرام کو سزا ملی جب ان تیز اندازوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ پیچھے سے حفاظت کریں اور اپنی جگہ کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑیں، پس ان صحابہ نے قریش کی ہزیمت کو دیکھا اور مسلمانوں کو مال غنیمت اکٹھا کرتے ہوئے دیکھا تو

انہوں نے اپنی صفیں چھوڑ دیں۔ خالد بن ولید جو اس وقت کفار کے ساتھ تھے انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ تیر اندازوں کے گروہ سے خالی ہے، تو انہوں نے گھوڑوں کا ایک دستہ لیا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صرف صاحب علم موجود تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی حفاظت کی تھی پس وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا اور شہید ہو گیا جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی مثال نازل فرمائی۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ (آل عمران: 165) یعنی جنگ احد میں جو تمہیں مصیبت پہنچی۔ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا (آل عمران: 165) یعنی بدر کے روز اس کی دو مثل حاصل کر چکے ہو۔ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (آل عمران: 165)

اور یہاں حَسَنَةٍ سے مراد اطاعت اور سَيِّئَةٍ سے مراد معصیت لینا جائز نہیں جیسا کہ قدریہ نے کہا اگر یہ اس طرح ہوتا تو مااصبت ہوتا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ فعل کے معنی میں ہے اور ہمارے نزدیک کسب کے معنی میں ہے۔ حَسَنَةٍ طاعت کے معنی میں اور سَيِّئَةٍ معصیت کے معنی میں ہے اسی قول میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (الانعام: 160) لیکن اس آیت میں یہ خوشحالی، قحط سالی، راحت و شدت کے معنی میں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے وضاحت کی ہے اور اسی طرح سورۂ اعراف میں آیا ہے وہ یہ ارشاد ہے: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ، السنين سے مراد یکے بعد دیگرے قحط سالی ہے، ان سے بارش روک لی اور پھلوں میں کمی ہو گئی اور قیمتیں بہت چڑھ گئیں۔ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (الاعراف: 131) تو جب آتا ان پر خوشحالی (کادور) تو کہتے: ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے۔

یعنی وہ ان سے بری فال پکڑتے تھے اور کہتے تھے: یہ مہنگائی اور قحط سالی اس وجہ سے ہے کہ ہم نے تیری اتباع کی اور تیری پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت سے رد فرمایا: اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (الاعراف: 131) یعنی برکت کی فال اور شؤم کی فال خیر اور شر، نفع و ضرر یہ اللہ کی طرف سے ہے، اس میں مخلوق کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان چیزوں کو منسوب کیا فرمایا: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران: 166) اور وہ مصیبت جو پہنچی تھی تمہیں اس روز جب مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور علم کے ساتھ۔ قرآنی آیات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ ہمارے علماء نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لاتا ہے وہ شک نہیں کرتا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر اور اس کے ارادہ و مشیئت سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء: 35) اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دور کر کے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ (الرعد) اور جب

ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی ان کے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے۔

مسئلہ: بعض اہل سنت کے جہال نے اس آیت سے اسی طرح حجت پکڑی ہے جس طرح قدریہ نے اس سے حجت پکڑی ہے ان کے احتجاج کی وجہ یہ ہے کہ قدریہ کہتے ہیں: یہاں الحسنۃ بمعنی اطاعت ہے اور السیئۃ بمعنی معصیت ہے اور انہوں نے کہا: معصیت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ میں انسان کی طرف منسوب کیا گیا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف۔ یہ اس آیت سے ان کے تعلق کی وجہ ہے۔ دوسرے علماء کے تعلق کی وجہ یہ ارشاد ہے: قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ان علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں الحسنۃ اور السیئۃ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، نہ کہ مخلوق کی طرف۔ یہ آیت ہے دونوں فریق کے جہال اس کے متعلق ہیں، کیونکہ انہوں نے اس کی بنیاد اس پر رکھی کہ سیئۃ یہاں معصیت کے معنی میں ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم۔ قدریہ اگر کہیں کہ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ یعنی طاعت میں سے فَمِنَ اللّٰهِ تو اللہ کی طرف سے تو ان کا یہ عقیدہ نہیں ہے، کیونکہ ان کا عقیدہ جس پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے وہ یہ ہے کہ نیکی، نیکی کرنے والے کا فعل ہے اور برائی، برائی کرنے والے کا فعل ہے۔ اسی طرح اگر ان کی اس آیت میں حجت ہوتی تو کلام اس طرح ہوتا ما اصبت من حسنۃ و ما اصبت من سیئۃ۔ کیونکہ وہ نیکی اور برائی کا فاعل ہے اس کی طرف مضاف نہیں کیا جاتا مگر ان دونوں افعال کے کرنے کے ساتھ جن کو کسی غیر نے نہ کیا ہو۔ اس مقالہ پر امام ابوالحسن شعیب بن ابراہیم بن محمد بن حیدرہ نے اپنی کتاب احز الغلاصم فی إفحام المخاصم میں نص قائم کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا مصدر مؤکد ہے یہ معنی بھی جائز ہے کہ ذا رسالۃ۔ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ۝ بیان کی بنا پر نصب ہے اور با زائد ہے یعنی وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی رسالت کی سچائی پر گواہ ہے اور وہ گواہ ہے کہ وہ سچا ہے۔

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ۝

''جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اس کی اطاعت ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی'' (1)۔ اور ایک روایت میں ہے ''جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 124

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ تَوَلّٰى جس نے منہ پھیرا۔ فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے اعمال کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا، آپ پر صرف تبلیغ کرنا ہے۔ قتبی نے کہا: حَفِیْظًا کا معنی ہے محاسبًا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو آیۃ السیف سے منسوخ کر دیا اور اس سے جنگ کرنے کا حکم دیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ۝

”اور کہتے ہیں: ہم نے حکم مان لیا اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں پس رخ (انور) موڑ لیجئے ان سے اور بھروسہ کیجئے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز۔ تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ یعنی أمرنا طاعةٌ اور طاعة پر نصب بھی جائز ہے یعنی نطیع طاعةً۔ یہ نصر بن عاصم، حسن اور جحدری کی قرأت ہے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی وہ جب آپ کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہمارا معاملہ اطاعت ہے یا ہم پوری طرح اطاعت کرتے ہیں اور ان کا یہ قول نفع بخش نہیں، کیونکہ جو اطاعت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو حقیقۃً مطیع نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس اطاعت کو ثابت نہیں کیا جو انہوں نے ظاہر کی تھی اگر بغیر اعتقاد طاعت اگر ہوتی تو ان کے لیے اس کا حکم کیا جاتا، پس ثابت ہوا کہ اعتقاد کے ساتھ اطاعت کا ثبوت ہے۔ فَاِذَا بَرَزُوْا جب وہ نکلتے ہیں۔ مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ طائفہ کا ذکر فرمایا، کیونکہ وہ رجال کے معنی میں ہے۔ کوفیوں نے تا کو طا میں ادغام کیا، کیونکہ دونوں ایک مخرج سے ہیں۔ کسائی نے فعل میں اس کو قبیح سمجھا ہے جب کہ بصریوں کے نزدیک یہ قبیح نہیں ہے اور بیت کا معنی ملمع سازی کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تبدیلی کرنا اور بدلنا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو انہوں نے بدلا جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا تھا اور جس کا انہیں حکم دیا تھا۔ التبییت کا معنی تبدیل کرنا ہے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

أَتَوْنِي فلم أرضَ ما بَیَّتُوا وکانوا أَتَوْنِي بأمرٍ نُكُر (1)
لِأُنکِحَ أَیِّمهم مُنْذِرًا وهل یُنکِح العبدَ حرٌّ لِحُرّ

ایک اور شاعر نے کہا:

بیَّت قولیَ عبدُ الملیک قاتلهُ اللهُ عبداً کفوراً

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 83، دار الکتب العلمیہ بیروت

ان اشعار میں بیت کا معنی تبدیل کرنا ہے۔

وبیّت الرجل الامر جب کوئی رات کے وقت پھر جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ۔ اور عرب کہتے ہیں: أمر بيت بليل جب کوئی امر پختہ کیا جائے۔ رات کو اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، کیونکہ یہ فارغ وقت ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أجمعوا أمرهم بليل فلما أصبحوا أصبحت لهم ضَوضَاء

اس سے ہے بيّت الصيام و البيوت: الماء يبيت ليلاً و البيُوت: الامر يُبَيِّت عمليه صاحبُه مُهتماً به۔

ہذلی نے کہا:

وأجعلُ فُقْرتها عُدّةً إذا خِفتُ بَيُوتَ أمْرٍ عُضالِ

و التَّبْيِتُ و البيات دشمن کا رات کے وقت آنا۔ بات يفعل كذا جب کوئی رات بھر کام کرتا رہے جیسے کہا جاتا ہے: ظل بالنهار، وبيّت الشيء یعنی کسی چیز کا اندازہ لگایا۔ اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ ابتدا میں تمام کا ذکر کیا پھر بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ فرمایا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کی حالت سے تعبیر فرمایا جس کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ کفر اور نفاق پر باقی رہا اور اس سے درگزر فرمایا جس کے متعلق اسے معلوم تھا کہ وہ اس سے واپس آجائے۔ بعض نے فرمایا: اس کی حالت کو بیان کیا جو حاضر ہوا اور اپنے معاملہ میں حیران ہوا اور جس نے سنا اور خاموش رہا تو اس کا ذکر نہ کیا۔

وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ یعنی وہ ان کے اعمال کے صحیفوں میں ان کی سازش کو لکھ رہا ہے تاکہ انہیں اس پر سزا دی جائے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے وہ تجھ پر کتاب میں نازل کرے گا (1)۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ صرف قول کچھ مفید نہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: طَاعَةٌ اور صرف یہ لفظ کہا اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کو ثابت نہیں فرمایا اور ان کی اطاعت کی صحت کا حکم نہ لگایا، کیونکہ وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مطیع، اطاعت شعار نہیں ہوگا مگر اطاعت کے اعتقاد کے ساتھ جب کہ اطاعت ساتھ ساتھ بالفعل پائی بھی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ یعنی ان کے اسماء کی خبر نہ دو (2)۔ ضحاک سے مروی ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے انہیں سزا نہ دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور دشمن پر مدد میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے: یہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ (توبہ: 73) کے ارشاد سے منسوخ ہے، پھر منافقین پر عیب لگایا کہ وہ قرآن میں غور و فکر سے اعراض کرتے ہیں اور اس کے معانی میں غور و تدبر نہیں کرتے۔ تدبرت الشئ۔ کسی چیز کے انجام میں غور و فکر کرنا۔ حدیث میں ہے لا تدابروا (3)۔ یعنی ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔ واد بر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 83، دارالکتب العلمیہ بیروت
2۔ ایضاً
3۔ شعب الایمان، باب حفظ اللسان، جلد 4، صفحہ 199، حدیث نمبر 4783

القوم یعنی اس کا امر آخر تک پہنچا۔ والتدبیر انسان کا اپنے معاملہ میں غور و فکر کرنا گویا وہ اس کی عاقبت وانجام کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ آیت اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿ (محمد) قرآن میں غور و فکر کرنے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے تا کہ اس کے معنی کو جان لیا جائے۔ یہ ان علماء کے قول کے فساد پر رد ہے جو کہتے ہیں: تفسیر سے کچھ نہیں لیا جائے گا مگر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور لغت عرب کی بنا پر جو سمجھ آئے اس کی تاویل سے منع کیا۔ اس میں غور و فکر اور استدلال کرنے کی دلیل ہے اور تقلید کے ابطال کی دلیل ہے، نیز اس میں قیاس۔ کے اثبات پر دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا یعنی اگر یہ اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں وہ بہت زیادہ تفاوت اور تناقص پاتے۔ یہ حضرت ابن عباس، قتادہ اور ابن زید سے مروی ہے۔ اس اختلاف میں قرأت کے الفاظ اور امثال، دلالات کے الفاظ اور سور اور آیات کی مقادیر داخل نہیں بلکہ تناقص و تفاوت کا اختلاف مراد لیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ تم جس کے متعلق خبر دیتے ہو کہ یہ غیر اللہ سے ہے اگر ایسا ہوتا تو اس میں اختلاف ہوتا۔ بعض نے فرمایا: جو متکلم زیادہ کلام کرتا ہے اس کی کلام میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے یا تو وصف اور لفظ کے اعتبار سے یا جودت معنی کے اعتبار سے یا تناقض کے اعتبار سے یا جھوٹ کے اعتبار سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور لوگوں کو اس میں غور و فکر کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ اس میں نہ تو وصف کے اعتبار سے اختلاف پائیں گے، نہ معنی کے اعتبار سے رد پائیں گے نہ تناقض پائیں گے اور جو غیوب کی خبریں انہیں دی گئی ہیں، جو راز کی باتیں انہیں بتائی گئی ہیں ان میں اختلاف نہیں پائیں گے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

"اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول (کریم) کی طرف اور با اقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور (نہ ہوتی) اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے چند آدمیوں کے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ، اِذَا میں شرط کا معنی ہے اور اس کی جزا نہیں لگائی جاتی اگرچہ اس پر ما زائدہ کیا گیا ہو اور یہ بہت قلیل الاستعمال ہے۔ سیبویہ نے کہا: اور عمدہ ہے جو کعب بن زہیر نے کہا۔

واذا ما تشاء تبعث منها مغربَ الشمسِ ناشِطًا مذعوراً

یعنی عمدہ یہ ہے کہ اذا ما کے ساتھ جزم نہ دی جائے جس طرح اس بیت میں جزم نہیں دی گئی۔ سورۂ بقرہ کی ابتدا میں یہ گزر چکا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا امر سنتے ہیں جس میں امن ہوتا ہے جیسے مسلمانوں کی کامیابی اور ان کے دشمن کا قتل

(اَوِ الْخَوْفِ) یا اس کی ضد (اَذَاعُوْا بِهٖ) تو اس کا خوب چرچا کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کو سمجھنے سے پہلے اس پر گفتگو کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ کمزور مسلمانوں کی طرف سے تھا۔ حسن سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کو افشا کرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ان پر اس میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ضحاک اور ابن زید نے کہا: یہ منافقین کے بارے میں ہے پس انہیں اس سے منع کیا گیا، کیونکہ اس سے انہیں جھوٹی افواہ پھیلانا لازم آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ یعنی اس پر گفتگو نہ کرتے اور اس کا چرچا نہ کرتے حتیٰ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان کرتے اور اس کا اظہار کرتے۔ اُولِی الْاَمْرِ سے مراد اہل علم وفقہ ہیں۔ یہ حسن اور قتادہ وغیرہما سے مروی ہے۔ سدی اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد والی ہیں (1)۔ بعض نے فرمایا: لشکروں کے امراء ہیں۔ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ یعنی وہ اسے نکالتے یعنی وہ جان لیتے جس کا افشاء کرنا مناسب تھا اور جس کا چھپانا مناسب تھا۔ الاستنباط یہ استنبطت الماء سے مشتق ہے جب پانی کو کوئی نکالے۔ النبط وہ پانی جو کنواں کھودتے وقت ابتدا میں نکلتا ہے اسے الماء المستنبط کہتے ہیں۔ نبطیوں کو نبط اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ زمین میں جو کچھ تھا اسے نکالتے تھے۔ لغت میں الاستنباط کا معنی الاستخراج (نکالنا) ہے۔ یہ اجتہاد کی دلیل ہے جب کسی معاملہ میں نص اور اجماع نہ ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ سیبویہ کے نزدیک فضل پر رفع مبتدا کی وجہ سے ہے اور اس کی خبر کا ظاہر کرنا جائز نہیں۔ اور کوفی کہتے ہیں: لولا کی وجہ سے رفع دیا گیا ہے۔ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا اس آیت میں تین اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کا چرچا کیا مگر ان میں سے تھوڑے لوگوں نے یہ چرچا نہ کیا اور افشا نہ کیا۔ یہ نحویوں کی ایک جماعت کا قول ہے۔ کسائی، اخفش، ابو عبید، ابو حاتم اور طبری وغیرہ کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اس کو جان لیا، ان لوگوں نے جنہوں نے ان میں سے استنباط کیا مگر ان میں سے تھوڑے لوگوں نے۔ یہ حسن وغیرہ سے مروی ہے۔ زجاج کا مختار قول بھی یہی ہے۔ اس نے کہا: استنباط کو زیادہ لوگ جانتے تھے، کیونکہ اس کا مطلب ہے خبر کا علم حاصل کرنا۔ پہلے قول کو فراء نے اختیار کیا۔ اس نے کہا: سرایا کو مان لیا جب اس کا مستنبط علم غالب ہوا۔ الاذاعة (افشا) بعض میں ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا۔ کلبی نے فراء سے روایت کیا ہے اسی وجہ سے میں اذاعت سے استثنا کو اچھا سمجھتا ہوں۔ نحاس نے کہا: یہ دونوں قول مجاز پر ہیں مراد یہ ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اور تیسرا قول بغیر مجاز کے ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، یہ کہ اس نے تم میں اپنا (ذی شان) رسول بھیجا جس نے تم میں حجت قائم کی، تو تم کفر کرتے اور شرک کرتے مگر تھوڑے تم میں سے وحدانیت کا اظہار کرتے۔ اس میں چوتھا قول بھی ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے تم شیطان کی اتباع کرتے مگر تھوڑے۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خود شیطان کے امر کو بیان کرتے مگر تھوڑے (2)، یعنی جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ خالص فرما دیا۔ اس قول کی بنا پر اِلَّا قَلِیْلًا کا استثناء لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ کے قول سے ہوگا۔ مہدوی نے کہا: اس قول کا اکثر علماء نے انکار کیا ہے جب تم پر اللہ کا فضل اور

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 85، دار الکتب العلمیہ بیروت

2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 218

اس کی رحمت نہ ہوتی تو تمام لوگ شیطان کی پیروی کرتے۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ۝

''تو (اے محبوب!) جہاد کرو اللہ کی راہ میں نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے اور ابھاریں آپ ایمان والوں کو (جہاد پر) عجب نہیں کہ اللہ روک دے زور ان لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے نیز وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہ فا، وَ مَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ سے متعلق ہے یعنی اس وجہ سے جہاد کرو۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے قول سے متعلق ہے گویا یہ معنی ہے دشمن سے جہاد کو نہ چھوڑ اور مومنین میں سے جو کمزور ہیں اس کی مدد کرنے کو ترک نہ کر اگرچہ تو تنہا بھی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیری مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا اگرچہ وہ تنہا بھی جہاد کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصرت کی ضمانت دی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ لفظ کا ظاہر ہے (1)، مگر کسی خبر میں ایسا نہیں آیا کہ جہاد کسی مدت کے لیے آپ پر فرض کیا ہو اور امت پر فرض نہ ہو۔ معنی یہ ہے کہ لفظاً خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یہ مثال ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: یہ ہر ایک کے لیے خاص ہے۔ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میں سے ہر شخص کو یہ حکم ہے۔ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ۔ یہ ہر مومن کے لیے مناسب ہے کہ وہ جہاد کرے اگرچہ تنہا بھی ہو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: واللہ لا قاتلنھم حتی تنفرد سالفتی (2)۔ اللہ کی قسم میں ان سے جہاد کروں گا حتیٰ کہ میری گردن تن سے جدا ہو جائے۔ حضرت ابوبکر نے لوگوں کے ارتداد کے وقت کہا تھا: ولو خالفتنی یمینی لجاھدتھا بشمالی اگر میرا دایاں ہاتھ میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں بائیں ہاتھ سے جہاد کروں گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت بدر الصغریٰ کے موسم میں نازل ہوئی۔ ابوسفیان جب جنگ احد سے واپس گیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر الصغریٰ کے موسم کا وعدہ لیا۔ جب وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستر شہسواروں کے ساتھ اس کی طرف نکلے لیکن ابوسفیان نہ آیا اور جنگ نہ ہوئی۔ یہ مجاہد کے قول کے معنی کے اعتبار سے ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اس کا ماقبل سے تعلق اس طرح ہے کہ منافقین کا وصف بیان کیا گیا کہ وہ معاملے کو خلط ملط کرتے ہیں اور جھوٹی افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اعراض کرنے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا اگرچہ اس پر کوئی بھی مددگار نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ تکلف مرفوع ہے، کیونکہ مستقبل کا صیغہ ہے اس کو جزم نہیں دی گئی، کیونکہ یہ پہلے کی علت نہیں ہے۔ اخفش نے کہا کہ اس کو جزم بھی جائز ہے اور اِلَّا نَفْسَكَ۔ مجہول کی خبر ہے معنی یہ ہے کہ کسی دوسرے کا فعل تم پر لازم نہیں ہوگا اور تم سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 86

2۔ مسند احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، جلد 4، صفحہ 329

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ تعالیٰ نے جہاد اور قتال پر مومنین کو برانگیختہ کیا۔ کہا جاتا ہے: حرضت فلانا علی کذا۔ جب تو کسی کو کسی کا حکم دے۔ حارض فلان علی الامر و اکب وواظب، سب کا ایک معنی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، عَسَى امید کے لیے ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے وجوب کے معنی میں ہوتا ہے، کیونکہ طمع (امید) کلام عرب میں وجوب کے معنی میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ؃ (الشعراء)

ابن مقبل نے کہا:

ظنّي بهم كعسى وهم بِتَنُوفَةٍ يتنازعون جوائز الأمثال

اس میں عسٰی یقین کے معنی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا یعنی اللہ تعالیٰ کی صولت، سلطنت بہت زیادہ ہے اور گرفت کرنے پر زیادہ قادر ہے جس کا ارادہ کرتا ہے۔ وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ حسن وغیرہ کا قول ہے۔ ابن درید نے کہا: رماہ اللہ بنکلة یعنی رماہ بما ینکلہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پر اسی چیز کو پھینکا جس کے ساتھ اس نے اسے سزا دی۔ نکلت بالرجل تنکیلاً یہ النکال سے مشتق ہے۔ المنکل وہ چیز جو انسان کو سزا دیتی ہے۔ شاعر نے کہا:

ارمر علی اقفائهم بمنکل

یعنی ان کی گردنوں پر عبرت ناک سزا دو۔

مسئلہ نمبر 3۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کفار شدت اور تکلیف میں ہیں اور تم نے کہا تھا کہ عَسٰی بمعنی یقین ہے تو پھر یہ وعدہ کیسا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے یہ وعدہ پایا گیا، اس کا وجود استمرار اور دوام کے ساتھ لازم نہیں، جب ایک دفعہ یہ پایا گیا اگرچہ یک لحظہ کے لیے ہو تو وعدہ سچا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بدر الصغریٰ میں مشرکین سے ان کی تکلیف کو روک لیا اور جو انہوں نے جنگ اور قتال کا عہد کیا تھا اس سے وہ پیچھے رہ گئے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (الاحزاب: 25) مومنین سے اللہ تعالیٰ نے قتال کو روک لیا اور حدیبیہ میں جب انہوں نے عذر کیا اور فرصت کو غنیمت جانا تو مسلمان ان کو سمجھ گئے۔ پس وہ نکلے اور انہوں نے انہیں قیدی بنا لیا یہ سفیر تھے جو صلح کرانے کے لیے چلے تھے۔ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (الفتح: 24) سے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان گروہوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ بغیر قتل و قتال کے واپس لوٹ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ۔ اور یہودی اپنے گھروں کو مومنین سے لڑے بغیر چھوڑ کر چلے گئے یہ سب باس ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین سے روک لی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ اور بہت سے دشمن رسوائی کے ساتھ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر جنگ کا راستہ ترک کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی شدت روک لی۔ والحمد للہ رب

العالمین۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝

''جو کرے گا سفارش اچھی، ہوگا اس کا حصہ اس میں سے اور جو کرے گا سفارش بری، تو ہوگا اس کے لیے بوجھ اس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ يَّشْفَعْ، الشفاعة اور الشفعة وغیرہ الشفع سے مشتق ہیں اور اس کا معنی جفت عدد ہے۔ اسی سے الشفیع (شفعہ کرنے والا)، کیونکہ وہ صاحب حاجت کے ساتھ شفع (جفت) ہو جاتا ہے۔ اس سے ناقة شفوع ہے جب ایسی اونٹنی جو ایک بچہ جنم دینے کے بعد پھر حاملہ ہو جائے۔ الشفع، ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانا۔ الشفعة شریک کی ملکیت کو اپنی ملکیت کے ساتھ ملانا۔ الشفاعة کسی دوسرے کو اپنی جاہ اور وسیلہ کے ساتھ ملانا۔ یہ حقیقۃ شفیع کی قدر و منزلت کا مشفع کے پاس اظہار کرنا ہے اور جس کے لیے سفارش کی گئی ہے اس کو نفع پہنچانا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کی تاویل میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ مجاہد، حسن، ابن زید وغیرہم نے کہا: یہ لوگوں کا اپنی ضروریات کے لیے آپس میں سفارش کرنا ہے پس جو اس لیے سفارش کرے گا تا کہ وہ کسی کو نفع پہنچائے تو اس کے لیے حصہ ہوگا اور جو کسی کو ضرر اور نقصان پہنچانے کے لیے سفارش کرے گا اس کے لیے بوجھ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: شفاعت حسنة وہ ہے جو نیکی اور اطاعت میں ہو اور سیئة سفارش وہ ہے جو معاصی (گناہوں) میں ہو (1)۔ جو اچھی سفارش کرے گا تا کہ دو آدمیوں کے درمیان صلح کرائے تو وہ اجر کا مستحق ہوگا اور جو چغلی اور غیبت کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔ یہ پہلی کے قریب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: شفاعت حسنة سے مراد مسلمانوں کے لیے دعا کرنا ہے اور سیئة سے مراد مسلمانوں کے لیے بددعا کرنا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: ''جس نے کسی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا کی تو اس لیے دعا قبول کی جاتی ہے اور فرشتہ کہتا ہے آمین اور تیرے لیے اس کی مثل ہے'' (2)۔ یہ ہے وہ حصہ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح جو کسی کے لیے برائی کی دعا کرتا ہے تو اس کی نحوست اس کی اپنی طرف لوٹ کر آتی ہے۔ یہود مسلمانوں کے لیے بددعا کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: جو جہاد میں اپنے ساتھی کے ساتھ ملے گا اس کے لیے اجر میں سے حصہ ہوگا اور جو باطل میں اپنے ساتھی سے ملے گا اس کے لیے گناہ کا بوجھ ہوگا۔ حسن سے بھی مروی ہے الحسنة جو دین میں جائز ہو اور السیئة جو دین میں جائز نہ ہو۔ گویا یہ جامع قول ہے۔ الکفل کا مطلب بوجھ اور گناہ ہے۔ حسن، قتادہ، سدی اور ابن زید سے مروی ہے کہ اس سے مراد نصیب (حصہ) ہے۔ یہ کفل البعیر سے مشتق ہے وہ کپڑا جو سوار اونٹ کی کہان کے اردگرد لپیٹتا ہے تا کہ وہ گر نہ جائے۔ کہا جاتا ہے: اکتفلت البعیر۔ جب کوئی اونٹ کی کہان کے اردگرد کپڑا لپیٹے اور اس پر سوار ہو اس کو کہا جاتا ہے اکتفل کیونکہ اس نے ساری پیٹھ کو استعمال نہیں کیا بلکہ پیٹھ کا ایک حصہ استعمال کیا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 86، دار الکتب العلمیہ بیروت　2۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 2، صفحہ 352

یہ خیر وشر کے حصہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ (الحدید:28)

سفارش کرنے والے کو اجر مل جاتا ہے جب وہ جائز کام کی سفارش کرتا ہے اگرچہ اس کی سفارش قبول نہ بھی کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ يَّشْفَعْ (جو سفارش کرے گا) مَنْ يُّشَفَّعْ (جس کی سفارش قبول کی جائے گی) نہیں فرمایا۔ صحیح مسلم میں ہے" سفارش کرو تمہیں اجر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اپنے نبی کی زبان پر فیصلہ فرمائے گا"(1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ، مُقِيْتًا کا معنی ہے قدرت والا۔ اسی سے زبیر بن عبد المطلب کا شعر ہے:

وذی ضِغْنٍ كففتُ النفسَ عنه　　وكنتُ على مَساءته مُقِيتًا (2)

اس میں شاعر نے مقیتا کو قدیراً کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو روزی دینے والا ہے۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كفى بالمرء إثماً أن يُضَيِّع من يقيت (3)۔ انسان کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے عیال وغیرہ کو ضائع کردے یعنی جن کو وہ خوراک دیتا ہے جو اس کی قدرت میں ہیں اور قبضہ میں ہیں۔ یہ ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ اسی سے وہ کہتا ہے: قُتُّه أقوته قَوْتاً و أَقَتُّه أُقِيتُه أقاتةً فأنا قائت و مُقيت۔ ان تمام کا معنی روزی دینا اور رزق دینا ہے۔ کسائی نے حکایت کیا ہے: أقات، يقيت۔ شاعر کا قول ہے۔

إنی علی الحساب مُقِيتُ (4)

"میں حساب سے خوراک دینے والا ہوں"۔

طبری نے اس کے بارے کہا: یہ مذکورہ معنی سے نہیں ہے بلکہ یہ موقوف کے معنی میں ہے (5)۔ ابو عبیدہ نے کہا: المقیت کا معنی الحافظ (حفاظت کرنے والا) ہے۔ کسائی نے کہا: المقیت کا معنی المقتدر ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ کا قول اولیٰ ہے، کیونکہ یہ القوت سے مشتق ہے اور القوت کا معنی ہے وہ مقدار جو انسان کی حفاظت کرتی ہے۔ الفراء نے کہا المقیت وہ ہوتا ہے جو ہر شخص کو رزق اور خوراک دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: كفى بالمرء اثما أن يضيع من يقوت (6) انسان کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کردے جن کو وہ خوراک دیتا ہے۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے: ابن الفارس نے "المجمل" میں حکایت کیا ہے: المقيت المقتدر، المقيت الحافظ و الشاهد، و ما عنده قِيتُ ليلة و قوت ليلة۔ یعنی المقیت کا معنی قدرت والا ہے اور اس کا معنی حافظ و شاہد بھی ہے اور وہ بھی جس کے پاس رات کی خوراک ہو۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، جلد 2، صفحہ 330
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 86
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 238
4۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 223
5۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 87
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 238

''جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دوہرا دو وہی لفظ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے''۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ، التحیة یہ حییت کا مصدر ہے۔ اصل میں تحیية تھا جیسے ترضیة اور تسمیة ہے یا کو یا میں ادغام کیا گیا۔ التحیة کا معنی سلام ہے۔ التحیة کی اصل زندگی کی درازی کی دعا کرنا ہے۔ التحیات للہ یعنی آفات سے سلامتی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ملک بھی ہے۔ عبداللہ بن صالح العجلی نے کہا: میں نے کسائی سے التحیات للہ کے متعلق پوچھا کہ اس کا معنی کیا ہے؟ انہوں نے کہا: التحیات، برکات کی مثل ہے۔ میں نے کہا: برکات کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کے متعلق کچھ نہیں سنا میں نے اس کے متعلق محمد بن حسن سے پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ ایسی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف کیا ہے پھر میں کوفہ میں آیا تو میں نے عبداللہ بن ادریس سے پوچھا۔ میں نے کہا: میں نے کسائی اور امام احمد سے التحیات للہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ عبداللہ بن ادریس نے کہا: ان دونوں کو اشعار اور ان اشیاء کا علم نہیں؟

التحیة کا معنی الملک ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

أَؤُمُّ بها أباقابوس حتی أُنِیخَ علی تحیتة بجُندِی

ابن خویز منداد نے کہا:

أَسِیر به الی النعمان حتی أُنیخ علی تحیتة بجُندِی

تحیۃ سے مراد ان اشعار میں ملک ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

ولَكُلُّ ما نال الفتی قد نِلْتُهُ إلا التَّحِیَّة

قتبی نے کہا: التحیات للہ جمع کا صیغہ ذکر فرمایا، کیونکہ زمین میں بہت سے بادشاہ ہیں جو مختلف ملکیتیں رکھتے ہیں، پس بعض کو کہا گیا ابیت اللعن، اور بعض کو کہا گیا: اسلم وانعم بعض کو کہا گیا: عش الف سنة۔ اور ہمیں کہا گیا: تم کہو التحیات للہ۔ یعنی وہ الفاظ جو ملک پر دلالت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے ملکیت سے کنایہ ہیں۔ اس آیت کا ماقبل سے تعلق اس طرح ہے کہ فرمایا: جب تم جہاد کے لیے نکلو جیسا کہ اس کا امر پہلے ہو چکا ہے تو تم پر سلام کے ساتھ سلام کیا جائے تو تم سلام کرنے والے کو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے بلکہ تم سلام کا جواب لوٹاؤ، کیونکہ اسلام کے احکام ان پر جاری ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کا آیت کے معنی اور تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن وہب اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت چھینک مارنے والے کا جواب دینے اور جواب دینے والے کے جواب کے بارے میں ہے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ کلام میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے اور چھینک کا جواب دینے والے پر جواب لوٹانا قیاساً سلام لوٹانے کے معنی میں داخل ہے۔ اگر یہ قول امام مالک سے صحیح ہے تو امام مالک کا میلان اس طرف اس بنا پر ہوگا۔ اور ابن خویز منداد نے

کہا: اس آیت کو ہبہ پر محمول کرنا بھی جائز ہے جب وہ لوٹانے کے لیے ہو جس کو لوٹانے کے لیے ہبۃ کیا گیا اسے اختیار ہے چاہے تو واپس کر دے، چاہے تو اسے قبول کر لے اور اس پر اس کی قیمت لوٹا دے۔

میں کہتا ہوں: امام ابو حنیفہ کے اصحاب نے اسی طرح کہا ہے۔ انہوں نے کہا: التحیۃ یہاں ہدیہ کے معنی میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْ رُدُّوْهَا۔ بعینہ سلام لوٹانا تو ممکن ہی نہیں ہے اور ظاہر کلام بعینہ تحیۃ ادا کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہ ہدیہ ہے اگر قبول کرے تو اسے عوض دینے کا حکم ہے یا بعینہ وہ ہدیہ لوٹا دے۔ یہ سلام میں تو ممکن ہی نہیں۔ لوٹانے کے لیے ہبہ اور ہدیہ کا حکم سورۂ روم میں: وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا کے تحت آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح یہ ہے کہ یہاں التحیۃ سلام کے معنی میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ (المجادلہ: 8)

نابغہ ذیبانی نے کہا:

تُحَيِّيهم بيض الولائدِ بينهم وأكسيةُ الإضريج فوق المشاجبِ

یہاں انہیں سلام کرنے کا شاعر نے ارادہ کیا ہے۔

اس مفہوم پر مفسرین کی ایک جماعت ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو آیت کی فقہ یہ ہو گی کہ کہا جائے کہ علماء کا اجماع ہے کہ سلام سے ابتدا کرنا مرغوب سنت ہے اور اس کا لوٹانا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ جب جماعت میں سے کوئی ایک سلام کا جواب دے دے تو کافی ہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ کافی ہے جو سلام کرنے والا ہے اس پر اس کی مثل قول لوٹایا جائے گا۔ کوفیوں نے کہا: سلام کا لوٹانا فروض متعینہ میں سے ہے۔ وہ کہتے ہیں: سلام کرنا، اس کا حکم سلام لوٹانے کے برعکس ہے، کیونکہ سلام کرنا تطوع اور نفل ہے اور اس کا لوٹانا فرض ہے اگر جن پر سلام کیا گیا ہے ان کے علاوہ کسی نے سلام کا جواب دیا تو ان سے فرض ساقط نہ ہو گا۔ پس یہ دلیل ہے کہ سلام کا لوٹانا ہر انسان پر لازم ہے حتیٰ کہ قتادہ اور حسن نے کہا: نمازی کو جب سلام کیا جائے تو بھی کلام کے ساتھ سلام کا جواب دے اور اس سے اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ اس نے وہ فعل کیا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، جب کہ لوگوں کا عمل اس کے خلاف ہے۔ پہلے علماء نے ابو داؤد کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب ایک جماعت گزرے تو ان میں سے ایک کا سلام کرنا کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک کا ان کے سلام کا جواب دینا کافی ہے'' (1)۔ یہ اختلاف کی جگہ میں نص ہے۔ ابو عمر نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، اس کا کوئی معارض نہیں، اس کی سند میں سعید بن خالد ہے۔ یہ سعید بن خالد خزاعی مدنی ہے۔ بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے، ان میں ابو زرعہ، ابو حاتم اور یعقوب بن شیبہ ہیں ان محدثین نے اس کی حدیث کو منکر بنایا ہے، کیونکہ اس سند کے ساتھ اس میں وہ منفرد ہے، کیونکہ عبد اللہ بن فضل نے عبید اللہ بن ابی رافع سے نہیں سنا ہے، ان کے درمیان

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السلام، جلد 2، صفحہ 352

اس حدیث کے علاوہ احادیث میں اعرج ہے۔ واللہ اعلم۔ نیز اس ارشاد گرامی سے حجت پکڑی ہے: یسلم القلیل علی الکثیر(1) تھوڑے زیادہ پر سلام کریں۔ جب اس بات پر اجماع ہے کہ ایک شخص پوری جماعت کو سلام کر سکتا ہے تو تکرار کی ضرورت نہیں اسی طرح ایک شخص جماعت کی طرف سے لوٹا دے وہ دوسروں کے قائم مقام ہو جائے گا جیسے فرض کفایہ ہوتے ہیں۔ امام مالک نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سوار، پیدل چلنے والے پر سلام کرے اور جب قوم میں سے ایک سلام کرے تو تمام کی طرف سے کافی ہوگا''(2)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ دلیل ہے کہ ایک کا جواب دینا کافی ہے اور ایک شخص کے جواب دینے کے جواز میں اس کو حجت بنایا ہے۔ اس میں قلق ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا بہتر لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زائد الفاظ کہے۔ وہ کہے: وعلیك السلام ورحمة الله۔ یہ اس کے جواب میں کہے جس نے سلام علیك کہا اگر وہ کہے: سلام علیك ورحمة الله تو تم وبرکاته جواب میں زائد کرو۔ یہ انتہا ہے اس پر مزید کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے البیت الکریم کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرمایا ورحمة الله وبرکاته، جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ اگر اس کا سلام غایت پر ختم ہو تو اس کے لوٹانے میں ابتدا میں واؤ کا اضافہ کر دے اور تو کہے وعلیك السلام ورحمة الله وبرکاته! اور بالمثل لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ جو تجھے کہے: السلام علیك تو اس کے جواب میں علیك السلام کہہ دے مگر مناسب یہ ہے کہ سلام جمع کے صیغہ کے ساتھ کیا جائے اگرچہ جس کو سلام کیا گیا ہے وہ ایک ہی ہو۔ اعمش نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے فرمایا: جب تو ایک شخص کو سلام کرے تو السلام علیکم کہہ، کیونکہ اس کے ساتھ ملائکہ ہوتے ہیں اسی طرح جواب بھی جمع کے صیغہ کے ساتھ ہو۔ ابن ابی زید نے کہا: سلام کرنے والا السلام علیکم کہے اور جواب دینے والا وعلیکم السلام کہے یا کہے السلام علیکم جیسا اسے کہا گیا ہے۔ اَوۡ رُدُّوۡهَا کا معنی ہے کہ تم اس کے جواب میں سلام علیک نہ کہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ سلام کرنے میں بہتر اور ادب یہ ہے کہ مخلوق کے اسم پر اللہ تعالیٰ کے اسم کو مقدم کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ ﴿﴾ (الصافات) حضرت ابرہیم کے قصہ میں فرمایا: رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَکٰتُهٗ عَلَیۡکُمۡ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ (ہود: 73) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرمایا (سلام علیک)۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے ہے (3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا، ان کا طول ساٹھ ہاتھ تھا پھر جب انہیں تخلیق فرمایا: تو فرمایا تم جاؤ اور ان لوگوں پر سلام کرو، وہ فرشتوں کا گروہ تھا جو بیٹھا ہوا تھا، پھر جو تجھے وہ جواب دیں وہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا''۔ فرمایا۔ ''حضرت آدم علیہ السلام چلے گئے اور کہا: السلام علیکم تو جواب میں فرشتوں نے کہا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ''۔ فرمایا: ''انہوں نے ورحمۃ اللہ زیادہ کہا''۔ فرمایا: ''ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا اس کا قد لمبائی میں ستر ہاتھ ہوگا حضرت آدم علیہ السلام کے بعد مخلوق

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 2، صفحہ 212
2۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، صفحہ 724
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واھلہا، جلد 2، صفحہ 380

کم ہوتی رہی حتیٰ کہ اب تک کم ہوتی رہی''۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اپنی صحت کے ساتھ فوائد کی جامع ہے۔

(۱) آدم کی تخلیق کی صفت کے متعلق خبر دینا (۲) ہم اللہ کے فضل سے اس صفت پر جنت میں داخل ہوں گے (۳) تھوڑے لوگوں کا زیادہ لوگوں پر سلام کرنا (۴) اللہ تعالیٰ کے اسم کو مقدم کرنا (۵) سلام بالمثل لوٹانا کیونکہ فرشتوں کو آپ نے کہا: السلام علیکم (۶) لوٹانے میں زیادتی کرنا (۷) تمام لوگوں کا جواب دینا جیسا کہ کوفیوں کا قول ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اگر کوئی سلام کا جواب دے اور جو سلام کرنے والے کے اسم کو مقدم کر دے تو یہ حرام اور مکروہ نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت ہے جس شخص نے اچھی طرح نماز نہیں پڑھی تھی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: وعلیك السلام ارجع فصل فإنك لم تصلِّ (1) تم پر سلام ہو تو لوٹ جاؤ اور پھر نماز پڑھ کیونکہ تو نے صحیح نماز نہیں پڑھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ۔ جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ جبریل انہیں سلام کہہ رہا ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو سلام بھیجے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے سلام کا اسی طرح جواب دے جس طرح سامنے والے شخص کو سلام کا جواب دیتا ہے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میرا والد آپ کو سلام عرض کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیك وابیك السلام (2)۔ تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام۔

نسائی اور ابو داؤد نے حضرت جابر بن سلیم کی حدیث روایت کی ہے انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا میں نے کہا: علیک السلام یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو، کیونکہ علیک السلام تو میت کا سلام ہے۔ بلکہ تم کہو: السلام علیک (3)۔ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ مگر عربوں کی عادت ہے کہ وہ جس کے خلاف دعا کرتے ہیں اس کا اسم پہلے ذکر کرتے ہیں مثلاً علیہ لعنۃ اللہ وغضب اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (ص)

شعراء کی مردوں کو سلام کرنے کی یہی عادت ہے جیسے

علیك سلام الله قیس بن عاصم ورحمتہ ماشاء ان یترحما

شماخ نے کہا:

علیك سلام من أمیر و بارکت ید الله فی ذاك الأدیم الممزق

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس سے منع فرمایا اس لیے نہیں کہ وہ مردوں کے حق میں مشروع لفظ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 170

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 351۔ ایضاً، حدیث نمبر 4554، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 287۔ ایضاً سنن ابی داؤد، حدیث 3562، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے ثابت ہے کہ مردوں پر اس طرح سلام کیا جس طرح آپ نے زندوں کو سلام کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون (1)۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیف أقول اذا دخلت المقابر؟ میں جب قبور میں داخل ہوں تو کیسے کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قولی السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین (2)۔ مزید ان شاء اللہ سورۃ الهاکم میں تفصیل آئے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث تمام اہل قبور پر سلام کرنے میں ہو جب کوئی ان میں داخل ہو اور ان کے پاس جائے۔ اور حضرت جابر بن سلیم کی حدیث اس گزرنے کے ساتھ خاص ہو جس سے زیارت مقصود ہو۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 6۔ سنت ہے کہ سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے، کھڑا شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، تھوڑے زیادہ کو سلام کریں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے اسی طرح مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سوار سلام کرے'' (3)۔ پہلے سوار کا ذکر کیا اس کے علو مرتبہ کی وجہ سے نیز کیونکہ وہ اس سے تکبر کو دور کرے گا۔ اسی طرح پیدل چلنے والے کے بارے میں کہا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: جب بیٹھنے والا، وقار، سکون اور ثبوت کی حالت پر ہے تو اس کو چلنے والے پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اس کا حال اس کے برعکس ہے۔ تھوڑے لوگوں کا زیادہ لوگوں کو سلام کرنا مسلمانوں کی جمعیت اور اکثریت کے شرف کی رعایت رکھی گئی ہے۔ بخاری نے اس حدیث میں ویسلم الصغیر علی الکبیر (4) (چھوٹا بڑے کو سلام کرے) کا اضافہ کیا ہے۔ رہا بڑے کا چھوٹے کو سلام کرنا تو وہ اشعث نے حسن سے روایت کیا ہے وہ بچوں پر سلام کرنے کا نظریہ نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا: سلام کا جواب دینا فرض ہے اور بچے پر سلام کا جواب دینا لازم نہیں پس ان کو سلام کرنا مناسب نہیں۔ ابن سیرین سے مروی ہے کہ وہ بچوں کو سلام کرتے تھے لیکن ان کا سلام سنتے نہیں تھے۔ اکثر علماء نے کہا: بچوں کو سلام کرنا ان کو ترک کرنے سے افضل ہے۔ صحیحین میں حضرت سیار سے مروی ہے فرمایا: میں ثابت کے ساتھ چلتا تھا وہ بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو انہیں سلام کرتے تھے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ وہ حضرت انس کے ساتھ چلتے تھے وہ بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو انہیں سلام کرتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتے تھے آپ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے (5)۔ یہ مسلم کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم میں سے ہے۔ اس میں چھوٹے بچے کے لیے تہذیب و تدریب ہے اور سنن کی تعلیم پر انہیں ابھارنا ہے اور اس میں شریعت کے آداب پر ان کی ریاضت ہے، پس اس کی تقلید کرو۔ رہا عورتوں کو سلام کرنا تو یہ جائز ہے مگر نوجوان عورتیں جن سے بات کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو شیطان، وسوسہ یا آنکھ کی خیانت کی وجہ سے ان سے بات کرنے میں فتنہ کا خوف ہو تو انہیں سلام نہیں کرنا چاہیے۔ رہی بوڑھی عورتیں تو ان کا سلام کرنا اچھا ہے، کیونکہ وہاں امن ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ عطا اور قتادہ

1۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 287۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث 3562، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الادب، صفحہ 399

3۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 2، صفحہ 212

4۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، جلد 2، صفحہ 921

5۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 2، صفحہ 214

کا قول ہے۔ امام مالک اور علماء کا ایک گروہ یہی نظریہ رکھتا ہے، کوفیوں نے اس سے منع کیا ہے جب ان میں ذوات محرم نہ ہوں۔ یہ علماء کہتے ہیں: جب عورتوں سے اذان، اقامت، جہری قرأت نماز میں ساقط ہے تو ان سے سلام کا جواب دینا بھی ساقط ہوگا پس انہیں سلام کیا ہی نہیں جائے گا۔ صحیح پہلا قول ہے، کیونکہ امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ہم جمعہ کے دن خوش ہوتے تھے۔ میں نے کہا: کیوں (خوش ہوتے تھے)؟ انہوں نے کہا: ہماری ایک بوڑھی عورت تھی وہ بضاعہ کی طرف جاتی تھی ابن مسلمۃ نے کہا: مدینہ میں بضاعہ کھجور کا ایک باغ ہے۔ وہ وہاں سے چقندر کی جڑیں لیتی تھی انہیں ہانڈی میں ڈالتی تھی اور پھر جو کے دانے پیس کر ان پر ڈالتی تھی جب ہم جمعہ پڑھتے تھے اور واپس آتے تھے تو اسے سلام کرتے تھے، وہ ہمیں کھانا پیش کرتی تھی، تو اس وجہ سے ہم خوش ہوتے تھے اور ہم نہ قیلولہ کرتے تھے نہ کھانا کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد (1)۔

مسئلہ نمبر 7۔ سلام اور جواب میں سنت بلند آواز سے کرنا اور جواب دینا ہے انگلیوں اور ہتھیلی سے اشارہ کرنا امام شافعی کے نزدیک کافی نہیں اور ہمارے نزدیک کافی ہے جب وہ دوری پر ہو۔ ابن وہب نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے فرمایا: السلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین پر رکھا ہے پس تم اسے آپس میں پھیلاؤ۔ انسان جب کسی قوم پر سلام کرتا ہے اور وہ اسے جواب دیتے ہیں تو اس شخص کو ان پر فضیلت ہوتی ہے، کیونکہ اس نے انہیں یاد دلایا۔ اگر وہ اسے سلام کا جواب نہ دیں تو اس کو وہ جواب دیتا ہے جو ان سے بہتر ہے اور پاکیزہ ہے۔ اعمش نے عمرو بن مرۃ سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے فرمایا: جب کوئی شخص کسی قوم پر سلام کرتا ہے تو اسے فضیلت ہوتی ہے، اگر وہ اسے جواب نہ دیں تو فرشتے اسے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جواب نہ دینے والوں پر لعنت کرتے ہیں۔ جس کو سلام کیا جائے وہ سلام کا جواب سنا کر دے، کیونکہ جب وہ سلام نہیں سنائے گا تو وہ اس کا جواب شمار نہ ہوگا کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا؟ جب کوئی شخص سلام کرے اور جس کو سلام کیا ہے وہ اسے نہ سنے تو اس کی طرف سے وہ سلام شمار نہ ہوگا۔ اسی طرح جو اس طرح جواب دے جو سنا نہ جائے تو وہ جواب شمار نہ ہوگا۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم سلام کرو تو سناؤ اور جب تم جواب دو تو سناؤ اور جب تم بیٹھو تو امانت کے ساتھ بیٹھو اور تم میں سے کوئی کسی کی بات کو نہ اٹھائے''۔ ابن وہب نے کہا: مجھے اسامہ بن زید نے نافع سے روایت کر کے بتایا کہ میں شام کے ایک فقیہ کے ساتھ چل رہا تھا جس کو عبداللہ بن زکریا کہا جاتا تھا میری سواری پیشاب کرنے لگی تو اس نے مجھے روک لیا پھر میں اسے ملا اور میں نے اسے سلام نہ کیا، انہوں نے پوچھا: تم نے سلام کیوں نہیں کیا؟ میں نے کہا: میں ابھی تمہارے ساتھ تھا۔ انہوں نے فرمایا: اگرچہ صحیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ چلتے تھے پھر درمیان میں درخت آجاتا تھا پھر جب ملتے تھے تو ایک دوسرے پر سلام کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 8۔ کافر کو سلام کا جواب دینے کا حکم یہ ہے کہ اسے ''وعلیکم'' کہا جائے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول ہے اور آیت وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ سے مراد یہ ہے مومن کی طرف سے جب سلام ہو فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ تو اس سے بہتر جواب

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، جلد 2، صفحہ 923

دو۔ اور اگر کافر کی طرف سے ہو تو اس طرح لوٹاؤ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں ''وعلیکم'' (1) کہا جائے۔ عطا نے کہا: یہ آیت مومنین کے ساتھ خاص ہے اور جو غیر مسلم سلام کرے تو اسے ''وعلیک'' کہا جائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں واؤ کا اثبات اور اسقاط آیا ہے۔ ''علیک'' (2) بغیر واؤ کے یہ روایت بالکل واضح ہے۔ رہا واؤ کا اثبات تو انہیں اشکال ہے، کیونکہ واؤ عاطفہ تشریک کا تقاضا کرتی ہے پس اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے ساتھ وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے اس کے ساتھ ہمارے لیے موت کی دعا کی یا ہمارے دین کی موت کی دعا کی۔ اس کے متعلق علماء کے کئی اقوال ہیں (۱) واؤ اپنے باب پر عطف سے ہے، مگر ہماری دعا ان کے خلاف قبول ہوگی، ان کی بددعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوگی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ زائدہ ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ استیناف کے لیے ہے۔ پہلا قول اولیٰ ہے۔ واؤ کے حذف کی روایت معنی کے اعتبار سے احسن ہے اور اس کا اثبات روایت کے اعتبار سے اصح و اشہر ہے۔ یہی اکثر علماء کا نظریہ ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ذمیوں کو سلام کا جواب دینے میں اختلاف ہے۔ کیا وہ مسلمانوں کے جواب کی طرح واجب ہے؟ حضرت ابن عباس، شعبی اور قتادہ نے آیت کے عموم اور حدیث صحیح میں ان پر سلام لوٹانے کے امر سے استدلال کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ جواب دینا واجب ہے، جب کہ اشہب اور ابن وہب کی روایت کے مطابق امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ واجب نہیں اگر تو جواب دے تو کہہ: علیک۔ ابن طاؤس نے یہ پسند کیا ہے کہ انہیں جواب میں علاك السلام کہا جائے۔ یعنی تجھ سے سلام اوپر ہو۔ بعض علماء نے السلام (سین کے کسرہ کے ساتھ) کہنا پسند کیا ہے یعنی اس کے ساتھ پتھر ہو۔ امام مالک وغیرہ کا قول اس سلسلہ میں کافی وشافی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

سورۂ مریم میں سَلٰمٌ عَلَیْكَ (مریم: 47) کے تحت ابتداءً کرتے ہوئے انہیں سلام کرنے کے متعلق گفتگو آئے گی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جنت میں داخل نہ ہوگے حتیٰ کہ تم ایمان لاؤ اور تم ایمان نہیں لاؤ گے حتیٰ کہ تم آپس میں محبت کرو۔ کیا میں تمہاری ایک عمل پر راہنمائی نہ کروں جس کو تم کرو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو، اپنے درمیان سلام پھیلاؤ'' (3)۔ یہ حدیث مسلمانوں میں سلام پھیلانے کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ مشرکین میں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 10۔ نمازی پر سلام نہیں کیا جائے گا، اگر اسے سلام کیا جائے تو اختیار ہے اگر چاہے تو انگلی کے اشارے سے جواب دے، اگر چاہے تو جواب نہ دے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے تو سلام کا جواب دے اور جو قضاء حاجت میں ہو اسے سلام نہیں کرنا چاہیے اگر اسے سلام کیا جائے تو اس پر جواب دینا واجب نہیں۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی حالت میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو مجھے اس حالت میں پائے تو مجھ پر سلام نہ کر اگر تو مجھ پر سلام کرے گا تو میں تجھے جواب نہیں دوں گا'' (4)۔ اور جو قرآن کی تلاوت کر رہا ہو اسے سلام نہ دیا جائے ورنہ وہ اس کی قرأت کو قطع کرے گا،

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 2، صفحہ 213 2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 54 4۔ سنن ابن ماجہ، باب الرجل یسلم وهو یبول، صفحہ 30

قرآن پڑھنے والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو جواب دے، چاہے تو جواب نہ دے حتیٰ کہ تلاوت سے فارغ ہو جائے تو جواب دے۔ اور جو حمام میں ہو اسے سلام نہ دیا جائے جب کہ وہ شرم گاہ کھولے ہوئے ہو یا ایسے عمل میں مشغول ہو جس کے لیے وہ حمام میں داخل ہوا۔ اس کے علاوہ پر سلام کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا اس کا معنی حفاظت کرنے والا ہے۔ بعض نے فرمایا: کفایت کرنے والا۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے احسبنی کذا۔ یعنی اس نے میری کفایت کی اور اس کی مثل حسبك الله ہے۔ قتادہ نے کہا: محاسبا، جیسے کہا جاتا ہے: اکیل بمعنی مواکل ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ حساب سے فعیل ہے یہاں یہ صفت اچھی ہے، کیونکہ آیت کا معنی انسان کی زیادتی یا کمی یا پوری مقدار کے بارے میں ہے۔ نسائی نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے ایک شخص آیا اس نے سلام کیا اس نے السلام علیکم کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا اور کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا اور فرمایا: ''بیس (نیکیاں حاصل کیں)'' پھر وہ بیٹھ گیا اور ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا اور فرمایا: تیس (نیکیاں حاصل کیں) (1) یہ خبر تفسیر کے ساتھ بھی آئی ہے وہ اس طرح کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی سے کہا: سلام علیکم تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اگر کہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اگر کہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تو اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اسی طرح جو جواب میں اس طرح کہے اس کے لیے اجر ہے۔ واللہ اعلم۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۠

''اللہ نہیں کوئی معبود بغیر اس کے وہ ضرور جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن ذرا شک نہیں اس (کے آنے) میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ مبتدا اور خبر ہے۔ اور لَیَجْمَعَنَّكُمْ میں لام قسم ہے یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے قیامت کے روز دوبارہ اٹھنے کے بارے میں شک کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم اٹھائی۔ ہر وہ لام جس کے بعد نون مشددہ ہو وہ لام قسم ہوتا ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ موت میں اور زمین کے نیچے تمہیں ضرور جمع کرے گا۔ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں الی صلہ ہے اس کا معنی ہے لیجمعنکم یوم القیمۃ۔ قیامت کو قیامت اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۙ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (مطففین)

بعض نے فرمایا: یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ لوگ اس کی طرف اپنی قبور سے کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 350، حدیث 4521، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے فرمایا: يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا (المعارج: 43) قیامۃ کی اصل واو سے ہے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ بیان کی بنا پر حَدِيْثًا کو نصب ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔ حمزہ اور کسائی نے ومن ازدق زا کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل صاد ہے لیکن مخرج کے قرب کی وجہ سے اس کی جگہ زا پڑھی گئی ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

''سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں بوجہ ان کرتوں کے جو انہوں نے کیے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہر گز نہ پائے گا تو اس کے لیے (ہدایت کا) راستہ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ یعنی تم دو مختلف گروہ کیوں بن گئے۔ مسلم نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف نکلے تو کچھ لوگ واپس آ گئے جو آپ کے ساتھ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کے معاملہ میں دو گروہوں میں بٹ گئے۔ بعض نے کہا: ہم انہیں قتل کریں گے۔ بعض نے کہا: نہیں۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ۔ (1) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ زائد فرمایا ہے کہ (مدینہ) طیبہ ہے اور فرمایا یہ خبیث کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کے خبث کو دور کرتی ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ امام بخاری نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں ''مدینہ طیبہ ہے یہ خبث کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح آگ چاندی کے کھوٹ کو دور کرتی ہے'' (3)۔ یہاں منافقین سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں جنہوں نے جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا اور جنگ کی طرف نکلنے کے بعد واپس آ گئے جس طرح کہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو مکہ میں ایمان لائے تھے اور ہجرت نہیں کی تھی (4)۔ ضحاک نے کہا: انہوں نے کہا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ جائیں گے تو ہم جان لیں گے اگر ہماری قوم غالب آ جائے گی تو وہ ہمیں زیادہ محبوب ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ بن گئے صحابہ ان سے دوستی رکھتے تھے اور کچھ ان سے برأت کا اظہار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک ایسی قوم کے متعلق نازل ہوئی جو مدینہ طیبہ میں آئے، اسلام کا اظہار کیا اور انہیں مدینہ طیبہ کی وبا اور بخار نے آلیا تو وہ واپس چلے گئے اور مدینہ سے نکل گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ انہیں راستہ میں ملے تو پوچھا: تم کیوں واپس آ گئے؟ وہ کہنے لگے: ہمیں

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامہم، جلد 2، صفحہ 369

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 127، حدیث نمبر 2954، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 660　　4۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 88

مدینہ کی وبا نے آلیا ہے اور ہمیں مدینہ کی ہوا راس نہ آئی۔ صحابہ کرام نے کہا: کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نمونہ نہیں؟ بعض صحابہ نے کہا: یہ منافق ہیں۔ بعض نے کہا: منافق نہیں، یہ مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ...... الایۃ۔ حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ آئے تھے تو وہ کہتے تھے کہ وہ ہجرت کرنے والے ہیں پھر وہ اس کے بعد مرتد ہو گئے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ کی طرف جانے کی اجازت طلب کی تا کہ وہ اپنے سامان کے پاس آئیں اور اس میں تجارت کریں۔ پس مومنوں نے اس کے بارے اختلاف کیا۔ بعض نے کہا: یہ منافق ہیں۔ بعض نے کہا: مومن ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو بیان فرما دیا یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں اقوال کی آیت کے آخر کا سیاق تائید کرتا ہے ارشاد ہے: حَتّٰى يُهَاجِرُوْا اور پہلا قول نقل کے اعتبار سے اصح ہے۔ وہ بخاری، مسلم اور ترمذی کا مختار ہے۔ فئتین کو حال کی بنا پر نصب دی گئی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: مالك قائما۔ اخفش سے یہ مروی ہے۔ اور کوفی علماء نے کہا: یہ مالکم کی خبر ہے جس طرح کان اور ظننت کی خبر ہوتی ہے انہوں نے الف، لام کا اس میں داخل کرنا جائز قرار دیا۔ فراء نے کہا: ارکسھم اور رکسھم دونوں کا معنی ہے کفر کی طرف انہیں لوٹا دیا اور انہیں اوندھا کر دیا۔ یہ نضر بن شمیل اور کسائی کا قول ہے۔ الرکس اور النکس کا معنی ہے کسی کو سر کے بل اوندھا گرا دینا یا اول کو آخر پر لوٹا دینا۔ المرکوس کا معنی ہے المنکوس اوندھا گرایا گیا۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ابی رضی اللہ عنہما کی قرأت میں واللہ رکسھم تھا (1)۔ ابن رواحہ نے کہا:

أُرْكِسوا فی فِتْنَةٍ مُظْلِمَةٍ كَسَوَادِ اللیل یَتْلُوها فِتَنٌ

یعنی وہ تاریک فتنہ میں اوندھے کیے گئے۔ ارتکس فلان فی امر کان نجا منه۔ یعنی آدمی اس کام میں اوندھا ہو گیا جس سے پہلے نکل چکا تھا۔ الرکوسیۃ ایک قوم ہے جو نصاریٰ اور صابئین کے درمیان ہے۔ الراکس اس بیل کو کہتے ہیں جو کھلیان کے وسط میں ہوتا ہے اور دوسرے بیل گاہنے کے وقت اس کے ارد گرد ہوتے ہیں۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ یعنی تم اس کی ثواب کی طرف راہنمائی کرو گے کہ وہ ان کے لیے مومنین کا حکم لگائے۔

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۞ یعنی رشد و ہدایت اور حجت طلب کرنے کا راستہ۔ اس میں قدریہ کا رد ہے جو اپنی ہدایت کی تخلیق کے قائل ہیں یہ پہلے گزر چکا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ

1۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 227

شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۞

''وہ دوست رکھتے ہیں اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انہوں نے کفر کیا تاکہ تم سب یکساں ہو جاؤ پس نہ بناؤ تم ان سے اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں گے اللہ کی راہ میں پس اگر وہ (ہجرت سے) منہ موڑیں تو پکڑلو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور نہ مددگار۔ مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہے یا آگئے ہوں تمہارے پاس اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا انہیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے پھر اگر وہ کنارہ کر لیں تم سے اور نہ جنگ کریں تمہارے ساتھ اور بھیجیں تمہاری طرف صلح کا پیغام تو نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ یعنی وہ خواہش کرتے ہیں کہ تم ہو ان کی طرح کفر و نفاق میں۔ شرع برابر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے برأت کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا: فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (الانفال: 72) نہیں تمہارے لیے ان کی وراثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ ہجرت کی کئی قسمیں ہیں (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا اور یہ ابتدائے اسلام میں واجب تھی حتیٰ کہ فرمایا: لا هجرة بعد الفتح (1) (فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں) اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافقین کا غزوات میں ہجرت کرنا اور اس شخص کا ہجرت کرنا جو دار الحرب میں اسلام لایا۔ یہ ہجرت واجب ہے۔ مسلمان کا ان کاموں سے ہجرت کرنا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو چھوڑ دے'' (2)۔ یہ دونوں ہجرتیں اب بھی ثابت ہیں اور مجرموں کی تادیب کے لیے ان سے نہ کلام کرنا اور نہ مخاطب ہونا حتیٰ کہ وہ گناہوں سے توبہ کر لیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ یعنی اگر وہ توحید اور ہجرت سے اعراض کریں تو انہیں قیدی بنا لو اور انہیں قتل کرو۔ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یہ حکم عام ہے حل و حرم کی جگہوں میں۔ واللہ اعلم۔ پھر استثنا فرمائی۔

مسئلہ نمبر 2۔ فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ جو ان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے اندر داخل ہوئے جوار اور حلف کے اعتبار سے۔ معنی یہ ہے کہ تم اس قوم کو قتل نہ کرو جن کے ساتھ تمہارا عہد تھا وہ عہد پر ہیں پھر عہود منسوخ ہوئے تو یہ بھی منسوخ ہو گیا۔ یہ مجاہد اور ابن زید وغیرہم کا قول ہے۔ جو اس آیت کے متعلق کیا گیا ہے اس میں سے یہ اصح قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: يَصِلُوْنَ کا معنی ہے جو منسوب ہیں۔ اس سے اعشیٰ کا قول ہے:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 131

2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 6، مفہوم

إذا اتَّصَلَتْ قالت لبكرِ بن وائلٍ وَبَكْرٌ سَبَتْهَا والأنوفُ رواغِمُ (1)

یہاں اتصلت بمعنی انتسبت ہے۔

مہدوی نے کہا: علماء نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ نسبت اور تعلق کفار کے قتال اور ان کے قتل سے مانع نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عظیم غلطی ہے، کیونکہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ پر جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کوئی شخص اسے قتل کرے مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ اس کا نسب ہے۔ مشرکین اور سابقین اولین کے درمیان انساب تھے۔ اور اس سے بھی سخت یہ جہالت ہے کہ یہ پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا، کیونکہ علماء تفسیر کا اجماع ہے کہ اس کا ناسخ (برأت) ہے، برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور جنگوں کے ختم ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ یہ معنی طبری نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں بعض علماء نے ینتسبون کا معنی الامان پر محمول کیا ہے یعنی اہل امان کی طرف جو منسوب ہے وہ امن والا ہے جب تمام لوگوں نے امان دی ہو یہ نسب بمعنی قرابت کے مفہوم پر محمول نہیں۔ علماء کا اختلاف ہے کہ جن لوگوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد تھا وہ کون تھے؟ بعض نے فرمایا: وہ بنو مدلج تھے۔ حسن سے مروی ہے کہ بنو مدلج کا اور قریش کا عہد تھا اور قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تھا۔

عکرمہ نے کہا: یہ ہلال بن عویمر، سراقۃ بن جعشم اور خزیمۃ بن عامر بن عبد مناف کے حق میں نازل ہوئی، ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد تھا، اور بعض علماء نے فرمایا: وہ خزاعۃ قبیلہ تھا۔ ضحاک نے کہا: حضرت ابن عباس سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: اس سے مراد وہ قوم ہے جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ تھا یعنی بنی بکر بن زید بن مناۃ یہ صلح اور امن کا معاہدہ کیے ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان صلح کے اثبات کی دلیل ہے جب کہ صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔ جیسا کہ سورۂ انفال اور براءۃ میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ یعنی تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے۔ لبید نے کہا:

أسهلْت وانتصَبتْ كجِذْعِ مُنِيفةٍ جَرداءَ يَحْصُرُ دونها جُرّامُها

یعنی اس نخلہ کے طول سے ان کے سینے تنگ ہوئے۔ اسی سے الحصر فی القول ہے۔ متکلم پر کلام کا تنگ ہونا۔ الحصر کا معنی ہے راز کو چھپانا۔ جریر نے کہا:

ولقد تَسَقَّطنِي الوُشاة فصادفوا حَصِراً بِسِرِّكِ يا أُمَيمُ ضَنِينا

حصرت کا معنی قد حصرت فاضمرت ہے۔ فراء نے کہا: یہ جاء وکم میں ضمیر مرفوع سے حال ہے جیسے تو کہتا ہے: جاء فلان ذهب عقله یعنی قد ذهب عقله۔ بعض نے فرمایا: یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے، یعنی جَآءُوْكُمْ وہ تمہارے پاس آئے (2) پھر خبر دی اور کہا: حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ۔ اس صورت میں حصرت، جاء وکم سے بدل ہے۔ بعض نے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 90
2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 233

فرمایا: حصرت قوم کی صفت کی بنا پر محل جر میں ہے اور حضرت ابی کی قرأت میں الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینھم میثاق حصرت صدو رھم۔ اس میں اَوْ جَآءُوْکُمْ نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کی تقدیر اس طرح ہے: او جاء و کم رجالاً او قوماً حصرت صدو رھم۔ یہ موصوف کی صفت ہے حال کی بنا پر منصوب ہے۔ حسن نے اس طرح پڑھا ہے: او جاء و کم حصرۃ صدو رھم۔ حال کی بنا پر نصب دی گئی ہے۔ اور اس کو مبتدا اور خبر کے اعتبار سے رفع جائز ہے اور جاء و کم حصرات صدو رھم حکایت کیا گیا ہے اور رفع جائز ہے۔ محمد بن یزید نے فرمایا: حصرت صدو رھم یہ ان کے خلاف دعا ہے جیسے تم کہتے ہو: لعن اللہ الکافر۔ یہ مبرد کا قول ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو کمزور قرار دیا ہے۔ فرمایا: یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی قوم سے قتال نہ کریں۔ یہ فاسد ہے، کیونکہ وہ کفار ہیں اور ان کی قوم کفار ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ معنی صحیح ہے مسلمانوں کے حق میں قتال نہ ہونا ان کو عاجز کرنے کے لیے ہے اور ان کی قوم کے حق میں ان کی تحقیر کے لیے ہے بعض نے فرمایا: او بمعنی واؤ ہے گویا فرمایا: الی قوم بینکم و بینھم میثاق وجاء و کم ضیقۃ صدو رھم عن قتالکم والقتال معکم فکرھوا قتال الفریقین یعنی جس قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے وہ تمہارے پاس آئے اس حال میں کہ ان کے دل تنگ تھے تم سے لڑنے سے اور تمہارے ساتھ مل کر لڑنے سے پس انہوں نے دونوں فریقوں سے لڑنے کو ناپسند کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس پر ان سے معاہدہ کیا گیا ہو یہ عہد کی ایک قسم ہے یا فرمایا: ہم اسلام لاتے ہیں اور جہاد نہیں کرتے۔ یہ احتمال ہے کہ ابتدائے اسلام میں ان سے یہ بات قبول کی گئی ہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل تقویٰ کے لیے کھول دیئے اور اسلام کے لیے منشرح کر دیئے۔ پہلا قول اظہر ہے۔ واللہ اعلم۔

اَوْ یُقَاتِلُوْا۔ یہ محل نصب میں ہے یعنی عن ان یقاتلو کم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو مومنین پر مسلط فرما دے گا وہ مشرکوں کو ان پر قادر کر دے گا اور انہیں تقویت دے گا۔ یہ یا تو بطور سزا ہوگا یا برائی اور معاصی کے ظہور کے وقت بطور انتقام ہوگا یا یہ بطور ابتلا و اختیار ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۞ (محمد) اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم جان لیں جہاد کرنے والوں کو تم میں سے اور صبر کرنے والوں کو اور ہم آزمالیں تمہاری خبریں۔ یا یہ گناہوں کو مٹانے کے لیے ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (آل عمران: 141) اور اللہ کی شان کے لائق ہے جو چاہے کرے اور جس کو جس پر چاہے مسلط کر دے اور جب چاہے مسلط کر دے۔ ماقبل کلام سے اس کا تعلق یہ ہے کہ منافقین سے قتال کرو جن کے بارے میں تمہارا اختلاف ہوا مگر یہ کہ وہ ہجرت کریں مگر یہ کہ جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو پس وہ داخل ہوں گے اس میں جس میں داخل ہوئے تھے، ان کے لیے ان کا حکم ہوگا مگر جو لوگ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے سینے تنگ ہوں اس سے کہ وہ تم سے لڑیں یا وہ اپنی قوم سے لڑیں، پس وہ تم میں داخل ہوئے پس تم ان سے قتال نہ کرو۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ

اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَـكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۹۱﴾

''تم پاؤ گے چند اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور امن میں رہیں اپنی قوم سے (لیکن) جب کبھی پھیرے جاتے ہیں فتنہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں سو اگر نہ کنارہ کریں تم سے یا نہ بھیجیں تمہاری طرف صلح کا پیغام اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ تو پکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں تم پاؤ انہیں اور یہی لوگ ہیں کر دیا ہے ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ۔ اس کا معنی پہلی آیت کے معنی کی طرح ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ تہامہ سے ایک قوم کے بارے نازل ہوئی تھی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امان طلب کی تھی تا کہ وہ آپ کے پاس اور اپنی قوم کے پاس امن پائیں۔ مجاہد نے کہا: یہ اہل مکہ سے ایک قوم تھی۔ سدی نے کہا: یہ نعیم بن مسعود کے بارے نازل ہوئی وہ مسلمانوں اور مشرکوں کو امن دیتا تھا۔ حسن نے کہا: یہ منافقین کی ایک قوم تھی۔ بعض نے فرمایا: یہ اسد اور غطفان کے بارے میں نازل ہوئی جو مدینہ طیبہ میں آئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا پھر اپنے گھروں کو لوٹ کر گئے اور کفر کا اظہار کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا۔ یحییٰ بن وثاب اور اعمش نے ردوا کو را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی اصل رددوا ہے ادغام کیا گیا اور را پر کسرہ کو لوٹایا گیا۔ اِلَى الۡفِتۡنَةِ سے مراد الی الکفر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسے لوگ پاؤ گے جو تمہارے لیے صلح ظاہر کریں گے تا کہ وہ تمہیں امن دیں۔ جب ان کے لیے کوئی فتنہ ظاہر ہوتا ہے اس فتنہ کا اثر ان کے ساتھ ساتھ تم پر بھی ہوتا ہے۔ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا۔ یعنی اس عہد سے پھر جاتے ہیں جو انہوں نے کیا ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یعنی جب انہیں شرک کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ يَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـًٔـا ۚ وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔـا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا ؕ فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّـكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۹۲﴾

''اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام اور خون بہا ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ خود

ہی (خون بہا) معاف کر دیں پھر اگر ہو (مقتول) اس قوم سے جو دشمن ہے تمہاری لیکن وہ (مقتول) خود مومن ہو تو (قاتل) آزاد کرے ایک مسلمان غلام اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خون بہا دے دے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کر دے ایک مسلمان غلام تو جو شخص غلام نہ پا سکے تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار (اس گناہ کی) توبہ اللہ کی طرف سے (یہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا''۔

اس آیت میں بیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا۔ یہ اہم احکامات کے متعلق ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مومن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطا سے۔ وَمَا كَانَ یہ نفی کے معنی پر نہیں بلکہ یہ تحریم اور نہی کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ (الاحزاب: 53) اگر یہ نفی کی بنا پر ہوتا تو کبھی کوئی مومن نہ پایا جاتا جو کسی مومن کو قتل کرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کی نفی کر دے اس کا وجود جائز نہیں ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل: 60) بندے کبھی بھی درخت کے اگانے پر قادر نہیں ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے عہد میں اس کے لیے یہ نہیں تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: گزشتہ زمانہ میں اس کے لیے یہ جائز نہیں تھا جس طرح اب کسی وجہ سے جائز نہیں پھر استثنیٰ منقطع فرمائی یہ پہلے میں سے نہیں ہے یہاں الا بمعنی لکن ہے تقدیر یوں ہوگی کبھی بھی اس کے لیے مومن کو قتل کرنا جائز نہیں مگر اسے خطاً قتل کر دے تو اس پر یہ یہ ہوگا۔ یہ سیبویہ اور زجاج کا قول ہے۔ اور استثنا منقطع میں سے یہ ہے مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں مگر گمان کی پیروی۔

نابغہ نے کہا:

وَقَفْتُ فِيهَا أُصَيْلَانًا أُسَائِلُهَا　　عَيَّتْ جوابا وما بالرَّبْعِ من أَحَد

إِلَّا الْأَوَارِيَّ لَأْيًا ما أُبَيِّنُهَا　　والنُّؤْيُ كالحوضِ بالمظلومةِ الجَلَدِ

جب الاواری حقیقۃً احد کی جنس سے تھیں تو اس کے لفظ میں داخل نہیں۔ اسی طرح ایک اور شاعر نے کہا:

أمسى سُقَامٌ خَلَاءً لا أنيس به　　إلا السباعَ و مر الريح بالغُرَفِ (1)

ایک اور شاعر نے کہا:

وبلدةٍ ليس بها انيس　　إلا اليعافيرُ وإلا العيس

ایک اور شاعر نے کہا:

وبعضُ الرجال نخلةٌ لا جَنَى لها　　ولا ظِلَّ إلا ان تُعَدّ من النخل

سیبویہ نے یہ شعر اسی مثال کے لیے دیا ہے کہ مستثنیٰ منقطع بھی ہوتا ہے جو مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا۔ اس کی بہت سی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 92، دار الکتب العلمیہ بیروت

مثالیں ہیں۔ جریر کا قول کتنا انوکھا ہے:

مِن البیضِ لم تَظْعن بعیداً ولم تطأ علی الأرض إلّا ذَیْلَ مِرْطٍ مُرَحَّلِ(1)

گویا یوں کہا: لم تطأ علی الأرض الا ان تطأ ذیل البُرْد۔ یہ آیات کریمہ عیاش بن ابی ربیعہ کے حارث بن یزید کو قتل کرنے کے سبب نازل ہوئیں ان دونوں کے درمیان کینہ اور بغض تھا جب حضرت حارث نے مسلمان ہو کر ہجرت کی تو حضرت عیاش اسے ملا اور اس نے اسے قتل کر دیا اسے حضرت حارث کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ حضرت حارث تو مسلمان تھا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میرا اور حارث کا یہ معاملہ ہوا مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا مجھے اس کے اسلام کا علم نہ ہوا حتیٰ کہ میں نے اسے قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ استثنا متصل ہے یعنی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے اور نہ اس سے قصاص لیا جائے گا مگر وہ قتل خطاءً ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن ایسی ایسی صورت میں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں کان بمعنی استقر اور وجد مقرر کیا جائے۔ گویا فرمایا: مومن کا مومن کو قتل کرنا جائز نہیں مگر جو خطاءً ہو، کیونکہ کبھی وہ اس میں مغلوب ہوتا ہے۔ ان دونوں تاویلوں پر استثنا غیر منقطع ہوگا۔ یہ آیت اپنے ضمن میں قتل عمد کی بڑائی اور اس کی برائی کو لیے ہوئے ہے جیسے تو کہتا ہے: اے فلاں تجھے یہ کلام کرنی جائز نہیں مگر یہ کہ بھول کر۔

یعنی عمداً تو ایسی کلام بہت بڑا گناہ ہے اور یقینی طور پر ایسی کلام کرنا ممنوع ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ولا خطاءً یعنی خطاءً بھی یہ جائز نہیں۔ نحاس نے کہا: الا بمعنی واؤ ہونا جائز نہیں۔ یہ کلام عرب میں معروف نہیں اور معنی میں یہ صحیح نہیں کیونکہ خطا ممنوع نہیں۔ دلیل خطاب سے کافر کے مسلمان کو قتل کرنے کا جواز نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ مسلمان کا خون محترم ہے مومن کا ذکر خاص طور پر تاکیداً کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے محبت، بھائی چارہ، شفقت اور عقیدت ہوتی ہے۔ اعمش نے خطاء کو تینوں جگہ ممدود پڑھا ہے۔ خطاء کی بہت سی صورتیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا سب میں قدر مشترک قصد کا نہ ہونا ہے مثلاً کسی نے مشرکین کی صفوں پر تیر پھینکا تو کسی مسلمان کو جا لگا اسی طرح جو کسی زانی یا محارب یا مرتد کو قتل کرنے کی سعی کر رہا تھا اسے طلب کیا تا کہ اسے قتل کرے کوئی دوسرا اسے ملا اس نے اسے وہی سمجھا اور اسے قتل کیا تو یہ بھی خطا ہے، اسی طرح کسی نے کسی شکار پر نشانہ لگایا وہ کسی انسان یا کسی اور چیز کو لگ گیا تو یہ بھی خطا ہے۔ ان تمام صورتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ الخطأ، اخطأ، خطأ و اخطأ سے اسم ہے جب کہ جان بوجھ کر ایسا نہ کیا ہو۔ الخطأ، اخطأ کے قائم مقام ہے۔ اخطأ اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے کہ جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ دوسرا کام کر بیٹھے۔ اور جو غیر درست کام کرے اس کے لیے اخطأ بولا جاتا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ۔ جو خطاءً کسی کو قتل کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق دیت کا حکم دیا ہے۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنت ثابت ہے، اہل علم کا اس قول پر اجماع ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 92، دار الکتب العلمیہ بیروت

مسئلہ نمبر 2۔ داؤد کا نظریہ ہے کہ نفس کے ضیاع میں آزاد اور غلام کے درمیان قصاص ہوگا اور ہر اس عضو میں قصاص ہوگا جس کا قصاص لیا جا سکتا ہے اور انہوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے: **وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ** (المائدہ: 45) اور نبی کریم ﷺ سے حجت پکڑی ہے المسلمون تتکافأ دماء ھم (1)۔ مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔ آپ ﷺ نے آزاد اور غلام میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ یہ ابن ابی لیلی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: آزاد اور غلام کے درمیان قصاص نہیں مگر نفس کے ضیاع میں، پس آزاد کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا جس طرح آزاد کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے گا۔ اور زخموں اور اعضاء میں سے کسی چیز میں ان کے درمیان قصاص نہ ہوگا۔ علماء کا اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا** کے متعلق اجماع ہے کہ اس میں غلام داخل نہیں اس سے آزاد مراد ہیں غلام مراد نہیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ارشاد المسلمون تتکافأ دماءھم (2) سے مراد بھی آزاد ہیں۔ جمہور علماء کا یہی نظریہ ہے جب غلاموں اور آزاد لوگوں کے درمیان نفس سے کم میں قصاص نہیں تو نفس اس کا زیادہ حق دار ہے۔ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** یعنی اس پر غلام کا آزاد کرنا ہے۔ یہ وہ کفارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفارہ قتل اور کفارہ ظہار میں واجب فرمایا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ کون سا غلام کافی ہے۔ حضرت ابن عباس، حسن، شعبی، نخعی اور قتادہ وغیرہ نے کہا: وہ رقبہ (غلام) مومنہ ہے، یہ وہ ہے جس نے نماز پڑھی ہو اور ایمان کو سمجھا ہو۔ اس میں چھوٹا غلام کافی نہیں اس باب میں یہی صحیح ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والا چھوٹا بچہ بھی کافی ہے (3)۔ ایک جماعت نے کہا: ان میں سے امام مالک اور امام شافعی بھی ہیں، ہر وہ غلام جائز ہے جس کی نماز جنازہ پڑھنے اور اسے دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جس نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا وہ میرے نزدیک محبوب ہے (4)۔ اور تمام علماء کے نزدیک اندھا، اپاہج جس کے ہاتھ یا پاؤں کٹے ہوئے ہوں یا جس کے ہاتھ، پاؤں شل ہوں ایسا غلام جائز نہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک لنگڑا اور کانا جائز ہے مالک نے کہا: مگر بہت زیادہ لنگڑا ہو جائز نہیں۔ اور امام مالک، امام شافعی اور اکثر علماء کے نزدیک جس کا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا ہوا ہو جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور اکثر علماء کے نزدیک دائمی مجنون جائز نہیں۔ امام مالک کے نزدیک وہ غلام جائز نہیں جس کو جنون لاحق ہوتا ہے اور پھر ٹھیک ہو جاتا ہو۔ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک ایسا غلام جائز نہیں جو دو سال تک آزاد کیا جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے مدبر غلام امام مالک، اوزاعی اور اصحاب الرائے کے نزدیک جائز نہیں۔ امام شافعی اور ابوثور کے قول میں جائز ہے۔ ابن المنذر نے اس کو پسند کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: وہ صحیح نہیں جس کا بعض آزاد ہو چکا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ** اور جس کا بعض آزاد ہو چکا ہو اس کے آزاد کرنے والے کو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الدیات، صفحہ 197
2۔ ایضاً، حدیث نمبر 2674، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 93
4۔ ایضاً

رقبہ (غلام) آزاد کیا بلکہ کہا جاتا ہے: غلام کا بعض آزاد کیا۔ اس کے معنی میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: گناہ سے پاک کرنے اور قاتل کے گناہ کی طہارت کے لیے یہ کفارہ واجب کیا گیا ہے اور اس کا گناہ احتیاط کا ترک اور تحفظ کا ترک ہے حتیٰ کہ اس کے ہاتھوں ایک ایسا شخص ہلاک ہوا جس کا خون محفوظ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: مقتول میں جو اللہ تعالیٰ کا حق تھا اس کو معطل کرنے کی وجہ سے بطور بدل یہ کفارہ واجب کیا ہے اس کے لیے اس کے حق میں ایک حق تھا اور وہ زندگی سے لطف اندوز ہونا تھا اور حلال کرنا چیزوں میں تصرف ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں حق تھا وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا اس کے لیے عبودیت کا اسم ثابت تھا، خواہ وہ بڑا تھا یا چھوٹا تھا، آزاد تھا یا غلام تھا، مسلمان تھا یا ذمی تھا، جس کے ذریعے وہ جانوروں اور بہائم سے ممتاز ہوتا تھا اور اس کے ساتھ اس سے امید تھی کہ اس کی نسل سے کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور اطاعت کرے گا۔ اور قاتل اس سے خالی نہ ہوگا کہ اس نے اس سے وہ اسم (نام) فوت کیا جس کا ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے۔ اور وہ معنی جس کو ہم نے بیان کیا ہے اسی وجہ سے کفارہ کا وہ ضامن ہے یعنی ان دونوں معانی میں سے ایک معنی ہو۔ پس اس میں بیان ہے کہ نص اگرچہ خطاءً قاتل پر واقع ہے اور عمداً قتل کرنے والا بھی اس کی مثل ہے بلکہ اس نفس کے قتل کی وجہ سے اس پر کفارہ کا وجوب اولیٰ ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ دیت اس مال کو کہا جاتا ہے جو مقتول کے ولی کو مقتول کے خون کے عوض دیا جاتا ہے۔ مُّسَلَّمَةٌ جو دیا گیا ہو، ادا کیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دیت کے طور پر جو مال دیا جائے گا اس کی تعیین نہیں فرمائی آیت میں مطلقاً دیت کے وجوب کا ذکر ہے، اس میں دیت کے عاقلہ پر ہونے یا قاتل پر ہونے کا ذکر نہیں فرمایا یہ حدیث پاک سے لیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مواسات کا ایجاب عاقلہ، غرامات (جرمانہ) اور تلف شدہ چیزوں کے اصول کے خلاف ہے اور جو عاقلہ پر واجب ہے وہ تغلیظاً واجب نہیں اور نہ قاتل کا بوجھ ان پر ڈالا گیا ہے بلکہ یہ محض ہمدردی اور مواسات ہے۔ امام ابوحنیفہ کا نظریہ ہے کہ یہ نصرت کے اعتبار سے ہے، پس انہوں نے اہل دیوان (وہ محکمہ والے جس میں وہ کام کرتا ہے) پر اس کو واجب کیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے کہ دیت سو اونٹ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سہل کی دیت، جو خیبر میں قتل کیے گئے تھے حویصہ، محیصہ اور عبدالرحمٰن کو، سو اونٹ عطا فرمائی۔ یہ کتاب کے مجمل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر بیان ہے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ اونٹوں والوں پر سو اونٹ ہیں اور جو اونٹوں والے نہیں ہیں ان کی دیت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: سونے والوں پر ہزار دینار ہیں اور وہ اہل شام اور اہل مصر اور اہل مغرب ہیں۔ یہی قول امام مالک، امام احمد، اسحاق، اصحاب الرائے کا ہے اور یہی امام شافعی کا پہلا قول ہے اور یہ حضرت عمر، حضرت عروہ بن زبیر اور قتادہ سے مروی ہے اور چاندی والوں پر بارہ ہزار دراہم ہیں۔ یہ اہل عراق، فارس اور خراسان کا قول ہے یہی امام مالک کا مذہب ہے اس بنا پر کہ حضرت عمر سے انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے اہل القریٰ (شہریوں) پر دیت کی قیمت لگائی جو سونے والوں پر ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری نے کہا: چاندی کی دیت دس ہزار دراہم ہے۔ اور شعبی نے عبیدہ سے اور انہوں نے

حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سونے والوں پر ہزار دینار دیت مقرر فرمائی اور چاندی والوں پر دس ہزار دراہم مقرر فرمائے اور گائیوں والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر ہزار بکریاں اور اونٹوں والوں پر سو اونٹ مقرر فرمائے اور کپڑوں والوں پر دو سو جوڑے مقرر فرمائے۔ ابو عمر نے کہا: اس حدیث میں دلیل ہے کہ دنانیر اور دراہم، دیت کی اصناف میں ایک صنف ہے، بطور بدل اور قیمت نہیں ہیں یہی حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن عباس کی حدیث سے ظاہر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے حضرت عمر سے مروی گائیوں اور بکریوں اور کپڑوں کے جوڑوں میں اختلاف کیا ہے اور یہی قول عطا، طاؤس اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے اور یہی قول مدینہ طیبہ کے ساتوں فقہاء کا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ایک طائفہ نے کہا: آزاد مسلمان کی دیت سو اونٹ ہے اس کے علاوہ کوئی دیت نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائی ہے۔ یہی قول امام شافعی کا ہے اور یہی قول طاؤس کا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: آزاد مسلمان کی دیت ہر زمانہ میں سو اونٹ ہوگی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائی اور حضرت عمر سے دراہم کی تعداد کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور ان روایات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ تمام مراسیل ہیں۔ میں نے تجھے امام شافعی کا مذہب بتایا اور ہم اس کے مطابق کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ فقہاء کا دیت کے اونٹوں کی عمروں میں اختلاف ہے۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی دیت کا فیصلہ سو اونٹ فرمایا جو خطاءً قتل کیا گیا ہو۔ تیس بنت مخاض، تیس بنت لبون، تیس حقے اور دس ابن لبون۔ خطابی نے کہا: میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جس نے اس حدیث کے مطابق قول کیا ہو۔ اکثر علماء نے فرمایا: قتل خطا کی دیت کے پانچ حصے ہیں۔ اسی طرح اصحاب الرائے اور ثوری نے کہا ہے۔ اسی طرح امام مالک، ابن سیرین اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے، مگر انہوں نے اصناف میں اختلاف کیا ہے۔ اصحاب الرائے اور امام احمد نے کہا: پانچواں حصہ ابن مخاض، پانچواں حصہ بنت مخاض۔ پانچواں حصہ بنت لبون، پانچواں حصہ حقے، پانچواں حصہ جذعے، پانچواں حصہ بنت لبون، پانچواں حصہ بنت مخاض۔ پانچواں حصہ ابن لبون۔ یہ قول حضرت ابن مسعود سے مروی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: پانچواں حصہ حقاق، پانچواں حصہ جذاع، پانچواں حصہ بنت لبون، پانچواں حصہ بنات مخاض اور پانچواں حصہ بنو لبون۔ یہ قول عمر بن عبد العزیز، سلیمان بن یسار، زہری، ربیعہ اور لیث بن سعد کا ہے۔ خطابی نے کہا: اصحاب الرائے کے لیے اثر ہے مگر اس کا راوی عبد اللہ بن خشف بن مالک ہے جو مجہول ہے اس حدیث کے علاوہ وہ معروف نہیں ہیں۔ امام شافعی نے اپنے قول سے عدول کیا اس کی وجہ راوی کی علت ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، کیونکہ اس میں بنی مخاض کا ذکر ہے اور صدقات کے اونٹوں کی عمروں میں بنی مخاض کا کوئی دخل نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قسامت کے واقعہ میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے قتیل کی دیت صدقہ کے اونٹوں میں سے اونٹ دیئے اور صدقہ کے اونٹوں میں ابن مخاض نہیں ہوتا۔ ابو عمر نے کہا: زید بن جبیر نے خشف بن مالک عن عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا میں دیت پانچ قسم کی بیان فرمائی۔ مگر اس حدیث کو مرفوع کسی نے روایت نہیں کیا سوائے خشف بن مالک کوفی طائی کے یہ مجہول ہے، کیونکہ ان سے روایت نہیں کیا مگر زید بن جبیر بن حرمل طائی جشمی جو بنی جشم بن معاویہ، کوفی

ثقات میں سے ایک تھا۔

میں کہتا ہوں: دار قطنی نے اپنی سنن میں خشف بن مالک کی حدیث کو ذکر کیا ہے حجاج بن ارطاۃ عن زید بن جبیر عن خشف بن مالک عن عبداللہ بن مسعود کی روایت سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل خطا کی دیت میں سو اونٹ کا فیصلہ فرمایا، ان میں سے بیس حقے تھے، بیس جذعے تھے، بیس بنت لبون تھے، بیس بنت مخاض تھے، بیس بنو مخاض تھے۔ دار قطنی نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے اور علماء فن حدیث کے نزدیک کئی وجوہ سے ثابت نہیں ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ روایت اس روایت کے مخالف ہے، جو ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود نے اپنے باپ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے، جس میں کوئی طعن نہیں ہے، نہ اس کی کوئی تاویل ہے۔ ابو عبیدہ اپنے باپ کی حدیث، ان کے مذہب اور فتویٰ کو خشف بن مالک اور ان جیسے دوسرے لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والے تھے اور اپنے دین پر زیادہ حریص تھے، یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کریں کہ آپ نے ایسا فیصلہ فرمایا اور پھر وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں یہ حضرت عبداللہ بن مسعود پر تصور نہیں کیا جاسکتا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس کے متعلق انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بات نہ سنی ہوتی تھی اور نہ انہیں اس کے متعلق کوئی قول پہنچا ہوتا تو وہ کہتے: میں اس کے متعلق اپنی رائے دیتا ہوں اگر تو وہ درست ہے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے، پھر اس کے بعد انہیں یہ بات پہنچتی کہ ان کا فتویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے موافق ہے تو آپ کے ساتھی آپ کو بہت خوش دیکھتے تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ان کا فتویٰ نکلا ہے۔ جس شخص کی یہ صفت ہو اور یہ حالت ہو اس سے کیسے یہ صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز روایت کریں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ خبر مرفوع جس میں بنی مخاض کا ذکر ہے وہ ہم خشف بن مالک عن ابن مسعود کے سلسلہ سے جانتے ہیں اور خشف مجہول شخص ہے ان سے صرف زید بن جبیر بن حرمل الجشمی نے روایت کیا ہے۔ اور علماء حدیث ایک غیر معروف شخص کی منفرد روایت سے حجت نہیں پکڑتے۔ ان کے نزدیک اس خبر سے ثابت ہوتا ہے جب اس کا راوی عادل مشہور ہو یا ایسا شخص ہو جس سے جہالت کا اسم زائل ہو اور اسم جہالت کا زائل ہونا اس طرح ہے کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ آدمی روایت کریں، جب یہ صفت ہو تو اس سے جہالت کا اسم زائل ہو جائے گا اور اس وقت وہ معروف ہو جائے گا اور جس سے صرف ایک شخص روایت کرے اور خبر کے ساتھ منفرد ہو تو اس کی خبر پر توقف واجب ہے حتیٰ کہ کوئی اور اس کی موافقت کرے۔ واللہ اعلم۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ خشف بن مالک کی حدیث کو زید بن جبیر سے حجاج بن ارطاۃ نے روایت کیا ہے اور وہ تدلیس کے ساتھ مشہور ہے یعنی وہ اس سے حدیث بیان کرتا ہے جس سے اس کی ملاقات نہیں ہوتی اور جس سے سنا نہیں ہوتا، اس سے سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان اور عیسیٰ بن یونس نے روایت کو ترک کیا، حالانکہ وہ اس کے پاس بیٹھتے تھے اور اسے جانتے تھے۔ پس کسی شخص کے متعلق ان کا علم تمہارے لیے کافی ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا: حجاج بن ارطاۃ کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ عبداللہ بن ادریس نے کہا: میں نے حجاج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آدمی فضیلت حاصل نہیں کرتا حتیٰ

کہ جماعت سے نماز چھوڑ دے۔ عیسیٰ بن یونس نے کہا: میں نے حجاج کو یہ کہتے سنا کہ میں نماز کی طرف نکلتا ہوں، مجھے بوجھ اٹھانے والے، سبزیاں بیچنے والے روک لیتے ہیں، جریر نے کہا: میں نے حجاج کو یہ کہتے سنا ہے کہ مجھے مال اور شرف کی محبت نے ہلاک کر دیا۔

اس کے مخالف بھی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ثقات کی ایک جماعت نے یہ حدیث حجاج بن ارطاۃ سے روایت کی ہے، پس اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کے علاوہ بھی وجوہ ہیں جن کا ذکر بہت طویل ہو جائے گا جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ دیت کے بارے میں کوفیوں کے مذہب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے اگرچہ ابن المنذر نے اپنی جلالت کے ساتھ اس کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ حماد بن سلمہ نے روایت کیا ہے، ہمیں سلیمان تیمی نے بیان کیا انہوں نے ابومجلز سے روایت کیا، انہوں نے ابوعبیدہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: خطا کی دیت میں پانچ قسم کے اونٹ ہیں، بیس حقے، بیس جذعے، بیس بنات مخاض، بیس بنات لبون اور بیس بنی لبون۔ دارقطنی نے کہا: یہ سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں علقمہ عن عبداللہ سے اسی طرح مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ دیت میں پانچ قسم کے اونٹ ہوں گے۔ خطابی نے کہا: بہت سے علماء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: خطا کی دیت میں چار قسم کے اونٹ ہیں۔ یہ امام شعبی، نخعی اور حسن بصری ہیں اور اسی کی طرف اسحاق بن راہویہ کا خیال گیا ہے مگر یہ کہتے ہیں پچیس جذعے، پچیس حقے، پچیس بنات لبون اور پچیس بنات مخاض۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے(1)۔ ابوعمر نے کہا: امام مالک اور امام شافعی کا قول سلیمان بن یسار سے مروی ہے اس کے متعلق کسی صحابی سے کچھ مروی نہیں ہے لیکن اس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔ اسی طرح ابن جریج نے ابن شہاب سے حکایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے حضرت ابن مسعود سے ایسی بات روایت کی ہے جو امام مالک اور امام شافعی کے قول کے موافق ہے۔ ابوعمر نے کہا: دیات میں اونٹوں کی عمریں نہ قیاساً لی گئی ہیں نہ نظراً بلکہ یہ اتباعاً اور تسلیماً لی گئی ہیں اور یہ اثر کی جہت سے نہیں لی گئیں اور اس میں نظر کا کوئی دخل نہیں۔ پس ہر مجتہد نے یہی کہا جو اس کے نزدیک سلف صالحین سے صحیح مروی تھا۔

میں کہتا ہوں: خطابی نے جو کہا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کسی نے عمرو بن شعیب کی حدیث کے مطابق قول کیا ہو۔ ابن المنذر نے طاؤس اور مجاہد سے یہ قول حکایت کیا ہے مگر مجاہد نے بنت مخاض کی جگہ تیس جذعوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: میں پہلے قول کے مطابق کہتا ہوں ان کی مراد حضرت عبداللہ اور اصحاب الرائے کا قول ہے جس کو دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا: کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی مرفوع حدیث اس قول کے موافق ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن المنذر کے لیے تعجب ہے، حالانکہ بڑا مجتہد اور نقاد ہے اس نے ایسی حدیث کے ساتھ قول کیسے لیا اہل نقد جس کی صحت پر اس کی موافقت ہی نہیں کرتے؟ لیکن ذہول اور نسیان، انسان کو لاحق ہوتا ہے کمال تو فقط اللہ تعالیٰ کی ذات

1۔ ابوداؤد، کتاب الدیات، باب فی دیۃ الخطاء، حدیث نمبر 3944، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کو ہے جو عزت والا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ نبی مختار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی اخبار سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قتل خطا کی دیت کا فیصلہ عاقلہ پر فرمایا اور اہل علم کا اس قول پر اجماع ہے۔ عاقلہ کی دیت میں علماء کے اجماع میں دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابورمثہ سے جو کہا تھا، جب وہ اور اس کا بیٹا آئے تھے: ''نہ تجھ پر زیادتی کی جائے گی اور نہ اس پر زیادتی کی جائے گی(1)''۔ اس سے قتل عمد مراد ہے نہ کہ قتل خطا۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ جو دیت کے ثلث سے زائد ہوگا وہ عاقلہ پر ہوگا اور ثلث (1/3) میں اختلاف ہے اور جو علماء جمہور کا نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ عاقلہ پر نہ عمد کی صورت میں، نہ اعتراف کی صورت میں اور نہ صلح کی صورت میں دیت ہوگی اور خطا کی دیت بھی نہ ہوگی مگر جو ثلث (1/3) سے تجاوز کر جائے اور جو ثلث سے کم ہوگی وہ مجرم کے مال سے ہوگی۔ ایک طائفہ نے کہا: خطا کی دیت مجرم کی عاقلہ پر ہوگی خواہ جنایت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، کیونکہ زیادہ چٹی سے تھوڑی چٹی ہے جس طرح کہ قتل عمد کی دیت مجرم کے مال سے ہوتی ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ دیت کا حکم یہ ہے کہ یہ عاقلہ (خاندان) پر قسط وار ہوگی، عاقلہ سے مراد عصبی رشتہ دار ہیں۔ عورت کی اولاد اس میں شامل نہیں جب کہ وہ عاقلہ کے عصبہ سے نہ ہو اور ماں کی طرف سے بھائی بھی اس میں شامل نہیں کیوں کہ ماں اور باپ کی طرف سے بھائیوں کے وہ عصبہ نہیں ان سے دیت وصول نہیں کی جائے گی اس طرح اہل حجاز کے جمہور علماء کے قول میں دفتر والوں کو عاقلہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ کوفیوں نے کہا: اگر وہ کسی دفتر میں کام کرتا ہوگا تو وہ دفتر والے اس کے عاقلہ ہوں گے۔ دیت کو تین سالوں میں تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت علی نے فیصلہ فرمایا تھا، کیونکہ اونٹ کبھی حاملہ ہوتے ہیں پس وہ اسے نقصان دیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چند اغراض کے لیے ایک ہی مرتبہ دیت دی تھی۔ کبھی آپ بطور صلح اور تسدید دیتے تھے، کبھی تالیف قلب کے لیے جلدی عطا فرمادیتے تھے۔ جب اسلام کا علم بلند ہوگیا تو صحابہ کرام نے اس نظام پر اس کو مقدر کیا۔ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ ابو عمر نے کہا: علماء قدیم وجدید کا اجماع ہے کہ دیت عاقلہ پر ہوگی اور یہ تین سال میں ہوگی اس سے کم میں نہ ہوگی اور علماء کا اجماع ہے کہ یہ مردوں میں سے بالغوں پر ہوگی، سیرت نگاروں اور اہل علم کا اجماع ہے کہ دیت زمانہ جاہلیت میں بھی عاقلہ ادا کرتے تھے، اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو برقرار رکھا اور وہ مدد کے لیے دیتے تھے پھر اسلام آیا تو معاملہ اس پر جاری رہا حتیٰ کہ حضرت عمر نے دفتر والوں پر دیت کو مقرر کیا۔ فقہاء نے اس کی روایت پر اتفاق کیا اور اس قول پر اتفاق کیا۔ علماء کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دفتر (ملازم جن کے نام کا اندراج ہوتا) پر دیت نہ تھی، حضرت عمر نے دیوان (دفتر) کو متعین کیا اور لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ہر طرف والوں کو مددگار بنایا اور ان پر دشمنوں سے لڑنے کو متعین فرمایا۔

مسئلہ نمبر 8۔ میں کہتا ہوں: ان مسائل میں سے جو اس باب کی لڑی میں گر جاتا ہے اور جو اس نظام میں داخل ہوتا ہے وہ ماں کے بطن میں بچے کا قتل ہے۔ وہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ پر ضرب لگائی جائے پھر وہ زندہ بچہ گرا دے، پھر وہ بچہ مر

1۔ سنن نسائی، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 250۔ سنن ابی داؤد، باب فی الخضاب، حدیث نمبر 3675، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جائے۔ تمام علماء نے فرمایا: قتل خطا میں پوری دیت ہے اور قسامت کے بعد قتل عمد میں بھی پوری دیت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: بغیر قسامت کے ہے۔ اس میں اختلاف ہے جس سے زندگی جانی جائے گی، علماء کا اتفاق ہے کہ جو بچہ چیخا یا دودھ پیا یا آہستہ سے سانس لیا تو وہ زندہ ہے، اس میں پوری دیت ہے۔ اگر بچے نے حرکت کی تو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: حرکت اس کی زندگی پر دلالت کرتی ہے۔ امام مالک نے فرمایا: حرکت کرنا زندگی کی دلیل نہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ دیر رہے۔ تمام علماء کے نزدیک حکم میں مذکر اور مونث برابر ہیں۔ اگر عورت نے مردہ بچہ گرا دیا تو اس میں غرہ ہے یعنی غلام یا لونڈی ہے۔ اگر اس نے بچہ نہ گرایا اور مرگئی اور وہ بچہ اس کے پیٹ میں تھا اور نکلا نہیں تھا تو اس میں کچھ نہیں ہوگا اس پر اجماع ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیث بن سعد اور داؤد سے مروی ہے انہوں نے عورت کے بارے میں کہا: جب وہ پیٹ پر ضرب کی وجہ سے مرجائے پھر اس کے مرنے کے بعد مردہ بچہ نکلے تو اس میں غرہ ہے خواہ اس نے وہ مرنے سے پہلے یا مرنے کے بعد گرایا ہو، ضرب لگنے کے وقت ماں کی زندگی کا اعتبار ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تمام فقہاء نے کہا: اس میں کوئی چیز نہیں جب وہ ماں کے مرنے کے بعد زندہ نکلے۔ امام طحاوی نے فقہاء کی جماعت کے لیے حجت پیش کرتے ہوئے کہا: علماء کا اجماع ہے اور لیث بھی اس بات میں ان کے ساتھ ہے کہ اگر اس کے پیٹ پر مارا گیا جب کہ وہ زندہ تھی پھر وہ مرگئی جب کہ جنین (بچہ) اس کے پیٹ میں تھا اور وہ نہیں گرا تو اس میں کچھ نہیں اسی طرح جب ماں کے مرنے کے بعد گرے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اور غرہ سفید ہوگا، ابو عمرو بن علاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: فی الجنین غرة عبد او امةٌ (1) کے بارے میں کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرہ کا معنی مراد نہ لیا ہوتا تو آپ فرماتے: جنین میں غلام یا لونڈی ہے، لیکن آپ نے سفیدی کا ارادہ فرمایا۔ پس دیت میں سفید غلام یا سفید لونڈی قبول کی جائے گی، کالا غلام اور کالی لونڈی قبول نہیں کی جائے گی۔ علماء کا غرۃ کی قیمت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: اس کی قیمت پچاس دینار ہو یا چھ ہزار دراہم ہو آزاد مسلمان کی دیت کا بیسواں حصہ ہو اور اس کی آزاد ماں کی دیت کا دسواں حصہ ہو یہی قول ابن شہاب، ربیعہ اور تمام اہل مدینہ کا ہے۔ اصحاب الرائے نے کہا: اس کی قیمت پانچ سو دراہم ہو۔ امام شافعی نے کہا: غرۃ کی عمر سات سال یا آٹھ سال ہو اور اس پر واجب نہیں کہ وہ عیب دار غرہ قبول کرے۔ امام مالک کے مذہب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اسے اختیار ہے کہ وہ غرۃ دے یا ماں کی دیت کا دسواں حصہ دے سونے میں سے دس دینار اگر وہ سونے والے ہوں اور چاندی میں سے چھ سو دراہم اگر وہ چاندی والے ہوں یا پانچ اونٹ دے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا: یہ مجرم کے مال سے دیت ہوگی۔ یہی قول حسن بن حی کا ہے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان دونوں کے اصحاب نے کہا: یہ دیت عاقلہ پر ہوگی اور یہی اصح ہے، کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبة کی حدیث ہے کہ دو عورتیں تھیں جو دو انصاری مردوں کی بیویاں تھیں ایک روایت میں ہے ان دونوں عورتوں کا جھگڑا ہوا تو ایک عورت نے دوسری کو لوہے کے ڈنڈے کے ساتھ مارا اور اسے قتل کر دیا، ان کے خاوند یہ مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے گئے اور عرض کی: ہم اس کی دیت دیں جو نہ چیخا، نہ اس نے کھایا، نہ پیا، نہ آواز دی اس قسم کا شخص تو رائیگاں ہوتا

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 348

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بدوؤں کی سجع کی طرح سجع ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے بارے میں غرہ کا فیصلہ فرمایا اور مارنے والی عورت کے عاقلہ پر اسے مقرر فرمایا (1)۔ یہ حدیث صحیح ثابت ہے، اختلاف کی جگہ میں نص ہے، حکم کو ثابت کرتی ہے۔ جب اس عورت کی دیت جس کو ضرب لگائی ہے عاقلہ پر ہے تو گرنے والے بچے کی بھی قیاس ونظر میں دیت عاقلہ پر ہوگی۔ ہمارے علماء نے اس کے قول سے حجت پکڑی ہے جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا وہ معین ہے اور وہ مجرم ہے اگر گرنے والے کی دیت کا فیصلہ عاقلہ پر ہوتا ہے تو کلام اس طرح ہوتی کہ فقال الذی قضی علیھم اور قیاس اس بات کا تقاضا کرتا ہے ہر مجرم پر اس کی جنایت کا وبال ہوتا ہے مگر وہ مسئلہ جس کے خلاف دلیل قائم ہو جس کا کوئی معارض نہ ہو اجماع ہو جس کا خلاف جائز نہ ہو یا کوئی نص سنت سے موجود ہو جس کے ناقل عادل ہوں اور اس کا کوئی معارض نہ ہو تو اس کے ساتھ حکم ثابت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام: 164) اور نہیں کمائے گا کوئی نفس مگر وہ اس کے ذمہ ہوگا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ گرنے والا بچہ جب زندہ نکلے تو اس میں دیت کے ساتھ کفارہ بھی ہے اور جب مردہ نکلے تو کفارہ میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس میں غرہ اور کفارہ ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: اس میں غرۃ ہے کفارہ نہیں ہے۔ جنین (گرنے والا بچہ) کی طرف سے جو غرۃ دیا جائے گا اس کی میراث کے بارے اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: جنین کی طرف سے غرہ میراث میں تقسیم ہوگا جیسا کتاب اللہ کا حکم ہے، کیونکہ وہ دیت ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: غرہ صرف ماں کو ملے گا، کیونکہ وہ جنایت ہے جو عورت پر کی گئی ہے اس کے کسی عضو کو کاٹنے کے ساتھ اور یہ دیت نہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس میں مذکر اور مونث کا اعتبار نہیں جس طرح کہ دیات میں لازم ہوتا ہے پس یہ دلیل ہے کہ وہ عضو کی طرح ہے۔ ابن ہرمز کہتے ہیں کہ اس کی دیت خاص اس کے والدین کے لیے ہے۔ 2/3 والد کے لیے اور 1/3 والدہ کے لیے ہے، والدین میں سے جو زندہ ہوگا وہ اس کے لیے ہوگا اگر ان میں سے ایک مر چکا ہو تو وہ دوسرے کے لیے ہوگا خواہ وہ باپ ہو یا ماں ہو۔ بھائی کسی چیز کے وارث نہ ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا اس کی اصل ان یتصدقوا ہے تا کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے۔ التصدق کا معنی عطا کرنا ہے یعنی مگر یہ کہ اولیاء، قاتلین کے ورثاء کو معاف کر دیں وہ جو اللہ نے ان کے لیے، ان پر دیت واجب کی ہے۔ یہ پہلے سے استثنا نہیں۔ ابو عبدالرحمٰن اور نبیح نے الا ان تصدقوا صاد اور تا کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (2)، اسی طرح ابو عمرو نے پڑھا ہے مگر انہوں نے صاد کو شد کے ساتھ پڑھا ہے، اس قرأت پر دوسری تا کا حذف جائز ہے اور یا کی قرأت پر اس کا حذف جائز نہیں اور حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں الا ان یتصدقوا ہے۔ اور وہ کفارہ جو اللہ کے لیے ہے وہ ورثاء کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ اس نے ایک شخص کو تلف کیا جو اللہ کی عبادت میں تھا پس اس پر واجب ہے کہ ایک دوسرا شخص اپنے رب کی عبادت کے لیے خاص کرے۔ اور دیت ساقط ہو جاتی ہے وہ ان کا حق

1۔ صحیح مسلم، باب القسامۃ، جلد 2، صفحہ 62　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 93، دار الکتب العلمیہ بیروت

ہے اور مجرم کے مال میں کفارہ واجب ہے وہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یہ اس مومن کا مسئلہ ہے جو کفار کے شہروں میں قتل ہو جاتا ہے یا ان کی جنگوں میں قتل ہو جاتا ہے، اس بنا پر کہ وہ کفار سے ہے۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، سدی، عکرمہ، مجاہد اور نخعی کے نزدیک معنی یہ ہے کہ اگر یہ مقتول مومن ہو ایمان لایا ہو اور اپنی کافر قوم میں باقی رہا ہو جو تمہاری دشمن ہے تو اس میں دیت نہیں ہے اور اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے (1)۔ امام مالک کا مشہور قول یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ دیت دو وجوہ سے ساقط ہوتی ہے (۱) مقتول کے اولیاء کفار ہیں پس انہیں دیت دینا صحیح نہیں، کیونکہ وہ اس سے قوت حاصل کریں گے (۲) جو شخص ایمان لائے اور ہجرت نہ کرے تو اس کی حرمت کم ہے پس اس کی دیت نہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (الانفال: 72) اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی نہیں ہے ان کی میراث سے کچھ بھی حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔

علماء کی ایک جماعت نے کہا: دیت کے سقوط کی وجہ یہ ہے کہ اولیاء فقط کفار ہیں برابر ہے کہ قتل خطا مسلمانوں کے درمیان ہو یا اس کی قوم کے درمیان ہو، ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آیا ہو تو اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اور اس میں دیت نہیں ہے، کیونکہ کفار کو دیت دینا صحیح نہیں (2)۔ اگر دیت واجب ہوتی تو بیت المال کے لیے بیت المال پر واجب ہوتی، اس جگہ میں دیت واجب نہیں اگرچہ بلاد اسلام میں قتل جاری ہو۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ اوزاعی، ثوری اور ابو ثور کا یہی قول ہے۔ پہلے قول کے مطابق اگر مومن مسلمانوں کے شہروں میں قتل کیا گیا اور اس کی قوم مسلمانوں سے جنگ کرتی تھی، تو اس کی دیت بیت المال کے لیے ہوگی اور کفارہ بھی ہوگا (3)۔

میں کہتا ہوں: اس باب سے وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت اسامہ سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگی مہم پر بھیجا تو ہم نے جہینہ کے حرقات (جگہ کا نام) پر صبح حملہ کیا، میں ایک شخص پر غالب آ گیا تو اس نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں نے اسے نیزہ مارا، پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے، میں نے یہ معاملہ نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا تھا اور تو نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت اسامہ نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس نے یہ ہتھیار کے خوف کی وجہ سے کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو نے اس کا دل چیرا تا کہ تو جان لیتا کیا اس نے صحیح کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟'' (4)۔ نبی کریم ﷺ نے نہ اس کے قصاص کا فیصلہ فرمایا اور نہ دیت کا۔ حضرت اسامہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد میرے لیے تین مرتبہ استغفار فرمایا: اور فرمایا غلام آزاد کرو اور آپ نے قصاص و دیت کا فیصلہ نہ فرمایا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: قصاص کا سقوط واضح ہے، کیونکہ قتل دشمنی کی بنا پر نہ تھا اور رہا دیت کا سقوط تو اس کی تین وجوہ ہیں (۱) اسے اصل قتال میں اجازت دی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 93، دار الکتب العلمیہ بیروت　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 93　3۔ ایضاً
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 68۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر 3935، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گئی تھی پس اس سے محترم نفس کا اتلاف غلطی سے ہوا ہے جیسے ختنہ کرنے والے یا طبیب سے غلطی ہو جاتی ہے (۲) کیونکہ وہ دشمن قوم سے تھا اور مسلمانوں میں سے کوئی ولی نہیں تھا جس کو دیت دی جاتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ۔ جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کیا ہے۔ (۳) حضرت اسامہ نے قتل کا اعتراف کیا تھا اور اس کے لیے بینہ (گواہی) قائم نہیں ہوئی تھی۔ اور عاقلہ سے دیت اعتراف کی صورت میں نہیں لی جاتی، شاید حضرت اسامہ کے لیے مال ہی نہ ہو جس میں دیت جاری کی جاتی۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ۔ یہ ذمی اور معاہد کے بارے میں ہے جو خطاءً قتل ہو جائے تو دیت اور کفارہ واجب ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، شعبی، نخعی اور امام شافعی کا قول ہے۔ طبری نے اس کو اختیار کیا ہے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کو مبہم رکھا ہے اور وھو مومن نہیں فرمایا جس طرح کہ مومنین اور اہل حرب میں سے مقتول کے بارے میں فرمایا۔ اس سے پہلے جو تھا مقید تھا پھر اس کا مطلق ذکر کرنا دلیل ہے کہ یہ اس کے خلاف ہے۔ حسن، جابر بن زید اور ابراہیم نے بھی یہی کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شخص جو خطا قتل کیا گیا ہے وہ مومن ہے اور تمہاری معاہد قوم میں سے ہے تو ان کا عہد ثابت کرے گا کہ وہ اپنے ساتھی کی دیت کے زیادہ حق دار ہیں پس اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور دیت ادا کرنا ہے حسن نے اس کو اس طرح پڑھا ہے: وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وھو مومنٌ (1)۔ اور حسن نے کہا: جب مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو اس پر کفارہ نہیں۔ ابو عمر نے کہا: اہل حجاز کے نزدیک آیت کا معنی اس آیت پر لوٹایا گیا ہے وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ اس سے مراد مومن ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک جملہ محمول ہے جس طرح مطلق، مقید پر محمول ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی وہ ہے جو حسن نے کہا ہے اور ابو عمر نے یہ معنی اہل حجاز سے نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ دیت نکرہ ہے جو معین دیت ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مشرکین عرب کے بارے میں ہے ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان عہد تھا کہ وہ اسلام قبول کریں یا ان سے اعلان جنگ کیا جائے گا یہ ایک مدت تک تھا۔ پس جو ان میں سے قتل کیا جاتا اس میں دیت اور کفارہ واجب ہوتا تھا پھر یہ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (توبہ) کے ارشاد سے منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 14۔ علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت، مرد کی دیت سے نصف ہے، ابو عمر نے کہا: اس کی دیت نصف اس لیے رکھی گئی، کیونکہ اس کے لیے میراث بھی نصف ہے اور دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ یہ قتل خطا کی دیت میں ہے رہا قتل عمد تو اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المائدہ: 45) اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ (بقرہ: 178) جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ دار قطنی نے موسیٰ بن علی بن رباح لخمی کی حدیث روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 93

والد کو یہ کہتے سنا کہ ایک اندھا حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں یہ شعر پڑھ رہا تھا:

یا ایُّھا النّاسُ لیقت منکراً　　هل یَعْقِل الأعمیٰ الصحیحَ المبصِرا

خرّا معاً کلاھما تکسرا

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک اندھے کی قیادت ایک بینا شخص کر رہا تھا تو وہ دونوں کنوئیں میں گر گئے اندھا، بینا شخص کے اوپر گرا تو بینا شخص مر گیا حضرت عمر نے بینا شخص کی دیت کا فیصلہ نابینے شخص پر کیا۔ علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو دوسرے کے اوپر گرا پھر ان میں سے ایک مر گیا، حضرت ابن زبیر سے مروی ہے کہ اوپر والا نیچے والے کا ضامن ہوگا، نیچے والا اوپر والے کا ضامن نہ ہوگا۔ یہ شریح نخعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ امام مالک نے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں کہا: جن میں سے ایک نے دوسرے کو کھینچا حتیٰ کہ دونوں گرے اور دونوں مر گئے تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی جس نے کھینچا تھا۔ ابوعمر نے کہا: میں اس میں کوئی خلاف گمان نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔ مگر ہمارے بعض متاخرین اور اصحاب شافعی نے کہا کہ کھینچنے والے کے عاقلہ نصف دیت کے ضامن ہوں گے، کیونکہ وہ اپنے فعل سے اور اوپر گرنے والے کی وجہ سے مرا۔ حکم اور ابن شبرمۃ نے کہا: اگر کوئی شخص کسی کے اوپر، مکان کے اوپر سے گرے پھر ایک مر جائے تو ان میں سے جو زندہ ہوگا وہ دوسرے کا ضامن ہوگا۔ امام شافعی نے کہا: وہ دو شخص جو آپس میں ٹکرائے اور دونوں مر گئے تو جس سے ٹکرایا گیا اس کی دیت ٹکرانے والے کے عاقلہ پر ہوگی اور ٹکرانے والے کی دیت رائیگاں جائے گی اور دو شہسواروں کے بارے فرمایا: جب وہ ٹکرائے اور دونوں مر گئے تو ان میں سے ایک پر دوسرے کی نصف دیت ہوگی، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے فعل اور اپنے ساتھی کے فعل سے مرا ہے۔ یہ عثمان البتی اور امام زفر کا قول ہے۔ امام مالک، اوزاعی، حسن بن حیی، امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب نے شہسواروں کے بارے کہا: جو ٹکرا کر مر گئے ہر ایک کی دیت دوسرے کے عاقلہ پر ہوگی۔ ابن خویز منداد نے کہا: اسی طرح ہمارے نزدیک دو ٹکرانے والی کشتیوں کا حکم ہے جو ٹکرا جائیں جب کہ ملاح کشتی کو پھیرنے والا نہ ہو اور نہ سوار گھوڑے کو پھیرنے والا ہو۔ امام مالک سے دو کشتیوں اور سواروں کے بارے مروی ہے کہ ہر ایک اپنے ساتھی کی تلف شدہ چیز کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

مسئلہ نمبر 16۔ علماء کا اہل کتاب کی دیت کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور آپ کے اصحاب نے کہا: یہ مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے اور ان کی عورتوں کی دیت اس سے نصف ہے۔ یہ قول عمر بن عبدالعزیز، عروہ بن زبیر اور عمرو بن شعیب سے مروی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی یہی فرمایا ہے۔ یہ مفہوم سلیمان بن ہلال عن عبدالرحمٰن بن الحارث بن عیاش بن ابی ربیعہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی اور نصرانی کی دیت، مسلمان کی دیت سے نصف مقرر فرمائی (1)۔ اور اسے عبدالرحمٰن سے

1۔ ابن ماجہ، باب دیۃ الکافر، حدیث نمبر 2633، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ثوری نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس، شعبی اور نخعی نے فرمایا: معاہدین میں خطأ مقتول خواہ وہ مومن ہو یا کافر ہو اپنی قوم کے عہد پر ہو گا اس کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہوگی (1) یہ امام ابو حنیفہ، ثوری، عثمان، بتی اور حسن بن حی کا قول ہے انہوں نے تمام دینوں کو برابر بنایا ہے مسلمان ہو یا یہودی ہو، نصرانی ہو، مجوسی ہو معاہد ہو اور ذمی ہو سب برابر ہیں یہ عطا، زہری اور سعید بن مسیب کا قول ہے ان کی حجت یہ ارشاد ہے: فَدِيَةٌ یہ مسلمان کی دیت کی طرح کامل دیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور انہوں نے اپنی بات کو اس روایت سے تائید دی ہے جسے محمد بن اسحاق نے داؤد بن حصین سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے بنی قریظہ اور نضیر کے واقعہ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت برابر کامل مقرر فرمائی۔ ابو عمر نے کہا اس حدیث میں کمزوری ہے اس جیسی حدیث میں حجت نہیں ہوتی۔ امام شافعی نے فرمایا: یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے (2)، اور مجوسی کی دیت آٹھ سو دراہم ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ یہ کم از کم مقدار ہے جو اس کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ذمہ سے برأت یقین یا حجت سے ہوتی ہے۔ یہ قول عمر اور عثمان سے مروی ہے۔ یہی قول ابن مسیب، عطا، حسن، عکرمہ، عمرو بن دینار، ابو ثور اور اسحاق کا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ یعنی جو غلام نہ پائے اور نہ غلام خریدنے کی اس کے مال میں وسعت ہو تو فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ تو اس پر دو ماہ کے متواتر روزے ہیں، حتیٰ کہ اگر ایک دن بھی افطار کر دیا تو نئے سرے سے شروع کرنے ہوں گے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ مکی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ دو ماہ کے روزے دیت اور غلام آزاد کرنے کی طرف کفایت کرتے ہیں اس شخص کے لیے جو غلام نہ پائے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول وہم ہے، کیونکہ دیت عاقلہ پر ہوتی ہے قاتل پر نہیں ہوتی۔ طبری نے یہ قول مسروق سے حکایت کیا ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 18۔ حیض، تتابع کے مانع نہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں، حیض سے عورت جب پاک ہو اور تاخیر نہ کرے پچھلے روزوں کے ساتھ روزوں کو ملا لے۔ اس پر اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ فجر کی نماز سے پہلے پاک ہوئی اس دن کا روزہ ترک کر دیا جب کہ اسے اپنی طہارت کا علم تھا۔ اگر وہ ایسا کرے تو علماء کی جماعت کے نزدیک نئے سرے سے روزے رکھے۔ یہ ابو عمر نے کہا ہے۔ اس مریض میں اختلاف ہے جس نے دو ماہ میں سے بعض روزے متواتر رکھے۔ اس میں دو قول ہیں۔ امام مالک نے کہا: کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ جس پر کتاب اللہ میں متواتر روزے واجب کیے گئے ہوں پھر وہ افطار کرے مگر عذر یا مرض یا حیض کی صورت میں افطار کرنا جائز ہے۔ اس کے لیے سفر کرنا اور پھر افطار کرنا درست نہیں۔ مرض میں جنہوں نے بنا کرنے کا کہا ہے ان میں سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، حسن، شعبی، عطا، مجاہد، قتادہ اور طاؤس ہیں۔ سعید بن جبیر، نخعی، حکم بن عیینہ اور عطا خراسانی نے کہا: مرض میں نئے سرے سے روزے شروع کرے۔ یہ امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب حسن بن حی اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول امام مالک کے قول کی طرح ہے کہ وہ بنا کر سکتا ہے۔ ابن شبرمہ نے کہا: اگر اسے غالب عذر ہو تو ایک دن کی قضا کرے جس طرح رمضان کے روزے کی قضا کی جاتی ہے۔ ابو عمر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 94، دار الکتب العلمیہ بیروت 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

نے کہا: جن علماء نے بنا کا کہا ہے ان کی حجت یہ ہے کہ وہ مرض کی وجہ سے تتابع (متواتر) کو توڑنے میں معذور ہے وہ عمداً ایسا نہیں کر رہا اور اللہ تعالیٰ نے بغیر ارادہ کے کوئی کام کرنے والے سے تجاوز فرمایا ہے۔ اور جنہوں نے نئے سرے سے روزے رکھنے کو کہا ہے ان کی حجت یہ ہے کہ تتابع فرض ہے عذر کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، گناہ کو عذر ساقط کرتا ہے جس طرح نماز ہے اس کی رکعات متواتر ہوتی ہیں جب اسے عذر قطع کردے تب بھی نئے سرے سے شروع کرنی ہوتی ہے بنا نہیں کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ نصب مصدر کی بنا پر ہے۔ اس کا معنی رجوع کرنا ہے (1)۔ خطا کرنے والے کو توبہ کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ وہ گناہ سے بچا نہیں اور اس کے حق میں سے تھا کہ وہ اپنی حفاظت کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ وہ روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے تخفیف ہے کہ اس نے غلام کے عوض روزے کو قبول فرمالیا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ (بقرہ: 187) یعنی اس نے تخفیف کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ (المزمل: 20)

مسئلہ نمبر 20۔ وَ كَانَ اللّٰهُ یعنی وہ ہمیشہ سے تھا عَلِيْمًا تمام معلومات کو جاننے والا ہے۔ حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ اس کے ہر کام میں پختگی اور حکمت ہے۔

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

''اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے، ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضب ناک ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور اپنی رحمت سے دور کردے گا اسے اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذاب عظیم''۔

اس میں سات مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّقْتُلْ، مَنْ شرطیہ ہے اور اس کا جواب فَجَزَآؤُهٗ ہے۔ جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی صفت کے بارے میں اختلاف ہے۔ عطا اور نخعی وغیرہما نے کہا: جس نے لوہے کے ساتھ قتل کیا جیسے تلوار، خنجر، نیزے کی انی اور اس قسم کی دوسری کوئی تیز چیز جو کاٹنے کے لیے تیار کی گئی ہو یا ایسی چیز جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے استعمال میں موت ہے جیسے بھاری پتھر وغیرہ۔ ایک جماعت نے کہا: جان بوجھ کر قتل کرنے والا وہ ہے جس نے لوہے کے ساتھ قتل یا پتھر کے ساتھ قتل کیا یا ڈنڈے کے ساتھ قتل کیا یا اس کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ قتل کیا۔ یہ جمہور کا قول ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قتل عمد اور قتل خطا کا ذکر فرمایا اور شبہ العمد کا ذکر نہیں فرمایا۔ علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن المنذر نے کہا: امام مالک نے اس کا انکار کیا، انہوں نے کہا: کتاب اللہ میں صرف عمد اور خطا کا ذکر ہے۔ خطابی نے بھی امام مالک سے یہ ذکر کیا اور یہ زائد ذکر کیا رہا شبہ عمد تو ہم اس کو نہیں جانتے۔ ابو عمر نے کہا: امام مالک اور لیث بن سعد نے شبہ العمد کا انکار کیا پس جو ان کے نزدیک ایسی چیز سے قتل کیا گیا جس کے ساتھ عام طور پر قتل نہیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 94، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 94

کیا جاتا مثلاً دانتوں سے کاٹا، طمانچہ مارا، کوڑا مارا، چھڑی ماری وغیرہ تو یہ عمد ہوگا اور اس میں قصاص ہوگا۔ ابو عمر نے کہا: ان دونوں کے قول کے موافق صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جمہور فقہائے امصار کا یہ نظریہ ہے کہ یہ تمام صورتیں شبہ عمد کی نہیں۔ امام مالک سے یہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ ابن وہب اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہمارے نزدیک شبہ عمد پر عمل کیا جائے گا۔ جن علماء نے شبہ عمد کو ثابت کیا ہے ان میں شعبی، حکم، حماد، نخعی، قتادہ، سفیان ثوری، اہل عراق اور امام شافعی ہیں۔ ہم نے یہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے، خون کے سلسلہ میں احتیاط کرنی ضروری ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ خون کی جلد میں حفاظت کی جائے، پس خون بہانا مباح نہیں مگر ایسی صورت میں جو بالکل واضح ہو جس میں کسی قسم کا اشکال نہ ہو اور اس صورت میں اشکال ہے، کیونکہ جب حکم عمد اور خطا میں متردد تھا تو اس کے لیے شبہ عمد کا حکم لگایا گیا، ضرب (مارنا) مقصود تھا۔ قتل مقصود نہیں تھا قتل بغیر ارادہ کے ہوا تھا، پس قصاص ساقط ہوگا اور دیت بھاری ہوگی۔ اسی کی مثال احادیث میں آئی ہے ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار خطا کی دیت، شبہ عمد جو کوڑے اور لاٹھی سے ہو سو اونٹ ہیں جن میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں جن کے بطنوں میں بچے ہوں" (1)۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قتل عمد میں قصاص ہے اور قتل خطا میں دیت ہے۔ اس میں قصاص نہیں ہے اور جو نا معلوم پتھر یا ڈنڈے یا کوڑے سے قتل کیا گیا ہو تو وہ اونٹوں کی دیت مغلظہ ہے" (2)۔ سلیمان بن موسیٰ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی طرح مغلظ ہے، شبہ عمد والے کو قتل نہیں کیا جائے گا" (3)۔ یہ نص ہے۔ طاؤس نے اس شخص کے بارے میں کہا جو جنگ میں ڈنڈے، کوڑے یا پتھر کے ساتھ مارا گیا ہو تو اس کی دیت دی جائے گی اور اس کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ معلوم نہیں اس کا قاتل کون ہے؟ امام احمد بن حنبل نے کہا: العمیا وہ امر جس کا معاملہ پوشیدہ ہو اس کی وجہ معلوم نہ ہو۔ اسحاق نے کہا: یہ قوم میں تخارج (☆) اور بعض کو بعض کے قتل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کی اصل التعمیۃ (☆☆) سے ہے جس کا معنی تلبیس ہے۔ یہ دارقطنی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ۔ شبہ عمد کو تسلیم کرنے والوں کا دیت مغلظہ میں اختلاف ہے۔ عطا اور امام شافعی نے کہا: یہ تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس خلفہ ہیں۔ یہ قول حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کا ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے جب وہ شبہ عمد کا قول کرتے ہیں۔ اور امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا مگر مدلجی نے اپنے بیٹے کے ساتھ جو کچھ کیا اس جیسے مسئلے میں شبہ عمد کا قول کرتے ہیں جب اس نے اپنے بیٹے کو تلوار سے مارا۔ بعض علماء نے کہا: یہ چار قسم کے اونٹ ہوں گے چوتھائی بنات لبون، چوتھائی حقاق، چوتھائی جذاع اور چوتھائی بنات مخاض۔ یہ نعمان اور یعقوب کا قول ہے۔ ابوداؤد نے یہ سفیان عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرہ عن علی کے سلسلہ سے ذکر کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ پانچ قسم کے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 269
2۔ سنن دارقطنی، کتاب الحدود والدیات، جلد 3، صفحہ 94، حدیث نمبر 47
3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 95، حدیث نمبر 53

☆ شرکاء کا جائیداد کو آپس میں تقسیم کرنا
☆☆ پوشیدہ رکھنا

اونٹ ہوں گے، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس ابن لبون، بیس حقے اور بیس جذعے۔ یہ ابوثور کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: چالیس جذعے بازل (☆) عام تک، تیس حقے، تیس بنت لبون۔ یہ حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے۔ اور یہی حسن بصری، طاؤس اور زہری کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: چونتیس خلفۃ بازل عام تک تینتیس حقے، تینتیس جذعے۔ اور یہی شعبی اور نخعی کا قول ہے۔ یہ ابوداؤد نے ابوالاحوص عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرہ عن علی کے سلسلہ سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ان میں اختلاف ہے جن میں شبہ عمد کی دیت لازم ہوتی ہے۔ حارث عکلی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، قتادہ اور ابوثور نے کہا: قتل کرنے والے پر اس کے مال میں ہوگی۔ شعبی، نخعی، حکم، امام شافعی، ثوری، امام احمد، اسحاق اور اصحاب الرائے نے کہا: وہ عاقلہ پر ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: شعبی کا قول اصح ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کی دیت مارنے والی کے عاقلہ پر جاری کی تھی۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا اجماع ہے کہ قتل عمد کی دیت عاقلہ پر نہ ہوگی بلکہ وہ مجرم کے مال میں ہوگی۔ سورۂ بقرہ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ قتل خطا کرنے والے پر کفارہ ہے اور قتل عمد میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ قتل عمد والے پر اسی طرح کفارہ ہے جس طرح قتل خطا میں کفارہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: قتل خطا میں جب کفارہ واجب ہے تو قتل عمد میں بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ اور فرمایا: جب سہو میں سجدہ مشروع ہے تو عمد میں بدرجہ اولیٰ مشروع ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ نے قتل عمد میں ذکر فرمایا وہ قتل خطا میں جو واجب ہے اس کو ساقط کرنے والا نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: جان بوجھ کر قتل کرنے والے پر کفارہ واجب ہوگا جب اسے معاف کیا جائے اور اسے قتل نہ کیا جائے مگر جب اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا تو اس پر کفارہ نہ ہوگا جو اس کے مال سے لیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: کفارہ واجب ہوگا جس نے خودکشی کی اس پر کفارہ اس کے مال سے ہوگا۔ ثوری، ابوثور اور اصحاب الرائے نے کہا: کفارہ واجب نہ ہوگا مگر وہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے کفارہ واجب کیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں، کیونکہ کفارات عبادات ہیں اور تمثیل جائز نہیں اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی فرض اللہ کے بندوں پر لازم کردے مگر کتاب اللہ یا سنت یا اجماع سے اور جنہوں نے عمداً قتل کرنے والے پر کفارہ لازم کیا ان کے پاس حجت نہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس جماعت کے بارے اختلاف ہے جنہوں نے خطاءً ایک شخص کو قتل کردیا۔ ایک جماعت نے کہا: ہر ایک پر کفارہ ہوگا۔ حسن، عکرمہ، نخعی، حارث، عکلی، امام مالک، ثوری، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور اور اصحاب الرائے نے بھی یہی کہا ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: ان تمام پر ایک کفارہ ہوگا۔ ابوثور نے یہی کہا ہے، اوزاعی سے یہی حکایت کیا گیا ہے۔ زہری نے غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں فرق کیا ہے۔ ایک جماعت کے بارے میں فرمایا: جو منجنیق پھینکتے ہیں اور ایک شخص کو قتل کردیتے ہیں، تمام پر ایک غلام آزاد کرنا ہوگا اور اگر وہ غلام نہ پائیں تو ہر ایک پر دو ماہ کے متواتر روزے ہوں گے۔

☆ بازل اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی عمر آٹھ سال ہو چکی ہو اور نویں سال میں شروع ہو چکا ہو اس وقت اس کی طاقت مکمل ہو جاتی ہے اس کے بعد اسے بازل عام اور بازل عامین کہا جاتا ہے۔ نہایہ

مسئلہ نمبر 6۔ نسائی نے روایت کیا ہے ہمیں حسن بن اسحاق المروزی نے بتایا وہ ثقہ ہے فرمایا مجھے خالد بن خداش نے بتایا، انہوں نے فرمایا ہمیں حاتم بن اسماعیل نے بتایا، انہوں نے بشیر بن مہاجر سے روایت کیا، انہوں نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زوال دنیا سے بھی بڑا ہے''۔ حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جس کا بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور سب سے پہلے بندوں کے درمیان جس کا فیصلہ کیا جائے گا وہ خونوں کے متعلق ہو گا'' (1)۔ اسماعیل بن اسحاق نے نافع بن جبیر بن مطعم سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک سائل نے ان سے کہا: اے ابو العباس! کیا قاتل کے لیے توبہ ہے؟ حضرت ابن عباس نے اسے مسئلہ پر تعجب کرنے والے کی طرح کہا: تو کیا کہتا ہے؟ دو یا تین مرتبہ یہ کہا، پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا: تجھ پر افسوس اس کے لیے توبہ کہاں! میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ''مقتول آئے گا جب کہ اس کا سر اس کے ایک ہاتھ میں لٹکا ہوا ہو گا وہ اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنے قاتل کو بلا رہا ہو گا، اس کی رگیں خون آلود ہوں گی حتیٰ کہ دونوں رو کے جائیں گے، مقتول اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا: اے رب! اس نے مجھے قتل کیا اللہ تعالیٰ قاتل کو فرمائے گا: تو نیست و نابود ہو جائے پھر اسے آگ کی طرف لے جایا جائے گا''۔ حسن سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے کسی چیز کے بارے اتنا سوال نہیں کیا جتنا کہ میں نے مومن کے قتل کے بارے میں کیا تو مجھے جواب نہ ملا''۔

مسئلہ نمبر 7۔ جان بوجھ کر قتل کرنے والے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کیا اس کے لیے توبہ ہے؟ بخاری نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے فرمایا: اس میں اہل کوفہ نے اختلاف کیا پھر میں حضرت ابن عباس کے پاس گیا ان سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ آیت نازل ہوئی ہے: وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ۔ یہ سب سے آخر میں نازل ہوا اور اسے کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا۔ نسائی نے حضرت ابن جبیر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: کیا اس شخص کے لیے توبہ ہے جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں میں نے ان پر سورۂ فرقان کی آیت 68 پڑھی: وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت مکی ہے، اسے مدنی آیت: وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نے منسوخ کیا ہے۔

زید بن ثابت سے اسی طرح روایت ہے اور سورۂ نساء کی آیت، سورۂ فرقان کی آیت سے چھ ماہ بعد نازل ہوئی اور ایک روایت میں آٹھ ماہ بعد نازل ہوئی۔ نسائی نے ان دونوں روایات کو حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے۔ حضرت زید اور حضرت ابن عباس سے مروی روایات کو دیکھ کر معتزلہ نے آیت کے عموم کا نظریہ قائم کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ کے عموم کا مخصص ہے۔ انہوں نے کہا کہ وعید ہر قاتل پر نافذ ہو گی انہوں نے دونوں

1۔ صحیح بخاری، باب القصاص، حدیث نمبر 6052، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جامع ترمذی، باب ماجاء ان اول مایحاسب به العبد الخ، حدیث نمبر 378، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آیتوں کو جمع کیا ہے کہ انہوں نے کہا: تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ یغفر ما دون ذالک لمن یشاء الا من قتل عمداً۔ علماء کی ایک جماعت جن میں حضرت عبد اللہ بن عمر بھی ہیں۔ حضرت زید اور حضرت ابن عباس سے بھی یہ مروی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قاتل کے لیے توبہ ہے۔ یزید بن ہارون نے کہا: ہمیں ابو مالک اشجعی نے بتایا انہوں نے سعد بن عبیدہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور کہا: کیا جان بوجھ کر مومن کو قتل کرنے والے کے لیے توبہ ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں مگر آگ۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت ابن عباس سے ساتھیوں نے کہا: کیا آپ ہمیں اس طرح فتویٰ دیتے تھے ہمیں تو آپ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ قاتل کی توبہ قبول ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں اسے گمان کرتا تھا کہ یہ بہت غصہ میں ہے کسی مومن کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ فرمایا: لوگ اس شخص کے پیچھے گئے تو انہوں نے اسے ویسا ہی پایا۔ یہ اہل السنت کا مذہب ہے اور یہ صحیح ہے۔ اور یہ آیت مخصوصہ ہے اور تخصیص کی دلیل آیات اور اخبار ہیں۔ علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت مقیس بن ضبابہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کا واقعہ اس طرح ہے کہ وہ اور ان کا بھائی ہشام بن ضبابہ مسلمان ہوئے۔ پھر مقیس نے اپنے بھائی ہشام کو بنی نجار میں مقتول پایا۔ اس واقعہ کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی تو آپ نے بنی نجار کو لکھا کہ ''اس کے بھائی کا قاتل اس کے حوالے کر دو'' اور آپ نے مقیس کے ساتھ ایک شخص کو بھیجا جس کا تعلق بنی فہر سے تھا۔ بنو النجار نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس کا قاتل نہیں جانتے لیکن ہم دیت دیں گے، پس انہوں نے سو اونٹ دیت دیئے پھر وہ دونوں مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ آئے، راستہ میں مقیس نے فہری شخص پر حملہ کر کے اسے اپنے بھائی کے بدلے قتل کر دیا۔ اونٹ لے لیے اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ اور وہ شعر پڑھتا تھا:

قتلت به فِهرا و حمّلت عقله سُراة بني النجار أرباب فارِعِ (1)

حَلَلتُ به وترِي وأدركت ثورتي وكنت إلى الأوثان أوّلَ رَاجِعِ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اسے حل و حرم میں امن نہیں دیتا'' (2)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم دیا جب کہ وہ کعبہ کے ساتھ متعلق تھا۔ جب اہل تفسیر اور علماء دین کی نقل سے یہ ثابت ہے تو اسے مسلمانوں پر محمول کرنا مناسب نہیں پھر اس آیت کے ظاہر کو اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ہود: 114) اور وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (الشوری: 25) اور وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ کے ظاہر کو لینے سے اولیٰ نہیں ہے۔ ان دونوں آیات کے ظاہر کو لینے میں تناقض ہے، پس تخصیص ضروری ہے پھر سورۂ فرقان کی آیت اور اس آیت کو جمع کرنا ممکن ہے، نہ نسخ ہے اور نہ تعارض ہے۔ سورۂ نساء کی مطلق آیت کو سورۂ فرقان کی مقید آیت پر محمول کیا جائے گا معنی یہ ہوگا کہ اس کی جزا یہ ہے کہ مگر جو توبہ کر لے خصوصاً جب کہ موجب یعنی قتل اور موجب یعنی عقاب کی دھمکی متحد ہیں۔ رہی اخبار تو وہ بہت سی ہیں جیسے حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث جس میں فرمایا: ''تم میری بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور اس نفس کو قتل نہیں کرو گے جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ جو تم میں سے ان احکام کو پورا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 95، دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 257

کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جو ان باتوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے گا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر وہ چاہے گا تو اسے معاف کر دے گا، اگر چاہے گا تو اسے عذاب دے گا'' (1)۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے مروی ہے جس نے سو آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں، ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے (2)۔ اس کے علاوہ بھی اخبار ثابت ہیں پھر ہمارے ساتھ ان کا اس شخص کے بارے میں اجماع ہے جس کے خلاف قتل کی گواہی دی گئی اور وہ اقرار کرتا ہو کہ اس نے جان بوجھ کر قتل کیا ہے۔ پھر اس کے اولیاء سلطان کے پاس آئیں اور اس پر حد قائم کی جائے اور قصاصاً قتل کیا جائے تو آخرت میں اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عبادہ کی حدیث کے مقتضیٰ پر بالا جماع اس پر وعید نافذ نہ ہو گی، تو انہوں نے وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا کے عموم سے جو عمارت تعمیر کی تھی وہ ان پر ٹوٹ گئی اور جو ہم نے ذکر کیا اس کے ساتھ تخصیص داخل ہو گئی۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو معلوم ہوا کہ یہ آیت مخصوص ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا یا یہ اس قول پر محمول ہو گی جو حضرت ابن عباس سے حکایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مُّتَعَمِّدًا کا معنی ہے جو اس کے قتل کو حلال سمجھنے والا ہے۔ یہ بالا جماع کفر کی طرف لوٹتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: قاتل کا معاملہ مشیت الٰہی کے سپرد ہے خواہ وہ توبہ کرے یا نہ کرے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مسلک ہے۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ۔ یہ اس کے کفر پر دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ غضب نہیں فرماتا مگر کافر پر جو ایمان سے خارج ہوتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے یہ وعید ہے اور وعید میں خلف کرم ہے جس طرح کہ شاعر نے کہا:

وانّی متی اوعدتہ او وعدتہ　　لمُخلِف إیعادی وَ مُنجِزُ مَوْعِدِی

یہ پہلے گزر چکا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر وہ اسے یہ جزا دے یعنی وہ اپنے بڑے گناہ کی وجہ سے اس گناہ کا مستحق اور سزاوار ہے۔ ابو مجلز لاحق بن حمید اور ابو صالح وغیر ہما نے اس پر نص قائم کی ہے۔ حضرت انس بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ بندے کے لیے ثواب کا وعدہ فرماتا ہے تو وہ اسے پورا کرتا ہے اور اگر اس کے لیے عقوبت مقرر فرماتا ہے تو اس کے لیے مشیت ہے اگر چاہے گا تو اسے عتاب دے گا اور اگر چاہے گا تو اسے معاف کر دے گا''۔ ان دونوں تاویلوں میں نظر ہے۔ رہی پہلی تاویل، قشیری نے کہا: اس میں نظر ہے، کیونکہ رب تعالیٰ کا کلام خلف کو قبول نہیں کرتا مگر یہ کہ اس سے عام کی تخصیص مراد لی جائے اور یہ کلام میں جائز ہے اور رہی دوسری تاویل۔ اگرچہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ مرفوع ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں غلطی واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا (کہف: 106) کسی نے یہ نہیں کہا: ان جازاھم (اگر وہ انہیں جزا دے گا) یہ عربی جاننے میں خطا ہے، کیونکہ اس کے بعد غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ ہے وہ جازاہ کے معنی پر محمول ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کی جزا جہنم ہے اگر وہ توبہ نہ کرے اور گناہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 73۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر 17، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ابن ماجہ، باب ھل لقاتل المؤمن توبۃ، حدیث نمبر 2611، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پر اصرار کرے حتیٰ کہ وہ اپنے رب سے معاصی کی نحوست کے ساتھ کفر پر ملاقات کرے۔ ہبۃ اللہ نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ہے اور فرمایا: اس پر لوگوں کا اجماع ہے مگر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر نے کہا یہ آیت محکمۃ ہے۔ ہبۃ اللہ کے قول میں نظر ہے، کیونکہ یہ عموم اور تخصیص کا مقام ہے، نہ کہ نسخ کا مقام۔ یہ ابن عطیہ کا قول ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: یہ حسن ہے، کیونکہ نسخ اخبار میں نہیں ہوتا معنی یہ ہے کہ وہ اسے جزا دے گا۔ نحاس نے ''معانی القرآن'' میں کہا: علماء اہل نظر کے نزدیک یہ حکم محکم ہے وہ اسے جزا دے گا جب وہ توبہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ توبہ کرے گا تو اس کا حکم بیان کر دیا۔ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طٰہٰ: 82) پس قاتل اس سے خارج نہیں ہے اور الخلود، دوام پر دلالت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الانبیاء: 34)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ۔ (الھمزہ: 3)

زہیر نے کہا:

ولا خالدا إلا الجبال الرواسیا

یہ تمام شواہد دلالت کرتے ہیں کہ خلد کا لفظ تابید کے معنی کے علاوہ پر بھی بولا جاتا ہے، کیونکہ پہاڑ بھی اور مال بھی دنیا کے زوال کے ساتھ زائل ہو جائیں گے اسی طرح عرب کہتے ہیں: لأ خلدن فلانا فی السجن (میں فلاں کو ہمیشہ قید خانہ میں رکھوں گا) السجن ختم ہو جائے گی اور فنا ہو جائے گی اسی طرح مسجون بھی۔ اس کی مثل دعا میں ہے: خلد اللہ ملکہ وأبد ایامہ۔ یہ لفظاً اور معنی تمام گزر چکے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝

''اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) تو خوب تحقیق کر لو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں ہو، تم تلاش کرتے ہو سامان دنیوی زندگی کا، پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں (وہ تمہیں غنی کر دے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے اس سے پہلے پھر احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے''۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا۔ یہ جہاد اور قتل کے

1۔ المحرر الوجیز، زیر آیت ہذہ

ذکر کے ساتھ متصل ہے۔ الضرب کا معنی زمین پر چلنا ہے، عرب کہتے ہیں: ضربت فی الارض جب کوئی تجارت یا جنگ یا کسی اور غرض سے سفر کرے۔ یہ ''فی'' کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور بغیر ''فی'' کے بھی۔ مثلاً ضربت الارض جب آدمی قضاء حاجت (1) کا قصد کرے۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: لا یخرج الرجلان یضربان الغائط یتحدثان کاشفین عن فرجیھما فان اللہ یمقت علی ذالك (2)۔ کوئی دو شخص قضاء حاجت کے لیے نکلیں تو وہ اپنی شرمگاہیں کھولے ہوئے باتیں نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے بارے نازل ہوئی وہ اپنے سفر میں ایک شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس اونٹ اور بکریاں تھیں جنہیں وہ بیچنا چاہتا تھا اس نے مسلمانوں پر سلام کیا اور کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ایک مسلمان نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ پر بہت ناگوار گزرا، پھر یہ آیت نازل ہوئی (3)۔ بخاری نے عطاء عن ابن عباس کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا اسے مسلمان ملے، اس نے کہا: السلام علیکم۔ مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں پکڑ لیں، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تک نازل فرمائی۔ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سے مراد یہ غنیمت ہے۔ فرمایا: حضرت ابن عباس نے السلام پڑھا ہے یہ بخاری کے علاوہ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اہل کو دیت اور بکریاں بھی لوٹا دیں۔ اس واقعہ میں قاتل اور مقتول کی تعیین میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا جو قول ہے وہ وہ ہے جو ابن اسحاق کی سیرت میں مصنف ابو داؤد میں اور الاستیعاب لابن البر میں ہے کہ یہ قاتل محلم بن جثامہ تھا اور مقتول عامر بن اضبط تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم کے خلاف دعا کی تو وہ بعد میں صرف سات دن زندہ رہا پھر وہ دفن کیا گیا تو زمین نے اسے قبول نہ کیا پھر دفن کیا گیا تو پھر بھی زمین نے قبول نہ کیا پھر تیسری مرتبہ دفن کیا گیا تو زمین نے قبول نہ کیا جب لوگوں نے دیکھا کہ زمین اسے قبول نہیں کر رہی تو لوگوں نے اسے گھاٹیوں میں پھینک دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمین تو اسے بھی قبول کر لیتی ہے، جو اس سے بھی بدتر ہوتا ہے'' (4)۔ حسن نے کہا: اس بدترین شخص کو زمین لے لیتی ہے، لیکن قوم کو یہ نصیحت کی گئی کہ وہ اس کام کی طرف نہ لوٹیں۔ سنن ابن ماجہ نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر مشرکین کی طرف بھیجا تو انہوں نے سخت جنگ کی اور انہوں نے انہیں کندھے دیے پھر میرے ایک قریبی شخص نے مشرکین کے ایک شخص پر نیزے سے حملہ کر دیا جب وہ اس پر غالب آیا تو پھر اس نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں مسلمان ہوں۔ مسلمان نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ پھر وہ مسلمان شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تو نے کیا کیا ہے؟ آپ نے ایک یا دو مرتبہ پوچھا۔ اس نے اپنا واقعہ عرض کیا۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے اس کا پیٹ کیوں نہ چاک کیا تاکہ تو اس کی کیفیت جان لیتا''۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں اس کا پیٹ چاک کرتا تو کیا میں اس کے دل کی کیفیت جان لیتا؟

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 96
2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 36۔ ایضاً، ابو داؤد، حدیث نمبر 14، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 96
4۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، صفحہ 290

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں تو نے نہ اس کی بات کو قبول کیا اور نہ تو اس کے دل کی کیفیت جانتا''۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خاموش ہو گئے تھوڑی دیر گزری حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا پس ہم نے اسے دفن کیا، صبح وہ زمین پر باہر پڑا تھا۔ ہم نے کہا: شاید دشمن نے اس کی قبر کو کھودا ہو، پھر ہم نے دفن کیا پھر ہم نے اپنے نوجوانوں کو حفاظت کرنے کا حکم دیا، پھر بھی وہ صبح زمین پر پڑا تھا۔ ہم نے کہا: شاید نوجوان سو گئے ہوں۔ پھر ہم نے اسے دفن کیا، پھر ہم نے خود نگرانی کی لیکن صبح پھر وہ زمین کے اوپر تھا، پھر ہم نے اسے گھاٹیوں میں پھینک دیا (1)۔ بعض علماء نے کہا: قاتل اسامہ بن زید تھا اور مقتول مرداس بن نہیک غطفانی ثم الفزاری من بنی مرۃ من اہل فدک تھا۔ یہ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے مرداس نے رات کو اسلام قبول کیا اور اس کے متعلق اپنے گھر والوں کو بتایا۔ جب اسامہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کی سختی کا ذکر فرمایا تو اسامہ نے قسم اٹھائی کہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرے گا جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے گا اس کے متعلق کلام گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: قاتل ابو قتادہ تھا۔ بعض نے فرمایا: ابو درداء تھا۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ زمین نے جس کو پھینک دیا تھا وہ محلم تھا جو ہم نے ذکر کیا ہے شاید یہ تمام واقعات قریب قریب واقع ہوئے تو تمام کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بکریاں اور اونٹ واپس کر دیا اور اس کے تلف ہونے کی وجہ سے دیت بھی دی۔ واللہ اعلم۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے اس لشکر کا امیر ایک شخص تھا جس کو غالب بن فضالہ لیثی کہا جاتا تھا بعض نے کہا: مقداد نام تھا۔ یہ سہیلی نے حکایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَبَيَّنُوْا یعنی غور کرو۔ تبینوا جماعت کی قرأت ہے اور یہ ابو عبیدہ اور ابو حاتم کا مختار ہے ان دونوں حضرات نے کہا: جو خوب غور وفکر اور تثبت سے کام کرے تو کہا جاتا ہے: تبینت الامر وتبین الامر بنفسہ۔ یہ لازم اور متعدی استعمال ہوتا ہے۔ حمزہ نے فتثبتوا یعنی ثا کے ساتھ اور اس کے بعد با کے ساتھ پڑھا ہے۔ تبینوا میں زیادہ تاکید ہے، کیونکہ انسان کبھی کسی کام کو مضبوط تو کرتا ہے، لیکن اس میں غور نہیں کرتا۔ اذا میں شرط کا معنی ہے اسی وجہ سے فَتَبَيَّنُوْا پر فا داخل ہوئی ہے، جزا پر فا لگائی جاتی ہے جیسے شاعر نے کہا:

وإذا تُصِبْكَ خَصاصةٌ فتَجَمَّل

اور بہتر یہ ہے کہ فا نہ لگائی جائے جیسا کہ شاعر نے کہا:

والنفس راغِبةٌ إذا رغَّبتها　　وإذا تُرَدّ إلى قليل تقنعُ

سفر و حضر میں قتل سے پہلے غور و غوض ضروری ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں سفر کو خاص طور پر ذکر فرمایا، کیونکہ وہ حادثہ سفر میں واقع ہوا تھا جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ السَّلَم، السِّلم اور السلام تینوں کا ایک معنی ہے۔ یہ بخاری کا قول ہے تینوں طرح پڑھا بھی گیا ہے۔ ابو عبید قاسم بن سلام نے السلام کو اختیار کیا اور اہل نظر نے اس کی مخالفت کی انہوں نے کہا: السلم بہتر ہے، کیونکہ اس کا معنی پیروی کرنا اور تسلیم کرنا ہے جیسا کہ اللہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 290۔ ایضاً، حدیث نمبر 3919، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ (النحل: 28)
السَّلَمَ کا معنی تسلیم کرنا ہے یعنی تم اسے نہ کہو جس نے اپنے ہاتھ ڈال دیے اور سر تسلیم خم کر دیا اور تمہاری دعوت کو ظاہر کیا ہے کہ تو مومن نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: السلم سے مراد السلام علیکم کا قول ہے یہ پہلے مفہوم کی طرف راجع ہے۔ اسلام کے سلام کے ساتھ سلام کرنا اطاعت اور انقیاد کی دلیل ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی انحیاز اور ترک ہو۔ اخفش نے کہا: فلان سلام جب کوئی کسی سے خلط ملط ہوتا ہے (1)۔ السِلم سین کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ اور لام کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کا معنی صلح ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابو جعفر سے مروی ہے کہ انہوں نے لَسْتَ مُؤْمَنًا دوسری میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ آمنتہ سے مشتق ہوگا جب تو اسے پناہ دے۔ فھو مؤمن وہ پناہ دیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ مسلمان جب کافر سے ملے جس کا کوئی عہد نہیں ہے تو مسلمان کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے اگر وہ کہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو پھر اس کا قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ اسلام کے ساتھ وہ محفوظ ہو گیا جو اسلام اس کے خون، مال اور اہل کی حفاظت کرے۔ اگر وہ اس کے بعد اس کو قتل کر دے گا تو بدلے میں اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ اور مذکورہ واقعات میں جو صحابہ کرام سے قتل ساقط ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے ابتدائی دور میں تھے انہوں نے سمجھا کہ یہ اس نے ہتھیار کے خوف سے اور قتل سے بچنے کے لیے کہا ہے، اس کو بچانے والا اس کا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتایا کہ وہ اپنے آپ کو بچانے والا ہوگا اس نے جیسا بھی کہا ہو۔ اسی وجہ سے اسامہ کو فرمایا: ''کیا تو نے اس کے دل کو نہیں چیرا تھا تاکہ تو جان لیتا کہ کیا اس نے یہ کیا ہے یا نہیں'' (2)۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ یعنی غور و فکر کیا جائے گا کہ وہ اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹا ہے اور یہ ممکن نہیں۔ اور صرف یہی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے بیان کرے۔ اس میں بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ احکام کا دارو مدار ظن غالب پر ہوتا ہے نہ کہ قطعیت پر اور باطن کے رازوں پر آگاہی کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر کوئی کہہ دے: سلام علیکم۔ تو اسے قتل کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اس کے پیچھے جو کچھ ہے وہ جان لے، کیونکہ یہ اشکال کی جگہ ہے۔ امام مالک نے کافر کے بارے فرمایا: جو پایا گیا تو اس نے کہا: میں امن طلب کرتے ہوئے آیا ہوں، میں امان طلب کرتا ہوں۔ یہ مشکل امور ہیں۔ میرا خیال ہے اس کو اس کی پناہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس پر اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ اس کے لیے کفر تو ثابت ہے۔ پس اسے وہ چیز ظاہر کرنی ضروری ہے جو اس کے قول پر دلالت کرے، صرف یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں اور میں مومن ہوں کافی نہیں ہے نہ نماز پڑھنا کافی ہے حتیٰ کہ وہ ایسا کلمہ کہے جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم کو معلق کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (3) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں حتیٰ کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ اگر نماز پڑھے یا کوئی ایسا فعل کرے جو اسلام کے خصائص میں سے ہے تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے خیال میں اس سے وہ مسلمان نہ ہوگا مگر اس سے پوچھا جائے گا اس نماز کے پیچھے کیا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 96
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 68
3۔ ایضاً، صفحہ 37

ہے اگر وہ کہے: مسلمان کی نماز تو اسے کہا جائے گا تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ، اگر وہ یہ کہے تو اس کا صدق ظاہر ہو جائے گا اگر وہ انکار کرے گا تو ہم جان لیں گے کہ وہ مزاح کر رہا ہے اور جو اس کا یہ فعل اسلام خیال کرتا تھا اس کے نزدیک یہ انکار ردت ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کفر اصلی ہے ردت نہیں ہے۔ یہی حکم ہے جس نے سلام علیکم کہا، اسے کلمہ پڑھنے کا مکلف کیا جائے گا اگر وہ کلمہ پڑھ لے تو اس کی ہدایت ثابت ہو جائے گی اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کا عناد ظاہر ہو جائے گا اور اسے قتل کیا جائے گا۔ فَتَبَيَّنُوْا کے قول کا یہی معنی ہے یعنی مشکل امر میں خوب غور و خوض کر لو۔ او تثبتوا یعنی جلد نہ کرو۔ دونوں کا معنی برابر ہے اگر کسی نے اسے قتل کر دیا تو وہ ایک ممنوع کام کا ارتکاب کرنے والا ہو گا۔ اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محلم پر سختی کرنا اور قبر سے اس کا باہر آ جانا اس کا مخرج کیسا ہے؟ ہم کہیں گے: کیونکہ اس کی نیت سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ اسلام کی کوئی پرواہ نہیں کرتا پس اس نے اسے زمانہ جاہلیت کے بغض و دشمنی کی وجہ سے جان بوجھ کر قتل کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی جو مال لینا چاہتے ہیں۔ دنیا کے سامان کو عرض کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عارضی ہے، زائل ہونے والا ہے اور ثابت نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: دنیا کے تمام سامان کو عرض (را کے فتحہ کے ساتھ) کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے: الدنیا عرض حاضر یاکل منها البر والفاجر (1)۔ دنیا موجود سامان ہے جس سے نیک اور فاجر کھاتا ہے۔ اور العرض (را کے سکون کے ساتھ) دنانیر اور دراہم کے سوا چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ ہر عرض، عرض ہے لیکن ہر عرض، عرض نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''غنا کثرت عرض (سامان، دولت) سے نہیں ہوتی بلکہ غنا حقیقۃً نفس کا غنا ہے'' (2)۔ بعض علماء نے اس معنی کو نظم میں بیان کیا ہے۔

تقنع بما یکفیك واستعمل الرضا　　فإنك لا تدری أتصبح أم تمسی

فلیس الغنی عن کثرۃ المال إنما　　یکون الغنی والفقر من قبل النفس

یہ ابو عبیدہ کے قول کی تصحیح کرتا ہے کہ مال ہر اس چیز کو شامل ہے جو متمول ہونے کا باعث ہو۔ ''کتاب العین'' میں ہے العرض سے مراد ہر وہ چیز ہے جو دنیا سے پائی گئی ہو۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا (الانفال: 67) تم دنیا کے سامان کا ارادہ کرتے ہو۔ عرض کی جمع عروض ہے۔ ابن الفارس کی ''المجمل'' میں ہے العرض وہ مرض وغیرہ جو انسان کو لاحق ہوتی ہے۔ عرض الدنیا جو دنیا کے مال سے تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ اور العرض سے مراد وہ سامان ہے جو نقدی کے علاوہ ہے۔ اعرض الشئی کا مطلب ہے جب ظاہر اور ممکن ہو۔ العرض جو طول کے خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ جو شخص احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے آئے گا اور ممنوع چیزوں کا ارتکاب نہیں کرے گا اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سی غنیمتیں تیار کر رکھی ہیں پس تم ان نعمتوں کو گراؤ نہیں (3)۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یعنی تم بھی اپنے ایمان کو اپنی قوم کے خوف سے چھپاتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الصلوۃ، جلد 2، صفحہ 415، حدیث نمبر 3151

2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 336۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر 5965، ضیاء القرآن پبلی کیشنز　　3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 96

عزت دینے اور دین کو غالب کرنے کے ساتھ تم پر احسان فرمایا۔ اسی طرح ان میں سے ہر ایک اپنی قوم میں تمہارے ساتھ نماز پڑھنے کے انتظار میں ہے پس یہ درست نہیں کہ جب وہ تمہارے پاس پہنچے تو تم اسے قتل کر دو حتیٰ کہ معاملہ بالکل واضح ہو جائے۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے اسی طرح تم کافر تھے۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ۔ تم پر اللہ نے احسان فرمایا کہ تم اسلام لے آئے پس تم انکار نہ کرو کہ وہ اس طرح ہو پھر وہ اسلام کا اظہار کرے جب وہ تم سے ملے پس تم اس کے معاملہ میں خوب تحقیق کر لو(1)۔

مسئلہ نمبر 10۔ اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام زبان سے اقرار کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا یہ علماء فرماتے ہیں: جب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے کو ''مومن نہیں ہے'' کہنے سے منع کیا گیا ہے، تو صرف اس قول سے اسے قتل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اگر ایمان صرف زبان سے اقرار نہ ہوتا تو ان کے قول پر عیب نہ لگاتے۔ ہم نے کہا: قوم نے اس حالت میں شک کیا کہ یہ قول ان سے بچنے کے لیے کہا ہو پس انہوں نے اسے قتل کر دیا اللہ تعالیٰ نے ظاہر شریعت کے علاوہ بندوں کے لیے کوئی حکم نہیں بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أمرت ان أقاتل الناس حتی یقولوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔(2) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں حتیٰ کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کہ ایمان فقط اقرار کا نام ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ منافقین یہ قول کہتے تھے، حالانکہ وہ مومن نہیں تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے اس کی مزید وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان نے کر دی۔ أفلا شققت عن قلبه(3)۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان صرف اقرار نہیں۔ ایمان کی حقیقت تصدیق بالقلب، دل سے تصدیق کرنا ہے اور بندے کے لیے اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں مگر جو کچھ اس سے سنے۔ اس سے انہوں نے بھی استدلال کیا جنہوں نے کہا: زندیق کی توبہ قبول کی جائے گی جب وہ اسلام کو ظاہر کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زندیق اور دوسرے کافروں میں کوئی فرق نہیں کیا جب وہ اسلام کو ظاہر کرے۔ اس پر گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس آیت میں قدریہ کا رد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے مومنین پر تمام مخلوق کے درمیان سے احسان فرمایا انہیں توفیق کے ساتھ خاص فرمایا۔ اور قدریہ کہتے ہیں: اس نے تمام مخلوق کو ایمان کے لیے تخلیق کیا۔ اگر معاملہ اس طرح ہوتا جیسا کہ انہوں نے گمان کیا ہے تو مومنین کو احسان کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَبَيَّنُوْا تاکید کے لیے، پھر غور و خوض کے امر کو ذکر فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۞ یہ احکام الٰہیہ کی مخالفت سے ڈرانا ہے۔ یعنی اپنے آپ کی حفاظت کرو اور اپنے نفسوں کو ایسی لغزشوں سے بچاؤ جو تمہیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 97　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 37　　3۔ احکام القرآن للطبری، جلد 5، صفحہ 264

دَرَجَةً ۭ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، بزرگی دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا لیکن فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے۔ (ان کے لیے) بلند درجے ہیں اللہ (کی جناب) سے اور (نوید) بخشش اور رحمت ہے اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بدر سے پیچھے رہنے والے اور بدر کی طرف نکلنے والے برابر نہیں (1)، پھر فرمایا: غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ، الضَّرَرِ سے مراد اپاہج ہونا ہے۔ ائمہ حدیث سے مروی ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں انہوں نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھا آپ پر سکینت چھا گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران پر تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے زیادہ بھاری بوجھ کبھی کسی چیز کو نہیں پایا۔ پھر جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا: ''لکھو'' میں نے شانے کی ہڈی پر لکھا لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ ...... الایۃ۔ ابن ام مکتوم کھڑے تھے وہ نابینا آدمی تھے جب انہوں نے مجاہدین کی فضیلت سنی تو عرض کی: یا رسول اللہ! جو مومنین میں سے جہاد کر ہی نہیں سکتا وہ کیسے جہاد کرے؟ جب کلام مکمل ہوئی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت چھا گئی آپ کی ران میری ران پر تھی میں نے دوبارہ بوجھ محسوس کیا جس طرح پہلے محسوس کیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا: ''اے زید پڑھو''، میں نے لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ پڑھا تو رسول اللہ نے فرمایا: غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ...... الایۃ (2) ''پڑھو''۔ حضرت زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کو تنہا نازل فرمایا پھر میں نے اس کو لاحق کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! گویا میں اب اس کے ملحق کو دیکھ رہا ہوں جب کندھے کی ہڈی میں دراڑ پیدا ہوئی تھی (3)۔

بخاری میں مقسم مولی عبد اللہ بن حارث سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ کا ارشاد بدر کی جنگ میں پیچھے رہنے والوں اور بدر کی طرف نکلنے والوں کے متعلق ہے۔ علماء نے فرمایا: اہل الضرر سے مراد معذور لوگ ہیں، کیونکہ ان کے عذروں نے انہیں نقصان پہنچایا حتیٰ کہ جہاد سے انہیں روک دیا۔ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کہ آپ کسی غزوہ سے واپس آرہے تھے ''مدینہ میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 269
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 339۔ ایضاً، حدیث نمبر 2146، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ الکشاف، جلد 1، صفحہ 553

کچھ لوگ ہیں تم نے جو وادی طے کی اور تم جس جگہ چلے وہ تمہارے ساتھ تھے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عذر نے روک لیا تھا"۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صاحب العذر کو غازی کا اجر ملتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ اس کا اجر برابر ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل میں وسعت ہے اور اس کا ثواب اس کا فضل ہے نہ کہ استحقاق ہے۔ سچی نیت پر وہ ثابت ہوتا ہے جو فعل پر ثابت نہیں ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: معذور کو بغیر تضعیف کے اجر ملے گا جب کہ غازی کو تضعیف کے ساتھ اجر ملے گا، کیونکہ اس نے خود بالفعل شرکت کی۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول اصح ہے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے لیے صحیح حدیث موجود ہے کہ "مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ہیں" اور ابو کبشہ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "دنیا چار لوگوں کے لیے ہے"۔ یہ حدیث سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے اس معنی سے مراد وہ ہے جو حدیث میں وارد ہے "جب بندہ مریض ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لیے وہ لکھو جو یہ صحت میں کرتا تھا حتیٰ کہ ٹھیک ہو جائے یا میں اس کی جان قبض کر لوں" (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے اہل دیوان، اجر میں نوافل پڑھنے والوں سے زیادہ ہیں، کیونکہ اہل دیوان، عطا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور تکالیف میں مال کو خرچ کرتے ہیں اور لشکروں اور اوامر کو خوش کرتے ہیں پس وہ نوافل پڑھنے والوں سے عظیم ہوتے ہیں، کیونکہ بڑی بڑی جنگوں میں ان کے دل سکون میں ہوتے ہیں اور دل خوش ہوتے ہیں۔ ابن محیریز نے کہا: عطیہ دینے والے نفل پڑھنے والوں سے افضل ہوتے ہیں، کیونکہ وہ خوف دور کرتے ہیں۔ مکحول نے کہا: لشکروں کا خوف، قیامت کے خوف کو دور کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس سے اس شخص نے بھی دلیل پکڑی ہے جو کہتا ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے (2)، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال کا ذکر فرمایا جس کے ذریعے نیک اعمال تک پہنچا جاتا ہے۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جب کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ فقر کی وجہ سے زیادہ محتاج بن جانا مکروہ ہے اور غنا کی وجہ سے اکڑنا مذموم ہے۔ ایک قوم نے غنا کو فضیلت دی ہے، کیونکہ غنی قادر ہوتا ہے اور فقیر عاجز ہوتا ہے اور قدرت، عجز سے افضل ہوتی ہے۔ ماوردی نے کہا: یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جن پر شہرت غالب تھی۔ دوسرے علماء فقر کو فضیلت دیتے ہیں، کیونکہ فقیر تارک ہوتا ہے غنی ملابس ہوتا ہے اور دنیا کا ترک اس کی ملابست سے افضل ہے۔ ماوردی نے کہا: یہ ان کا مذہب ہے جس پر سلامتی کی محبت غالب ہے۔ بعض دوسرے دونوں امر میں توسط کو فضیلت دیتے ہیں کہ حد فقر سے غنا کے ادنیٰ مراتب کی طرف نکلے تاکہ دو امروں کی فضیلت کو پائے اور دونوں حالتوں کی مذمت سے سلامت ہو جائے۔ ماوردی نے کہا: یہ اس کا مذہب ہے جو اعتدال کو فضیلت دیتے ہیں۔ خیر الامور اوسطھا بہتر امر متوسط ہے۔ شاعر نے کتنا خوبصورت کہا:

ألا عائذا باللہ من عدم الغنی ... ومن رغبۃ یوما إلی غیر مرغب

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ یہ اہل کوفہ اور ابو عمرو کی قرأت غیرُ (رفع کے ساتھ) ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، جلد 1، صفحہ 420۔ ایضاً، حدیث نمبر 2774، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 98

اخفش نے کہا: یہ قاعدین کی صفت ہے، کیونکہ اس سے کسی متعین قوم کا ارادہ نہیں کیا گیا پس یہ نکرہ کی طرح ہو گئے ان کا غیر سے وصف بیان کرنا جائز ہے معنی یہ ہے کہ لا یستوی القاعدون غیر اولی الضرر یعنی لا یستوی القاعدون الذین ھم غیر اولی الضرر اور یہ معنی ہے لا یستوی القاعدون الاصحاء۔ یعنی صحیح بیٹھ رہنے والے برابر نہیں۔ یہ زجاج نے کہا ہے۔ ابوحیوہ نے غیرِ پڑھا ہے اور مومنین کی صفت بنایا ہے یعنی من المومنین الذین ھم غیر اولی الضرر من المومنین الاصحاء۔ اہل الحرمین نے غیر کو القاعدین یا المومنین سے استثنا کی بنا پر منصوب پڑھا ہے یعنی الا اولی الضرر۔ پس وہ مجاہدین کے ساتھ برابر نہیں اگر تو چاہے تو القاعدین سے حال کی بنا پر منصوب پڑھے یعنی لا یستوی القاعدون من الاصحاء یعنی فی حال صحتھم۔ یعنی حالت صحت میں بیٹھنے والے برابر نہیں اور القاعدون سے اس کا حال ہونا جائز ہے، کیونکہ ہم کا لفظ معرفہ کا لفظ ہے جیسا کہ تو کہتا ہے: جاءنی زید غیر مریض اور جو ہم نے نزول کا سبب ذکر کیا ہے وہ بھی نصب کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً۔ اس کے بعد فرمایا: دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً پہلے درجۃ کے ساتھ فضیلت دینا پھر درجات کے ساتھ فضیلت دینا یہ مبالغہ، بیان اور تاکید ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو معذور لوگوں میں سے بیٹھنے والوں پر ایک درجہ فضیلت دی او بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والوں پر کئی درجات فضیلت دی۔ یہ ابن جریج اور سدی وغیرہما کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: درجۃ کا معنی علو (بلندی) ہے یعنی ان کا ذکر بلند کیا اور ثنا، مدح اور تعریف کے ساتھ ان کو رفعت عطا فرمائی۔ یہ درجہ اور درجات کا معنی ہے یعنی جنت میں ان کو مدح و تعریف کے ساتھ شان رفیع عطا فرمائے گا۔ ابن محیریز نے کہا: ستر درجات ہیں اور ہر دو درجات کے درمیان ستر سال عمدہ گھوڑے کے دوڑنے کی بلندی ہے (1)۔ درجات، اجر سے بدل ہے اور اس کی تفسیر ہے، ظرف کی تقدیر پر اس کو نصب دینا بھی جائز ہے یعنی فضلھم بدرجات اور اس کا اَجْرًا عَظِيْمًا کی تاکید ہونا بھی جائز ہے، کیونکہ اجر عظیم ہی درجات، مغفرت اور رحمت ہے اور اس پر رفع بھی جائز ہے یعنی ذالك درجات، اجراً کو نصب فضل کی وجہ سے ہے اگر تو چاہے تو مصدر بنا دے او یہ احسن ہے پھر اسے فضل کی وجہ سے نصب نہ ہوگی، کیونکہ وہ اپنے دو مفعول پورے کر چکا ہے اور وہ المجاہدین اور علی القاعدین ہیں۔ اور اسی طرح درجۃ کا حکم ہے۔ الدرجات سے مراد منازل ہیں جو ایک دوسرے سے بلند ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح میں مروی ہے کہ ''جنت میں سو درجات اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار فرمائے ہیں ہر دو درجات کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے'' (2)۔

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، كُلًّا کو نصب وعد کی وجہ سے ہے اور الْحُسْنٰى سے مراد جنت ہے یعنی وعد اللہ کلا الحسنی اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا، پھر بعض علماء نے فرمایا: کلا سے مراد خاص مجاہدین ہیں۔ بعض نے فرمایا: مجاہدین اور معذور لوگ ہیں۔ واللہ اعلم۔

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 2، صفحہ 64

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، جلد 1، صفحہ 391۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر 2581، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

''بے شک وہ لوگ کہ قبض کیاان (کی روحوں) کوفرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا: تم کس شغل میں تھے؟ (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا: ہم تو بے بس تھے زمین میں۔فرشتوں نے کہا: کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تا کہ تم ہجرت کرتے اس میں؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے مگر واقعی کمزور و بے بس مرد اور عورتیں اور بچے جو نہیں کر سکتے تھے (ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ، تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے''۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل مکہ سے تھے، انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ظاہر کیا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تو وہ اپنی قوم کے ساتھ ٹھہرے رہے اور ان میں سے ایک جماعت فتنہ میں مبتلا کی گئی تو وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے جب جنگ بدر کا موقع آیا تو ان میں کچھ لوگ کفار کے ساتھ نکلے تو یہ آیت نازل ہوئی۔بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے جب مسلمانوں کی تعداد کو حقیر سمجھا تو ان کے دین میں شک داخل ہوا پس وہ مرتد ہو گئے اور ردت پر ہی قتل کیے گئے۔مسلمانوں نے کہا: یہ ہمارے مسلمان ساتھی تھے انہیں خروج پر مجبور کیا گیا تھا پس انہوں نے ان کے لیے مغفرت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلا قول اصح ہے۔امام بخاری نے محمد بن عبد الرحمٰن سے روایت کیا ہے فرمایا: اہل مدینہ سے ایک لشکر تیار کیا گیا میرا نام بھی اس میں لکھا گیا پھر میں حضرت ابن عباس کے غلام عکرمہ سے ملا، میں نے یہ ذکر کیا تو انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا پھر فرمایا: مجھے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تھے جو مشرکوں کے ساتھ تھے اور عہد رسالت میں وہ مشرکین کی جمعیت میں زیادتی کرتے تھے۔کوئی تیر آتا جو پھینکا جاتا تھا ان میں سے کسی کو لگتا اور اسے قتل کر دیتا یا اسے مارا جاتا اور وہ قتل ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ۔(1)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ یہ احتمال ہے کہ یہ ماضی کا صیغہ ہو۔علامت تانیث کے ساتھ اس کی نسبت ذکر نہیں کی گئی، کیونکہ ملائکہ کے لفظ کی تانیث غیر حقیقی ہے۔اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ فعل مستقبل ہو تتوفاھم کے معنی پر۔پھر ایک تا حذف کی گئی۔ابن فورک نے حسن سے حکایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے فرشتے انہیں ہانک کر آگ کی طرف لے جائیں

1۔صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، جلد 2، صفحہ 661۔ایضاً، حدیث نمبر 4230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے (2)۔ یہ قول اظہر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الملائکۃ سے مراد ملک الموت ہے (3)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدۃ: 11)

اور ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حال کی بنا پر منصوب ہے یعنی فی حال ظلمهم انفسهم مراد ظالمین اَنْفُسِهِمْ ہے نون کو استخفافاً حذف کیا گیا اور مضاف کیا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ: 95) (ہدی جو کعبۃ تک پہنچنے والی ہو) اور فرشتوں کا قول فِيْمَ كُنْتُمْ یہ زجر و توبیخ کے لیے سوال ہے یعنی کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں تھے یا مشرکین میں تھے اور ان کا قول كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ، الْاَرْضِ سے مراد مکہ ہے یہ غیر صحیح عذر پیش کرتا ہے، کیونکہ حیلوں کی طاقت رکھتے تھے اور راستہ حاصل کر سکتے تھے پھر فرشتوں نے انہیں اپنے دین پر ہی سمجھا، کیونکہ فرشتوں نے انہیں اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً یہ سوال و جواب اس بات کو مفید ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مرے تھے جبکہ وہ اپنی جانوں پر ہجرت ترک کرنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے تھے ورنہ اگر وہ کافر ہو کر مرتے تو انہیں یہ نہ کہا جاتا۔ ان کے اپنے عمل کی وجہ سے ان کا صحابہ میں ذکر نہیں کیا اور ایمان کے عدم تعین اور ردت کے احتمال کی وجہ سے صحابہ میں ذکر نہیں فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے مَاْوٰىهُمْ میں جو ھم ضمیر تھی اس سے ان کی استثنا فرمائی جو مردوں میں حقیقۃً اپاہج تھے اور عورتوں اور بچوں میں سے کمزور و بے بس تھے جیسے عیاش بن ابی ربیعہ، سلمہ بن ہشام وغیرہم جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں اور میری والدہ ان لوگوں میں سے تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارادہ فرمایا ہے (4)۔ اس وقت حضرت ابن عباس بچوں میں سے تھے اور ان کی والدہ ام الفضل بنت حارث تھی، اس کا نام لبابہ تھا یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی ان کی دوسری بہن لبابۃ الصغریٰ تھی یہ نو بہنیں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے فرمایا: الاخوات مومنات سب بہنیں مومنہ تھیں۔ ان میں سے سلمیٰ، عصماء اور حفیدہ تھیں۔ حفیدہ کو ام حفید کہا جاتا تھا۔ اس کا نام ہزیلۃ تھا۔ یہ چھ سگی بہنیں تھیں اور تین ماں کی طرف سے بہنیں تھیں وہ سلمیٰ اور سلامۃ اور اسماء بنت عمیس خشعمیہ جو جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھی پھر حضرت ابو بکر صدیق کی زوجہ بنیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ بنی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْمَ كُنْتُمْ یہ توبیخ کے لیے سوال ہے یہ پہلے گزر چکا ہے فیم اصل میں فیما تھا الف کو حذف کیا گیا ما استفہامیہ اور خبریہ میں فرق کرنے کے لیے ہے۔ اور اس پر وقف کی صورت میں فیمہ ہو جائے گا تاکہ الف اور حرکت حذف نہ ہو۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً سے مراد مدینۃ ہے یعنی کیا تم ہجرت کرنے پر اور جو تمہیں بے بس کرتے تھے ان سے دور ہونے پر قادر نہ تھے؟ اس آیت میں اس زمین کو چھوڑنے پر دلیل ہے جس میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا جب کسی جگہ گناہ ہوتے ہوں تو اس جگہ سے نکل جا۔ اور پھر یہ آیت تلاوت کی: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے دین کو بچانے کی خاطر زمین سے دوسری زمین کی طرف

1۔ تفسیر الحسن بصری، جلد 2، صفحہ 360
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 100
3۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 2، صفحہ 106
4۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 277

نکلا اگر چہ ایک بالشت بھی ہو تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوگا"۔

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ یعنی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ ہر مسلمان پر اس وقت ہجرت کرنا فرض تھا۔ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ تفسیر کی بناء پر منصوب ہے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً حیلہ کا لفظ عام ہے خلاصی کے لیے تمام اسباب کو شامل ہے۔ السبیل سے مراد مدینہ طیبہ کا راستہ ہے۔ یہ مجاہد اور سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ تمام راستوں میں عام ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ یہ وہ ہیں جن کے لیے ہجرت کرنے کا کوئی سبب نہ تھا ان کے لیے کوئی گناہ نہیں حتیٰ کہ انہیں معاف کیا گیا۔ معنی یہ ہے کہ یہ متوہم تھا کہ ہجرت میں انتہائی مشقت برداشت کرنا واجب ہے حتیٰ کہ جو اس مشقت کو برداشت نہیں کرے گا اسے سزا ملے گی، تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا بھی ازالہ فرما دیا، کیونکہ انتہائی مشقت اٹھانا واجب نہیں، بلکہ زادراہ اور سواری کے نہ ہونے کی صورت میں بھی ہجرت کو ترک کرنا جائز تھا۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر محاسبہ میں سختی نہیں کی جائے گی اسی وجہ سے فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ماضی، مستقبل برابر ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

"اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لیے بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ یہ شرط اور جواب شرط ہے۔ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا، المراغم کی تاویل میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا: المراغم سے مراد بچنے کی جگہ ہے (1)۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور ربیع وغیرہم نے کہا: اس سے مراد گھومنے کی جگہ اور راستہ ہے (2)۔ ابن زید نے کہا: المراغم سے مراد ہجرت گاہ ہے (3)۔ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام اقوال ہم معنی ہیں۔ المراغم ہجرت کی حالت میں چلنا ہے۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جس میں سفر کیا جاتا ہے۔ یہ الرغام سے مشتق ہے۔ رغم انف فلان یعنی اس کا ناک خاک آلود ہوا۔ راغمت فلانا میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے دشمنی کی اور اس کی ناک خاک آلود ہونے کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: ہجرت گاہ کو مہاجر اور مراغم اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ جب آدمی اسلام قبول کرتا ہے تو وہ اپنی قوم سے دشمنی کرتا ہے اور انہیں چھوڑ دیتا ہے پس اس کے نکلنے کو

1۔ تفسیر مجاہد، جلد 1، صفحہ 57، دار الکتب العلمیہ　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 522، دار الکتب العلمیہ　3۔ ایضاً

مراغماً کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف جانے کو ہجرت کہا جاتا ہے۔ سدی نے کہا: المراغم وہ جگہ جہاں معیشت کو تلاش کیا گیا ہو(1)۔ ابن القاسم نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ المراغم کا معنی زمین میں چلنا ہے(2)۔ یہ تمام تفسیر بالمعنی ہے اور ایک دوسرے کے قریب قریب معانی ہیں اور لفظ کے اعتبار سے خاص مراغم، ناک کو خاک آلود کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ ہر دو جھگڑنے والے اپنے مخالف کی ناک کو خاک آلود کرتے ہیں، کیونکہ وہ اسے اپنی مراد کے سلسلہ میں مغلوب کر دیتا ہے۔ کفار قریش گویا محبوسین کی ناکوں کو مکہ میں خاک آلود کیے ہوتے تھے پھر اگر ان میں سے کوئی ہجرت کرتا تو وہ قریش کی ناک کو خاک آلود کرتا، کیونکہ وہ ان سے محفوظ ہو جاتا تھا یہ منفعت و حفاظت مراغمۃ کی جگہ ہے۔

اسی سے نابغہ کا قول ہے:

کطَوْدٍ　یُلاذُ　بِأَرْ　کانِہ　عزیزِ　المُراغَم　والمَھْرَبَ (3)

مسئلہ نمبر2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّسَعَۃً یعنی رزق میں کشادگی۔ یہ حضرت ابن عباس، ربیع اور ضحاک کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی گمراہی سے ہدایت کی طرف اور مفلسی سے غنا کی طرف جانے میں کشادگی ہے۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد شہروں کی وسعت ہے۔ یہ فصاحت عرب کے زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ زمین کی وسعت اور کثرت سے پناہ گاہوں کی وجہ سے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور سینہ رزق کے ارادہ اور فکر کے لیے کشادہ ہو جاتا ہے اس کے علاوہ کشادگی کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی مفہوم میں شاعر کا قول ہے:

وکنتُ　إذا　خلیلٌ　رَامَ　قَطْعِی　　وجدتُ　وَرَاءَ　مَنْفَسَحا　عَرِیضاً (4)

ایک اور شاعر نے کہا:

لکان　لی　مُضْطَرَبٌ　واسِعٌ　　فی الأرض　ذاتِ　الطولِ　والعَرْضِ (5)

مسئلہ نمبر3۔ امام مالک نے فرمایا: یہ آیت دلیل ہے کہ کسی کے لیے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں جہاں سلف صالحین کو گالی دی جاتی ہوں اور ناجائز اعمال کیے جاتے ہوں۔ فرمایا: المراغم، زمین میں چلنا مراد ہے۔ السعۃ سے مراد شہروں کی وسعت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مجاہد جب جہاد کے لیے نکلے پھر قتال سے پہلے مر جائے تو اس کے لیے مال غنیمت میں حصہ ہوگا اگرچہ وہ جنگ میں شریک نہ بھی ہو۔ یہ ابن لہیعۃ نے یزید بن ابی حبیب سے اور انہوں نے اہل مدینہ سے روایت کیا ہے اور یہ ابن المبارک سے بھی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ حضرت ابن عباس کے غلام عکرمہ نے کہا: میں نے اس ہجرت کرنے والے کا چودہ سال نام تلاش کیا حتیٰ کہ میں نے وہ پالیا۔ عکرمہ کے اس قول میں اس علم کے شرف پر دلیل ہے اور اس کا اہتمام عمدہ ہے اور اس کی معرفت فضیلت ہے۔ اسی طرح کا قول حضرت ابن عباس کا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 522، دار الکتب العلمیہ　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 483

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 522　4۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 101　5۔ ایضاً

ہے: میں کئی سال ٹھہرا رہا میں حضرت عمر سے ان دو عورتوں کے نام پوچھنا چاہتا تھا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایکا کر لیا تھا اور مجھے پوچھنے سے مانع حضرت عمر کی ہیبت تھی۔ اور عکرمہ نے جس کا ذکر کیا ہے وہ ضمرہ بن عیص یا عیص بن ضمرہ بن زنباع ہے۔ طبری نے یہ سعید بن جبیر سے حکایت کیا ہے (1)۔ اسے ضمیرہ بھی کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے: جندع بن ضمیرہ بنی لیث سے تھا اور یہ مکہ میں بے بس لوگوں میں سے تھا اور یہ مریض تھا جب اس نے ہجرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا تو کہا: مجھے نکالو۔ اس کے لیے بستر تیار کیا گیا پھر اس کو اس پر ڈالا گیا، اسے نکالا گیا تو وہ راستہ میں تنعیم کے مقام پر فوت ہو گیا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا۔ ابو عمر نے ذکر کیا ہے کہ اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خالد بن حزام بن خویلد بن اخی خدیجہ تھا۔ اس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی راستے میں اسے ایک سانپ نے ڈس لیا تھا تو وہ حبشہ پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ابو الفرج جوزی نے کہا: وہ حبیب بن ضمرہ تھا۔ بعض نے کہا: وہ ضمرہ بن جندب ضمری تھا۔ یہ سدی سے مروی ہے۔ عکرمہ سے حکایت کیا گیا ہے کہ وہ جندب بن ضمرہ جندعی تھا (2)۔ ابن جابر سے حکایت کیا گیا ہے کہ وہ ضمرہ بن بغیض تھا جو بنی لیث سے تھا۔ مہدوی نے حکایت کیا ہے کہ وہ ضمرہ بن ضمرہ بن نعیم تھا (3)۔ بعض نے فرمایا: ضمرہ بن خزاعہ تھا۔ واللہ اعلم۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ کا ارشاد نازل ہوا تو مسلمانوں میں سے ایک مریض شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میرے لیے کوئی عذر ہے؟ میں راستہ جاننے والا ہوں، میں خوشحال بھی ہوں مجھے اٹھا کر لے جاؤ۔ پس لوگ اسے اٹھا کر چلے تو راستے میں اسے موت آ گئی (4)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب نے کہا: اگر وہ ہم تک پہنچتا تو اس کو اجر مکمل ہوتا وہ تنعیم میں فوت ہو گیا تھا، اس کے بیٹے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے سارا واقعہ عرض کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَ مَنْ یَّخْرُجْ...... الخ اس کا نام ضمرہ بن جندب تھا، جندب بن ضمرہ بھی کہا جاتا ہے۔ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا جو پہلے شرک کیا تھا اسے بخشنے والا ہے رَّحِیْمًا﴿ تو بہ قبول فرما کر رحمت کا مظاہرہ فرماتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن عربی نے کہا: علماء نے زمین میں سفر کرنے کی دو قسمیں بنائی ہیں (۱) بھاگ جانا (۲) طلب کرنا۔ پہلی قسم چھ قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) ہجرت یہ دار الحرب سے دار السلام کی طرف نکلنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں یہ فرض تھی۔ یہ ہجرت قیامت تک فرض باقی ہے اور جو ہجرت فتح مکہ کے ساتھ ختم ہو گئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قصد کرنا ہے۔ انسان جہاں بھی ہو اس کو دار الحرب سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے۔ اگر وہ دار الحرب میں باقی رہے گا تو گنہگار ہو گا۔ اس کی حالت مختلف ہوتی ہے۔

(۲) ایسی زمین سے نکلنا جہاں بدعات ہوتی ہوں۔ ابن القاسم نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ فرماتے سنا کہ کسی کے لیے ایسی جگہ ٹھہرنا حلال نہیں جہاں سلف صالحین کو برا بھلا کہا جاتا ہو۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح ہے برائی کو بدلنے پر جب تو قادر نہ ہو تو

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 107
2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 281
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 101
4۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 280

وہاں سے چلا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانعام) اور جب تو دیکھے انہیں جو پڑھیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے الخ۔

(۳) ایسی جگہ سے نکلنا جہاں حرام غالب ہو، کیونکہ حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۴) ایسی جگہ سے نکلنا جہاں جسمانی اذیت ہو۔ یہ اللہ کا فضل ہے اس نے اس میں رخصت دی۔ جب اسے اپنے اوپر خوف ہو تو اللہ تعالیٰ نے وہاں سے نکلنے کی اجازت دی ہے اور اسے بھاگ جانے کی اجازت دی ہے کہ ممنوع سے اپنے آپ کو بچا لے۔ سب سے پہلے یہ فعل حضرت ابراہیم نے کیا تھا جب انہیں اپنی قوم سے اذیت دینے کا اندیشہ ہوا آپ نے کہا تھا: اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ (العنکبوت:26) اور فرمایا: اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ (الصافات)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرمایا: فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ (القصص:21) تو وہ نکلا اس شہر سے ڈرتے ہوئے، انتظار کرتے ہوئے۔

(۵) مضر صحت ہوا والے شہروں میں مرض کا خوف ہو اور ان شہروں سے پر فضا مقام کی طرف جانا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کے لیے اجازت دی تھی جب انہیں مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی تھی کہ وہ چراگاہ کی طرف جائیں اور ٹھیک ہونے تک وہاں رہیں۔ اس خروج سے طاعون کی وجہ سے نکلنے سے استثنا کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے طاعون کی جگہ سے نکلنے منع فرمایا ہے حدیث صحیح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے مگر ہمارے علماء فرماتے ہیں یہ مکروہ ہے۔

(۶) مال میں اذیت کے خوف سے فرار ہونا، کیونکہ مسلمان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے اور اہل کی حرمت اس کی مثل مزید مؤکد ہے، اور رہی طلب کی قسم تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ دین کی طلب اور دنیا کی طلب، دین کی طلب۔ اپنی انواع کے متعدد ہونے کی وجہ سے سات قسموں کی طرف منقسم ہوتی ہے (۱) عبرت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الروم:9) (کیا انہوں نے سفر نہیں کیا زمین میں کہ دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے) یہ بہت زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے: ذوالقرنین نے زمین کا چکر لگایا تھا تاکہ اس کے عجائبات کو دیکھے۔ بعض نے فرمایا: تاکہ اس میں حق کا نفاذ کرے۔

(۲) سفر حج۔ پہلی صورت مستحب تھی۔ یہ فرض ہے۔ (۳) جہاد کا سفر، اس کے لیے احکام ہیں (۴) معاش کے لیے سفر۔ کبھی انسان کے ایک جگہ ٹھہرے رہنے کی وجہ سے اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے پس وہ اس کی طلب میں نکلے، اس پر زیادتی نہ کرے۔ خواہ وہ شکار کے لیے جائے یا لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لیے جائے یا گھاس کے لیے جائے یہ اس پر فرض ہے (۵) تجارت اور قوت سے زائد کمائی کے لیے نکلنا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (بقرہ:198) نہیں ہے تم پر کوئی حرج کہ تم تلاش کرو فضل اپنے رب کا۔

یہ نعمت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں احسان فرمایا۔ انفرادی طور پر کیسے جائز نہ ہوگی (جب حج میں جائز ہے (۶) علم کے طلب کرنے کے لیے سفر کرنا یہ مشہور ہے (۷) مخصوص مقامات شریفہ کا قصد کرنا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد (1)۔ سفر نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف (۸) سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا (۹) رضاء الٰہی کے لیے بھائیوں کی زیارت کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی کسی شہر میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کے راستہ پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا۔ اس نے پوچھا: تو کہاں کا ارادہ کرتا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا اس شہر میں بھائی ہے میں اس کا ارادہ کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا: کیا تیرے لیے کوئی نعمت ہے جس کی تو لجپالی کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں مگر میں اس سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کرتا ہوں۔ اس فرشتے نے کہا: میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے ایسی ہی محبت فرمائی جیسی تو نے اپنے بھائی سے محبت کی'' (2)۔ اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

''اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈرو تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں''۔

اس میں دس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ضَرَبْتُمْ تم سفر کرو۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ سفر میں قصر کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت سے مروی ہے کہ قصر کرنا فرض ہے۔ یہ عمر بن عبد العزیز، کوفی علماء، قاضی اسماعیل، حماد بن ابی سلیمان کا مسلک ہے انہوں نے حضرت عائشہ کی حدیث: فرضت الصلاة ركعتين ركعتين (3) (نماز دو دو رکعت فرض کی گئی) سے حجت پکڑی ہے۔ اس میں اس کے مخالف کے لیے حجت نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ خود سفر میں نماز مکمل پڑھتی تھیں ان کا یہ عمل اس حجت کو کمزور کر دیتا ہے۔ فقہاء امصار کا اس پر اجماع ہے کہ یہ ایسی اصل نہیں کہ مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز کا اعتبار کیا جائے۔ حضرت عائشہ کے علاوہ صحابہ جیسے حضرت عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت جبیر بن مطعم نے روایت کیا ہے کہ ان الصلوٰة فرضت في الحضر اربعاً وفي السفر ركعتين وفي الخوف ركعة (4) (یعنی نماز حضر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت فرض کی گئی) اس حدیث کو مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ پھر حضرت عائشہ کی حدیث جسے ابن عجلان نے صالح بن کیسان سے انہوں نے عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے نماز دو دو رکعت فرض کی۔ اوزاعی نے ابن شہاب سے، انہوں نے عروہ سے،

1۔ صحیح مسلم، فضل المساجد الثلاثة، جلد 1، صفحہ 447

2۔ صحیح مسلم، البر و الصلة و الأدب، جلد 2، صفحہ 317۔ صحیح بخاری، حدیث 1115، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح بخاری، تقصیر الصلوٰة، جلد 1، صفحہ 148　　4۔ صحیح مسلم، صلوٰة المسافرین و قصرها، جلد 1، صفحہ 241

انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو دو رکعت نماز فرض کی'' (الحدیث) یہ اضطراب ہے۔ پھر حضرت عائشہ کا قول فرضت الصلوٰۃ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اس سے نماز مغرب اور صبح خارج ہیں، کیونکہ مغرب میں کمی بیشی نہیں کی جاتی اسی طرح صبح میں بھی۔ یہ تمام اس حدیث کے متن کو ضعیف کرتا ہے نہ کہ اس کی سند کو۔ ابن الجہم نے حکایت کیا ہے کہ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ قصر کرنا فرض ہے۔ اور امام مالک کا مشہور مذہب اور ان کے عظیم ساتھیوں اور اکثر علماء خلف وسلف کا مذہب یہ ہے کہ قصر کرنا سنت ہے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اس کا بیان آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مالکیوں میں سے عام بغدادی علماء کا مذہب یہ ہے کہ فرض اختیار ہے۔ یہ امام شافعی کے اصحاب کا قول ہے پھر اختلاف ہے کہ کون سی صورت افضل ہے؟ بعض نے فرمایا: قصر کرنا افضل ہے۔ یہ ابہری وغیرہ کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: مکمل پڑھنا افضل ہے۔ یہ امام شافعی سے حکایت کیا گیا ہے۔ ابو سعید الفروی المالکی نے حکایت کیا ہے کہ امام مالک کے مذہب میں صحیح اتمام اور قصر میں مسافر کے لیے تخییر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی حکم اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر امام مالک کے نزدیک قصر کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح وقت کے اندر نماز کے اعادہ کا نظریہ رکھتے ہیں اگر مکمل پڑھ لی ہو۔ ابو مصعب نے اپنی ''مختصر'' میں امام مالک اور اہل مدینہ سے حکایت کیا ہے فرمایا: سفر میں مردوں اور عورتوں کے لیے قصر کرنا سنت ہے۔ ابو عمر نے کہا: تیرے لیے مذہب مالک میں یہی کافی ہے اور اس میں ان کا قول مختلف نہیں کہ جو سفر میں مکمل نماز پڑھ لے تو جب تک وقت موجود ہے اس نماز کا اعادہ کرلے۔ سمجھداروں کے نزدیک یہ استحباب ہے، ایجاب نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: خوف کے علاوہ بھی قصر کرنا سنت ہے۔ رہا سفر کے ساتھ خوف میں تو قرآن وسنت میں قصر کرنا ثابت ہے جس نے چار رکعتیں پڑھ لیں اس پر کچھ نہیں ہے میں کسی کے لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ سنت کو چھوڑ کر سفر میں مکمل نماز پڑھے۔ ابو بکر اثرم نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا: آدمی سفر میں چار رکعتیں پڑھ سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، مجھے یہ پسند نہیں، سنت دو رکعتیں ہیں۔ موطا امام مالک میں ابن شہاب سے، انہوں نے آل خالد بن اسید کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا: اے ابا عبدالرحمٰن! ہم صلاۃ خوف اور صلاۃ حضر کا ذکر تو قرآن میں پاتے ہیں لیکن سفر کی نماز کا ذکر نہیں پاتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جبکہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم اسی طرح کرتے ہیں جس طرح ہم نے آپ کو کرتے دیکھا (1)۔ حدیث پاک میں بغیر خوف کے سفر میں نماز قصر کرنے کا ذکر ہے یہ سنت ہے؟ فرض نہیں ہے، کیونکہ اس کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ قرآن میں مذکور قصر کا ذکر اس صورت میں ہے جب وہ سفر میں ہو، خوف میں ہو دونوں صورتیں جمع ہوں۔ کتاب اللہ میں صرف ان دو شرطوں کے ساتھ قصر مباح ہے اور اس کی مثل قرآن میں ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الایۃ یہ پہلے گزر چکی

1۔ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، جلد 4، صفحہ 301

ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ یعنی جب تمہیں اطمینان حاصل ہو تو نماز کو مکمل کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے چار رکعتوں والی نماز سے دو رکعتیں ادا فرمائیں مگر مغرب کی نماز مکمل پڑھتے تھے۔ تمام اسفار میں آپ قصر کرتے تھے جب کہ آپ امن میں ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی مسنون سنت ہے اور یہ اللہ کے احکام میں زیادتی ہے جس طرح کہ آپ نے تمام وہ چیزیں جن میں سنت قائم فرمائی اور انہیں بیان فرمایا جن کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول کما رئیناہ یفعل (ہم نے آپ کو جیسے کرتے دیکھا) اور اس کے ساتھ حضرت عمر کی حدیث جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بغیر خوف کے سفر میں قصر کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تلك صدقة تصدق الله عليكم فاقبلوا صدقته (1)۔ یہ صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے تم اس کو قبول کرو۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ایک چیز کو شرط کے ساتھ مباح فرماتا ہے پھر اسی چیز کو اپنے نبی ﷺ کی زبان پر بغیر شرط کے مباح فرماتا ہے۔ حضرت حنظلہ بن عمر سے سفر کی نماز کے بارے پوچھا تو فرمایا: دو رکعتیں ہیں۔ میں نے کہا: اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں تو خوف کا ذکر ہے، جب کہ ہم تو امن میں ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ حضرت ابن عمر نے اس پر سنت کا اطلاق کیا اسی طرح حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ ان دونوں حضرات کا مذہب، مسلک کیا ہے؟ ابو عمر نے کہا: امام مالک نے اس حدیث کی اسناد ذکر نہیں کی، کیونکہ انہوں نے اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا جس نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سوال کیا تھا، سند میں ایک شخص کو ساقط کر دیا اور وہ شخص جس کا ذکر نہیں کیا وہ امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدالمناف تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ مسافت کی حد میں اختلاف ہے جس میں نماز قصر کی جاتی ہے۔ داؤد نے کہا: ہر سفر میں نماز قصر کی جائے گی خواہ وہ لمبا ہو یا مختصر ہو اگرچہ وہ تین میل ہو جہاں سے لوگ جمعہ پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ انہوں نے دلیل مسلم کی حدیث سے پکڑی جو انہوں نے یحییٰ بن یزید الہنائی سے روایت کی ہے، فرمایا میں نے حضرت انس بن مالک سے نماز کی قصر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ کے سفر پر نکلتے تو دو رکعتیں نماز ادا فرماتے (2)۔ تین میل اور فرسخ میں شعبہ کو شک ہے۔ اس میں حجت نہیں، کیونکہ اس میں شک ہے ایک تقدیر پر شاید مسافت کی حد ہو جس سے قصر کا آغاز ہو اور سفر اس سے زائد طویل ہو۔ واللہ اعلم۔

ابن عربی نے کہا: ایک قوم نے دین کے ساتھ استہزا کیا، انہوں نے کہا: جو شخص اپنے شہر سے باہر نکلے وہ قصر کرے اور افطار کرے۔ اس کا قائل ایک عجمی ہے جو عربوں کے نزدیک سفر کی جو تعریف ہے اسے جانتا ہی نہیں یا دین کی تحقیر کرنے والا ہے۔ اگر علماء نے یہ ذکر نہ کیا ہوتا تو میں راضی نہ ہوتا کہ میں اسے ایک نظر کو دیکھوں اور میں اپنے دل کے فضول کے ساتھ اس میں غور ہی نہ کرتا (3)۔ اس سفر کی حد جس سے قصر واقع ہوئی ہے اس کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ سنت میں ہے۔ معاملہ اس

1۔ صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، جلد 1، صفحہ 241
2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 242
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 488

طرح ہے، کیونکہ یہ لفظ عربی ہے اس کا علم ان عربوں کے نزدیک ثابت ہے جن کو اللہ نے قرآن کے ساتھ مخاطب فرمایا اور ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ جو کسی کام کے لیے شہر سے نکلتا ہے تو وہ نہ لغۃً مسافر ہوتا ہے اور نہ شرعاً۔ اگر وہ تین دن سفر کرے تو وہ قطعاً مسافر ہوتا ہے جس طرح کہ ہم حکم لگاتے ہیں کہ جو ایک دن اور رات سفر کرے تو وہ بھی مسافر ہوتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ ایک دن کی مسافت کا سفر کرے مگر اپنے محرم کے ساتھ'' (1)۔ یہ صحیح ہے یہ دونوں حالتوں کے درمیان متوسط حالت ہے، امام مالک کا اعتماد اسی پر ہے لیکن یہ حدیث متفق علیہ نہیں ''کبھی ایک دن اور رات'' کو روایت کیا اور کبھی ''تین دن'' (2) کو روایت کیا۔

پھر وہ حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف آئے اور ان کے فعل پر اعتماد کیا، وہ مدینہ طیبہ کی رئم وادی تک نماز قصر کرتے تھے یہ چار برد کے فاصلہ پر ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت شدت سے اقتدا کرنے والے تھے۔ دوسرے علماء نے کہا: اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ قصر تخفیف کے لیے مشروع کی گئی ہے، لمبے سفر میں ہی غالباً مشقت لاحق ہوتی ہے۔ امام مالک، امام شافعی، ان کے اصحاب، لیث، اوزاعی، فقہاء اصحاب حدیث، امام احمد مکمل ایک دن کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام مالک کا قول یوما ولیلۃ پورے ایک دن کی طرف راجع ہے، کیونکہ انہوں نے مسیرۃ یوم ولیلۃ پورا دن اور پوری رات چلنا مراد نہیں لیا، انہوں نے ایسا سفر مراد لیا ہے جس میں وہ اپنے اہل سے دور ہے اور ان کی طرف لوٹنا ممکن نہیں ہے۔ بخاری میں ہے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چار برد کی مسافت میں افطار کرتے تھے اور قصر کرتے تھے۔ چار برد سے مراد سولہ فرسخ ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ امام شافعی اور طبری نے کہا: یہ چھیالیس میل ہے (3)۔ امام مالک سے عتبیۃ میں اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو اپنی زمین کی طرف پینتالیس میل کے فاصلہ پر نکلا تو وہ قصر کرے۔ یہ متقارب امر ہے۔ امام مالک سے کتب منثورہ میں مروی ہے کہ وہ چھتیس میل کی مسافت میں قصر کرے۔ یہ ایک دن اور ایک رات کے قریب ہے۔ یحییٰ بن عمر نے کہا: ہمیشہ اعادہ کرے۔ ابن الحکم نے کہا: وقت میں اعادہ کرے (اگر نماز مکمل پڑھ لی ہے) کوفیوں نے کہا: تین دن کی مسافت سے کم میں قصر نہ کرے۔ یہ حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود اور حضرت حذیفہ کا قول ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت تین دن سفر نہ کرے مگر اپنے محرم کے ساتھ'' (4)۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: تین دن کی مسافت اونٹ کی چال کے ساتھ یا پیدل چلنے کے ساتھ (قصر کا باعث ہے)۔ حسن اور زہری نے کہا: دو دن کی مسافت میں نماز قصر کرے۔ یہ قول امام مالک سے مروی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت دو دن کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر اپنے خاوند کے ساتھ یا ذی محرم کے ساتھ''۔ حضرت ابن عمر نے تیس میل کی مسافت میں قصر کی۔ حضرت انس نے پندرہ میل میں قصر کی۔ اوزاعی نے کہا: عام علماء قصر میں ایک مکمل دن کا اعتبار کرتے ہیں، ہم بھی اسی قول کو لیتے ہیں۔ ابو عمر نے کہا: اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 433
2۔ صحیح بخاری، تقصیر الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 147۔ ایضاً، حدیث 1026، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 142
4۔ صحیح بخاری، تقصیر الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 147

باب میں مرفوع آثار میں اضطراب ہے جیسا کہ تو نے ان کے الفاظ میں ملاحظہ کیا۔ میرے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ یہ مختلف سائلین کے جواب میں وارد ہوئے۔ پس جس صحابی نے جو سنا اسے بیان کیا گویا کبھی رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا عورت ایک دن بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر کبھی پوچھا گیا: کیا عورت بغیر محرم کے دو دنوں کا سفر کر سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ پھر کسی نے پوچھا: تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کر سکتی ہے؟ فرمایا: نہیں، اسی طرح رات اور برید کا مطلب ہے جو روایت کیا گیا ہے۔ ہر ایک نے وہ ادا کیا جو اس نے سنا۔ واللہ اعلم۔ اسی باب میں آثار کے معانی کو جمع کیا جا سکتا ہے اگرچہ ان کا ظاہر مختلف ہے۔ عورت کو بغیر محرم کے ایسا سفر کرنا ممنوع ہے جس میں فتنہ کا خوف ہو خواہ سفر تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ سفر کی نوعیت میں اختلاف ہے جس میں نماز قصر کی جاتی ہے۔ علماء کا جہاد حج، عمرہ اور ان کے مشابہ سفر مثلاً صلہ رحمی، احیاء نفس وغیرہ کے سفر میں قصر کرنے پر اجماع ہے۔ اس کے علاوہ سفر میں قصر کرنے پر اختلاف ہے۔ جمہور علماء مباح سفر میں قصر کے جواز کے قائل ہیں جیسے تجارت وغیرہ۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: سوائے حج یا جہاد کے نماز قصر نہ کرے (1)۔ عطا نے کہا: قصر نہ کرے مگر سفر طاعت میں اور کسی خیر کے راستہ میں۔ عطا سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر سفر مباح میں قصر کرے جس طرح کہ جمہور کا قول ہے۔ علماء سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر سفر مباح میں قصر کرے جس طرح کہ جمہور کا قول ہے۔ امام مالک نے کہا: اگر شکار کے لیے نکلا معاش کے لیے نہیں بلکہ تنزہ کے طور پر یا کسی شہر کی سیر کے لیے نکلا تو قصر نہ کرے۔ جمہور علماء نے کہا: معصیت کے سفر میں قصر نہیں جیسے باغی، ڈاکو وغیرہ۔

امام ابوحنیفہ اور اوزاعی سے ہر سفر میں قصر کرنا مباح مروی ہے (2)۔ یہ سورۂ بقرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ امام احمد سے مختلف قول مروی ہیں کبھی تو انہوں نے جمہور کے قول کے مطابق کہا اور کبھی فرمایا: صرف حج یا عمرہ کے سفر میں قصر کرے۔ صحیح وہ ہے جو جمہور نے کہا، کیونکہ قصر مسافر سے ان مشقات کی تخفیف کے لیے مشروع کی گئی ہے جو انسان کو سفر میں لاحق ہوتی ہیں اور ان امور پر معاونت کے لیے جو اسے درپیش ہوتے ہیں جو امور جائز ہوتے ہیں اور اس میں ہر سفر برابر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ۔ یعنی جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو۔ پس یہ عام ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے بندوں میں سے بہتر وہ ہیں جو جب سفر کرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور افطار کرتے ہیں“۔

امام شعبی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے جس طرح وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے عزائم (فرائض و واجبات) پر عمل کیا جائے۔ رہا سفر معصیت سو اس میں قصر جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی معصیت پر مدد ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ۠ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (المائدہ: 2) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو اور گناہ اور عدوان پر معاونت نہ کرو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 103، دار الکتب العلمیہ بیروت　2۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 4۔ علما کا اختلاف ہے کہ کب قصر کرے؟ جمہور کا نظریہ ہے کہ مسافر قصر نہ کرے حتیٰ کہ اپنے دیہات و شہر کے گھروں سے نکل جائے، اس وقت وہ سفر کرنے والا ہوگا، ''المدونہ'' میں امام مالک کا قول یہی ذکر ہے (1)۔ امام مالک نے قرب میں کوئی حد بیان نہیں فرمائی۔ امام مالک سے مروی ہے جب شہر کے لوگ اکٹھے رہتے ہوں تو وہ اپنے گھر والوں کو نماز قصر نہ پڑھائے حتیٰ کہ اپنے شہر سے تین میل تجاوز کر جائے یہی حکم لوٹنے کا بھی ہے۔ اگر اس کے اہل اکٹھے نہ رہتے ہوں تو وہ قصر کریں جب اس شہر کے باغوں سے تجاوز کر جائیں۔ حارث بن ابی ربیعہ سے مروی ہے کہ جب وہ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے گھر میں اپنے گھر والوں کو دو رکعتیں پڑھاتے۔ ان میں اسود بن یزید اور دوسرے حضرت ابن مسعود کے شاگرد بھی تھے۔ عطا بن ابی رباح اور سلیمان بن موسیٰ کا بھی یہی قول ہے (2)۔

میں کہتا ہوں: وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ کا معنی اس بناء پر یہ ہوگا کہ جب تم زمین میں سفر کرنے کا ارادہ کرلو۔ واللہ اعلم۔ مجاہد سے مروی ہے فرمایا: پہلے دن رات تک نماز قصر نہ کرے۔ یہ شاذ قول ہے (3)۔ حضرت انس بن مالک کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور عصر کی ذی الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں (4)۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ ذی الحلیفہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان چھ یا سات میل کا فاصلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ مسافر پر لازم ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت قصر کی نیت کرے۔ اگر قصر کی نیت سے نماز شروع کی پھر نماز کے درمیان قیام کا ارادہ کرلیا تو اپنی نماز کو نفل بنادے۔ اگر ایک رکعت پڑھنے کے بعد نیت بدل گئی تو دوسری رکعت ساتھ ملالے اور سلام پھیر دے پھر مقیم والی نماز ادا کرے۔ ابہری اور ابن الجلاب نے کہا: یہ مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر اس نے اپنی نماز پر بناء کرلی اور نماز کو مکمل پڑھ لیا تو نماز جائز ہوجائے گی۔ ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح ابہری اور ابن الجلاب نے کہا: کیونکہ یہ ظہر کی نماز ہے خواہ سفری ہو یا حضری ہو۔ اسی طرح پانچوں نمازوں کا حکم ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا اس مدت میں اختلاف ہے جس کی مسافر نیت کرے تو نماز کو مکمل پڑھے گا۔ امام مالک، شافعی، لیث بن سعد، طبری اور ابو ثور نے کہا: جب چار دن اقامت کی نیت کرلے تو نماز مکمل کرے۔ اور سعید بن مسیب سے یہی مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری نے کہا: جب پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو نماز مکمل پڑھے۔ اگر اس سے کم دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو قصر کرے۔ یہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ امام طحاوی نے ذکر کیا ہے صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں۔ سعید سے یہ بھی مروی ہے امام احمد نے کہا: جب مسافر نے اکیس نمازیں ایک جگہ پڑھنی ہوں تو قصر کرے۔ اگر اس سے زائد بنتی ہوں تو مکمل کرے۔ داؤد کا بھی یہی قول ہے۔ صحیح وہ ہے جو امام مالک نے کہا: کیونکہ ابن حضرمی کی حدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر کے لیے مکہ میں حج، عمرہ ادا کرنے کے بعد تین دن ٹھہرنا جائز قرار دیا ہے، پھر وہ واپس آجائے اس حدیث کو امام طحاوی اور ابن ماجہ وغیرہما نے روایت کیا ہے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 103، دار الکتب العلمیہ بیروت　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 1 صفحہ 209۔ ایضاً، حدیث نمبر 1446، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

چونکہ حج فتح مکہ سے پہلے فرض تھا اور مکہ میں ٹھہرنا جائز نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر کے لیے تین دن متعین فرمائے تا کہ وہ اپنی حوائج کو پورا کرے اور سفر کے اسباب تیار کر لے۔ آپ نے ٹھہرنے کا حکم بیان نہیں کیا اور نہ اقامت کی جگہ کا حکم لگایا اس پر اس میں مسافر کا حکم باقی رکھا اور چوتھے دن ٹھہرنے سے منع فرمایا اور اس کے لیے ٹھہرنے والے پر مقیم کا حکم لگایا یہ ایک اصل ہے جس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہود کو جلا وطن کیا تھا ان کے لیے تین دن متعین فرمائے تا کہ اپنے امور سمیٹ لیں۔ ابن عربی نے کہا: میں نے بعض مالکی علماء کو سنا کہ تین دن اقامت کے حکم سے خارج ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن پر عذاب نازل کرنا تھا اور جن کا دنیا سے خروج یقینی تھا ان میں تین دن تاخیر فرمائی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ۞ (ہود)

اس مسئلہ میں اور بھی کئی اقوال ہیں وہ یہ کہ مسافر ہمیشہ قصر کرتا رہے حتیٰ کہ اپنے وطن واپس آ جائے اور اپنے شہر میں اتر جائے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ وہ دو سال نیشاپور میں ٹھہرے رہے اور نماز قصر کرتے رہے۔ یہ ابو مجلز نے کہا میں نے حضرت ابن عمر سے کہا: میں مدینہ طیبہ آتا ہوں اور وہاں سات آٹھ مہینے اپنی حاجت طلب کرنے کے لیے قیام کرتا ہوں (میں نماز میں کیا کروں) حضرت ابن عمر نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھ۔ ابو اسحاق سبیعی نے کہا: ہم سجستان میں ٹھہرے ہمارے ساتھ حضرت ابن مسعود کے شاگرد بھی تھے ہم دو سال ٹھہرے رہے اور ہم دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عمر آذر بائیجان میں قیام کے وقت دو دو رکعتیں پڑھتے رہے، برف ان کی واپسی میں حائل ہو گئی تھی۔ ابو عمر نے کہا: ہمارے نزدیک ان احادیث کا محل یہ ہے کہ اس مدت میں ان مقیم لوگوں میں سے کسی کی قیام کی نیت نہیں تھی۔ وہ اس طرح کہتے تھے: آج چلا جاؤں گا، کل چلا جاؤں گا جب مسئلہ اس طرح ہو تو وہاں اقامت کی پختہ نیت نہیں ہو گی۔

مسئلہ نمبر 7۔ مسلم نے، عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نماز کو دو رکعت فرض کیا جب اس کو فرض کیا پھر حضر میں اسے مکمل فرمایا اور سفر کی نماز پہلے فریضہ پر قائم رکھی تھی (1)۔ زہری نے کہا: میں نے عروہ سے کہا: حضرت عائشہ سفر میں نماز مکمل کیوں پڑھتی تھیں؟ انہوں نے کہا: وہ وہی تاویل کرتی تھیں جو حضرت عثمان کرتے تھے۔ اور یہ جواب مکمل نہیں۔ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کی نماز مکمل پڑھنے کی تاویل میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ معمر نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان منیٰ میں چار رکعت پڑھتے تھے، کیونکہ آپ نے حج کے بعد اقامت کی نیت کر لی تھی اور مغیرہ نے ابراہیم سے روایت فرمایا ہے کہ حضرت عثمان نے چار رکعت نماز پڑھی، کیونکہ آپ نے اس جگہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔

یونس نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان نے طائف میں مال لیا تھا اور وہاں قیام کا ارادہ کیا تھا اس لیے چار رکعت پڑھتے تھے پھر ان کے بعد ائمہ نے اس عمل کو اپنایا۔ ایوب نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے بدوؤں کی وجہ سے نماز کو مکمل فرمایا، کیونکہ اس سال ان کی کثرت تھی تو آپ نے چار رکعتیں پڑھائیں تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں۔ ابو داؤد نے اپنی مصنف میں ''کتاب المناسک'' میں باب الصلوٰۃ بمنیٰ میں یہ تمام اقوال ذکر کیے ہیں۔

1۔ صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، جلد 1، صفحہ 241

ابوعمر نے ''التمہید'' میں ذکر کیے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعتیں مکمل پڑھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک اعرابی نے مسجد الخیف میں بلند آواز سے کہا: امیر المومنین! میں نے پہلے سال سے جب آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو میں اس وقت سے دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ حضرت عثمان کو اندیشہ ہوا کہ جہاں نماز کو دو رکعت گمان کریں گے۔ ابن جریج نے کہا: حضرت عثمان نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھی تھیں۔ ابوعمر نے کہا: حضرت عائشہ کے مکمل نماز پڑھنے کی تاویلات کے بارے کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو ان سے روایت کی گئی ہو۔ یہ سب ظنون اور تاویلات ہیں جن کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور سب سے کمزور ترین بات یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تمام لوگ آپ کے بیٹے تھے اور ان کے مکانات آپ کے مکانات تھے۔ (یہ اس لیے درست نہیں) حضرت عائشہ مومنین کی ماں اس لیے بنی تھی کہ وہ نبی کریم کی زوجہ تھیں جو مومنین کے باپ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام سفروں میں، حج اور عمرہ میں اور غزوات میں قصر کی سنت قائم فرمائی۔

حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں اور ان کے مصحف میں اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ وھواب لھم ہے۔ مجاہد نے هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (ہود: 78) کے تحت فرمایا: وہ آپ کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ وہ آپ کی امت کی بیٹیاں تھیں۔ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت کو بیان فرمانے والے تھے۔ حضرت عائشہ ایسی نہیں تھیں پس ان دونوں کا حکم جدا ہوا۔ اور اس سے بھی کمزور ترین قول یہ ہے کہ جہاں آپ نے نماز مکمل کی تھی وہاں آپ کا سفر جائز نہ تھا۔ یہ قطعاً باطل ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ خوف رکھتی تھیں اور بہت زیادہ پرہیز کرنے والی تھی ایسے سفر سے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ تھا۔ یہ تاویل شیعہ بدعتی گروہ کے جھوٹوں میں سے ہے اور ان کی تشنیعات میں سے ہے۔ سبحانك هذا بهتان عظیم۔

آپ اجتہاد کرتے ہوئے اور ثواب کی امید سے نکلی تھیں آپ فتنہ کی آگ کو بجھانا چاہتی تھیں، کیونکہ آپ زیادہ حق دار تھیں کہ آپ کا حیا کیا جائے اور امور ضبط کے ساتھ انجام پذیر ہوں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

بعض لوگوں نے کہا: آپ نے نماز مکمل کی، کیونکہ آپ صرف حج، عمرہ اور جنگ میں قصر کا نظریہ رکھتی تھیں۔ یہ بھی باطل ہے کیونکہ حضرت عائشہ سے یہ منقول نہیں ہے اور نہ آپ کے مسلک سے یہ جانا گیا ہے۔ پھر آپ نے اپنے سفر میں نماز کو مکمل فرمایا جب آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف چلی تھیں۔ سب سے بہتر قول جو آپ کی نماز کی تکمیل میں کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی رخصت کو لیا تاکہ لوگوں کو دکھائیں کہ نماز کو مکمل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ قصر افضل ہے۔ عطا نے کہا: قصر سنت اور رخصت ہے۔ وہ حضرت عائشہ سے روایت کرنے والے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، نماز مکمل بھی کی اور قصر بھی کی۔ اس حدیث کو حضرت طلحہ بن عمر نے روایت کیا اور ان سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کرتے تھے روزہ بھی رکھتے تھے اور افطار بھی کرتے تھے، نماز میں قصر بھی کرتے تھے اور مکمل بھی پڑھتے تھے۔ نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ طیبہ سے مکہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عمرہ

کیا، حتیٰ کہ جب مکہ پہنچیں تو عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ نے نماز قصر کی اور میں نے مکمل کی، آپ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! تو نے اچھا کیا'' (1)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر کوئی اعتراض نہ کیا، اسی طرح قصرت، تا مفتوحہ کے ساتھ اور أتممت تا مضمومہ کے ساتھ مقید ہے۔

اسی طرح افطرت اور صمت میں ہے۔ دارقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قصر کرتے تھے اور نماز مکمل بھی پڑھتے تھے، افطار بھی کرتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ۔ اَنْ محل نصب میں ہے یعنی فی ان تقصروا۔ ابو عبید نے کہا: اس میں تین لغات ہیں قَصَرْتُ الصلوٰة، قصرتھا و أقصرتھا۔ علماء کا اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ چار رکعتوں والی نماز میں دو رکعتیں قصر ہوں گی خوف میں اور اس کے علاوہ سفر میں بھی۔ کیونکہ حدیث حضرت یعلی بن امیہ سے یہی ثابت ہوتا ہے اس کا ذکر آگے آئے گا۔

دوسرے علماء فرماتے ہیں: دو رکعتوں والی نماز میں ایک رکعت قصر ہوگی اور سفر میں دو رکعتیں مکمل نماز ہے جیسا کہ حضرت عمر نے کہا تھا۔ یہ تمام ہے قصر نہیں ہے اور اس کا قصر ایک رکعت ہونا ہے۔ سدی نے کہا: جب تو سفر میں دو رکعت پڑھے تو وہ مکمل ہے اور قصر جائز نہیں مگر جب کہ تجھے خوف ہو۔ یہ آیت مباح کرنے والی ہے کہ ہر طائفہ ایک رکعت پڑھے اور اس پر زائد کچھ نہ پڑھے۔ اور امام کے لیے دو رکعتیں ہو جائیں گی (2)۔ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت کعب سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت حذیفہ نے طبرستان میں ایسا ہی کیا تھا جب کہ امیر حضرت سعید بن العاص سے اس کے متعلق ان سے پوچھا تھا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذی قرد میں اسی طرح ہر طائفہ کو ایک رکعت پڑھائی تھی اور انہوں نے مکمل نہیں کی تھی (3)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محارب خصفہ اور بنی ثعلبہ سے جنگ کے دن اپنے اصحاب کو اسی طرح نماز پڑھائی تھی (4)۔ حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضجنان اور عسفان کے درمیان اسی طرح نماز پڑھائی تھی۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے (5)۔ یہ قول اس کی تائید کرتا ہے۔ مگر قاضی ابو بکر بن عربی نے اپنی کتاب القبس میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ حدیث بالاجماع متروک ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن عربی وغیرہ نے اختلاف اور نزاع کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے درست نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

ابو بکر رازی حنفی نے ''احکام القرآن'' میں حکایت کیا ہے کہ یہاں قصر سے مراد رکوع و سجود کو اشارہ کے ساتھ ادا کرنا ہے

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 1، صفحہ 558　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 104
3۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 592　4۔ ایضاً　5۔ صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 241

یعنی صفت نماز میں قصر ہے۔ اور قیام کو رکوع کے ساتھ ترک کرنا مراد ہے۔ دوسرے علماء نے فرمایا: یہ آیت کریمہ جنگ میں مشغول ہونے اور تلواروں کے چلنے کے وقت نماز کی حدود اور ہیئت میں قصر کو مباح کرتی ہے۔ اس حالت میں سر کے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو مباح کیا گیا ہے اور جس طرف بھی منہ ہو ایک رکعت کو ایک تکبیر کی طرف کرنے کو مباح کیا گیا ہے (1) جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے کہا: اس کی تائید یہ ارشاد کرتا ہے: **فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ**۔ یعنی جب اطمینان ہو تو نماز کو اس کی حدود اور کامل ہیئت کے ساتھ ادا کرو۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام احوال قریب المعنی ہیں۔ یہ اس پر مبنی ہیں کہ مسافر کا فرض قصر ہے اور اس کے حق میں نماز صرف دو رکعتیں ہی نازل ہوئی ہیں پس قصر نہیں ہے نہ عزیمت میں کہا جائے گا کہ کوئی گناہ نہیں اور نہ یہ کہا جائے گا: اس نے قصر کی جس پر شروع ہی دو رکعتیں تھیں جس طرح صبح کی نماز میں اس طرح نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے قصر کا دو شرطوں کے ساتھ ذکر کیا اور جس میں یہ دونوں شرطیں معتبر ہیں وہ صلاۃ خوف ہے۔ اس کو ابو بکر رازی نے ''احکام القرآن'' میں ذکر کیا ہے اور اس سے حجت پکڑی ہے اور اس پر حدیث حضرت یعلی بن امیہ سے رد کیا گیا ہے۔ ابھی ان شاء اللہ قریب ہی وہ آجائے گی۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ خِفْتُمْ یہ غالب اعتبار سے کلام ذکر کی گئی ہے، کیونکہ مسلمان پر سفروں میں عام طور پر خوف ہوتا ہے، اسی وجہ سے یعلی بن امیہ نے کہا: میں نے حضرت عمر کو کہا: ہم قصر کیوں کریں جب کہ ہم امن میں ہیں؟ حضرت عمر نے کہا: مجھے بھی اسی طرح تعجب ہوا تھا جس طرح تجھے ہوا ہے میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ صدقہ ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر صدقہ کیا ہے پس تم اس کا صدقہ قبول کرو'' (2)۔

میں کہتا ہوں: اصحاب شافعی نے احناف کے خلاف حضرت یعلی بن امیہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا: حضرت یعلی کا قول کہ ہم قصر کیوں کریں جب کہ ہم امن میں ہیں؟ یہ قطعی دلیل ہے کہ آیت کا مفہوم رکعات میں قصر ہے۔ الکیا طبری نے کہا: امام ابو حنیفہ کے اصحاب نے اس پر کوئی ایسی تاویل پیش نہیں کی جو قابل ذکر ہو۔ پھر صلاۃ خوف میں دو شرطوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا، کیونکہ اگر ہم سفر نہ کریں اور سفر نہ پایا جائے، بلکہ ہمارے اوپر کفار حملہ آور ہو جائیں اور ہمارے شہروں میں آکر لڑیں تو صلاۃ خوف جائز ہوگی اس میں دونوں شرطوں کا وجود معتبر نہیں جس طرح کہ انہوں نے کہا ہے۔ حضرت ابی کی قرأت میں ان تقصروا من الصلوۃ ان یفتنکم الذین کفروا ہے یعنی ان کی قرأت (3) میں اِنْ خِفْتُمْ کے الفاظ نہیں ہیں۔ ان کی قرأت پر معنی یہ ہوگا ناپسند ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈال دیں اور حضرت عثمان کے مصحف میں اِنْ خِفْتُمْ کے الفاظ موجود ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ آیت سفر میں قصر کو مباح کرنے والی ہے ایسے شخص کے لیے جسے دشمن کا خوف ہو اور جو امن میں ہو اس کے لیے قصر نہیں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ سفر میں فرماتی تھیں ''اپنی نماز کو مکمل کرو''۔ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قصر کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اور خوف میں ہوتے تھے، کیا تم خوف میں ہو (4)؟ عطا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 104　　2۔ صحیح مسلم، صلوۃ المسافرین و قصرھا، جلد 1، صفحہ 360
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 104　　4۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 287

نے کہا: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے مکمل نماز پڑھنے والے حضرات یہ تھے (1) حضرت عائشہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان نے بھی مکمل پڑھی تھی لیکن اس کی مخصوص وجوہ تھیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قصر کو مباح نہیں فرمایا مگر دو شرطوں کے ساتھ۔ (۱) سفر (۲) خوف۔ اور خوف نہ ہونے کی صورت میں قصر سنت سے ثابت ہے۔ ان علماء میں سے امام شافعی ہیں ان کا قول پہلے گزر چکا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اِنْ خِفْتُمْ ماقبل کلام سے متصل نہیں۔ کلام مِنَ الصَّلٰوةِ پر مکمل ہو چکی ہے پھر اِنْ خِفْتُمْ سے کلام کا آغاز ہو رہا ہے۔ پس اے پیارے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز خوف پڑھاؤ اور اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ کا قول جملہ معترضہ ہے۔ یہ جرجانی کا قول ہے۔ اور مہدوی وغیرہم نے یہی ذکر کیا ہے۔ قشیری اور قاضی ابوبکر بن عربی نے اس قول کا رد کیا ہے۔ قشیری ابو نصر نے کہا: اس حمل میں شدید تکلف ہے اور خواہ مخواہ کلام میں اطناب کیا ہے، انہوں نے جرجانی پر تنقید کی ہے کلام کو مقدر کرنے اور امثلہ بیان کرنے میں۔ ابن عربی نے کہا: ان تمام تاویلات کے حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور حضرت یعلی بن امیہ محتاج نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ جرجانی نے کہا ہے اس کے مطابق ایک حدیث آئی ہے جسے قاضی ابو الولید بن رشد نے مقدمات میں اور ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: ایک تاجر گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے پوچھا: ہم زمین میں سفر کرتے ہیں تو ہم نماز کیسے پڑھیں؟ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ۔ پھر کلام ختم ہوئی۔ اس کے بعد جب ایک سال گزر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین سے جہاد کیا آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو مشرکین لعنہم اللہ نے کہا: محمد اور آپ کے اصحاب نے تمہیں پیچھے سے حملہ کرنے کا موقع دیا ہے تم ان پر حملہ کیوں نہیں کر دیتے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا: ان کے پیچھے دوسرے لوگ موجود ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے دو نمازوں کے درمیان یہ ارشاد: اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا نازل فرمایا (2)۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس کے ہوتے ہوئے کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس میں بغیر خوف کے قصر پر قرآن سے دلیل موجود ہے۔ حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ۔ سفر میں نماز کے بارے میں نازل ہوا پھر اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ایک سال بعد نماز خوف کے بارے نازل ہوا، اس بنا پر آیت اپنے ضمن میں دو قضیے اور دو حکم رکھتی ہے۔ پس اِذَا ضَرَبْتُمْ سفر کے متعلق ہے یہاں پر کلام مکمل ہے پھر ایک دوسرے فریضہ کی ابتدا ہوئی اور شرط کو مقدم کیا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا و اذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ اور واؤ زائدہ ہے اور جواب فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ ہے اور اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا جملہ معترضہ ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ خوف کا ذکر سنت سے منسوخ ہے وہ حضرت عمر کی حدیث ہے جو اس کی ناسخ ہے، کیونکہ انہوں نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 104　2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 286

انہیں فرمایا: ''یہ صدقہ ہے اس کے ساتھ تم پر اللہ تعالیٰ نے صدقہ کیا ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو''۔

نحاس نے کہا: جس نے بغیر خوف کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کرنا تسلیم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو آیت کا ناسخ بنایا یہ غلط ہے، کیونکہ آیت میں امن کی حالت میں قصر سے منع نہیں ہے اس میں خوف کی حالت میں قصر کی اباحت ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ فراء نے کہا: اہل حجاز کہتے ہیں فتنت الرجل اور ربیعہ، قیس، اسد اور تمام نجدی کہتے ہیں افتنت الرجل۔ خلیل اور سیبویہ نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے انہوں نے کہا: فتنته کا مطلب ہے میں نے اس میں فتنہ ڈالا جیسے اکحلته ہے اور افتنته کا مطلب ہے میں نے اسے فتنہ والا بنایا۔ اصمعی نے کہا: وہ افتنته نہیں جانتے۔ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا یہاں عدو بمعنی اعداء ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا (۱۰۲)

''اور (اے حبیب!) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ اور وہ پکڑ رکھیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کر چکیں تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے اور آ جائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور لیے رہیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار، تمنا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور نہیں کوئی حرج تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار تو اتار دو اپنے ہتھیار مگر (دشمن کی نقل و حرکت سے) ہوشیار رہو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا''۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ دارقطنی نے ابوعیاش زرقی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسفان میں تھے، مشرکین سے ہمارا مقابلہ ہوا ان کے جرنیل خالد بن ولید تھے اور ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی مشرکین نے کہا: مسلمان اس حالت پر ہیں کہ ہم ان پر حملہ کریں۔ فرمایا: پھر کہا: ابھی مسلمانوں پر ایسی نماز کا وقت ہونے والا ہے جو انہیں اپنے بیٹوں اور

اپنے نفسوں سے زیادہ عزیز ہے۔ فرمایا: جبریل امین ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت کریمہ لے کر آئے (1): وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ آگے حدیث پوری ذکر کی۔ مکمل حدیث ان شاءاللہ آگے آئے گی۔

یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب تھا یہ آیت سابقہ جہاد کے ذکر سے متصل ہے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ نماز سفر اور جہاد اور دشمن کے قتال کے عذر سے بھی ساقط نہیں ہوتی لیکن اس میں رخصت ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ اور اس سورت میں علماء کے اختلاف کا بیان گزر چکا ہے۔ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور قیامت تک بعد کے امراء کو شامل ہے اس کی مثل یہ ارشاد ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (توبہ:103) (ان کے اموال سے صدقہ لو) یہ تمام علماء کا قول ہے۔ امام ابو یوسف اور اسماعیل بن علیہ نے شاذ قول کیا ہے یہ دونوں حضرات کہتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صلاۃ خوف نہیں پڑھیں گے (2)، کیونکہ خطاب خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے کیونکہ فرمایا: وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ جب آپ ان میں نہ ہوں گے تو نماز خوف بھی ان کے لیے نہ ہوگی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ تمام لوگ پسند کرتے تھے کہ آپ کی اقتدا کریں اور آپ کے پیچھے نماز پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لیے فضیلت میں اس مقام پر فائز ہونا ممکن نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کے احوال برابر اور متقارب ہیں، اسی وجہ سے امام ایک فریق کو نماز پڑھائے گا اور دوسرے فریق کے لیے کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دے گا۔ رہا یہ کہ تمام ایک امام کے پیچھے نمازیں پڑھیں یہ نہیں ہوگا۔ جمہور علماء نے کہا: ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں دوسری آیت اور حدیث میں آپ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ (النور:63) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صلوا کما رأیتمونی أصلی (3) تم نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع مطلقاً لازم ہے حتیٰ کہ خصوص پر کوئی واضح دلیل دلالت کرے اگر معاملہ اس طرح ہوتا جو انہوں نے خصوص کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے تو پھر خطابات کا ان کے ساتھ خاص ہونا لازم ہوتا جن کی طرف خطابات متوجہ تھے، اس وقت شریعت کا ان کے ساتھ منحصر ہونا لازم ہوگا جن سے خطاب کیا گیا۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نماز میں خصوص کے توہم کو ترک کیا اور انہوں نے غیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی اس کو جائز قرار دیا جب کہ صحابہ کرام حرام اور حلال کو زیادہ جاننے والے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الانعام:68) اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو پڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے اعراض کرلے حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں پڑیں۔

یہ خطاب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور آپ کی امت بھی اس میں داخل ہے، اس کی بہت سی مثالیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (توبہ:103) یہ تمام ان احکام کو آپ کے ساتھ خاص کرنے کا موجب نہیں بلکہ بعد والے

1۔ المستدرک للحاکم، صلوٰۃ الخوف، جلد 1، صفحہ 486، حدیث نمبر 1252
2۔ زاد المسیر، جلد 1، صفحہ 110
3۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 888

بھی آپ کے قائم مقام ہیں۔ اسی طرح وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ میں ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا حضرت ابوبکر صدیق صحابہ کی جماعت میں تھے انہوں نے جنگ کی ان لوگوں سے جنہوں نے زکوٰۃ میں تاویل کی جس طرح صلاۃ خوف میں تم نے تاویل کی۔ ابو عمر نے کہا: زکوٰۃ لینے میں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد والے خلفاء برابر تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے والے اور دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز میں مشابہت نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ لینے کا فائدہ مساکین کو فائدہ پہنچانا ہے اس میں عطا کرنے والے کو اس طرح فضیلت نہیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے والے کو فضیلت ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ یعنی ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو۔ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ یعنی جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ اور کہا جاتا ہے: وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دشمن کے مقابلہ میں ہیں وہ ہتھیار اٹھائیں۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر طائفہ کے لیے صرف ایک رکعت کا ذکر کیا ہے لیکن احادیث میں ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائی، جیسا کہ آگے آئے گا۔ فَلْتَقُمْ اور فَلْيَكُوْنُوْا کے قول سے کسرہ کو اس کے ثقل کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ اخفش، فراء اور کسائی نے حکایت کیا ہے کہ لام امر، لام جحود کو فتحہ دیا جاتا ہے۔ سیبویہ علت موجبہ کی وجہ سے اس سے منع کرتے ہیں اور وہ علت لام جر اور لام تاکید کے درمیان فرق ہے اس امر سے مراد تقسیم ہونا ہے یعنی تمام کا دشمن کے سامنے ہونا ہے کہ ان کے حملہ سے بچا جائے۔

نماز خوف کی ہیئت میں روایات مختلف ہیں۔ روایات کے اختلاف کی وجہ سے علماء کے مذاہب میں بھی اختلاف ہے۔ ابن القصاء نے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ مقامات پر صلاۃ خوف پڑھی۔ ابن عربی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس مرتبہ صلاۃ خوف پڑھی (1)۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: جو اہل حدیث کے امام ہیں اور حدیث میں نقل کی علل کی معرفت میں متقدم ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ صلاۃ خوف میں کوئی حدیث مروی ہے مگر وہ حدیث ثابت ہے۔ یہ تمام احادیث صحیح ثابت ہیں جس حدیث کی بنا پر کوئی صلاۃ خوف پڑھے گا اس کے لیے جائز ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اسی طرح ابو جعفر طبری نے کہا: امام مالک اور ان کے تمام اصحاب، سوائے اشہب، کا نظریہ صلاۃ خوف میں سہل بن ابی حثمہ کی حدیث کے مطابق ہے۔ وہ حدیث امام مالک نے موطا میں یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے قاسم بن محمد سے، انہوں نے صالح بن خوات انصاری سے روایت کی ہے کہ سہل بن ابی حثمہ نے انہیں بیان کیا کہ صلاۃ خوف میں امام کھڑا ہو اور اس کے ساتھ اس کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ کھڑا ہو اور ایک گروہ دشمن کے سامنے ہو۔ امام اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور سجدہ کرائے جو اس کے ساتھ ہیں پھر امام کھڑا ہو جب امام سیدھا کھڑا ہو جائے تو ٹھہر جائے اور باقی رکعت مقتدی خود مکمل کریں پھر وہ سلام پھیر دیں پھر وہ چلے جائیں اور امام کھڑا رہے، اب یہ گروہ جو نماز پڑھ چکا ہے دشمن کے سامنے چلا جائے پھر وہ آ جائیں جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی وہ امام کے پیچھے تکبیر کہیں، امام انہیں ایک رکعت پڑھائے، سجدہ کرے پھر سلام پھیر

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 491

دے، وہ کھڑے ہو جائیں اور دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیں۔

ابن القاسم جو امام مالک کے شاگرد ہیں انہوں نے کہا: امام مالک کے نزدیک عمل قاسم بن محمد عن صالح بن خوات کی حدیث کے مطابق ہے۔ ابن القاسم نے کہا: وہ یزید بن رومان کی حدیث پر عمل کرتے تھے پھر انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ ابو عمر نے کہا: قاسم کی حدیث اور یزید بن رومان کی حدیث دونوں صالح بن خوات سے مروی ہیں مگر ان کے درمیان سلام میں فرق ہے۔ قاسم کی حدیث میں ہے کہ امام دوسرے طائفہ کو سلام پھیرائے پھر وہ کھڑے ہوں اور خود اپنی رکعت کو قضا کریں اور یزید بن رومان کی حدیث میں ہے کہ وہ انتظار کرے اور انہیں سلام پھیرائے۔

امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے اور اسی کی طرف امام شافعی کا رجحان ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: یزید بن رومان کی حدیث صالح بن خوات سے جو مروی ہے وہ صلاۃ خوف میں مروی احادیث میں سے کتاب اللہ کے ظاہر کے زیادہ مشابہ ہے اور میں بھی کہتا ہوں: امام مالک نے قاسم کی حدیث کو اختیار کرنے کی حجت تمام نمازوں پر قیاس کو بنایا ہے، کیونکہ تمام نمازوں میں امام کسی کا انتظار نہیں کرتا جو پہلے گزر چکا ہوتا ہے۔ اور سنت جس پر اجماع ہے وہ یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام کے بعد اپنی بقیہ نماز کی قضا کریں گے۔ ابو ثور کا قول اس مسئلہ میں امام مالک کے قول کی طرح ہے اور امام احمد نے امام شافعی کے قول کی طرح کہا جو ان کا مختار قول ہے وہ کسی پر عیب نہیں لگاتے تھے جو صلاۃ خوف کے متعلق کسی بھی طریقہ پر عمل کر لیتا تھا۔ اصحاب مالک میں سے اشہب کا اختیار حضرت ابن عمر کی حدیث ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسرا طائفہ دشمن کے سامنے تھا پھر وہ واپس آئے وہ اپنے ساتھیوں کی جگہ دشمن کے سامنے آئے اور وہ لوگ آئے جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی پھر انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت پڑھائی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سلام پھیر دیا پھر ہر ایک گروہ نے اپنی اپنی رکعت خود ادا کی (1)۔ حضرت ابن عمر نے کہا: جب خوف اس سے زیادہ ہو تو سوار ہو کر یا کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھیں۔ یہ امام بخاری، امام مسلم، امام مالک وغیرہم نے تخریج کیا ہے۔ اس طریقہ کو اوزاعی نے اختیار کیا۔ اس کو ابو عمر بن عبد البر نے پسند کیا ہے فرمایا: یہ سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور یہ اہل مدینہ کے نقل کے ساتھ وارد ہے اور ان کے مخالف پر حجت قائم ہے، کیونکہ اصول کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ پہلا اور دوسرا گروہ انہوں نے اپنی رکعت کو نبی کریم ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد قضا کیا اور متفق علیہ سنت سے معروف ہے بقیہ تمام نمازوں میں۔ رہے کوفی علماء، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سوائے امام ابو یوسف کے، ان کا نظریہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث کے مطابق ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور دار قطنی نے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھائی صحابہ کرام نے دو صفیں بنائیں ایک صف نبی کریم ﷺ کے پیچھے تھی اور دوسری دشمن کے سامنے تھی، نبی کریم ﷺ نے اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور پھر دوسرا گروہ آیا وہ پہلے ساتھیوں کی جگہ کھڑے ہوئے اور پہلا گروہ دشمن کے سامنے چلا گیا انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیر دیا پھر یہ لوگ کھڑے ہوئے اور ایک رکعت خود پڑھی پھر سلام پھیر دیا وہ چلے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 592

گئے اور ان ساتھیوں کی جگہ کھڑے ہوئے جو دشمن کے سامنے تھے وہ پہلا گروہ ان کی جگہ آیا اور اپنی ایک رکعت پڑھی اور سلام پھیر دیا(1)۔ یہ طریقہ اور پہلا طریقہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے مگر ان کے درمیان فرق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں ان کی قضا ایک حالت میں ظاہر ہوتی ہے اور امام اکیلا نگران کی طرح باقی رہتا ہے اور یہاں ان کی قضا ان کی نماز کی صفت پر متفرق ہے۔ بعض علماء نے حضرت ابن عمر کی حدیث کی حضرت ابن مسعود کی حدیث میں مروی طریقہ پر تاویل کی ہے حضرت ابن مسعود کی حدیث پر ثوری، اشہب بن عبدالعزیز کا مسلک قائم ہے جیسا کہ ابوالحسن لخمی نے ان سے روایت کیا ہے اور پہلا قول ابوعمر، ابن یونس اور ابن حبیب نے ان سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت حذیفہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر طائفہ کو ایک رکعت پڑھائی اور انہوں نے قضا نہیں کی (2)۔ یہ حضرت ابن عباس کی حدیث کا مقتضیٰ ہے کہ صلاۃ خوف میں ایک رکعت ہے یہ اسحاق کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے، نماز اس کے مطابق اولیٰ ہے جس میں احتیاط ہو اور حضرت ابن عباس کی حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی اور حدیث حذیفہ وغیرہ کی حدیث میں لم یقضوا اس پر محمول ہوگی کہ جن لوگوں نے روایت کیا ان کے علم میں ہے کہ انہوں نے بقیہ رکعت ادا نہیں کی، کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس نماز میں ایک رکعت بعد میں ادا کی اور جنہوں نے زیادتی کی شہادت دی وہ اولیٰ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ لم یقضوا سے مراد یہ ہو کہ انہوں نے قضا نہ کی جب وہ امن میں ہوئے۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ خوف زدہ کو جب امن ہو جائے تو خوف کی نمازیں جو وہ پہلے ادا کر چکا ہے ان کی قضا نہیں کرے گا۔ یہ تمام اقوال ابوعمر نے ذکر کیے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر وہ پیچھے چلے گئے اور پھر دوسرے طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائیں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے چار رکعتیں تھیں اور مقتدیوں کے لیے دو دو رکعتیں تھیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور دارقطنی نے حسن عن ابی بکرہ کی حدیث سے تخریج کیا ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرا(3)۔ اس حدیث کو دارقطنی نے حسن عن جابر کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا پھر دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا۔

ابوداؤد نے کہا: حضرت حسن اس کے ساتھ فتویٰ دیتے تھے۔ امام شافعی سے بھی یہ مروی ہے۔ اس سے ان علماء نے حجت پکڑی ہے جو نماز میں امام اور مقتدی کی نیت کے اختلاف کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ امام شافعی، اوزاعی، ابن عطیہ، امام احمد بن حنبل اور داؤد کا مذہب ہے۔ انہوں نے حضرت جابر کی حدیث سے تائید حاصل کی ہے کہ حضرت معاذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کے پاس آتے تھے اور اپنی قوم کی امامت کراتے تھے۔ (الحدیث) امام طحاوی نے فرمایا: یہ ابتداء اسلام میں تھا، کیونکہ ابتدائے اسلام میں ایک فریضہ دو مرتبہ ادا کرنا جائز تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ یہ صلاۃ خوف کے بارے علماء کے اقوال ہیں۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 176 2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 177 3۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 3۔ یہ نماز ہے جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اس کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ مسلمانوں کی قبلہ کی طرف پیٹھ ہو اور دشمن کا قبلہ کی طرف منہ ہو۔ ذات الرقاع میں ایسا اتفاق ہوا تھا۔ عسفان اور دوسری جگہوں پر مسلمانوں کا رخ قبلہ کی جانب تھا اور جو ہم نے خالد بن ولید کے قصہ میں نزول کا سبب ذکر کیا ہے وہ قوم کو دو حصوں میں تفریق کرنے کے مناسب نہیں، کیونکہ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ کے قول کے بعد حدیث میں فرمایا: نماز کا وقت ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے دو صفیں بنائیں، پھر آپ نے رکوع کیا تو ہم تمام نے رکوع کیا۔ فرمایا: پھر آپ نے سر اٹھایا تو ہم نے بھی سر اٹھایا۔ فرمایا: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی صفت کے ساتھ سجدہ کیا جو آپ سے متصل تھی اور دوسرے لوگ ان کی حفاظت کرتے ہوئے کھڑے رہے، جب انہوں نے سجدہ کیا اور کھڑے ہوئے تو دوسرے بیٹھے اور اپنی جگہ سجدہ کیا۔ فرمایا: پھر یہ ایک دوسرے کی جگہ چلے گئے۔ فرمایا: پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری رکعت کا رکوع کیا اور سب لوگوں نے رکوع کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر اٹھایا تو سب لوگوں نے سر اٹھایا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا اور اس صف نے سجدہ کیا جو آپ کے ساتھ متصل تھی اور دوسرے نگرانی کرتے ہوئے کھڑے رہے، پھر وہ بیٹھے سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر سلام کیا (1)۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ صلاۃ خوف پڑھی ایک مرتبہ عسفان میں اور ایک مرتبہ بنی سلیم کی زمین میں اس کو ابوداؤد نے ابو عیاش زرقی کی حدیث سے تخریج کیا ہے۔ یہ ثوری کا قول ہے اور زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔ ابو عیسیٰ نے ترمذی میں یہ طریقہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے اس حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور ہر طائفہ کے لیے ایک ایک رکعت تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دو رکعتیں تھیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت ابو عیاش زرقی، ان کا نام زید بن صامت ہے، حضرت ابن عمر، حضرت حذیفہ، حضرت ابو بکر اور حضرت سہل بن حثمہ سے بھی مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: ان روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اکٹھی نماز پڑھائی ہو جس طرح حضرت ابو عیاش کی حدیث میں ہے اور ان کو دوسری نماز پڑھائی ہو جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں آیا ہے اس میں اس شخص کے لیے حجت ہے جو کہتے ہیں نماز خوف ایک رکعت ہے۔ خطابی نے کہا: صلاۃ خوف کی کئی صورتیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف ایام میں مختلف اشکال میں ادا فرمائی آپ نے ہر اس طریقہ کو اختیار فرمایا جس میں نماز کے لیے احتیاط بھی تھی اور حراست و حفاظت کے لیے بھی زیادہ بلیغ تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ مغرب کی نماز کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ دار قطنی نے حسن عن ابی بکرہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم کو مغرب کی تین رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ چلے گئے اور دوسرے لوگ آئے انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی تین رکعتیں پڑھائیں، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چھ رکعت ہوئیں اور مقتدیوں کیلئے تین تین رکعتیں ہوئیں (2)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 177

2۔ المستدرک للحاکم، صلوٰۃ الخوف، جلد 1، صفحہ 486، حدیث نمبر 1251

حسن کا یہی قول ہے۔ جمہور علماء صلاۃ مغرب میں اس نظریہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں: وہ پہلے طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے طائفہ کو ایک رکعت پڑھائے۔

پھر اس میں علماء کے اصول کے اختلاف کی بنا پر بقیہ نماز کب قضا کی جائے گی؟ کیا سلام سے پہلے یا سلام کے بعد؟ یہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا نظریہ ہے، کیونکہ اس میں نماز کی ہیئت کی زیادہ حفاظت ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں ایسا ہی کیا تھا (1)۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ سخت جنگ اور شدت قتال اور وقت کے خروج کے خوف میں نماز خوف ادا کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک، ثوری، اوزاعی، امام شافعی اور عام فقہاء فرماتے ہیں: جیسے ممکن ہو نماز ادا کرے، کیونکہ حضرت عمر کا قول ہے: اگر خوف اس سے زیادہ ہو تو سوار ہو کر یا کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے۔ موطا میں ہے خواہ قبلہ کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔ سورۂ بقرہ میں ضحاک اور اسحاق کا قول گزر چکا ہے۔ اوزاعی نے کہا: اگر فتح تیار ہو اور وہ نماز پر قادر نہ ہوں تو ہر شخص خود اشارہ سے نماز پڑھے اور اگر اشارہ سے بھی ادا کرنے پر قادر نہ ہوں تو نماز کو موخر کر دیں حتیٰ کہ جنگ ختم ہو جائے اور امن میں ہو جائیں تو دو رکعتیں ادا کریں۔ اگر وہ قادر نہ ہوں تو ایک رکوع اور دو سجدے ادا کریں، اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو ان کے لیے تکبیر کافی ہوگی وہ نماز کو موخر کریں حتیٰ کہ امن میں ہو جائیں۔ یہی مکحول کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ الکیا طبری نے "احکام القرآن" میں امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے حکایت کیا ہے۔ الکیا نے کہا: جب خوف اس سے زیادہ ہو اور جنگ اپنے عروج پر ہو تو مسلمان قبلہ یا غیر قبلہ کی طرف جیسا بھی ممکن ہو نماز پڑھیں۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ثلاثہ اس پر متفق ہیں کہ وہ نماز نہ پڑھیں جب کہ یہ حالت ہو بلکہ نماز مؤخر کر دیں، اگر وہ نماز کے اندر جنگ لڑیں گے تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام شافعی سے حکایت کیا گیا ہے طعن اور ضرب پے در پے لگائی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ قول حضرت انس کے قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: تستر قلعہ کی فتح فجر کی روشنی کے وقت ہوئی سخت جنگ ہوئی تو ہم نماز نہ پڑھ سکے مگر سورج بلند ہونے کے بعد ہم نے نماز پڑھی جب کہ حضرت ابو موسیٰ کے ساتھ تھے اور ہمیں فتح حاصل ہو چکی تھی۔ حضرت انس نے کہا: مجھے اس نماز کے عوض دنیا و مافیہا محبوب نہیں۔ یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔ اس کی طرف ہمارے شیخ الاستاد ابوجعفر بن محمد بن محمد القیسی القرطبی المعروف بابی حجۃ کا میلان ہے۔ یہی ظاہراً امام بخاری کا مختار ہے، کیونکہ انہوں نے اس کے پیچھے حدیث جابر کو ذکر کیا ہے فرمایا: جنگ خندق کے دن حضرت عمر آئے وہ کفار قریش کو گالی دے رہے تھے اور عرض کر رہے تھے: یا رسول اللہ! میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے بھی نماز نہیں پڑھی۔ فرمایا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطحان وادی میں اترے، وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد نماز عصر پڑھی پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی (2)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 494

2۔ صحیح بخاری، مواقیت الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 83

مسئلہ نمبر 6۔ حملہ آور اور جس کا پیچھا کیا گیا ہے اس کی نماز میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک اور ان کے ساتھیوں کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، ہر ایک اپنی سواری پر نماز پڑھے گا۔ اوزاعی، امام شافعی اور فقہاء اصحاب الحدیث اور ابن عبدالحکم نے کہا: پیچھا کرنے والا (حملہ آور) زمین پر نماز پڑھے یہ صحیح ہے، کیونکہ پیچھا کرنا نفل ہے اور فرض نماز کا زمین پر ادا کرنا فرض ہے جہاں ممکن ہو اور سوار سواری پر نماز نہ پڑھے مگر جب اسے شدید خوف ہو، جب کہ پیچھا کرنے والا ایسا نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ چھاؤنی میں لشکر موجود تھا انہوں نے ایک تاریکی دیکھی انہوں نے اسے دشمن گمان کیا انہوں نے صلاۃ خوف پڑھ لی پھر ظاہر ہوا کہ وہ کوئی دشمن نہیں ہے۔ ہمارے علماء کی ایسی صورت میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ نماز کا اعادہ کریں۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ دوسری یہ کہ ان پر اعادہ نہیں ہے یہ امام شافعی کا اظہر قول ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے خطا ظاہر ہو گئی ہے پس وہ درست عمل کی طرف لوٹیں جیسا کہ حاکم کا حکم ہوتا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تو ان کے لیے یہ جائز تھا جیسا کہ اگر قبلہ کی سمت میں خطا کر بیٹھیں اور نماز پڑھ لیں تو ان پر اعادہ نہیں ہوتا۔ یہ اولیٰ ہے، کیونکہ انہوں نے وہی کچھ کیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ وقت کے اندر لوٹائیں اور اگر وقت نکل چکا ہو تو نہ لوٹائیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ اور فرمایا: وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ یہ احتیاط اور ہتھیار اٹھانے کی صفتیں ہیں تا کہ دشمن اپنی آرزو پوری نہ کر لے اور فرصت کو نہ پائے۔ السلاح اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان جنگ میں اپنا دفاع کرتا ہے۔ عنترہ نے کہا:

كَسَوْتُ الجَعْدَ جعدَ بني أَبانٍ سلاحِي بعد عُرْيٍ و أفتضاح

کہتا ہے: میں نے اسے اپنے ہتھیار دیئے تا کہ ان کے ساتھ وہ اپنی حفاظت کرے اس کے بعد کہ وہ ہتھیاروں سے خالی ہو چکا تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ یعنی وہ طائفہ ہتھیار اٹھائے جو دشمن کے سامنے ہے، کیونکہ نماز پڑھنے والا طائفہ جنگ نہیں کر رہا۔ حضرت ابن عباس کے علاوہ علماء نے کہا: نماز پڑھنے والا طائفہ ہتھیار اٹھائے۔ یعنی جو پہلے نماز پڑھنے والے ہیں وہ اپنے ہتھیار اٹھائیں۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ احتمال ہے کہ وہ گروہ جس کو نماز میں ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے یعنی ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور انہیں اپنے ہتھیار لینے چاہئیں، کیونکہ اسے دشمن کا زیادہ خوف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تمام کے لیے ہو، کیونکہ اس میں دشمن کے لیے ہیبت ہو گی اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم صرف اس گروہ کو ہو جو دشمن کے سامنے ہے۔ ابو عمر نے کہا: اکثر اہل علم اس نماز کے لیے ہتھیار اٹھانا مستحب قرار دیتے ہیں جو خوف میں نماز پڑھ رہا ہو۔ اور وہ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ کے قول کو ندب پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اگر خوف نہ ہوتا تو اس کا اٹھانا واجب نہ ہوتا پس اس کا امر استحبابی ہے۔ اہل ظاہر نے کہا: نماز خوف میں ہتھیار اٹھانا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مگر جسے بارش وغیرہ کی وجہ سے اذیت ہو تو اس کے لیے

واجب نہیں۔ اگر بارش وغیرہ ہو تو اس کے لیے ہتھیار اتارنا جائز ہے۔ ابن عربی نے کہا: جب وہ نماز پڑھیں تو خوف کے وقت اپنے ہتھیار اٹھائیں۔ یہی امام شافعی کا قول ہے اور یہ قرآن کی نص ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: وہ ہتھیار نہ اٹھائیں، کیونکہ اگر ان پر ہتھیار اٹھانا واجب ہوتا تو ہتھیار نہ اٹھانے کی صورت میں نماز باطل ہوتی۔ ہم کہتے ہیں: نماز کی وجہ سے ہتھیار اٹھانا واجب نہیں بلکہ ان پر قوت و نظر کی خاطر ہتھیار اٹھانا واجب ہے(1) (یعنی کفار کے سامنے قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو)

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا سَجَدُوْا اس میں ضمیر اس گروہ کے لیے ہے جو نماز پڑھ رہا ہے پھر وہ لوٹ جائیں۔ یہ بعض مروی ہیئات پر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے جب وہ قضا رکعت کا سجدہ کرلیں اور یہ حضرت سہل بن ابی حثمہ کی ہیئت پر ہے۔ یہ آیت دلیل ہے کہ نماز کو کبھی سجدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرح ہے اذا دخل احد کم المسجد فلیسجد سجدتین (2) یعنی جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے۔ یہ سنت ہے اور فَلْيَكُوْنُوْا میں ضمیر احتمال رکھتی ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہو جنہوں نے سجدہ کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس طائفہ کے لیے ہو جو پہلے دشمن کے مقابلہ میں کھڑا تھا۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا کافر خواہش کرتے ہیں کہ تم ہتھیار اٹھانے سے غافل ہو جاؤ تاکہ وہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہتھیار اٹھانے کے امر میں حکمت بیان فرمائی اور دوسرے طائفہ میں احتیاط کا ذکر فرمایا جب کہ پہلے کے ساتھ یہ ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ دوسرا ہوشیار رہنے اور احتیاط کرنے کا زیادہ مستحق ہے، کیونکہ دشمن اپنا قصد اس وقت سے مؤخر نہیں کرے گا، کیونکہ یہ نماز کا آخر ہے۔ نیز دشمن کہے گا کہ ہتھیار ان پر بھاری ہوں گی اور وہ تھک چکے ہوں گے۔ اس آیت میں اسباب کو اختیار کرنے کی بہت واضح دلیل موجود ہے اور ہر اس چیز کو اختیار کرنے کی دلیل ہے جو صاحب عقل لوگوں کو نجات دینے والی ہے اور سلامتی تک پہنچانے والی ہے اور دار کرامت تک وصال بخشنے والی ہے۔ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً یعنی ایسا حملہ جو جڑ سے اکھیڑ دے اور اس کے ساتھ دوسرے حملہ کی ضرورت بھی نہ رہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ نماز میں ہتھیار اٹھانے کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے ہم نے پہلے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر واجب نہیں تو احتیاط کے لیے مستحب ہے پھر بارش میں ہتھیار رکھنے کی رخصت دی، کیونکہ اس طرح اندرونی ہتھیار گیلے اور بھاری ہو جائیں گے اور لوہے کو زنگ آلود کر دے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: نخلہ وادی کے بطن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جب مشرکوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، وہ بارش والا دن تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار اتار کر قضا حاجت کے لیے باہر نکل گئے تھے، کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے جدا دیکھا تو غورث بن حارث نے آپ کا قصد کیا وہ اپنی تلوار کے ساتھ پہاڑ سے آپ کی طرف اترا اس نے آپ سے کہا: آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ'' دعا کی اللھم اکفنی الغورث بما شئت۔ غورث نے اپنی تلوار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکایا تاکہ آپ کو مارے تو وہ فوراً پھسل کر منہ کے بل گر پڑا (3)۔ واقدی نے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 494 2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 63 3۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 3، صفحہ 168

ذکر کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے غورث کو سینے پر دھکا دیا جیسا کہ سورۂ مائدہ میں آئے گا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: اے غورث! تجھے اب مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: کوئی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو میرے لیے حق کی گواہی دے تو میں تجھے تیری تلوار دے دوں گا۔ غورث نے کہا: نہیں لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اس کے بعد آپ سے نہیں لڑوں گا اور نہ میں آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تلوار دے دی اس وقت بارش میں ہتھیار اٹھانے کی رخصت میں یہ نازل ہوئی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف ایک زخم کی وجہ سے بیمار ہو گئے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ہتھیار ترک کرنے اور بارش کے عذر کی وجہ سے دشمن کے لیے تیاری چھوڑنے کی صحابہ کرام کو رخصت دی، پھر انہیں حکم دیا اور فرمایا: وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ یعنی ہوشیار رہو تم نے ہتھیار رکھ دیئے ہوں یا نہ رکھے ہوں۔ یہ تمام حالات میں دشمن سے ہوشیار رہنے اور تیاری کی تاکید پر دلیل ہے، کیونکہ لشکر کو ہمیشہ اسی صورت میں مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب وہ ہوشیاری میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ضحاک نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: خُذُوْا حِذْرَكُمْ کے تحت فرمایا: یعنی اپنی تلواریں لٹکاؤ، کیونکہ یہ جنگ کی ہیئت ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

''جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسب دستور) بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے مقررہ وقت پر۔ اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے اور تم تو امید رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بڑا دانا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ قَضَيْتُمْ اس کا معنی ہے تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ۔ یہ دلیل ہے کہ قضا کا لفظ اس فعل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو وقت کے اندر کیا جائے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ (بقرہ:200) یہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ذکر جس کا حکم دیا گیا ہے وہ نماز خوف کے بعد ہے(1)، یعنی جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 107، دار الکتب العلمیہ بیروت

خواہ کسی حال میں ہو کھڑے ہو یا بیٹھے ہو یا پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہو۔ تکبیر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور فتح و نصرت کی دعا ہمیشہ کرتے رہو خصوصاً جنگ کی حالت میں۔ اس کی مثال یہ ارشاد ہے: اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (الانفال) جب تم ملو کسی گروہ سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔

کہا جاتا ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ کا معنی ہے جب تم دار الحرب میں نماز پڑھو تو سواریوں پر نماز پڑھو یا کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا پہلو پر لیٹے ہوئے اگر تم قیام کی طاقت نہیں رکھتے، جب خوف ہو یا مرض ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (بقرہ: 239)

اور ایک قوم نے کہا: اس آیت کی مثال آل عمران میں ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد میں چلا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ شور کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فرمایا: اس سے مراد فرضی نماز ہے یعنی اگر وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر نماز پڑھیں اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو اپنے پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھو، مراد نفس صلاۃ ہے، کیونکہ نماز اللہ کا ذکر ہے۔ یہ اذکار مفروضہ اور اذکار مسنونہ پر مشتمل ہے۔ پہلا قول اصح ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ جب تم امن میں ہو۔ الطمانینۃ کا معنی ہے خوف سے نفس کا سکون حاصل کرنا۔ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تو نماز کو اس کے ارکان کے ساتھ اور سفر میں اس کی کمال ہیئت کے ساتھ اور حضر میں کمال تعداد کے ساتھ ادا کرو۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ یعنی نماز مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: موقوتاً کا معنی ہے تم اسے علیحدہ علیحدہ اپنے وقت میں ادا کرو (1)۔ اہل لغت کے نزدیک اس کا معنی ہے مخصوص وقت میں فرض کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے: وقتہ فھو موقوتٌ ووقتہ، فھو مؤقت یہ بعینہٖ زید بن اسلم کا قول ہے یعنی وقت پر کسی کام کو کرنا اور فرمایا: كِتٰبًا مصدر مذکر ہے اسی وجہ سے فرمایا مَّوْقُوْتًا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَهِنُوْا یعنی تم کمزور نہ ہو۔ سورہ آل عمران میں یہ گزر چکا ہے۔ فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ دشمن قوم کی تلاش میں۔ بعض علماء نے کہا: یہ جنگ احد میں نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا پیچھا کرنے کا حکم دیا، جب کہ مسلمانوں کو زخم لگ چکے تھے۔ یہ امر تھا کہ اس کے ساتھ نہ نکلے مگر جو جنگ میں تھا جیسا کہ سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے بعض نے فرمایا: یہ ہر جہاد کے بارے میں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ یعنی تم زخموں کی وجہ سے دکھ محسوس کرتے ہو تو وہ بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں ان زخموں سے جو انہیں پہنچے تھے، لیکن تمہیں فضیلت حاصل ہے تم اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہو وہ اس کی امید نہیں رکھتے، یہ اس لیے کہ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی امید نہیں رکھتا اس آیت کی مثال یہ ہے: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ (آل عمران: 140) یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ عبد الرحمٰن اعرج

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 526

نے اسے ان تکونوا یعنی ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی لان۔ منصور بن المعتمر نے ان تکونوا تسلمون پڑھا ہے یعنی تا کے کسرہ کے ساتھ۔ بصریوں کے نزدیک تا میں کسرہ کے ثقل کی وجہ سے کسرہ کو جائز قرار نہیں دیا۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: الرجاء بمعنی خوف ہے کیونکہ جو کسی چیز کی امید رکھتا ہے اس کے حصول کا اسے یقین نہیں ہوتا، پس جس کی وہ امید رکھتا ہے اس کے فوت ہونے کے خوف سے خالی نہیں ہوتا۔ فراء اور زجاج نے کہا: الرجاء بمعنی خوف استعمال نہیں ہوتا (1) مگر نفی کے ساتھ جیسے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (نوح) یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خوف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (الجاثیہ: 14) یعنی وہ خوف نہیں کرتے۔ قشیری نے کہا: کلام میں نفی کے بغیر بھی خوف کا ذکر بعید نہیں ہوتا لیکن ان دونوں نے دعویٰ کیا ہے۔ یہ نہیں پایا جاتا مگر نفی کے ساتھ۔ واللہ اعلم

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝۱۰۵

"بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ نے اور نہ بنیے بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے"۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف، تکریم اور تعظیم کا ذکر ہے اور آپ کو احکام شریعت کے تفویض ہونے کا ذکر ہے اور حکم میں سیدھے راستہ پر چلنے کا حکم ہے اور بنی ابیرق کا معاملہ جو آپ کے پاس لایا گیا تھا اس پر تنبیہ کا ذکر ہے۔ بنی ابیرق یہ تین بھائی تھے بشر، بشیر اور مبشر اور اسیر بن عروہ ان کے چچا کا بیٹا تھا، انہوں نے رات کے وقت حضرت رفاعہ بن زید کے مکان کو نقب لگائی تھی اور اس کی زرہیں اور کھانے کا سامان چرا لیا تھا، پس اس پر آگاہی ہوگئی تھی۔ بعض علماء نے کہا: چور صرف بشیر تھا اس کی کنیت ابوطعمہ تھی اس نے زرہ چوری کی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: زرہ ایک بوری میں تھی جس میں آٹا تھا، آٹا بوری کے سوراخ سے گرتا گیا حتیٰ کہ اس کے گھر تک پہنچ گئے، اس کے بھائی کا بیٹا رفاعہ آیا اس کا نام قتادہ بن نعمان تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی شکایت کی پھر حضرت اسیر بن عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے ایک اچھے گھرانے کو بدنام کرنے کا قصد کیا ہے، حالانکہ وہ دین دار لوگ ہیں انہوں نے ان مسلمانوں پر بغیر دلیل کے چوری کا الزام لگایا ہے اور چوری میں ملوث کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے جھگڑنے لگے حتیٰ کہ قتادہ اور رفاعہ پر ناراض ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ (2) الآیۃ۔ آپ ان کی طرف سے نہ جھگڑا کریں جنہوں نے اپنے آپ سے خیانت کی۔ اور یہ ارشاد نازل فرمایا: وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا جو شخص کمائے کوئی خطا یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو۔

وہ شخص جس پر چوری کی انہوں نے تہمت لگائی تھی وہ لبید بن سہل تھا۔ بعض نے کہا: زید بن سمین تھا۔ بعض نے کہا: ایک

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 112　2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 128

انصاری شخص تھا(1)۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو ابن ابیرق جو چور تھا مکہ کی طرف بھاگ گیا وہ سلافہ بنت سعد بن شہید کے پاس ٹھہرا۔ حضرت حسان بن ثابت نے سلافۃ کے بارے ایک بیت کہا ہے جس میں وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وقد أنزلَتْه بنتُ سعد وأصبحتْ ینازعها جِلْدَ آستها وتنازعه
ظننتم بأن یَخْفَی الذی قد صنعتمو وفینا نبیٌ عنده الوَحْیُ واضعه

جب سلافۃ کو حضرت حسان کے یہ شعر پہنچے تو اس نے ابن ابیرق کو کہا: تو نے مجھے حسان کے شعر دیے ہیں اس نے اس کا سامان گھر سے باہر پھینک دیا پھر وہ خیبر کی طرف بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ پھر اس نے ایک رات ایک گھر کو نقب لگائی تو اس کی دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مرتد ہو کر مر گیا (☆)۔ اس حدیث کو کثیر الفاظ کے ساتھ ترمذی نے ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس کو مسند ذکر کیا ہو سوائے محمد بن سلمہ حرانی کے۔ لیث اور طبری نے مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کی موت کا واقعہ یحییٰ بن سلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح قشیری نے ذکر کیا ہے اور اس کی ردت کا ذکر کیا ہے۔ پھر بعض نے کہا: زید بن سمین اور لبید بن سہل یہودی تھے۔ بعض نے کہا: لبید مسلمان تھا۔ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ابوعمر نے اسے ''کتاب الصحابہ'' میں داخل کیا ہے۔ یہ چیز ابوعمر کے نزدیک اس کے اسلام پر دلالت کرتی ہے اور بشیر منافق شخص تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا اور دوسروں کے اشعار کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا اور مسلمان کہتے تھے: اللہ کی قسم! یہ خبیث کا شعر ہے اس نے ایک شعر کہا جس میں وہ اسی چیز کا اظہار کرتا ہے:

أو کلما قال الرجالُ قصیدۃً نُحلت وقالوا أبنُ الأبَیْرَق قالها(2)

ضحاک نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا اور وہ تسلیم کر چکا تھا یہود ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے انہوں نے اسے پکڑا اور اسے بھگا کر لے گئے پس ان کے بارے میں نازل ہوا: ھٰۤاَنۡتُمۡ ھٰۤؤُلَآءِ۔ یعنی یہود۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ اس کا معنی شرع کے قوانین پر یہ ہے کہ آپ کو اللہ نے دکھایا یا وحی اور نص کے ذریعے یا اس نظر سے جو وحی کے طریقوں پر جاری ہے۔ یہ قیاس میں اصل ہے یہ دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی رائے قائم فرمائیں تو وہ درست ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ دکھائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی عصمت کا ضامن ہے، ہم میں سے جو کوئی کسی چیز کے بارے کوئی خیال کرتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان ہوتا ہے تو جو اس نے رائے قائم کی ہوتی ہے اس میں قطعیت نہیں ہوتی اور یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں، کیونکہ حکم آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا اور اس کلام میں اضمار ہے یعنی بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ اور اس میں دوسرا اضمار ہے اور آپ اس علم کے مطابق احکام جاری فرمائیں جو ہم نے آپ کو عطا کیا لوگوں کے استدلال سے دھوکا کھائے بغیر۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 529 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 310

☆ جامع ترمذی، حدیث نمبر 2962، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ اسم فاعل کے معنی میں ہے جیسے تیرا قول ہے جالستہ فانا جلیسہ یہاں فعیل بمعنی مفعول نہیں ہے اس پر دلیل وَلَا تُجَادِلْ ہے۔ الخصیم جھگڑا کرنے والا۔ خصیم کی جمع خصماء ہے۔ بعض نے فرمایا: خصیم مخاصماً اسم فاعل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو اہل تہمت کی مدد اور ان کا دفاع کرنے سے منع فرمایا جب کہ ان کے خصم حجت سے بات کر رہے ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ مبطل اور متہم کی طرف سے خصومت میں نیابت جائز نہیں اور کسی کے لیے کسی کی طرف سے جھگڑنا جائز نہیں مگر یہ جاننے کے بعد کہ وہ حق پر ہے۔ پہلے اسی سورت میں یتیموں اور لوگوں کے مال کی حفاظت کے متعلق کلام گزر چکی ہے، اس میں بیان فرمایا کہ کافر کا مال بھی مسلمان کے مال کی طرح محفوظ ہے مگر اس جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے مباح فرمایا۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء نے فرمایا: جب مسلمانوں کے لیے کسی قوم کا نفاق ظاہر ہو جائے تو مسلمانوں میں سے کسی فریق کا اس منافق قوم کے لیے جھگڑنا مناسب نہیں تا کہ ان کی حمایت کریں اور ان کا دفاع کریں۔ یہ نبی کریم ﷺ کے دور میں واقعہ پیش آیا تھا اور ان کے بارے میں یہ نازل ہوا: وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا اور یہ نازل فرمایا: لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں سے ایسا کرتے ہیں۔ آپ کی ذات مراد نہیں ہے اس کی دو وجوہ ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے ذکر فرمایا: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے درمیان فیصلہ فرمانے والے تھے اسی وجہ سے آپ کی بارگاہ میں عذر پیش کیا جاتا تھا آپ کسی دوسرے کی طرف عذر پیش نہیں کرتے تھے۔ پس یہ دلیل ہے کہ کسی غیر کا قصد کیا گیا ہے۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں ایک مسئلہ ہے۔

طبری اس معنی کی طرف گئے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس خیال سے استغفار کریں جو آپ نے بددیانت لوگوں کے لیے جھگڑنے کا کیا تھا (1)۔ آپ ﷺ کو استغفار کا حکم دیا، کیونکہ آپ نے ان کا دفاع کرنے اور یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ ان کا مذہب ہے جو انبیاء پر صغائر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ گناہ نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ ظاہر پر دفاع کرنے والے تھے اور آپ ان کی برأت کا نظریہ رکھتے تھے اور معنی یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے گنہگاروں کے لیے اور باطل کے لیے جھگڑنے والوں کے لیے استغفار کریں اس کا مقام لوگوں میں اس طرح ہے کہ آپ دعویٰ کرنے والوں کی بات سنیں اور جو دلائل سنیں ان کے مطابق فیصلہ کریں اور آپ گنہگار کے لیے استغفار کریں (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تسبیح کے طریقہ پر استغفار کا حکم ہے جیسے کوئی شخص کہتا ہے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ یہ بطور تسبیح ہوتا ہے اس میں گناہ سے توبہ کا ارادہ نہیں ہوتا۔ بعض

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 309 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 110

نے فرمایا: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد بنو ابیرق ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ (الاحزاب:1) اور فرمایا: فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ (یونس:94)

وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًاۙ﴿۱۰۷﴾

''اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے''۔

یعنی آپ ان کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں یہ اسیر بن عروہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ المجادلة کا معنی مخاصمہ (جھگڑنا) ہے۔ یہ جدل سے مشتق ہے اس کا معنی کسی چیز کو بٹنا ہے اسی سے مجدول الخلق مضبوط اور لطیف جسم والا ہے اسی سے ہے الأجدل شکرے کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ الجدالة سے مشتق ہے اور یہ زمین کی سطح ہے، جھگڑنے والوں میں سے ہر ایک اپنے مخالف کو زمین کی سطح پر پھینکنا چاہتا ہے۔

قد أركب الحالة بعد الحاله　وأترك العاجز بالجدالہ

مُنْعَفِراً ليست له محاله

الجدالہ سے مراد زمین ہے اس سے عربوں کا قول ہے ترکتہ مجدلا یعنی زمین پر ڈالا ہوا چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ یعنی اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا اور اس کا ذکر بلند نہیں کرتا۔ مَنْ كَانَ خَوَّانًا خود خیانت کرنے والا ہے خوان مبالغہ کا وزن ذکر فرمایا ہے یہ صیغہ اس لیے ذکر فرمایا تاکہ اس خیانت کی بڑائی کا ذکر ہو۔

یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا﴿۱۰۹﴾

''وہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے۔ سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل؟''۔

ضحاک نے کہا: جب اس نے چوری کی تو اس نے اپنے گھر میں ایک گڑھا کھودا اور زرہ کو پرنالے کے نیچے رکھ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ پر زرہ کی جگہ مخفی نہیں ہے۔ وَ هُوَ مَعَهُمْ یعنی وہ ان کو تاڑنے والا اور ان پر نگہبان ہے۔ بعض نے فرمایا: یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ کا معنی ہے وہ لوگوں سے چھپتے ہیں جیسا کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ (الرعد: 10) یعنی وہ چھپنے والا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ لوگوں سے حیا کرتے ہیں یہ اس لیے، کیونکہ حیا کرنا چھپنے کا سبب ہے۔

وَ هُوَ مَعَهُمْ یعنی علم، رویت اور سمع کے اعتبار سے وہ ان کے ساتھ ہے۔ یہ اہل سنت کا قول ہے۔ جہمیہ، قدریہ اور معتزلہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے، انہوں نے اس آیت سے اور اس کی مثل دوسری آیات سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا: جب فرمایا: وَ هُوَ مَعَهُمْ تو ثابت ہوا کہ وہ ہر جگہ ہے، کیونکہ اس نے ان کے ساتھ ہونا ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قول سے بلند وبالا ہے، کیونکہ یہ اجسام کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ کیا آپ نے بشر (بن غیاث) کے مناظرہ کو اللہ کے قول مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (المجادلہ: 7) میں ملاحظہ نہیں کیا جب اس نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ ہے، تو اس کے مقابل نے اسے کہا: وہ تیری ٹوپی میں، تیری پوستین میں اور تیرے گدھے کے پیٹ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند وبالا ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔ یہ وکیع نے حکایت کیا ہے۔ یُبَیِّتُوْنَ کا معنی یقولون ہے۔ یہ معنی کلبی نے ابو صالح سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ مَا لَا یَرْضٰی یعنی اللہ تعالیٰ جس کو اپنے اہل طاعت کے لیے پسند نہیں کرتا۔ مِنَ الْقَوْلِ رائے اور اعتقاد میں سے۔ جیسے تیرا قول ہے مذہب امام مالک وامام شافعی۔ بعض نے فرمایا: الْقَوْلِ بمعنی مقول ہے کیونکہ نفس قول کا تو، رات کو مشورہ نہیں کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ اس سے بشیر چور کی قوم ہے جو اسے بھگا کر لے گئے تھے اور اس کی طرف سے جھگڑے تھے۔ زجاج نے کہا: هٰۤؤُلَآءِ بمعنی الذین ہے (1)۔ جٰدَلْتُمْ کا معنی ہے تم جھگڑے۔

فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ استفہام ہے اس کا معنی انکار اور توبیخ ہے۔ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا وکیل وہ ہوتا ہے جو امور کی تدبیر کو قائم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تدبیر کو قائم کرنے والا ہے معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کے ساتھ گرفت میں لے لے گا اور انہیں دوزخ کی آگ میں داخل کر دے گا تو کوئی ان کے معاملہ کو قائم کرنے والا نہ ہوگا۔

وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾

''جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم والا''۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنی ابیرق پر اس آیت کے ساتھ توبہ پیش فرمائی وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یعنی جو چوری کر بیٹھے اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ یا شرک کر بیٹھے۔ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ زبان سے استغفار بغیر توبہ کے نفع مند نہیں۔ ہم نے یہ مسئلہ سورۂ آل عمران میں بیان کر دیا ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ آیت وحشی کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت حمزہ کا قاتل تھا اس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا اور حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 115

اور کہا: میں شرمندہ ہوں، کیا میرے لیے توبہ ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ الآیہ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت سے مراد عموم ہے اور تمام مخلوق کو شامل ہے۔ سفیان نے ابواسحاق سے انہوں نے اسود اور علقمہ سے روایت کی ہے ان دونوں حضرات نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: جس نے سورۂ نساء کی یہ دو آیتیں پڑھیں پھر استغفار کیا تو اس کی بخشش کر دی جائے گی۔ (1) وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (2) وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنتا تھا تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کے ساتھ نفع دیتا تھا جتنا وہ چاہتا تھا اور جب میں کسی دوسرے سے کوئی بات سنتا تھا تو میں اس سے حلف لیتا تھا اور مجھے حضرت ابو بکر نے بیان کیا اور حضرت ابو بکر نے سچ کہا، انہوں نے فرمایا: جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اسے بخش دیا جائے گا پھر یہ آیت تلاوت کی (1)۔ وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا الخ۔

وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

"اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۔ اور جو شخص کمائے کوئی خطا یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا یعنی جس نے گناہ کیا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ اس کا انجام اس کی طرف لوٹنے والا ہے۔ الکسب کا مطلب ہر وہ عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنے آپ کو نفع پہنچاتا ہے یا اس کے ذریعے کسی ضرر کو دور کرتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فعل کو کسب نہیں کہا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا۔ بعض علماء نے فرمایا: خَطِيْٓئَةً اور اِثْمًا دونوں کا ایک معنی ہے۔ لفظ کے اختلاف کی وجہ سے تاکیداً مکرر فرمایا۔ طبری نے کہا: الخطیئۃ اور الاثم کے درمیان فرق ہے۔ خطیئۃ کبھی ارادۃً ہوتی ہے اور کبھی بغیر ارادہ کے ہوتی ہے اور اثم عمداً ہوتا ہے (2)۔ بعض نے فرمایا: الخطیئۃ وہ ہوتی ہے جس میں ارادہ نہ ہو جیسے قتل خطا۔ بعض نے فرمایا: الخطیئۃ چھوٹا گناہ ہوتا ہے اور الاثم بڑا گناہ ہوتا ہے۔ اس آیت کا لفظ عام ہے اس کے تحت تمام لوگ شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا البری کا اسم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بِهٖ کی ضمیر الاثم یا الخطیئۃ کے لیے ہے، کیونکہ اس کا معنی بھی الاثم ہے یا دونوں کے لیے ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ الکسب کی طرف راجع ہے فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ یہ تشبیہ ہے، کیونکہ گناہ بوجھ اور ثقل ہوتے ہیں یہ محمولات کی طرح ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13)

1۔ سنن ابی داؤد، باب الاستغفار، حدیث نمبر 1300، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ ایضاً، ابن ماجہ، حدیث نمبر 1384، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 319

البھتان، البھت سے ہے، اس کا مطلب ہے تو اپنے بھائی پر کوئی تہمت لگائے جب کہ وہ اس سے بری ہو۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے''؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بھائی کا ایسی چیز کے ساتھ ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہے''۔ کسی نے کہا: اگر میرے بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو پھر؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ بات نہ ہو اور تو اسے کہے تو وہ بہتان ہے''(1)۔ یہ نص ہے، بری کو تہمت لگانا یہ بہتان ہے۔ کہا جاتا ہے: بَھَتَه، بَھْتا و بُھْتانا جب کوئی کسی کے بارے میں ایسی بات بیان کرے جب کہ اس نے کی نہ ہو۔ وہ شخص بہات ہوگا اور جس کے لیے بات کی گئی وہ مبہوت ہے۔ کہا جاتا ہے: بھت الرجل جب کوئی حیران و ششدر ہو جائے۔ اور بھت (عین کلمہ کے ضمہ کے ساتھ) اس کی مثل ہے اور ان دونوں سے افصح بہت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ (بقرہ: 258) کیونکہ کہا جاتا ہے: رجلٌ مبہوت، اور باھِت اور بَھِیت نہیں کہا جاتا۔ یہ کسائی کا قول ہے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا۝

''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر اور اس کی رحمت تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ، لَوْلَا کے بعد سیبویہ کے نزدیک مبتدا مرفوع ہوتا ہے اور خبر محذوف ہوتی ہے ظاہر نہیں ہوتی معنی یہ ہے کہ اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی کہ ہم نے تجھے حق پر آگاہ کیا۔ بعض نے فرمایا: نبوت اور عصمت عطا کر کے رحمت و فضل نہ کیا جاتا، تو ایک گروہ نے تجھے حق سے ہٹانے کا قصد کر لیا تھا، کیونکہ سوال کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ ابن ابیرق کو تہمت سے بری کر دیں اور وہ تہمت یہودی پر ڈال دیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضل فرمایا کہ انہیں اس واقعہ کی حقیقت پر آگاہ فرمایا اور اس کا علم عطا فرمایا۔ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ کیونکہ وہ گمراہوں جیسے اعمال کرتے تھے۔ ان کے اعمال کا وبال ان پر لوٹے گا۔ وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ کیونکہ آپ معصوم ہیں۔ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ اس سے کلام کا آغاز ہو رہا ہے۔ بعض نے فرمایا: واؤ حال کے لیے ہے جیسے تیرا قول ہے: جئتك والشمس طالعة میں تیرے پاس آیا جب کہ سورج طلوع ہو چکا تھا اسی سے امرء القیس کا قول ہے:

وقد أغتدي والطير في وكناتها

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، جلد 2، صفحہ 322

پس کلام متصل ہے یعنی وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اس کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے۔ وَالْحِكْمَةَ وحی کے ذریعے فیصلہ۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ یعنی شرائع اور احکام اور تعلم محل نصب میں ہے، کیونکہ وہ کان کی خبر ہے اور جزم کی وجہ سے نون سے ضمہ حذف کیا گیا ہے اور واو کو التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

”نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام اللہ کی رضامندیاں حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجر عظیم“۔

اس سے مراد بنی ابیرق کی قوم ہے جس نے جو تدبیر کی تھی۔ اور انہوں نے وہ تدبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تھی۔ النجویٰ دو آدمیوں کے درمیان سرگوشی کرنا ہے۔ تو کہتا ہے: ناجیت فلاناً مناجاۃ و نجاء وھم ینتجون و یتناجون و نجوت فلاناً أنجوہ نجوا اس کا معنی ہے سرگوشی کرنا۔ نجویٰ یہ نجوت الشی سے مشتق ہے یعنی میں نے اسے خاص کیا، میں نے اسے علیحدہ کیا۔ النجوۃ بلند زمین کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے اردگرد کی زمین سے بلند ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

فَمَنْ بِنَجْوَتِه كمن بِعَقْوَتِهِ والمُسْتَكِن كمن يَمْشِي بِقِرْ واحِ(1)

پس نجویٰ کا معنی سرگوشی کرنا ہے۔ یہ مصدر ہے جماعت کے لیے بھی بولا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: قوم عدل و رضاً۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ (الاسراء: 47) پہلی صورت میں غیر جنس سے استثنا ہوگی اور وہ استثنا منقطع ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ من محل رفع میں ہوگا یعنی إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ لیکن جو صدقہ کا حکم دے یا نیکی کا حکم دے یا لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور نیکی کی طرف بلائے تو ایسی سرگوشی میں بھلائی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ من محل جر میں ہو تقدیر کلام اس طرح ہو: لا خیر فی کثیر من نجواھم إلا نجوی من أمر بصدقۃ پھر اس کو حذف کیا گیا۔ دوسری صورت میں یعنی جب نجویٰ علیحدہ جماعت کا اسم ہو تو من بدل کی حیثیت سے محل جر میں ہوگا۔ یعنی: لا خیر فی کثیر من نجواھم الا فیمن امر بصدقۃ۔ یا جس نے کہا: ما مررت باحد إلا زیداً اس کے قول پر محل نصب میں ہوگا۔ بعض مفسرین نے کہا: ان میں سے زجاج بھی ہے۔ نجویٰ پوری جماعت کا کلام ہے یا دو آدمیوں کا کلام ہے خواہ وہ سرگوشی سے ہو یا جہراً ہو (2)۔ اس میں بعد ہے۔ واللہ اعلم۔ المعروف کا لفظ تمام نیک اعمال کو شامل ہے۔ مقاتل نے کہا: المعروف سے یہاں مراد فرض ہے (3)۔ اور پہلا قول اصح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر نیکی صدقہ ہے اور یہ بھی نیکی میں سے ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے“۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”معروف اپنے اسم کی طرح ہے، سب سے پہلے قیامت کے روز جنت میں معروف (نیکی) اور معروف والے (نیکی کرنے والے) داخل ہوں گے“۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ناشکرے کی ناشکری تجھے نیکی سے دور نہ کرے، کبھی ناشکرے کے کئی گنا انکار کے باوجود شکر گزار شکر کرتا ہے۔ حطیئہ نے کہا:

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 119 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 120

من یفعل الخیر لا یعدم جوازِیَہ لا یذھبُ العُرُفُ بین اللہ والناسِ

اور ریاشی نے یہ شعر کہا ہے:

یَدُ المعروفِ غَنَمٌ حیث کانت تحتملھا کَفورٌ او شکورُ

ففی شکرِ الشکور لھا جزاء وعند اللہ ما کفَر الکفوُر

ماوردی نے کہا: جو شخص نیکی کر سکتا ہے وہ نیکی کرنے میں جلدی کرے اور اس سے محروم ہونے سے بچے اور اس سے عجز کے خوف سے نیکی کرنے میں جلدی کرے اور اسے جاننا چاہیے کہ یہ اس کے زمانہ کی فرصتوں میں سے ہے اور اس کے امکان کی غنیمتوں سے ہے، کوئی قادر شخص نیکی میں سستی نہ کرے، کتنے ہی قدرت پر اعتماد کرنے والے لوگوں سے نیکی فوت ہو گئی اور پھر اس نے شرمندگی کا وارث بنایا، اس پر قدرت کے باوجود زائل ہو گئی اور خجالت کا وارث بنا دیا، جیسا کہ شاعر نے کہا:

ما زلت أسمع کم من واثق خجل حتی أبتلیت فکنت الواثق الخجلا

اگر اپنے زمانہ کے مصائب کو بھانپ لیا جاتا اور اپنے امر کے عواقب سے محفوظ ہوا جاتا تو اس کی غنیمتیں ذخیرہ شدہ ہوتیں اور اس کے واجبات ضرور ادا کیے جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس پر نیکی کا دروازہ کھولا گیا تو وہ اس کو غنیمت جانے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کب بند ہو جائے؟'' (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز کا پھل ہوتا ہے اور نیکی کا پھل جلدی کرنا ہے'' (2)۔ نوشیروان سے کہا گیا: تمہارے نزدیک بڑی سے بڑی مصیبت کیا ہے؟ اس نے کہا: تجھے نیکی پر قدرت ہو اور اسے نہ کرے حتیٰ کہ وہ فوت ہو جائے۔ عبدالحمید نے کہا: جس نے فرصت کو اس کے وقت سے مؤخر کیا تو اسے اس کے فوت ہونے کا یقین ہونا چاہیے۔ بعض شعراء نے کہا:

اذا ھبّتْ ریاحُك فاغتَنِمھا فإنّ لکل خافقةِ سُکُون

ولا تغفل عن الإحسان فیھا فما تدری السکون متی یکون

جب تیری صحت وخوشحالی کی ہوائیں چل رہی ہوں تو اس کو غنیمت جان، کیونکہ ہر حرکت کرنے والی چیز کے لیے سکون ہے اور اسی حالت میں احسان سے غافل نہ ہو تجھے معلوم نہیں کہ سکون کب ہو جائے گا؟۔

بعض ذوی المحرمات نے ایک والی کو لکھا جس نے اپنی حرمت کی رعایت میں سستی کی تھی:

أعَلَی الصراط ترید رِعْیة حرمتی أم فی الحساب تمنّ بالإنعام

للنفع فی الدنیا أریدك فانتبہ لحوائجی من رقدۃ النّوام

کیا تو اپنی حرمت کی رعایت کا پل صراط پر ارادہ رکھتا ہے یا تو حساب کے دن انعام کے ساتھ احسان کرے گا۔ میں تجھ سے دنیا میں نفع لینے کا ارادہ کرتی ہوں تو میری حاجات کو پورا کرنے کے لیے نیند سے بیدار ہو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نیکی مکمل نہ ہو گی مگر تین خصلتوں کے ساتھ: اس کو جلدی کرنا اور اس کو تھوڑا سمجھنا اور اس کو

1۔ ابن مبارک، الزہد، صفحہ 117 2۔ ماوردی ادب الدنیا والدین، صفحہ 186

پوشیدہ رکھنا۔ جب تو نیکی کو جلدی کرے گا تو تو اسے بہتر کرے گا، جب تو اسے چھوٹا سمجھے گا تو تو اسے عظیم کرے گا، جب تو اسے چھپائے گا تو تو اسے مکمل کرے گا۔ کسی شاعر نے کہا:

زاد معروفك عندی عظما　إنه عندك مستور حقیر
تتناساه كأن لم تأته　وهو عند الناس مشهور خطیر

میرے نزدیک تیری نیکی نے تیری عظمت کو زیادہ کیا، وہ تیرے نزدیک پوشیدہ اور حقیر ہے، تو اسے بھول جا گویا تو نے وہ نیکی کی ہی نہیں جب کہ وہ لوگوں کے نزدیک مشہور اور عظیم ہو۔

نیکی کی شرط میں یہ ہے کہ اس پر احسان نہ جتلایا جائے اور اپنے اچھے فعل پر تکبر نہ کیا جائے، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں شکر کا اسقاط ہے اور اجر کا ضیاع ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ یہ خونوں کے تنازعے ختم کرنے اور مال اور عزت کے جھگڑے م... نے سب کو شامل ہے اور ہر اس چیز کو شامل ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور فتنہ و فساد بھڑکانے کا باعث ہو اور ہر اس کلام کو شامل ہے جس سے مراد رضا الٰہی ہو۔

حدیث پاک میں ہے: ''ابن آدم کا سارا کلام اس کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف حجت ہے مگر جو نیکی کا حکم دینے، برائی سے منع کرنے اور اللہ کے ذکر کے لیے ہو'' (1)۔ جس نے ریاکاری اور سردار بننے کو طلب کیا وہ ثواب نہیں پائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا: جھگڑے والوں کو لوٹاؤ حتیٰ کہ وہ آپس میں صلح کر لیں، کیونکہ قاضی کا فیصلہ ان کے درمیان کینہ پیدا کرتا ہے۔ مزید سورۂ مجادلہ میں مناجات کی حرام صورتوں کا ذکر آئے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جس نے دو شخصوں کے درمیان صلح کرائی اللہ تعالیٰ اسے ہر کلمہ کے عوض ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ایوب سے فرمایا: ''کیا میں تمہاری ایسے صدقہ پر راہنمائی نہ کروں جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں؟ (وہ یہ ہے) لوگوں کے درمیان صلح کرانا جب وہ ان میں فساد پیدا ہو جائے اور ان کے درمیان قرب پیدا کرنا جب وہ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں'' (2)۔ اوزاعی نے کہا: اللہ کی بارگاہ میں کوئی قدم، اس قدم سے زیادہ محبوب نہیں جو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کے لیے اٹھایا جاتا ہے۔ اور جس نے دو آدمیوں کے درمیان صلح کرائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ سے برأت لکھ دے گا۔ محمد بن منکدر نے کہا: دو آدمی مسجد کے کونے میں جھگڑے، میں ان کی طرف مائل ہوا اور میں ان کے ساتھ صلح کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے صلح کر لی۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: جو کہ مجھے دیکھ رہے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ''جو دو شخصوں کے درمیان صلح کرائے گا وہ شہید کے ثواب کا مستحق ہوگا''۔ یہ تمام اخبار ابو مطیع مکحول بن مفضل نسفی نے اپنی کتاب ''اللؤلئیات'' میں ذکر کی ہیں، میں

1۔ جامع الترمذی، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 64۔ ایضاً، ابن ماجہ، حدیث نمبر 3963، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ شعب الایمان فی اصلاح بین الناس، جلد 7، صفحہ 490، حدیث نمبر 11094

نے اس کو مصنف کے خط سے ایک ورقہ میں پایا انہوں نے ان کے اصل پر آگاہ نہیں کیا۔

اِبۡتِغَآءَ مفعول لاجلہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔

وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۱۶﴾

''اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھہرائے (کسی کو) اللہ کے ساتھ وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا''۔

اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے فرمایا: یہ دونوں آیات ابن ابیرق چور کے سبب سے نازل ہوئیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا اور وہ مکہ کی طرف بھاگ گیا تھا اور مرتد ہو گیا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: جب وہ مکہ میں گیا تو مکہ میں ایک گھر کو نقب لگائی اسے مشرکین نے پکڑ لیا اور اسے قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۱۶﴾

ضحاک نے کہا: قریش کے چند لوگ مدینہ طیبہ آئے اور اسلام قبول کیا، پھر مرتد ہو کر مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی: وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ۔ المشاقۃ کا معنی دشمنی کرنا ہے۔ یہ آیت اگرچہ زرہ چوری کرنے والے یا اس کے علاوہ کے بارے میں نازل ہوئی لیکن یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جو مسلمانوں کے طریق کی مخالفت کرتا ہے۔ الۡہُدٰی سے مراد رشد اور بیان ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی کہا جاتا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہوا تھا۔ اس کا معنی ہے ہم اسے اور جس کی وہ عبادت کرتا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ ہم اسے ان بتوں کے سپرد کر دیتے ہیں جو نہ نفع دیتے ہیں، نہ نقصان دیتے ہیں۔ اور یہ مقاتل کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی کا ارشاد ابن ابیرق کے بارے میں نازل ہوا۔ جب اس کا حال اور اس کی چوری ظاہر ہو گئی تو وہ مکہ کی طرف بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا، اس نے مکہ میں ایک شخص کی دیوار میں نقب لگائی جسے حجاج بن علاط کہا جاتا تھا، پس اس پر دیوار گر گئی اور وہ نقب میں موجود تھا حتیٰ کہ وہ اسی حال میں پایا گیا، لوگوں نے اسے مکہ سے نکالا وہ شام کی طرف چلا گیا۔ اس نے قافلہ کے اموال چوری کیے انہوں نے اسے پتھر مار مار کر قتل کر دیا، تو یہ آیت نازل ہوئی: نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾

عاصم، حمزہ اور ابو عمرو نے نُوَلِّهٖ و نُصْلِهٖ کو ھا کے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ھا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ کے ارشاد میں علماء نے فرمایا: اجماع کے قول کی صحت پر دلیل ہے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ میں خوارج کا رد ہے، کیونکہ انہوں نے کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ اس مفہوم پر کلام گزر چکی ہے۔ ترمذی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: قرآن میں کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ ابن فورک نے کہا: ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ رہنا صرف کافر کے لیے ہے اور اہل قبلہ میں سے فاسق جب بغیر توبہ کے مرجائے گا تو اسے آگ کا عذاب دیا جائے گا، پھر وہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا ابتداءً اللہ کی رحمت سے آگ سے نکل جائے گا۔ ضحاک نے کہا: ایک بوڑھا بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں بوڑھا ہوں گناہوں اور خطاؤں میں غرق ہوں لیکن میں نے جب سے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کیا اور اس پر ایمان لایا میں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ میرا اللہ کی بارگاہ میں کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (1)

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

"نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا مگر دیویوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ یعنی من دون اللہ، اِلَّاۤ اِنٰثًا یہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان نافیۃ بمعنی ما ہے۔ اِنٰثًا سے مراد بت ہیں یعنی لات، عزیٰ اور مناۃ۔ ہر قبیلہ کا ایک بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے: انثی بنی فلاں یہ حسن اور حضرت ابن عباس کا قول ہے (2)، ہر بت کے ساتھ اس کا شیطان ہوتا تھا وہ بتوں کے مجاوروں اور کاہنوں کو نظر آتا اور ان سے کلام کرتا۔ یہ کلام بطور تعجب ذکر کی گئی ہے، کیونکہ ہر جنس سے مونث کمزور اور گھٹیا ہوتی ہے۔ پس یہ ان لوگوں کی جہالت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پتھروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کا نام مونث رکھتے ہیں یا اس کے بارے عقیدہ مونث کا رکھتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اِلَّاۤ اِنٰثًا سے مراد موات (مردے) ہیں، کیونکہ مردوں میں روح نہیں ہوتی (3)، جس طرح لکڑی اور پتھر ہوتا ہے۔ موات کے متعلق اسی طرح خبر دی جاتی ہے جس طرح مونث کے متعلق خبر دی جاتی ہے، کیونکہ قدر و منزلت میں یہ برابر ہوتے ہیں۔ تو کہتا ہے: الاحجار تعجبنی اور اسی طرح تو کہتا ہے: المرأۃ تعجبنی۔ بعض علماء نے فرمایا: اِلَّاۤ اِنٰثًا سے مراد فرشتے ہیں، کیونکہ مشرکوں نے کہا: ملائکہ (نعوذ باللہ) اللہ کی بیٹیاں ہیں یہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارشی ہیں۔ یہ ضحاک سے مروی ہے (4)۔ حضرت

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 121
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 365
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 529
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 529

ابن عباس کی قرأت الا وثنا واؤ اور ثا کے فتحہ کے ساتھ اسم جنس کے افراد کی بنا پر ہے۔ وثناً واؤ اور ثا کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے یہ وَثَنٌ کی جمع ہے اور اوثان بھی وثن کی جمع ہے جیسے اسد اور آساد ہے۔ نحاس نے کہا: میری معلومات کے مطابق اس کے ساتھ نہیں پڑھا گیا۔

میں کہتا ہوں: ابوبکر انباری نے ذکر فرمایا، ہمیں میرے باپ نے بتایا، انہوں نے کہا ہمیں نصر بن داؤد نے بتایا، انہوں نے کہا ہمیں ابوعبید نے بتایا اور انہوں نے کہا ہمیں حجاج نے بتایا، انہوں نے جریج سے روایت کیا، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے وہ اس طرح پڑھتی تھیں: اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا۔ (1) حضرت ابن عباس نے اسے الا اُثُنًا پڑھا ہے گویا وثن کی جمع وثان بنائی گئی جیسے تو کہتا ہے: حمل و حمال پھر وثن کی جمع وثان بنائی گئی جیسے تو کہتا ہے: مثال اور مُثُل۔ پھر واؤ کو ہمزہ سے بدلا گیا جب اسے ضمہ دیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؀ (المرسلات) یہ الوقت سے ہے پس اثن جمع الجمع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الا اُنُثًا جمع اَنِیث پڑھا ہے جیسے غَدِیر و غُدُر۔ طبری نے حکایت کیا ہے کہ یہ اناث کی جمع ہے جیسے ثمار کی جمع ثُمُر ہے (2)۔ یہ قرأت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوعمرو الدانی نے حکایت کی ہے اور فرمایا: حضرت ابن عباس، حسن اور ابوحیوہ نے اس کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ؀ اس سے مراد ابلیس ہے، کیونکہ انہوں نے اس کی اطاعت کی جو اس نے انہیں مزین کر کے دیا پس انہوں نے گویا اس کی عبادت کی۔ اس کی مثال معنی میں یہ ہے: اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ: 31) یعنی جو انہوں نے انہیں حکم دیا اس کی انہوں نے اطاعت کی یہ مطلب نہیں کہ بلاواسطہ ان کی عبادت کی۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔

شیطان کے لفظ کا اشتقاق گزر چکا ہے۔ المرید سے مراد سرکش اور نافرمان ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے یہ مَرَدَ سے مشتق ہے جس کا معنی نافرمانی کرنا ہے۔ المرید اطاعت سے نکلنے والا۔ مرد الرجل یمرد مرودا جب کوئی نافرمانی کرے اور اطاعت سے نکل جائے، فھو مارد، مرید و متمرد۔ ابن عرفہ نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا شر ظاہر ہو۔ اسی سے کہا جاتا ہے: شجرۃ مرداء وہ درخت جس کے پتے جھڑ جائیں اور اس کی لکڑیاں ظاہر ہو جائیں اور اسی سے رجل امرد کہا جاتا ہے جس کے رخساروں سے بالوں کی جگہ ظاہر ہو۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ؀

''لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: لَعَنَهُ اللّٰهُ، اللعن کا اصل معنی دور کرنا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اور عرف میں ایسا دور کرنا ہے جو ناراضگی اور غضب کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ ابلیس پر تعیین کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے اسی طرح وہ کفار جو مر چکے ہیں مثلاً فرعون، ہامان اور ابوجہل ان پر تعیین کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے اور رہے زندہ لوگ تو ان کے بارے میں کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 121 2۔ تفسیر طبری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿۱۱۸﴾ یہ شیطان نے کہا تھا یعنی میں اپنی گمراہ کن چالوں کے ساتھ ان کو تیری اطاعت سے نکالوں گا اور اپنی گمراہی کے ساتھ انہیں گمراہ کروں گا۔ یہ کفار اور نافرمان لوگ ہیں۔ خبر میں ہے ''ہر ہزار میں سے ایک اللہ کے لیے ہوگا باقی شیطان کے لیے ہوں گے'' (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی صحیح ہے۔ اس کی تائید کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا قیامت کے روز حضرت آدم کو یہ کہنا کہ ''آگ کا حصہ نکالو''۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے، آگ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے'' (2)۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ بعث النار وہ شیطان کا حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد لوگوں کا بہت سی اشیاء میں شیطان کی اطاعت کرنا ہے مثلاً بچے کی ولادت کے وقت وہ ایک کیل لگاتے تھے اور ساتویں دن اسے گھماتے تھے اور کہتے تھے: یہ اس لیے ہے تاکہ گھروں میں رہنے والے جن اسے جان لیں۔

وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾

''میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا اور میں ضرور حکم دوں گا انہیں پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو اور جو شخص بنا لے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان''۔

اس میں نو مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ یعنی میں انہیں ہدایت کے راستہ سے پھیروں گا۔ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ یعنی ان کے لیے جھوٹی امیدیں مزین کروں گا۔ یہ کسی ایک تمنا پر منحصر نہیں، کیونکہ ہر ایک اپنی رغبت اور قرائن حال کے اعتبار سے خواہش و تمنا کرتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: میں انہیں لمبی زندگی کی امید دلاؤں گا کہ خیر تو بہ اور معرفت حاصل کرنے کا بڑا وقت باقی ہے نیز انہیں گناہوں پر اصرار کی امید دلاؤں گا۔ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ، البتك کا معنی کاٹنا ہے اسی سے ہے سیف باتك کاٹنے والی تلوار۔ یعنی شیطان نے کہا: میں انہیں بحیرہ، سائبہ اونٹنیوں کے کان کاٹنے پر برانگیختہ کروں گا جیسے بتکہ وبتّکہ۔ مخففاً و مشدداً وفی یدہ بِتْكَةٌ یعنی اس کے ہاتھ میں ٹکڑا ہے، اس کی جمع بِتَك ہے۔ زہیر نے کہا:

طارت وفی کفہ من ریشھا بِتَكٌ

وہ اڑی جب کہ اس کی ہتھیلی میں اس کے پروں کے ٹکڑے تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ یہ تمام لام قسم کے لیے ہیں۔ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ تبدیلی اور تغیر کس طرف راجع ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد خصی کرنا، آنکھ پھوڑنا اور کان کاٹنا ہے۔ یہ معنی

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 159　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 2، صفحہ 967۔ حدیث نمبر 3099، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت عکرمہ اور حضرت ابو صالح نے بیان کیا ہے(1)۔ ان تمام صورتوں میں حیوان کو تکلیف دینا ہے اور سرکشی کے ساتھ حلال کرنا اور حرام کرنا ہے اور یہ قول بغیر حجت اور دلیل کے ہے۔ جانوروں میں کان باعث جمال اور منفعت ہیں، اسی طرح دوسرے اعضاء ہیں۔ اسی وجہ سے شیطان نے دیکھا کہ وہ اس کے ذریعے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرے۔ عیاض بن حمار مجاشعی کی حدیث میں ہے "میں نے اپنے بندوں کو حق کی پیروی کرنے والا پیدا کیا پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور انہیں اپنے دین سے دور کر دیا، میں نے جن چیزوں کو ان کے لیے حلال کیا تھا اسے انہوں نے حرام کر دیا اور شیاطین نے انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جس کے متعلق میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور شیاطین نے انہیں حکم دیا کہ وہ تخلیق کو بدل دیں" (2)۔ اس حدیث کو قاضی اسماعیل نے اور مسلم نے تخریج کیا ہے۔ اور اسماعیل نے روایت کیا کہ ہمیں ابو الولید اور سلیمان بن حرب نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے ابو اسحاق سے روایت کیا، انہوں نے ابو الاحوص سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ میری ہیئت بڑی خراب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تیرے پاس مال ہے؟" اس نے کہا: میں نے عرض کی: میرے پاس مال تو ہے۔ آپ نے کہا: "کون سا مال ہے"؟ میں نے کہا: گھوڑے، اونٹ، غلام ہر قسم کا مال ہے۔ ابو الولید نے کہا: اس نے بکریوں کا بھی ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال عطا کیا ہے تو تجھ پر اس کا اثر دکھائی دینا چاہیے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تیری قوم کی اونٹنیاں صحیح کانوں والے بچے جنم دیتی ہیں پھر تو نشتر کا قصد کرتا ہے اور اس سے ان کے کان کاٹ دیتا ہے اور تو کہتا ہے: یہ بحر ہے۔ اور تو ان کی کھالوں کو چیرتا ہے اور تو کہتا ہے: صرم ہے۔ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ تو انہیں اپنے اوپر اور اپنے گھر والوں پر حرام کر دے"؟ اس نے کہا: ہاں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جو تجھے عطا فرمایا وہ حلال ہے اور اللہ تعالیٰ کا نشتر تیرے نشتر سے زیادہ تیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی کلائی تیری کلائی سے زیادہ سخت ہے"۔ اس نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے ایک شخص کے پاس میں جاتا ہوں، وہ میری مہمان نوازی نہیں کرتا، پھر وہ میرے پاس آتا ہے کیا میں اس کی مہمان نوازی کروں یا میں بھی اس جیسا سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(نہیں) بلکہ تو اس کی مہمان نوازی کر" (3)۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب یہ شیطان کے فعل اور اس کے اثر سے تھا تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ "ہم جانور کی آنکھوں اور کانوں کو خصوصی طور پر دیکھیں اور ہم کانا جانور قربانی کے لیے نہ دیں اور ایسا بھی نہ ہو جس کے کان کی طرف کٹی ہوئی ہو اور ایسا بھی نہ ہو جس کے کان کا آخری حصہ کٹا ہوا ہو۔ اور ایسا بھی نہ ہو جس کے کانوں کو نشان لگانے والے آلے نے کاٹا ہو اور ایسا بھی نہ ہو جس کے کان چیرے گئے ہوں" (4)۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا۔ آگے پوری حدیث ذکر کی۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 530

2۔ صحیح مسلم، الجنۃ و صفۃ نعیمہا و اہلہا، جلد 2، صفحہ 385

3۔ المستدرک للحاکم، کتاب اللباس، جلد 4، صفحہ 201، حدیث نمبر 64

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، جلد 2، صفحہ 32

کانوں میں عیب کا علماء کے نزدیک اعتبار ہے۔ امام مالک اور لیث نے کہا: اگر ایسا جانور ہو جس کے کان کٹے ہوئے ہوں یا زیادہ کٹے ہوئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں اور نشان لگانے والے آلے سے جو تھوڑا سا چیرا گیا ہو وہ جائز ہے۔ یہ امام شافعی اور فقہاء کی ایک جماعت کا قول ہے۔ اگر ایسا جانور ہو جس کے پیدائشی کان نہ ہوں تو امام مالک اور امام شافعی نے کہا: اس کی قربانی جائز نہیں اگر چھوٹے چھوٹے کان ہوں تو جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جانوروں کو خصی کرنا اس کی اہل علم میں سے ایک جماعت نے اجازت دی ہے جب کہ اس سے منفعت کا قصد کیا گیا ہو خواہ وہ موٹاپے کی غرض سے ہو یا کوئی اور غرض ہو۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ خصی کی قربانی دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض علماء نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے جب کہ وہ دوسرے جانوروں سے زیادہ موٹا ہو(1)۔ اور گھوڑوں کو خصی کرنے کی رخصت حضرت عمر بن عبد العزیز نے دی تھی حضرت عروہ بن زبیر نے اپنے خچر کو خصی کیا تھا۔

امام مالک نے بکرے کو خصی کرنے کی رخصت دی ہے۔ یہ جائز ہے، کیونکہ اس سے حیوان کو ایسے بت کے دین کے ساتھ معلق کرنے کا قصد نہیں کیا جاتا جس کی عبادت کی جاتی ہے اور نہ اس میں ایسے رب کے دین کی وجہ سے معلق کرنے کا قصد کیا جاتا ہے جس کی توحید بیان کی جاتی ہے اس میں تو صرف عمدہ گوشت حاصل کرنے کا قصد کیا جاتا ہے اور مذکر کو تقویت دینے کا قصد کیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے مونث کی اس کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے خصی کرنے کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''خصی وہ لوگ کرتے ہیں جو بے علم ہیں'' (2)۔ ابن المنذر نے اس کو پسند کیا ہے اس نے کہا: کیونکہ یہ ارشاد حضرت ابن عمر سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں: یہ اللہ کی تخلیق میں سے ہے۔ عبد الملک بن مروان نے اس کو ناپسند کیا ہے۔

اوزاعی نے کہا: لوگ ہر اس چیز کو خصی کرنا مکروہ جانتے تھے جس کی نسل چلتی ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اس میں دو حدیثیں ہیں: ایک حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکرے، بیل اور گھوڑے کو خصی کرنے سے منع فرمایا(3)، اور دوسری حدیث حضرت ابن عباس کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ چیز کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کرنے اور جانوروں کو خصی کرنے سے منع فرمایا(4)۔ مؤطا میں اس باب سے وہ ہے جو امام مالک نے نافع عن ابن عمر کے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ وہ خصی کرنے کو ناپسند کرتے تھے فرماتے تھے: اس میں تخلق کی تکمیل ہے۔ ابو عمر نے کہا: خصی نہ کرنے میں تخلیق کا تمام ہے اور تخلیق کا بڑھنا بھی روایت ہے(5)۔

میں کہتا ہوں: ابو محمد نے عمر بن اسماعیل عن نافع عن ابن عمر سے مسند روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''ان جانوروں کو خصی نہ کرو جو اللہ کی تخلیق کو بڑھاتے ہیں'' (6)۔ اس حدیث کو دارقطنی نے اپنے شیخ سے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں ابو عبد اللہ معدل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عباس بن محمد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابو مالک نخعی نے بیان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 114　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 314

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، باب کراهیة خصاء الغنم والبهائم، جلد 10، صفحہ 24　　4۔ ایضاً

5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 502　　6۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کراهیة خصاء الغنم والبهائم، جلد 10، صفحہ 24

کیا، انہوں نے عمر بن اسماعیل سے روایت کیا پھر یہ حدیث ذکر کی۔ دار قطنی نے کہا: اس کو عبد الصمد بن نعمان نے ابو مالک سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ آدمی کو خصی کرنا مصیبت ہے، کیونکہ جب اسے خصی کیا جائے گا تو اس کا دل اور اس کی قوت ختم ہو جائے گی جب کہ حیوان کا حکم اس کے برعکس ہے اور انسان کی نسل ختم ہو جائے گی جس کا نبی کریم ﷺ کے قول میں حکم دیا گیا ہے: تناکحوا تناسلوا فانی مکاثر بکم الامم۔ نکاح کرو، نسل بڑھاؤ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر کثرت کو بیان کرنے والا ہوں گا۔

پھر اس میں سخت تکلیف بھی ہے بعض اوقات انسان ہلاک بھی ہو جاتا ہے۔ اس میں مال کا ضیاع اور نفس کا ہلاک کرنا ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں سے منع کیا گیا ہے پھر یہ مثلہ ہے اور نبی کریم ﷺ نے مثلہ سے منع کیا ہے(1) اور یہ صحیح ہے۔ حجازی اور کوفی فقہاء کی ایک جماعت نے صقالیۃ وغیرہم سے خصی غلام خریدنا ناپسند کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر وہ ان سے خریدے نہیں جائیں گے تو ان کو خصی نہیں کیا جائے گا، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انسان کا خصی کرنا حلال اور جائز نہیں، کیونکہ یہ مثلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی ہے۔ اسی طرح تمام اعضاء کا بغیر حد اور قصاص کے کاٹنے کا حکم ہے یہ ابو عمر کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ ثابت ہو گیا تو تو جان لے کہ نشان لگانا اور شعار کرنا اس نہی سے مستثنیٰ ہے جو شیطان کے شریطہ کے متعلق ہے اور یہ آگ کے ساتھ حیوان کو عذاب دینے کی نہی ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ الوسم کا معنی آگ سے داغ لگانا ہے اس کا اصل معنی علامت ہے۔ کہا جاتا ہے: وسم الشئ یسمہ جب کوئی ایسی علامت لگائے جس سے وہ چیز پہچانی جائے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ (الفتح:29) السیما علامت کو کہتے ہیں۔ المیسم داغ لگانے کا آلہ۔

صحیح مسلم میں حضرت انس سے ثابت ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں نشان لگانے کا آلہ دیکھا آپ صدقہ اور فئی وغیرہ کے اونٹوں کو نشان لگا رہے تھے تاکہ ہر مال پہچانا جائے اور اس کے حق میں ادا کیا جائے اور کسی دوسرے مال کی طرف تجاوز نہ ہو(2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ چہرے کے علاوہ تمام اعضاء میں نشان لگانا، داغنا جائز ہے، کیونکہ حضرت جابر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور چہرے پر داغ لگانے سے منع فرمایا ہے(3)۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ چہرے کو باقی تمام اعضاء پر شرف حاصل ہے، کیونکہ وہ حسن و جمال کا مقر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ حیوان کا قوام ہے۔ نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ اپنے غلام کو مار رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: چہرے پر مارنے سے اجتناب کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق اپنی صورت پر کی ہے"(4)۔ یعنی مضروب کی صورت پر، یعنی اس مضروب کا چہرہ حضرت آدم کے چہرہ کے مشابہ ہے، پس اس کی مشابہت کی وجہ سے اس کا احترام لازم

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 1، صفحہ 336
2۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 2، صفحہ 203
3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 202
4۔ ایضاً، کتاب البر والصلۃ، جلد 2، صفحہ 327

ہے۔ یہ سب سے بہتر ہے جو کچھ اس کی تاویل میں کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک جماعت نے کہا: یہ وشم اور جو حسن کے لیے تصنع کیا جاتا ہے اس تبدیلی کے ساتھ اس کی طرف اشارہ ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود اور حسن کا قول ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسم پر نشان بنانے والیاں اور نشان بنوانے والیاں، چہرے سے بال نوچنے والیاں اور نوچوانے والیاں اور حسن کی خاطر دانت کھلے کرانے والیاں اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیاں (ان سب پر) اللہ کی لعنت ہے'' (1)۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے، مکمل بیان سورۃ الحشر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

الوشم ہاتھوں میں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کی ہتھیلی کی پیٹھ اور اس کی کلائی کو سوئی کے ساتھ کریدا جاتا ہے پھر اس میں سرمہ یا کوئلے کا دھواں بھر دیا جاتا ہے پھر وہ سبز ہو جاتا ہے۔ قد وشمت وشماً فھی واشمۃ یعنی نشان بنانا اور المستوشمہ۔ ایسا نشان بنوانے والی۔ یہ ہروی کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: صقلی اور افریقی لوگ ایسا کرتے ہیں (2) تا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جوانی میں اپنی طاقت پر دلالت کرے۔ قاضی عیاض نے کہا: ہروی کی روایت میں جو مسلم کے رواۃ میں سے ہے۔ الواشمۃ والموشمہ کی جگہ والوشیۃ والمستوشیۃ کے الفاظ ہیں۔ یعنی میم کی جگہ یا ہے۔ یہ الوشی سے مشتق ہوگا جس کا معنی مزین ہونا ہے اور الوشی کی اصل دو رنگوں پر کپڑے کو بننا ہے ثور موشی ایسا بیل جس کے چہرے اور پیروں میں سیاہی ہو۔ یعنی عورت بال نوچ کر، دانت کھلے کر کے، دانت باریک کر کے زینت حاصل کرتی ہے۔ المتنمصات یہ متنمصۃ کی جمع ہے اس سے مراد وہ عورت ہے جس کے چہرے سے بال اکھیڑنے والے آلہ سے بال اکھیڑے گئے ہوں۔ ابن عربی نے کہا: مصری لوگ زیر ناف بال اکھیڑتے ہیں وہ اسی سے ہے، کیونکہ سنت زیر ناف بالوں کا حلق کرنا ہے اور بغلوں کے بال نوچنا ہے اور فرج کے بال نوچنا یا اسے ڈھیلا کر دیتا ہے اور تکلیف دیتا ہے اور بہت ساری منفعت کو ضائع کر دیتا ہے (3)۔ المُتَفَلِّجات یہ متفلجۃ کی جمع ہے، وہ عورت جو اپنے دانتوں کو کھلا کرتی ہے یعنی خلقۃً اس کے دانت ملے ہوئے ہوتے ہیں وہ اپنے عمل سے انہیں کھلا کرتی ہے۔ مسلم کی کتاب کے علاوہ میں ہے۔ الواشرات یہ واشرۃ کی جمع ہے جو اپنے دانتوں کو تیز کرتی ہے یعنی وہ شگاف جو جوان عورتوں کے دانتوں میں ہوتا ہے، بڑی عمر کی عورت نوجوان لڑکی سے مشابہت کے لیے ایسا کرتی ہے۔ یہ تمام امور احادیث کی رو سے گناہ کبیرہ ہیں۔ اس معنی میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے یہ نہی کی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: کیونکہ تدلیس کے باب میں ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ اللہ کی تخلیق کی تغییر کے باب سے ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: یہ اصح ہے یہ پہلے معنی کو بھی متضمن ہے۔

پھر بعض نے فرمایا: یہ منع اب بھی باقی ہے، کیونکہ یہ اللہ کی تخلیق کی تبدیلی کے باب سے ہے اور جو تزیین باقی رہنے والی نہ ہو جیسے سرمہ لگانا یا میک اپ کرنا، عورتوں کے لیے علماء نے جائز قرار دیا ہے لیکن مردوں کے لیے امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ امام مالک نے عورت کے لیے ہاتھوں پر مہندی لگانا جائز قرار دیا ہے۔ حضرت عمر سے اس کا انکار بھی مروی ہے۔ فرمایا:

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 2، صفحہ 205　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 501　3۔ ایضاً

یا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مہندی لگائے یا ترک کر دے۔ امام مالک نے حضرت عمر سے مروی روایت کا انکار کیا ہے کہ عورت مہندی سے خضاب لگانا ترک نہ کرے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جس نے مہندی نہیں لگائی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم (عورتوں) میں سے کوئی اپنے ہاتھ کو اس طرح نہ چھوڑے کہ وہ مرد کا ہاتھ معلوم ہو''۔ وہ عورت پھر ہمیشہ مہندی لگاتی رہی حتیٰ کہ اس کی عمر نوے سال سے بڑھ گئی تھی اور پھر وہ فوت ہو گئی۔

قاضی عیاض نے کہا: کالی مہندی کے متعلق منع کرنے کی حدیث مروی ہے۔ صاحب المصابیح نے اس کا ذکر کیا ہے اور عورت بغیر زیور کے نہ ہو اس کی گردن میں موتیوں کا ہار ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے کہا: ''بغیر ہار کے ہونا تیرے لیے مناسب نہیں خواہ وہ دھاگے کا ہو یا چمڑے کا ہو''۔ حضرت انس نے کہا: عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ نماز میں اپنے ہار کو اپنی گردن سے لپیٹ دے اگر وہ چمڑے کا ہو۔

ابو جعفر طبری نے کہا: حضرت ابن مسعود کی حدیث میں دلیل ہے کہ خاوند یا کسی اور کے لیے جس کی خاطر کمی یا زیادتی کے ساتھ اللہ کی تخلیق کو بدلنا جائز نہیں ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے خواہ وہ دانتوں کو کھلا کرے یا دانتوں کو تیز کرے یا اس کا دانت لمبا ہو تو وہ اسے اکھیڑ دے یا بہت سے لمبے دانت ہوں تو اس کی اطراف کو کاٹ دے۔ اسی طرح داڑھی یا مونچھوں کا حلق کرنا یا نیچے والے ہونٹ کے بالوں کا حلق کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ تمام صورتیں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنا ہے۔ عیاض نے کہا: جس کی زائد انگلی ہو یا کوئی عضو زائد ہو تو اس کا کاٹنا اور اس کا اکھیڑنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اللہ کی تخلیق کی تبدیلی سے ہے مگر یہ زائد عضو تکلیف دیتا ہو تو ابو جعفر وغیرہ کے نزدیک اس کو اکھیڑنے میں حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ میں کہتا ہوں: اس باب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة (1)، بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی، نشان بنانے والی اور نشان بنوانے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے تخریج کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے بالوں میں دوسرے بال جوڑنے سے منع فرمایا تاکہ بال زیادہ نظر آئیں، واصلة وہ عورت جو ایسا کرتی ہے اور المستوصلہ جو بال لگواتی ہے۔ مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے بالوں میں کوئی چیز ملانے سے زجر و توبیخ فرمائی (2)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے فرمایا: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی: یا رسول اللہ! میری بیٹی کی شادی ہوئی ہے اسے بیماری لگ گئی ہے جس کی وجہ سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا میں اس کو دوسرے بال لگوا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بال لگانے والی اور بال لگوانے والی پر لعنت کی ہے'' (3)۔ یہ بال جوڑنے کی تحریم میں نص ہے۔

امام مالک اور عطا کی جماعت نے یہی کہا ہے: انہوں نے ہر قسم کے بال خواہ وہ اون سے ہوں یا کپڑے سے ہوں سب سے منع کیا ہے، کیونکہ اس میں بھی بال جوڑنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ لیث بن سعد نے شاذ قول کیا ہے اس نے اون اور کپڑے

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، جلد 2، صفحہ 204۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر 5491، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 205　3۔ ایضاً

اور ایسی چیز جو بال نہیں، کے ملانے کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ اہل ظاہر کے مذہب کے زیادہ مشابہ ہے۔ اور دوسرے علماء نے سر پر بال رکھنے کو مباح قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: نہی صرف ملانے کے متعلق ہے۔ یہ محض ظاہر ہے اور معنی سے اعراض ہے۔ ایک قوم نے شاذ قول کیا ہے: انہوں نے مطلقاً وصل (بال لگانے) کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ قطعاً باطل قول ہے، احادیث اس کا رد کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ سے وہ مروی ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن سیرین سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: میری والدہ عورتوں کو کنگھی کرتی ہے، کیا میں اس کے مال سے کھا سکتا ہوں؟ ابن سیرین نے کہا: اگر وہ بال لگاتی ہے تو نہیں اور نہی میں وہ داخل نہیں جو زینت اور خوبصورتی کے لیے رنگ برنگ ریشم کے دھاگوں سے باندھا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ایک گروہ نے کہا: اللہ کی تخلیق کی تغییر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند، پتھروں اور آگ وغیرہ کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ ان سے نفع حاصل کیا جائے، کفار نے ان کو معبود بنا دیا۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو پیدا فرمایا تاکہ ان پر سواری کی جائے اور ان کا گوشت کھایا جائے، لیکن کفار نے ان کو اپنے اوپر حرام کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور پتھروں کو لوگوں کے لیے مسخر کیا لیکن لوگوں نے انہیں معبود بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ پس انہوں نے اللہ کی تخلیق کو بدل ڈالا۔ مفسرین کی ایک جماعت مجاہد، ضحاک، سعید بن جبیر اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ سے مراد اللہ کے دین کو بدلنا (1)۔ یہ نخعی کا قول ہے۔ طبری نے اس کو اختیار کیا ہے، انہوں نے فرمایا: اگر یہ معنی ہو تو وہ تمام صورتیں اس میں داخل ہوں گی جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے مثلاً خصی ہونا، جسم پر سوئی سے بیل بوٹے بنانا اور دوسرے گناہ، کیونکہ شیطان ان تمام گناہوں کی طرف بلاتا ہے یعنی وہ بدل دیں گے اسے جو اللہ نے اپنے دین میں حکم فرمایا۔ مجاہد نے بھی یہ کہا ہے: فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ یعنی وہ اللہ کی اس فطرت کو بدل دیں گے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا فرمایا یعنی وہ اسلام پر پیدا کیے گئے تھے شیطان نے انہیں اس کو تبدیل کرنے کا حکم دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہی معنی ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ و ینصرانہ ویمجسانہ (2) ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ پس خلق کا معنی اس طرف لوٹے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے چیونٹیوں کی شکل میں حضرت آدم کی پیٹھ سے انہیں نکالا اور ان میں ایمان پیدا فرمایا جس کا ذکر: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: 172) میں ہے۔ ابن عربی نے کہا: طاؤس سے مروی ہے کہ وہ کالی عورت کا سفید مرد سے نکاح ہوتا یا سفید عورت کا کالے مرد سے نکاح ہوتا تو وہ اس میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ وہ کہتے: یہ بھی فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ سے ہے۔ قاضی نے کہا: اگرچہ لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے مگر یہ مخصوص ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید کا نکاح جو سفید رنگت والے تھے، اپنی دایہ برکہ حبشیہ سے کر دیا جو حضرت اسامہ کی والدہ تھی اور حضرت اسامہ سفید سے کالے پیدا ہوئے تھے۔ طاؤس کے علم کے باوجود یہ مسئلہ ان سے مخفی رہا (3)۔

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 123 2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 185۔ ایضاً، حدیث نمبر 1270، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 502

میں کہتا ہوں: پھر حضرت اسامہ نے فاطمہ بنت قیس سے نکاح کیا تھا وہ عورت سفید تھی اور قریشی تھی اور حضرت بلال کے نکاح میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن زہریہ تھی۔ یہ خاص ہے اور طاؤس پر یہ معاملہ مخفی رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی جو شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ کے حکم کو چھوڑتا ہے۔ فَقَدْ خَسِرَ اس نے اپنے اجر میں کمی کی اور اپنا ہی نقصان کیا، کیونکہ اس نے اللہ کا حق شیطان کو دیا اور شیطان کے لیے اللہ کا حق چھوڑ دیا۔

یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾

”شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور نہ پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، داخل کریں گے ہم انہیں ان باغوں میں، رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں، ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَعِدُهُمْ یعنی وہ جھوٹے وعدے کرتا ہے، مال وجاہ اور ریاست کے سبز باغ دکھاتا ہے اور انہیں کہتا ہے، نہ دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ کوئی سزا ہے، وہ انہیں فقر وغربت سے ڈراتا ہے تاکہ وہ بھلائی میں مال خرچ نہ کریں۔ وَ یُمَنِّیْهِمْ اس کا بھی یہی مفہوم ہے وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ یعنی دھوکا۔ ابن عرفہ نے کہا: الغرور ہر وہ چیز جس کے ظاہر کو تو دیکھے تو تو اس سے محبت کرے جب کہ اس کا باطن مکروہ ہو یا مجہول ہو۔ شیطان کو غرور کہا جاتا ہے، کیونکہ نفس کی محبت کی جگہوں پر ابھارتا ہے جب کہ اس کے پیچھے تکلیف دہ چیزیں ہوتی ہیں۔ اُولٰٓىِٕكَ یہ مبتدا ہے مَاْوٰىهُمْ دوسرا مبتدا ہے جَهَنَّمُ دوسرے مبتدا کی خبر ہے اور پھر جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے۔ مَحِیْصًا ﴿۱۲۱﴾، ملجأ۔ اس سے فعل خاص یحیص آتا ہے۔ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ مبتدا خبر ہیں۔ قِیْلًا، قال قِیلاً و قَوْلاً و قَالاً تمام کا ایک معنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں۔ جو معانی اس آیت کے ضمن میں ہیں ان پر کلام گزر چکی ہے۔

لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (نجات کا انحصار) نہ تمہاری جھوٹی امیدوں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی امیدوں پر (بلکہ) جو عمل کرے گا برے اسے سزا ملے گی اس کی اور نہ پائے گا اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ابوجعفر مدنی نے: لَیْسَ بِاَمَانِیْكُمْ وَلَا أَمَانِی أَهْلِ الْكِتَابِ یعنی دونوں جگہ یا کی تخفیف کے ساتھ پڑھا۔ اس کے نزول کے بارے میں بہتر قول وہ ہے جو حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: یہود و نصاریٰ نے کہا: جنت میں داخل نہ ہوگا مگر جو ہم میں سے ہوگا۔ قریش نے کہا: ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ قتادہ اور سدی نے کہا: مومنین اور اہل کتاب نے باہم فخر کیا، اہل کتاب نے کہا: ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے تھے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور ہم اللہ کے تم سے زیادہ حق دار ہیں، مومنوں نے کہا: ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب تمام کتب پر غالب ہے تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ یہاں سوء سے مراد شرک ہے۔ حسن نے کہا: یہ آیت کافر کے بارے میں ہے اور انہوں نے هَلْ يُجَازِي إِلَّا الْكَفُورُ پڑھا ہے۔ اور ان سے یہ بھی مروی ہے مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ۔ فرمایا: یہ اس کے لیے ہے جس کی رسوائی کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کی عزت و اکرام کا ارادہ فرمایا اس کے لیے رسوائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کا ذکر کیا (2) اور فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ (الاحقاف) یہی وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے، یہ جنتیوں میں سے ہوں گے یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے۔

ضحاک نے کہا: اس سے مراد یہود، نصاریٰ، مجوس اور کفار عرب ہیں (3)۔ جمہور علماء نے کہا: آیت کا لفظ عام ہے کافر، مومن ہر ایک کو اس کے برے عمل کی جزا ملے گی۔ کافر کی جزا آگ ہے، کیونکہ اس کا کفر اسے ہلاک کرتا ہے اور مومن کو اس کی جزا دنیا کی تکالیف کی صورت میں دی جاتی ہے (4)، جس طرح کہ مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: جب مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ کا ارشاد نازل ہوا تو مسلمانوں کو بہت زیادہ پریشانی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم صحت کے قریب قریب اعمال کرو اور درست عمل کرو۔ ہر تکلیف جو مسلمان کو پہنچتی ہے وہ اس کے لیے کفارہ ہوتی ہے حتیٰ کہ چھوٹی سی مصیبت جو اسے پہنچتی ہے اور کانٹا جو اسے چبھتا ہے“ (5) (یہ سب چیزیں کفارہ ہوتی ہیں) حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں فصل نمبر 95 میں تخریج کیا ہے کہ ہمیں ابراہیم بن مستمر الہذلی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحمٰن بن سلیم بن حیان ابوزید نے بیان کیا فرمایا: میں نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے سنا انہوں نے فرمایا: میں حضرت ابن عمر کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف چلا، تو حضرت عمر نے حضرت نافع سے کہا: تو مجھے مصلوب (جس کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا)

1۔ اسباب النزول، جلد 1، صفحہ 199، قدیمی کتب خانہ کراچی
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 370-369
3۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 340
4۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 114
5۔ صحیح مسلم، البر والصلۃ والآداب، جلد 2، صفحہ 319

یعنی ابن زبیر کے پاس سے نہ گزار یا فرمایا: اچانک آدمی رات کے وقت سولی کی لکڑی حضرت عبداللہ بن عمر کے محل سے لگی، تو وہ بیٹھ گئے اپنی آنکھوں کو ملا پھر کہا: اے ابوخبیب! اللہ تجھ پر رحم کرے تو تھا، تو تھا! میں نے تیرے باپ زبیر کو یہ کہتے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ فی الدنیا او فی الاخرۃ (جو برائی کرے گا اسے اس کی جزا دنیا میں ملے گی یا آخرت میں ملے گی) اگر تو یہ تیرا قتل تیرے اس فعل کے بدلے میں ہے تو یہ اس کی جزا ہے (1)۔

ابو عبداللہ ترمذی نے کہا: جو قرآن میں ہے وہ مجمل ہے فرمایا: مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا الخ۔ اس سے نیک، فاجر، دشمن، دوست اور مومن، کافر سب داخل ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں دو جگہوں کے درمیان فرق کیا فرمایا: یجزبہ فی الدنیا اوفی الاخرۃ یعنی اس پر دونوں جگہ جزا جمع نہیں ہوگی۔ آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ حضرت ابن عمر نے کہا: اگر یہ تیرا قتل، تیرے فعل کے بدلے میں ہے تو یہ جزا ہے، یعنی اس نے حرم میں قتال کیا۔ اس میں ایک عظیم واقعہ صادر کیا حتیٰ کہ بیت اللہ کو جلا دیا گیا اور منجنیق کے ذریعے حجر اسود کو مارا گیا حتیٰ کہ وہ پھٹ گیا تھا پھر چاندی کے ساتھ اس کو جوڑا گیا تھا، وہ ابھی تک اسی حالت میں ہے عبداللہ نے بیت اللہ کے رونے کی آواز سنی تھی آہ آہ۔ جب حضرت ابن عمر نے عبداللہ کا فعل دیکھا پھر اسے سولی پر مقتول دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ذکر کیا: مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: اگر یہ قتل اس فعل کے بدلے ہے تو گویا اس فعل کی جزا یہ قتل اور پھانسی دی گئی ہے اللہ تعالیٰ ابن زبیر پر رحم فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں فریقوں کے درمیان دوسری حدیث میں تفریق کی ہے۔ ہمیں میرے باپ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابونعیم نے بتایا فرمایا ہمیں محمد بن مسلم نے بتایا انہوں نے یزید بن عبداللہ بن اسامۃ بن الہاد لیثی سے روایت کیا ہے فرمایا: جب مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ کا ارشاد نازل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو ہم میں سے کسی کو باقی چھوڑنے والی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! مومن کو اس کی جزا دنیا میں دی جائے گی اور کافر کو اس کی جزا قیامت کے روز دی جائے گی۔ ہمیں جارود نے بتایا فرمایا ہمیں وکیع، ابو معاویہ اور عبدہ نے بتایا انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے انہوں نے ابوبکر بن ابی زہیر ثقفی سے روایت کیا فرمایا: جب مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ کا ارشاد نازل ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس کے ہوتے ہوئے صلاح کیسے ہوگی ہر کام جو ہم نے کیا ہمیں اس کی جزا ملے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کر دیا ہے، کیا تو تھکتا نہیں ہے؟ کیا تو غمگین نہیں ہوتا ہے؟ کیا تجھے محنت و مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا؟ حضرت ابوبکر نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: اس کے ذریعے تمہیں جزا دی جاتی ہے۔ قرآن میں مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ میں اجمال تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفسیر بیان کر دی۔

ترمذی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: ''اے ابوبکر! تجھے اور مومنین کو برائی کی جزا دنیا میں دے دی جاتی ہے حتیٰ کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے ملو گے تو تمہارا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ رہے دوسرے لوگ (کافر) ان کے لیے وہ جزا کو جمع کرے گا حتیٰ کہ وہ قیامت کے روز اس کی جزا دیئے

1۔ نوادر الاصول، جلد 1، صفحہ 132، فصل نمبر 95

جائیں گے"(1)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کی سند میں مقال ہے۔ موسیٰ بن عبیدہ کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان اور امام احمد بن حنبل نے ضعیف قرار دیا ہے اور مولیٰ بن سباع مجہول ہے۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے حضرت ابوبکر سے مروی ہے لیکن اس کی صحیح سند نہیں ہے اور یہ حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کو اسماعیل بن اسحاق قاضی نے نقل کیا ہے فرمایا ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں حماد بن سلمہ نے بیان کیا، انہوں نے علی بن زید سے روایت کیا، انہوں نے اپنی ماں سے روایت کیا کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے پوچھا: اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِيۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡهُ (بقرہ: 284) اور اس آیت کے متعلق پوچھا: مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ تو حضرت عائشہ نے کہا: جب سے میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا ہے مجھ سے کسی نے اس کے متعلق نہیں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! انسان کو جو تکلیف پہنچتی ہے مثلاً بخار، مصیبت، کانٹا چبھتا ہے حتیٰ کہ وہ سامان جو انسان اپنی آستین میں رکھتا ہے پھر وہ اسے تلاش کرتے ہوئے پریشان ہو جاتا ہے پھر وہ اسے اپنے صندوق میں پالیتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو بدل دیتا ہے حتیٰ کہ مومن گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح سونے کی پتری بھٹی سے صاف و شفاف نکلتی ہے"(2)۔ لیس کا اسم ان تمام اقوال میں مضمر ہے تقدیر اس طرح ہے لیس الکائن من امور کم ما تتمنونہ بل من یعمل سؤ یجزبہ۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ثواب تمہاری امیدوں کے ساتھ نہیں ہے، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۲۳﴾ یعنی مشرکین۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ﴿۵۱﴾ (غافر) بے شک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی) دینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو برائی کرے گا اسے جزا ملے گی مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ ایک جماعت کی قرأت وَلَا يَجِدۡ لَهٗ ہے۔ یجز پر عطف کی بنا پر جزم دی گئی ہے۔

ابن بکار نے ابن عامر سے روایت کیا ہے وَلَا يَجِدُ رفع کے ساتھ نئے کلام کے اعتبار سے ہے۔ اگر آیت کو کافر پر محمول کیا جائے تو کل اس کے لیے ولی و نصیر نہ ہوگا۔ اگر مومن پر محمول کی جائے تو اللہ کے علاوہ اس کا کوئی مددگار و نصیر نہ ہوگا۔

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ نَقِيۡرًا ﴿۱۲۴﴾

"اور جس نے عمل کیے اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کیے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 129

2۔ تفسیر درمنثور، جلد 2، صفحہ 402۔ جامع ترمذی، حدیث نمبر 2917، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جائیں گے تل بھر''۔

ایمان کو شرط قرار دیا، کیونکہ مشرکین کعبۃ کی خدمت، حاجیوں کو کھانا کھلانے اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرنے پر اتراتے تھے اور اہل کتاب اپنی سبقت اور اپنے قول نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ:18) کے ساتھ ڈینگیں مارتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بغیر ایمان کے اچھے اعمال قبول نہیں۔ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ کو ابوعمرو اور ابن کثیر نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے باقی لوگوں نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے یعنی وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ نقیر کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اس سے مراد وہ نکتہ ہے جو گٹھلی کی پیٹھ میں ہوتا ہے۔

وَ مَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ﴿۱۲۵﴾

''اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہوا پنا چہرہ اللہ کے لیے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور پیروی کی ملت ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو اور بنالیا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل''۔

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر فضیلت دی ہے۔ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ اس کا معنی ہے اس نے اپنے دین کو اللہ کے لیے خاص کیا اور عبادت کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں جھکے اور متوجہ ہوئے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں دینا کو نصب بیان کے اعتبار سے ہے۔ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ مبتدا خبر ہیں اور حال ہے یعنی وہ موحد ہو۔ اس میں اہل کتاب داخل نہیں، کیونکہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو ترک کیا۔ الملة سے مراد دین ہے۔ الحنیف سے مراد مسلم ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ﴿۱۲۵﴾ ثعلب نے کہا: خلیل کو خلیل اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ محبوب کی محبت اس کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی خلل نہیں چھوتی مگر اسے بھر دیتی ہے۔ شاعر نے کہا:

تخلّلتَ مسلكَ الروحِ منّي وبه سُمّيَ الخليلُ خليلاً

اے محبوب! ہاں جہاں جہاں میری روح کا گزر ہے وہاں تیرا عشق سمایا ہوا ہے اس وجہ سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔

خلیل فعیل کا وزن ہے بمعنی فاعل ہے جیسے علیم بمعنی عالم ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ معنی مفعول ہے جیسے حبیب بمعنی محبوب ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے تھے اور اللہ کے محبوب بھی تھے۔ بعض نے فرمایا: الخلیل اختصاص کے معنی سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اس نے ابراہیم کو ان کے دور میں رسالت کے لیے خاص فرمایا۔ نحاس نے اس قول کو اختیار کیا اور فرمایا: اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے وقد اتخذ الله صاحبكم خليلاً (1) یعنی اللہ

1۔ صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، جلد 2، صفحہ 273

تعالیٰ نے تمہارے ساتھی کو خلیل بنایا۔ اس سے مراد آپ ﷺ کی اپنی ذات ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا لو کنت متخذا خلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً۔(1) یعنی اگر میں کسی کو کسی چیز کے ساتھ مختص کرتا تو ابوبکر کو کرتا۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کو دین کی کسی چیز کے ساتھ خاص فرمایا تھا۔

بعض علماء نے فرمایا: الخلیل کا معنی محتاج ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ کا معنی ہوگا وہ اللہ کی بارگاہ کے محتاج اور فقیر ہیں گویا وہ جس کو حاجت ہو۔ زہیر نے ہرم بن سنان کی تعریف میں کہا:

وان أتاہ خلیل یوم مَسْغَبَۃٍ یقول لا غائبٌ مالی ولا حَرِمُ

یعنی اگر بھوک کے دن کوئی محتاج اس کے پاس آتا ہے تو وہ کہتا ہے: نہ میرا مال غائب ہے اور نہ کوئی ممانعت ہے۔

زجاج نے کہا: خلیل وہ ہوتا ہے جس کی محبت میں خلل نہ ہو۔ یہ جائز ہے کہ ان کو اللہ کا خلیل کہا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے محبت کی تھی اور اسے چن لیا تھا اور اس سے مکمل محبت کی تھی۔ اور اس اعتبار سے خلیل اللہ کہنا بھی جائز ہے کہ وہ اللہ کے فقیر تھے، کیونکہ انہوں نے فقر و فاقہ اختیار نہیں کیا تھا مگر اللہ کے لیے، وہ اس میں مخلص تھے۔ الاختلال کا معنی فقر ہے روایت ہے کہ جب انہیں منجنیق کے ذریعے آگ میں پھینکا گیا اور وہ ہوا میں تھے تو جبریل امین ان کے پاس آئے اور کہا کیا تجھے کوئی حاجت ہے؟ ابراہیم نے کہا: تجھ سے تو نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی حضرت ابراہیم کے لیے خلت، اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم کی مدد کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا: خلیل کو خلیل اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے دوست سے ملنے گئے تھے جو مصر میں تھا۔ بعض نے کہا: وہ موصل میں تھا آپ اس لیے اس کے پاس گئے تھے تاکہ اس کے پاس سے کھانا لے آئیں آپ نے اپنے ساتھی کو نہ پایا، آپ نے اپنی زنبیل میں ریت بھر لی اور گھر کی طرف چل پڑے، آپ نے وہ زنبیل رکھ دی اور خود سو گئے، گھر والوں نے اسے کھولا تو انہوں نے اس میں آٹا پایا اس نے اس سے روٹی حضرت ابراہیم کے لیے تیار کی۔ جب کھانا پیش کیا تو آپ نے پوچھا: یہ تمہیں کہاں سے ملا ہے۔ گھر والوں نے کہا: یہ وہی ہے جو تم اپنے مصری دوست سے لائے ہو۔ آپ نے فرمایا: یہ میرے خلیل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو خلیل اللہ کہا جاتا ہے۔

بعض نے فرمایا: آپ نے کفار کے روساء کی مہمان نوازی کی اور انہیں تحائف دیئے اور ان سے حسن سلوک کیا، روساء نے پوچھا: تمہاری کیا حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: میری حاجت یہ ہے کہ تم سجدہ کرو، انہوں نے سجدہ کیا، تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: اے اللہ! میرے لیے جو ممکن تھا وہ میں نے کر دیا اب تو وہ کر جو تیری شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنالیا۔ کہا جاتا ہے: جب ملائکہ حضرت ابراہیم کے پاس انسانوں کی شکل میں آئے اور آپ ان کے لیے بھونا ہوا موٹا بچھڑا لائے تو انہوں نے اسے نہ کھایا اور کہا: ہم بغیر قیمت کے کوئی چیز نہیں کھاتے، آپ نے انہیں فرمایا: اس کی قیمت دو اور کھاؤ۔ انہوں نے پوچھا: اس کی قیمت کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی ابتدا میں تم بسم اللہ کہو اور اس کے آخر میں الحمد للہ کہو۔ فرشتوں نے آپس میں کہا: اللہ تعالیٰ کو اس کو اپنا

1۔ صحیح مسلم، فضائل صحابہ، فضائل ابی بکر الصدیق، جلد 2، صفحہ 273۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر 3381، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خلیل بنانا چاہیے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنا دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، کیونکہ وہ کھانا کھلاتے تھے اور سلام پھیلاتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے تھے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے تھے''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے جبریل! اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل کیوں بنایا؟ اے پیارے محمد! (ﷺ) کھانا کھلانے کی وجہ سے (1)۔

بعض نے فرمایا: خلیل وہ ہوتا ہے جو اللہ کے لیے دوستی رکھتا ہے اور اللہ کے لیے دشمنی رکھتا ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان خلت کا مطلب دوستی ہے یہ تخلل الاسرار بین المتخالین سے مشتق ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ الخلة سے ہے دونوں دوستوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی حاجت پوری کرتا ہے۔ مصنف ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الرجل علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل (2)۔ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

من لم تکن فی الله خُلّتُهُ　　فخلیلة منه علی خطر

جس کی دوستی اللہ کی رضا کے لیے نہیں اس کا دوست اس سے خطرے میں ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

إذا ما کنت متّخذاً خلیلاً　　فلا تَثِقَنّ بکلّ أخی إخاءٍ

فإن خیّرت بینهم فألصِق　　بأهل العقل منهم والحَیاءِ

فإن العقل لیس له اذاما　　تفاضلَت الفضائلُ من کِفاءِ

جب تو کسی کو خلیل بنانے والا ہو تو ہر بھائی چارہ رکھنے والے پر وثوق نہ کر، جب تو ان میں سے چناؤ کرے تو ان میں اہل عقل اور حیاداروں کا چناؤ کر، کیونکہ عقل کا کوئی ہم پلہ نہیں جب فضائل کا مقابلہ ہوتا ہے۔

حضرت حسان نے کہا تھا:

أخِلّاء الرجل هُم کثیرٌ　　ولکن فی البلاء هُمُ قلیلُ

فلا تغرنّك خُلّةُ من تواخی　　فمالك عند نائبةٍ خلیل

وکل أخٍ یقول أنا وفی　　ولکن لیس یفعل ما یقول

سوی خلٍ له حسبٌ و دینٌ　　فذاك لما یقول هو الفَعُول

مردوں کے دوست بہت ہوتے ہیں لیکن مصیبت میں وہ کم ہوتے ہیں۔ جس کو تو بھائی بنائے ہوئے ہے اس کی دوستی تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔ تیرا مال مصیبت کے وقت خلیل ہوتا ہے۔ ہر بھائی کہتا ہے کہ میں وفادار ہوں لیکن جو وہ کہتا ہے کرتا

1۔ شعب الایمان، باب اکرام الضیف، جلد 7، صفحہ 98　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 308

نہیں ہے، سوائے اس دوست کے جو حسب والا اور دین دار ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اسے کرنے والا ہوتا ہے۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

''اور اللہ کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ملک اور ایجاد کے اعتبار سے سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا اس کے حسن طاعت کی وجہ سے، نہ اسے اس کی دوستی کی حاجت تھی، نہ کثرت کے لیے اور نہ مدد کے لیے۔ اسے اس کی ضرورت ہی کیا ہے جب زمین و آسمانوں کا سب کچھ اس کا ہے اس نے تو حضرت ابراہیم کو اس کے امتثال امر پر عزت و شرف بخشا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے۔

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

''اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں۔ آپ فرمائیے: اللہ فتویٰ دیتا ہے تمہیں ان کے بارے میں اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن) میں (ان میں احکام ہیں) ان یتیم بچیوں کے متعلق جنہیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ہے ان کے لیے اور خواہش کرتے ہو کہ خود نکاح کرلو ان کے ساتھ (ان کا مال دبوچنے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق اور (وہ یہ) کہ قائم رہو یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے''۔

یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کے عورتوں کے متعلق سوال اور میراث میں ان کے احکام وغیرہ کے سبب سے نازل ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ انہیں فرمائیں کہ اللہ تمہیں ان کے متعلق فتویٰ دیتا ہے یعنی جس کے متعلق تم نے پوچھا اس کا تمہارے لیے حکم بیان کرتا ہے۔ یہ آیت ان احکام کی طرف راجع ہے جو اس سورت کے آغاز میں عورتوں کے امر کے متعلق گزر چکے ہیں اور ان کے لیے کچھ احکام باقی تھے جن کو ابھی تک لوگوں نے سمجھا نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیا، انہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے متعلق فتویٰ دیتا ہے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جاتا تھا تو آپ جواب نہیں دیتے تھے حتیٰ کہ وحی نازل ہوتی تھی۔ اور وہ کتاب اللہ میں ہے: وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ...... وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ...... يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ...... وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ۔ (1)

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 503

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ، مامحل رفع میں ہے اس کا عطف اسم جلالت پر ہے معنی یہ ہے کہ قرآن تمہیں ان کے بارے فتویٰ دیتا ہے اور وہ یہ ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ ارشاد ہے: وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ یعنی وہ ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتے پھر عَنْ کو حذف کیا گیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے یرغبون فی ان تنکحوھن یعنی وہ ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے تھے۔ پھر فی کو حذف کیا گیا۔ سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: اس یتیم بچی سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتے تھے جب ان کا مال زیادہ ہوتا تھا (1)۔

حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے: وترغبون ان تنکحوھن رغبة احدکم عن یتیمة التی تکون فی حجرہ حتی تکون قلیلة المال والجمال (2)۔ یعنی جس کا مال اور جمال کم ہوتا تو اس سے نکاح میں رغبت نہیں رکھتے تھے۔ سورۃ کے آغاز میں یہ گزر چکا ہے۔

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۲۸

''اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کر لیں آپس میں اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بخل اور اگر تم احسان کرو اور متقی بنو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنِ امْرَاَةٌ فعل مضمر کی وجہ سے مرفوع ہے، مابعد فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ خافت بمعنی توقعت یعنی اسے توقع ہو اور جنہوں نے خافت بمعنی تیقنت کہا ہے وہ غلط ہے۔ زجاج نے کہا: وان امراۃ خافت من بعلھا دوام النشوز۔ یعنی عورت کو اگر اپنے خاوند سے ہمیشہ زیادتی کا خوف ہو۔ نحاس نے کہا: نشوز اور اعراض کے درمیان فرق نہیں ہے۔ یہ نشوز کا مطلب دور ہونا ہے اور اعراض کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بات نہ کرے اور نہ اس سے محبت کرے۔ یہ آیت حضرت سودہ بنت زمعہ کے سبب نازل ہوئی۔

ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت سودہ کو اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے طلاق دے دیں گے تو حضرت سودہ نے عرض کی (حضور!) آپ مجھے طلاق نہ دیں اور مجھے اپنے پاس رکھیں اور میری باری آپ عائشہ کے لیے کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (3): فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ جس پر صلح کر لیں وہ جائز ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن عیینہ نے زہیر سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت رافع بن خدیج کی بیوی خولہ بنت محمد بن

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 348 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 129

مسلمہ تھی حضرت رافع نے اسے ناپسند کیا۔ اس کے بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تو اس نے اسے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو خولۃ نے کہا: تو مجھے طلاق نہ دے اور میرے لیے جو چاہے باری مقرر کر۔ پس اس کے ساتھ سنت جاری ہوئی اور یہ ارشاد نازل ہوا: وَ اِنِ امْرَاَةٌ الخ۔

بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا کے متعلق آپ نے فرمایا: ایک شخص کے پاس ایک عورت ہوتی تھی جس سے وہ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا وہ اسے جدا کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو وہ اسے کہتی: جو تو میرے متعلق فیصلہ کرے وہ مجھے منظور ہے (1)، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عام قراء کی قرأت: ان یصالحا ہے۔ اکثر کوفیوں نے ان یُصلحا پڑھا ہے۔ جحدری اور عثمان البتی نے ان یصّلحا پڑھا ہے اس کا معنی یصطلحا ہے طاکو ص میں ادغام کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت سے ان جہلاء کا رد بھی سمجھ آتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مرد جب عورت کی جوانی سے لطف اٹھالے اور وہ بوڑھی ہو جائے تو اسے اس کے بدلے دوسری عورت تبدیل کرنا مناسب نہیں۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا: حضرت سودہ بنت زمعہ جب بوڑھی ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے اسے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اس نے آپ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا، اس نے آپ سے عرض کی: آپ مجھے اپنے پاس رکھیں اور میری باری عائشہ کو دے دیں۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تو ان کا وصال ہوا تو آپ کی ازواج میں سے تھیں (2)۔

میں کہتا ہوں: محمد بن مسلمۃ کی بیٹی نے بھی ایسا ہی کیا۔ امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے محمد بن مسلمۃ کی بیٹی سے نکاح کیا وہ ان کے پاس رہی حتیٰ کہ بوڑھی ہوگئی تو انہوں نے اس پر نوجوان لڑکی سے نکاح کر لیا اور نوجوان لڑکی کو اس پر ترجیح دی اور محمد بن مسلمہ کی بیٹی نے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس نے اسے ایک طلاق دے دی پھر اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ جب وہ حیض سے پاک ہوئی تو اس سے رجوع کر لیا پھر نوجوان لڑکی کو اس پر ترجیح دی، پھر اس نے طلاق کا مطالبہ کیا تو پھر ایک طلاق دے دی اور پھر رجوع کر لیا، پھر نوجوان لڑکی کو اس پر ترجیح دی پھر اس نے طلاق کا مطالبہ کیا۔ حضرت رافع نے کہا: اب تیری ایک طلاق باقی ہے اگر تو چاہے تو اس ترجیح کے باوجود ٹھہری رہے اگر تو چاہے تو میں تجھے جدا کر دوں۔ اس عورت نے کہا: میں اس ترجیح کے باوجود ٹھہری رہوں گی۔ پس حضرت رافع نے اسے اپنے پاس ٹھہرائے رکھا۔ حضرت رافع نے اپنے اوپر کوئی گناہ نہ دیکھا جب وہ اس ترجیح کے باوجود ان کے پاس ٹھہری رہی۔ اس کو معمر نے زہری سے ان الفاظ اور معانی کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ زائد ذکر کیا ہے کہ جو ہم تک خبر پہنچی ہے یہ وہ صلح ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ۔

ابوعمر بن عبدالبر نے کہا: فاثر الشابۃ علیھا (رافع نے نوجوان لڑکی کو اس بوڑھی پر ترجیح دی) اس سے مراد نوجوان عورت کی طرف نفس کا میلان اور اس کے لیے نشاط ہے یہ مراد نہیں کہ حضرت رافع نے کھانے، پینے اور رات گزارنے میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 1، صفحہ 331　　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 504

اس پر ترجیح دی تھی، کیونکہ حضرت رافع جیسے عظیم صحابی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جاتا۔ ابو بکر بن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے فرمایا ہمیں ابو الاحوص نے بتایا، انہوں نے سماک بن حرب سے روایت کیا ہے، انہوں نے خالد بن عرعرہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا: یہ وہ عورت تھی جو کسی مرد کے نکاح میں ہوتی پھر وہ اس کی بدصورتی یا فقر یا کبر یا بدخلق ہونے کی وجہ سے اس سے آنکھیں پھیر لیتا اور وہ عورت اس سے جدائی کو پسند نہ کرتی، پھر اگر وہ اپنے مہر میں سے کچھ اس کے لیے معاف کر دیتی تو اس کے لیے وہ مال لینا حلال ہوتا اور اگر وہ اپنے ایام میں سے کچھ اس کے لیے کر دیتی تو کوئی حرج نہ ہوتا (1)۔ ضحاک نے کہا: وہ اپنے حق سے کچھ کم کر دے تو کوئی حرج نہیں جب وہ کسی نوجوان اور خوبصورت عورت سے نکاح کرے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ مرد جس کی بیوی بڑی عمر کی ہوتی پھر وہ اس پر ایک نوجوان عورت سے نکاح کر لیتا تو وہ اپنی بڑی بیوی کو کہتا: میں تجھے اپنے مال میں سے دوں گا اس شرط پر کہ میں اس نوجوان لڑکی کے لیے تیری نسبت زیادہ دن مقرر کروں گا وہ اس صلح پر راضی ہو جاتی، اگر وہ انکار کرتی اور راضی نہ ہوتی تو باری میں عدل کرنا مرد پر لازم ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے فرمایا: ایسے حالات میں صلح کی تمام صورتیں جائز ہیں مثلاً مرد عورت کو کچھ مال دے اس شرط پر کہ وہ صبر سے رہے یا عورت کچھ دے اس شرط پر کہ خاوند کے اس پر ترجیح دینے کے باوجود وہ اس کے پاس ٹھہری رہے یا وہ ترجیح دے اور عصمت کے ساتھ اسے روکے رکھے یا صبر پر یا ترجیح پر بغیر کچھ عطا کیے صلح واقع ہو جائے، یہ سب صورتیں مباح ہیں (3)۔ اور یہ بھی جائز ہے کوئی عورت اپنی سوکن سے کسی چیز کے بدلے اپنی باری کے متعلق صلح کر لے جو وہ اسے عطا کرے گی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے کیا تھا۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ پر ناراض ہوئے تو اس نے حضرت عائشہ سے کہا: میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صلح کرا میں نے اپنی باری تجھے ہبہ کر دی۔ یہ ابن خویز منداد نے احکام میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: کسی مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ پر ناراض ہوئے تو مجھے صفیہ نے کہا: کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرے اور میری باری تیرے لیے ہو؟ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے زعفران سے رنگا ہوا دوپٹہ اوڑھا جو میرے پاس تھا اور میں نے اس پر مزید زعفران چھڑکا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ کے قریب بیٹھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے دور ہو جا یہ تیرا دن نہیں ہے''۔ میں نے کہا: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، پھر میں نے سارا واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ سے راضی ہو گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے درمیان مساوات کو ترک کرنا اور بعض کو بعض پر ترجیح دینا جائز نہیں مگر یہ کہ مفضولہ کی اجازت اور رضا سے ترجیح جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ کوفیوں نے یُصلحا پڑھا ہے اور باقی قراء نے ان یصالحا پڑھا ہے۔ جحدری نے یصلحا پڑھا ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 355　　2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 167-166　　3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 119

جنہوں نے یصالحا پڑھا ہے اس کی وجہ یہ کہ عرب کی کلام میں معروف ہے کہ جب کسی قوم کے درمیان جھگڑا ہو تو کہا جاتا ہے: تصالح لقوم یہ نہیں کہا جاتا: اصلح القوم۔ اگر اصلح ہوتا تو اس کا مصدر اصلاحا ہوتا اور جنہوں نے یصلحا پڑھا ہے اس نے جھگڑے اور تنازع میں اس کی مثل استعمال کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: فاصلح بینھم اور صلحاً کو نصب اس قرأت کی بنا پر مفعول کی حیثیت سے ہے اور عطا کی مثل اسم ہے جیسے وہ اعطیت سے اسم ہے اصلحت صلحاً، اصلحت امراً کی مثل ہے اسی طرح یصلحا پڑھنے والے کی قرأت پر بھی مفعول ہوگا، کیونکہ باب تفاعل کبھی متعدی آتا ہے اور یہ مصدر ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے اس کے زوائد کو حذف کیا گیا ہے اور جنہوں نے یصّلحا پڑھا تو اس کی اصل یصتلحا ہے پھر یصطلحا بن گیا پھر طاء کو صاد سے بدلا گیا پھر صاد کو صاد میں بدلا گیا صاد کو طاسے نہیں بدلا، کیونکہ اس میں آواز لمبی ہو جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ یہ لفظ عام مطلق ہے۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ حقیقی صلح جس سے نفوس کو سکون ملے اور اس سے اختلاف زائل ہو، وہ طلاق سے بہتر ہے۔ اور اس معنی میں داخل ہیں وہ تمام صورتیں جس پر مرد اور عورت کے درمیان صلح قائم ہو، مال میں ہو یا وطی میں ہو یا کسی اور اعتبار سے ہو۔ خَيْرٌ یعنی جدائی سے بہتر ہے، اختلاف، کینہ، ناراضگی پر قائم رہنا شر کے قواعد میں سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنی کے بارے فرمایا: انھا الحالقة (1) یعنی یہ دین کو ختم کرنے والی ہے نہ کہ بالوں کو مونڈنے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ یہ خبر دی گئی ہے کہ بخل ہر نفس میں رکھا گیا ہے، انسان اپنی جبلت اور خلقت کی وجہ سے بخل کرتا ہے حتیٰ کہ وہ بخل اسے ناپسندیدہ چیزوں سے نفرت کرنے پر ابھارتا ہے۔ کہا جاتا ہے: شح یشح۔ ابن جبیر نے کہا: یہ عورت کا اپنے خاوند سے نفقہ کے بارے بخل کرنا اور اپنی باری کے ایام کے بارے بخل کرنا ہے۔ ابن زید نے کہا: بخل سے یہاں مراد مرد اور عورت کا بخل ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ بہتر ہے، کیونکہ غالب طور پر عورت اپنے خاوند سے اپنے حصہ کے لیے بخل کرتی ہے اور خاوند غالب طور پر نوجوان عورت سے اپنے حصہ پر بخل کرتا ہے۔ الشح کا مطلب ہے اپنے نظریات وعقائد پر اور ارادہ پر ضبط کرنا، ہم اور اموال میں ضبط کرنا وغیرہ۔ یہ دین کے معاملہ میں ہو تو محمود ہے اس کے علاوہ ہو تو مذموم ہے اس کے متعلق اللہ نے فرمایا: وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (الحشر) اور وہ جو حقوق شرعیہ کی ادائیگی سے مانع ہو یا ایسی چیز کے کرنے سے جس کا مروت تقاضا کرتی ہو وہ بخل رزیل ہے (2)۔ جب بخل ان اخلاق مذمومہ اور خصائل لئیمہ کی طرف راجع ہو تو اس کے ساتھ امید افزا خیر اور کوئی نیک صلاح باقی نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں: روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو کہا: "تمہارا سردار کون ہے"۔ انہوں نے کہا: جد بن قیس، اس بخل کے باوجود جو اس میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أي داءٍ أدوی من البخل کون سی بیماری بخل سے بڑی ہے؟ انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم سمندر کے ساحل پر اتری انہوں نے اپنے بخل کی وجہ سے مہمانوں کے پاس آنا ناپسند کیا۔ انہوں نے کہا: ہم میں سے مرد عورتوں سے جدا ہو جائیں تاکہ مرد، مہمانوں سے

1۔ المستدرک للحاکم، معرفۃ الصحابہ، جلد 3، صفحہ 242　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 120

عورتوں کی دوری کا عذر پیش کریں اور عورتیں مردوں سے دوری کا عذر پیش کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، ان پر زمانہ لمبا ہو گیا تو ان کے مرد، مردوں اور عورتیں عورتوں سے مشغول ہو گئیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کو ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا یہ شرط ہے اور فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾ جواب ہے۔ یہ مردوں کو خطاب ہے اس حیثیت سے کہ خاوند کے لیے بخل کرنا ہے اور یہ اچھا نہیں ہے یعنی اگر تم عورتوں سے حسن سلوک کرو گے اس طرح کہ ان کو ناپسند کرنے کے باوجود ان کے ساتھ رہو گے اور ان پر ظلم نہیں کرو گے تو یہ تمہارے لیے افضل ہے۔

وَ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۲۹﴾

''اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی بیویوں کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہش مند بھی ہو تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو اور اگر تم درست کرلو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ تم عورتوں کے درمیان عدل و مساوات کی طاقت نہیں رکھتے اور یہ طبعی محبت جماع اور قلبی لگاؤ کے اعتبار سے ہے پس اللہ تعالیٰ نے بشری حالت کو بیان فرمایا اور یہاں فرمایا کہ خلقت کے اعتبار سے وہ کسی ایک کی طرف میلان قلب پر قابو نہیں رکھتے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی تھی: اللهم ان هذه قسمتی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك (1)۔ اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں اور مجھے اس میں ملامت نہ کرنا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔ پھر نہی فرمائی اور فرمایا: فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ۔ مجاہد نے کہا: تم برائی کا ارادہ نہ کرو بلکہ باری مقرر کرنے میں اور خرچہ میں برابری کو لازم پکڑو، کیونکہ اس کی انسان کو طاقت ہے۔ اس کا تفصیلی بیان سورۂ احزاب میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قتادہ نے نضر بن انس سے انہوں نے بشیر بن نہیک سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کی دو بیویاں ہوں گی اور وہ ان کے درمیان عدل نہیں کرے گا تو وہ قیامت کے دن آئے گا جب کہ اس کی ایک طرف جھکی ہوئی ہوگی'' (2)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ یعنی وہ نہ مطلقہ ہو، نہ خاوند والی ہو (3)۔ یہ حسن کا قول ہے۔ یہ کسی معلق چیز سے تشبیہ ہے، کیونکہ وہ چیز نہ زمین پر قرار پذیر ہوتی ہے اور نہ اس پر ہوتی ہے جس سے لٹکائی گئی ہوتی ہے۔ یہ قول ان کی ضرب المثال میں عام ہے: ارض من المركب بالتعلیق اور نحویوں کے عرف میں یہ فعل کی تعلیق سے ہے۔ اسی سے ام زرع کی حدیث میں عورت کا قول ہے زوجی العشنق میرا خاوند لمبا تڑنگا ہے اگر میں بولوں تو مجھے طلاق دی جائے اور اگر میں

1۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 290　2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 168　3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 373

خاموش رہوں تو میں معلق رہوں گی (1)۔

قتادہ نے کہا: وہ قیدی عورت کی طرح ہے (2)۔ حضرت ابی نے فَتَذَرُوْهَا كَالْمَسْجُوْنَةِ (3) پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فَتَذَرُوْهَا كَاَنَّهَا معلقة پڑھا ہے اور فتذروها کا محل نصب ہے کیونکہ نہی کا جواب ہے اور کالمعلقة میں کاف بھی محل نصب میں ہے۔

وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

''اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے۔ اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا حکمت والا ہے۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا ان لوگوں کو جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور (حکم دیا) تمہیں بھی کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اگر کفر کرو تو بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی اگر صلح نہ کریں بلکہ جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان کریں، اللہ تعالیٰ مرد کو ایسی بیوی دے گا جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور عورت کو ایسا مرد عطا فرمائے گا جو اس پر کشادگی کرے گا۔ جعفر بن محمد سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے غربت کی شکایت کی تو انہوں نے اسے نکاح کرنے کا حکم دیا، وہ شخص گیا اس نے نکاح کر لیا پھر وہ آیا اور غربت کی شکایت کی، انہوں نے اسے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا پھر ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے اسے نکاح کا حکم دیا کہ شاید وہ اس آیت والوں سے ہو: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور: 32) جب وہ اس آیت کے مصداق لوگوں سے نہیں تھا تو میں نے اس کو طلاق کا حکم دیا میں نے کہا: شاید یہ اس آیت کے مصداق لوگوں سے ہو: وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی تقویٰ کا حکم تمام امتوں میں عام تھا، تقویٰ کے متعلق قول گزر چکا ہے وَ اِيَّاكُمْ کا عطف الذین پر ہے۔ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ محل نصب میں ہے الاخفش نے کہا یعنی بان اتقوا اللہ۔ بعض عارفین نے کہا۔ یہ آیت قرآن کی آیات کا مدار ہے کیونکہ تمام قرآن اس پر گھومتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ، یعنی تقویٰ کا حکم یہ تمام امتوں کو عام ہے اور تقویٰ

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 779   2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 367   3۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 168

کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَ اِیَّاكُمْ، الَّذِیْنَ پر اس کا عطف ہے۔ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ محل نصب میں ہے۔ اخفش نے کہا: یعنی بأن اتقوا اللہ اور بعض عارفین نے کہا: یہ آیت قرآن کریم کی چکی ہے کیونکہ سارا قرآن اس پر گھومتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ۝ وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝ ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس تکرار کا کیا فائدہ ہے؟ تو اس کے دو جواب ہیں۔

(۱) تاکید کے لیے تکرار فرمایا تاکہ بندے متنبہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ملک وملکوت میں جو کچھ ہے اس میں غور وفکر کریں وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ تکرار کے کئی فوائد ہیں پہلے میں یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے غنی کر دے گا، کیونکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اس کے خزانے ختم نہیں ہوتے پھر فرمایا: ہم نے تمہیں اور اہل کتاب کو تقویٰ کا حکم دیا اگر تم انکار کرو گے تو وہ تم سے بے نیاز ہے، کیونکہ اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ پھر تیسری مرتبہ ذکر کرنے میں اپنی تخلیق کی حفاظت اور ان کی تدبیر کے متعلق آگاہ کیا فرمایا: وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا یعنی اللہ تعالیٰ کارساز کافی ہے، کیونکہ اسی کا ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ فرمایا: مَا فِی السَّمٰوٰتِ اور من فی السماوات نہیں فرمایا، کیونکہ جنس کا اعتبار کیا گیا اور آسمانوں اور زمینوں میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں ہیں۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ۝

''اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اگر چاہے تو لے جائے تمہیں موت کے ساتھ اَیُّهَا النَّاسُ یہ خطاب مشرکین و منافقین کو ہے۔ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو لے آئے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان فارسی کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ہم قوم هذا وہ اس کی قوم ہے۔ بعض نے فرمایا: آیت عام ہے یعنی اگر تم انکار کرو گے تو وہ تمہیں لے جائے گا اور ایسی مخلوق لے آئے گا جو تم سے زیادہ اللہ کی اطاعت گزار ہوگی۔ یہ اس طرح ہے جس طرح دوسری آیت میں فرمایا: وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝ (محمد) اس آیت میں ہر اس شخص کو تنبیہ کی گئی ہے اور ڈرایا گیا ہے جس کو کوئی ولایت، امارت اور ریاست حاصل ہے اور وہ اپنی رعیت سے انصاف نہیں کرتا یا وہ عالم ہے اور اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اور لوگوں کو نصیحت نہیں کرتا وہ اسے لے جائے اور کوئی دوسرا لے آئے۔

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ۝ قدرت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے اس کی مقدورات لامتناہی ہیں جس طرح اس کی معلومات لامتناہی ہیں، اس کی صفات میں ماضی اور مستقبل ایک جیسا ہے۔ ذکر میں ماضی کو خاص کیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں حادث ہے۔ قدرت سے مراد وہ قدرت ہے جس کے ساتھ فعل ہوتا ہے اس کے ہوتے ہوئے عجز کا وجود جائز نہیں ہوتا۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا

بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

''جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثواب دنیا کا (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے) الله کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں کا ثواب ہے''۔

یعنی جو آخرت کی طلب کے لیے الله تعالیٰ کے فرائض پر عمل کرے گا الله تعالیٰ اسے آخرت میں اس کا ثواب عطا فرمائے گا اور جو دنیا طلب کرنے کے لیے عمل کرے گا تو الله تعالیٰ اسے وہ عطا فرمائے گا جو اس نے دنیا میں اس کے لیے کیا ہے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے غیر الله کے لیے عمل کیا جیسا کہ الله نے فرمایا: وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ (الشوریٰ) اور نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔

اور الله تعالیٰ نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ (ہود: 16) یہ وہ لوگ ہیں نہیں ان کے لیے آخرت میں بجز آگ کے۔

اس مفہوم کی بناء پر سابقہ آیت سے مراد منافقین و کفار نہ ہوں گے۔ یہ طبری کا اختیار ہے۔ روایت ہے کہ مشرکین قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور وہ الله تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تاکہ دنیا میں وہ ان پر وسعت فرمائے اور ان سے مصائب کو دور کرے، تو الله تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ یعنی جو وہ کہتے ہیں اسے وہ سنتا ہے اور جو وہ پوشیدہ کرتے ہیں اسے دیکھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی دینے والے محض الله کے لیے چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے خلاف گواہی دی جارہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس الله زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا۔ تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ موڑو تو بے شک الله تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے''۔

اس میں دس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ۔ مبالغہ کا صیغہ ذکر فرمایا یعنی تمہاری طرف سے عدل کا قیام بار بار ہو اور وہ تمہاری شہادت میں عدل ہے خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہو۔ اور انسان کا اپنے خلاف گواہی دینے کا مطلب ہے اپنے اوپر حقوق کا اقرار کرنا ہے پھر والدین کا ذکر فرمایا، کیونکہ ان کے ساتھ نیکی کرنا واجب ہے اور ان کی قدر بہت عظیم ہے پھر قریبی رشتہ داروں کا ذکر فرمایا، کیونکہ وہ مودت اور تعصب کی جگہ ہیں، اجنبی شخص تو زیادہ اس بات کا لائق ہے کہ اس پر انصاف کو قائم کیا جائے اور اس کے خلاف سچی گواہی دی جائے۔ اسی سورت میں مخلوق کے حقوق جو اموال میں ہیں ان کی حفاظت پر

کلام آگے آئے گی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کے احکام کی صحت میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور بچے کی شہادت والدین کے خلاف نافذ ہے اور والدین سے حسن سلوک اس سے مانع نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف گواہی دینا اور انہیں باطل سے بچانا ان سے حسن سلوک کرنے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم: 6) اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ کا یہی معنی ہے۔ اگر بیٹا والدین کے لیے گواہی دے یا والدین بیٹے کے لیے گواہی دے تو یہ صورت ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس میں قدیم وجدید علماء میں اختلاف ہے۔ ابن شہاب زہری نے کہا: سلف صالحین والدین اور بھائی کی شہادت کو جائز قرار دیتے تھے اور بطور دلیل یہ آیت پیش کرتے تھے: كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سلف صالحین میں سے کوئی ایک بھی اس سلسلہ میں متہم نہیں کیا گیا۔

پھر لوگوں سے ایسے امور ظاہر ہوئے جنہوں نے والیوں کو ان کے اتہام پر ابھارا پس جس پر اتہام ہو سکتا ہے اس کی شہادت کو ترک کیا گیا اور یہ اس طرح ہو گیا کہ بچے، والد، بھائی، خاوند اور بیوی میں گواہی جائز نہیں۔ یہ حسن، نخعی، شعبی، شریح، امام مالک، امام ثوری، امام شافعی اور امام ابن حنبل کا مذہب ہے۔ اور ایک قوم نے ان کی آپس میں گواہی کو جائز قرار دیا جب کہ یہ عادل ہوں۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ انہوں نے اس کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے اور اسحاق، ثوری اور مدنی کا یہی قول ہے۔ امام مالک کا مذہب بھائی کی بھائی کے حق میں شہادت کے جواز کا مذہب ہے جب کہ وہ عادل ہو مگر نسب کے جھگڑا میں نہیں۔ ابن وہب نے ان سے روایت کیا ہے کہ بھائی کی بھائی کے حق میں گواہی جائز نہیں جب کہ وہ اس کے عیال میں ہو یا مال کے حصہ میں ہو جس کا وہ وارث ہو (1)۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا: خاوند کی بیوی کے حق میں گواہی قبول نہ ہوگی، کیونکہ ان کے درمیان املاک کے منافع جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور یہ محل شہادت ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: میاں، بیوی کی ایک دوسرے کے حق میں گواہی قبول ہے، کیونکہ دونوں اجنبی ہیں، ان کے درمیان زوجیت کا عقد ہے جو زائل ہونے والا ہے اور اصل شہادت کا قبول کرنا ہے مگر جہاں کسی مخصوص سے خاص کیا ہو پس یہ اصل پر باقی ہے۔ یہ ضعیف ہے کیونکہ زوجیت محبت، مواصلت، الفت، محبت کا موجب ہے (2)، پس اس میں تہمت قوی اور ظاہر ہے۔

ابو داؤد نے سلیمان بن موسیٰ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خائن مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی شہادت رد فرمائی اور جس کی اپنے بھائی سے دشمنی تھی اس کی شہادت اپنے بھائی کے خلاف رد فرمائی اور قانع (سائل) کی اپنے مالکوں کے حق میں گواہی رد فرمائی اور دوسرے لوگوں کے لیے جائز فرمائی (3)۔ خطابی نے کہا: ذو الغمر وہ ہوتا ہے جس کی اپنے مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی گئی ہے) سے دشمنی ظاہر ہو پس تہمت کی وجہ سے اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: دشمن کے خلاف اس کی گواہی قبول ہے جب کہ وہ عادل ہو۔ قانع سے مراد سائل اور کھانا طلب کرنے والا ہے۔ القنوع کی اصل سوال ہے۔ القانع کے بارے میں کہا جاتا ہے: جو قوم سے جدا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 507　　2۔ ایضاً، صفحہ 508　　3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، جلد 2، صفحہ 151

ہو اور ان کی خدمت کرتا ہو اور ان کی ضروریات میں سے ہو۔ یہ اجیر یا وکیل کی طرح ہے۔ اس کی شہادت کے رد کی وجہ اپنی منفعت کی وجہ سے تہمت ہے، کیونکہ قانع اپنے مالکوں، موکلوں سے نفع پائے گا اس نفع سے جو نہیں پہنچے گا۔ ہر وہ شخص جو اپنی شہادت سے اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرے اس کی شہادت مردود ہے، جیسے کوئی شخص کسی کے حق میں گھر خریدنے کی گواہی دے جب کہ وہ خود شفیع ہو یا جس طرح کسی کے لیے کسی پر قرض کا فیصلہ کیا گیا جب کہ وہ مفلس ہے پھر وہ مفلس ایک شخص پر دین (قرض) وغیرہ کی گواہی دے۔ خطابی نے کہا: جس نے قانع کی شہادت کا مالکوں اور موکلوں کے حق میں رد ہونا منفعت کے حصول کی وجہ سے ہے، پس اس پر قیاس کر کے خاوند کی بیوی کے حق میں بھی شہادت رد ہونی چاہیے، کیونکہ ان کے درمیان منفعت کے حصول کی تہمت اس سے زیادہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کا یہی نظریہ ہے۔ اور حدیث ان علماء کے خلاف حجت ہے جو باپ کی بیٹے کے حق میں شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ فطری محبت اور جبلی میلان کی وجہ سے وہ ان سے نفع حاصل کرتا ہے، کیونکہ وہ اس کے مال کا مالک ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انت و مالك لا بيك (1) تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

اور امام مالک کے نزدیک جن کی گواہی مردود ہے ان میں سے بدوی کی شہری کے خلاف گواہی ہے فرمایا: مگر یہ کہ وہ دیہات یا شہر میں ہو اور وہ جو شہر میں دیہاتی کو گواہ بناتا ہے اور اپنے پڑوسی شہریوں کو چھوڑتا ہے تو میرے نزدیک مشکوک ہے۔ ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ بدوی (دیہاتی) کی گواہی شہری کے خلاف جائز نہیں'' (2)۔ محمد بن عبدالحکم نے کہا: امام مالک نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں حقوق اور اموال میں شہادت مراد ہے لیکن خونوں میں اور جو معاملات اس کے ہم معنی ہیں جن کو مخلوق طلب کرتی ہے ان کے بارے اس کی شہادت رد نہ ہوگی۔ عام اہل علم نے کہا: بدوی کی شہادت جب کہ وہ عادل ہو تو وہ جو شہادت بھی دے جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

اس پر تفصیلی گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور مزید سورۂ براۃ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **شُهَدَآءَ لِلّٰهِ** اس کو نصب **قَوّٰمِیْنَ** کی نعت کے اعتبار سے ہے اگر تو چاہے تو خبر کے بعد خبر بنا دے۔ نحاس نے کہا: ان دونوں تراکیب سے بہتر یہ ہے کہ نصب حال کی بنا پر ہو اور ذوالحال وہ ہو جو **قَوّٰمِیْنَ** میں ایمان والوں کے ذکر میں سے ہے، کیونکہ وہ نفس معنی ہے یعنی: کونوا قوامین بالعدل عند شهادتكم۔ یعنی تم اپنی گواہی کے عدل کو قائم کرنے والے ہو۔ ابن عطیہ نے کہا: اس معنی میں اس میں حال ضعیف ہے، کیونکہ یہ شہادتکم کے معنی کی طرف عدل کو قائم کرنے کی تخفیف ہے۔ شہداء غیر منصرف ہے، کیونکہ اس میں الف تانیث ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِلّٰهِ**۔ اس کا معنی ہے اللہ کی ذات کے لیے اور اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے ثواب کے لیے۔ **وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ**۔ یہ شہداء کے متعلق ہے۔ یہ وہ ظاہر مفہوم ہے جس کے ساتھ مفسرین نے تفسیر کی ہے اور یہ مذکورہ شہادت حقوق میں ہے پس اس شہادت کے ذریعے حقوق والوں کے حقوق کو وہ قریب کرے گا۔ اپنے نفس پر شہادت کے قیام کا یہی معنی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس کے ساتھ ادب سکھایا ہے، جیسا کہ حضرت ابن

1۔ سنن ابن ماجہ، باب ماللرجل من مال ولدہ، صفحہ 167　2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، صفحہ 173-172

عباس نے فرمایا: انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ حق بات کہیں اگرچہ اپنے ہی خلاف ہو (1)۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کا معنی ہو اللہ کی وحدانیت کے گواہ بنو۔ اور وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ کا تعلق قَوّٰمِيْنَ کے ساتھ ہو۔ پہلی تاویل زیادہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا۔ کلام میں اضمار ہے اور وہ کان کا اسم ہے یعنی ان یکن الطالب او المشھود علیہ غنیا۔ یعنی اگر گواہی طلب کرنے والا یا جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے وہ غنی ہو تو اس کی غنا کا خیال نہیں کیا جائے گا اور اس سے ڈرا نہیں جائے گا اور اگر وہ فقیر ہو تو اس پر مہربانی کرنے کا خیال نہیں کیا جائے گا۔ (فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا) یعنی جو اس نے ان کے لیے فقر اور غنا میں سے جو اختیار کیا ہے وہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ سدی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک غنی اور فقیر نے جھگڑا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلان فقیر کے ساتھ ہوا اور آپ نے خیال کیا کہ فقیر غنی پر ظلم نہیں کرتا تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا۔ اللہ تعالیٰ نے بِهِمَا فرمایا بہ نہیں فرمایا اگرچہ او ایک کے حصول پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں میں سے ہر ایک کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ اخفش نے کہا: او کبھی بمعنی واو ہوتا ہے۔ یعنی ان یکن غنیا و فقیرا فاللہ اولی بالخصمین کیفما کانا۔ اگر وہ غنی ہو یا فقیر ہو اللہ تعالیٰ جھگڑنے والوں کا زیادہ خیر خواہ ہے جیسے بھی ہوں۔ اس میں ضعف ہے۔ بعض نے فرمایا: بِهِمَا فرمایا، کیونکہ ان دونوں کا ذکر پہلے گزرا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، کیونکہ یہ ہلاک کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص: 26) پس فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی، وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے۔

کیونکہ خواہش نفس کی اتباع ناحق شہادت پر ابھارتی ہے اور حکم میں ظلم پر برانگیختہ کرتی ہے۔ شعبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حکام سے تین چیزوں کا عہد لیا (۱) کہ وہ خواہشات نفس کی پیروی نہ کریں (۲) لوگوں سے نہ ڈریں اور صرف اللہ سے ڈریں (۳) اللہ تعالیٰ کی آیات کو قلیل ثمن کے عوض نہ بیچیں۔ اَنْ تَعْدِلُوْا محل نصب میں ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا۔ وان تلوا بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ لویت فلانا حقہ لیاً سے مشتق ہوگا جس کا معنی ہے میں نے اسے اس کا حق دیا۔ اس سے فعل لوی ہے اصل میں لَوَیَ تھا یا کو الف سے بدلا، کیونکہ یا متحرک ماقبل مفتوح تھا۔ اور مصدر لیا ہے اصل میں لَوْیا تھا اور لیانا اصل میں لویانا تھا پھر واؤ کو یا میں ادغام کیا گیا۔ قتبی نے کہا: تلووا، اللی سے ہے یعنی شہادت میں ہیر پھیر کرنا اور کسی ایک خصم کی طرف میل ہونا۔ ابن عامر اور کوفیوں نے تلوا پڑھا ہے اس نے ارادہ کیا کہ اس کے امر کے لیے کھڑے ہو اور پھر اعراض کرو۔ یہ تیرے اس قول سے ہے: ولیت الامر۔ میں نے کام سپرد کیا۔ اس صورت میں کلام میں امر کے قیام سے اعراض کی وجہ سے توبیخ کا معنی ہوگا۔ بعض نے فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 373　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 535

تلوا کا معنی ہے اعراض کرنا۔ پس لام کے ضمہ کے ساتھ قرأت دو معانی کو مفید ہے ولایت اور اعراض اور دو واؤ کی قرأت ایک معنی کے لیے مفید ہے اور وہ اعراض کرنا ہے۔ بعض نحویوں نے کہا: جس نے تَلُوا پڑھا اس نے غلطی کی، کیونکہ یہاں ولایت کے معنی کے لیے نہیں ہے۔ نحاس وغیرہ نے کہا: یہ لازم نہیں آتا بلکہ تَلُوا بمعنی تَلْوٗدا ہوگا۔ اور تَلُوٗا کی اصل تَلْوُوٗا ہے ضمہ اس واؤ پر دشوار تھا جس کے بعد دوسری واؤ ہے تو اس کی حرکت لام کو دی گئی اور التقائے ساکنین کی وجہ سے ایک واو حذف کی گئی۔ یہ لام ساکن اور دو واؤ کی قرأت کی طرح ہے یہ مکی نے ذکر کیا ہے۔

زجاج نے کہا: یہ اپنی قرأت پر وان تلوو تھا۔ پھر پہلی واؤ کو ہمزہ دیا پھر لام پر اس کی حرکت دینے کی وجہ ہمزہ میں تخفیف کی گئی تو تلوا ہو گیا اصل میں تلووا تھا۔ اس تقدیر پر دونوں قرأتیں متفق ہو گئیں۔ یہ نحاس، مکی اور ابن عربی وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا یہ معنی ہے دو خصم قاضی کے سامنے بیٹھیں پھر قاضی ایک کی طرف میلان کرے اور دوسرے سے اعراض کرے (1)۔ اس اعتبار سے الليّ کا معنی ہوگا کلام میں ٹال مٹول کرنا اور اس کو کھینچنا تا کہ حق کا فیصلہ فوت ہو جائے اور فیصلہ اس کے حق میں نافذ کرے جس کی طرف قاضی کا میلان ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نے بعض قاضیوں کو دیکھا وہ ایسا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سب کے لیے کافی ہے (2)۔

حضرت ابن عباس، سدی، ابن زید، ضحاک اور مجاہد نے کہا: یہ گواہوں کے بارے میں ہے، گواہ اپنی زبان سے ہیر پھیر کرے اور سچی گواہی نہ دے یا حق کی ادائیگی سے اعراض کرے۔ آیت کا لفظ عام ہے قاضیوں اور گواہوں کو شامل ہے ہر انسان کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "مال والے کا حق کی ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور عقوبت کو حلال کرتا ہے" (3)۔ ابن اعرابی نے کہا: عقوبت سے مراد اس کو قید کرنا ہے اور عرض سے مراد اس کی شکایت ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ بعض علماء نے اس آیت سے غلام کی شہادت رد کرنے سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حاکم کو شاہد (گواہ) بنایا ہے اور یہ بڑی واضح دلیل ہے کہ غلام اہل شہادت میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس سے مقصود اس مہم کے ساتھ مستقل ہونا ہے جب حاجت اس کا تقاضا کرے اور یہ غلام سے اصلاً ممکن نہیں ہے پس اس کی شہادت رد ہوگی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 1، صفحہ 289، دار التراث الاسلامی
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 123
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، جلد 2، صفحہ 155

کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا یہ تمام مومنین کے متعلق نازل ہوئی معنی یہ ہے کہ اے تصدیق کرنے والو! اپنی تصدیق پر قائم رہو اور اس پر ڈٹے رہو۔ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ، الْكِتٰبِ سے مراد قرآن ہے۔ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ اس سے کتاب مراد ہے جو انبیاء کرام پر نازل ہوئی۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر نے نُزِّلَ اور اُنْزِلَ (ضمہ کے ساتھ) پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ نَزَّلَ اور انزل پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء پر ایمان لائے تھے۔ بعض نے فرمایا: یہ منافقین کو خطاب ہے(1)، اس صورت میں معنی یہ ہوگا اے ظاہراً ایمان لانے والو اللہ کے لیے اخلاص کا مظاہرہ کرو۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد مشرکین ہیں معنی یہ ہے اے لات وعزیٰ اور طاغوت پر ایمان لانے والو! اللہ پر ایمان لاؤ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی کتب کی تصدیق کرو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں نہیں ہے سنت الٰہی ان کے متعلق کہ بخش دے انہیں اور نہ (یہ) کہ پہنچائے انہیں راہ (راست) تک''۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عزیز علیہ السلام کا انکار کیا پھر حضرت عزیز علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں بڑھتے گئے۔ بعض علماء نے کہا: وہ لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان پھر حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے پھر حضرت عزیر علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، نصاریٰ نے اس کا انکار کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جو آپ لے کر آئے تھے اس کے انکار میں بڑھتے گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو تو بخشتا ہی نہیں پھر کیسے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر جب ایمان لاتا ہے تو اس کے کفر کو معاف کر دیا جاتا ہے پھر جب وہ کفر کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اس کے پہلے کفر کو بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح مسلم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرمایا: کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے ان اعمال کا مواخذہ ہوگا جو ہم زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے تم میں سے اسلام میں اچھے اعمال کیے تو اس سے زمانہ جاہلیت کے اعمال کا مواخذہ نہ کیا جائے گا اور جو پھر کفر کرے گا تو اس سے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام کے اعمال کا مواخذہ کیا جائے گا''(2)۔ ایک روایت میں ہے من اساء فی الاسلام اخذ بالاول والاخر(3) جو اسلام میں کفر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 124 2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 75

3۔ صحیح بخاری، باب اثم من الشرک باللہ، حدیث نمبر 6410، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرے گا اس سے پہلے زمانہ اور پچھلے زمانہ کے اعمال کا مواخذہ ہوگا۔

یہاں الاساءۃ (برائی) کا معنی کفر ہے کیوں کہ برائی کا ارتکاب مراد لینا یہاں صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ساقط نہیں کرتا ہے مگر جو تمام گناہوں سے محفوظ رہا مگر موت کے وقت۔ اور یہ بالا جماع باطل ہے۔ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا کا معنی ہے کفر پر اصرار کیا۔ لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی نہیں کرتا۔ سَبِيْلًا ۝ جنت کا راستہ۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ انہیں توفیق سے خاص نہیں کرتا جس طرح اپنے اولیاء کو خاص کرتا ہے۔ اس آیت میں اہل قدر پر رد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ کافروں کو خیر کے راستہ کی ہدایت نہیں دیتا تا کہ انسان جان لے کہ وہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہدایت سے محروم ہوتا ہے۔ یہ آیت مرتدین کے حکم کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ مرتدین کے متعلق گفتگو سورۂ بقرہ میں وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ (بقرہ: 217) کے تحت گزر چکی ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

''خوشخبری سنا دو منافقوں کو کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

التبشیر اس خبر کو کہتے ہیں جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہو اس کا بیان پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے اور نفاق کا معنی بھی گزر چکا ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

''وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو (وہ سن لیں) عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

الَّذِيْنَ، المنافقین کی صفت ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ مسلمانوں میں جو معصیت کا ارتکاب کرے وہ منافق نہیں ہے، کیونکہ وہ کفار کو دوست نہیں بناتا۔ اس آیت کے ضمن میں کفار سے دوستی کی ممانعت بھی ہے اور وہ اعمال جو دین سے متعلق ہیں ان پر کافروں سے مدد لینا بھی منع ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مشرکوں میں سے ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ وہ آپ کی معیت میں جہاد میں شریک ہوگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''تو واپس چلا جا ہم مشرک سے مدد حاصل نہیں کرتے'' (1)۔ العزۃ اس کا معنی غلبہ ہے۔ عَزَّهٗ يَعُزُّهٗ عَزًّا جب کوئی کسی پر غالب آجائے۔

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ غلبہ اور قوت اللہ کے لیے ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: يَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ اس سے مراد بنی قینقاع ہیں، کیونکہ ابن ابی نے بنی قینقاع سے دوستی لگائی تھی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، جلد 2، صفحہ 118

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۠﴿۱۴۱﴾

''اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جارہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جارہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں، ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں۔ وہ جو انتظار کر رہے ہیں تمہارے (انجام) کا تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے (تو) کہتے ہیں: کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ؟ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصہ (کامیابی سے) کہتے ہیں: کیا نہیں غالب آگئے تھے ہم تم پر؟ اور (اس کے باوجود) کیا نہیں بچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے؟ پس (اے اہل نفاق!) اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ''۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا۔ یہ ان تمام لوگوں کو خطاب ہے جس نے ایمان کا اظہار کیا خواہ وہ سچا مسلمان ہے یا منافق ہے، کیونکہ جب اس نے ایمان کا اظہار کیا تو اسے کتاب اللہ کے احکام کی پیروی کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (انعام: 68) یہ اس لیے نازل ہوا کہ منافقین یہودی علماء کے پاس بیٹھتے تھے اور قرآن کا مذاق اڑاتے تھے، عاصم اور یعقوب نے وقد نزّل نون اور زا کے فتحہ کے ساتھ اور زا کی شد کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ اسم جلالت پہلے فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ میں گزر چکا ہے۔ حمید نے بھی اسی طرح پڑھا ہے مگر انہوں نے زا کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے نُزِّلَ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یہ عاصم اور یعقوب کی قرأت پر محل نصب میں ہے، کیونکہ اس پر فعل واقع ہے اور باقی قراء کی قرأت پر محل رفع میں ہے، کیونکہ یہ فعل مجہول کا نائب الفاعل ہے۔ يُكْفَرُ بِهَا یعنی جب تم آیات الٰہی کا استہزا اور کفر سنو۔ سماع کو آیات پر واقع کیا ہے مراد کفر اور استہزا کا سماع ہے جیسے تو کہتا ہے: سمعت عبد اللہ يُلام یعنی میں نے عبد اللہ کی ملامت سنی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ۔ کفر کے علاوہ۔ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ برائی کا

ارتکاب کرنے والوں سے اجتناب کرنے کی یہ دلیل ہے، جب ان سے کسی برائی کا ظہور ہو، کیونکہ جس نے ان سے اجتناب نہیں کیا وہ ان کے فعل سے راضی ہے اور کفر پر رضا بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ جو کسی بری مجلس میں بیٹھا اور ان پر انکار نہ کیا تو گناہ میں ان سے برابر کا شریک ہوگا اور جب وہ برا کلام کریں اور برائی کا عمل کریں تو ان پر انکار کرنا چاہیے اگر انکار کی طاقت نہیں ہے تو ان سے اٹھ جانا چاہیے تاکہ اس آیت کے مصداق سے نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک قوم کو شراب پیتے ہوئے پکڑا، تو انہیں ایک شخص کے بارے بتایا گیا کہ وہ روزہ دار ہے آپ نے اسے بھی تادیب کا حکم دیا اور پھر یہ آیت پڑھی (1): اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ یعنی معصیت (برائی) پر رضا بھی معصیت ہے اسی وجہ سے برائی کرنے والے اور اس پر راضی سب سے مواخذہ کیا گیا ہے حتیٰ کہ تمام ہلاک ہو گئے۔ یہ مماثلت تمام صفات میں نہیں ہے بلکہ اتصاف کی وجہ سے ظاہر حکم کے ساتھ مشابہت کا الزام ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

فکل قرین بالمقارن یقتدی (2)

یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ جرم کا ارتکاب کرنے والوں سے اجتناب کرنا چاہیے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، تو تمام بدعتی اور گمراہ فرقوں سے اجتناب اولیٰ ہے۔ کلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ منسوخ ہے اس ارشاد سے مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الانعام: 69) نہیں ہے ان پر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے ان کفاروں کے حساب سے کچھ بوجھ۔

عام مفسرین نے فرمایا: یہ محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔ جویبر نے ضحاک سے روایت کیا ہے فرمایا: اس آیت میں قیامت تک ہر دین میں بدعت نکالنے والا داخل ہے (3)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ اصل میں جامع تنوین کے ساتھ تھا۔ استخفافاً تنوین کو حذف کیا گیا۔ یہ بمعنی یجمع ہے۔ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ اس سے مراد منافقین ہیں یعنی منافقین تم پر گردش زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ یعنی اگر تمہیں غلبہ مل جائے اور مال غنیمت حاصل ہو تو قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ ہمیں بھی مال غنیمت عطا کرو۔ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ اگر کافروں کو کامیابی ملے۔ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ تو کہتے ہیں: کیا ہم غالب نہیں آ گئے تھے تم پر؟ حتیٰ کہ مسلمان تم سے ڈر گئے تھے اور ہم نے انہیں تم سے رسوا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے: استحوذ علی کذا۔ یعنی وہ اس پر غالب آ گیا۔ اسی سے ہے: استحوذ علیہم الشیطان یعنی شیطان ان پر غالب آ گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: الاستحواذ کا اصل معنی گھیرنا ہے۔ حاذہ یحوز حوزاً جب کوئی کسی کا احاطہ کر لے۔ یہ فعل اپنی اصل پر آیا ہے اگر اس میں تعلیل کی جاتی تو یہ الم نستحذ ہوتا۔ اور اعلال کی صورت میں فعل استحاذ یستحیذ ہوتا ہے اور بغیر اعلال کے استحوذ یستحوذ ہوتا ہے۔

وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ہم نے انہیں تم سے دور کیا اور ہم نے انہیں تمہارے ارادے سے جدا کر دیا۔ یہ آیت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 124　　2۔ ایضاً　　3۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 175

دلالت کرتی ہے کہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ جنگوں میں نکلتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے کہا: اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ (الحدید:14) اور یہ دلالت کرتی ہے کہ مسلمان انہیں غنیمت نہیں دیتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے مال غنیمت طلب کیا اور کہا: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ مسلمان پر بطور احسان جتلانا ہو یعنی ہم تمہیں ان کی باتیں بتاتے تھے اور ہم تمہارے مددگار تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اس میں علماء کی پانچ تاویلات ہیں۔ (۱) یسیع خضرمی سے روایت ہے اس نے کہا: میں حضرت علی بن ابی طالب کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ یہ کیسے ہے؟ بعض اوقات ہم سے جنگ کرتے ہیں اور ہم پر غالب آجاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا معنی قیامت کے دن اور فیصلہ کا دن ہے (1)۔ اسی طرح حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ قیامت کے دن ہوگا۔ ابن عطیہ نے کہا: تمام اہل تاویل نے یہ کہا ہے (2)۔ ابن عربی نے کہا: یہ ضعیف ہے، کیونکہ اس میں خبر کا فائدہ نہیں ہے اگرچہ کلام کی ابتدا میں اس مفہوم کا ذکر ہو چکا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حکم کو قیامت تک موخر فرمایا اور دنیا میں معاملہ اسی طرح فرمایا کہ کبھی کفار غالب آتے ہیں اور کبھی مسلمان غالب آتے ہیں، جیسی اس کی حکمت ہوتی ہے اور جیسا اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا اس نے وہم کیا ہے جس نے کہا ہے کہ آخری کلام پہلے کلام کی طرف راجع ہے، یہ اس کے فائدہ کو گرادیتی ہے، کیونکہ یہ تکرار ہوگا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے کوئی ایسا راستہ نہیں بنائے گا کہ وہ مسلمانوں کی حکومت کو ختم کردیں اور ان کے آثار ختم کردیں اور ان کی ملت کو مباح کردیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کرے اور ان پر اپنے سوا دشمن کو مسلط نہ کرے کہ وہ ان کی ملت کو مباح کردے اور میرے رب نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جب کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو اسے رد نہیں کیا جاتا اور میں نے تجھے تیری امت کے لیے یہ عطا کیا کہ میں انہیں قحط سالی میں مبتلا کر کے ہلاک نہیں کروں گا اور میں ان پر، ان کے اپنے سوا دشمن کو مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کی ملت کو مباح کردے اگرچہ ان پر ہر طرف کے لوگ بھی جمع ہو جائیں حتیٰ کہ یہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور یہ ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے''۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مومنین پر غلبہ کی کوئی راہ نہیں بنائے گا مگر یہ کہ باطل کا حکم دینا شروع کردیں برائی سے نہ رکیں اور توبہ نہ کریں تو دشمن ان کی اپنی طرف سے ان پر غالب آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ:30) اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ بہت نفیس قول ہے۔

1۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 139　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 124

میں کہتا ہوں: اس پر دلیل حضرت ثوبان کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: حتی یکون بعضهم یهلك بعضا ویسبی بعضهم بعضا یعنی حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ یہ اس لیے ہے کہ (حتیٰ) غایت کے لیے ہے پس ظاہر کلام اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دشمن ان پر غالب نہیں آئے گا کہ وہ انہیں مباح کر دے مگر یہ کہ جب مسلمان ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ اس زمانہ میں جو مسلمانوں کے درمیان جنگیں واقع ہوئی ہیں اس میں یہ پایا گیا ہے کافروں کی شوکت سخت ہوگئی ہے اور وہ مسلمانوں کے شہروں پر غالب آگئے حتیٰ کہ بہت کم شہر (ملک) ایسے ہیں جن پر کافروں کا معنوی طور پر غلبہ نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے عفو، نصرت اور لطف کے ساتھ ہم پر کرم فرمائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر کافروں کے لیے کوئی شریعت نہیں بنائی۔ جو کافروں کی طرف سے ہوگا وہ شرع کے خلاف ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے مومنین پر کوئی حجت عقلیہ اور شرعیہ نہیں بنائی جس کے ذریعے وہ غالب آجائیں مگر اللہ تعالیٰ اسے باطل کردے گا اور اس حجت کو نیست و نابود کردے گا۔

مسئلہ نمبر 6۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے اس آیت سے حجت پکڑی ہے کہ کافر مسلمان غلام کا مالک نہیں ہوتا یہی قول اشہب اور امام شافعی کا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے لیے مسلمان پر سبیل کی نفی فرمائی ہے اور خریدنے کے ساتھ ملکیت بھی سبیل ہے پس یہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا اس کی عقد منعقد نہ ہوگی۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ...... الخ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے دائمی ملک کا راستہ نہیں بنایا، کیونکہ دیکھتے ہیں کہ کافر کو ابتداءً مسلمان پر ملکیت ہوتی ہے اور وہ میراث کے لیے ذریعے ہوتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کافر غلام، کافر کی ملکیت میں مسلمان ہوجائے تو اس پر بیع کا فیصلہ لازم ہوتا ہے اور اس کی بیع کا حکم قبول کیا جاتا ہے، کوئی شخص فوت ہو اور کافر کا وارث، مسلمان غلام کا وارث ہوجائے۔ یہ ایسا سبیل ہے جو قہراً ثابت ہے، اس میں قصد و ارادہ نہیں ہے اور خریدنے کے ساتھ ملکیت نیت کے قصد کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اس میں کافر نے اپنے اختیار سے ملک کا ارادہ کیا ہے اگر اس کی بیع کے عقد کا حکم لگایا جائے اور اس کی ملکیت کے ثبوت کا حکم لگایا جائے تو اس میں اس کا قصد ثابت ہوگا اور اس نے اس پر سبیل بنالیا(1)۔ ابو عمر نے کہا: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نصرانی اور یہودی کا مسلمان غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور اس پر نافذ ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جب کسی کافر کا غلام مسلمان ہوجائے تو اسے بیچا جائے گا اور اس کی قیمت کافر کو دی جائے گی۔ یہ دلیل ہے کہ یہ اس کی ملک پر بیع ہے اور اس کی ملک پر آزادی ثابت ہوئی ہے مگر یہ ملکیت غیر مستقر ہے، کیونکہ اس پر اس کا بیچنا واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا اس سے مراد غلام بنانا، ملکیت حاصل کرنا اور عبودیت ہے جو دائمی اور مستقل ہو۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 510

علماء کا اختلاف ہے کہ کافر کا مسلمان غلام کو خریدنے کا حکم کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں (۱) اس کی بیع فسخ ہے (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور مشتری پر اس کو بیچا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ ایک نصرانی نے اپنے نصرانی غلام کو مدبر بنایا پھر وہ غلام مسلمان ہو گیا۔ امام مالک اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس کے اور غلام کے درمیان حائل ہوا جائے گا اور وہ اپنے نصرانی سردار پر نکالا جائے گا اور اسے اس پر بیچا نہیں جائے گا حتیٰ کہ اس کا امر واضح ہو جائے۔ اگر نصرانی ہلاک ہو گیا اور اس پر قرضہ تھا تو مدبر غلام کی ثمن سے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا مگر یہ کہ اس نے اتنا مال چھوڑا ہو جس سے اس کا قرضہ اتارا جا سکتا ہو تو مدبر آزاد ہو جائے گا۔

امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اسے اس پر بیچا جائے گا جب وہ مسلمان ہو گا۔ اس کو مزنی نے اختیار کیا ہے، کیونکہ مدبر وصیت ہے اور مسلمان کو مشرک کی ملکیت میں چھوڑنا جائز نہیں کہ وہ اسے ذلیل کرے اور اسے میراث میں نکال لے۔ اسلام کی وجہ سے وہ اس کا دشمن بن گیا ہے۔ لیث بن سعد نے کہا: نصرانی غلام مسلمان سے بیچا گیا پھر مسلمان نے اسے آزاد کر دیا اور ولاء اس کی ہو گی جس نے اس کو خریدا اور آزاد کیا اور نصرانی کو غلام کی قیمت دی جائے گی۔ سفیان اور کوفیوں نے کہا: جب نصرانی کا مدبر غلام مسلمان ہو جائے تو اس کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ غلام اپنی قیمت کما کر دے گا اگر نصرانی مدبر کی سعایت (مال کی ادائیگی کے لیے کوشش) سے فارغ ہونے سے پہلے مر گیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور سعایت باطل ہو جائے گی۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾

''بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ۔ الخدع کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اللہ کی طرف سے خداع کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور رسل کو دھوکہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی سزا دیتا ہے حسن نے کہا: مومن، منافق ہر شخص کو قیامت کے دن نور دیا جائے گا منافقین خوش ہوں گے اور یہ گمان کریں گے کہ وہ نجات پا گئے لیکن جب وہ پل صراط پر آئیں گے تو ہر منافق کا نور بجھ جائے گا(1)۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں اسی کا ذکر ہے: اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (الحدید:13)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یعنی وہ ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں، وہ سستی اور کاہلی میں نہ ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ نماز کے ترک پر سزا کا اعتقاد رکھتے ہیں، کیونکہ عشاء کی نماز کا وقت ہوتا تو وہ دن کے کام سے تھک چکے ہوتے تھے اور ان پر اس کا قیام ثقیل ہوتا تھا اور صبح کی نماز کا وقت ہوتا تو انہیں نیند بہت پیاری ہوتی (2)۔ اگر

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 374　　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 511

انہیں تلوار کا ڈر نہ ہوتا تو وہ کبھی نماز کے لیے کھڑے نہ ہوتے۔

ریا کا معنی خوبصورتی کا اظہار ہے تاکہ لوگ اسے دیکھیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کے لیے نہیں اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وصف بیان کیا کہ خوف اور ریاکاری کے ساتھ ساتھ ذکر بھی بہت کم کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں تاخیر کرنے والے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ منافقین کی نماز ہے''۔ تین مرتبہ یہ جملہ فرمایا۔ ''ان میں سے کوئی بیٹھا ہوا سورج کو تاڑتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے یا فرمایا شیطان کے دو سینگوں کے اوپر ہوتا ہے تو کھڑا ہوتا ہے۔ (مرغ کی طرح) چار چونچیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر بہت تھوڑا'' (1)۔ اس حدیث کو امام مالک وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے منافقین کا وصف قلت ذکر کے ساتھ کیا، کیونکہ وہ قرأت اور تسبیح کے ساتھ اللہ کا ذکر نہیں کرتے تھے وہ تکبیر کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قلت کے ساتھ ان کا وصف بیان فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ بعض نے فرمایا: اس میں اخلاص نہیں ہوتا اس لیے قلت سے تعبیر فرمایا۔

یہاں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی نماز کو بیان فرمایا اور اس کے رسول مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کی نماز کو بیان فرمایا، فرمایا: ''جو ان کی نماز کی طرح نماز پڑھے گا اور جس نے ان کے ذکر کی طرح ذکر کیا وہ عدم قبولیت میں ان کے ساتھ لاحق ہوگا''۔ یہ اس ارشاد، قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ (المومنون) کے مقتضی سے خارج ہے اس کا بیان آگے آئے گا مگر جس کو عذر ہو اور وہ صرف فرض کی ادائیگی پر اکتفا کرے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کو سکھایا جب آپ نے اسے نماز صحیح نہ پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو مکمل وضو کر پھر قبلہ کی طرف منہ کر پھر تکبیر کہہ پھر جو قرآن پڑھنا ممکن ہو وہ پڑھ پھر رکوع کر حتیٰ کہ مطمئن ہو کر رکوع کرے پھر سر اٹھا حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرے پھر سر اٹھا حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے پھر پوری نماز میں اس طرح کر'' (2)۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا صلاۃ لمن لم یقرء بام القرآن (3) اس کی نماز (مکمل) نہیں جس نے الحمد شریف نہ پڑھی اور فرمایا: ''نماز جائز نہیں جس میں آدمی اپنی پیٹھ کو رکوع اور سجود میں سیدھا نہ کرے'' (4)۔ اس حدیث کو ترمذی نے ذکر کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور بعد والے علماء کا اس پر عمل ہے۔ عطا فرماتے ہیں: آدمی رکوع و سجود میں پیٹھ کو سیدھا کرے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا: جو رکوع و سجود میں پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا اس کی نماز فاسد ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نماز جائز نہیں جس میں آدمی رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا'' (5)۔ ابن عربی نے کہا: ابن القاسم اور امام ابو

1۔ صحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 225　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 170

3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 169　　4۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 36　　5۔ ایضاً

حنیفہ نے کہا: طمانینت فرض نہیں، یہ عراقی روایت ہے، مالکیوں میں سے کسی کے لیے اس سے مشغول ہونا مناسب نہیں۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھی تا کہ وہ اسے دیکھیں اور اس کے لیے ایمان کی گواہی دیں یا اس نے شہادت کی قبولیت اور امامت کے جواز کے لیے مرتبہ اور ظہور کو طلب کرنے کا ارادہ کیا تو یہ وہ ریا نہیں ہوگا جس سے منع کیا گیا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ریا جو گناہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے لوگوں کو شکار کرے اور اس کے ذریعے خوراک حاصل کرے۔ یہ نیت جائز نہیں ہے اور اس پر اعادہ لازم ہے۔

میں کہتا ہوں: شہادت کی قبولیت کے لیے ظہور اور مرتبہ طلب کرنے کا ارادہ کیا ہو، اس قول میں نظر ہے۔ اس کا بیان سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔ وہاں اس میں غور کرو۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ریا فرض اور نفل میں داخل ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا** یہ عام ہے۔ ایک قوم نے کہا: خاص نفل میں داخل ہے، کیونکہ فرض تمام لوگوں پر واجب ہے اور نفل اس کی اپنی طرف سے ہے۔ بعض نے اس کے برعکس فرمایا، کیونکہ نوافل نہ بھی پڑھے تو اس پر مؤاخذہ نہیں۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

"ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان نہ ادھر کے نہ ادھر کے اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ"۔

المذبذب وہ شخص جو دو امروں کے درمیان متردد ہو۔ الذبذبۃ کا معنی اضطراب ہے۔ کہا جاتا ہے: **ذبذبته فتذبذب**۔ اسی سے نابغہ کا قول ہے:

ألم تر أنّ الله أعطاك سَوْرَة　　ترى كلّ مَلْك دو نها يَتَذَبْذَبُ(1)

ایک اور شاعر نے کہا:

خيال لأم السَلْسَبِيل ودونها　　مَسِيرة شَهْر للبريد المذَبْذِبِ(2)

اسی طرح دوسرے ذال کے کسرہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ ابن جنی نے کہا: یعنی حرکت کرنے والا پریشان جو ٹھہرتا نہ ہو، نہ آرام کرتا ہو، یہ منافقین، مومنین اور مشرکین کے درمیان متردد تھے نہ خالص ایمان لانے والے تھے اور نہ صراحۃً کفر کا اقرار کرنے والے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی حدیث سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "منافق کی مثال اس بکری کی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان متردد ہوتی ہے کبھی ایک کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف جاتی ہے"(3)۔ ایک روایت میں تعیر کی جگہ تکر ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 389　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 127　3۔ صحیح مسلم، صفات المنافقین و احکامهم، جلد 2، صفحہ 370

جمہور علماء نے مذبذبین میم کے ضمہ اور دونوں ذال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس نے دوسری ذال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور حضرت ابی کے حرف میں متذبذبین ہے (1)۔ اس قرأت پر ادغام جائز ہے یعنی مذبذبین پہلی ذال کی تشدید کے ساتھ اور دوسری کے کسرہ کے ساتھ۔ ابوالحسن سے میم کے فتحہ اور دو ذالوں کے ساتھ مروی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

”اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل؟“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ، الکافرین اور اولیاء دو مفعول ہیں یعنی کافروں کو اپنے خاص دوست اور راز دان نہ بناؤ۔ یہ معنی پہلے گزر چکا ہے اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿﴾ یعنی کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے عذاب دینے کے لیے خود ہی اپنے خلاف حجت قائم کرو؟ جب کہ اس نے تمہیں منع کیا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

”بے شک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور پر ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِي الدَّرْكِ کوفیوں نے را کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے لیکن پہلا قول افصح ہے، کیونکہ جمع میں ادراک کہا جاتا ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔ یہ نحاس کا قول ہے۔ ابوعلی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے الشَّمَع اور الشمع اور اس کی جمع ادراک ہے۔ بعض نے فرمایا: الدرک کی جمع ادرُک ہے جیسے فلس کی جمع افلس ہے۔ دوزخ کے سات طبقات ہیں مگر پستی کی جانب درجات کو عرب ادراک کہتے ہیں: کہا جاتا ہے: کوئیں کے لیے ادراک ہیں اور بلندی کی جانب درجات کو درجات کہتے ہیں۔ جنت کے لیے درجات ہیں اور آگ کے لیے درکات ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

منافق نچلے طبقہ میں ہوں گے یہ ہاویہ ہے۔ کیونکہ ان کا کفر زیادہ غلیظ ہے اور ان کا دھوکا بہت زیادہ ہے اور مومنین کو اذیت دینا بہت کثیر ہے۔ اوپر والا آگ کا درجہ جہنم ہے پھر لظی ہے پھر حطمہ ہے پھر سعیر ہے پھر سقر ہے پھر جحیم ہے پھر ہاویہ ہے۔ ان تمام کو پہلے طبقہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور کرم سے ہمیں ان تمام طبقات سے محفوظ فرمائے۔ حضرت ابن مسعود سے فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کی تفسیر یہ مروی ہے کہ آگ میں لوہے کے تابوت ہیں جو منافقین پر بند کیے جائیں گے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: قیامت کے روز سخت عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہوگا۔ (۱) منافقین (۲) اصحاب مائدہ میں سے جنہوں نے انکار کیا (۳) آل فرعون۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ اور اصحاب مائدہ کے بارے فرمایا: فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ

1۔ البحر الوجیز، جلد 2، صفحہ 127

الْعٰلَمِيْنَ ۞ (المائدہ) اور آل فرعون کے بارے فرمایا: اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۞ (غافر) (داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں)

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞

''مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لیے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم''۔

یہ منافقین سے استثنا ہے۔ نفاق سے توبہ کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے قول اور فعل کی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے یعنی ذات باری تعالیٰ کو ملجا و معاذ بنائے اور اپنے دین کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرے جیسا کہ اس آیت نے واضح کیا ہے ورنہ توبہ کرنے والا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے منافقین کے مومنین سے ملنے کی وجہ سے ان کا اجر مومنین کے اجر کے برابر ذکر فرمایا۔ بخاری میں اسود سے مروی ہے فرمایا: ہم عبداللہ کے حلقہ میں بیٹھے تھے حضرت حذیفہ آئے حتیٰ کہ ہمارے اوپر کھڑے ہوئے پھر سلام کیا پھر کہا: نفاق تم سے بہتر قوم پر نازل ہوا تھا۔ اسود نے کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: منافقین تو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں۔ حضرت عبداللہ مسکرائے اور حضرت حذیفہ مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت عبداللہ اٹھے تو ان کے شاگرد بکھر گئے حضرت حذیفہ نے مجھے کنکری ماری تو میں ان کی طرف آیا حضرت حذیفہ نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ کے ہنسنے سے تعجب ہوا ہے جو میں نے کہا تھا وہ جان گئے تھے، بے شک اس قوم پر نفاق نازل ہوا تھا جو تم سے بہتر تھی، پھر انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی (1)۔

فراء نے کہا: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کا معنی ہے من المومنین۔ یہ نہیں فرمایا: هم المومنون (وہ مومن ہیں)۔ يُؤْتِ سے جس طرح یا بولنے میں حذف ہوتی ہے لکھنے میں بھی حذف کی گئی، کیونکہ یا بھی ساکن ہے اور اس کے بعد لام بھی ساکن ہے، اس کی مثال: يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ، سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ اور يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ ہے۔ واو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کی گئی ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۞

''کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے سب کچھ جاننے والا ہے''۔

استفہام بمعنی تقریر ہے منافقین کے لیے۔ تقدیر یہ ہے تمہیں عذاب دینے میں اس کے لیے کیا منفعت ہے اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ وہ شکر گزار مومن کو عذاب نہیں دے گا۔ اس کا اپنے بندوں کو عذاب دینا اس کی بادشاہی میں اضافہ نہیں کرتا اور ان کے برے افعال پر ان کو عذاب نہ دینا اس کی سلطنت میں کمی نہیں کرتا۔ مکحول نے کہا: جس

1۔ صحیح بخاری، تفسیر القرآن، جلد 2، صفحہ 662

میں یہ چار چیزیں ہوں اس کے حق میں یہ ہیں اور جس میں یہ تین چیزیں ہوں وہ اس کے خلاف ہیں۔ چار چیزیں جو انسان کے حق میں ہوتی ہیں (۱) شکر (۲) ایمان (۳) دعا (۴) استغفار۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الانفال) اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: 77) آپ فرمائیے: کیا پرواہ ہے تمہاری میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔

اور وہ تین چیزیں جو انسان کے خلاف ہوتی ہیں وہ یہ ہیں (۱) دھوکا (۲) بغاوت (۳) عہد شکنی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (الفتح: 10) پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر: 43) نہیں گھیرتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے۔ اور فرمایا: اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ (یونس: 23)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی قدر دانی فرماتا ہے جب وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یشکرهم کا معنی ہے وہ انہیں ثواب دیتا ہے اور تھوڑے سے عمل کو قبول فرماتا ہے اور اس پر بہت بڑا ثواب دیتا ہے۔ یہ اطاعت پر اس کی طرف سے شکر ہے۔ لغت میں شکر کا معنی ظہور ہے۔ کہا جاتا ہے: دابة شکور۔ جو اپنے چارے سے زیادہ موٹا پا ظاہر کرے۔ یہ مفہوم پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے۔ عرب ضرب المثل کے طور پر کہتے ہیں: أَشْكَرُ مِنْ بَرْوَقَة وہ تو زمین کے پہلے سبزہ سے بھی زیادہ ظاہر ہونے والا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے: پہلا سبزہ بادل کے سایہ سے ہی سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے بغیر بارش کے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝۱۴۸
اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝۱۴۹

"نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کہی جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا درگزر کرو (کسی کی) برائی سے تو بے شک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا قدرت والا ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ کلام یہاں مکمل ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا مَنْ ظُلِمَ یہ استثنا پہلی کلام سے نہیں ہے۔ یہ محل نصب میں ہے یعنی جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے یہ کہنا جائز ہے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو تقدیر کلام اس طرح ہو: لا یحب اللہ ان یجھر احد بالسوء الا من ظلم۔

جمہور علماء کی قرأت ظُلِمَ ظاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ اور لام کا ساکن کرنا بھی جائز ہے۔ اور جن علماء نے ظَلَمَ ظا اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے وہ زید بن اسلم، ابن ابی اسحاق وغیرہما ہیں اور فتحہ کی خفت کی وجہ سے لام کو ساکن کرنا جائز نہیں پس پہلی قرأت پر ایک طائفہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ کوئی برملا بری بات کہے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو تو اس کے لیے اپنی مظلومیت کی داستان سنانا مکروہ نہیں۔ پھر برملا بری بات کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں سے جو مباح ہے اس میں بھی اختلاف ہے۔ حسن نے کہا: ایک شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے تو وہ اس کے خلاف دعا نہ کرے بلکہ اس طرح کہے: اللهم أعِنّي عليه، اللهم أستخرج حقي، اللهم حُلْ بينه و بين ما يريد من ظلمي (1) اے اللہ اس کے خلاف میری مدد فرما، اے اللہ میرا حق نکال دے، اے اللہ اس کے اور جو وہ مجھ پر ظلم کا ارادہ کرتا ہے اس کے درمیان حائل ہو جا۔ یہ مدافعت کی دعا ہے اور یہ سوء کی کم سے کم منزل ہے۔

حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا: اس کے لیے مباح ہے جس پر ظلم کیا گیا ہے کہ وہ ظالم کے خلاف بددعا کرے (2)، اگر وہ صبر کرے تو اس کے لیے بہتر ہے، یہ ظالم کے خلاف دعا کی نوع میں اطلاق ہے۔ سدی اور حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی ہے کہ جس پر ظلم کیا گیا ہے اس کے لیے ظالم پر اس کے ظلم کی مثل ظلم کرنا اور اس کی برائی بیان کرنا جائز ہے (3)۔ ابن مستنیر نے کہا: اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کا معنی ہے جس کو کفر یا اسی جیسی بری بات پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہ مباح ہے۔ اس مفہوم پر آیت اکراہ کے بارے میں ہوگی (4)۔ اور اسی طرح قطرب نے کہا: اِلَّا مَنْ ظُلِمَ سے مراد مکرہ (جس کو مجبور کیا گیا ہو) ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہوتا ہے، وہ اگرچہ کفریہ کلمہ بھی کہہ دے تو اس پر گرفت نہیں ہے۔ فرمایا: اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کا معنی بدل کی حیثیت سے بھی جائز ہے گویا یوں فرمایا: لايحب الله الا من ظلم۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظالم کو پسند نہیں کرتا گویا وہ فرماتا ہے: وہ مظلوم کو اجر دیتا ہے۔ اس قول پر تقدیر اس طرح ہوگی: لايحب الله ذا الجهر بالسؤ الا من ظلم یہ بدل کے اعتبار سے ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ ضیافت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اسے یہ کہنے کی رخصت دی گئی ہے۔

ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو صحرا میں کسی شخص کا مہمان بنا تو اس نے اس کی مہمان نوازی نہ کی تو یہ آیت نازل ہوئی: اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ اس روایت کو ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: یہ آیت ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کسی کے پاس سے گزرا تو اس نے اس کی مہمان نوازی نہ کی تو اسے یہ کہنے کی رخصت دی گئی کہ اس نے میری اچھے طریقہ سے ضیافت نہیں کی (5)۔ جن علماء نے ضیافت کو واجب قرار دیا ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: کیونکہ ظلم ممنوع ہے پس یہ ضیافت کے وجوب پر دلیل ہے۔ لیث بن سعد کا یہی قول ہے۔

جمہور علماء کہتے ہیں: ضیافت (مہمان نوازی) یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ اس کا مزید بیان سورۂ ہود میں آئے گا۔

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 375　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 539　3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 540
4۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 129　5۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 540

ظاہر آیت کا مقتضا یہ ہے کہ مظلوم مناسب حد تک ظالم سے بدلہ لے سکتا ہے اگر وہ مومن ہے جیسا کہ حضرت حسن نے فرمایا: قذف کے مقابلہ میں قذف ہو تو یہ درست نہیں۔ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اگر وہ کافر ہے تو پھر اپنی زبان کو آزاد چھوڑ دے اور اس کے لیے ہلاکت، ہر دعا جو چاہے مانگ لے جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی ''اے اللہ! مضر قبیلہ کو روند ڈال، ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسے قحط میں مبتلا کر دے (1)'' اور عرض کی: ''اے اللہ! فلاں کو اپنی گرفت میں لے لے، فلاں کو اپنی گرفت میں لے لے''۔ آپ نے قریش کے نام لیے۔ اگر وہ سر عام ظلم کرنے والا ہے تو اس کے خلاف بددعا بھی جہراً ہوگی، نہ اس کی عزت محترم ہوگی، نہ اس کا بدن محترم ہوگا، نہ اس کا مال محترم ہوگا۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ان کی کوئی چیز چوری کی گئی تھی میں چور کے خلاف دعا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''اپنی بددعا کے ساتھ اس کی سزا میں تخفیف نہ کر'' (2)۔

عمرو بن شرید نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''قرض کی ادائیگی پر قادر شخص کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کی سزا کو حلال کرتا ہے'' (3)۔ ابن مبارک نے کہا: اس کی عزت کو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے سخت کلامی کی جاتی ہے اور اس کی سزا کے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے قید کیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے ''غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے (4)'' خوشحال قادر شخص سے جب ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے اور وہ ٹال مٹول کرے تو یہ ظلم ہے یہ اس کی عزت کو مباح کر دیتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے: فلاں لوگوں سے ٹال مٹول کرتا ہے، لوگوں کے حقوق روکتا ہے۔ امام کے لیے اس کو ادب سکھانا اور اس کو تعزیر لگانا مباح کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس عمل سے اجتناب کرے۔ یہی معنی سفیان سے بھی مروی ہے۔ یہی ابن المبارک کے قول کا معنی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس باب سے وہ نہیں ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عباس کا قول حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے جو انہوں نے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی موجودگی میں کہا تھا: اے امیر المومنین! میرے اور اس جھوٹے گنہگار، غادر خائن کے درمیان جو جھگڑا ہے اس کا فیصلہ کیجئے۔ کسی نے بھی ان پر بات کو لوٹایا نہیں، کیونکہ یہ فیصلہ تھا اور حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک اپنے آپ کو سچا اور صحیح سمجھتا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر نے ان پر جو واجب تھا وہ نافذ کر دیا۔ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ اس صورت میں ہے جب مقامات و مراتب برابر ہوں، لیکن جب مراتب میں فرق ہو تو کمتر لوگوں کو فضلاء پر زبان کھولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی (5)، بلکہ ان کا حق صرف دعویٰ کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عباس کی طرف سے جو گفتگو تھی وہ غصے میں تھی کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ قول اپنے چچا ہونے کی حیثیت سے بولا، کیونکہ چچا باپ کی مثل ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں باپ جب بیٹے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 2، صفحہ 946 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 316۔ ایضاً، حدیث 1279، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، جلد 2، صفحہ 155 4۔ صحیح بخاری، باب الحوالۃ، حدیث نمبر 2125، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 513

کے بارے میں ان الفاظ کا اطلاق کرتا ہے تو اس میں سختی اور جھڑکنے میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے نہ کہ بیٹا واقعی ان امور سے موصوف ہوتا ہے، نیز وہ ایک دینی ولایت کے جھگڑے میں تھے حضرت عباس کا خیال تھا کہ ان کی اس میں مخالفت جائز نہیں اور ان کی اس مسئلہ میں مخالفت کو مخالف ان امور سے متصف کر دیتا ہے پس آپ نے ان وجوہ کی بنا پر غصہ کی وجہ سے ایسا کہا تھا، جب حاضرین نے یہ جان لیا تھا تو کسی نے حضرت عباس پر انکار نہ کیا۔ یہ مازری اور قاضی عیاض وغیرہما کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے ظَلَمَ پڑھا یعنی ظاء اور لام کے فتحہ کے ساتھ۔ یہ زید بن اسلم کی قرأت ہے یہ محمد بن کعب قرظی کے بعد مدینہ میں قرآن جاننے والے علماء میں سے تھے اور یہ ابن ابی اسحاق، ضحاک، حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور عطا السائب کی قرأت ہے یعنی جس نے قول یا فعل میں ظلم کیا تو اس کی سرعام برائی بیان کرو۔ معنی میں فعل سے نہی ہے اور اسے زجر و توبیخ کرنا ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا کہ جو نفاق سے توبہ کرے پھر اسے کہا جائے کہ کیا تو پہلے منافق نہیں تھا؟ الا ظلم مگر جو نفاق پر قائم رہے۔ اس پر دلیل یہ قول ہے۔ الا الذین تابوا۔ ابن زید نے کہا: یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق خبر دی کہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں، پس تو جہراً ان کی برائی کا بیان تھا پھر اس کے بعد ان کے متعلق فرمایا: ما یفعل اللہ بعذابکم یہ ان کو مانوس کرنا اور شکر و ایمان کی طرف بلانا ہے پھر مومنین کو فرمایا: لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ یعنی جو مسلمان ہو جائے تو اسے منافق نہ کہو مگر وہ جو نفاق پر قائم ہو اسے کہا جائے گا کیا تو منافق، کافر نہیں ہے، تیرے لیے آگ کا نچلا طبقہ ہے اس جیسا اور کوئی قول۔ ایک قوم نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا کہ کسی کی سرعام برائی بیان کی جائے پھر استثنا منقطع ذکر فرمایا لیکن جو ظلم کرے وہ ظلم و زیادتی کرتے ہوئے مظلوم کی عزت کو بھی تار تار کرے جب کہ وہ ہے بھی ظالم۔

میں کہتا ہوں: یہ اکثر ظالموں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے ظلم کے ساتھ ساتھ اپنی زبان سے گالی گلوچ بھی دیتے ہیں اور مظلوم کی عزت کو بھی تار تار کرتے ہیں جس کو ان پر حرام کیا گیا تھا۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ معنی بھی ہو سکتا ہے: اِلَّا مَنْ ظَلَمَ جس نے بری بات کہی مناسب ہے کہ ہم اس کے ہاتھ کو پکڑیں۔ یہ پہلی کلام سے استثنا نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس پر احادیث دلالت کرتی ہیں ایک حدیث یہ ہے خذوا علی ایدی سفہائکم(1)۔ تم اپنے بے وقوفوں کے ہاتھوں کو پکڑو۔ اور ارشاد ہے ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو''(2)۔ صحابہ نے کہا: یہ مظلوم ہم اس کی تو مدد کریں گے، ظالم کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا: ''تم اسے ظلم سے روکو''۔ فراء نے کہا: اِلَّا مَنْ ظُلِمَ یعنی ولا من ظلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝ ظالم کو ڈرایا گیا ہے تاکہ وہ ظلم نہ کرے اور مظلوم کو اس جملہ سے ڈرایا گیا ہے کہ وہ انتقام لینے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ پھر اس کے بعد فرمایا: اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ۔ عفو و درگزر کی رغبت دلائی۔ العفو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کا مطلب ہے انتقام پر قدرت ہوتے ہوئے معاف کرنا۔ آل عمران میں وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران: 134) کے تحت یہ مفہوم گزر چکا ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیے ان

1۔ شعب الایمان، فی الامر بالمعروف، جلد 6، صفحہ 92　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الاکراہ، جلد 2، صفحہ 1028

تھوڑے سے الفاظ میں بہت سے معانی موجود ہیں۔ بعض نے کہا: اگر تو معاف کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے گا۔ ابن المبارک نے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے اس نے بتایا جس نے حسن سے سنا تھا کہ جب ساری امتیں قیامت کے روز رب العالمین کے سامنے گری پڑی ہوں گی تو آواز دی جائے گی: وہ کھڑا ہو جس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، تو وہ کھڑا ہوگا جس نے دنیا میں معاف کیا ہوگا۔ اس حدیث کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 40)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

''بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ اختیار کرلیں کفر و ایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ، یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا''۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ پہلے مشرکین و منافقین کا ذکر فرمایا تو اب اہل کتاب میں سے کفار کا ذکر فرمایا، کیونکہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے۔ کیونکہ ہر نبی نے اپنی قوم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء پر ایمان لانے کا حکم فرمایا۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسل پر ایمان لانے میں فرق کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل پر ایمان لانے میں فرق کرنا کفر ہے۔ یہ اس لیے کفر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اس طریقہ پر عبادت کرنا فرض کیا جو اس نے اپنے رسل کی زبانوں پر شروع کیا تھا، جب انہوں نے رسولوں کا انکار کیا اور ان کی شریعتوں کو رد کیا اور ان سے ان کی شریعتوں کو قبول نہ کیا تو وہ عبودیت کے التزام سے انکاری ہو گئے جس کے التزام کا انہیں حکم دیا گیا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے انکاری کی طرح ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کفر ہے، کیونکہ اس میں عبودیت اور طاعت کے التزام کا ترک کفر ہے اور اسی طرح رسولوں پر ایمان لانے میں تفریق کرنا بھی کفر ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ اس سے مراد یہود ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ یہ قول سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ وہ اپنی عوام سے کہتے تھے: ہم اپنی کتب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں پاتے۔ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ یعنی وہ ایمان اور کفر کے درمیان راستہ بنانا چاہتے ہیں یعنی اسلام اور یہودیت کے درمیان نیا دین بنانا چاہتے ہیں،

ذالك فرمایا، ذینك نہیں فرمایا، کیونکہ ذالك تثنیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اگر ذینك ہوتا تو بھی جائز ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا جب پہلے ذکر فرمایا کہ وہ کہتے ہیں: نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں، تو اس سے ان کے ایمان کا شبہ ہوتا تھا تو اس شبہ کو زائل کر دیا تاکید اً فرمایا کہ یہ کافر ہیں۔ بعض پر ایمان لانا انہیں کچھ مفید نہیں جب کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا جب انہوں نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی انکار کیا اور اس رسول کا بھی انکار کیا جس نے اس رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت دی تھی۔ اسی وجہ سے یقینی طور پر یہ کافر ہیں۔ لِلْكٰفِرِيْنَ یہ اعتدنا کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہے یعنی کافروں کی تمام اقسام کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے یہی لوگ ہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے''۔

اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

''مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کا۔ انہوں نے کہا تھا: (اے موسیٰ!) دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد کہ آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان کا یہ (سنگین) جرم اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو واضح غلبہ''۔

یہود نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور یکبارگی کتاب لے آئیں جو آپ کی سچائی کی مدعی ہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لائے تھے، یہ انہوں نے آپ سے مطالبہ حجت بازی کے لیے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو آگاہ کیا کہ ان کے آباء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑی حجت بازی کی تھی انہوں نے کہا تھا: ہمیں اللہ کھلم کھلا دکھاؤ۔ یہ سورۂ بقرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ جهرةً مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی رؤيةً جهرةً تو انہیں بجلی کی کڑک کے ساتھ سزا دی گئی، کیونکہ انہوں نے معجزات دیکھنے کے بعد بڑا سوال کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ کلام میں حذف ہے اس کی تقدیر یوں ہے پھر ہم نے انہیں زندہ کیا اور زندہ

رہے پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ سورۂ بقرہ میں یہ واقعہ تفصیلاً گزر چکا ہے مزید ذکر سورۂ طٰہٰ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ براہین، دلائل، ظاہری معجزات، ید بیضا، عصا، سمندر کا پھٹنا وغیرہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پھر یہ سارے دلائل دیکھنے کے بعد۔ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ اس ہٹ دھرمی کے باوجود ہم نے انہیں معاف کر دیا۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ یعنی واضح حجت۔ یہ وہ آیات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ ان کو سلطان کہا گیا ہے، کیونکہ جو ان آیات کو لے کر آیا تھا وہ حجت کے ساتھ غالب آیا تھا اور یہ آیات دلوں کو غالب کرنی والی تھیں یعنی وہ جانتے تھے کہ انسان کی قوت میں اس کی مثل لانا ممکن نہیں۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

''اور ہم نے بلند کیا ان کے اوپر طور کو ان سے پختہ وعدہ لینے کیلئے اور ہم نے فرمایا انہیں کہ داخل ہو جاؤ اس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے فرمایا انہیں کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں اور ہم نے لیا تھا ان سے پختہ وعدہ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ یعنی ان کے میثاق توڑنے کے سبب ہم نے ان پر طور کو بلند کیا اور وہ میثاق تورات پر عمل کرنا تھا۔ پہاڑ کے بلند کرنے اور ان کے دروازہ سے داخل ہونے کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ سُجَّدًا حال کی بنا پر منصوب ہے۔ ورش نے وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ میں عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عدا یعدو عدوًا وعُدوانا و عدوا و عداء سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ یعنی مچھلیاں پکڑنے کے ساتھ حد سے نہ بڑھو، جیسا کہ سورہ میں گزر چکا ہے۔ اصل میں تعتدوا تھا۔ تا کو دال میں ادغام کیا گیا۔ نحاس نے کہا: عین کا ساکن کرنا جائز نہیں، اس میں دو ساکنوں کو جمع نہ کیا جائے گا۔ اور جس نے اس طرح پڑھا ہے اس نے خطا کی ہے۔ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ یعنی وہ عہد جو ان سے تورات کے بارے میں لیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ عہد قسم کے ساتھ مؤکد ہے اس لیے اس کو غلیظ کہا گیا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

''(ان پر پھٹکار کی) وجہ یہ تھی کہ انہوں نے توڑ دیا اپنے وعدہ کو۔ اور انہوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ اور انہوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق انہوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں (یوں نہیں) بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ، نَقْضِهِمْ کو جر با کی وجہ سے ہے اور (ما) زائدہ مؤکدہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 159) یہ پہلے گزر چکا ہے۔ با محذوف کے متعلق ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: فبنقضهم میثاقهم لعناهم۔ یہ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے۔ سامع کے علم کی وجہ سے فعل کو حذف کیا گیا۔ ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی نے کہا: یہ ماقبل کے متعلق ہے معنی یہ ہے انہیں بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا ان کے ظلم کی وجہ سے اور ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے۔ فرمایا: ان کے ظلم کی تفسیر بیان فرمائی جس کی وجہ سے بجلی کی کڑک نے انہیں پکڑ لیا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور انبیاء کو قتل کیا اور باقی تمام ان کے اعمال قبیحہ جن میں انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ان تمام افعال کی وجہ سے بجلی کی کڑک نے انہیں پکڑ لیا۔ طبری وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ بجلی کی کڑک میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گرفتار ہوئے تھے اور جنہوں نے انبیاء کو قتل کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بعد تھے، پس جنہوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھا وہ بجلی کی کڑک میں گرفتار نہیں ہوئے تھے۔

مہدوی وغیرہ نے کہا: یہ لازم نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے خبر ان کے متعلق دی ہو اور مراد ان کے آباء ہوں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ زجاج نے کہا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ کا معنی ہے ہم نے ان کے پختہ عہد توڑنے کی وجہ سے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں، کیونکہ یہ قصہ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا تک طویل ہے اور وہ میثاق جو انہوں نے توڑا تھا وہ یہ تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات بیان کریں۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کے عہد توڑنے، ان کے ایسا ایسا کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے۔ اور فاء متممہ ہے۔ كُفْرِهِمْ اور قَتْلِهِمُ اس پر معطوف ہیں۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ سے مراد ان کی کتب کی آیات ہیں جن میں انہوں نے تبدیلی کی۔ غُلْفٌ، غلاف کی جمع ہے یعنی انہوں نے کہا: ہمارے دل پہلے ہی علم کے برتن ہیں، ہمارے پاس جو علم ہے اس کے علاوہ ہمیں کسی علم کی ضرورت ہی نہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ اغلف کی جمع ہے جو غلاف کے ساتھ ڈھانپا گیا یعنی ہمارے دل پردوں میں ہیں جو آپ کہتے ہیں اسے ہم نہیں سمجھتے۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ (حم السجدہ: 5) یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے ان کا مقصود رسولوں کی حجت کو دور کرنا ہے۔ طبع کا معنی مہر لگانا ہے۔ یہ بھی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بِكُفْرِهِمْ یعنی ان کے کفر پر ان کے لیے جزا ہے جس طرح فرمایا: بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (بقرہ) یعنی ایمانا قلیلا تھوڑا ایمان یعنی بعض انبیاء پر ایمان لائے اور یہ ان کے لیے نفع بخش نہیں ہے پھر دوبارہ فرمایا: بِكُفْرِهِمْ یہ اس لیے تاکہ وہ خبر دے کہ انہوں نے کفر کے بعد کفر کیا۔ بعض نے فرمایا: وَّبِكُفْرِهِمْ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے، مابعد کی دلالت کی وجہ سے اس کو حذف کیا گیا۔ بِكُفْرِهِمْ میں عامل وہ ہے جو فَبِمَا نَقْضِهِمْ کا ہے کیونکہ یہ اس پر معطوف ہے، اس میں عامل طَبَعَ ہونا جائز نہیں۔ اور بہتان عظیم جو انہوں نے حضرت مریم علیہ السلام پر باندھا کہ یوسف نجار سے وہ ملی ہیں، حالانکہ یوسف نجار نیک لوگوں میں سے تھے۔ بہتان ایسے جھوٹ کو کہتے جس سے تعجب ہو یہ پہلے گزر چکا ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَ

لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

''اوران کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول ہے، حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہوگئی ان کے لیے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک وشبہ میں ہیں ان کے متعلق نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً، بلکہ اٹھالیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ، اِنَّ کو کسرہ دیا گیا ہے، کیونکہ قول کے بعد اس سے ابتدا کی گئی ہے اور لغۃً اس سے کلام شروع ہو رہی ہے۔ سورۂ آل عمران میں لفظ الْمَسِيْحَ کا اشتقاق گزر چکا ہے۔ رَسُوْلَ اللّٰهِ بدل ہے اگر تو چاہے تو اس سے پہلے اعنی کا اعتبار کرلے۔ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ یہ ان کے قول کا رد ہے۔ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ یعنی ان کی شبیہ کسی دوسرے پر ڈالی گئی جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا: وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو نہیں جانتے تھے انہوں نے اسے قتل کر دیا جسے قتل کیا جب کہ انہیں اس میں شک تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ۔ بعض نے فرمایا: ان کے علماء کا اختلاف تھا۔ بعض نے فرمایا: تمام کی طرف سے اختلاف تھا۔ بعض نے فرمایا: صرف عوام کا اختلاف تھا، ان کے اختلاف کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ ہیں۔ بعض نے کہا: وہ ابن اللہ ہے۔ یہ حسن کا قول ہے (1)۔ بعض نے فرمایا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ ان کی عوام نے کہا: ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اور جنہوں نے آسمان کی طرف بلند ہوتا انہیں دیکھا انہوں نے کہا: ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ بعض نے کہا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ نسطوریہ نصاریٰ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناسوت کی جہت سولی چڑھایا گیا، لاہوت کی جہت سے نہیں۔ ملکانیہ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سولی اور قتل ناسوت ولاہوت دونوں جہتوں سے جاری ہوا۔ بعض نے کہا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے کہا: اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں اور اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں ہے (2)؟ بعض نے فرمایا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ یہود نے کہا: ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے، کیونکہ یہوذا جو یہود کا سردار تھا یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سعی کی تھی۔ نصاریٰ کے ایک طائفہ نے کہا: بلکہ ہم نے اسے قتل کیا ہے، ان میں سے ایک طائفہ نے کہا: بلکہ انہیں اللہ نے آسمان کی طرف اٹھالیا ہے اور ہم اس کی طرف دیکھ رہے تھے (3)۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ من زائدہ ہے اور کلام یہاں مکمل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ یہ پہلے سے استثنا نہیں یہ محل نصب میں ہے اور بدل کے اعتبار سے محل رفع میں ہونا بھی جائز ہے یعنی مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ۔

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 376　2۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، جلد 1، صفحہ 148　3۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 184

سیبویہ نے یہ شعر بطور استشہاد پیش کیا ہے

وبلدة ليس بها أنيس إلاّ اليعافير ولا العِيسُ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا۝ حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے ما قتلوا ظنهم يقينا جس طرح تیرا قول ہے: قتلته علما جب تجھے مکمل طور پر علم ہو (1)۔ (ہ) ضمیر کا مرجع الظن ہے۔ ابو عبید نے کہا: اگر یہ معنی ہوتا وما قتلوا عيسى يقينا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: وما قتلوه۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وما قتلوا الذی شبه لهم انه عيسى يقينا اس مفہوم پر يَقِيْنًا پر وقف ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وما قتلوا عیسی اس مفہوم پر وَ مَا قَتَلُوْهُ پر وقف ہوگا اور يَقِيْنًا مصدر محذوف کی صفت ہوگا اس میں دو تقدیریں ہوں گی (۱) قالوا هذا قولا يقينا یا قال الله هذا قولا يقينا (۲) معنی ہوگا وما علموه علما يقينا۔ نحاس نے کہا: اگر تم یہ معنی مقدر کرو بل رفعه الله اليه يقينا تو یہ خطا ہے، کیونکہ بل کا مابعد اس کے ضعف کی وجہ سے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ ابن انباری نے مَا قَتَلُوْهُ پر وقف کی اجازت دی ہے اس بنا پر کہ يَقِيْنًا فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جو جواب قسم ہے تقدیر اس طرح ہوگی ولقد صدقتم يقينا یعنی صدقا يقينا اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ نئی کلام ہے یعنی اللہ نے انہیں آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ مکان سے پاک اور بلند ہے۔ اس کے اٹھانے کی کیفیت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا یعنی اللہ تعالیٰ یہود سے انتقام لینے کی طاقت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطرس بن استیسانوس رومی کو ان پر مسلط کر دیا، اس نے ان سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ حَكِيْمًا اس نے یہود پر لعنت اور غضب کا فیصلہ فرمایا۔

وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ۝

''اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔ حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہر کتابی اپنی موت سے پہلے مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا (2)، پہلی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسری ضمیر کا مرجع کتابی ہے۔ ہر یہودی اور نصرانی جب موت کے فرشتے کو دیکھتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے، لیکن ایسا ایمان نفع بخش نہیں ہوتا، کیونکہ یہ مایوسی کے وقت کا ایمان ہے اور موت کی حالت سے متصل ایمان ہے۔ ہر یہودی اس وقت اقرار کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور ہر نصرانی اقرار کرتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول تھے۔

روایت ہے کہ حجاج نے شہر بن حوشب سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: میں ایک یہود و نصاریٰ سے قیدی لاتا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 1، صفحہ 544 2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 378

ہوں اور اس کی گردن مارنے کا حکم دیتا ہوں پھر میں اس وقت اسے دیکھتا ہوں تو میں اس سے ایمان نہیں دیکھتا۔ شہر بن حوشب نے اسے کہا: جب وہ آخرت کے امر کو دیکھتا ہے تو وہ اقرار کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے لیکن ایمان اسے فائدہ نہیں دیتا۔ حجاج نے شہر بن حوشب سے پوچھا: تو نے یہ قول کہاں سے لیا ہے۔ شہر نے کہا: میں نے یہ محمد بن حنیفہ سے لیا ہے، تو حجاج نے کہا: تو نے یہ چشمہ صافی سے لیا ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ ان سے پوچھا گیا: اگر وہ غرق ہو جائے یا جل جائے یا اسے درندے کھا جائیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ بعض علماء نے فرمایا: دونوں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں، معنی یہ ہیں کہ قرب قیامت کے وقت جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو جو عیسائی زندہ ہوگا وہ آپ پر ایمان لے آئے گا۔ یہ قتادہ، ابن زید وغیرہما کا قول ہے۔ اور طبری نے اس کو اختیار کیا ہے۔

یزید بن زریع نے ایک شخص سے، انہوں نے حسن سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے مراد قبل موت عیسیٰ ہے۔ اللہ کی قسم! اب وہ اللہ کی بارگاہ میں زندہ ہیں لیکن وہ زمین پر اتریں گے تو سب ان پر ایمان لے آئیں گے (1)۔ ضحاک اور سعید بن جبیر سے اسی طرح مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ، ہ ضمیر کا مرجع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے، کیونکہ یہ تمام واقعات آپ پر نازل ہوئے اور مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو متضمن ہے، کیونکہ ان کے درمیان تفریق جائز نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی ہر کتابی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا لیکن حقیقت دیکھنے کے وقت ایمان اسے نفع نہیں دے گا۔ پہلی دو تاویلیں زیادہ ظاہر ہیں۔ زہری نے سعید بن مسیب سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں گے، دجال کو قتل کریں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے اور سجدہ صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہوگا'' (2)۔ پھر حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس سے مراد قبل موت عیسیٰ ہے۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ سیبویہ کے نزدیک آیت کی تقدیر اس طرح ہے: وان من اهل الكتاب احد الا ليومنن به اور کوفیوں کی تقدیر اس طرح ہے: وان من اهل الكتاب الا مَنْ ليومنن به۔ اس میں قبح ہے، کیونکہ اس میں موصول کا حذف ہے اور صلہ موصول کا بعض ہوتا ہے گویا بعض اسم حذف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ یعنی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرے گا اس کی تکذیب کی گواہی دیں گے اور جو تصدیق کرے گا اس کی تصدیق کی گواہی دیں گے۔

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 2، صفحہ 378
2۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل انبیاء، حدیث نمبر 3192، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

''سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کیلئے اور بوجہ روکنے یہود کے الله کے راستے سے بہت لوگوں کو اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کیلئے ان میں سے عذاب دردناک''۔

اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا۔ زجاج نے کہا: یہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ سے بدل ہے۔ اور طَيِّبٰتٍ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ (الانعام:146) اور ظلم کو تحریم پر مقدم فرمایا، کیونکہ ظلم کے متعلق خبر دینے کا مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ یہ تحریم کا سبب ہے۔ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے روکتے ہیں۔ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ یہ سب اس ظلم کی تفسیر ہے جو وہ کیا کرتے تھے، اور اسی طرح جو پہلے گزر چکا ہے کہ وہ عہد کو توڑتے تھے اور جو بعد میں آئے گا۔ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ تحریم کے سبب میں علماء کے مختلف تین اقوال ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک کے مذہب میں کوئی اختلاف نہیں کہ کفار مخاطب ہیں۔ الله تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ انہیں سود کھانے سے اور لوگوں کے ناحق مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ اس کے متعلق خبر ہے جو قرآن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور وہ خطاب میں داخل ہیں تو بھی بہتر ہے اور اگر یہ خبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات میں نازل فرمایا اور انہوں نے احکامات کو بدلا، اور تحریف کی اور الله تعالیٰ کی مخالفت اور نافرمانی کی تو کیا ہمارے لیے ان کے معاملات جائز ہیں جب کہ وہ قوم اپنے دین میں اپنے اموال کو خراب کر چکی ہے یا نہیں؟ ایک طائفہ نے کہا: ان کا معاملہ جائز نہیں، کیونکہ ان کے اموال میں یہ فساد ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کے سود اور الله تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب کے باوجود ان کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے، اس پر قرآن وسنت سے قطعی دلیل قائم ہو چکی ہے وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ (المائدہ:5) یہ نص ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود سے معاملات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی جو اپنے عیال کے لیے جو لینے کے لیے رہن رکھی تھی۔

شک اور خلاف کی بیماری کو جڑ سے ختم کرنے والی چیز امت کا اہل حرب کے ساتھ تجارت کرنے کے جواز پر اتفاق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کی خاطر ان کی طرف سفر کیا تھا، اس سفر سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ ان کی طرف سفر کرنا اور ان کے ساتھ تجارت کرنا جائز ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ نبوت سے پہلے کا سفر تھا تو ہم کہیں گے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت سے پہلے بھی کسی حرام کا ارتکاب نہیں کیا اور یہ تواتر سے ثابت ہے اور نہ بعثت کے بعد آپ نے کوئی عذر پیش کیا اور نہ اعلان نبوت

کے بعد آپ سے منع ثابت ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اور نہ آپ کے وصال کے بعد کسی نے اہل کتاب کی طرف سفر کو ترک کیا بلکہ صحابہ کرام قیدیوں کو چھڑانے کے لیے سفر کرتے تھے اور یہ واجب ہے اور صلح میں حضرت عثمان کو بھیجا گیا تھا۔ اور کبھی یہ سفر واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب، رہا صرف تجارت کی خاطر اہل کتاب کی طرف سفر کرنا تو وہ مباح ہے (1)۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

"لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان سے (وہ بھی) اور (جو) مسلمان ہیں ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور صحیح ادا کرنے والے نماز کے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور ایمان لانے والے اللہ اور روز آخرت کے ساتھ یہی ہیں جنہیں عنقریب ہم دیں گے اجر عظیم"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ اہل کتاب کے مومنوں کی استثنا فرمائی۔ یہود انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ اشیاء اصل میں حرام تھیں اور آپ انہیں حلال کرتے ہیں اور یہ ہمارے ظلم کی وجہ سے حرام نہیں ہوئی ہیں تو یہ ارشاد نازل ہوا: لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ، الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ سے مراد کتاب کا علم رکھنے والا ہے۔ الرسوخ سے مراد ثبوت ہے۔ یہ آل عمران میں گزر چکا ہے، اس سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام، کعب الاحبار اور ان جیسے دوسرے علماء ہیں۔ والمومنون سے مراد مہاجرین وانصار ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے۔

وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ حسن، مالک بن دینار اور ایک جماعت نے الْمُؤْمِنُوْنَ پر عطف کی بنا پر المقیمون پڑھا ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ کی قرأت میں ہے اور ابی کی قرأت میں والمقیمین ہے جیسا کہ مصاحف میں ہے۔ اس کے نصب میں چھ اقوال ہیں اصح قول سیبویہ کا ہے کہ مدح کی بنا پر منصوب ہے یعنی اعنی المقیمین اور سیبویہ نے کہا: تعظیم کی بنا پر نصب دی گئی ہے۔ المقیمین الصلوٰۃ اسی بنا پر منصوب ہے۔

وکل قومٍ أطاعوا أمر سیدِهم إلا نمیرا أطاعت أمر غاویها

أمر مرشدهم بھی مروی ہے۔

الظاعنین ولما یُظعِنُوا أحداً والقائلون لِمَن دارٌ نُخَلِّیها

ایک اور شاعر نے کہا:

ولا یَبْعَدَنْ قومی الّذین هُمُ سُمُّ العُداۃِ وآفۃُ الجُزُرِ

النّازِلین بِکُلِّ مُعتَرَکٍ والطَّیِّبُونَ مَعَاقِدَ الأُزُرِ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 515

نحاس نے کہا: المقیمین میں جو کہا گیا ہے اس میں سے اصح قول یہی ہے کہ تعظیم کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ کسائی نے کہا: المقیمین کا عطف (ما) پر ہے۔ نحاس نے کہا: اخفش کا قول ہے کہ یہ بعید ہے، کیوں کہ معنی یہ ہو جائے گا یومنون بالمقیمین۔ یعنی وہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر ایمان لاتے ہیں۔ محمد بن جریر نے حکایت کیا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ یہاں المقیمین سے مراد فرشتے ہیں، کیونکہ وہ ہمیشہ نماز، تسبیح اور استغفار میں رہتے ہیں۔ جریر نے اس قول کو اختیار کیا ہے اس نے حکایت کیا ہے مدح کی بنا پر نصب بعید ہے، کیونکہ مدح خبر کے مکمل ہونے کے بعد ہوتی ہے اور الرّٰسِخُوْنَ کی خبر اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ہے پس الْمُقِيْمِيْنَ کو نصب مدح پر نہیں ہے، نحاس نے کہا: الْمُؤْتُوْنَ میں سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ ابتدا کی وجہ سے رفع دیا گیا ہے۔ اور دوسرے علماء نے کہا: مبتدا کے اضمار پر رفع دیا گیا ہے یعنی وہ زکوٰہ دینے والے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: المقیمین کا عطف قبلك کی کاف پر ہے یعنی من قبلك و من قبل المقیمین۔ بعض نے فرمایا: الیك میں جو کاف ہے اس پر عطف ہے۔ بعض نے فرمایا: منهم میں ها اور میم پر عطف ہے یعنی منهم و من المقیمین یہ تینوں جوابات جائز نہیں، کیونکہ ان میں اسم ظاہر کا عطف مجرور مضمر اسم پر ہے۔ چھٹا جواب وہ ہے جو روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ سے اس آیت کے متعلق اور اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ اور الصّٰبِـُٔوْنَ جو سورہ مائدہ میں ہے، ان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے سائل سے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کاتبوں نے غلطی کی ہے۔ ابان بن عثمان نے کہا: کاتب کو لکھایا جاتا تھا پس وہ لکھتا تھا، اس نے لکھا: لكن الراسخون فی العلم منهم والمومنون پھر اس نے کہا: اب کیا لکھوں؟ تو اسے کہا گیا: تم لکھو وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ پھر یہاں اسی طرح واقع ہوا (☆)۔

قشیری نے کہا: یہ مسلک باطل ہے، کیونکہ جنہوں نے کتاب کو جمع کیا وہ لغت میں اسوۃ تھے یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرآن میں وہ داخل کرتے تھے جو نازل نہیں ہوا تھا۔ ان اقوال میں سے اصح ترین قول سیبویہ کا ہے اور وہی خلیل کا قول ہے اور کسائی کا قول وہ ہے جسے قفال اور طبری نے اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾

''بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ یہ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ

☆ باقلانی نے کہا جس طرح نکت الانتصار لنقل القرآن کے صفحہ 129 پر ہے ''حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ قول کہ یہ کاتب کی غلطی ہے تو ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور اس میں کوئی حجت نہیں'' کیونکہ قرآن وہ ہے جو نقل متواتر سے ثابت ہے۔

السَّمَآءِ کے کلام سے متصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بھی پہلے انبیاء کے معاملہ کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ یہود کی قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں سکین اور عدی بن زید تھا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی کی طرف وحی نہیں کی پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی۔ وحی کا معنی خفیہ طور آگاہ کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے: وحی الیہ بالکلام یحی وحیاً، واوحی یوحی ایحاءً (اِلٰی نُوْحٍ) ان کو مقدم فرمایا کیونکہ یہ پہلے نبی تھے ان کی زبان پر شریعت جاری ہوئی بعض کے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے کہ مجھے ابوالحسن علی بن مغیرہ نے بیان کیا، انہوں نے ہشام بن محمد بن سائب سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے فرمایا: پہلے نبی جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر مبعوث فرمایا وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے ان کا اسم اخنوخ ہے، پھر رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ کو مبعوث فرمایا۔ سام بن نوح نبی تھا، پھر رسولوں کا سلسلہ ختم ہوا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی مبعوث فرمایا اور اسے خلیل بنایا۔ وہ حضرت ابراہیم بن تارخ ہے اور تارخ کا اسم آزر ہے پھر حضرت اسماعیل بن ابراہیم کو مبعوث فرمایا پس حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصال مکہ میں ہوا پھر حضرت اسحٰق بن ابراہیم مبعوث ہوئے، پس وہ شام میں فوت ہوئے پھر حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے چچا تھے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ حضرت اسرائیل بن اسحٰق ہے۔ پھر حضرت یوسف بن یعقوب مبعوث ہوئے پھر حضرت شعیب بن یوبب پھر ہود بن عبداللہ مبعوث ہوئے پھر حضرت صالح بن آسف مبعوث ہوئے پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون، ابنا عمران مبعوث ہوئے۔ پھر حضرت ایوب پھر حضرت خضر یہ خضرون ہیں پھر حضرت داؤد بن ایشا مبعوث ہوئے پھر حضرت سلیمان بن داؤد پھر حضرت یونس بن متی پھر حضرت الیاس، پھر حضرت ذوالکفل مبعوث ہوئے۔ اور ان کا اسم عویدنا ہے یہ یہوذا ابن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ حضرت زبیر نے کہا حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت مریم بنت عمران ام عیسیٰ کے درمیان سترہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور یہ دونوں سبط میں سے نہیں تھے۔ پھر حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت زبیر نے کہا: ہر نبی جن کا قرآن میں ذکر ہے وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے سوائے حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کے۔ عربوں میں سے صرف پانچ انبیاء تھے حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسماعیل، حضرت شعیب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیہم اجمعین۔ ان کو عرب کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ کسی نے عربی نہیں بولی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ یہ تمام انبیاء کو شامل ہے پھر فرمایا: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ بعض لوگوں کا ذکر فرمایا ان کے شرف کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ (بقرہ: 98) پھر فرمایا: وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان انبیاء سے مقدم فرمایا جو ان سے پہلے تھے، کیونکہ واو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص یہود کا رد ہے۔ اس آیت میں ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور شرف پر تنبیہ ہے، کیونکہ انبیاء پر آپ کے ذکر کو مقدم فرمایا۔ اس کی مثل یہ ارشاد ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ

(الاحزاب:7) نُوْحٍ، النوح سے مشتق ہے۔ آل عمران میں ان کا ذکر گزر چکا ہے یہ منصرف ہے یہ عجمی اسم ہے اس کے تین حروف ہیں پس تخفیف کی گئی۔ ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق یہ عجمی اسماء ہیں یہ معرفہ بھی ہیں اس لیے غیر منصرف ہیں اسی طرح یعقوب، عیسیٰ اور موسیٰ ہیں مگر عیسیٰ اور موسیٰ جائز ہے کہ ان میں الف تانیث کے لیے ہو پس یہ نہ معرفہ میں منصرف ہوں گے اور نہ نکرہ میں منصرف ہوں گے۔ یونس اور یوسف، حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے نون کے کسرہ کے ساتھ یونس پڑھا ہے اسی طرح یوسف پڑھا ہے ان کو آنس اور آسف سے بنایا ہے۔ اس بنا پر ان کا منصرف ہونا اور ہمزہ سے ہونا واجب ہے اور ان کا جمع یآنس اور یآسف ہوگا اور جنہوں نے ہمزہ نہیں دیا انہوں نے یوانس و یواسف۔ ابوزید نے حکایت کیا ہے کہ یونس اور یوسف نون اور سین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مہدوی نے کہا: یونس گویا اصل میں معروف کا صیغہ ہے اور یونس مجہول کا صیغہ ہے، ان کے ساتھ نام رکھا گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾، الزبور، حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب تھی اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں اس میں نہ حکم تھا، نہ حلال تھا، نہ حرام تھا۔ اس میں حکمتیں اور مواعظ تھے۔ زبیر کا معنی کتابت ہے اور زبور بمعنی مذبور ہے یعنی المکتوب جیسے الرسول، الرکوب، الحلوب بمعنی المفعول ہیں۔ حمزہ نے زبوراً زا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ زبر کی جمع ہے جیسے فلس اور فلوس اور زبر بمعنی المذبور ہے، جیسے کہا جاتا ہے: ھذا الدرھم ضرب الامیر۔ یہاں ضرب بمعنی مضروب ہے اصل میں توثیق کے کلمہ میں استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: بئر مزبورۃ یعنی پتھروں کے ساتھ لپٹا ہوا کنواں۔ کتاب کو زبور کہا جاتا ہے اس پر وثوق کی وجہ سے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت خوبصورت آواز تھی جب آپ زبور کی قرأت شروع کرتے تھے تو ان کی آواز کی خوبصورتی کی وجہ سے انسان، جن، پرندے اور وحشی جمع ہو جاتے تھے۔ آپ متواضع تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے کھاتے تھے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ ہمیں ابواسامہ نے بتایا، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام لوگوں کو خطاب کرتے تھے جب کہ ان کے ہاتھ میں کھجور کے پتوں کی گٹھڑی ہوتی تھی جب وہ فارغ ہوتے تو قریب والا شخص ان سے لے لیتا اور اسے بیچتا، آپ زرہیں بناتے تھے اور حدیث میں ہے ''آنکھ میں نیلا رنگ برکت ہے'' اور داؤد علیہ السلام کی آنکھیں نیلی تھیں۔

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ۚ

''اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ یعنی مکہ میں اور رُسُلًا کی نصب فعل مضمر کی وجہ سے ہے یعنی وارسلنا رسلاً۔ کیونکہ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ کا معنی ہے وارسلنا نوحا۔ بعض علماء نے فرمایا: فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس پر قَصَصْنٰهُمْ دلالت کر رہا ہے یعنی قصصنا رسلاً اس کی مثل سیبویہ نے اس شعر سے دی ہے:

أصحبتُ لا أحملُ السّلاحَ ولا ... أملكُ رأسَ البعيرِ إنْ نفرا

والذئبَ أخشاهُ إن مررتُ بهِ ... وحدِي وأخشى الرياحَ والمطرا

یعنی اخشی الذئب۔ اور حضرت ابی کی قرأت میں ورُسُلٌ رفع کے ساتھ ہے اس کی تقدیر یہ ہے منھم رسلٌ۔ پھر فرمایا گیا: اللہ تعالیٰ نے جب اپنی کتاب میں بعض انبیاء کے اسماء ذکر فرمائے اور بعض کے ذکر نہ فرمائے تو جن کا ذکر فرمایا ان کو فضیلت ہے ان پر جن کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہود نے کہا: محمد نے انبیاء کا ذکر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۞۔ تَكْلِيْمًا مصدر ہے اس کا معنی تاکید ہے یہ اس کے قول کے بطلان پر دلالت کرتا ہے جو کہتا ہے: اس نے درخت میں اپنے لیے کلام تخلیق کی پس موسیٰ علیہ السلام نے اسے سن لیا۔ بلکہ یہ وہ حقیقی کلام ہے جس کے ساتھ متکلم، متکلم ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: نحویوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب فعل مصدر کے ساتھ مؤکد ہوتا ہے تو وہ مجاز نہیں ہوتا اور شاعر کے قول میں یہ جائز نہیں:

امتلاء الحوضُ وقال قطني

کہ قال قولاً اسی طرح جب تَكْلِيْمًا فرمایا تو یہ اس حقیقی کلام پر محمول ہوگا جو سمجھی جاتی ہے۔

وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یا رب! مجھے تو نے کیوں کلیم بنایا؟ انہوں نے وہ عمل طلب کیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ انہیں سعادت عطا فرمائے تاکہ وہ اس عمل کو زیادہ کریں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: کیا تجھے یاد ہے جب کوئی بکری کا بچہ بھاگ جاتا ہے پھر تو دن کا اکثر حصہ اس کے پیچھے لگا رہتا ہے اور وہ تجھے تھکا دیتا ہے پھر تو اسے پکڑتا ہے اور اسے بوسہ دیتا ہے پھر اسے اپنے سینے سے لگاتا ہے اور تو اسے کہتا ہے: تو نے مجھے بھی تھکایا اور اپنے آپ کو بھی تھکایا اور تو اس پر غصے نہیں ہوتا اس وجہ سے میں نے تجھے کلیم بنایا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۞

"(بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ، رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ سے بدل کی بنا پر منصوب ہے اور فعل کے اضمار پر منصوب ہونا جائز ہے اور حال کی بنا پر نصب بھی جائز ہے یعنی كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ رسلا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ تاکہ وہ یہ نہ کہیں کہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ تو نے ہم پر کوئی کتاب نازل کی۔ اور قرآن حکیم میں ہے: وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۞ (بنی اسرائیل) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (طٰہٰ: 134) ان تمام آیات میں دلیل ہے کہ عقل کی طرف سے کوئی چیز واجب نہیں۔ کعب الاحبار سے مروی

ہے فرمایا کہ بارہ لاکھ انبیاء کرام تشریف لائے تھے۔ مقاتل نے کہا: چودہ لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تھے۔ حضرت انس بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''میں آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا ان میں سے چار ہزار بنی اسرائیل سے تھے'' (1)۔ یہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، پھر شعبہ عن ابی اسحق عن الحارث الاعور بن ابی ذر الغفاری کی سند سے ذکر فرمایا کہ حضرت ابوذر نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! انبیاء کتنے تھے اور رسول کتنے تھے؟ فرمایا: ''انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے اور تین سو تیرہ رسول تھے'' (2)۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین قول ہے۔ الا جری، ابو حاتم البستی نے اپنی مسند صحیح میں اس قول کو ذکر کیا ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

''(کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی) لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ ابتدا کی وجہ سے رفع دیا گیا ہے اگر تو چاہے تو نون کو شد دے اور اسم جلالت کو نصب دے۔ کلام میں حذف ہے جس پر موجود کلام دلالت کر رہا ہے گویا کفار نے کہا: اے محمد! ہم تیرے لیے گواہی نہیں دیتے اس کے بارے میں جو تو کہتا ہے تو پھر تیرے لیے کون گواہی دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیکن اللہ گواہی دیتا ہے۔ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کے اہل ہے کہ تجھ پر قرآن نازل ہو۔ یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ساتھ جانتا ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ملائکہ کی شہادت کا ذکر فرمایا تا کہ اس کے ساتھ کفار کی شہادت کی نفی ہو جائے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾۔ اس میں با زائدہ ہے معنی ہے کفی اللہ شاھداً۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں بہت دور نکل گئے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی یہود۔ وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے لوگوں کو اپنے اس قول سے روکا کہ ہم اپنی کتاب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کو نہیں پاتے، نبوت، حضرت داؤد اور حضرت ہارون کی اولاد میں ہے اور تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ نہ ہوگی۔ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ کیونکہ انہوں نے کفر کیا اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو انہوں نے اسلام سے منع کیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

1۔ کنز العمال، جلد 11، صفحہ 482، حدیث نمبر 32276　　2۔ کنز العمال، جلد 11، صفحہ 482، حدیث نمبر 32280

''بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انہیں اور نہ یہ کہ دکھائے انہیں (سیدھی) راہ۔ بجز جہنم کی راہ کے ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا یعنی یہودی۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان چھپا کر انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا اور اپنے نفسوں پر ظلم کیا جب کفر کیا اور لوگوں پر ظلم کیا جب انہیں چھپایا۔ لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ یہ اس کے بارے میں ہے جو اپنے کفر پر مرا اور توبہ نہ کی۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ ؕ وَ اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۷۰﴾

''اے لوگو! تحقیق آ گیا تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے پس تم ایمان لاؤ یہ بہتر ہے تمہارے لیے، اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ یہ تمام لوگوں کو خطاب ہے۔ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ اس سے مراد حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ بِالۡحَقِّ سے مراد قرآن ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد دین حق ہے۔ بعض نے کہا: بِالۡحَقِّ سے مراد لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت ہے بعض نے فرمایا: با تعدیہ کے لیے ہے یعنی جاء کم و معه الحق اور یہ حال کی جگہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ کلام میں اضمار ہے یعنی وأتوا خیرا لکم یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ اور فراء کے قول پر یہ محذوف کی صفت ہے یعنی ایمانا خیرا لکم۔ ابو عبیدہ کے قول پر یکن خیرا لکم ہے۔

یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ ۚ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَ رُوۡحٌ مِّنۡہُ ۫ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ۚ۟ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَۃٌ ؕ اِنۡتَہُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ ؕ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَہٗۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗ وَلَدٌ ۘ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۱۷۱﴾

''اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات بے شک مسیح عیسیٰ پسر مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف، اور ایک روح تھی اس کی طرف سے، پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے تمہارے لیے بے شک اللہ تعالیٰ تو معبود واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ غلو سے منع کیا گیا ہے۔ الغلو کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

اسی سے ہے: غلا السعر یغلو غلاء قیمت حد سے بڑھ گئی۔ وغلا الرجل فی الامر غلواً آدمی معاملہ میں حد سے بڑھ گیا۔ غلا بالجاریہ لحمھا وعظمھا۔ جب عورت جلدی جوانی چڑھی اور دوسرے بچوں سے تجاوز کر گئی۔

مفسرین نے جو ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے یہ غلو تھا کہ انہوں نے حضرت مریم پر تہمت لگائی اور نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنا دیا، افراط اور تفریط گناہ اور کفر ہے، اسی وجہ سے مطرف بن عبداللہ نے کہا: نیکی دونوں برائیوں (افراط و تفریط) کے درمیان ہے۔ شاعر نے کہا

أوفِ ولا تستوفِ حقَّك كلَّه	وصافح فلم يستوف قطُّ كريمُ

ولا تَغْلُ في شئ من الأمر واقتصدْ	كِلَا طرفَيْ قصدِ الأمورِ ذميمُ

پورا حق دو اور اپنا حق پورا نہ لو اور درگزر کر، کریم کبھی پورا وصول نہیں کرتا۔ کسی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کر اور میانہ روی اختیار کر میانہ روی کی دونوں طرفیں مذموم ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

عليك بأوساطِ الأمور فإنها	نَجاةٌ ولا تركَبْ ذَلولاً وصَعْباً

درمیانی امر کو لازم پکڑو کیونکہ یہ نجات ہے اور نہ بالکل نرم اور نہ بالکل سخت ہو کر سوار ہو۔

صحیح بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا تم کہو عبداللہ ورسولہ'' (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ یعنی یہ نہ کہو کہ اس کا شریک ہے یا اس کے بیٹے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی حالت اور صفت کو بیان فرمایا اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ ابتدا کی وجہ سے مسیح کو رفع دیا گیا ہے اور عیسیٰ اس سے بدل ہے اسی طرح ابن مریم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا کی خبر ہو۔ یہ معنی ہو المسیح ابن مریم، مسیح مریم کے فرزند ہیں۔ اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ یعنی جو اپنی والدہ کی طرف منسوب ہو وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔ الٰہ کا حق یہ ہے کہ وہ قدیم ہو، حادث نہ ہو۔ اور رسول اللہ خبر کے بعد خبر ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کا ذکر نہیں کیا اور کسی عورت کو اس کے نام کے ساتھ اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا سوائے مریم بنت عمران کے۔ تقریباً تیس جگہوں پر خاص حکمتوں کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر فرمایا جن حکمتوں کا بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے۔ ملوک اور اشراف اپنی آزاد عورتوں کا مجمع میں ذکر نہیں کرتے تھے اور ان کے اسماء استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ عرس، اہل اور عیال کے لفظ استعمال کرتے تھے اگر لونڈیوں کا ذکر کرتے تو کنایۃً نہ کرتے اور نہ ان کے صراحۃً

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 1، صفحہ 490۔ ایضاً، حدیث نمبر 3189، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اسماء کے ذکر سے حفاظت کرتے تھے۔ جب حضرت مریم کے بارے میں نصاریٰ نے کہا جو انہوں نے کہا اور ان کے بیٹے کے بارے میں کہا تو اللہ تعالیٰ نے صراحۃً حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر فرمایا، اموت اور عبودیت جو ان کی صفت تھی ان کا ذکر نہیں کیا اور لونڈیوں کے ذکر میں عربوں کی جو عادت تھی اس پر کلام کو جاری فرمایا۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں ہے۔ جب ان کا اسم ماں کی طرف منسوب کر کے بار بار ذکر فرمایا تو دلوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے باپ کی نفی کا عقیدہ کا واجب ہونا محسوس کر لیا اور یہود کی طرف سے لگائی گئی تہمت سے ان کی والدہ کی پاکیزگی کا عقیدہ دلوں میں راسخ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وہ کن کے کلمہ سے بنائے گئے تھے گویا آپ بغیر باپ کے بشر تھے۔ عرب کسی چیز کو اس چیز سے تعبیر کر دیتے ہیں جب وہ اس سے صادر ہو۔ بعض نے فرمایا: كَلِمَتُهٗ سے مراد اللہ کی طرف سے حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی بشارت تھی جو جبریل کے ذریعے دی گئی۔ اس سے یہ مراد ہے: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (آل عمران:45) بعض علماء نے فرمایا: الكلمة سے یہاں مراد الاية ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا (التحریم:12) مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان:27) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار اسماء تھے۔ (۱) مسیح (۲) عیسیٰ (۳) کلمۃ (۴) روح۔ اس کے علاوہ بھی نام ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں۔ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ کا معنی ہے مریم نے اس کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ رُوْحٌ مِّنْهُ۔ اس چیز نے نصاریٰ کو گمراہی میں ڈالا۔ انہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا جز ہیں پس وہ جاہل بنے اور گمراہ ہوئے۔ اس کے آٹھ جواب ہیں (۱) حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ارواح کو پیدا فرمایا جب ان سے پختہ عہد لیا پھر ان روحوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ کی طرف لوٹایا اور حضرت عیسیٰ کی روح کو اپنے پاس روک لیا جب ان کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اس روح کو حضرت مریم کی طرف بھیجا پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے تھے۔ اسی وجہ سے فرمایا: وَ رُوْحٌ مِّنْهُ۔ بعض نے فرمایا: یہ اضافت تفضیل کے لیے ہے اگرچہ تمام روحیں اس کی تخلیق سے ہیں یہ اس طرح ہے جیسے فرمایا: وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ (الحج:26) بعض نے فرمایا: جس سے عجیب چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اسے روح کہا جاتا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے پس کہا جاتا ہے: هذا روح من الله یعنی وہ اللہ کی تخلیق سے ہے، جس طرح نعمت کے بارے کہا جاتا ہے: انها من الله حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کے مریض کو درست کرتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے پس یہ اس اسم کے مستحق ہوئے۔ بعض نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح کہا جاتا ہے جبریل کے روح پھونکنے کے سبب۔ نفخ (پھونکنا) کو روح کہا جاتا ہے، کیونکہ ریح (ہوا) روح سے نکلی ہے۔ شاعر نے کہا:

فقلتُ له ارْفَعْها إِلَيكَ وأحْيِها بِرُوحِكَ واقتَتْهُ لها قِيتَةً قَدْرا

وارد ہے کہ حضرت جبریل نے حضرت مریم علیہا السلام کی قمیص میں پھونک ماری تو وہ اللہ کے اذن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہو گئیں اسی وجہ سے وَ رُوْحٌ مِّنْهُ اس مضمر پر معطوف ہوگا جو اللہ کا اسم اَلْقٰىهَاۤ میں ہے تقدیر عبارت اس طرح

ہوگی: القی اللہ و جبریل الکلمۃ الی مریم۔ بعض علماء نے فرمایا: وَ رُوْحٌ مِّنْهُ سے مراد ہے اس کی تخلیق سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ: 13) یعنی من خلقہ۔ بعض نے فرمایا: رُوْحٌ مِّنْهُ سے مراد اس کی طرف سے رحمت۔ حضرت عیسیٰ اپنے متبعین کے لیے اللہ کی طرف سے رحمت تھے، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلہ: 22) یعنی اپنی رحمت سے۔ پڑھا گیا ہے فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ (الواقعہ: 89) بعض علماء نے فرمایا: رُوْحٌ مِّنْهُ کا مطلب ہے برھان منہ۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم پر برہان اور حجت تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ یعنی ایمان لاؤ کہ اللہ ایک ہے، مسیح کا خالق اور اس کو بھیجنے والا ہے اور اللہ کے رسل پر ایمان لاؤ اور ان میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں پس ان کو الٰہ نہ بناؤ۔ وَ لَا تَقُوْلُوْا یہ نہ کہو کہ ہمارے خدا ثَلٰثَةٌ ہیں۔ پس یہ زجاج سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تثلیث سے مراد اللہ تعالیٰ، حضرت مریم اور ان کا بیٹا ہے، فراء اور ابوعبیدہ نے کہا: تم یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ (الکہف: 22) ابوعلی نے کہا: اس کی تقدیر یہ ہے ولا تقولوا ھو ثالث ثلاثۃ۔ یعنی یہ نہ کہو کہ وہ تین میں سے تیسرا ہے، پس مبتدا اور مضاف کو حذف کیا گیا ہے۔ نصاریٰ کے سارے فرقے اس پر جمع ہیں کہ تین خدا ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ایک جوہر ہے اور اس کے تین اقانیم ہیں اب، ابن اور روح القدس، اب سے مراد وجود لیتے تھے، روح سے مراد جنات اور ابن سے مراد مسیح لیتے تھے۔ ان کے کلام میں اس مسئلہ میں تخبط ہے جس کا بیان اصول دین میں ہے۔ ان کی کلام کا خلاصہ یہ ہے وہ سب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر خوارق للعادت کام جاری فرمائے جیسا کہ اس کا ارادہ اور مقتضیٰ تھا۔ انہوں نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ یہ امور انسانی قدرت سے خارج ہیں پس جو ان پر قادر ہے وہ الوہیت سے موصوف ہوگا۔ ان کو کہا جائے گا: اگر یہ ان کی قدرت میں ہوتا اور مستقل ہوتا تو پھر دشمنوں سے اپنے نفس کو بچانے اور اپنے آپ سے شر کو دور کرنا ان کی مقدورات سے ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر نصاریٰ اس کا اعتراف کریں تو ان کا قول اور دعویٰ ساقط ہو جائے گا کہ وہ مستقل بالذات ایسا کرتے تھے۔ اگر وہ اس کو تسلیم نہ کریں تو ان کے لیے کوئی حجت نہ ہوگی، کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جو ان کے ہاتھوں پر بڑے بڑے امور جاری ہوئے تھے اس سے معارض تھے مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، سمندر کا پھٹنا، ید بیضا، من وسلویٰ وغیرہ، اسی طرح انبیاء کے ہاتھوں پر جو معجزات جاری ہوئے تھے۔ اگر وہ ان کا انکار کریں تو ہم بھی اس کا انکار کریں گے جو وہ دعویٰ کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے تھے۔ پس پھر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کسی چیز کا ثابت کرنا ممکن ہی نہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک اثبات کا طریق قرآن کی نصوص ہیں جب کہ وہ قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں جو وہ لے کر آیا پس ان کے لیے اخبار تواتر کے ساتھ اس کا ثبوت ممکن نہ ہوگا۔

بعض علماء نے کہا: نصاریٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے اکیاسی سال بعد تک دین اسلام پر قائم رہے، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، رمضان کے مہینہ کے روزے رکھتے تھے حتیٰ کہ ان کے اور یہود کے درمیان جنگ ہوئی، یہود میں ایک بہادر شخص تھا جس کو بولس کہا جاتا تھا اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی ایک جماعت کو قتل کر

دیا اور کہا: اگر حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوتا تو ہم نے کفر کیا اور ہم نے انکار کیا اور آگ کی طرف ہمارا لوٹنا ہے ہم خسارے میں ہوں گے، اگر وہ جنت میں داخل ہوئے اور ہم آگ میں داخل ہوئے، میں ان میں ایک سازش کرتا ہوں میں انہیں گمراہ کروں گا پس وہ دوزخ میں داخل ہوں گے، اس کا ایک گھوڑا تھا جس کو عقاب کہا جاتا تھا اس نے ندامت کا اظہار کیا اور اپنے سر پر مٹی ڈالی، اس نے نصاریٰ کو کہا: میں تمہارا دشمن بولس ہوں، آسمان سے آواز آئی کہ تیرے لیے توبہ نہیں ہے مگر یہ کہ نصرانی ہو جائے۔ نصاریٰ نے اسے کنیسہ کے ایک کمرے میں داخل کیا پس وہ اس میں سے باہر نکلا اور کہا: آسمان سے مجھے ندا آئی کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول کر لی ہے۔ نصاریٰ نے اس کی تصدیق کی اور اس سے محبت کی پھر وہ بیت المقدس کی طرف چلا گیا اس نے ان پر نسطورا کو خلیفہ بنایا اور اسے بتایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم خدا تھا پھر روم کی طرف گیا اور انہیں لاہوت اور ناسوت سکھایا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان نہیں تھے پھر وہ انسان بنے اور نہ جسم تھے پھر وہ جسم بنے لیکن وہ اللہ کے بیٹے تھے۔ اس نے ایک شخص کو سکھایا جس کو یعقوب کہا جاتا تھا، پھر اس نے ایک شخص کو بلایا جس کو الملک کہا جاتا تھا، اس نے اسے کہا: اللہ ہمیشہ سے تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمیشہ رہیں گے جب ان پر اس نے مکمل قدرت حاصل کر لی تو اس نے ان تینوں افراد کو علیحدہ علیحدہ بلایا، اس نے ہر ایک کو کہا: تو میرا خالص ساتھی ہے۔ میں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نیند میں دیکھا وہ مجھ سے راضی تھے، اس نے ان میں سے ہر ایک کو کہا: میں کل اپنے آپ کو ذبح کر ڈالوں گا اور اس طرح میں قرب حاصل کروں گا پھر وہ مذبح میں داخل ہوا اور اپنے آپ کو ذبح کر دیا، جب تیسرا دن تھا تو ہر ایک نے اپنے نحلۃ (مذہب) کی طرف بلایا، پس ان میں سے ہر ایک کی ایک طائفہ نے اتباع کی، پس وہ آپس میں جھگڑنے لگے اور آج تک اختلاف کر رہے ہیں، تمام نصاریٰ تین فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں یہ ان کے شرک کا سبب تھا۔ واللہ اعلم۔ یہ واقعہ: فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (المائدہ: 14) کے تحت روایت کیا گیا ہے۔ مزید ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ سیبویہ کے نزدیک فعل مضمر کے ساتھ خیراً منصوب ہے، گویا فرمایا: أئتوا خیراً لکم (1)، کیونکہ جب اس نے انہیں شرک سے منع کیا تو انہیں اس چیز کے لانے کا حکم دیا جو ان کے لیے بہتر تھی۔ سیبویہ نے کہا: اس کو فعل کے اضمار پر نصب دی جاتی ہے جس کا اظہار متروک ہوتا ہے۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ کیونکہ جب تو کہتا ہے: أمتہ، تو تو ایک امر سے اسے نکالتا ہے اور دوسرے امر میں اسے داخل کرتا ہے۔ شاعر نے کہا:

فواعِدِيه سَرْحَتَيْ مَالِكٍ أو الرُّبَا بينهما أسْهَلا (2)

اور ابو عبیدہ کا مذہب ہے: انتھوا یکن خیراً لکم محمد بن یزید نے کہا: یہ خطا ہے، کیونکہ وہ شرط اور جواب شرط کو مضمر کرتا ہے اور یہ کلام عرب میں نہیں پایا جاتا۔ اور فراء کا مذہب ہے کہ یہ محذوف مصدر کی نعت ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: یہ فحش غلطی ہے، کیونکہ معنی ہوگا انتھوا الانتھاء الذی ھو خیر لکم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یہ مبتدا خبر ہے اور واحد، الہ کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ اسم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 137
2۔ ایضاً

جلالت سے بدل ہو اور واحد خبر ہو تقدیر اس طرح ہوگی انما المعبود واحدٌ۔ معبود ایک ہے۔

سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ۔ اللہ تعالیٰ بیٹے سے پاک ہے، جب عن ساقط ہو گیا تو اَن حرف جر کے نزع کے ساتھ محل نصب میں ہوگا یعنی اس کے لیے بیٹا کیسے ہوگا؟ آدمی کا بیٹا اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی شبیہ نہیں ہے۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام بھی ان چیزوں میں سے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان میں ہے مخلوق ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ کیسے ہوں گے جب کہ وہ مخلوق ہیں؟ اگر اس کا بچہ جائز ہو تو اس کی اولاد جائز ہونی چاہیے حتیٰ کہ جس کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہو وہ اس کا بیٹا ہو۔ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۠ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے کافی ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا۝

''ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی جمع کرے گا ان سب کو اپنے ہاں۔ پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انہیں اپنے فضل (وکرم) سے لیکن جنہوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو) اور تکبر کیا تو عذاب دے گا انہیں دردناک عذاب۔ اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ۔ یعنی ہرگز عار نہیں سمجھیں گے۔ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ۔ اللہ کا بندہ ہونے سے۔ یہ محل نصب میں ہے۔ حسن نے اِن یکون پڑھا ہے یعنی ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، ان نافیہ ہے بمعنی ما ہے معنی یہ ہے اس کے لیے بیٹا نہیں ہے یکون کو رفع مناسب ہے، رواۃ نے یہ ذکر نہیں کیا ہے۔

وَ لَا الْمَلٰٓىٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی اللہ کی رحمت اور رضا سے۔ یہ دلیل ہے کہ فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں اسی طرح وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ (الانعام: 50) سورہ بقرہ میں اس مفہوم کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ جو عار سمجھے گا۔ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ اس کی عبادت کو اور اس کی عبادت نہیں کرے گا۔ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ یعنی محشر کی طرف انہیں اللہ جمع کرے گا۔ جَمِیْعًا۝ سب کو۔ ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا دے گا جیسا کہ اس کے بعد آیت میں فرمایا: فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا۝ پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا

انہیں ان کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انہیں اپنے فضل (وکرم) سے۔ یَسْتَنْكِفْ کی اصل نکف ہے یا سین اور تا زائد ہیں۔
کہا جاتا ہے: نکفت من الشئ واستنکفت منه، وانکفته۔ میں نے اسے اس سے پاک کیا جس سے اسے عار تھی۔
اسی سے حدیث ہے: سبحان اللہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر برائی سے اللہ تعالیٰ کو پاک کرنا یعنی انداد اور اولاد سے اسے پاک کرنا'' (1)۔ زجاج نے کہا: استنکف یعنی عار سمجھا، یہ نکفت الدمع سے ماخوذ ہے جب تو اپنی انگلی سے اپنے رخسار سے آنسو کو دور کرے۔ اسی سے حدیث ہے: جاء بجیش لا ینکف اخرہ (2)۔ وہ لشکر کے ساتھ آیا جس کا آخر ختم نہیں ہوا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ النکف سے ہے جس کا معنی عیب ہے۔ کہا جاتا ہے: ما علیه فی ھذا الامر نکف ولا وکف اس معاملہ میں اس پر کوئی عیب نہیں ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز عبادت سے نہیں رکیں گے، عبودیت سے کبھی دور نہ ہوں گے کبھی اس سے جدا نہ ہوں گے اور ہرگز اس کو عیب نہیں سمجھیں گے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝

''اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف نور درخشاں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ ثوری سے مروی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا، کیونکہ آپ کے ساتھ برہان تھی اور وہ معجزہ تھا۔ مجاہد نے کہا: یہاں برہان سے مراد حجت ہے، معنی متقارب ہے کیونکہ معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حجت تھے اور النور جو نازل کیا گیا وہ قرآن ہے۔ یہ حسن سے مروی ہے۔ اس کو اللہ نے نور فرمایا، کیونکہ اس کے ساتھ احکام واضح ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ گمراہی سے ہدایت ملتی ہے وہ نور مبین ہے یعنی بالکل واضح ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

''تو جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسی) کو تو عنقریب داخل کرے گا انہیں اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچائے گا انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ یعنی گناہوں سے اجتناب کیا اور قرآن کو مضبوطی سے پکڑا جب کتاب کو مضبوطی سے پکڑا تو کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے پکڑا۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑا۔ العصمة کا معنی رکنا ہے۔ یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ يَهْدِيْهِمْ یعنی وہ انہیں ہدایت دے گا ھو کو مضمر کر دیا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ کلام کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے۔ الیہ یعنی اس کے ثواب کی طرف۔ بعض علماء نے فرمایا: حق کی طرف تاکہ وہ اس کو پہچان لیں۔ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ یعنی دینا مستقیما۔ صراطاً فعل کے اضمار کی وجہ منصوب ہے جس پر

1۔ اخرجه الخطابی فی غریبه، جلد 1، صفحہ 140
2۔ الفائق للزمخشری، جلد 1، صفحہ 264

یھدیھم دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی ویعرفھم صراطا مستقیما یعنی وہ انہیں صراط مستقیم کی پہچان کراتا ہے۔
بعض نے فرمایا: یھدیھم الی ثوابہ صراطا مستقیما کی تقدیر پر دوسرا مفعول ہوگا۔ بعض نے فرمایا: یہ حال ہے اور الیہ میں ضمیر بعض علماء نے فرمایا: قرآن کے لیے ہے۔ بعض نے کہا: فضل کے لیے ہے۔ بعض نے فرمایا: رحمت کے لیے ہے، کیونکہ یہ دونوں ثواب کے معنی میں ہیں۔ بعض نے فرمایا: مضاف کے حذف پر اللہ کے لیے ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ اس کا معنی ہے یھدیھم الی ثوابہ۔ ابوعلی نے کہا: اسم جلالت جو پہلے گزر چکا ہے اس کی طرف راجع ہے، معنی ہے یھدیھم الی صراطہ جب ہم صراطاً مستقیما کو حال کی بنا پر نصب دیں گے تو اس محذوف سے حال ہوگا اور وفضل میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ثواب کے ساتھ فضل فرماتا ہے، کیونکہ اگر یہ عمل کے مقابلہ میں ہوتا تو فضل نہ ہوتا۔ واللہ اعلم

یَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۭ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

''(اے میرے رسول) فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے، آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں کلالہ (کی میراث) کے بارے میں اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے، نہ ہو جس کی کوئی اولاد اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصہ ہے اس کے ترکہ سے اور وہ وارث ہوگا اپنی بہن کا اگر نہ ہو اس کی بہن کی کوئی اولاد۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر وارث ہوں بہن، بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد (بھائی) کا حصہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصہ کے برابر ہے، صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام تا کہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت براء بن عازب نے فرمایا: یہ آخری آیت ہے جو قرآن سے نازل ہوئی۔ اسی طرح مسلم کی کتاب میں ہے (1) اور یہ آیت نازل ہوئی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کی تیاری کر رہے تھے اور یہ حضرت جابر کے سبب نازل ہوئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا: میں بیمار تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لیے تشریف لے آئے، مجھ پر غشی طاری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، پھر اپنے وضو کا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے افاقہ ہو گیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنے مال کا کیسے فیصلہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ آیت میراث نازل ہوئی: یَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (2)، اور فرمایا: آخری آیت یہ نازل

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 35۔ ایضاً صحیح بخاری، باب میراث الاخوات والاخوۃ، حدیث نمبر 6247، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 35۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب الفرائض، حدیث نمبر 6228، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوئی: وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ (بقرہ: 281) یہ پہلے گزر چکی ہے۔ سورت کی ابتدا میں کلالہ کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے اور یہاں الاخوۃ سے مراد سگے بھائی ہیں یا باپ کی طرف سے بھائی ہیں اور حضرت جابر کی نو بہنیں تھیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ یعنی جس کا نہ بیٹا ہو، نہ باپ ہو۔ ایک کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ جرجانی نے کہا: الولد کے لفظ کا اطلاق والد اور مولود دونوں پر ہوتا ہے۔ والد کو والد اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پیدا کرتا ہے اور مولود کو ولد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ پیدا کیا جاتا ہے جیسے ذریۃ یہ ذرا سے مشتق ہے پھر اس کا اطلاق مولود اور والد پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ (یٰسین)

مسئلہ نمبر 3۔ صحابہ اور تابعین میں سے جمہور علماء بہنوں کو بیٹوں کا عصبہ بناتے ہیں اگرچہ ان کے ساتھ بھائی نہ ہو۔ سوائے حضرت ابن عباس کے وہ بہنوں کو بیٹیوں کا عصبہ نہیں بناتے۔ یہی نظریہ داؤد اور ایک گروہ کا ہے اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ظاہر ہے: اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ الخ اور بہن وارث نہ ہوگی مگر جب میت کی اولاد نہ ہو۔ یہ عطا فرماتے ہیں: یہ معلوم ہے کہ بیٹی، اولاد سے ہے پس بیٹی کے ہوتے ہوئے بہن وارث نہ ہو۔ حضرت ابن زبیر اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس کے موافق تھے حتیٰ کہ اسود بن یزید نے اس کے متعلق خبر دی کہ حضرت معاذ نے بیٹی اور بہن میں فیصلہ فرمایا اور مال کو نصف، نصف ان کے درمیان تقسیم کیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس آیت کو آیۃ الصیف بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ الصیف (گرمی) کے زمانے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں کوئی چیز نہیں چھوڑتا جو کلالہ کے امر سے زیادہ اہم ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھ پر اتنی کسی چیز میں سختی نہیں فرمائی جتنی کہ اس کے بارے فرمائی حتیٰ کہ اپنی انگلی سے میرے پہلو میں یا میرے سینے میں ٹھوکا دیا، پھر فرمایا: ''اے عمر! کیا تیرے لیے آیت الصیف کافی نہیں (1) جو سورۂ نساء کے آخر میں نازل ہوئی''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیان فرماتے تو میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھیں: کلالہ، سود، خلافت، ابن ماجہ نے اس حدیث کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 5۔ بعض رافضیوں نے حضرت عمر کے اس قول واللہ لا ادع پر طعن کیا ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے یبین اللہ لکم لئلا تضلوا۔ ابو عبید نے کہا: میں نے کسائی سے وہ حدیث بیان کی جو حضرت ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنی اولاد کو بددعا نہ دے کہیں اللہ کی طرف سے قبولیت موافق نہ ہو جائے''۔ تو کسائی نے اس کو اچھا سمجھا۔ نحاس نے کہا: ابو عبید کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے قبولیت کی موافقت نہ ہو جائے۔ یہ قول بصریوں کے نزدیک خطا ہے، کیونکہ وہ لا کا اضمار جائز قرار نہیں دیتے ان کے نزدیک اس کا معنی ہے یبین اللہ لکم کراھۃ ان تضلوا پھر حذف کیا گیا۔ جیسے فرمایا: واسال القریۃ اس حدیث کا معنی ہے کراھیۃ ان یوافق من اللہ اجابۃ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ سورۃ النساء مکمل ہوئی۔

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفرائض، جلد 1، صفحہ 201 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سورۃ المائدہ

آیاتھا ۱۲۰ ۵ سورۃ المائدۃ مدنیۃ ۱۱۲ رکوعاتھا ۱۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس سورت کا آغاز کرتا ہوں۔ یہ سورہ مدنی ہے اس پر اجماع ہے، روایت ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹ رہے تھے۔ نقاش نے حضرت ابوسلمہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹے تو فرمایا: ''اے علی! کیا تجھے معلوم ہے مجھ پر سورۂ مائدہ نازل ہوئی اور بہت اچھا فائدہ ہے'' (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے، کسی مسلمان کو اس کا اعتقاد جائز نہیں مگر ہم کہتے ہیں سورۃ المائدہ اور نعمت الفائدہ۔ ہم اس کو کسی سے روایت نہیں کرتے لیکن یہ عمدہ کلام ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے مشابہ نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: سورۃ المائدہ کو اللہ کی ملکوت میں المنقذۃ کہا جاتا ہے، یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دلاتی ہے (2)۔ اس سورت سے کچھ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوا کچھ فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوا، وہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ قرآن کا وہ حصہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد نازل ہوا وہ مدنی ہے خواہ مدینہ میں نازل ہوا یا کسی سفر میں نازل ہوا اور جو ہجرت سے پہلے نازل ہوا اسے مکی کہا جاتا ہے۔

ابومیسرہ نے کہا: المائدہ یہ آخر میں نازل ہونے والی ہے اس میں نسخ نہیں ہے، اس میں اٹھارہ فرائض ہیں جو کسی دوسری سورت میں نہیں ہیں (3) وہ یہ ہیں: اَلۡمُنۡخَنِقَۃُ وَالۡمَوۡقُوۡذَۃُ وَالۡمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیۡحَۃُ وَمَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ۔ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ۔ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُکَلِّبِیۡنَ۔ وَطَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ۔ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اور مکمل طہارت۔ اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ۔ لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ۔ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ۔ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیۡلَۃٍ وَّلَا حَامٍ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: شَہَادَۃُ بَیۡنِکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ۔ الایۃ۔

میں کہتا ہوں: انیسواں فریضہ یہ ہے وَ اِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ۔ اذان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے مگر اس سورت میں اور جو سورہ جمعہ میں آیا ہے وہ جمعہ کے ساتھ خاص ہے، اس سورت میں اذان کا ذکر تمام نمازوں کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے سورۃ المائدہ حجۃ الوداع کے موقع پر پڑھی، فرمایا: ''اے لوگو! سورۂ مائدہ آخری نازل ہونے والی سورت ہے پس اس کے حلال کو حلال جانو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو'' (4)۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 143 2۔ ایضاً 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 523 4۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 311

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً مروی ہے جبیر بن نفیر نے فرمایا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا: کیا تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے آخر میں نازل فرمایا اس میں جو تم حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو (1)۔ شعبی نے کہا: اس سورت سے کچھ منسوخ نہیں ہوا سوائے اس ارشاد کے وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ منسوخ کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝

''اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو حلال کیے گئے ہیں تمہارے لیے بے زبان جانور سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سنایا جائے گا تمہیں نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا۔ علقمہ نے کہا: قرآن میں جو يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا آیا ہے وہ مدنی ہے اور جو يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ آیا ہے وہ مکی ہے (2)۔ یہ اکثر کے اعتبار سے ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ آیت ان آیات میں سے ہے قلت الفاظ کے باوجود معانی کی کثرت اور فصاحت پر کلام میں بصیرت رکھنے والے کے لیے ظاہر ہے، یہ آیت پانچ احکام اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے (۱) عہدوں کو پورا کرنے کا حکم (۲) بے زبان جانوروں کا حلال کرنا (۳) اس کے بعد جو ہے اس کی استثنا (۴) احرام کی حالت میں شکار کرنے کی حالت کی استثنا (۵) اور جو محرم نہیں ہے اس کے لیے شکار کی اباحت۔

نقاش نے حکایت کیا ہے کہ اصحاب کندی (☆) نے اسے کہا: اے حکیم! ہمارے لیے قرآن کی مثل لکھ دے۔ اس نے کہا: ہاں میں اس کے بعض کی مثل لکھوں گا، وہ (کندی) کئی دن پوشیدہ رہا پھر ظاہر ہوا اور کہا: اللہ کی قسم! میں قدرت نہیں رکھتا اور کوئی بھی اس کی طاقت نہیں رکھتا، میں نے قرآن کو کھولا تو سورۂ مائدہ نکلی، میں نے اس میں دیکھا تو اس نے وفا کا حکم دیا اور عہد توڑنے سے منع کیا، عام حلت فرمائی پھر استثنا کے بعد استثنا فرمائی پھر دو سطروں میں اپنی حکمت و قدرت کے متعلق خبر دی ان تمام احکام کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا مگر کئی جلدوں میں (3)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْفُوْا کہا جاتا ہے: وفی اور اوفی دونوں لغتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (توبہ: 111) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ۝ (النجم) شاعر نے کہا:

أمّا ابنُ طوق فقد أوْفَى بذِمّتِهِ　　كما وفَى بقِلاصِ النَّجمِ حَادِيها

دونوں لغتوں کو اس میں جمع کیا۔ بِالْعُقُوْدِ اس کا معنی باندھنا ہے، اس کا واحد عقد ہے کہا جاتا ہے: عقدت العهد

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 143　　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 145　　3۔ ایضاً

☆ کندی سے مراد یعقوب بن اسحاق ابو یوسف ہے یہ اپنے دور کا ایک بے مثل فلسفی تھا کندہ کے خاندان سے تھا، یہ طب، فلسفہ، موسیقی اور علم ہندسہ میں مشہور ہوا۔

والحبل، وعقدت العسل۔ یہ معانی اور اجسام دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حطیئہ نے کہا:

قَوْمٌ إذا عقدوا عقدا لجارهم　　شَدّوا العِنَاجَ وشدّوا فوقه الکَرَبا(1)

اللہ تعالیٰ نے عہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ حسن نے کہا: اس سے مراد دین کے عہد ہیں، یہ وہ پختہ وعدہ ہے جو انسان اپنے اوپر باندھتا ہے۔ بیع، شراء، اجارہ، کرایہ، مناکحہ، طلاق، مزارعت، مصالحت، تملیک، تخییر، عتق، تدبیر وغیرہ وہ تمام عقود جو شریعت سے خارج نہیں ہیں، اسی طرح وہ عقود بھی شامل ہیں جو طاعات میں سے انسان اللہ کے لیے اپنے اوپر باندھتا ہے جیسے حج، روزہ، اعتکاف، صیام، نذر اور اس کے علاوہ ملت اسلام کی طاعات۔ مباح نذر لازم نہیں ہوتی۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (آل عمران: 187)

ابن جریج نے کہا: یہ اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے اور اس کے بارے نازل ہوئی۔ بعض نے فرمایا: یہ عام ہے اور یہی قول صحیح ہے، کیونکہ مومنین کا لفظ اہل کتاب کے مومنین کو بھی شامل ہے، کیونکہ ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اداء امانت کا عہد تھا جو ان کی کتاب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں سے تھا، کیونکہ انہیں اس کا حکم دیا گیا تھا اس ارشاد میں: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور دوسرے مقامات پر۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کا معنی ہے جو اللہ نے حلال کیا، جو حرام کیا، جو فرض کیا اور جو تمام اشیاء میں حد مقرر کی۔ اسی طرح مجاہد وغیرہ نے کہا(2): ابن شہاب نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کے لیے لکھا تھا جب انہیں نجران کی طرف بھیجا تھا اس کے آغاز میں تھا هذا بیان للناس من اللہ و رسولہ، يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اس میں اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝ تک آیات لکھیں(3)۔

زجاج نے کہا: اَوْفُوْا کا معنی ہے اللہ کے ساتھ جو عہد کیے ہیں ان کو پورا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ جو عہد ہیں ان کو بھی پورا کرو۔ یہ تمام عموم کے قول کی طرف راجع ہیں اور یہی صحیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومنوں کے معاملات ان کی شرائط کے مطابق ہیں (4)'' اور فرمایا: ''ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب کے موافق نہیں وہ باطل ہے اگرچہ سو شرائط بھی ہوں'' (5)۔ پس بیان فرمایا کہ شرط یا عقد جس کا پورا کرنا واجب ہے وہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اگر اس میں مخالفت ظاہر ہو تو وہ مردود ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ رد ہے'' (6)۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے قبائل عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور آپس میں عہد کیا کہ وہ مکہ میں جس مظلوم کو پائیں گے اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے حتیٰ کہ اس سے ظلم کو دور کریں گے، قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کہا۔ اس معاہدہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں عبداللہ کے گھر میں معاہدہ میں شریک ہوا تھا میرے نزدیک وہ سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھا، اگر مجھے اسلام میں اس کے لیے بلایا جاتا تو میں قبول کرتا''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 144　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 527　　5۔ ایضاً　　6۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، جلد 2، صفحہ 77

یہی حلف مراد ہے: ایما حلف کان فی الجاهلیة لم یزده الاسلام الا شِدّة (1) وہ حلف جو زمانہ جاہلیت میں تھا اس میں اسلام نے شدت کی ہے۔ کیونکہ وہ شرع کے موافق تھا کیونکہ ظالم سے انصاف لینے کا حکم تھا اور جو عقود فاسد ہوں اور جو عقود باطل ہوں ان کو اسلام نے ساقط کر دیا۔ والحمدللہ

ابن اسحاق نے کہا: ولید بن عتبہ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر ان کے مال کے بارے میں سلطان الولید کے لیے زیادتی کی جب کہ ولید بن عتبہ مدینہ کا امیر تھا۔ حضرت حسین نے اسے کہا: میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! تو میرے حق میں انصاف کرے گا ورنہ میں اپنی تلوار اٹھاؤں گا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں کھڑا ہوں گا، پھر میں حلف الفضول کی دعوت دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا: میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! اگر مجھے اس نے بلایا تو میں اپنی تلوار پکڑوں گا، پھر حضرت حسین کے ساتھ کھڑا ہوں گا حتیٰ کہ وہ ان کا حق دے گا یا ہم سب مر جائیں گے۔ حضرت مسور بن مخرمہ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبیداللہ التیمی کو خبر پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، ولید کو جب یہ بات پہنچی تو اس نے انصاف کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۔ یہ ہر اس شخص کو خطاب ہے جس نے علی وجہ کمال ایمان کو لازم پکڑا۔ عربوں کے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے متعلق طریقے تھے ان کا بیان آگے آئے گا۔ یہ آیت اوہام خیالیہ اور آراء فاسدہ کو دور کرنے کے لیے نازل ہوئی۔ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ کے معنی میں اختلاف ہے۔ البهيمة ہر چوپائے کو کہا جاتا ہے۔ ان کو یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے، کیونکہ ان میں بولنے، سمجھنے اور عدم تمیز کی طاقت نہیں ہوتی اور کم عقلی کا نقص پایا جاتا ہے، اسی سے ہے باب مبهم، بند دروازہ، لیل بهيم۔ تاریک رات۔ بہادر جس کا علم نہ ہو کہ اس کا وار کہاں سے آئے گا اس کو بهمة کہتے ہیں الانعام سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔ ان کو یہ نام ان کے آہستہ چلنے کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ (النحل) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا (الانعام: 142) یعنی بڑے اور چھوٹے۔ پھر ان کو بیان کیا ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ (الانعام) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا (النحل: 80) یعنی بکریاں۔ اَوْبَارِهَا یعنی اونٹ۔ اَشْعَارِهَا یعنی بھیڑیں۔

یہ تین دلائل ہیں جو انعام کے اسم کے ضمن میں ہیں۔ ان تین اجناس کا شعور ملتا ہے یعنی اونٹ، گائے، بکریاں (2)۔ یہ حضرت ابن عباس اور حسن کا قول ہے۔ ہروی نے کہا: جب البهم بولا جاتا ہے تو اس سے خاص اونٹ مراد ہوتے ہیں۔ طبری

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 49
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 144

نے کہا: ایک قوم نے کہا: بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے مراد وحشی جانور ہیں جیسے ہرن، وحشی گائیں، وحشی گدھے وغیرہ ذالک۔ طبری کے علاوہ نے سدی، ربیع، قتادہ اور ضحاک سے روایت کیا ہے، گویا فرمایا: احلت لکم الانعام۔ تمہارے لیے بے زبان جانور حلال کیے گئے، پھر جنس کو اس سے خاص کی طرف منسوب کیا گیا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ حسن کا قول ہے۔ انعام کے آٹھ جوڑے ہیں جو بقیہ تمام حیوان ان کی طرف منسوب ہیں اس کو انعام ہی کہا جاتا ہے گویا چیرنے والا جیسے شیر اور ہر ذی ناب انعام کی حد سے خارج ہے پس بهيمة الانعام سے مراد وہ چوپائے ہیں جو چرنے والے ہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: اس طرح تو اس میں تمام کھروں والے جانور داخل ہیں، کیونکہ وہ چرنے والے ہیں چیرنے پھاڑنے والے نہیں، حالانکہ بات اس طرح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ (النحل: 5) پھر اس پر عطف فرمایا: وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ (النحل: 8) جب ان کو علیحدہ ذکر فرمایا اور الانعام پر اس کا عطف فرمایا تو یہ دلیل ہے کہ یہ ان میں سے نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے فرمایا: بهيمة الانعام سے مراد وہ جانور ہیں جو شکار نہ ہو، کیونکہ شکار کو وحشی کہا جاتا ہے، بہیمۃ نہیں کہا جاتا۔ یہ پہلے قول کی طرف راجع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا: بهيمة الانعام سے مراد وہ بچے ہیں جو ذبح کے وقت ماؤں کے پیٹوں سے نکلتے ہیں یہ بغیر ذبح کے کھائے جاتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (2) اس میں بعد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ، الاجنة (ماں کے پیٹوں سے نکلنے والے بچے)۔ سے استثنا نہیں کی گی۔ امام مالک نے فرمایا: ذبیحۃ کی ذکاۃ اس کے بچے کی زکاۃ ہے جس کی زندگی معلوم نہ ہو اور اس کے بال اگ چکے ہوں اور اس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو۔ اگر اس کی تخلیق مکمل نہ ہو اور اس کے بال نہ اگے ہوں تو اسے نہیں کھایا جائے گا مگر یہ کہ وہ زندہ پایا گیا ہوں اور اسے ذبح کیا گیا ہو۔ اگر انہوں نے اسے ذبح کرنے میں جلدی کی اور وہ خود بخود مر گیا تو بعض علماء نے فرمایا: وہ پاک ہے۔ اور بعض نے فرمایا: پاک نہیں۔ مزید بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ یعنی جو قرآن و سنت میں تم پر پڑھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدہ: 3) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: وكل ذي ناب من السباع حرام (3)۔ ہر کچلیوں والا درندہ حرام ہے (4)۔ اگر کہا جائے: جو ہم پر کتاب نے تلاوت کیا وہ سنت نہیں ہے؟ ہم کہیں گے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت یہ کتاب اللہ سے ہے، اس پر دلیل دو امر ہیں (۱) حدیث العسیف (نوکر والی حدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا'' اور رجم کتاب اللہ میں منصوص نہیں ہے (۲) حضرت ابن مسعود کی حدیث آپ نے فرمایا: مجھے کہا گیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی وہ کتاب اللہ میں ہے، الحدیث۔ مزید بیان سورہ الحشر میں آئے گا۔ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ الان او مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کا احتمال رکھتا ہے، مستقبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوگا، اس میں بیان کی تاخیر کے جواز پر دلیل ہے جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 144 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 147

4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، جلد 2، صفحہ 981۔ ایضاً صحیح بخاری، باب اکل کل ذی ناب من السباع، حدیث 5104، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ یعنی جو حالت احرام میں حلال نہیں اور غیر احرام میں حلال ہے اور جو شکار نہ ہو وہ دونوں حالتوں میں حلال ہے۔ اِلَّا مَا يُتْلٰى کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ یہ استثنا ہے یا نہیں۔ بصریوں نے کہا یہ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے استثنا ہے اور غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ اس سے دوسری استثنا ہے۔ پھر دونوں استثنا بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے ہیں اور یہ مستثنیٰ منہ ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی الا ما یتلی علیکم الا الصید و انتم محرمون بخلاف اس ارشاد کے: اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ (الحجر) جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مستثنیٰ ہے اس سے جو اس سے متصل ہے پس یہ اس قول کے قائم مقام ہو جائے گا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۔ اگر یہ اس طرح ہوتا تو احرام میں شکار کی اباحت واجب ہوتی۔ کیونکہ یہ ممنوع سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اِلَّا مَا يُتْلٰى، اباحت سے مستثنیٰ ہے اور یہ وجہ ساقط ہے پھر یہ معنی ہوگا کہ تمہارے لیے بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کیے گئے ہیں شکار کو حلال نہ سمجھو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو مگر جو تم پر تلاوت کیا جائے گا سوائے شکار کے۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ عقود کو پورا کرو مگر شکار کو حلال نہ سمجھو اور تمہارے لیے بے زبان جانور حلال کیے گئے ہیں مگر جو تم پر تلاوت کیے جائیں گے۔ فراء نے اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کا الا کے ساتھ عطف کی بنا پر بدل کی حیثیت سے مرفوع ہونا جائز قرار دیا ہے جیسا کہ لا کے ساتھ عطف کیا جاتا ہے۔

بصری علماء اس کو جائز قرار نہیں دیتے مگر نکرہ میں یا جو اسماء اجناس نکرہ کے قریب ہوں جیسے جاء القوم الا زید، ان کے نزدیک غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ کی نصب حال کی بنا پر ہے اور ذوالحال اَوْفُوْا میں ضمیر ہے۔ اخفش نے کہا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ (المائدہ: 1) دوسرے علماء نے کہا: لکم میں ضمیر سے حال ہے تقدیر اس طرح ہوگی احلت لکم بھیمۃ الانعام غیر محلی الصید۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ احلال لوگوں کی طرف راجع ہو یعنی حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو اور اللہ کی طرف راجع ہونا بھی جائز ہے یعنی تمہارے لیے جانور حلال کیے گئے مگر جو شکار ہو احرام کے وقت میں، جیسے تو کہتا ہے: احللت لک کذا غیر مبیح لک یوم الجمعۃ۔ میں نے یہ تیرے لیے حلال کیا مگر تیرے لیے جمعہ کے دن مباح نہیں ہے۔ جب تو کہے گا کہ لوگوں کی طرف حلال کرنا راجع ہے تو معنی ہوگا غیر محلین الصید پس نون تخفیفاً حذف کی گئی۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی جب تم حج اور عمرہ کے احرام میں ہو۔ کہا جاتا ہے: رجل حرام، قوم حُرُم جب حج کا احرام باندھ لیں۔ اسی سے شاعر کا قول ہے۔

فقلتُ لها فِيئي إليكِ فإنّني　حرامٌ وإنّي بعد ذاك لَبِيبُ (1)

یعنی میں تلبیہ کہنے والا ہوں۔ اس کو احرام اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے اوپر عورتیں اور خوشبو وغیرہ حرام کر دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے: احرم وہ حرم میں داخل ہوا۔ پس حرم کا شکار حرام ہو جاتا ہے۔ حسن، ابراہیم اور یحییٰ بن وثاب نے حرم (را کے سکون کے ساتھ) پڑھا ہے یہ لغت تمیمیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: رُسُل رُسْل، کُتُب و کُتْب۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 145

مسئلہ نمبر 7۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ ان احکام شریعۃ کو تقویت دینا ہے جو عربوں کے معہود احکام کے مخالف ہیں۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے احکام کا نسخ سننے والے ہیں جو مالک الملک ہے، جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں، وہ جو چاہتا ہے، جیسے چاہتا ہے شروع فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

''اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو قصد کیے ہوئے ہیں بیت حرام کا طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا۔ اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ یہ مومنین کو خطاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے امور میں حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔ الشعائر فعیلۃ کے وزن پر شعیرۃ کی جمع ہے(1)۔ ابن فارس نے کہا: واحد کو شعارۃ کہا جاتا ہے، یہ احسن ہے۔ الشعیرۃ اس جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے لیے پیش کیا جاتا ہے اور اشعار سے مراد یہ ہے کہ اس کی کہان کو چیر دیا جائے تاکہ اس سے خون بہہ جائے اور جان لیا جائے کہ یہ ہدی ہے۔ اشعار کا معنی احساس کے طریق سے آگاہ کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے: اشعر ھدیۃ۔ یعنی اس نے ہدی کے لیے علامت بنائی تاکہ پہچانا جائے کہ یہ ہدی ہے، اسی سے شعائر ہے جس کا معنی نشانیاں ہیں اس کا واحد مشعر ہے وہ جگہ جہاں علامات لگائی جاتی ہیں اسی سے الشعر ہے کیونکہ یہ وہ ہوتا ہے جہاں شعور واقع ہوتا ہے اسی سے الشاعر ہے جو اپنی فطانت سے اس چیز کا شعور حاصل کر لیتا ہے جس کو کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ اسی سے الشعیر ہے ان بالوں کی وجہ سے اسے کہا جاتا ہے جو اس کے سر میں ہوتے ہیں۔ الشعائر ایک قول کے مطابق وہ حیوانات جن کو علامات لگائی جاتی ہیں تاکہ انہیں بیت اللہ کی طرف بھیجا جائے اور ایک قول کے مطابق تمام مناسک حج کو شعائر کہا جاتا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 145

ہے، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: صفا، مروہ، ہدی، بدن یہ سب شعائر ہیں۔ شاعر نے کہا:

نُقَتِّلهم جِيلاً فِجيلاً تراهُمُ　　شَعَائِرَ قُرْبَانٍ بها يُتَقَرَّبُ

مشرک حج کرتے تھے، عمرہ کرتے تھے اور ہدایا دیتے تھے مسلمانوں نے ان پر تبدیلی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔(1) عطا ابن ابی رباح نے کہا: شعائر اللہ ان تمام احکام کو کہتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور جن سے منع فرمایا۔ حسن نے کہا: اس سے مراد تمام دین ہے جیسے ارشاد ہے: ذٰلِكَ ٭ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (الحج:32) یعنی دین اللہ۔

میں کہتا ہوں: یہ قول راجح ہے اس کو دوسرے اقوال سے مقدم کیا جائے گا، کیونکہ اس میں عموم ہے۔ علماء کا ہدی کے اشعار میں اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جمہور علماء نے اشعار کو جائز قرار دیا ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کس جہت سے اشعار کیا جائے گا؟ امام شافعی، امام احمد اور ابوثور نے کہا: وہ دائیں جانب میں ہوگا، یہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی کوہان کی دائیں جانب پر اشعار کیا۔ مسلم وغیرہ نے اس کو تخریج کیا ہے یہ صحیح ہے(2)۔ روایت ہے کہ آپ نے اپنے اونٹ کو بائیں جانب سے اشعار کیا۔ ابوعمر بن عبد البر نے کہا: یہ حدیث میرے نزدیک منکر ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: کسی غیر سے یہ صحیح نہیں ہے۔ صفحۃ السنام سے مراد کوہان کی ایک طرف ہے اور السنم اونٹ کی پیٹھ کا اوپر والا حصہ ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: وہ دائیں جانب ہوتا ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے اور فرمایا: دائیں جانب میں اشعار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مجاہد نے کہا: جس طرف چاہے اشعار کرلے امام کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے ان تمام صورتوں سے منع کیا ہے انہوں نے فرمایا: یہ حیوان کو عذاب دینا ہے۔ حدیث امام ابوحنیفہ کے خلاف حجت ہے۔ پس یہ اس داغ کی مثل ہے جس کے ساتھ ملکیت کی پہچان ہوتی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابن عربی نے امام ابوحنیفہ پر بہت شدید رد اور انکار کیا ہے انہوں نے کہا: امام ابو حنیفہ نے شریعت میں اس شعیرہ کے متعلق نہیں سنا، حالانکہ یہ علماء میں مشہور ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے علماء احناف کی کتب میں یہ منصوص دیکھا ہے کہ اشعار امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور سنت نہیں بلکہ مباح ہے، کیونکہ اشعار جب اعلام تھا تو تقلید کے قائم مقام سنت تھا اور جب اس کو زخمی کیا گیا اور مثلہ کیا گیا تو حرام۔ پس یہ سنت اور بدعت پر مشتمل تھا تو اس کو مباح کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشعار مثلہ ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس میں حیوان کو تکلیف دینا ہے پس یہ مکروہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مروی ہے وہ ابتدائے اسلام میں تھا جب عرب مال لوٹ لیتے تھے لیکن جو جانور ہدی ہوتا اسے نہ لوٹتے تھے اور وہ ہدی کو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 146

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 407۔ ایضاً، ابوداؤد، کتاب المناسک، باب فی الاشعار، حدیث 1490 ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نہیں پہچانتے تھے مگر اشعار کے ساتھ، پھر اس عذر کے زوال کے ساتھ یہ زائل ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے الشیخ الامام ابو منصور ماتریدی سے حکایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اشعار کو مکروہ کہا ہو، کیونکہ سوراخ کرنے میں اتنا مبالغہ کیا جاتا تھا کہ جانور کے مرنے کا خوف ہوتا تھا مگر جو اس حد تک تجاوز نہ کرے جس طرح کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا جاتا تھا تو وہ بہتر ہے۔ ابو جعفر طحاوی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ یہ علماء حنفیہ کا امام ابو حنیفہ کے لیے اعتذار ہے اس حدیث کی وجہ سے جو اشعار کے متعلق وارد ہے، انہوں نے اشعار کے متعلق سنا اور انہیں یہ مسئلہ پہنچا اور انہوں نے جانا، انہوں نے کہا: یہ قول کی بنا پر کہ یہ مکروہ ہے اس کے ساتھ کوئی پھر محرم نہیں ہوتا، کیونکہ مکروہ کی مباشرت مناسک سے شمار نہیں کی جاتی۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ یہ اسم مفرد ہے جو تمام اشہر حرم میں جنس پر دلالت کرتا ہے۔ اشہر حرام چار ہیں ایک علیحدہ ہے اور تین متواتر ہیں، ان کا بیان سورۂ براءت میں آئے گا۔ اس کا معنی ہے جنگ اور حملہ کے لیے ان مہینوں کو مباح نہ سمجھو اور نہ ان کو بدلو، کیونکہ ان کا بدلنا بھی ان کو حلال سمجھنا ہے یہ وہ کرتے تھے مہینہ کو مؤخر کرنے کے ساتھ۔ اسی طرح یہ ارشاد ہے: وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ یعنی اس کو حلال نہ سمجھو اور یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے یعنی ولا ذوات القلائد یہ قلادۃ کی جمع ہے ہدی کو حلال سمجھنے سے منع فرمایا، قلادہ ڈالے گئے جانور کا ذکر فرمایا، حرمت پر تنبیہ میں مبالغہ اور تاکید کے لیے (1)۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو اونٹ، گائے اور بکری میں سے بیت اللہ کی جانب بھیجا جاتا ہے اس کا واحد ھدیۃ اور ھدیۃ اور ھدیٌ ہے جس نے کہا: کہ الشعائر سے مراد تمام مناسک ہیں اس نے کہا: ہدی کا ذکر اس کی تخصیص کی تنبیہ ہے اور جنہوں نے کہا کہ الشعائر سے مراد ہدی ہے تو انہوں نے کہا: الشعائر سے مراد وہ جانور ہیں جن کی کہان سے خون بہا کر نشان لگایا گیا ہو اور الھدی سے مراد وہ جانور ہیں جن کو اشعار نہ کیا گیا ہو اس میں تقلید پر اکتفا کیا گیا ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: ان میں فرق یہ ہے کہ الشعائر سے مراد اونٹ ہیں اور ہدی سے مراد گائیں، بکریاں اور کپڑے ہیں اور دوسری تمام چیزیں بھی جو بھیجی جاتی ہیں۔

جمہور علماء نے کہا: ہدی عام ہے ہر چیز جس سے قربت حاصل کی جاتی ہے۔ ذبائح، صدقات تمام کے لیے بولا جاتا ہے اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: ''جمعہ کی طرف جلدی جانے والا، بدنہ قربانی دینے والے کی طرح ہے'' یہاں تک کہ فرمایا: ''آخر میں آنے والا انڈا ہدی دینے والے کی طرح ہے (2)'' انڈے کو بھی ہدی فرمایا۔ انڈے کو ہدی فرمانا اس کا کوئی محل نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ صدقہ کا ارادہ فرمایا ہو، اسی طرح علماء نے فرمایا: جب کسی نے کہا جعلت ثوبی ھدیا تو اس پر کپڑا صدقہ کرنا واجب ہے مگر مطلق بولا جائے تو اونٹ، گائے اور بکری میں سے کسی ایک صنف کی طرف راجع ہوتا ہے اور اس کو حرم کی طرف لے جانا اور اس کو حرم میں ذبح کرنا مراد ہے۔ یہ عرف شرع سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 146
2۔ صحیح بخاری، کتاب جمعہ، باب فضل الجمعۃ، حدیث 832، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرہ:196) اس سے مراد بکری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ:95) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرہ:196) فقہاء کے نزدیک کم از کم ہدی بکری ہے۔ امام مالک نے فرمایا: کہا شونی ھدی تو اس کی قیمت ہدی میں ہوگی۔

الْقَلَآئِدَ لوگ اپنے امن کے لیے جانوروں کو ہار پہناتے تھے، یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے یعنی ولا اصحاب القلائد پھر یہ منسوخ کیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سورۃ المائدہ سے دو آیتیں منسوخ کی گئیں۔ آیۃ القلائد اور یہ ارشاد: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (المائدہ:42)

رہا قلائد کا حکم تو اس کو اس حکم نے منسوخ کر دیا جس میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا وہ جہاں بھی ہوں اور جس مہینہ میں ہوں اور دوسرا ارشاد اس کو اس ارشاد نے منسوخ کیا: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ:49) جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: القلائد سے مراد نفس قلائد ہے۔ یہ حرم کے درخت کا چھلکا اتارنے سے نہی ہے حتیٰ کہ امن طلب کرنے کے لیے اس کے ساتھ قلادہ پہنایا جائے۔ یہ مجاہد، عطا، مطرف بن الشخیر کا قول ہے۔ واللہ اعلم۔

ہدی کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو دی گئی ہو اور اس کے ساتھ عوض کا ذکر نہ ہو۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس نے کہا: للہ علی ھدی تو وہ اس کی ثمن مکہ کی طرف بھیجے گا۔ رہے القلائد، تو ہر وہ چیز جو ہدایا کی کہانوں پر اور ان کی گردنوں میں بطور علامت لٹکائی گئی ہو کہ یہ اللہ سبحانہ کے لیے ہے خواہ وہ جوتا ہو یا کوئی دوسری چیز ہو۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے زمانہ جاہلیت میں باقی رہی اور اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا۔ یہ گائے اور بکری میں سنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیت اللہ کی طرف بکریاں بھیجیں تو انہیں ہار پہنائے (1)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا یہی نظریہ ہے (مثلاً) امام شافعی، امام احمد، اسحق، ابوثور اور ابن حبیب اور امام مالک اور اصحاب الرائے نے اس کا انکار کیا ہے گویا انہیں بکریوں کو قلادہ پہنانے کی یہ حدیث نہیں پہنچی یا انہیں پہنچی تو ہے لیکن انہوں نے اس کو رد کر دیا کہ اسود، حضرت عائشہ سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ پہلا قول اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ رہی گائے اگر تو اس کی کہان ہو تو اسے اونٹ کی طرح شعار کیا جائے گا یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: مطلقاً ہار پہنایا جائے گا اور اشعار کیا جائے گا انہوں نے کوئی فرق نہیں کیا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اسے قلادہ پہنایا جائے گا اور شعار کیا جائے گا۔ یہ قول اصح ہے، کیونکہ اس کی کہان نہیں ہوتی، یہ اونٹ کی نسبت بکری کے زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جس نے احرام کی نیت سے بدنہ کو قلادہ پہنایا اور اس کو چلایا تو وہ محرم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناسک، جلد 1، صفحہ 230۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 425
ایضاً صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب تقلید الغنم، حدیث 1588-1586، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا۔ احرام کا ذکر نہیں فرمایا لیکن جب تقلید کا ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ احرام کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر ہدی کو بھیجا اور خود ہانک کر نہ لے گیا تو وہ محرم نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایا کے ہار اپنے ہاتھوں سے تیار کیے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں وہ ہار پہنائے، پھر انہیں میرے باپ (ابوبکر) کے ساتھ انہیں بھیجا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز حرام نہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی تھی حتیٰ کہ ہدی کو نحر کیا گیا۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا (1)۔ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور جمہور علماء کا مذہب ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ہدی بھیجنے والا محرم ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جس نے ہدی بھیجی اس پر وہ چیزیں حرام ہو جائیں گی جو حاجی پر حرام ہوتی ہیں حتیٰ کہ ہدی کو نحر کر دیا جائے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے (2)۔ یہ حضرت ابن عمر، عطا، مجاہد اور سعید بن جبیر کا مذہب ہے۔

خطابی نے اصحاب الرائے سے بھی یہ قول حکایت کیا ہے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے، فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اپنی قمیص کو گریبان سے پھاڑا پھر اسے ٹانگوں سے نکالا لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے ان بدنوں کو قلادہ پہنانے اور شعار کرنے کا فلاں جگہ پر حکم دیا تھا جنہیں میں نے حرم کی طرف بھیجا تھا اور اسی طرح میں نے قمیص پہنی ہوئی تھی اور میں بھول گیا تھا پس میں نے اپنے سر سے اس لیے قمیص کو نہیں نکالا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہ کو بھیجا تھا اور خود مدینہ میں ٹھہرے رہے تھے۔ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن عطا بن ابی لبیبۃ ہے وہ ضعیف ہے۔ اگر بکری کو قلادہ پہنایا اور اس کو حرم کی طرف بھیجا تو کوفیوں نے کہا: وہ محرم نہ ہوگا، کیونکہ مسنون نہیں ہے اور نہ شعائر میں سے ہے، کیونکہ اس پر بھیڑیا کا خوف ہے پس وہ حرم تک نہیں پہنچے گی بخلاف اونٹ کے اسے چھوڑ دیا جائے گا وہ خود پانی پر وارد ہوگا، درخت کھائے گا اور حرم تک پہنچ جائے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ ام المومنین سے مروی ہے فرمایا: میں نے اس اون سے ہار بٹے جو میرے پاس تھی (3)۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝ (القارعہ)

مسئلہ نمبر 7۔ جب ہدی کو قلادہ پہنایا جائے یا اشعار کیا جائے تو اسے نہ بیچنا جائز ہے اور نہ ہبہ کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ واجب ہو چکی ہے اگر اس کا واجب کرنے والا مر جائے تو وہ میراث میں شمار نہ ہوگی بلکہ وہ نافذ ہوگی بخلاف قربانی کے جانور کے وہ امام مالک کے نزدیک خاص ذبح کے ساتھ واجب ہوتی ہے مگر یہ کہ وہ اپنے قول کے ساتھ واجب کر دے۔ اگر ذبح کے پہلے قول سے ساتھ واجب کر دیا اور کہا: جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ تو وہ متعین ہو جائے گی اور اس پر ذبح کرنا واجب ہوگا، اگر وہ گم ہو جائے پھر ایام ذبح میں اسے پالے یا اس کے بعد پالے اسے ذبح کرے اور اس کا بیچنا جائز نہیں، اگر کسی نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناسک، جلد 1، صفحہ 230۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب المناسک، حدیث 1585، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً	3۔ ایضاً، حدیث نمبر 1590، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اپنی پہلی قربانی کے علاوہ قربانی خریدی تو امام احمد اور اسحاق کے قول میں دونوں کو ذبح کرے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر گم ہو جائے یا چوری ہو جائے تو اس پر بدل واجب نہیں، بدل واجب میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب گم ہو جائے تو وہ جائز ہو جائے گی۔ جو شخص دسویں ذی الحجہ کے دن قربانی کرنے سے پہلے مر جائے تو وہ وراثت میں جاری ہوگی، جیسا کہ دوسرا مال ہے بخلاف ہدی کے۔ امام احمد اور ابو ثور نے کہا: ہر حال میں اسے ذبح کیا جائے گا۔

امام اوزاعی نے فرمایا: اسے ذبح کیا جائے گا مگر یہ کہ اس پر اتنا قرضہ ہو کہ اس کو ادا کرنا ممکن نہ ہو مگر اسی قربانی سے تو اسے قرضہ میں بیچا جائے گا، اگر ذبح کرنے کے بعد مر جائے تو اس کی طرف سے اس میں وارثت جاری نہ ہوگی وہ اسے کھائیں یا صدقہ کریں جو چاہیں کریں اس کے گوشت کو بطور میراث تقسیم نہیں کریں گے۔ ذبح سے پہلے قربانی کو جو عیوب لاحق ہو جائیں تو مالک پر بدل ہوگا بخلاف ہدی کے۔ یہ امام مالک کے مذہب کی تحصیل ہے۔ بعض علماء نے کہا: ہدی میں مالک پر بدل ہوگا، پہلا قول زیادہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یعنی جو بیت اللہ کا قصد کرنے والے ہیں۔ یہ ان کے قول سے ہے: امممت کذا۔ میں نے اس کا قصد کیا، اعمش نے ولا آمی البیت الحرام یعنی اضافت کے ساتھ پڑھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ۔ معنی یہ ہے کہ کفار کو نہ روکو جو تعبد اور قربت کی جہت سے بیت حرام کا قصد کرنے والے ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے: ان آیات میں مشرک کو روکنے کی نہی ہے اور اس کی قلادہ کی وجہ سے حرمت کی رعایت ہے یا اس نے بیت اللہ کا قصد کیا ہے یہ تمام احکام آیۃ السیف کے ساتھ منسوخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ: 5) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبہ: 28)

مشرک کو حج کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ اشہر حرم میں اسے امن دیا جائے گا اگرچہ اس نے ہدی بھیجی ہو، اسے قلادہ پہنایا ہو اور حج کا ارادہ کیا ہو۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے ابن زید نے یہی فرمایا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ ایک قوم نے کہا: یہ آیت محکمہ ہے، یہ منسوخ نہیں ہے یہ مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ مسلمانوں میں جو بیت اللہ کا قصد کرنے والا ہو اسے ڈرایا جائے۔ یہ نہی شہر حرام اور دوسرے مہینوں میں عام ہے، لیکن شہر حرام کا ذکر تعظیماً اور تفصیلاً فرمایا۔ یہ عطا کے قول پر چلنا ہے معنی یہ ہے کہ اللہ کے معالم کو حلال نہ سمجھو۔ اس سے اللہ کا امر اور اس کی نہی ہے جو اس نے لوگوں کو بتایا اسے حلال نہ سمجھو۔ اسی وجہ سے ابو میسرہ نے کہا: یہ آیت محکمۃ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے منسوخ نہیں ہے مگر صرف القلائد۔ کوئی شخص حرم کے درخت کے چھلکے سے قلادہ پہناتا تھا تو وہ قربت حاصل نہیں کرتا تھا پس اس کو منسوخ کیا گیا۔ ابن جریج نے کہا: یہ آیت اس بات سے نہی ہے کہ حاجیوں سے سامان نہ چھینا جائے (1)۔

ابن زید نے کہا: یہ آیت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے، مشرکین حج اور عمرہ کرنے کے لیے آئے تو مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو ہم نہیں چھوڑیں گے، ہم ان پر حملہ کریں گے تو قرآن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 147

نازل ہوا: وَ لَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ۔(1) بعض علماء نے فرمایا: یہ شریح بن ضبیعۃ البکری کے معاملہ کے لیے تھا اسے الحطم سے لقب دیا جاتا تھا اسے رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے پکڑ لیا جب کہ وہ عمرہ میں تھا تو یہ آیت نازل ہوئی، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ حطم مرتد ہو گیا تھا اور مرتد ہو کر قتل کیا گیا تھا۔ اس کی خبر سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ میں آیا اور اس نے مدینہ سے باہر اپنے گھوڑے پیچھے چھوڑ آیا، اس نے کہا: تم کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا، نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا''۔ اس نے کہا: اچھا ہے مگر میرے کچھ امراء ہیں ان کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، شاید میں اسلام قبول کروں اور انہیں آپ کے پاس لے آؤں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو کہا تھا: تم پر ایک آدمی داخل ہوگا جو شیطان کی زبان بولے گا پھر وہ آپ کے پاس سے نکلا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ کافر چہرہ کے ساتھ داخل ہوا اور غادر گدی کے ساتھ باہر نکلا وہ شخص مسلمان نہیں ہے''۔ وہ حطم شخص مدینہ طیبہ کی چراگاہ سے گزرا تو چوپائے ہانک کر لے گیا، صحابہ کرام نے اسے تلاش کیا تو وہ عاجز آ گئے وہ یہ کہتے ہوئے نکلا:

قد لفها الليل بسوّاقٍ حُطَم ليس براعي إبلٍ ولا غَنَمْ
ولا بجزّارٍ على ظهر وَضَمْ باتُوا نياما وابن هندٍ لم يَنَمْ
بات يقاسيها غلام كالزُلَمْ خَدَلَّج الساقين خَفّاق القَدَمْ

جب عام القضیۃ کو نبی کریم ﷺ نکلے تو آپ نے یمامۃ کے حجاج کا تلبیہ سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حطم اور اس کے ساتھی ہیں اس نے جو مدینہ طیبہ سے جانور لوٹے تھے اس نے انہیں ہار پہنا دیئے تھے اور مکہ کی طرف بھیجا تھا، صحابہ کرام اس کی طلب میں نکلے تو یہ آیت نازل ہوئی ان کو حلال نہ سمجھو اللہ کے لیے اشعار کیا گیا ہے اگرچہ وہ مشرک ہی ہوں۔ یہ حضرت ابن عباس نے ذکر کیا ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس بنا پر کہ یہ آیت محکمۃ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ امور مناسک کو مکمل کرنے کا تقاضا کرتا ہے اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: آدمی جب حج میں داخل ہو پھر اسے فاسد کر دے تو اس پر افعال حج ادا کرنا لازم ہے اور اس میں سے کسی فعل کا ترک جائز نہیں اگرچہ اس کا حج فاسد ہو چکا ہے پھر آئندہ سال اس پر اس حج کی قضا لازم ہے، ابو اللیث سمرقندی نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ، منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً (توبہ: 36) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ (المائدہ: 2) محکم منسوخ نہیں ہے، پس جس نے ہدی کو قلادہ پہنایا اور احرام کی نیت کی تو وہ محرم ہو گیا اس کے لیے اس آیت کی دلیل کے ساتھ احرام باندھنا جائز نہیں۔ یہ احکام ایک دوسرے پر معطوف ہیں۔ بعض منسوخ ہیں اور بعض غیر منسوخ ہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا۔ جمہور علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ تجارت میں نفع اور فضل تلاش کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اپنے ظن اور امید میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہیں۔ بعض

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 147 2۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 181

علماء نے فرمایا: ان میں بعض تجارت طلب کرتے تھے، بعض حج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے تھے اگرچہ وہ اس کو پا نہیں سکتے تھے اور عربوں میں سے کچھ مرنے کے بعد جزا کا عقیدہ رکھتے تھے اور مرنے کے بعد اٹھنے کا نظریہ رکھتے تھے، کوئی بعید نہیں کہ انہیں آگ میں تخفیف حاصل ہو۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف عربوں کے لیے الفت کا اظہار ہے اور ان پر مہربانی کا مظاہرہ ہے تاکہ ان کے نفوس خوش ہوں اور لوگ دین میں داخل ہوں اور حج کے موقع پر آئیں قرآن کو سنیں اور ان کے دلوں میں ایمان داخل ہو اور ان کے پاس وہ حجت قائم ہو جائے جیسی کہ وہ تھی یہ آیت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی، پھر اس آیت کو سن 9 ہجری کے بعد منسوخ کر دیا جب حضرت ابوبکر نے حج کیا تھا اور سورۂ برأت کا لوگوں میں اعلان کیا گیا تھا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا یہ امر اباحت کے لیے ہے، اس پر علماء کا اجماع ہے احرام کی وجہ سے شکار حرام تھا اس حرمت کو اٹھایا گیا ہے۔ اکثر علماء نے یہ بیان کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ افعل کا صیغہ جو منع کے بعد وارد ہوتا ہے وہ اپنی اصل یعنی وجوب کے لیے وارد ہوتا ہے یہ قاضی ابوالطیب وغیرہ کا مذہب ہے، کیونکہ وجوب کا مقتضا قائم ہے اور منع پہلے گزر چکا ہے جو مانع کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ (توبہ:5) یہ افعل کا صیغہ وجوب کے لیے ہے اس سے مراد جہاد ہے یہاں اور اس کی مثل اباحت جو سمجھی گئی ہے مثلاً فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا (الجمعہ:10) فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ (بقرہ:222) یہ معنی اجماع کی وجہ سے ہے نہ کہ امر کے صیغہ کے اعتبار سے ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی تمہیں کسی قوم کی دشمنی نہ ابھارے۔ یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے اور یہ کسائی اور ابوالعباس کا قول ہے یہ دونوں مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے(1)، کہا جاتا ہے: جرمنی کذا علی بغضك یعنی حملنی علیہ۔

شاعر نے کہا:

ولقد طَعَنْتَ أباعُیَیْنةَ طَعْنةً جَرَمَت فَزَارَةَ بَعْدَهَا أن یَغْضَبُوا(2)

اخفش نے کہا: اس کا معنی ہے لا یُحِقَّنَّكُم تمہیں کینہ اور بغض میں مبتلا نہ کرے۔ ابوعبیدہ اور فراء نے کہا: لا یحرمنکم کا معنی ہے تمہیں کسی قوم کا بغض حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے تک نہ پہنچائے اور عدل سے ظلم کی طرف نہ پہنچائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تجھے امین بنائے اس کی امانت ادا کر اور جو تجھ سے خیانت کرے اس سے خیانت نہ کر''۔ اس کے متعلق کلام گزر چکا ہے اس آیت کی مثال یہ ہے: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ (بقرہ:194) اس پر تفصیلی کلام گزر چکی ہے۔ کہا جاتا ہے: فلان جریمة اهله یعنی فلاں ان کا کمانے والا ہے۔ الجریمة اور الجارم کا معنی کمانے والا ہے۔ اجرم فلان کا معنی ہے فلاں نے گناہ کیا۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

جَرِیمةُ نَاهِضٍ فِی رَأْسِ نِیقٍ (3) تَرَی لعظامِ ما جَمَعتْ صَلِیبَا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 148 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 149 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 148

اس کا معنی ہے خوراک کمانے والا۔ الصلیب سے مراد چربی ہے یہ اصل ہے ج، را اور میم کی بنا میں۔ ابن الفارس نے کہا: جرم، اجرم اور ولا جرم یہ تیرے اس قول کے قائم مقام ہے لا بدّ ولا محالۃ اس کی اصل جرم سے ہے جس کا معنی ہے کھانا۔ شاعر نے کہا: جَرَمَتْ فَزَارَۃَ بعدھا أن یَغْضَبُوا

ایک اور شاعر نے کہا:

یأیھا المشتکِی عُکْلًا وما جَرَمَتْ   إلَی القبائلِ من قَتْلٍ و إبآسِ

کہا جاتا ہے: جرم، یجرم جرماً اس کا معنی ہے کاٹنا، الرمانی علی بن عیسیٰ نے کہا: یہ اصل ہے پس جرم کا معنی ہے کسی چیز پر ابھارنا تاکہ اسے دوسرے سے جدا کردے اور جرم بمعنی کسب اس لیے ہے، کیونکہ وہ اسے سب کی طرف منقطع کردیتا ہے جرم بمعنی حق بھی ہے، کیونکہ حق اس پر قطعی ہوجاتا ہے۔ خلیل نے کہا: لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ (1) (النحل: 62) کا معنی ہے ان کے لیے عذاب ثابت ہوچکا ہے۔ کسائی نے کہا: جرم اور اجرم دونوں لغتوں کا ایک معنی ہے یعنی اکتسب۔

حضرت ابن مسعود نے یجرمنکم یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی ہے وہ تمہیں اکسائے نہیں۔ بصری علماء یا کے ضمہ کو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں: جرم لا غیر، الشنان کا معنی بغض ہے نون کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے: شنئت الرجل اشنئوۃ شنئا وشناۃ وشنآنا وشنآنا، نون کے جزم کے ساتھ سب کا معنی ہے ناراض ہونا۔ یعنی کسی قوم کا بغض تمہیں حق سے تجاوز کرنے پر نہ اکسائے۔ اس سے مراد بغضکم قوماً ہے۔ مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: جب مسلمانوں کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روکا گیا تو مسلمانوں کے پاس سے کچھ مشرک گزرے جو عمرہ کرنا چاہتے تھے، مسلمانوں نے کہا: ہم انہیں روکیں گے جس طرح انہوں نے ہمارے ساتھیوں کو روکا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی ان پر تجاوز نہ کرو اور انہیں نہ روکو۔

اَنْ صَدُّوْكُمْ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ مفعول لاجلہ ہے یعنی لان صدّوکم۔ ابو عمرو اور ابن کثیر نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے إنْ صدّوکم یہ ابو عبید کا مختار ہے۔ اعمش سے مروی ہے ان یصدّوکم۔ ابن عطیہ نے کہا: فان جزا کے لیے ہے یعنی اگر اس فعل کی مثل مستقبل میں واقع ہو۔ پہلی قرأت معنی کے اعتبار سے بہتر ہے۔ نحاس نے کہا ان صدوکم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو علماء نحو اور محدثین اس قرأت سے منع کرتے ہیں اس کی کئی وجوہ ہیں (۱) یہ آیت فتح مکہ کے سال 8 ہجری کو نازل ہوئی جب کہ مشرکوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں حدیبیہ کے سال روکا تھا پس روکنا آیت سے پہلے تھا جب ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ جائز نہ ہوگا مگر اس کے بعد جیسے تو کہتا ہے: لا تعط فلاناً شیئا ان قاتلك اور یہ نہیں ہوسکتا مگر مستقبل میں اور اگر آپ ہمزہ کو فتحہ دیں گے تو یہ ماضی کے لیے ہوگا پس اس بنا پر جائز نہ ہوگا مگر اَنْ صَدُّوْكُمْ اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہوتی تو بھی فتحہ واجب ہوتا، کیونکہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ...... الخ۔ دلیل ہے کہ مکہ ان کے قبضہ میں تھا وہ اس سے نہیں روک سکتے تھے مگر جب کہ وہ بیت اللہ سے روکنے پر قادر تھے اس وجہ سے بھی فتحہ واجب ہے، کیونکہ یہ ماضی کے لیے ہے۔ اَنْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 148، دار الکتب العلمیہ بیروت

تَعْتَدُوْا محل نصب میں ہے، کیونکہ یہ مفعول بہ ہے یعنی تمہیں کسی قوم کی دشمنی حد سے بڑھنے پر نہ اکسائے۔ ابو حاتم اور ابو عبید نے شنئان کو نون کے اسکان کے ساتھ پڑھنے کا انکار کیا ہے، کیونکہ اس کی مثل مصادر متحرک ہوتے ہیں۔ دوسرے علماء نے ان کی مخالفت کی ہے۔ فرمایا: یہ مصدر نہیں ہے، لیکن یہ کسلان اور غضبان کے وزن پر اسم فاعل ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ اخفش نے کہا: یہ پہلی کلام سے علیحدہ ہے یہ تمام مخلوق کو نیکی اور تقویٰ پر تعاون کا حکم ہے یعنی تمہیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس پر گفتگو کرو اس کے مطابق عمل کرو اور اس سے رک جاؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اس سے بچو۔ یہ نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث کے موافق ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''نیکی پر راہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے'' (1)۔ کہا جاتا ہے کہ برائی پر راہنمائی کرنے والا برائی کرنے والے کی طرح ہے۔

پھر بعض علماء نے فرمایا: البر اور التقوی دونوں ہم معنی ہیں تاکید اور مبالغہ کے لیے لفظ کے اختلاف کے ساتھ مکرر فرمایا، کیونکہ ہر نیکی تقویٰ ہے اور ہر تقوی نیکی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس میں کچھ تسامح ہے ان دو لفظوں کی دلالت میں عرف یہ ہے کہ البر واجب اور مندوب سب کو شامل ہے التقوی واجب کی رعایت ہے۔ اگر ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے تو وہ مجازاً ہوتا ہے۔ ماوردی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نیکی پر تعاون کرنے کی دعوت دی ہے اور تقویٰ کو اس کے ساتھ ملایا، کیونکہ تقویٰ میں اللہ کی رضا ہے اور نیکی میں لوگوں کی رضا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی رضا کو جمع کیا اس کی سعادت مکمل ہوئی اور اس کی نعمت عام ہوئی۔

ابن خویز منداد نے احکام میں کہا: نیکی اور تقویٰ پر تعاون کئی وجوہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ عالم پر واجب ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ لوگوں کی مدد کرے اور انہیں تعلیم دے۔ غنی اپنے مال کے ساتھ لوگوں کی مدد کرے۔ شجاع اپنی شجاعت کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کرے، مسلمان ایک دوسرے کے معاون ہوں جس طرح ایک ہاتھ ہوتا ہے۔ ''مومنوں کے خون برابر ہیں ان کے ادنی کے امان کا خیال رکھا جائے گا دوسرے لوگوں پر ان کا غلبہ ہے'' (2)۔ حد سے تجاوز کرنے والے سے اعراض کرنا اور اس کی مدد نہ کرنا واجب ہے اور جس غلط روش پر ظالم ہے اس سے اسے پھیرنا واجب ہے۔ پھر منع فرمایا: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، الْاِثْمِ سے مراد وہ حکم ہے جو جرائم کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے اور الْعُدْوَانِ سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے پھر تقوی کا حکم دیا اور مجملاً دھمکی دی فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

1۔ کنز العمال، کتاب الاحادیث والاقوال، جلد 6، صفحہ 359، حدیث نمبر 16052

2۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الدیات، جلد 1، صفحہ 197۔ ایضاً، حدیث نمبر 2672-2673، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''حرام کیے گئے ہیں تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا، چوٹ سے مرا ہوا، اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور (حرام ہے) جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ سب نافرمانی کے کام ہیں۔ آج مایوس ہو گئے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارے دین سے سو نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآں حالیکہ نہ جھکنے والا ہو گناہ کی طرف تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس میں چھبیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اس پر کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَلْمُنْخَنِقَةُ وہ جانور جو دم گھٹنے سے مرجائے۔ خنق کا معنی ہے دم گھٹنا خواہ اس کے ساتھ عمل کسی آدمی نے کیا ہو یا اس کے لیے عمل کسی پہاڑ میں ہوا ہو یا دو لکڑیوں کے درمیان ہوا ہو وغیرہ۔ قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بکری وغیرہ کا گلہ دباتے تھے جب وہ مرجاتی تھی تو اسے کھاتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمَوْقُوْذَةُ وہ جانور جسے پتھر اور ڈنڈے سے مارا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ بغیر ذبح کے مرجاتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حسن، قتادہ، ضحاک اور سدی سے مروی ہے، کہا جاتا ہے: وقذہ یقذہ وقذا وھو وقیذ۔ الوقذ کا معنی زور سے مارنا ہے فلان وقیذ سخت ضرب لگانے والا۔ قتادہ نے کہا: زمانہ جاہلیت کے لوگ ایسا کرتے تھے اور پھر اس جانور کو کھاتے تھے۔ اس سے مراد وہ مقتول جانور ہے جو غلیل سے مارا جائے۔ فرزدق نے کہا:

شَغَّارَةٍ تَقِذُ الفصِيل برجلها فَطَّارَةٌ لِقَوادِمِ الأَبْكارِ (1)

صحیح مسلم میں عدی بن حاتم سے مروی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں معراض تیر کے ساتھ شکار کرتا ہوں وہ شکار کو لگ جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو معراض تیر پھینکے اور وہ اسے چیر دے (اور خون بہا دے) تو اسے کھا اور اگر وہ تیر عرضاً لگے (اسے چیرے نہیں صرف اسے چوٹ دے) تو اسے نہ کھا'' (2)۔ ایک روایت میں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 151 2۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145

ہے فرمایا ''وہ وقیذ ہے'' ابوعمر نے فرمایا: غلیل، پتھر اور معراض تیر سے شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علماء قدیم وجدید کا اختلاف ہے پس جن کا خیال ہے کہ وہ وقیذ ہے اس کا کھانا جائز نہیں مگر جب اس کو ذبح کیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ یہی امام مالک، امام ابوحنیفہ ان کے اصحاب، ثوری اور امام شافعی کا قول ہے۔ شامی علماء نے اس میں ان علماء کی مخالفت کی ہے۔ اوزاعی نے معراض تیر کے بارے میں کہا: اس کو کھاؤ خواہ اسے چیرے یا نہ چیرے۔

حضرت ابوالدرداء، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت عبداللہ بن عمر اور مکحول اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے تھے۔ ابوعمر نے کہا: اوزاعی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اسی طرح ذکر کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر سے معروف وہ ہے جو امام مالک نے نافع سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ اس باب میں اصل، جس پر عمل ہے اور اس میں جو حجت ہے جس نے اس کو اختیار کیا ہے وہ عدی بن حاتم کی حدیث ہے اس میں ہے ''جو معراض عرضاً لگے اسے نہ کھا وہ وقیذ (چوٹ سے مرنے والا) ہے''۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمُتَرَدِّيَةُ وہ جانور جو اوپر سے نیچے کی طرف گر کر مر جائے، خواہ وہ پہاڑ سے گرے یا کنویں وغیرہ میں مرے یہ الردی سے متفعلۃ کے وزن پر ہے جس کا معنی ہلاکت ہے خواہ وہ خود گرا ہو یا کسی دوسرے نے اسے گرایا ہو۔ جب تیر شکار کو لگے اور وہ پہاڑ سے زمین کی طرف گرے تو وہ حرام ہوگا، کیونکہ وہ ٹکرانے یا گرنے سے مرا ہے نہ کہ تیر سے مرا ہے۔ اسی سے حدیث ہے ''اگر تو اسے پانی میں غرق پائے تو اسے نہ کھا، کیونکہ تجھے معلوم نہیں پانی نے اسے قتل کیا ہے یا تیرے تیر نے اسے قتل کیا ہے'' (1)۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں گر کر مرنے والے جانور کو کھایا جاتا تھا وہ مردہ تصور نہیں کیا جاتا تھا مگر جو تکلیف وغیرہ سے مرتا تھا جس کا سبب معلوم نہ ہوتا تھا۔ رہے یہ اسباب تو یہ ان لوگوں کے نزدیک ذبح کی طرح تھا شرع شریف نے ذبح کو مخصوص صفت پر محصور کر دیا مزید بیان آگے آئے گا اور یہ تمام مردار شمار کیے گئے یہ تمام محکم متفق علیہ سے ہے اسی طرح جو سینگ لگنے سے مرا ہو اور درندے کے کھانے سے مرا ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالنَّطِيحَةُ، فعيلةٌ بمعنی مفعولہ ہے یہ وہ بکری ہے جسے دوسری بکری نے سینگ مارا ہو یا کسی اور چیز نے مارا ہو پھر وہ ذبح کرنے سے پہلے مرگئی ہو۔ ایک قوم نے النَّطِيحَةُ سے مراد الناطحہ (سینگ مارنے والا) لیا ہے کیونکہ دونوں بکریاں ایک دوسرے کو سینگ مارتی ہیں پھر دونوں مرجاتی ہیں (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: نطیحۃ۔ فرمایا: نطیح نہیں فرمایا: فعیل کا حق یہ ہے کہ اس میں ہا ذکر نہیں کی جاتی جیسے کہا جاتا ہے: کف خضیب ولحیۃ دھین (خضاب شدہ ہتھیلی اور تیل لگی ہوئی داڑھی) لیکن یہاں ھا کو ذکر فرمایا، کیونکہ ھا کو اس فعیلۃ سے حذف کیا جاتا جب وہ منطوق موصوف کی صفت ہو۔ کہا جاتا ہے: شاۃ نطیح وامرأۃ قتیل اگر موصوف ذکر نہ ہو تو ھا قائم ہوتی ہے۔ تو کہتا ہے: رایت قتیلۃ بنی فلان وھذہ نطیحۃ الغنم۔ کیونکہ اگر تو ھا کو ذکر نہیں کرے گا تو تو کہے گا: رایت قتیل بنی فلان، معلوم نہیں ہوگا کہ وہ مرد ہے یا عورت ہے۔ ابومیسرہ نے المنطوحۃ پڑھا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 146۔ ایضاً صحیح بخاری، باب الصید اذا غاب عنہ یومین او ثلاثۃ، حدیث 5062، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 151

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اس سے مراد وہ جانور ہے جسے کچلیوں والے اور ناخنوں والے درندے نے چیر اپھاڑا ہو جیسے شیر، چیتا، لومڑ، بجو وغیرہ، یہ تمام درندے ہیں کہا جاتا ہے: سبع فلان فلاناً یعنی فلاں نے فلاں کو اپنے دانتوں کے ساتھ کاٹا۔ سبعہ یعنی اس نے اسے عیب لگایا اور وہ عیب میں واقع ہوا۔ اس کلام میں اضمار ہے یعنی وہ جانور جس سے درندے نے کھایا ہو، کیونکہ جس کو درندے نے کھایا وہ فنا ہو گیا۔ کچھ عرب صرف السبع کا اطلاق شیر پر کرتے ہیں، عرب جب درندہ بکری پکڑ لیتا پھر وہ اس سے بچ جاتی تو اسے کھاتے تھے، اسی طرح اگر وہ اس کا بعض حصہ کھالیتا تو بقیہ عرب کھالیتے تھے یہ قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ حسن اور ابوحیوہ نے السبع با کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اہل نجد کی لغت ہے حضرت حسان نے عتبۃ بن ابی لہب کے بارے میں کہا:

مَن یَرجِع العامَ الی أهله	فما أكِیلُ السَّبْعِ بالرّاجِعِ

حضرت ابن مسعود نے واكِیلَةُ السَّبُعِ پڑھا ہے۔ عبداللہ بن عباس نے واكِیلُ السَّبُعِ (1) پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ جمہور علماء اور فقہاء کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی بنا پر منصوب ہے۔ یہ مذکورہ تمام جانوروں کی طرف راجع ہے جس کو ذبح کر دیا گیا ہو جب کہ اس میں ابھی زندگی ہو۔ کیونکہ اس میں ذبح عامل ہو گی، کیونکہ استثنا کا حق یہ ہے کہ وہ متقدم کلام کی طرف پھیری گئی ہو اور مستثنیٰ کو منقطع نہیں بنایا جاتا مگر ایسی دلیل کے ساتھ جو واجب التسلیم ہو۔ ابن عیینہ شریک اور جریر نے رکین بن ربیع سے انہوں نے ابوطلحہ اسدی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت ابن عباس سے اس بھیڑیے کے متعلق پوچھا جس نے بکری پر حملہ کیا پھر اس کے پیٹ کو چیر دیا حتیٰ کہ اس کی انتڑیاں باہر آ گئیں پھر اس کی ذبح کو میں نے پالیا اور میں نے اسے ذبح کر دیا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: اسے کھاؤ اور اس کے پیٹ میں سے جو باہر آ گیا ہے وہ نہ کھا۔

اسحٰق بن راہویہ نے کہا: بکری میں سنت وہی ہے جو حضرت ابن عباس نے بیان کی ہے اگر بکری کے پیٹ کا مواد باہر آ جائے اور وہ ابھی تک زندہ ہے اور ذبح کی جگہ سلامت ہے تو ذبح کے وقت دیکھا جائے گا کہ کیا وہ زندہ ہے یا مردہ ہے؟ فعل کی طرف نہیں دیکھا جائے گا کہ کیا اس کی مثل زندہ ہوتی ہے؟ اسی طرح مریضہ کا حکم ہے۔ اسحاق نے کہا: جس نے اس کی مخالفت کی اس نے جمہور صحابہ اور عامۃ العلماء کی سنت کی مخالفت کی۔

میں کہتا ہوں: ابن حبیب کا بھی یہی نظریہ ہے اور اصحاب مالک سے یہ ذکر کیا جاتا ہے اور یہی ابن وہب کا قول ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ مزنی نے کہا: میں امام شافعی کے لیے ایک اور قول بھی یاد کرتا ہوں: اسے نہیں کھایا جائے گا جب درندہ یا اس کا گرنا اسے اس حد تک پہنچا دے کہ ایسے جانور کی حیات نہیں ہوتی۔ یہ مدنی علماء کا قول ہے اور امام مالک کا مشہور قول وہ ہے جو عبدالوہاب نے اپنی تلقین میں ذکر کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے اسے امام مالک نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔ اسماعیل قاضی اور بغدادی مالکیوں کی جماعت کا یہی نظریہ ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 151

اس قول کی بنا پر استثنا منقطع ہے یعنی تم پر یہ اشیاء حرام کی گئی ہیں لیکن جس کو تم ذبح کرو وہ حرام نہیں۔ ابن عربی نے کہا: ان اشیاء کے بارے امام مالک کا قول مختلف ہے ان سے مروی ہے ایسے جانور کو نہیں کھایا جائے گا مگر جو صحیح طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو اور جو مؤطا میں ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس نے اسے ذبح کیا جب کہ اس کا سانس جاری رہا جب کہ وہ حرکت کر رہی تھی تو اسے کھایا جائے گا۔ یہ امام مالک کا صحیح قول ہے۔ وہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور ان کی زندگی میں ہر شہر میں لوگوں پر پڑھا جاتا رہا۔ یہ نادر روایات سے اولیٰ ہے۔ مریض جانور پر مطلق ذبح کے جواز کا مذہب ہے اگر وہ موت کے قریب ہو جب کہ اس میں زندگی باقی ہو۔ ہائے میرا شعور مریض جانور کی زندگی کی بقا میں اور درندے کے کھائے ہوئے کی زندگی کی بقا میں کون سا فرق ہے۔ کاش نظر مناسب ہوتی اور شبہ سے فکر سلامت ہوتی۔ ابو عمر نے کہا: اس مریض جانور میں علماء کا اجماع ہے جس کی زندگی کی امید نہ ہو کہ اس کو ذبح کرنا اس کی ذکاۃ ہے جب کہ اس میں زندگی ہو جب اسے ذبح کر رہا ہو اور اس سے اس کے ہاتھوں کا یا پاؤں کا یا دم وغیرہ کا حرکت کرنا اس کی زندگی کی علامت ذکر کی ہے علماء کا اجماع ہے کہ جب وہ جانور حالت نزع میں ہو اور نہ اس کا ہاتھ حرکت کرے اور نہ پاؤں حرکت کرے تو اس میں ذکاۃ نہیں ہے اسی طرح قیاس کا تقاضا میں متردیہ کا حکم ہے اور جو اس آیت میں اس کے ساتھ دوسرے جانور ذکر کیے گئے ہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَكَّيْتُمْ کلام عرب میں ذکاۃ کا معنی ذبح ہے، یہ قطرب کا قول ہے۔ ابن سیدہ نے ''المحکم'' میں کہا: عرب کہتے ہیں ''جنین (مادہ کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے) کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے'' (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ حدیث ہے حیوان کی ذکاۃ اس کا ذبح کرنا ہے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

یذکیھا الأسل　　نیزے اور تیر اسے ذبح کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: وہ حدیث جس کی طرف ابن عطیہ نے اشارہ کیا ہے اسے دار قطنی نے حضرت ابو سعید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ کی حدیث سے روایت کیا ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا: ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ۔ یعنی جنین کی ذبح اس کی ماں کی ذبح (سے) ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت یہی کہتی ہے مگر امام ابو حنیفہ سے مروی ہے فرمایا: جب جنین اپنی ماں کے پیٹ سے مردہ نکلے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے، کیونکہ ایک نفس کی ذبح دو نفسوں کی ذبح نہیں ہوتی۔ ابن المنذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ میں دلیل ہے کہ جنین ماں کے علاوہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر حاملہ لونڈی آزاد کی گئی تو اس کی آزادی اس کی ماں کی آزادی (سے) ہے یہ اس کو لازم ہے کہ اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ (سے) ہے، کیونکہ جب ایک کی آزادی کے ساتھ دو کی آزادی جائز ہے تو ایک کی ذکاۃ کے ساتھ دو کی ذکاۃ بھی جائز ہے۔ خبر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے اور جو صحابہ سے مروی ہے اور جس پر بڑے بڑے علماء کا مذہب ہے وہ ہر قول سے مستغنی کر دیتا ہے۔

اہل علم کا اجماع ہے کہ جنین جب زندہ نکلے تو اس کی ماں کی ذکاۃ اس کی ذکاۃ نہیں ہے۔ اور اس میں علماء کا اختلاف ہے

1۔ جامع ترمذی، ابواب الصید، جلد 1، صفحہ 178

کہ جب ماں کو ذبح کیا گیا ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو۔ تو امام مالک اور تمام ان کے اصحاب نے کہا: اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے جب کہ اس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو اور اس کے بال نکل آئے ہوں۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مردہ نکلے یا اس حالت میں نکلے کہ اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہو مگر مستحب ہے کہ اسے ذبح کیا جائے اگر وہ نکلے تو حرکت کر رہا ہو، اگر وہ پہلے خود ہی مر جائے تو اسے کھایا جائے گا۔ ابن القاسم نے کہا: میں نے ایک بھیڑ قربانی دی جب میں نے اسے ذبح کیا تو اس کا بچہ اس کے پیٹ میں حرکت کرنے لگا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا: اسے چھوڑ دو حتی کہ وہ بچہ اس کے پیٹ میں مر جائے پھر میں نے انہیں کہا کہ اس کا پیٹ چاک کر و اس کے پیٹ سے بچہ نکالا گیا میں نے اسے ذبح کیا اور اس سے خون بہہ نکلا میں نے اپنے گھر والوں کو اسے بھوننے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کہتے تھے: جب جنین کے بال نکل آئیں تو اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ سے ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جن علماء نے کہا کہ اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے انہوں نے بال نکلنے یا نہ نکلنے کا ذکر نہیں کیا۔ ان علماء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق ہیں۔ قاضی ابو الولید الباجی نے کہا: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ اشعرا ولم یشعر جنین کی ذبح اس کی ماں کی ذبح (سے) ہے خواہ اس کے بال نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام مالک کا مذہب جو اقوال میں سے صحیح ہے وہ ہے جس پر فقہاء امصار کا نظریہ ہے۔ وباللہ التوفیق

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَكَّيْتُمْ، الذکاۃ کا لغوی معنی التمام ہے اس سے تمام السن۔ الفرس المذکی وہ گھوڑا ہوتا ہے جس کے دانت مکمل ہو چکے ہوتے ہیں اور یہ قوت کا مکمل ہونا ہے۔ کہا جاتا ہے: ذکی یذکی عرب کہتے ہیں جری المذکیات غلاب۔ کامل گھوڑوں کا چلنا غالب ہوتا ہے۔ ذکاء دل کی حدت کو کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

یُفَضِّله إذا اجتهدوا علیه تَمامُ السِّنِّ منه والذَّكاءُ

ذکاء، سرعت فطنت کو کہتے ہیں اس سے فعل ذکی یذکی ذکاً والذکوۃ جس کے ساتھ آگ جلائی جاتی ہے۔ اذکیت الحرب والنار میں نے جنگ اور آگ کو بھڑکایا۔ ذکاء سورج کا نام بھی ہے، کیونکہ یہ بھی آگ کی طرح جلاتا ہے۔ الصبح ابن ذکاء۔ صبح سورج کا بیٹا ہے۔ کیونکہ یہ سورج کی روشنی سے ہوتی ہے۔ ذَكَّيْتُمْ کا معنی ہے میں نے اس کی ذبح کو مکمل پایا۔ ذکیت الذبیحۃ اذکیھا۔ یہ پاک کرنے کے معنی سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے رائحۃ ذکیۃ حیوان جب اس کا خون بہایا جاتا ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے تخفیف اس میں جلدی جاری ہوتی ہے۔ محمد بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ ذکاۃ الارض یبسھا، (1) زمین کی طہارت اس کا خشک ہونا ہے۔ اس سے مراد نجاست سے طہارت ہے پس ذبیحہ میں ذکاۃ اس کو پاک کرنا ہے اور اس لیے کھانے کے لیے مباح کرنا ہے زمین کے خشک ہونے کو نجاست کے بعد اس کے لیے طہارت بنایا ہے اور اس میں نماز مباح کرنا، ذبیحہ کی ذکاۃ کے قائم مقام ہے۔ یہ اہل عراق کا قول ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو جان لو کہ ذکاۃ شرع میں خون کا بہانا ہے اور مذبوح کی رگوں کو کاٹنا ہے۔ منحور میں نحر ہے اور جس پر قدرت نہ ہو اس میں زخمی کرنا ہے جب کہ

1۔ اخرجہ ابن ابی شیبہ، جلد 1 صفحہ 57

اللہ تعالیٰ کے قصد کی نیت متصل ہو اور اس پر اللہ کا ذکر مقرون ہو۔ مزید بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ جس چیز کے ساتھ ذبح کیا جائے گا اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو رگوں کو کاٹ دے اور خون بہادے وہ ذکاۃ کے آلات میں سے ہے سوائے دانت اور ہڈی کے۔ اس پر آثار متواتر ہیں یہی فقہاء امصار کا نظریہ ہے، دانت اور ناخن سے ذبح کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد ایسا دانت اور ناخن ہے جو جسم سے علیحدہ نہ کیا گیا ہو، کیونکہ ان سے ذبح کرنا خنق (گلا دبا کر مارنا) میں شمار ہوگا اسی طرح حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ خنق ہے مگر جو دانت اور ناخن جسم سے علیحدہ کیے گئے ہوں جب وہ رگوں کو کاٹ دیں تو اس کے ساتھ ذبح جائز ہے۔ ایک قوم نے دانت، ناخن اور ہڈی سے ہر حال میں ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ جسم سے علیحدہ کیے گئے ہوں یا نہ کیے گئے ہوں ان میں سے ابراہیم، حسن اور لیث بن سعد ہیں۔ امام شافعی سے مروی ہے اور ان کی حجت ظاہر حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ہے فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمن سے ملیں گے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہوں گی (1)۔ ایک روایت میں ہے ہم سرکنڈے کے چھلکے کے ساتھ ذبح کر سکتے ہیں (2)؟ مؤطا امام مالک میں نافع عن رجل من الانصار عن معاذ بن سعد او سعد بن معاذ سے مروی ہے کہ حضرت کعب بن مالک کی لونڈی سلع پہاڑ پر بکریاں چرا رہی تھی ان میں سے ایک بکری مرنے لگی اس لونڈی نے اسے پکڑا اور پتھر کے ساتھ ذبح کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں اور اسے کھاؤ (3)'' اور مصنف ابی داؤد میں ہے: کیا ہم پتھر کے ساتھ اور لاٹھی کی ایک طرف کے ساتھ ذبح کر دیں (4)؟ فرمایا: جلدی کرو جو خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو اور کھاؤ۔ لیکن دانت اور ناخن سے ذبح نہ ہو میں تمہیں اس کی وجہ بتاتا ہوں دانت، ہڈی ہے اور ناخن، حبشیوں کی چھری ہے'' (5)۔ اس حدیث کو مسلم نے تخریج کیا ہے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے فرمایا: جو سرکنڈے کے چھلکے، لکڑی کے چھلکے اور پتھر کے ٹکڑے سے ذبح کیا گیا ہو وہ حلال اور پاک ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ امام مالک اور ایک جماعت نے کہا: ذکاۃ (ذبح) صحیح نہیں ہے مگر حلقوم اور ودجین کے کاٹنے کے ساتھ۔ امام شافعی نے فرمایا: حلقوم اور مری کے کاٹنے کے ساتھ صحیح ہے اور ودجین کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ کھانے اور مشروب کی گزرگاہ ہیں ان کے ساتھ زندگی نہیں ہے اور یہی موت سے مقصود ہے (6)۔ امام مالک وغیرہ نے اس حیثیت سے موت کا اعتبار کیا جس کے ساتھ گوشت اچھا ہو اور اس میں حلال حرام سے جدا ہوتا ہے جو اوداج کے کاٹنے کے ساتھ نکلتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اس پر حضرت رافع بن خدیج کی حدیث دلالت کرتی ہے جس میں ہے ''جو خون بہا دے'' (7)۔ بغدادی علماء نے امام مالک سے روایت کیا ہے وہ چار رگوں کو کاٹنا شرط قرار دیتے ہے۔ حلقوم، ودجین اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156۔ ایضاً صحیح بخاری، باب قسمہ الغنم، حدیث 2308، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 157　　3۔ مؤطا امام مالک، کتاب الذبائح، صفحہ 489

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا والصید، جلد 2، صفحہ 34۔ ایضاً سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا والصید، حدیث 2438، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156　　6۔ احکام القرآن، جلد 2، صفحہ 522　　7۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156

مری۔ یہ ابوثور کا قول ہے مشہور جو گزرا ہے وہ لیث کا قول ہے پھر ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے جب ودجین میں سے ایک رگ کاٹی اور حلقوم کاٹا جائے۔ کیا وہ ذبح شمار ہو گی یا نہیں؟

مسئلہ نمبر 12۔ علماء کا اجماع ہے کہ ذبح جب حلق میں عقدہ کے نیچے ہو تو ذبح مکمل ہے اس میں اختلاف ہے جو عقدہ سے اوپر ذبح ہو اور بدن تک پہنچ جائے کیا وہ ذبح ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں: امام مالک سے مروی ہے کہ عقدہ سے اوپر ذبح کیا جانے والا جانور نہیں کھایا جائے گا اسی طرح اگر گدی سے ذبح کیا اور پورا کاٹا اور خون بہہ پڑا اسے نہیں کھایا جائے گا اسی طرح اگر گدی سے ذبح کیا اور پورا کاٹا اور خون بہہ پڑا حلقوم اور ودجین بھی کاٹ ڈالیں تو نہیں کھایا جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: کھایا جائے گا، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے، یہ اصل پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ ذبح سے اگرچہ مقصود خون بہانا ہے، اس میں ایک قسم کا تعبد (مکلف بنانا) ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق میں ذبح کیا اور لبہ میں نحر کیا۔ اور فرمایا: ذبح حلق اور لبہ میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کا محل بیان کیا اور اس کی جگہ کو متعین فرمایا اور اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جو خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھاؤ'' (1)۔ جب یہ اہتمام نہ کیا گیا ہو اور نہ نیت کے ساتھ واقع ہو نہ شرط کے ساتھ اور نہ مخصوص صفت کے ساتھ واقع ہو تو اس سے تعبد کا خط زائل ہو گا پس اسے نہیں کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ اس میں اختلاف ہے جو ذکاۃ (ذبح) مکمل کرنے سے پہلے ہاتھ اٹھالے پھر فوراً ذبح کرنا شروع کر دے اور ذبح کو مکمل کرے۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز ہے۔ بعض نے فرمایا: جائز نہیں۔ پہلا قول اصح ہے، کیونکہ اس سے اسے زخمی کیا پھر اسے بعد میں ذبح کیا جب کہ اس میں ابھی زندگی باقی تھی۔

مسئلہ نمبر 14۔ مستحب ہے کہ ذبح نہ کرے مگر وہ جس کی حالت پسندیدہ ہو اور جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور سنت طریقہ پر ذبح کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، بالغ ہو یا نابالغ ہو اس کا ذبح کرنا جائز ہے جب وہ مسلمان ہو یا کتابی ہو مسلمان کا ذبح کرنا، کتابی کے ذبح کرنے سے افضل ہے۔ قربانی کو صرف مسلمان ذبح کرے۔ قربانی کو کتابی ذبح کرے تو اس میں اختلاف ہے۔ تحصیل المذہب میں یہ جائز نہیں اور اشہب نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ پالتو جانوروں میں سے جو وحشی ہو جائے اس کی ذکاۃ میں سے جائز نہیں مگر جو پالتو جانور میں جائز ہے۔ یہ امام مالک اور اس کے اصحاب، ربیعہ اور لیث بن سعد کے قول کے مطابق ہے۔ اسی طرح کنویں میں گرنے والے کی ذکاۃ نہ ہو گی مگر ذبح کی سنت پر حلق اور لبہ کے درمیان۔ ان دونوں مسئلوں میں بعض اہل مدینہ نے مخالفت کی ہے اس باب میں دلیل حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ہے جو گزر چکی ہے، اس کا تمام اس قول کے بعد ہے فمدی الحبشة۔ حضرت رافع نے کہا: ہم نے اونٹ اور بکریاں چھینیں تو اس مال غنیمت میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا، ایک شخص نے اسے تیر مارا تو اس نے اسے روک لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اونٹوں میں کچھ وحشی بن جاتے ہیں جس طرح وحشی جانور ہوتے ہیں جب تم پر ان میں سے کوئی چیز غالب آجائے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو'' (2)۔ ایک روایت میں ہے ''اسے کھاؤ''۔ یہی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 157

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس فعل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب کرنا دلیل ہے کہ ذکاۃ ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو ابوداؤد اور ترمذی نے ابوالعشراء سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ذبح نہیں ہوگی مگر حلق اور لبۃ میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تو اس کی ران میں نیزہ مارے تو بھی جائز ہے'' (1)۔ یزید بن ہارون نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، امام احمد بن حنبل نے اسے پسند کیا اور اسے انہوں نے ابوداؤد سے روایت کیا اور ان پر جو حفاظ داخل ہوتے انہیں اس حدیث کے لکھنے کا اشارہ کیا۔ ابوداؤد نے کہا: یہ درست نہیں مگر گرنے والے اور وحشی بننے والے جانور میں۔ ابن حبیب نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے جو کسی گہرائی میں گر جائے اور اس کی ذبح تک نہ پہنچا جا سکتا ہو مگر ذکاۃ کی جگہ کے علاوہ جگہ میں نیزہ مارنے کے ساتھ۔ یہ ایک قول ہے جو امام مالک اور اس کے اصحاب سے مروی ہے۔ ابوعمر نے کہا: اہل علم میں امام شافعی کا قول اظہر ہے اسے کھایا جائے گا جس کے ساتھ وحشی کو کھایا جاتا ہے اس کی وجہ حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ہے۔ یہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ اور قیاس کی جہت سے جب وحشی پر ذبح کی قدرت ہو تو وہ حلال نہیں ہوتا مگر اس طرح ذبح کے ساتھ جس طرح پالتو جانور کو ذبح کیا جاتا ہے، کیونکہ اب اس پر قدرت حاصل کی گئی ہے اسی طرح قیاس میں مناسب تھا کہ جب پالتو جانور وحشی بن جائے یا پکڑائی نہ دینے میں وحشی کی طرح ہو جائے تو وہ بھی حلال نہ ہوگا مگر اسی طریقہ پر جس طریقہ پر وحشی حلال ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے علماء نے حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب کرنا وہ اس کو روکنے پر ہے نہ کہ ذکاۃ پر ہے۔ یہی حدیث کا مقتضی اور ظاہر ہے، کیونکہ فرمایا: فحبسہ۔ پس اس نے اسے روک لیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ تیر نے اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح اس کا حکم ہے جس پر غالب احوال میں قدرت ہوتی ہے پس اس سے نادر کا خیال نہیں کیا جائے گا اور یہ شکار میں ہوتا ہے حدیث نے صراحت کی کہ تیر نے اسے روک لیا۔ محبوس ہونے کے بعد اس پر قدرت حاصل ہوگی پس اسے نہیں کھایا جائے گا مگر ذبح اور نحر کے ساتھ۔ واللہ اعلم۔

رہی ابوالعشراء کی حدیث اس کے بارے میں ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر حماد بن سلمہ کی حدیث سے اور ابوالعشراء عن ابیہ کی سند کو نہیں جانتے مگر اس حدیث میں۔ ابوالعشراء کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس کا اسم اسامہ بن قہطم ہے۔ کہا جاتا ہے اس کا اسم یسار بن برز ہے۔ کہا جاتا ہے: بلز نام تھا۔ کہا جاتا ہے: اس کا نام عطارد تھا اپنے دادا کی طرف منسوب تھا۔ یہ سند مجہول ہے اس میں حجت نہیں ہے اگر اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے جیسے یزید بن ہارون نے کہا تو پھر بھی اس میں حجت نہ ہوتی، کیونکہ اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ کسی عضو میں بھی ذبح جائز ہے خواہ اس پر قدرت ہو یا نہ ہو اور مقدور میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں پس اس کا ظاہر قطعاً مراد نہیں ہے۔ ابوداؤد اور ابن حبیب کی تاویل متفق علیہ نہیں ہے پس اس میں حجت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ابوعمر نے کہا: امام مالک کی حجت یہ ہے کہ علماء کا اجماع ہے کہ اگر پالتو جانور بھاگ نہ جائے تو اس کی ذبح اسی طریقہ پر

1۔ جامع ترمذی، کتاب الصید، جلد 1، صفحہ 179۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی ذبیحۃ المتردیۃ، حدیث 2442، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوگی جو مقدور علیہ جانور کی ہے۔ پھر اختلاف ہے پس وہ اپنے اصل پر ہوگی حتی کہ وہ اتفاق کرلیں۔ پس اس میں حجت نہیں ہے کیونکہ ان کا اجماع مقدور علیہ پر منعقد ہے اور یہ غیر مقدور پر ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اس باب کے تمام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے پس جب تم قتل کرو تو بہتر انداز میں قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو بہتر انداز میں ذبح کرو تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو راحت دے" (1)۔ اس حدیث کو مسلم نے حضرت شداد بن اوس سے روایت کیا ہے فرمایا: دو چیزیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ کتب۔ پھر مکمل حدیث ذکر فرمائی۔ ہمارے علماء نے فرمایا: چوپائیوں میں ذبح کا احسان یہ ہے کہ ان سے نرمی کرنا، اسے سختی سے نہ گرائے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک کھینچ کر نہ لے جائے اور آلہ کو تیز کرنا، اباحت کی نیت کو حاضر کرنا اور قربت کی نیت کرنا اور انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا اور اسے جلدی قتل کرنا۔ ودجین اور حلقوم کو کاٹنا اور اسے آرام دینا اور اسے ٹھنڈا ہونے تک چھوڑے رکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا اعتراف کرنا اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا کہ اس نے ہمارے لیے اسے مسخر کیا اگر وہ چاہتا تو اسے ہم پر غالب کر دیتا۔ اور ہمارے لیے مباح فرمایا، اگر وہ چاہتا تو اسے ہم پر حرام کر دیتا۔ ربیعہ نے کہا: ذبح کے احسان میں سے یہ ہے کہ دوسرے جانور کے سامنے جانور کو ذبح نہ کیا جائے۔ امام مالک سے اس کا جواز حکایت کیا گیا ہے، پہلا قول احسن ہے۔ اور رہا قتل میں احسان تو وہ ہر چیز ذبح، قصاص اور حدود وغیرہ میں عام ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریطۃ الشیطان سے منع فرمایا ہے (2)، ابن عیسیٰ نے اپنی حدیث میں یہ زائد کیا ہے۔ "شریطۃ الشیطن یہ ہے کہ جانور کو ذبح کیا جائے اور کاٹا جائے اور اس کی اوداج رگیں نہ کاٹی جائیں پھر اسے چھوڑ دیا جائے حتی کہ وہ مر جائے"۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ابن فارس نے کہا: نصب پتھر تھے جو نصب کیے جاتے تھے اور ان کی عبادت کی جاتی تھی اور ان پر ذبح شدہ جانوروں کا خون ڈالا جاتا تھا اور یہی النصب بھی ہے۔ النصائب وہ پتھر جو کنویں کے کناروں کے ارد گرد لگائے جاتے ہیں پھر ان کے آخری پتھروں کو رنگ کیا جاتا ہے اور اٹھنے والا اغبار۔ بعض علماء نے فرمایا: النصب جمع ہے اس کا واحد نصاب ہے جیسے حمار کی جمع حمر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اسم مفرد ہے اور اس کی جمع انصاب ہے اور یہ تین سو ساٹھ پتھر تھے۔ طلحہ نے اسے النصب صاد کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے النصب نون کے فتحہ اور صاد کے جزم کے ساتھ ہے۔ جحدری نے کہا: نون اور صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے اس نے اسے مفرد اسم بنایا ہے جیسے الجبل اور الجمل اس کی جمع انصاب ہے جیسے اجمال اور اجبال۔ مجاہد نے کہا: یہ وہ پتھر ہیں جو مکہ کے ارد گرد تھے لوگ ان پر اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ ابن جریج نے کہا: عرب جانور مکہ میں ذبح کرتے تھے اور ان کا خون بیت اللہ کے سامنے والی دیوار پر مل دیتے تھے اور گوشت کو کاٹتے تھے اور اسے ان پتھروں پر رکھ دیتے تھے۔ جب اسلام آیا تو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 152
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، جلد 2، صفحہ 34

مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم زیادہ حق دار ہیں کہ بیت اللہ کی تعظیم کریں ان افعال کے ساتھ۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا (الحج: 37) اور وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا ارشاد نازل ہوا۔ معنی یہ ہے کہ اس میں نصب کی تعظیم کی نیت تھی (اس لیے حرام ہیں) نہ کہ ان پر ذبح کرنا جائز نہیں۔ اعشیٰ نے کہا:

وَذَا النُّصُبَ المنصوبَ لا تَنْسُكَنَّهُ　　لِعافيةٍ واللهَ رَبَّكَ فَاعْبُدَا

بعض علماء نے فرمایا: علی بمعنی لام ہے یعنی ان کی خاطر۔ قطرب نے کہا: ابن زید نے کہا: مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ایک چیز ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ، مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا جز ہے لیکن اس کی جنس کے بعد امر کی شہرت اور موضع کے شرف اور نفوس کا اس کی تعظیم کرنے کی وجہ سے خصوصی اس کا ذکر فرمایا (1)۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ یہ ماقبل پر معطوف ہے (اَنْ) محل رفع میں ہے یعنی جوئے کے تیروں کو تقسیم کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے۔ الازلام، جوئے کے تیر۔ اس کا واحد زَلَمَ اور زُلَم ہے، فرمایا:

باتَ يُقاسِيها غلامٌ كالزَّلَمْ

دوسرے نے کہا:

فَلَئِنْ جَذِيمةُ قَتَلت سَرَواتِها　　فنساءها يَضْرِبن بالأَزْلامِ

محمد بن جریر نے ذکر کیا ہے کہ ابن وکیع نے انہیں بیان کیا اور انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے شریک سے انہوں نے ابی حصین سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ الأزلام سفید پتھر تھے جن کو لوگ مارتے تھے۔ محمد بن جریر نے کہا: ہمیں سفیان بن وکیع نے فرمایا: یہ شطرنج ہے۔ رہا لبید کا قول:

تَزِلُّ عن الثَّرَى أزلامُها

علماء فرماتے ہیں: شاعر نے یہاں أزلام سے مراد وحشی گائیوں کے کھر لیے ہیں۔ عربوں کے لیے ازلام کی تین اقسام تھیں ان میں سے تین وہ ہیں جو ہر انسان اپنے لیے استعمال کرتا تھا ایک تیر پر لکھا ہوتا افعل (تو کر) اور دوسرے پر لکھا ہوتا لا تفعل (تو نہ کر) اور ایک تیر خالی ہوتا اس پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔ وہ ان تیروں کو اپنی زنبیل میں رکھتا۔ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا تو اس زنبیل میں ہاتھ ڈالتا اگر افعل والا تیر نکلتا تو وہ کام کر لیتا اور اگر لا تفعل والا تیر نکلتا تو کام کو نہ کرتا اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر کچھ نہ لکھا ہوتا تو دوبارہ ہاتھ ڈالتا۔ سراقۃ بن جعشم نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا ہجرت کے وقت پیچھا کیا تو اس نے اس طرح تیر نکالے۔ اس فعل کو استقسام کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اس سے رزق تقسیم کرتے تھے اور جس چیز کا ارادہ کرتے تھے جیسے کہا جاتا ہے۔ الاستقساء کا معنی ہے پانی کو طلب کرنا۔ اس کی مثال جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے وہ نجومی کا قول ہے وہ کہتا ہے: فلاں ستارے کی وجہ سے تو نہ نکل اور فلاں ستارے کی وجہ سے تو نکل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 153

تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا (لقمان: 34) آگے اس کا بیان تفصیل سے آئے گا۔

دوسری قسم تیروں کی یہ تھی کہ جوف کعبۃ میں ہبل (بت) کے پاس سات تیر ہوتے تھے جن پر وہ سارے معاملات لکھے ہوتے تھے جو لوگوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں ان تیروں میں سے ہر تیر پر ایک تحریر تھی، ایک تیر میں دیات کا ذکر ہوتا تھا دوسرے پر لکھا ہوتا منکم (تم سے) ایک پر لکھا ہوتا تھا (من غیر کم) تمہارے غیر سے۔ ایک پر لکھا ہوتا ملصق اور باقی تمام میں پانی وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے۔ ان تیروں کا استعمال عبد المطلب نے اپنے بیٹوں پر کیا تھا جب اس نے ایک کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی جب وہ دس مکمل ہو جائیں گے۔ یہ مشہور واقعہ ابن اسحاق نے ذکر کیا یہ سات تیر عربوں کے کاہنوں اور حکام میں سے ہر ایک کے پاس ہوتے تھے جیسا کہ کعبہ میں ہبل کے پاس ہوتے تھے۔

تیسری قسم تیروں کی یہ تھی کہ جوئے کے تیر۔ یہ دس تیر ہوتے تھے اس میں سے سات پر حصے لکھے ہوتے تھے اور تین پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا یہ وہ بطور لہو ولعب جوئے کے لیے استعمال کرتے تھے اور ان کے عقلاء ان سے مسکینوں اور ناداروں کو سخت دن اور سردیوں میں کھانا کھلانے کا قصد کرتے تھے۔ مجاہد نے یہاں اَلۡاَزۡلَامُ سے مراد وہ گوٹیاں لی ہیں جن کے ساتھ رومی اور فارسی لوگ جوا کھلتے تھے۔ سفیان اور وکیع نے کہا: یہ شطرنج ہے۔ الاستقسام سے مراد حصہ اور نصیب طلب کرنا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ باطل ذریعے سے مال کھانا ہے اور یہ حرام ہے ہر جوا جو کبوتروں کے ساتھ، تاش کے ساتھ یا شطرنج کے ساتھ یا اس طرح دوسری کھیلوں کے ساتھ کھیلا جائے تو وہ استقسام کے معنی میں ہے اور یہ سب حرام ہیں۔ یہ کہانت کی ایک قسم ہے اور علم غیب کا دعویٰ پیش کرنا ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے ان امور سے منع کیا ہے جو نجومی راستوں پر تیروں سے کرتے تھے جو تیر ان کے پاس ہوتے تھے اور اسی طرح فال کے پتے ہوتے تھے۔ الکیا طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے منع کیا ہے جو امور غیب سے متعلق ہوتے ہیں، کیونکہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا۔ المغیبات کی تعریف میں تیروں کا کوئی اثر نہیں۔ بعض لوگوں نے امام شافعی پر رد کا اس سے استنباط کیا ہے جو وہ آزاد کرنے میں غلاموں کے درمیان قرعہ اندازی کا کہتے ہیں، اس شخص نے یہ نہیں جانا کہ جو امام شافعی نے کہا اس کی بنیاد اخبار صحیحہ پر ہے۔ اس کا استقسام بالازلام کی نہی سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آزاد کرنا حکم شرعی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شرع نے قرعہ کے نکلنے کو آزادی کے حکم کے اثبات پر علامت بنایا ہو تا کہ خصومت ختم ہو جائے یا کوئی مصلحت ہو جو شریعت کے پیش نظر ہو۔ پس مذکورہ قائل کا قول اس کے مساوی نہیں ہوسکتا "جب تو ایسا کرے گا یا تو ایسے کہے گا" تو یہ ہوگا یہ مستقبل کے کسی کام پر دلالت کرتا ہے۔ پس تیر کا نکلنا کسی چیز پر علامت بنانا جائز نہیں جو مستقبل میں ہونا ہوتی ہے اور قرعہ کے نکلنے کو آزادی پر قطعی طور پر علامت بنانا جائز ہے پس دونوں بابوں کے درمیان جدائی ظاہر ہوگئی۔

مسئلہ نمبر 19۔ فال کا طلب کرنا اس باب سے نہیں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا راشد، یا نجیح سننا پسند تھا (1)۔ اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فال کو پسند کرتے تھے، کیونکہ امید پوری ہونے

1۔ جامع ترمذی، کتاب السیر، جلد 1، صفحہ 194۔ ایضاً حدیث 1541، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور حاجت پانے کے ساتھ آپ کے نفس کو خوشی ہوتی تھی اور انشراح حاصل ہوتا تھا، پس الله تعالیٰ پر حسن ظن اچھی چیز ہے۔ الله تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برے شگون کو ناپسند کرتے تھے، کیونکہ یہ شرکیہ اعمال میں سے تھے، کیونکہ یہ الله تعالیٰ کے متعلق برے گمان کو کھینچتا ہے۔ خطابی نے کہا: فال اور برے شگون کے درمیان فرق یہ ہے کہ فال الله تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے طریق سے ہے اور براشگون اس کے علاوہ کسی چیز پر بھروسہ کرنے کے طریق سے ہے۔ اصمعی نے کہا: میں نے ابن عون سے فال کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: کوئی شخص مریض ہو اور یا سالم کا کلمہ سنے یا کوئی شخص گم شدہ چیز کو تلاش کرنے والا ہو اور وہ سنے یا واجد۔ یہ ترمذی کی حدیث کا معنی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے ''بدشگونی کچھ نہیں اور اس سے بہتر فال ہے'' پوچھا گیا: یارسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم فال کیا ہے؟ فرمایا: ''اچھا کلمہ جو تم میں سے کوئی سنتا ہے'' (2)۔ الطیرة (بدشگونی) کا مزید مفہوم ان شاء الله آگے آئے گا۔

حضرت ابو الدرداء رضی الله عنہ سے مروی ہے فرمایا: علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم برداشت کرنے سے آتا ہے، جو خیر کو تلاش کرتا ہے وہ اسے عطا کی جاتی ہے اور جو شر سے بچتا ہے اسے اس سے بچایا جاتا ہے تین شخص ایسے ہیں جو بلندیاں نہیں پاتے جس نے کہانت کی یا تیر نکالے اور بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس آ گیا۔

مسئلہ نمبر 20۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یہ تیر نکالنے کی طرف اشارہ ہے۔ الفسق کا معنی نکلنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مذکورہ تمام چیزوں کی طرف راجع ہے، جو حرام تھیں ان کو حلال سمجھنا ہے، ان میں سے ہر چیز فسق ہے اور حلال سے حرام تک نکلنا ہے، ان محرمات سے عقود کو پورا کرنے سے رکنا ہے الله تعالیٰ نے فرمایا: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

مسئلہ نمبر 21۔ الله تعالیٰ نے فرمایا: اَلْیَوْمَ یَىِٕسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ یعنی تمہارا ان کے دین کی طرف لوٹنا کافر ہو کر، اس سے کافر مایوس ہو چکے ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی جب مکہ فتح ہوا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے نو ہجری 22 رمضان کو مکہ فتح کیا۔ بعض نے فرمایا: آٹھ ہجری کو فتح ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندادی: خبردار! جس نے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا وہ امن میں ہو گا اور جس نے ہتھیار ڈال دیا وہ امن میں ہے، جس نے دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے۔ یئس میں دو لغتیں ہیں یئس ییئس یأساً، أیس یایئس أیاساً و أیاسة یہ نضر بن شمیل نے کہا ہے: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو میں تمہاری مدد پر قادر ہوں۔

مسئلہ نمبر 22۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو اس وقت صرف نماز فرض تھی جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو الله تعالیٰ نے آپ کے حج کرنے تک حلال اور حرام نازل کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا اور دین مکمل فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 2، صفحہ 1117۔ ایضاً، حدیث نمبر 6856، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 2، صفحہ 231

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ ائمہ حدیث نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے، فرمایا: ایک یہودی حضرت عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ حضرت عمر نے کہا: وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے کہا: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ حضرت عمر نے کہا: میں اس دن کو جانتا ہوں جس دن میں نازل ہوئی اور (اس مکان کو جانتا ہوں جس میں وہ نازل ہوئی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عرفہ کے دن جمعہ کے دن نازل ہوئی (1)۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور نسائی کے ہاں جمعہ کی رات کا ذکر ہے۔ روایت ہے کہ جب یہ حج اکبر میں نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھا تو حضرت عمر رونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ حضرت عمر نے عرض کی: مجھے اس چیز نے رلایا ہے کہ ہمارے دین میں زیادتی ہو رہی تھی اب جب ہمارا دین مکمل ہو گیا ہے تو کوئی چیز مکمل نہیں ہوتی مگر وہ کم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا ہے''۔ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی (2)۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول اصح ہے، یہ جمعہ کے دن نازل ہوئی اور سن دس ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر عصر کے بعد عرفہ کا دن تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی عضباء پر عرفہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اونٹنی کا بازو وحی کے بوجھ کی وجہ سے ٹوٹنے کے قریب تھا تو وہ اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ الیوم سے مراد دن کا بعض حصہ بھی لیا جاتا ہے۔ اسی طرح الشہر سے مراد بعض مہینہ لیا جاتا ہے۔ تو کہتا ہے: ہم نے مہینہ میں یہ یہ کیا اور سال میں یہ یہ کیا۔ یہ تو معلوم ہے کہ تو نے پورے مہینہ اور پورے سال میں یہ نہیں کیا یہ عرب و عجم کی لغت میں استعمال ہوتا ہے۔ الدین سے مراد وہ شرائع ہیں جو ہمارے لیے مشروع اور مفتوح ہوئیں، کیونکہ یہ شرائع تھوڑی تھوڑی نازل ہوئیں اور آخر میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ یہ حضرت ابن عباس اور سدی کا قول ہے۔ جمہور علماء نے کہا: اس سے مراد بڑے بڑے فرائض اور تحلیل و تحریم ہیں۔ فرمایا: اس کے بعد بھی بہت سا قرآن نازل ہوا اور اس کے بعد آیت ربا نازل ہوئی۔ اور آیت کلالۃ نازل ہوئی۔ پس دین کا بڑا حصہ اور حج کا امر مکمل ہوا، کیونکہ اس سال میں مسلمانوں کے ساتھ کسی مشرک نے طواف نہ کیا اور نہ بیت اللہ کا کسی برہنہ شخص نے طواف کیا تمام لوگ عرفہ میں ٹھہرے۔ بعض علماء نے فرمایا: اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ یعنی تمہارے لیے تمہارے دشمنوں کو میں نے ہلاک کر دیا اور تمہارے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دیا جیسے تو کہتا ہے: ہمارے لیے وہ مکمل ہوا جو ہم چاہتے تھے جب تیرے دشمن کا کام تمام کر دیا جائے۔

مسئلہ نمبر 23۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ شرائع اور احکام کی تکمیل کر کے اور دین اسلام کو غلبہ دے کر تم پر اپنی نعمت کو مکمل کیا جیسا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، کیونکہ میں نے کہا تھا: وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ (بقرہ: 150) یہ مکہ میں امن اور اطمینان سے داخل ہونا ہے اور اس کے علاوہ نعمتیں ہیں جو اس ملت حنیفہ کو جنت کے دخول تک میسر آئی ہیں۔

مسئلہ نمبر 24۔ شاید کوئی کہنے والا کہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے یہ دین کامل نہ تھا۔ یہ اس بات کا موجب ہے کہ پہلے جتنے مہاجرین و انصار فوت ہو گئے ہیں اور وہ لوگ جو بدر اور حدیبیہ میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 11۔ ایضاً، حدیث 43، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 154

حاضر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیعتیں کی تھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفسوں کی قربانی دی تھی اور ساتھ ساتھ بڑی بڑی مشقتیں برداشت کی تھیں وہ لوگ ناقص دین پر فوت ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقص دین کی طرف اس عرصہ میں دعوت دیتے رہے اور یہ مسلم ہے کہ نقص عیب ہے اور اللہ کا دین قیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دینا قیما۔ ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ تو نے یہ کیوں کہا کہ ہر نقص عیب ہے اس پر تمہاری دلیل کیا ہے۔ پھر کہا جائے گا: کیا مہینہ کا کم ہونا کیا یہ عیب ہے اور مسافر کی نماز کا کم ہونا کیا یہ اس کے لیے عیب ہے اور عمر کا نقصان جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ (فاطر: 11) سے ارادہ فرمایا کیا یہ اس کے لیے عیب ہے، عادت سے کم دنوں میں حیض کا ختم ہونا اور حمل کے ایام کا کم ہونا اور چوری کے ساتھ یا جلنے کے ساتھ یا غرق ہونے کے ساتھ مال کا کم ہونا جب کہ اس کا مالک محتاج نہ ہو؟ پس تو نے انکار نہیں کیا کہ شرع میں دین کے اجزاء کی کمی اس کے باقی اجزاء کے لاحق ہونے سے پہلے جو اللہ کے علم میں باقی ہیں یہ عیب اور شین نہیں ہے اور تو نے انکار نہیں کیا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے ارشاد کا معنی دو اعتبار سے ہے۔

(۱) اس سے مراد یہ ہوگا کہ میں نے اس دین کو اس انتہائی حد تک پہنچایا جو میرے نزدیک تھی جس کا میں نے فیصلہ کیا اور جس کا میں نے اندازہ کیا اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے اس میں ایسا نقص تھا جو عیب شمار ہوتا، لیکن یہ نقصان مقید کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ کہا جائے گا کہ اس اعتبار سے ناقص تھا جو اللہ تعالیٰ کے پاس تھا جو اس کو لاحق ہونے والا اور اس سے ملنے والا تھا مثلاً ایک شخص جس کو اللہ تعالیٰ سو سال تک پہنچانے والا تھا پس کہا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر کو مکمل کیا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی عمر جب ساٹھ سال تھی تو وہ ناقص تھی جو قصور اور خلل کا نقص تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جس کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر تک پہنچایا تو اب اس کی عمر میں عذر کا محل نہیں رہا (1) لیکن نقصان مقید کے ساتھ موصوف کرنا جائز ہے۔ پس کہا جائے گا: جو اس کی عمر اللہ کے پاس تھی اس اعتبار سے ناقص تھی اللہ تعالیٰ اسے اس عمر تک پہنچانے والا ہے اور اسے لمبی عمر دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتیں مکمل فرمائیں اگر اس کے لیے اکمال کا لفظ بولا جائے تو کلام صحیح ہوگی۔

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب دو رکعتیں ہوتی ہیں تو وہ ناقص ہوتی ہیں اور قصور اور خلل کا نقص ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اللہ کے نزدیک ناقص تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اور چیز ملا دی اور اس پر کچھ زائد کر دیا تو اس طرح صحیح ہوگا۔ اسی طرح شرائع اسلام کا حکم ہے۔ شریعت کے احکام جو آہستہ آہستہ تھوڑے تھوڑے آئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو اس منتہیٰ تک پہنچا دیا جو اس کے پاس تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس حج کی توفیق بخشی جس کے علاوہ ان پر اور ارکان دین باقی نہ تھے۔ پس صحابہ کرام نے حج کیا تو ان کے لیے دین جمع ہوا، اس لیے ارکان کی ادائیگی کے اعتبار سے اور فرائض کے قیام کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ "اسلام کی بنیاد پانچ احکام پر ہے" (2)۔ صحابہ کرام نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من بلغ ستین سنة، الخ، حدیث نمبر 5940، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 32۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 7، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کلمہ کی شہادت بھی دی، نماز بھی پڑھی، زکوٰۃ بھی دی، روزے بھی رکھے، جہاد بھی کیا اور عمرہ بھی کیا، لیکن حج نہیں کیا تھا۔ جب انہوں نے اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل کیا جب کہ وہ عرفہ کی شام موقف میں تھے۔ اس سے مراد یہ لیا کہ ان کے لیے دین کی وضع کو مکمل کیا۔ اس میں دلالت ہے کہ تمام طاعات، دین ایمان اور اسلام ہیں۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا یعنی میں نے تمہیں بتایا کہ میری رضا تمہارے لیے دین میں ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمارے لیے دین کو پسند کیا، پس اس دن کے ساتھ رضا کے خاص ہونے کا فائدہ نہ ہوگا اگر ہم اس کو اپنے ظاہر پر محمول کریں۔ دِيْنًا تمیز کی بنا پر منصوب ہے اگر تو چاہے تو مفعول ثانی بنا دے۔ اگر کہا جائے کہ اس کا معنی ہے میں نے تمہارے لیے پسند کیا جب تم نے میرے لیے اس دین کا اقرار کیا جو تمہارے لیے میں نے شروع کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا سے مراد یہ ہو کہ میں نے تمہارے اسلام کو پسند کیا بطور دین جس پر تم آج ہو یہ اپنے کمال کے ساتھ ہمیشہ باقی رہے گا، اس سے کوئی چیز منسوخ نہیں کروں گا۔ واللہ اعلم

اسلام اس آیت میں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان الدین عند اللہ الاسلام میں ہے جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تھا اس کی جو اس میں تفسیر کی گئی تھی وہ ایمان، اعمال اور دوسرے احکام کا نام ہے۔(1)

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ یعنی جس کو مردار اور دوسری تمام محرمات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں ان کے کھانے کی ضرورت ہو، المخمصة کا معنی بھوک ہے اور طعام سے پیٹ کا خالی ہونا ہے۔ الخمص پتلے پیٹ والا، رجل خميص و خمصان، امرأة خميصة و خمصانة پتلے پیٹ والا مرد اور پتلے پیٹ والی عورت۔ اسی سے ہے: اخمص القدم نیچے سے پاؤں کی خالی جگہ۔ اکثر یہ بھوک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ الاعشیٰ نے کہا:

تبیتون فی المشتی ملاء بُطُونکم وجاراتکم غَرْثَیٰ یَبِتْنَ خَمَائِصا

یعنی تمہاری لونڈیاں بھوک پر رات گزارتی ہیں جب کہ ان کے پیٹ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

والبطن ذُوعُكَنٍ خَمِيْص لَيِّن والنَحْر تَنْفُجُه بِثَدْيٍ مُقْعَدِ

حدیث شریف میں: خِمَاص البطون خِفافُ الظهور۔ خالی پیٹوں والے ہلکی پیٹھوں والے۔ الخماص، الخميص کی جمع ہے، ملے ہوئے پیٹ والا یعنی وہ لوگوں کے اموال سے آنکھیں بند کرنے والے ہیں۔ اسی سے حدیث ہے انّ الطیر تَغدو خِماصا و تَرُوح بِطانًا(2) پرندے صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹوں سے واپس آتے ہیں۔ الخمیصة کپڑے کو بھی کہتے ہیں۔ اصمعی نے کہا: الخمائص ریشمی کپڑے یا بیل بوٹوں والے اونی کپڑے، یہ کالے کپڑے ہیں اور یہ لوگوں کے لباس سے تھے۔ اضطرار کا معنی اور اس کا حکم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ یعنی وہ حرام کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ یہ غَيْرَ

1۔ صحیح بخاری، باب سوال الجبرائیل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ایمان، حدیث نمبر 48، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ابن ماجہ، باب التوکل و الیقین، حدیث نمبر 4153، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ (بقرہ:173) کے معنی میں ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ الجنف کا معنی میل ہونا ہے الاثم سے مراد حرام ہے۔ اسی سے حضرت عمر کا قول ہے ماتجانفنا فیہ لاثم یعنی ہم جان بوجھ کر گناہ اور حرام کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ ہر مائل ہونے والا متجانف ہے۔ نخعی، یحییٰ بن وثاب اور سلمی نے متجنف بغیر الف کے پڑھا ہے۔ یہ معنی میں زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ عین کلمہ کا مشدد ہونا معنی میں مبالغہ اور توغل کا اور حکم کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے۔ تفاعل کا معنی کسی چیز کی حکایت کرنا اور اس سے قریب ہونا ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا جب تو کہتا ہے: تمایل الغصن یہ اس معنی کا تقاضا کرتا ہے کہ ٹہنی کا جھکنا اور میل ہونے کے قریب ہونا اور جب تو یہ کہتا ہے تمیل تو میل کا حکم ثابت ہوتا ہے، اسی طرح تصاون الرجل اور تصون الرجل ہے تعاقل اور تعقل ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں معصیت کا قصد کرنے والا نہیں۔ یہ قتادہ اور امام شافعی نے کہا ہے۔ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لیے غفور و رحیم ہے، پس اس میں حذف ہے۔ سیبویہ نے کہا:

قد أصبحتْ أمُّ الخيارِ تدّعي　　علَيّ ذنبا كلُّه لم أصنَعِ

اس میں مراد لم اصنعہ ہے پس ضمیر کو حذف کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

''پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لیے؟ آپ فرمائیے: حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے، تم سکھاتے ہو انہیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لیے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت تیز ہے حساب لینے میں''۔

اس میں اٹھارہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَسْـَٔلُوْنَكَ یہ آیت حضرت عدی بن حاتم اور حضرت زید بن مہلہل کے سبب نازل ہوئی اور یہ زید الخیل ہے جس کا نام رسول اللہ ﷺ نے زید الخیر رکھا تھا ان دونوں صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم کتوں اور بازوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں، کتے گائیوں، جنگلی گدھوں اور ہرنوں کو پکڑتے ہیں پھر کچھ تو ذبح کر لیے جاتے ہیں اور بعض کو کتے مار ڈالتے ہیں ہم ان کو ذبح نہیں کر سکتے جب کہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کیا ہے پس ہمارے لیے کیا حلال ہوگا؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ۔ مَا محل رفع میں مبتدا ہے اور اس کی خبر اُحِلَّ لَكُمْ ہے اور ذا زائدہ ہے اگر تو چاہے تو ذَاۤ کو بمعنی الذی بنا دے اور پھر خبر قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ہوگی۔ الطَّيِّبٰتُ

1۔ الجامع لاسباب النزول، جلد 1، صفحہ 124

سے مراد حلال ہے ہر حرام چیز طیب نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الطَّيِّبٰتُ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا کھانا، پینا اچھا لگے اور دنیا میں اور آخرت میں اس کے استعمال میں ضرر نہ ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: الطَّيِّبٰتُ سے مراد ذبائح ہیں، کیونکہ وہ ذبح کرنے کے ساتھ پاک ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا عَلَّمْتُمْ یعنی ان چیزوں کا شکار جن کو تم نے سکھایا۔ اس کلام میں اضمار ضروری ہے اگر اضمار نہ ہو تو معنی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حلت جس کے متعلق پوچھا گیا ہے وہ معلم درندوں کو شامل ہے اور یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، کیونکہ وہ جو کتے کے گوشت کو حلال کرتا ہے تو وہ معلم کی اباحت کی تخصیص نہیں کرتا۔ مزید کتے کے کھانے کے بارے میں علماء کا جو اختلاف ہے وہ ان شاءاللہ سورۃ الانعام میں آئے گا۔

بعض علماء جنہوں نے قرآن کے احکام میں کتب تصنیف کی ہیں انہوں نے کہا ہے کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اباحت ان چیزوں کو شامل ہے جن کو ہم نے سکھایا شکاری جانوروں میں سے، اس میں کتا اور چیر نے پھاڑنے والے تمام پرندے شامل ہیں یہ تمام وجوہ انتفاع کی اباحت کا موجب ہے پس یہ شکاری کتے کے جواز پر اور تمام وجوہ انتفاع کے ساتھ ان سے نفع حاصل کرنے کے جواز پر دلیل ہے مگر جس کو دلیل خاص کر دے اور وہ شکاری کتوں اور چیر نے پھاڑنے والے پرندوں میں سے کھانا ہے۔ حضرت عدی کے پانچ کتے تھے جن کے اس نے نام رکھے ہوئے تھے ان کے کتوں کے نام یہ تھے۔ سلہب، غلاب، المختلس، المتناعس۔ سہیلی نے کہا: پانچویں میں مجھے شک ہے فرمایا: اخطب تھا یا فرمایا: وثاب تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ امت کا اجماع ہے کہ کتا جب کالا ہو اور مسلمان نے اسے سکھایا ہو اور جب اسے شکار پر ابھارا جائے تو وہ بھاگے اور جب اسے بلایا جائے تو وہ آجائے، شکار کو پکڑنے کے بعد اسے جھڑکا جائے تو وہ شکار چھوڑ دے اور اس شکار میں سے کچھ نہ کھائے جس کو شکار کرے اور اپنے ناخنوں اور دانتوں سے شکار میں نشان ڈالا ہے اور اس کے ساتھ مسلمان شکار کرے اور اسے چھوڑتے وقت مسلمان اللہ کا نام ذکر کرے تو اس کا شکار صحیح ہے اور بلا اختلاف اسے کھایا جائے گا۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اختلاف داخل ہو جائے گا اگر کتے کے علاوہ مثلاً چیتا اور اس جیسا جانور اور باز، شکرا وغیرہ پرندے سے شکار کیا گیا ہو تو جمہور امت کا خیال یہ ہے کہ تعلیم کے بعد جو شکار کرے وہ جارح کا سبب ہے۔ کہا جاتا ہے: جرح فلان واجترح جب وہ کوئی چیز حاصل کرے، اسی سے الجارحۃ ہے، کیونکہ اس کے ذریعے کمایا جاتا ہے، اسی سے اجترام السیأت ہے گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ اعشی نے کہا:

ذا جُبَارٍ مُنْضِجا مِيسَمُه　　يُذْكِر الجارح ما كان اجترح

اور قرآن حکیم میں ہے: وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ۔ (انعام: 60)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ۔ (الجاثیہ: 21)

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُكَلِّبِيْنَ اس سے مراد کتوں کے مالک ہیں وہ مودب کی طرح ہوتے ہیں جو تادیب کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ وہ شکار پر اس طرح جھپٹتے ہیں جیسے کتے جھپٹتے ہیں۔ رمانی نے کہا:

اس میں سے ہر قول کا احتمال ہے مُكَلِّبِيْنَ میں اس بات پر دلیل نہیں کہ صرف کتے کا شکار مباح کیا گیا ہے، کیونکہ یہ ''مومنین'' کے قول کی طرح ہے اگرچہ جنہوں نے کتے پر اباحت کو خاص کیا ہے انہوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے جس کو ابن المنذر نے حکایت کیا ہے فرمایا: جو باز اور دوسرے پرندوں سے شکار کیا جاتا ہے جس کو تو ذبح کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے ذبح کر دے وہ تیرے لیے حلال ہے ورنہ تو اسے نہ کھا (1)۔ ابن المنذر نے کہا: ابوجعفر سے باز کے متعلق پوچھا گیا کہ اس کا شکار حلال ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں مگر یہ کہ تم اسے ذبح کر لو (2)۔ ضحاک اور سدی نے کہا: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ سے مراد کتے ہیں اگر کتا کالا سیاہ ہو تو حسن، قتادہ اور نخعی نے اس کا شکار مکروہ قرار دیا ہے۔ امام احمد نے کہا: میں کوئی ایسا شخص نہیں جانتا جس نے رخصت دی ہو جب کہ کتا کالا سیاہ ہو۔ اسحق بن راہویہ نے بھی یہی کہا ہے۔ رہے مدینہ طیبہ کے عوام اور کوفہ کے عوام یہ سکھائے گئے کتے کے شکار کو جائز قرار دیتے ہیں (3)۔ اور جنہوں نے کالے کتے کے شکار سے منع فرمایا اس کی وجہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الکلب الاسود شیطان (4) کالا کتا شیطان ہے۔ اس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ جمہور علماء نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے اور باز کے شکار کے جواز پر سبب نزول سے استدلال کیا ہے۔ اور جو ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم سے حدیث روایت کی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باز کے شکار کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو وہ تیرے لیے روک لے وہ کھا'' (5)۔ اس کی سند میں مجالد ہے جو غیر معروف ہے۔ سوائے اس ایک سند کے معروف نہیں اور یہ راوی ضعیف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کتے کا حکم ہے وہ چیتے کا حکم ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے مگر ایسی صورت میں جس کا تاثیر میں کوئی دخل نہیں۔ یہ اصل معنی میں قیاس ہے، تلوار کو چھری پر قیاس کرنے کی طرح ہے اور لونڈی کو غلام پر قیاس کرنے کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو جان لو کہ شکاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتے کو چھوڑتے وقت ذبح اور اباحت کی نیت کرے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اس پر اللہ کا نام لے تو تو کھا'' (6)۔ یہ ارشاد نیت اور بسم اللہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر کتا چھوڑتے وقت لہو ولعب کا قصد کیا ہو گا تو امام مالک کے نزدیک مکروہ ہو گا۔ ابن عبدالحکم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ لیث کے قول کا ظاہر ہے۔ لیث نے کہا: میں نے کوئی ایسا حق نہیں دیکھا جو باطل کے زیادہ مشابہ ہے یعنی شکار۔ اگر کوئی تذکیہ (ذبح) کی نیت کے بغیر کتا چھوڑے تو وہ شکار حرام ہو گا، کیونکہ وہ فساد اور بغیر منفعت کے حیوان کے اتلاف کے باب سے ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیوان کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے مگر کھانے کے لیے۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ کتا یا باز چھوڑتے وقت زبان سے بسم اللہ کہنا ضروری ہے، کیونکہ آپ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 156
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 197
5۔ جامع ترمذی، کتاب الصید، جلد 1، صفحہ 177۔ ایضاً، حدیث نمبر 1387، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
6۔ جامع الترمذی، کتاب الصید، جلد 1، صفحہ 177۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 5054، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ کا نام ذکر کرے"۔ اللہ تعالیٰ کا نام اگر کسی اعتبار سے ذکر نہ کیا تو شکار نہیں کھایا جائے گا یہ اہل ظاہر اور اہل حدیث کی جماعت کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان جس چیز کو شکار کرے اور اسے ذبح کرے اگرچہ بسم اللہ عمداً بھی ترک کردے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ ان علماء نے بسم اللہ کے امر کو ندب پر محمول کیا ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب، عمداً یا سہواً بسم اللہ ترک کرنے کے درمیان فرق ہے فرمایا: عمداً بسم اللہ ترک کرنے کی وجہ سے نہیں کھایا جائے گا اور سہواً ترک کرنے کی وجہ سے کھایا جائے گا۔ یہ فقہاء الامصار کا قول ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے یہ مسئلہ سورۃ الانعام میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر شکاری کے ہاتھ سے کتا چھوڑتے وقت اس کا بھاگنا ضروری ہے جب کہ اس کی زمام اس کے ہاتھ میں ہو۔ وہ اس کو چھوڑ دے اور اسے ابھارے اور وہ بھاگے یا کتا شکار کو دیکھنے کے وقت ساکن کھڑا ہو اور اس کے لیے حرکت نہ ہو مگر شکاری کے ابھارنے کے ساتھ یہ اسی صورت کے قائم مقام ہے جب اس کی زمام اس کے ہاتھ میں ہو پھر اس نے اسے ابھارتے ہوئے چھوڑا ہو یہ ایک قول کے مطابق ہے اگر کتا بغیر چھوڑے اور بغیر ابھارے خود ہی شکار کے پیچھے لگ جائے تو اس کا شکار جائز نہیں اور نہ اس کا کھانا حلال ہے۔ یہ جمہور، امام مالک، امام شافعی، ابوثور اور اصحاب الرائے کا نظریہ ہے، کیونکہ اس نے بغیر چھوڑے اپنے لیے شکار کیا ہے اور اپنے لیے پکڑا ہے، اس میں شکاری کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کا چھوڑنا شکاری کی طرف منسوب نہیں ہے کیونکہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: اذا ارسلت کلبك المعلم (1) "جب تو اپنے سکھائے ہوئے کتے کو چھوڑے"۔ صادق نہیں آتا۔ عطا بن ابی رباح اور اوزاعی نے کہا: اس کا شکار کھایا جائے گا جب اسے شکار کے لیے نکالا ہو۔

مسئلہ نمبر 7۔ جمہور علماء نے عَلَّمْتُمْ عین اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ نے عین کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی جوارح کے عمل اور ان کے ساتھ شکار کرنے سے (2) جو تم نے کھایا الجوارح سے مراد، الکواسب (کمانے والے) ہے۔ انسانی اعضاء کو بھی جوارح کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے ذریعے کسی چیز کو حاصل کیا جاتا ہے اور تصرف کیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کو جوارح اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ یہ زخمی کرتے ہیں اور خون بہاتے ہیں۔ یہ ضعیف ہے اہل لغت کا قول اس کے خلاف ہے۔ ابن المنذر نے ایک قول یہ حکایت کیا ہے۔ مکلبین جمہور کی قرأت کاف کے فتحہ اور لام کے شد کے ساتھ ہے۔ المکلِّب کتوں کو سکھانے والا اور انہیں شکار پر برانگیختہ کرنے والا جو کتے کے علاوہ کو سکھاتا ہے اسے مکلِّب کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ حیوان کو روکتا ہے جیسے کتا۔

بعض علماء نے حکایت کیا ہے کہ شکار کو مکلب کہا جاتا ہے اس بنا پر مکلبین کا معنی شکاری لوگ ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: المکلب کتوں کے مالک کو کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: کلب فھو مکلب و کلابٌ۔ حسن نے مکلبین کاف کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے اصحاب کلاب۔ کہا جاتا ہے: امشی الرجل۔ جب کسی کے جانور زیادہ ہوں: اکلب۔ جس کے کتے زیادہ ہوں۔ اصمعی نے کہا:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 157

كلّ فَتىً وإن أمشى فأثرىٰ　　سَتُخلِجه عن الدنيا مَنُونَ

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ مونث ضمیر لفظ جوارح کی رعایت کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہے، کیونکہ جوارح، جارحۃ کی جمع ہے۔ اور علماء کے درمیان تعلیم میں دو شرطوں میں کوئی اختلاف نہیں وہ دونوں شرطیں یہ ہیں کہ جب اسے شکار پر حملہ کا حکم دیا جائے تو وہ بھاگ پڑے اور جب اسے منع کیا جائے تو وہ رک جائے۔ کتوں میں ان دو شرطوں میں کوئی اختلاف نہیں اور اسی طرح کتے جیسے دوسرے درندوں کا حکم ہے۔ پرندے جو شکار کرتے ہیں ان میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ان کی تعلیم میں بھی یہ دونوں شرطیں ہیں۔ ابن حبیب نے ذکر کیا ہے کہ جھڑکنے سے رک جائے۔ پرندوں میں یہ شرط نہیں، کیونکہ پرندہ غالباً ایسا نہیں کرتا۔ اس میں یہ کافی ہے کہ تو اسے حکم دے تو وہ اطاعت کرے۔ ربیعہ نے کہا: جب اسے بلایا جائے تو وہ آجائے تو وہ معلم ضاری ہے اکثر حیوان طبعاً جب انہیں ابھارا جائے تو وہ بھاگ پڑتے ہیں۔ امام شافعی اور جمہور علماء نے تعلیم میں یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اپنے مالک کے لیے چیز کو پکڑے۔

امام مالک کے مشہور مذہب میں یہ شرط نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: المعلم وہ ہے جب اس کا مالک اسے ابھارے تو وہ بھاگ پڑے اور جب اسے واپس بلائے تو وہ واپس آجائے اور شکار کو مالک کے لیے پکڑ لے اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔ جب وہ کئی مرتبہ اس طرح کرے اہل عرف نے کہا: وہ معلم شمار ہوگا۔ امام شافعی اور کوفیوں سے مروی ہے جب وہ اسے شکار پر ابھارے تو وہ بھاگ پڑے، جب شکار کو پکڑے تو رک جائے اور جب وہ دو مرتبہ اسی طرح کرے تو تیسری مرتبہ اس کا شکار کھایا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: تین مرتبہ ایسا کرے اور چوتھی مرتبہ اس کا شکار کھایا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: ایک مرتبہ ایسا کرے تو وہ معلم ہے دوسری مرتبہ اس کا شکار کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وہ تمہارے لیے شکار کو پکڑیں۔ اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، نخعی، قتادہ، ابن جبیر، عطا بن ابی رباح، عکرمہ، امام شافعی، امام احمد، اسحق، ابوثور، نعمان اور اس کے اصحاب نے کہا: وہ نہ کھائے۔ اگر شکاری جانور خود کھا لے تو بقیہ جانور نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ اس نے وہ اپنے لیے پکڑا ہے اپنے مالک کے لیے نہیں پکڑا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک چیتا کتے کی طرح ہے اور پرندوں میں یہ شرط نہیں لگائی بلکہ وہ جب شکار سے کھا بھی لے تو پھر بھی بقیہ جانور کھایا جائے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس کا معنی ہے اگر وہ کھا لے۔ جب شکاری جانور شکار سے کھا لے خواہ کتا ہو یا چیتا ہو یا پرندہ ہو اس کا باقی شکار کھایا جائے گا اگرچہ صرف ایک ٹکڑا بھی بچا ہو۔ یہ امام مالک اور ان کے ساتھیوں کا قول ہے اور امام شافعی کا دوسرا قول یہی ہے اور یہی قیاس ہے۔ اس باب میں دو احادیث ہیں، جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک حدیث حضرت عدی بن حاتم کی جو کلب معلم میں ہے "جب وہ کھا لے تو تو نہ کھا، کیونکہ یہ اس نے اپنے لیے پکڑا ہے(1)" اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ دوسری

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145

حدیث ابوثعلبہ خشنی کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتے کے شکار کے بارے میں فرمایا: ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اس پر اللہ کا نام لے تو کھا اگرچہ اس سے کتے نے کھایا ہو اور جو تیرا ہاتھ تجھ پر لوٹا دے اسے کھا'' (1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت عدی سے جو روایت کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ ان سے صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ جب دونوں روایتیں متعارض ہیں تو ہمارے اصحاب نے ان کو جمع کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے نہی والی حدیث کو تنزیہ اور تقویٰ پر محمول کیا اور اباحت کی حدیث کو جواز پر محمول کیا، انہوں نے فرمایا: حضرت عدی چونکہ خوشحال تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں رکنے کا اور ورع کا فتویٰ دیا اور حضرت ابوثعلبہ محتاج تھے تو انہیں جواز کا فتویٰ دیا۔ واللہ اعلم

اس تاویل کی صحت پر دلیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو حضرت عدی کی حدیث میں ہے۔ ''مجھے خوف ہے کہ اس نے اپنے لیے پکڑا ہو''۔ یہ ہمارے علماء کی تاویل ہے۔ ابوعمر نے الاستذکار کتاب میں فرمایا: حضرت عدی کی حدیث، حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث کے معارض ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابوثعلبہ کی حدیث اس کی ناسخ ہے پس ان کا یہ کہنا: اگرچہ وہ کھا بھی لے یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگرچہ کھا بھی لے''۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ تاریخ مجہول ہے اور جب تاریخ معلوم نہ ہو تو دونوں احادیث کو جمع کرنا اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اصحاب شافعی نے کہا: اگر کتا انتہائی بھوک کی وجہ سے کھا گیا تو جانور کھایا جائے گا ورنہ نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ یہ سوء تعلیم سے ہے۔ ایک قوم سے مروی ہے: جس شکار سے کتا اور چیتا کھالے اس کے درمیان اور باز کے کھانے کے درمیان فرق کیا ہے۔ کتے اور چیتے کے کھانے کے بعد انہوں نے منع کیا ہے اور باز کے کھانے کے بعد اس کی اجازت دی ہے۔ یہ نخعی، ثوری، اصحاب الرائے اور حماد بن ابی سلیمان کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے حکایت ہے انہوں نے کہا: کتے اور چیتے کو مارنا اور جھڑکنا ممکن ہے اور پرندے میں یہ ممکن نہیں اور پرندے کی تعلیم کی حد یہ ہے کہ اسے بلایا جائے تو وہ آجائے اور اسے شکار پر ابھارا جائے تو وہ اڑ جائے، اس میں اس سے زیادہ ممکن نہیں، مارنا اسے اذیت دے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ درندہ یا کتا جب شکار کا خون پی لے تو شکار کھایا جائے۔ عطا نے کہا: خون کا پینا، کھانا نہیں ہے۔ شعبی اور سفیان ثوری نے اس کا کھانا مکروہ قرار دیا ہے۔ علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ شکار کی اباحت کا سبب کتے یا درندے کا شکار کو کاٹنا ہے اور اس کاٹنے کا یقینی ہونا ضروری ہے اس میں کسی قسم کا شک نہ ہو اور شک کی صورت میں اس کا کھانا جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 11۔ اگر شکاری اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا پائے تو وہ اس پر محمول ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شکاری کی طرف سے نہیں چھوڑا گیا۔ یہ شکار کی طلب میں خود طبعی طور پر بھاگا ہے۔ اس مسئلہ میں بھی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دوسرے کتے اس کے ساتھ مل جائیں تو پھر نہ کھا'' (2)۔ ایک روایت میں ہے ''تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی'' (3)۔ اگر دوسرے شکاری نے کتا چھوڑا ہو پھر دونوں کتے اس شکار میں شریک

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، جلد 2، صفحہ 38 2۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 146

ہو گئے ہوں تو وہ شکار دونوں شکاریوں کے لیے ہوگا دونوں اس میں شریک ہوں گے۔ اگر ایک کتے نے اپنے شکار کو چیر پھاڑ دیا ہو پھر دوسرا کتا آ جائے تو شکار اس کا ہوگا جس کے کتے نے اسے پہلے پکڑ کر چیر دیا تھا، اسی طرح وہ شکار نہیں کھایا جائے گا جس کو تیر مارا گیا پھر وہ پہاڑ سے نیچے گرا یا پانی میں غرق ہوا تو اسے بھی نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی کو کہا تھا ''اگر تو اپنا تیر پھینکے اور اللہ کا نام ذکر کرے اگر وہ تجھ سے پورا دن غائب ہو جائے اور تو اس میں اور کچھ نہ پائے مگر اپنے تیر کا اثر تو کھا اگر تو اسے پانی میں غرق پائے تو اسے نہ کھا تجھے معلوم نہیں پانی نے اسے قتل کیا یا تیرے تیر نے'' (1)۔ یہ نص ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اگر شکار کتوں کے منہ میں مر جائے جب کہ انہوں نے اسے زخمی نہ کیا ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ وہ دبانے سے مرا ہے یہ کند چھری سے ذبح کرنے کے مشابہ ہے جس میں جانور ذبح میں مر جاتا ہے رگوں کے کاٹنے سے پہلے۔ اگر جوارح سے اس کو لے لینا اور اسے ذبح کرنا ممکن تھا پھر اس نے ذبح نہ کیا حتی کہ شکار مر گیا تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ وہ ذبح میں کوتاہی کرنے والا تھا، وہ ذبح پر قدرت رکھتا تھا اور جو قادر ہو اس کی ذبح، غیر مقدور کی ذبح کے مخالف ہے اگر اس نے شکار کو پکڑا اور چھری نکالنے سے پہلے فوت ہو گیا یا اس نے اسے پکڑا جب کہ چھری اس کے ہاتھ میں تھی پھر بھی اس کا کھانا جائز ہے اگر اس کے ساتھ چھری نہ ہو اور وہ اس کی تلاش میں مشغول ہوا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: شکار کرنے والے جانوروں نے شکار کو پکڑا اور اسے زخمی نہیں کیا تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اسے نہیں کھایا جائے گا حتی کہ اسے زخمی کر دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّنَ الْجَوَارِحِ یہ ابن القاسم کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال ہے۔ یہ اشہب کا قول ہے۔ اشہب نے کہا: اگر کتے کے ٹکرانے سے مر گیا تو بھی کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر پورا دن شکار غائب رہے پھر تو اس میں کوئی اثر نہ پائے سوائے اپنے تیر کے اثر کے تو تو کھا''۔ اسی طرح ابو ثعلبہ کی حدیث میں ہے جس کو ابو داؤد نے نکالا ہے مگر اس میں زائد ہے، ''تین دن کے بعد کھا جب کہ اس میں بد بو پیدا نہ ہوئی ہو'' (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے مخالف ہے كُلْ مَا أَصْمَيْتَ وَدَعْ مَا أَنْمَيْتَ (3) تو کھا جو جلدی سے قتل ہو جائے جب کہ تو اس کو دیکھ رہا ہو اور تو اسے چھوڑ دے جو تجھ سے غائب ہو جائے اور مر جائے جب کہ تو اسے نہ دیکھ رہا ہو۔ کہا جاتا ہے: قَدْ أَنْمَيْتُ الرَّمِيَّةَ فَنَمت، تَنْمِي۔ جب جانور غائب ہو کر مر جائے۔ امراء القیس نے کہا:

فھو لا تَنْمِي رَمِيَّتُهُ مَالَهُ لَاعُدَّ مِنَ نَفَرِهِ

علماء کا اختلاف ہے غائب شکار کے کھانے میں۔ اس کے متعلق تین اقوال ہیں۔

(۱) اسے کھایا جائے گا خواہ اسے تیرے قتل کیا ہو یا کتے نے قتل کیا ہو (۲) اس سے کچھ نہیں کھایا جائے گا جب وہ غائب ہو جائے، کیونکہ آپ کا ارشاد ہے: كُلْ مَا أصميت ودَعْ ما أنميت۔ اس کو نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اس کے قتل پر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 146　2۔ ایضاً۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2474، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 12، صفحہ 27

تیر کے علاوہ حشرات الارض نے مدد کی ہو (۳) تیر اور کتے کے شکار میں فرق ہے تیر لگا ہوا گم ہو جائے اور پھر مل جائے تو اسے کھایا جائے گا اور کتے کا شکار ایسی صورت میں نہیں کھایا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تیر ایک جہت سے قتل کرتا ہے پس اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور درندہ یا کتا کئی جہات سے قتل کرتا ہے اس میں اشکال ہوتا ہے ہمارے علماء کے تین اقوال ہیں۔ امام مالک نے مؤطا کے علاوہ میں کہا: جب شکار رات گزارے پھر وہ اسے مردہ پائے تو بازی یا کتا یا تیر نے شکار کو چیر پھاڑ نہ دیا ہو تو اسے نہ کھایا جائے گا۔ ابو عمر نے کہا: یہ تیری راہنمائی کرتا ہے کہ جب شکار کو پہنچ جائے تو ان کے نزدیک حلال ہے وہ اسے کھائے اگرچہ رات بھی گزر جائے مگر وہ مکروہ فرماتے تھے جب رات گزار لے، کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر تجھ سے شکار ایک رات غائب ہو جائے تو تو نہ کھا۔ اسی طرح ثوری سے مروی ہے فرمایا: جب تجھ سے ایک دن غائب ہو جائے تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: قیاس یہ ہے کہ وہ اسے نہ کھائے جب اس سے اس کا گرنا غائب ہو جائے۔ اوزاعی نے کہا: اگر دوسرے دن وہ اسے مردہ پائے اور اس میں اپنے تیر یا کتے کا اثر پائے تو اسے کھائے اسی طرح اشہب، عبدالملک اور اصبغ نے کہا: علماء نے فرمایا: شکار کا کھانا جائز ہے اگرچہ رات گزر جائے جب کہ وہ اپنے شکار کو قتل کر دے۔ حدیث شریف میں ہے ''جب تک کہ وہ بدبودار نہ ہو''۔ یہ علت ہے، کیونکہ جب وہ بدبودار ہو جائے تو اسے مستقذرات لاحق ہو جاتی ہیں جن کو طبیعتیں ناپسند کرتی ہیں پس اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے اگر اس کو کھا لے تو جائز ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متغیر کھانا کھایا (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ معلل ہے جس سے اس کے کھانے پر ضرر کا خوف ہوتا ہے اس تعلیل پر اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اگر خوف محقق ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 14۔ یہودی اور نصرانی کے کتے کے ساتھ شکار کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حسن بصری نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ مجوسی کا کتا، باز اور شکرا اس کے ساتھ شکار کو حضرت جابر بن عبد اللہ، حسن، عطا، مجاہد، نخعی، ثوری اور اسحاق نے مکروہ کہا ہے اور ان کے کتوں کے ساتھ شکار کو امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے جائز قرار دیا ہے جب کہ شکار کرنے والا مسلمان ہو۔ ان علماء نے فرمایا: یہ اس کی چھری کی مثل ہے، اور اگر اہل کتاب میں سے شکاری ہو تو امام مالک کے علاوہ جمہور امت اس کے شکار کے جواز کے قائل ہیں اس کے اور اس کے ذبیحہ کے درمیان فرق کیا ہے اور یہ تلاوت کی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ (المائدہ: 94) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس میں یہودی اور نصرانی کا ذکر نہیں کیا۔ ابن وہب اور اشہب نے کہا: یہودی اور نصرانی کا شکار ان کے ذبیحہ کی طرح حلال ہے اور امام محمد کی کتاب میں صابی کا نہ شکار جائز ہے اور نہ اس کی ذبح جائز ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ کے درمیان قوم ہے اور ان کا دین نہیں ہے۔ اور اگر شکاری مجوسی ہو تو اس کے کھانے سے امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب اور جمہور علماء نے منع کیا ہے۔ ابو ثور کے اس میں دو قول ہیں (۱) ان علماء کے قول کی طرح (۲) مجوسی اہل کتاب سے ہے اور ان کا شکار جائز ہے۔ اگر نشہ والا شخص شکار کرے یا ذبح کرے تو اس کا شکار نہیں کھایا جائے گا اور نہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا ذبح میں قصد کی ضرورت ہوتی ہے اور نشہ والے کا کوئی قصد نہیں ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرھن، باب الرھن فی الحضر، حدیث نمبر 2325، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 15۔ مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ کے ارشاد میں من کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ اخفش نے کہا: یہ زائدہ ہے جیسے كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ (الانعام: 141) میں ہے۔ بصریوں نے اس کو خطا کہا ہے۔ انہوں نے کہا: من اثبات میں زائد نہیں ہوتا نفی اور استفہام میں زائد کیا جاتا ہے۔ مِنْ ثَمَرِهٖ، يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ، يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ میں تبعیض کے لیے ہے، اس کا جواب دیا اور کہا: يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (الصف: 12) (من) کے اسقاط کے ساتھ ہے۔ یہ ایجاب میں اس کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ من یہاں تبعیض کے لیے ہے، کیونکہ شکار میں سے گوشت حلال ہے نہ گوبر اور خون۔

میں کہتا ہوں: یہ مراد نہیں ہے اور کھانے میں معہود نہیں ہے اور جو انہوں نے کہا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور مِمَّآ اَمْسَكْنَ سے مراد یہ کہ تمہارے لیے جوارح جو باقی چھوڑیں۔ یہ اس کے قول پر ہے جس نے کہا: اگر کتا شکار کھالے تو کوئی نقصان نہیں، اس احتمال کے سبب شکار کے کھانے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے جب شکار سے شکاری جانور کھا بھی لے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ یہ آیت کریمہ کتوں کے رکھنے اور شکار کے لیے کتا پالنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح سنت میں یہ ثابت ہے اور کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتوں کے رکھنے کا سنت نے اضافہ کیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا حتی کہ اس عورت کے پیچھے آنے والے کتے کو قتل کیا جاتا تھا جو عورت دیہات سے آتی تھی۔ مسلم نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''جس نے شکاری کتے یا جانوروں کی حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ کتا رکھا ہر روز اس کے اجر سے دو قیراط کم ہوتے ہیں'' (1)۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جانوروں کی حفاظت والے، شکار والے یا کھیتی کی حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ کتا رکھا اس کے اجر سے روزانہ ایک قیراط کم ہوگا'' (2)۔ الزہری نے کہا: حضرت ابن عمر کے لیے حضرت ابو ہریرہ کا قول ذکر کیا گیا ہے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ پر رحم فرمائے۔ وہ کھیتی والے تھے، جو ہم نے ذکر کیا اس پر سنت دلالت کرتی ہے۔ جس نے ان منافع کے علاوہ کے لیے کتا رکھا اس کے اجر سے کمی ہوگی، خواہ مسلمانوں کو کتے کا ڈرانے، بھونکنے کے ساتھ انہیں تشویش میں ڈالنے کی وجہ سے ہو جس طرح بصرہ کے بعض شعراء نے کہا جب کہ وہ عمار میں اترے اور اس کے کتے کی آواز سنی تو کہا:

نزلنا بعمار فأشلى كلابه علينا فكدنا بين بيتيه نؤكلُ

فقلت لأصحابي أسِرّ إليهم اذا اليومُ أم يومُ القيامةِ أطولُ

یا جس گھر میں کتے ہوتے ہیں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور یا اس کی نجاست کی وجہ سے جیسا کہ امام شافعی کا خیال ہے یا ایسی چیز کے متعلق نہی ہے جس میں منفعت نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

دونوں روایتوں میں سے ایک روایت میں فرمایا ''قیراطان'' (دو قیراط) اور دوسری روایت میں ہے ''قیراط'' (ایک

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات، جلد 2، صفحہ 21 2۔ ایضاً

قیراط) اس میں احتمال ہے کہ کتوں کی دو قسمیں ہوں ایک دوسری سے زیادہ سخت قسم ہو جیسے وہ کالا کتا جس کے قتل کرنے کا نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا اور استثنا میں اسے داخل نہیں کیا جب اس کے قتل سے منع فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم پر کالے کتے دو نقطوں والے کو قتل کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ شیطان ہے'' (1)۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جگہ کے اختلاف کی بنا پر ہو مثلاً مدینہ طیبہ یا مکہ مکرمہ میں کتا رکھنا دو قیراط کی کمی کا باعث ہو اور دوسری جگہوں پر ایک قیراط کمی کا باعث ہو۔ واللہ اعلم

اور جو کتا رکھنا مباح ہے اس کے رکھنے سے اجر کم نہیں ہوتا جیسے گھوڑا، بلی، اس کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے حتیٰ کہ سحنون نے کہا: اس کی ثمن کے ساتھ حج کر سکتا ہے۔ اور جانوروں کی حفاظت والا کتا جس کا رکھنا جائز ہے امام مالک کے نزدیک وہ کتا ہے جو جانوروں کے ساتھ چلتا ہے وہ کتا مراد نہیں ہے جو گھر میں چوروں سے حفاظت کرتا ہے اور کھیتی کا کتا اس سے مراد وہ ہے جو رات اور دن میں وحوش سے حفاظت کرتا ہے نہ چوروں سے حفاظت کرنے والا کتا مراد ہے۔ امام مالک کے علاوہ علماء نے جانوروں اور کھیتی کے چوروں سے حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ عالم کے لیے وہ فضیلت ہے جو جاہل کے لیے نہیں ہے، کیونکہ کتا جب سکھایا جاتا ہے تو اسے تمام کتوں پر فضیلت ہوتی ہے پس انسان کو جب علم ہو تو اس کو تمام لوگوں پر فضیلت کا ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا خصوصاً جب وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہر چیز کی قیمت ہے اور انسان کی قیمت وہ ہے جو اسے خوبصورت بنائے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ اس میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: شکار پر کتا چھوڑنے اور شکار کو آگاہ کرنے اور ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا ایک ہے اس کا بیان سورۂ انعام میں آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا مراد ہے اور یہ قول اظہر ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر بن ابی سلمہ سے کہا: ''اے غلام! بسم اللہ پڑھ اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا'' (2)۔ حضرت حذیفہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان کھانے کو حلال سمجھتا ہے مگر یہ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے'' (3)۔ اگر کھانے کی ابتدا میں بسم اللہ بھول جائے تو آخر میں بسم اللہ پڑھے۔ نسائی نے حضرت امیہ بن مخشی سے روایت کیا ہے یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کھانا کھاتے دیکھا جب کہ اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی جب وہ آخری لقمہ میں تھا تو اس نے کہا: بسم اللہ اولہ وآخرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان اس کے ساتھ کھانا کھاتا رہا پھر جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو جو اس نے کھایا تھا اسے قئی کر دیا'' (4)۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ تقویٰ کا حکم دیا اور قریبی اشارہ ان اوامر کی طرف ہے جن کو یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات والمزارعۃ، جلد 2، صفحہ 22
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، جلد 2، صفحہ 809
3۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، جلد 2، صفحہ 172
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، حدیث 3276، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آیات اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور حساب کی سرعت اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از روئے علم ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے، اسے شمار کرنے اور عقد کی ضرورت نہیں ہے جیسے حساب کرنے والے کرتے ہیں اسی وجہ سے فرمایا: وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۞ (انبیاء) اللہ تعالیٰ ایک دفعہ ہی خلائق کا حساب کر لے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ قیامت کے دن کی وعید ہو گویا فرمایا: تمہارے لیے اللہ کا حساب جلدی ہونے والا ہے، کیونکہ قیامت قریب ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حساب سے مراد جزا دینا ہو گویا دنیا میں جلد قریب جزا دینے کی دھمکی دی اگر انہوں نے اللہ کا خوف نہ کیا۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞

''آج حلال کر دی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے اور (حلال ہیں) پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے جب دے دو تم انہیں مہر ان کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو بس ضائع ہو گیا اس کا عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا''۔

اس میں دس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ یعنی الیوم اکملت لکم دینکم و الیوم احل لکم الطیبات۔ تاکید کے لیے اعادہ فرمایا یعنی تمہارے لیے ان پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا جن کا تم نے سوال کیا اور پاکیزہ چیزیں اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمانوں کے لیے مباح کی گئی تھیں۔ یہ ان کے سوال کا جواب ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: ہمارے لیے کیا حلال کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اَلْيَوْمَ کے ذکر سے اشارہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی طرف ہے جیسے کہا جاتا ہے: ھذہ ایام فلاں یہ فلاں کے ایام ہیں یعنی یہ تمہارے ظہور اور اسلام کے پھیلنے کا وقت ہے، میں نے اس کے ساتھ تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کر دیا۔ اس سے پہلے آیت میں الطیبات کا ذکر گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ یہ مبتدا خبر ہیں۔ الطعام سے مراد ہر وہ چیز جو کھائی جاتی ہے ذبائح اس سے ہیں، اکثر علماء تفسیر کے نزدیک یہاں خاص ذبائح مراد ہیں اور ان کے طعام سے جو ہم پر حرام ہیں وہ عموم الخطاب کے تحت داخل نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام: 121) نہ کھاؤ اس سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو پھر استثنیٰ فرمائی۔ فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ یعنی یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اگرچہ نصرانی ذبح کے وقت مسیح علیہ السلام کا نام اور یہودی یا عزیر کہے۔ کیونکہ وہ اپنی ملت پر ذبح کرتے ہیں۔ عطا نے کہا: نصرانی کے ذبیحہ سے کھاؤ اگرچہ وہ مسیح علیہ السلام کا نام لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائح کو مباح قرار دیا اور جو وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ قاسم بن مخیمرہ نے کہا: اس کے ذبیحہ سے کھاؤ اگرچہ وہ سرجس کا نام لے، یہ ان کے کنیسہ کا نام ہے۔ یہ زہری، ربیعہ، شعبی اور مکحول کا قول ہے، اور دو صحابہ حضرت ابودرداء اور حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا: جب تم سنو کہ کتابی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ذبح کے وقت کوئی نام لے رہا ہے تو پھر نہ کھاؤ۔ یہی قول صحابہ میں سے حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر کا ہے اور یہی قول طاؤس، حسن کا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل پکڑی ہے: وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (الانعام: 121)

امام مالک نے فرمایا: میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے اس کو حرام قرار نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں: تعجب ہے الکیاطبری پر جس نے اہل کتاب کے ذبیحہ کے جواز پر اتفاق حکایت کیا ہے اس نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ ذبیحہ میں شرط نہیں ہے، اس نے کہا: اس میں شک نہیں کہ یہودی، نصرانی ذبیحہ پر بسم اللہ نہیں پڑھتے مگر اس معبود کا جو مسیح اور عزیر کی طرح حقیقۃً معبود نہیں ہے اگر وہ حقیقۃً معبود کا نام لیتے تو پھر بھی ان کا یہ نام لینا عبادت کے طریق پر نہ تھا بلکہ وہ ایک دوسرے طریق پر تھا اور بسم اللہ کا شرط ہونا، بغیر عبادت کے سمجھ نہیں آتا اور کافر سے تسمیہ کا وجود اور اس کا عدم برابر ہے، کیونکہ اس سے عبادت کا تصور بھی نہیں، کیونکہ نصرانی مسیح کے نام پر ذبح کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ان کے ذبائح کی حلت کا حکم فرمایا ہے پس اس میں دلیل ہے کہ بسم اللہ اصلاً شرط نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا۔ مزید علماء کے اختلاف کا ذکر سورۂ انعام میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ایسی چیزیں جن میں ذبح کی ضرورت نہیں جیسے کھانا جس میں ذبح نہیں ہوتی اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے جیسے پھل، گندم ان کا کھانا جائز ہے، کیونکہ کسی ایک کا مالک ہونا اس میں مضر نہیں۔ اور وہ کھانا جس میں کسی کا عمل دخل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں اس میں صنعت کی گردش ہوگی اس کے ساتھ دین کا کوئی تعلق نہ ہوگا جیسے آٹے کی روٹی، زیتون کا تیل وغیرہ اگر ذمی سے دور کرے تو یہ اضطراب کی بنا پر ہوگا اور دوسری قسم یہ تذکیہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا یہ دین اور نیت کا محتاج ہے جب قیاس یہ تھا کہ ان کے ذبائح جائز نہیں ہیں جیسے تو کہتا ہے نہ ان کی نماز ہے اور نہ ان کی مقبول عبادت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ان کے ذبائح میں رخصت دی ہے نص نے قیاس سے خارج کر دیا جیسا کہ ہم نے حضرت ابن عباس کے قول سے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جس چیز کو وہ ذبح کریں اس میں علماء کے دو قول ہیں کہ کیا جو چیز ان پر حرام ہے ان میں ذبح کا عمل ہوگا یا نہیں؟ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ذبح ہر ذبیحہ میں عامل ہے اس میں سے جو حلال ہے اور جو اس پر حرام ہے، کیونکہ وہ ذبح کرنے والا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے کہا: ہمارے لیے ان کے ذبیحہ سے وہ حلال ہے جو ان کے لیے حلال ہے،

کیونکہ جوان کے لیے حلال نہیں ہے اس میں ان کا ذبح کرنا بھی عمل نہیں کرتا۔ اس گروہ نے ایسے جانور کو کھانے سے منع کیا ہے جس کا گردہ خراب ہو اور خالص چربی جو اہل کتاب کے ذبائح سے ہو لفظ طعام کو انہوں نے بعض طعام پر مقصور کیا ہے اور پہلے طائفہ نے عموم پر اس کو محمول کیا ہے وہ تمام چیزیں جو کھائی جاتی ہیں سب کو طعام کا لفظ شامل ہے یہ اختلاف امام مالک کے مذہب میں بھی موجود ہے۔ ابو عمر نے کہا: امام مالک نے یہود کی چربی کو مکروہ کہا ہے اور اونٹوں میں جو وہ نحر کریں اسے کھانا بھی مکروہ کہا ہے۔ اکثر علماء اس میں حرج نہیں دیکھتے سورۂ انعام میں مزید بیان آئے گا۔ امام مالک اہل کتاب کے ذبیحہ کو مکروہ قرار دیتے تھے جب مسلمان کا ذبیحہ موجود ہو اور ان کے لیے ایسے بازاروں کا ہونا بھی مکروہ قرار دیا ہے جن میں وہ اپنے ذبائح فروخت کریں۔ یہ ان کی طرف سے تنزہ اور تقویٰ ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ مجوس کے بارے میں علماء کا اجماع ہے سوائے ان علماء کے جو جماعت سے جدا ہوئے کہ ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا نہ ان سے نکاح کیا جائے گا، کیونکہ علماء کے مشہور مذہب پر یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں جن کے لیے کتاب نہیں ہے جیسے مشرکین، بت پرست جب کہ وہ کھانا ان کے ذبائح سے نہ ہو اور اس کے تزکیہ کی ضرورت نہ ہو سوائے جبن (پنیر) کے، کیونکہ اس میں مردار کا اوجھ ہوتا ہے۔ اگر بچے کا باپ مجوسی ہو اور ماں کتابی ہو تو اس کا حکم امام مالک کے نزدیک اس کے باپ والا ہوگا اور دوسرے علماء کے نزدیک بچہ کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا جب اس کے والدین میں سے کوئی ایک ایسا ہو جس کا ذبیحہ نہیں کھایا جاتا۔

مسئلہ نمبر 6۔ نصاریٰ بنی تغلب کا ذبیحہ اور ہر وہ شخص جو یہودیت اور نصرانیت میں داخل ہے ان کے ذبائح کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ منع کرتے تھے، کیونکہ بنی تغلب عرب تھے، آپ فرماتے تھے: انہوں نے نصرانیت سے سوائے شراب پینے کے کچھ نہیں لیا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے، اس بنا پر نصاریٰ کے ذبائح سے منع نہیں کیا جاتا جو ان میں سے یقینی نصرانی ہیں۔ جمہور علماء نے کہا: ہر نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ بنی تغلب سے ہو یا کسی اور قبیلہ سے ہو۔ اسی طرح یہود کا حکم ہے۔ حضرت ابن عباس نے **وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ** (المائدہ: 51) سے حجت پکڑی ہے اگر بنی تغلب نصاریٰ میں سے نہ ہوتے مگر ان کی دوستی کی وجہ سے تو ان کے ذبائح کھائے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 7۔ تمام کفار کے برتنوں میں کھانے، پینے، پکانے میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ سونے، چاندی اور خنزیر کی جلد سے نہ ہوں، لیکن ان کے برتن دھونے کے بعد استعمال کیے جائیں گے، کیونکہ وہ نجاستوں سے نہیں بچتے اور مردار کھاتے ہیں، جب وہ ان ہانڈیوں میں پکاتے ہیں تو وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور بعض اوقات نجاسات مٹی کی ہانڈیوں کے اجزاء میں سرایت کر جاتی ہیں جب اس کے بعد اس ہانڈی میں کوئی چیز پکائی جائے گی تو اس نجس اجزاء کے ہانڈی میں پکائی جانے والی چیز سے ملنے کا اندیشہ ہے پس تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اگر برتن نحاس (تانبے) یا لوہے کا ہو تو اسے دھویا جائے گا اور اگر برتن مٹی کا ہو تو اس میں پانی ابال کر دھویا جائے گا یہ اس صورت میں ہے جب اس کی ضرورت ہو۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور وہ

برتن جو پکانے کے لیے استعمال نہیں ہوتے ان کو بغیر دھوئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ دارقطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک نصرانی کے گھر میں لکڑی کے برتن میں وضو کیا اور یہ صحیح ہے۔ اس کا مکمل بیان سورۃ الفرقان میں آئے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوثعلبہ خشنی سے مروی ہے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اہل کتاب قوم کی زمین میں ہوتے ہیں ہم ان کے برتنوں میں کھاتے ہیں اور شکار والی زمین میں ہوتے ہیں میں اپنی کمان کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں ہوتا آپ مجھے بتائیں ان میں سے کون سی چیز میرے لیے حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو تو نے اہل کتاب کی قوم کی زمین کا ذکر کیا ہے کہ تم وہاں ہوتے ہو اور ان کے برتنوں میں کھاتے ہو، اگر تو تم ان کے برتنوں کے علاوہ کوئی چیز پاؤ تو تم ان میں نہ کھاؤ اگر کوئی اور برتن نہ پاؤ تو ان کے برتنوں کو دھوؤ پھر ان میں کھاؤ“ (1)۔ پھر مکمل حدیث ذکر کی۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ یہ آیت دلیل ہے کہ وہ ہماری شرع کی تفصیل کے مخاطب ہیں یعنی جب وہ ہم سے گوشت خریدیں تو ان کے لیے وہ حلال ہے اور ہمارے لیے ان کی ثمن حلال ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اس آیت کا معنی سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مملکت اسلامیہ میں ہوں نہ کہ دارالحرب میں ہوں پس یہ اہل کتاب کی ان عورتوں کے ساتھ خاص ہوگا جو مملکت اسلامیہ میں ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: آیت کے عموم کی وجہ سے ذمیہ، حربیہ ہر ایک سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اَلْمُحْصَنٰتُ سے مراد پاک دامن، عقل مند عورتیں ہیں۔ شعبی نے کہا: جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہو اور بدکاری نہ کرتی ہو اور غسل جنابت کرتی ہو۔ شعبی نے اَلْمُحْصِنٰتُ صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور کسائی نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: اَلْمُحْصَنٰتُ سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ ابوعبید نے کہا: ان کا نظریہ یہ ہے کہ اہل کتاب کی لونڈیوں سے نکاح کرنا حلال نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء: 25) یہ وہ قول ہے جس پر بڑے بڑے علماء کا نظریہ قائم ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ۔ بعض علماء نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تو اہل کتاب کی عورتوں نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ہمارے دین سے راضی نہ ہوتا تو ہمارے لیے ہمارے نکاح مباح نہ فرماتا، تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ یعنی جس نے اس کا انکار کیا جو حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ ابوالہیثم نے کہا: الباء صلہ ہے یعنی ومن یکفر الایمان یعنی یجحدہ۔ جس نے ایمان کا انکار کیا فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (المائدہ: 5) ابن السمیقع نے فقد حبط با کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب فرائض اور احکام ذکر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 146۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 5065، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کیے گئے تو ان کا قیام لازم تھا اور اس کی مخالفت پر وعید ذکر کی گئی، کیونکہ ان کے ضائع کرنے پر زجر کی تاکید اس میں ہے۔
حضرت ابن عباس اور مجاہد سے مروی ہے کہ معنی یہ ہے و من یکفر باللہ جس نے اللہ کا انکار کیا۔ حسن بن فضل نے کہا: اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا معنی ہے برب الایمان۔ شیخ ابو الحسن اشعری نے کہا: اللہ تعالیٰ کو ایمان کہنا جائز نہیں مگر حشویہ اور سالمیہ فرقوں کا قول اس کے خلاف ہے، کیونکہ ایمان آمن، یومن ایمانا کا مصدر ہے اور اس سے اسم فاعل مومن ہے الایمان کا معنی تصدیق ہے اور تصدیق نہیں ہوتی مگر کلام اور باری تعالیٰ کا کلام ہونا جائز نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

”اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لیے تو (پہلے) دھولو اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی تو سارا بدن پاک کرلو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور پوری کردے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکریہ ادا کرتے رہو“۔
اس میں بتیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ قشیری اور ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہ کے واقعہ میں نازل ہوئی جب غزوہ المریسیع میں آپ کا ہار گم ہو گیا تھا، یہ آیت وضو ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: لیکن اس حیثیت سے کہ وضوان کے نزدیک ثابت تھا اور مستعمل تھا تو اس آیت نے اس میں ان کے لیے کچھ زیادتی نہ کی مگر اس کی تلاوت، انہیں تیمم میں رخصت کا فائدہ دیا (1)۔ ہم نے سورۃ النساء کی آیت میں اس کے خلاف ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔
اس آیت کا مضمون داخل ہے جو عہد کی وفا اور احکام شرع کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے اور جو اس میں نعمت کو مکمل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے یہ رخصت نعمت کی تکمیل سے ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کے مراد میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک جماعت نے کہا: یہ لفظ نماز کے ہر قیام کو شامل ہے خواہ وہ قائم پاک ہو یا محدث ہو، پس اس کے لیے مناسب ہے کہ جب نماز کے قیام کے لیے کھڑا ہو تو وضو کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور یہ آیت تلاوت کرتے تھے۔ ابو محمد دارمی نے اپنی مسند

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 160

میں یہ ذکر کیا ہے، اس کی مثل عکرمہ نے روایت کیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا: خلفاء ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت محکمۃ ہے اس میں نسخ نہیں ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: یہ خطاب نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر نے کہا: نبی کریم ﷺ کو ہر نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا، پس آپ پر یہ شاق گزرا تو آپ کو مسواک کا حکم دیا گیا وضو کا حکم اٹھالیا گیا مگر حدث کی صورت میں۔ حضرت علقمہ بن فغواء نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے وہ صحابہ میں سے تھے اور یہ تبوک کی طرف دلیل (راہنما) تھے یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی رخصت کے لیے نازل ہوئی کیونکہ آپ کوئی عمل نہیں کرتے تھے مگر باوضو ہوکر، نہ کسی سے بغیر وضو کے کلام کرتے تھے، نہ کسی کو بغیر وضو کے سلام کا جواب دیتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے آگاہ فرمایا کہ وضو صرف نماز کے قیام کے لیے ہے دوسرے اعمال کے لیے وضو نہیں ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس آیت سے مراد فضیلت طلب کرنے کے لیے ہر نماز کے لیے وضو ہے۔ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے حتی کہ فتح مکہ کے روز ایک وضو کے ساتھ پانچوں نمازوں کو جمع کیا تا کہ امت کے لیے مسئلہ بیان ہوجائے کہ ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ نسخ کے ورود سے پہلے ہر نماز کے لیے وضو مستحب تھا واجب نہ تھا حالانکہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جب کوئی امر وارد ہوتا ہے تو اس کا مقتضا وجوب ہوتا ہے خصوصاً صحابہ کرام کے نزدیک جیسا کہ ان کی سیرت سے معروف ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: پہلے ہر نماز کے لیے وضو فرض تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر منسوخ ہوگیا۔ یہ حضرت انس کی حدیث کی وجہ سے غلط ہے انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور آپ ﷺ کی امت کا حکم اس سے مختلف تھا۔ یہ حدیث آگے آئے گی۔

اور حضرت سوید بن نعمان کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صہباء کے مقام پر ایک وضو کے ساتھ عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں اور یہ غزوہ خیبر میں تھا اور یہ سن 6 ہجری تھا۔ بعض نے کہا: سات ہجری تھا اور فتح مکہ آٹھ ہجری میں تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا تھا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہوگیا کہ فتح مکہ سے پہلے ہر نماز کے لیے وضو فرض نہیں تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلم نے حضرت بریدہ بن الحصیب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے جب فتح مکہ کا دن تھا تو آپ نے ایک وضو کے ساتھ (پانچ) نمازیں پڑھیں اور خفین پر مسح کیا، حضرت عمر نے کہا: حضور! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! یہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہے (1)۔ حضرت عمر نے یہ سوال کیوں کیا تھا اور یہ استفسار کیوں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا کہ خیبر کی نماز سے لے کر آج تک جو نماز پڑھتے تھے اس کی عادۃ مخالفت تھی۔ ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے خواہ آپ طاہر ہوتے یا غیر طاہر ہوتے، حمید نے کہا: میں نے حضرت انس سے پوچھا: تم کیسے کرتے تھے؟ حضرت انس نے کہا: ہم ایک وضو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 135

کرتے تھے (1)۔ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ''وضو پر وضو نور ہے (2)'' نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ پر سلام کیا جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے آپ نے اسے جواب نہ دیا حتیٰ کہ تیمم کیا پھر سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کا ذکر کروں مگر طہارت پر''۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ سدی اور زید بن اسلم نے کہا: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کا معنی یہ ہے کہ جب تم بستروں سے اٹھ کر نماز کا ارادہ کرو۔ اس تاویل سے مقصود تمام احداث کو شامل کرنا ہے خصوصاً نیند جس کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ فی نفسہ حدث ہے یا نہیں۔ اس تاویل پر آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے یایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة من النوم او جاء احد منکم من الغائط اولا مستم النساء فاغسلوا۔ اے ایمان والو جب تم نیند سے نماز کی طرف کھڑے ہو یا تم میں سے کوئی پائخانہ سے آئے یا عورتوں کو چھوئے، تو غسل کرو۔ محدث جسے حدث اصغر لاحق ہوتا ہے اس کے احکام مکمل ہوئے پھر فرمایا: وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا یہ ایک دوسرا حکم ہے پھر دونوں نوعوں کے لیے اکٹھا فرمایا: وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ یہ تاویل محمد بن مسلمہ نے کی ہے جو امام مالک کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور جمہور علماء نے فرمایا: آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو جب کہ تم حدث کی حالت میں ہو۔ آیت میں اس بنا پر تقدیم و تاخیر نہیں ہے بلکہ آیت میں پانی پانے والے پر حکم مرتب ہوا ہے فَاطَّهَّرُوْا کے قول تک ملامست صغری محدثین (حدث والے) میں داخل ہے پھر وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کے قول کے بعد دونوں قسموں میں سے پانی نہ پانے والے کا حکم ذکر کیا۔ ملامست سے مراد جماع ہے ایسا جنبی جو پانی کو نہ پانے والا ہو جس طرح اس کا ذکر ضروری ہے اسی طرح پانی پانے والے کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ تاویل امام شافعی وغیرہ کی ہے اس کے مطابق صحابہ کے اقوال ہیں جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عباس، حضرت ابوموسیٰ اشعری وغیرہم (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں تاویلیں ان تمام تاویلات سے بہتر ہیں جو اس آیت کے متعلق کی گئی ہیں، واللہ اعلم۔ اِذَا قُمْتُمْ کا معنی ہے جب تم ارادہ کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ (النحل: 98) یعنی جب تو ارادہ کرے۔ کیونکہ نماز کی طرف قیام کی حالت میں وضو کرنا ممکن نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ اللہ تعالیٰ نے چار اعضاء کا ذکر فرمایا: چہرہ، اس کا فرض دھونا ہے اور اسی طرح دونوں ہاتھوں کا حکم ہے، سر، اس کا فرض مسح ہے، اس پر اتفاق ہے۔ پاؤں کے بارے اختلاف ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا۔ یہ دلیل ہے کہ اس کے علاوہ سب آداب اور سنن ہیں۔ واللہ اعلم۔ چہرے کے دھونے میں چہرے کی طرف پانی کا نقل کرنا ضروری ہے اور چہرے پر ہاتھوں کا گزارنا ضروری ہے ہمارے نزدیک یہی غسل

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 10　2۔ اتحاف السادۃ المتقین، اسرار الطہارۃ، جلد 2، صفحہ 595

3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 160

کی حقیقت ہے۔ ہم نے سورۃ النساء میں اس کو بیان کیا ہے۔ ہمارے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: اس پر پانی کا بہانا واجب ہے اور ہاتھ سے ملنا واجب نہیں ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے چہرہ اور ہاتھ ڈوب جائیں اور وہ اسے ملے نہیں، تو کہا جائے گا: اس نے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا۔ معلوم ہے کہ اسم کے حصول کے علاوہ کا اس میں اعتبار نہیں جب وہ حاصل ہو جائے تو کافی ہوتا ہے۔ لغت میں الوجہ، المواجھۃ سے ماخوذ ہے یہ ایک عضو ہے جو کئی اعضاء پر مشتمل ہے اس کا طول اور عرض ہے طول میں اس کی حد پیشانی کی سطح کی ابتدا سے جبڑوں کی انتہا تک ہے اور عرضاً ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔ یہ تو امرد (بے ریش) کے لیے ہے، رہا داڑھی والا جب اس کی ٹھوڑی پر بال ہوں تو وہ یا تو خفیف ہوں گے یا کثیف ہوں گے اگر داڑھی خفیف ہو جس سے جلد ظاہر ہوتی ہو تو جلد تک پانی پہنچانا واجب ہے اور اگر داڑھی گھنی ہو تو فرض اس کی طرف منتقل ہو گا جیسے سر کے بال ہیں پھر وہ بال جو ٹھوڑی سے زائد ہیں اور داڑھی سے لٹکے ہوئے ہیں۔ سحنون نے ابن القاسم سے روایت کیا کہ میں نے امام مالک سے سنا ان سے پوچھا گیا: کیا آپ نے کسی اہل علم سے سنا ہے کہ داڑھی چہرے سے ہے اس پر پانی گزارنا چاہیے؟ امام مالک نے کہا: ہاں اور وضو میں اس کا خلال کرنا لوگوں کے امر سے نہیں ہے اس پر عیب لگایا جس نے ایسا کیا۔ ابن القاسم نے امام مالک سے یہ بھی روایت کیا ہے فرمایا: وضو کرنے والا اپنی داڑھی کے ظاہر کو حرکت دے اس میں ہاتھ داخل کیے بغیر۔ فرمایا: یہ پاؤں کی انگلیوں کی مثل ہے۔ ابن عبد الحکم نے کہا: داڑھی کا خلال کرنا وضو اور غسل میں واجب ہے۔ ابو عمر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داڑھی کا وضو میں خلال کیا۔ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ ابن خویز منداد نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے یہ وضو میں داڑھی کا خلال کرنا واجب نہیں ہے مگر ایک روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے ان کا قول ہے: کیا وجہ ہے کہ داڑھی اگنے سے پہلے داڑھی کو دھوتا ہے اور جب داڑھی اگ آتی ہے تو اسے نہیں دھوتا؟ کیا وجہ ہے کہ مرد اپنی ٹھوڑی کو دھوتا ہے اور داڑھی والا نہیں دھوتا؟ امام طحاوی نے فرمایا: تیمم واجب ہے اس میں جلد کا مسح کرنا ہے چہرے میں بال اگنے سے پہلے۔ پھر تمام علماء کے نزدیک داڑھی اگنے کے بعد جلد کا مسح ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح وضو کا حکم ہے۔ ابو عمر نے کہا: جس نے تمام داڑھی کا دھونا واجب قرار دیا ہے اس نے اسے چہرے میں شمار کیا ہے، کیونکہ وجہ، المواجہہ سے ماخوذ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مطلقاً وجہ (چہرہ) دھونے کا حکم دیا ہے اس سے امرد سے داڑھی والے کو خاص نہیں کیا پس ظاہر قرآن کے مطابق اس کا دھونا واجب ہے، کیونکہ وہ جلد کا بدل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس قول کو ابن عربی نے اختیار کیا ہے، انہوں نے کہا: اور میں بھی یہی کہتا ہوں کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داڑھی مبارک کو دھوتے تھے (1)۔ اس کو ترمذی وغیرہ نے تخریج کیا ہے، فعل کے ساتھ محتمل متعین ہو گیا۔ ابن المنذر نے اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جس نے داڑھی کا خلال جان بوجھ کر ترک کیا وہ اعادہ کرے۔ ترمذی نے حضرت عثمان بن عفان سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ ابو عمر نے کہا: اور جنہوں نے داڑھی کے لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا واجب قرار نہیں دیا ان کا نظریہ یہ ہے کہ اصل جس کا حکم دیا وہ ہے جلد

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 563　　2۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 6

کا دھونا۔ پس جلد کے اوپر جو ظاہر ہے اس کا دھونا بھی واجب ہے اور داڑھی سے جو لٹکے ہوئے بال ہیں اس کے نیچے والے حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے، پس داڑھی کا دھونا اس کا بدل ہے۔ ان کے سامنے رخسار پر جو کان تک بال ہیں ان کے دھونے میں اختلاف ہے۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: جو کان پٹی سے پیچھے جو داڑھی کے بالوں کے پیچھے بال ہیں وہ چہرے سے نہیں ہیں۔ ابو عمر نے کہا: میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جس نے ایسا قول کیا ہو جو ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: کان اور اس کے مقابل رخسار کے بالوں کے درمیان جو سفیدی ہے وہ چہرے سے ہے اس کا دھونا واجب ہے، اسی طرح امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سفیدی کا دھونا مستحب ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا دھونا واجب نہیں مگر امرد کے لیے نہ کہ داڑھی والے کے لیے (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ قاضی عبدالوہاب کا مختار قول ہے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا اس پر مواجہۃ کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم۔ اس احتمال کے سبب علماء کا اختلاف ہے کیا چہرہ دھونے کا امر ناک اور منہ کے اندر کو دھونے کو شامل ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل اور اسحق وغیرہما کا نظریہ یہ ہے کہ وضو اور غسل میں منہ اور ناک کے اندر کا دھونا واجب ہے مگر امام احمد نے کہا: جو وضو میں ناک میں پانی ڈالنے کو ترک کر دے وہ اعادہ کرے اور جس نے کلی کو ترک کیا وہ اعادہ نہ کرے۔ عامۃ الفقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ وضو اور غسل میں یہ دونوں سنت ہیں، کیونکہ دھونے کا حکم ظاہر کو شامل ہے باطن کو شامل نہیں اور عرب وجہ اس کو کہتے ہیں جو سامنے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ناک میں پانی ڈالنے اور کلی کرنے کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا اور نہ مسلمانوں سے ان کو واجب کہا ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور فرائض صرف ان صورتوں میں ثابت ہوتے ہیں۔ یہ معنی سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

اور رہی آنکھیں تو ان پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آنکھوں کے اندر کا حصہ کا دھونا لازم نہیں مگر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں میں پانی چھڑکتے تھے (2)، ان کا دھونا ساقط ہے تکلیف کی وجہ سے اور حرج کی وجہ سے (3)۔ ابن عربی نے کہا: اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر جب نابینا ہو گئے تھے تو وہ اپنی آنکھوں کو دھوتے تھے، کیونکہ اس سے ان کو تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ جب چہرہ کے حکم سے یہ ثابت ہو گیا تو سر میں سے کچھ حصہ بھی چہرہ کے ساتھ دھونا ضروری ہے جس طرح سر کے عموم کے وجوب کے قول پر چہرے میں سے سر کے ساتھ کسی جز کا مسح کرنے سے مقدر نہیں ہوتا، اصول فقہ میں سے ایک اصل پر مبنی ہے وہ یہ کہ جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہوتا ہو اس کا حکم بھی واجب ہوتا ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وضو میں نیت کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: انما الاعمال بالنیات (4)۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: اس میں ایمان، وضو، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور احکام داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل: 84) یعنی ہر شخص اپنی نیت پر عمل کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن جہاد اور نیت باقی ہے'' (5)۔ اکثر شوافع نے فرمایا: نیت کی ضرورت نہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 563　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 161　3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 563
4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 2　5۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر 2575، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یہ احناف کا قول ہے انہوں نے کہا: نیت واجب نہیں ہے مگر ان فروض میں جو مقصود بالذات ہیں اور کسی غیر کا سبب نہیں، پس رہی وہ چیزیں جو کسی دوسرے فعل کی صحت کے لیے شرط ہیں پس وہ امر کے ورود سے واجب نہیں مگر اس دلالت سے جو اس سے متصل ہے۔ طہارت شرط ہے، کیونکہ جس پر نماز فرض نہیں اس پر طہارت کا فرض بھی واجب نہیں جیسے حیض اور نفاس والی عورتیں۔ ہمارے علماء اور بعض شوافع نے اس ارشاد: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ سے دلیل پکڑی ہے پس جب غسل کا فعل واجب ہوا تو نیت فعل کی صحت میں شرط تھی، کیونکہ الله کی طرف سے فرض تھا پس جس کا الله نے حکم دیا ہے، اس فعل کا واجب ہونا مناسب ہے۔ جب ہم کہتے ہیں: اس پر نیت واجب نہیں اس پر اس فعل کا قصد واجب نہیں جس کا الله نے اسے حکم دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرے کسی اور غرض کے لیے غسل کرے اس نے واجب کی ادائیگی کا قصد کیا۔ حدیث میں صحیح ہے کہ وضو گناہوں کو مٹاتا ہے اگر یہ بغیر نیت کے صحیح ہوتا تو گناہوں کو نہ مٹاتا۔ الله تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ:5) نہیں حکم دیا گیا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں الله تعالیٰ کے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن عربی نے کہا: بعض علماء نے کہا: جو شخص غسل کی نیت سے نہر کی طرف نکلا تو یہ نیت اس کے لیے کافی ہوگی اگر راستے میں اس کی نیت جدا ہوگئی۔ اگر حمام کی طرف نکلا اور راستہ میں اس کی نیت جدا ہوگئی تو اس کی نیت باطل ہوگی۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: کم سمجھ مفتیوں نے اس پر یہ قائم کیا کہ نماز کی نیت ہم دو قولوں پر نکالتے ہیں اور انہوں نے اس میں ایک نص ان سے ذکر کی ہے جو ظن اور یقین میں فرق نہیں کرتا اس نے کہا: تکبیر پر نیت کو مقدم کرنا جائز ہے۔ تعجب ہے اس گروہ پر جس نے مفتی اور مجتہد ہونے کا ارادہ کیا الله تعالیٰ نے اسے نہ توفیق دی اور نہ درست سمت لگایا۔ جان لو الله تم پر رحم فرمائے۔ وضو میں نیت کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس میں امام مالک کا قول مختلف ہے جب یہ اتفاق کے مرتبہ سے گر گئی تو بعض مواقع میں اس کی تقدیم کو چھوڑا گیا ہے، رہی نماز تو اس میں ائمہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ یہ اصل مقصود ہے پس اصل مقصود متفق علیہ کو فرع تابع مختلف فیہ پر کیسے محمول کیا جائے گا یہ تو انتہائی عبادت ہے اور رہا روزہ شرع نے اس میں حرج کو اٹھا دیا ہے جب اس کی ابتدا نیت کی تقدیم سے غفلت کے وقت میں ہو(1)۔

مسئلہ نمبر 6۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ علماء کا مرافق کے تحدید میں داخل ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے کہا: مرافق (کہنیاں) داخل ہیں، کیونکہ (الی) کا مابعد جب ماقبل کی جنس سے ہو تو وہ اس میں داخل ہوتا ہے یہ سیبویہ وغیرہ نے کہا ہے۔ سورۃ البقرہ میں واضح طور پر گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دھونے میں کہنیاں داخل نہیں ہیں۔ دونوں روایتیں امام مالک سے مروی ہیں، دوسری روایت اشہب کی ہے، پہلی روایت اکثر علماء کا نظریہ ہے اور وہ صحیح ہے، کیونکہ دارقطنی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو اپنی کہنیوں پر پانی پھیرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: الی بمعنی مع ہے جیسے عربوں کا قول ہے الذود الی الذود ابل۔ اس میں الی بمعنی مع ہے۔ یہ اس کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 567

محتاج نہیں جیسا کہ ہم نے سورۃ النساء میں بیان کیا ہے۔ ہاتھ عربوں کے نزدیک انگلیوں سے لے کر کندھے تک ہے، اسی طرح پاؤں انگلیوں سے لے کر ران تک ہے اور کہنی الید (ہاتھ) کے اسم کے تحت داخل ہے اگر مع المرافق کا معنی ہو تو مفید نہیں جب الی فرمایا کہنی قطعی طور پر غسل میں داخل ہوگئی اور کہنی ناخنوں تک مغسولة رہی۔ یہ کلام صحیح ہے لغت اور معنی اصول پر جاری ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: مسئلہ کو قاضی ابو محمد نے علیحدہ سمجھا ہے کہ انہوں نے کہا: الی المرافق ہاتھوں میں سے متروک کی حد ہے نہ کہ مغسول کے لیے حد ہے اسی وجہ سے کہنیاں غسل میں داخل ہیں۔

میں کہتا ہوں: جب ہاتھ اور پاؤں کا اطلاق لغت میں اس پر ہوتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ بغلوں تک ہاتھ اور پنڈلیوں تک پاؤں دھوتے تھے۔ فرماتے ہیں: میں نے اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ''مومن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک وضو پہنچتا ہے'' (1)۔ قاضی عیاض نے کہا: لوگوں کا اس کے خلاف پر اجماع ہے کہ وضو میں اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے زیادہ کیا اس نے تعدی اور ظلم کیا'' (2)۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ حضرت ابو ہریرہ کا فعل ان کا مذہب تھا اور وہ اس کے ساتھ منفرد تھے انہوں نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکایت نہیں کیا ہے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انتم الغر المحجلون اور تبلغ الحلیة سے استنباط کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے کہ مسح لفظ مشترک ہے، رہا سر اس عضو سے عبارت ہے جس کو لوگ ضرورۃً جانتے ہیں اس میں سے چہرہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے وضو میں اس کا ذکر فرمایا اور چہرہ کو غسل کے لیے متعین فرمایا تو باقی حصہ مسح کے لیے بچ گیا اگر غسل کا ذکر نہ ہوتا تو سر اور چہرہ سب کا مسح کرنا لازم ہوتا یعنی سر کے بال، آنکھیں، ناک، منہ سب کا مسح لازم ہوتا۔ امام مالک نے سر کے مسح کے وجوب میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو وضو میں سر کا بعض حصہ ترک کر دیتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: اگر کوئی چہرہ کا بعض حصہ دھونے سے چھوڑ دے تو کیا جائز ہوگا؟ اس سے واضح ہوا جو ہم نے ذکر کیا کہ دونوں کان سر سے ہیں اور ان کا حکم، سر کا حکم ہے۔ زہری کا قول اس کے خلاف ہے انہوں نے کہا: یہ دونوں چہرہ سے ہیں چہرہ کے ساتھ ان کو دھویا جائے گا۔ امام شعبی کا قول اس کے خلاف ہے اس نے کہا: کانوں کا جو آگے والا حصہ ہے وہ چہرہ سے ہے اور کانوں کا ظاہر سر سے ہے۔ الرأس (سر) کو راس اس کے علو کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور اس میں بالوں کے اگنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اسی سے راس الجبل (پہاڑ کی چوٹی) ہے ہم نے کہا کہ سر جملہ اعضاء کا نام ہے کیونکہ شاعر کا قول ہے:

إذا احتملوا رأسي وفي الرأس أكثري وغُودِر عند المُلتَقَى ثم سَائِري

مسئلہ نمبر 8۔ سر کے مسح کی تقدیر میں علماء کے گیارہ اقوال ہیں۔ تین اقوال امام ابو حنیفہ کے ہیں، دو قول امام شافعی کے ہیں اور چھ اقوال ہمارے علماء کے ہیں۔ ان سے صحیح ایک ہے اور وہ پورے سر کے مسح کا وجود ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 127

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 34۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 415، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا بہتر ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے وہ کیا جو اس پر لازم تھا۔ با مؤکدہ زائدہ ہے، تبعیض کے لیے نہیں ہے اس کا معنی ہے وَامْسَحُوْا رُءُوْسَكُمْ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا دخول یہاں تیمم میں اس کے دخول کی طرح ہے فرمایا: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ اگر اس کا معنی تبعیض ہوتا تو اس جگہ بھی تبعیض کا فائدہ دیتی۔ یہ قطعی بات ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: با داخل ہوئی ہے تا کہ بدیع معنی کا فائدہ دے، غسل لغۃ مغسول بہ کا تقاضا کرتا ہے اور مسح لغۃ ممسوح بہ کا تقاضا نہیں کرتا اگر وامسحوا رؤسکم ہوتا تو سر پر کسی چیز کے بغیر ہاتھ کو گزارتے ہوئے مسح کرنا جائز ہوتا پس با داخل ہوئی تا کہ ممسوح بہ کا فائدہ دے اور وہ پانی ہے گویا فرمایا: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمُ الماء اور یہ لغت دو اعتبار سے فصیح ہے، یا تو قلب کے اعتبار سے جیسا کہ سیبویہ نے کہا ہے:

كَنَوَاحِ رِيشِ حَمَامَةٍ نَجْدِيَّةٍ　　ومسحت باللِّثَتَيْنِ عَصْفَ الْإِثْمِدِ

اثمد کے عصف کے ساتھ ممسوحۃ، اللثۃ ہے پھر قلب کیا گیا۔ یا فعل میں اشتراک کی بنا پر اور اس کی نسبت تساوی کی بنا پر جیسے شاعر کا قول ہے:

مثل القَنَافِذِ هَدَّاجُونَ قد بَلَغَتْ　　نَجْرَانَ أو بلغت سَوْءَاتِهِمْ هَجَرُ

یہ ہمارے علماء کی با کے معنی کے بارے میں گفتگو ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے قول وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں بعض سر اور تمام سر کا احتمال ہے اور سنت دلالت کرتی ہے کہ بعض سر کا مسح کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی پیشانی پر مسح کیا(1)۔ دوسری جگہ فرمایا: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ تیمم میں کیا بعض چہرہ پر مسح کرنا کافی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم میں چہرے کا مسح، غسل کا بدل ہے، پس غسل کی پوری جگہ پر مسح کرنا ضروری ہے۔ سر کا مسح اصل ہے۔ یہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ ہمارے علماء نے حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شاید یہ کسی عذر کی وجہ سے کیا ہو خصوصاً آپ ﷺ نے یہ فعل سفر میں کیا تھا اور یہ اعذار کی جگہ ہے اور جلدی اور اختصار کا مقام ہے اور اکثر فرائض مشقت اور خطرے کی وجہ سے حذف ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ نے پیشانی پر اکتفا نہیں کیا حتی کہ عمامہ پر مسح کیا، مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث سے نقل کیا ہے(2)، اگر پورے سر کا مسح واجب نہ ہوتا تو عمامہ پر مسح نہ کرتے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پورے سر کا مسح کرنا کافی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اپنے سر کا تین مرتبہ مسح کرے۔ حضرت انس، سعید بن جبیر اور عطا سے مروی ہے۔ ابن سیرین دو مرتبہ مسح کرتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا: حضرت عثمان کی تمام احادیث جو صحیح ہیں دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ ہے۔ انہوں نے تین مرتبہ وضو کا ذکر کیا انہوں نے کہا: سر کا مسح کیا اور عدد کا ذکر نہیں کیا(3)۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اختلاف ہے کہ مسح کا آغاز کہاں سے کرے؟ امام مالک نے کہا: سر کے اگلے حصہ سے شروع

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 134　2۔ ایضاً

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 15۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 155، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرے پھر اپنے ہاتھوں کو پیچھے کی طرف لے جائے پھر آگے کی طرف لے آئے۔ یہ حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کے مطابق ہے جس کو مسلم نے تخریج کیا ہے۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل نے بھی یہی کہا ہے۔ حسن بن حی فرماتے تھے: سر کے پچھلے حصہ سے شروع کرے۔ انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء کی حدیث کی بنا پر یہ کہا ہے، اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اس کا دارومدار عبداللہ بن محمد بن عقیل پر ہے اور محدثین کے نزدیک یہ حافظ نہیں ہے۔ ابوداؤد نے بشر بن مفضل عن عبداللہ عن الربیع کی روایت سے تخریج کیا ہے، ابن عجلان نے عنہ عن الربیع کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس وضو کیا اور سارے سر کا مسح کیا بالوں کی چوٹی سے ہر طرف سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو اپنی ہیئت سے حرکت نہیں دیتے تھے (1)۔ یہ صفت حضرت ابن عمر سے مروی ہے وہ سر کے درمیان سے مسح شروع کرتے تھے اور اس باب میں اصح ترین حدیث حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث ہے۔ اور جو بعض سر کے مسح کو جائز قرار دیتے ہیں وہ آگے والے بعض حصہ کا نظریہ رکھتے ہیں، ابراہیم اور شعبی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اپنے سر کی دونوں اطراف میں جس طرف کا بھی مسح کرے جائز ہوگا۔ حضرت ابن عمر نے صرف الیافوخ کا مسح کیا اور اجماع منعقد ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ اکٹھا مسح کرنا بہتر ہے اور اجزاء پر مسح جائز ہے اگر ایک ہاتھ سے مسح کرے۔ اور اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے ایک انگلی سے مسح کیا حتی کہ اس کا نظریہ ہے سر کے کسی حصہ پر مسح جائز ہے۔ یہ سفیان ثوری کا قول ہے سفیان نے کہا: اگر ایک انگلی کے ساتھ سر کا مسح کیا تو جائز ہے۔ بعض نے فرمایا: جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ مسح کی سنت سے خروج ہے گویا وہ کھیلنے والا ہے مگر یہ کہ مرض کی وجہ سے ضرورت ہو، پس مناسب ہے کہ اجزاء میں مختلف نہ ہو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: تین انگلیوں سے کم انگلیوں کے ساتھ سر کا مسح کرنا جائز نہیں۔ پھر سر کے بالوں پر ہاتھوں کو لوٹانے میں اختلاف ہے کیا یہ فرض ہے یا سنت ہے؟ اس بات پر اجماع ہونے کے بعد کہ پہلا مسح فرض ہے اور جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے بعض علماء نے فرمایا: یہ فرض ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اگر متوضی مسح کی جگہ سر کو دھوئے تو ابن عربی نے کہا: ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے کہ یہ جائز ہے مگر ہمیں امام فخر الاسلام الشاشی نے اپنے درس میں ابوالعباس بن القاص سے روایت کر کے بتایا کہ یہ جائز نہیں ہے، یہ داؤد کے مذہب میں غلو ہے، ظاہر کی اتباع کی وجہ سے فاسد ہے اور شریعت کو باطل کرنے والا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے فرمایا: يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ (الروم: 7) اور فرمایا: أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ (الرعد: 33)

حالانکہ یہ غسل کرنے والا وہ بھی کرنے والا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اور زیادتی بھی اس نے کی۔ اگر کہا جائے کہ یہ زیادتی اس لفظ سے خارج ہے جس کا مکلف کیا گیا تھا، ہم کہیں گے: فعل کو محل تک پہنچانے کے معنی سے خارج نہیں۔ اسی طرح اگر سر کا مسح کیا پھر حلق کرا لیا تو اس پر مسح کا اعادہ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ دونوں کان امام مالک، امام احمد، ثوری اور امام ابوحنیفہ وغیرہم کے نزدیک سر سے ہیں پھر نئے پانی سے ان کے مسح میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے کہا: نئے پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کرے، اس پانی کے سوا جس

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 17۔ ایضاً، صحیح بخاری، کتاب الوضوء، حدیث نمبر 179، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کے ساتھ سر کا مسح کیا تھا، جیسا کہ حضرت ابن عمر نے کہا تھا، اسی طرح امام شافعی نے نئے پانی کا کہا ہے انہوں نے فرمایا: ان کا مسح کرنا سنت ہے نہ یہ چہرہ سے ہیں اور نہ سر سے ہیں، کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ کانوں پر جو بال ہیں حج میں ان کا حلق نہیں ہے۔ ابوثور کا قول اس مسئلہ میں امام شافعی کے قول کی طرح ہے۔ ثوری اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: سر کے ساتھ ایک پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کیا جائے گا۔ سلف صالحین کی جماعت سے صحابہ اور تابعین سے اس قول کی مثل مروی ہے۔ داؤد نے کہا: اگر کانوں کا مسح کیا تو بہتر ہے ورنہ اس پر کچھ واجب نہیں، کیونکہ قرآن میں دونوں کا ذکر نہیں۔ اسے کہا جائے گا: راس کا اسم ان دونوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ نسائی اور ابوداؤد وغیرہما کی کتابوں میں احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کانوں کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا اور اپنی انگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا(۱)۔ اور کتاب اللہ میں ان کا عدم ذکر دلالت کرتا ہے کہ یہ فرض نہیں ہے جیسا کہ چہرے اور ہاتھوں کا ذکر ہے اور کانوں کے مسح کی سنت حدیث سے ثابت ہے اہل علم متوضی کے لیے اپنے کانوں کے مسح کے ترک کو ناپسند کرتے ہیں کانوں کو ترک کے سنت کا ترک بناتے ہیں اور اس پر اعادہ کو واجب نہیں کرتے مگر اسحاق نے کہا: اگر کانوں کا مسح ترک کرے تو جائز نہیں۔ احمد نے کہا: اگر کانوں کا مسح جان بوجھ کر ترک کرے تو میں اعادہ پسند کرتا ہوں۔ علی بن زیاد مالکی سے مروی ہے انہوں نے کہا: جس نے وضو یا نماز کی سنت میں کسی سنت کو جان بوجھ کر ترک کیا تو وہ اعادہ کرے۔ یہ فقہاء کے نزدیک ضعیف ہے۔ سلف میں سے اس کا کوئی قائل نہیں اور نظر اس کا تقاضا کرتی ہے اگر اس طرح ہوتا تو اس کے علاوہ فرض واجب معروف نہ ہوتا۔ جس نے کہا: کان چہرے سے ہیں انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سجدہ میں یہ کہتے تھے سجد وجھی للذی خلقه وصورہ وشق سمعه وبصرہ (1)۔ میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ذات کے لیے جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی تصویر بنائی اور اس کی سمع و بصر کو بنایا۔ سمع کی نسبت چہرہ کی طرف کی پس ثابت ہوا کہ ان کے لیے چہرہ کا حکم ہے۔ مصنف ابی داؤد میں حضرت عثمان کی حدیث میں ہے کہ یکبارگی کانوں کے ظاہر و باطن کو دھویا پھر اپنے پاؤں کو دھویا پھر فرمایا: وضو کے متعلق سوال کرنے والے کہاں ہیں؟ میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے (2)۔ جنہوں نے کہا: کانوں کو چہرہ کے ساتھ دھویا جائے گا اور ان کے باطن کا سر کے ساتھ مسح کیا جائے گا انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چہرہ کو دھونے کا حکم دیا اور سر کے مسح کا حکم دیا پس جو کانوں میں سے سامنے ہے اس کا دھونا واجب ہے، کیونکہ وہ چہرہ سے ہے اور جو سامنے نہیں ہے اس کا مسح واجب ہے، کیونکہ وہ سر سے ہے۔ اس قول کو آثار رد کرتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کانوں کے ظاہر اور کانوں کے باطن کا مسح کرتے تھے۔ یہ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابن عباس اور حضرت ربیع وغیرہم کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور جنہوں نے کہا: وہ دونوں سر سے ہیں انہوں نے اس حدیث

1۔ جامع الترمذی، کتاب الدعوات، جلد 2، صفحہ 179۔ ایضاً، حدیث نمبر 529، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 15　(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، حدیث نمبر 105-106، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے حجت پکڑی ہے جو صنابحی سے مروی ہے: ''جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے خطائیں نکل جاتی ہیں حتیٰ کہ کانوں سے خطائیں نکل جاتی ہیں'' (1)۔ اس حدیث کو امام مالک نے تخریج کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَرْجُلَكُمْ نافع، ابن عامر اور کسائی نے اَرْجُلَكُمْ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ولید بن مسلم نے نافع سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اَرْجُلکم کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ حسن، اعمش سلیمان کی قرأت ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور حمزہ نے وارجلکم کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان قرأتوں کی وجہ صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے، جس نے نصب کے ساتھ پڑھا انہوں نے فَاغْسِلُوْا کو عامل بنایا، انہوں نے پاؤں میں دھونا فرض کیا ہے نہ کہ مسح۔ یہ جمہور علماء کا مذہب ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے قول سے بطور لازم ثابت ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو وضو کرتے دیکھا جب کہ ان کی ایڑیاں (خشکی کی وجہ سے) چمک رہی تھیں تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا: ''خشک ایڑیوں کے لیے آگ کی ہلاکت ہے، مکمل وضو کرو'' (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی حد بیان فرمائی فرمایا: اِلَى الْكَعْبَيْنِ ٹخنوں تک۔ جیسا کہ ہاتھوں کے بارے میں فرمایا: اِلَى الْمَرَافِقِ یہ ٹخنوں کے دھونے کے وجوب پر دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔ اور جنہوں نے جر کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے با کو عامل بنایا ہے۔ ابن عربی نے کہا: پاؤں کے دھونے کے وجوب پر علماء کا اتفاق ہے اور مجھے معلوم نہیں کسی نے اس کو رد کیا ہو، سوائے طبری کے جو مسلمانوں کے فقہاء سے ہیں اور رافضیوں اور طبری نے جر کی قرأت سے استدلال کیا ہے۔

میں نے کہا: حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا: وضو میں دو چیزیں دھوئی جاتی ہیں اور دو پر مسح کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حجاج نے الاہواز میں خطبہ دیا اور وضو کا ذکر کیا، اس نے کہا: اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو دھوؤ، کیونکہ کوئی چیز ابن آدم سے اس کے قدموں کی نسبت خبث کے قریب نہیں ہے پس تم اس کے بطون، ظہور ایڑھی کے اوپر کے حصہ کو دھوؤ۔ یہ حضرت انس بن مالک نے سنا اور کہا: اللہ نے سچ فرمایا اور حجاج نے غلط کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ۔ فرمایا: جب وہ پیروں کا مسح کرتے تھے تو انہیں پانی سے تر کرتے تھے۔ حضرت انس سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: قرآن مسح کے ساتھ نازل ہوا اور سنت غسل کے ساتھ وارد ہوئی۔ عکرمہ اپنے پاؤں پر مسح کرتے تھے انہوں نے کہا: پاؤں میں غسل نہیں ان کے بارے میں مسح نازل ہوا۔ عامر شعبی نے کہا: جبریل مسح کے ساتھ نازل ہوئے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تیمم میں اس کا مسح کیا جاتا ہے جن کو دھویا جاتا ہے اور جن پر مسح کیا جاتا ہے انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دو غسل اور دو مسح فرض کیے۔ ابن جریر طبری کا نظریہ یہ ہے کہ پاؤں میں فرض غسل اور مسح کے درمیان اختیار ہے اور انہوں نے دونوں قرأتوں کو دو روایتوں کی طرح بنایا ہے۔ نحاس نے کہا: جو کچھ اس مسئلہ میں کہا گیا ہے اس میں سے بہتر یہ ہے کہ مسح اور غسل دونوں واجب ہیں، مسح جر کی قرأت کرنے والے کی قرأت پر

1۔ موطا امام مالک، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 31

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 13۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر 58، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

واجب ہے اور غسل نصب کی قرأت کرنے والے کی قرأت پر واجب ہے دونوں قرأتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک قوم جنہوں نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے ان کا نظریہ ہے کہ پاؤں میں مسح سے مراد دھونا ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے، کیونکہ مسح کا لفظ مشترک ہے مسح اور دھونے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہروی نے کہا: ہمیں زہری نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابو بکر محمد بن عثمان بن سعید دارمی نے بتایا انہوں نے ابو حاتم سے انہوں نے زید انصاری سے روایت کیا ہے فرمایا: مسح کلام عرب میں کبھی غسل کے لیے اور کبھی مسح کے لیے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے جب آدمی وضو کرے اور اعضاء کو دھوئے، قد تمسح اس نے مسح کیا۔ کہا جاتا ہے: مسح الله مالك۔ جب اللہ تعالیٰ نے تجھے گناہوں سے پاک کیا۔ جب عربوں سے نقل کے ساتھ ثابت ہے کہ مسح غسل کے معنی میں ہوتا ہے پس اس کا قول راجح ہوا جس نے کہا: جر کی قرأت سے مراد غسل ہے۔ نصب کی قرأت جس میں کوئی احتمال نہیں ہے اس سے مراد بھی غسل ہے اور کثرت احادیث سے ثابت بھی غسل ہے اور ان کے دھونے کے ترک پر وعید اخبار صحیحہ میں وارد ہے جن کی کثرت کو شمار نہیں کیا جا سکتا، ان احادیث کو ائمہ نے تخریج کیا ہے، پھر سر میں مسح ان کے درمیان داخل ہے جو چیزیں دھوئی جاتی ہیں ترتیب کے بیان کے لیے اس بنا پر کہ رجلین سے پہلے مفعول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وارجلکم الی الکعبین وامسحوا برؤسکم۔

جب الراس (سر) الرجلین (پاؤں) سے پہلے مفعول تھا تلاوت میں ان پر مقدم کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ نہ یہ کہ دونوں سر کے ساتھ مشترک ہیں، کیونکہ تطہیر کی صفت میں ان پر اس کو مقدم کیا۔

عاصم بن کلیب نے ابو عبدالرحمن سلمی سے روایت کیا ہے فرمایا: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے مجھ پر وارجلکم پڑھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا جب کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر رہے تھے فرمایا: وَ اَرْجُلَكُمْ یہ کلام میں مقدم اور مؤخر میں سے ہے۔

ابو اسحاق نے حارث سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اغسلوا الاقدام الی الکعبین اپنے قدموں کو ٹخنوں تک دھوو۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے ارجلکم نصب کے ساتھ پڑھا۔ بعض علماء نے فرمایا: الرجلین میں جر ان کے مسح کی قید کے لیے آئی ہے لیکن جب کہ ان پر خفین ہوں اور یہ قید ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح کرنا صحیح ثابت نہیں مگر جب ان پر خفین تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے اس حالت کو بیان کیا جس میں پاؤں دھوئے جاتے ہیں اور اس حالت کو بیان کیا جس میں مسح کیا جاتا ہے۔ یہ بہتر قول ہے۔ اگر کہا جائے کہ خفین پر مسح سورۃ المائدہ کے ساتھ منسوخ ہے (2)۔ یہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مسح کو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے رد کیا اور امام مالک نے بھی اس کا ایک روایت میں انکار کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے کسی چیز کی نفی کی اور دوسرے نے اس کا اثبات کیا تو نافی کے لیے حجت نہیں۔ خفین پر مسح کو بہت سے صحابہ اور تابعین نے ثابت کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے ستر صحابہ نے بتایا کہ وہ خفین پر مسح کرتے تھے اور نقل صحیح کے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 163 2۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 14

ساتھ ہمام سے ثابت ہے فرمایا: جریر نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور خفین پر مسح کیا۔ ابراہیم نخعی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور خفین پر مسح کیا۔ ابراہیم نخعی نے فرمایا: اس حدیث کو وہ پسند کرتے تھے۔ کیونکہ جریر کا اسلام سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد تھا (1)۔ یہ نص ہے اس کو رد کرتی ہے جو انہوں نے ذکر کیا اور انہوں نے جس روایت سے حجت پکڑی ہے وہ یہ ہے واقدی عن عبدالحمید بن جعفر عن ابیہ جریر نے سولہ رمضان کو اسلام قبول کیا اور المائدہ ذی الحجہ میں یوم عرفات کو نازل ہوئی۔ یہ حدیث اپنے ضعف کی وجہ سے ثابت نہیں۔ اس سورۃ میں سے عرفہ کے دن اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نازل ہوا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: میں مسح علی الخفین میں جریر کی حدیث کو بہتر سمجھتا ہوں، کیونکہ ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نزول کے بعد ہے اور جو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور حضرت عائشہ کے پاس اس کا علم نہیں تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ نے سائل کو حضرت علی کی طرف لوٹایا تھا اور ان کی طرف سائل کو پھیرا تھا، حضرت عائشہ نے سائل کو فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ الحدیث (2)

اور رہے امام مالک جو ان سے انکار مروی ہے وہ منکر ہے، صحیح نہیں ہے، صحیح وہ ہے جو انہوں نے اپنی موت کے وقت ابن نافع کو کہا: میں اپنے لیے طہارت کو پسند کرتا ہوں اور جس نے مسح پر اکتفا کیا اس میں حرج نہیں دیکھتا۔ اسی پر محمول کیا امام احمد بن حنبل نے جو ابن وہب نے ان سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: میں سفر و حضر میں مسح نہیں کرتا۔ امام احمد نے کہا: جس طرح حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو خفین پر مسح کرنے کا حکم دیا اور خود خفین اتار کر وضو کیا اور فرمایا: مجھے وضو محبوب ہے۔ اسی طرح حضرت ابوایوب سے مروی ہے، احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے اس بنا پر مسح کو ترک کیا جس بنا پر حضرت ابن عمر، حضرت ابوایوب اور امام مالک نے ترک کیا تو میں اس پر انکار نہیں کروں گا، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور اس پر عیب نہیں لگائیں گے مگر یہ کہ وہ اس کو ترک کر دے اور وہ اس طرح اس کو نہ دیکھے جس طرح اہل بدعت نے کیا ہے، پس اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے کہا: ارجلکم لفظ پر معطوف ہے معنی پر معطوف نہیں یہ غسل پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ معنی کی رعایت ہوتی ہے نہ لفظ کی۔ جر، جوار کی وجہ سے ہے جس طرح عربوں نے کہا ہے اور قرآن میں اور دوسری عرب کلام میں یہ پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ (الرحمٰن: 35) جر کے ساتھ ہے (☆)۔ کہا: نحاس دھواں ہے اور فرمایا: هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (البروج) امراء القیس نے کہا:

كَبِيْرُ أُنَاسٍ فِي بِجَادٍ مُزَمَّلِ

مزمل کو جر، جوار کی وجہ سے ہے مزمل مرد ہے اس کا اعراب رفع ہے۔ زہیر نے کہا:

لَعِبَ الزمانُ بها وغَيَّرها بعدي سَوَا فِي المُورِ والقَطْرِ

ابو حاتم نے کہا: القطر پر رفع تھا لیکن المور کے جوار کی وجہ سے اس کو جر دی گئی ہے جس طرح عربوں نے کہا ہے: ھذا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 133-132

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 135

☆ یعنی ایک قراءت میں نحاس جر کے ساتھ ہے۔

جحر ضب خرب۔ انہوں نے اس (خرب) کو جر دی ہے حقیقیۃً اس کا اعراب رفع ہے یہ اخفش، ابو عبیدہ کا مذہب ہے۔ نحاس نے اس کو رد کیا ہے، فرمایا: یہ قول غلط ہے، کلام میں جواز نہیں ہوتا کہ اس پر قیاس کیا جائے یہ غلط ہے اس کی مثال الاقواء ہے۔

میں نے کہا: اس میں قطعی باب یہ ہے کہ پاؤں میں فرض غسل ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے ''خشک ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے اور قدموں کے پیٹ آگ سے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کی مخالفت پر ہمیں ڈرایا گیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ آگ کا عذاب نہیں دیا جاتا مگر واجب کے ترک پر اور یہ معلوم ہے کہ مسح میں استیعاب (گھراؤ احاطہ) نہیں ہوتا اور مسح کے قائلین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسح ظاہر پر ہوتا ہے بطون پر نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے اس شخص کا بطلان واضح ہو گیا جس نے مسح کا قول کیا، کیونکہ ان کے نزدیک پاؤں کے بطون میں مسح کا دخل نہیں اور غسل کے ساتھ پاؤں کے بطن کو دھویا جاتا ہے مسح باطن کا نہیں ہوتا۔ اور دوسری دلیل اجماع کی جہت سے ہے علماء کا اتفاق ہے جس نے اپنے قدموں کو دھویا اس نے واجب کو ادا کیا اور قدموں کا مسح کرنے والے کے بارے علماء کا اختلاف ہے یقین اس سے حاصل ہوتا ہے جس پر علماء کا اجماع ہوتا ہے نہ اس سے جس میں اختلاف ہوتا ہے۔ کثرت سے علماء ایک دوسرے سے روایت کرتے آئے ہیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو میں ایک مرتبہ دو مرتبہ اور تین مرتبہ اپنے پاؤں دھوتے تھے حتیٰ کہ انہیں صاف کرتے تھے، تیرے لیے پاؤں دھونے میں یہ حجت کافی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، پس واضح ہو گیا کہ جر کی قرأت میں غسل ہے نہ کہ مسح جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور وَ اَرْجُلَكُمْ میں عامل فَاغْسِلُوْا ہے اور عرب ایک شے کا دوسری شے پر ایک فعل کے ساتھ عطف کرتے ہیں جس کے ساتھ ایک شے منفرد ہوتی ہے تو کہتا ہے: اکلت الخبز واللبن۔ یعنی میں نے دودھ پیا یعنی اللبن سے پہلے فعل محذوف ہے۔

اسی سے شاعر کا قول ہے:　　عَلفتُها تبنًا و ماءً باردًا

ایک اور نے کہا:

ورأيتُ زوجكِ فی الوغی مُتقلِّدًا سَيفًا ورُمْحًا

ایک اور نے کہا:

وأطفَلَت بالجَلَهَتَين ظِباءُها ونَعامُها

ایک اور نے کہا:

شَرَابُ أَلبانٍ وتمرٍ وأَقِط (1)

ان اشعار میں تقدیر یہ ہے: علفتها تِبنًا وسقيتُها ماءً، متقلِّدًا سيفا وحامِلا رُمحًا۔ وأطفَلَتْ بالجَلْهَتَيْنِ ظباءها وفرخت نعامها (النعام لا يُطفلِ انما يُفرِخ) اطفلت اس کے بچے تھے اور الجَلْهَتان سے مراد وادی کے کنارے ہیں۔ شرابُ ألبان وآكل تمر پس وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ، غسل کا عطف مسح پر ہے معنی پر محمول کرتے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 578

ہوئے۔ مراد غسل ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ بخاری نے روایت کیا ہے مجھے موسیٰ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں وہب نے بتایا انہوں نے عمرو سے روایت کیا ہے یہ ابن یحییٰ ہے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا فرمایا عمرو بن ابی حسن کے پاس گیا انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی طرح وضو کیا، پہلے اس برتن سے ہاتھوں پر پانی انڈیلا، پھر اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو برتن میں داخل کیا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر ناک سے پانی جھاڑا یہ عمل تین چلوؤں سے کیا، پھر اپنے ہاتھ کو پانی میں داخل کیا اور تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو داخل کیا اور تین مرتبہ کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو پانی میں داخل کیا اور اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے، پھر پیچھے سے آگے لے آئے یہ عمل ایک مرتبہ کیا، پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے (1)۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ اَمْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں با زائدہ ہے، کیونکہ مسح راسہ فرمایا اور براسہ نہیں فرمایا۔ سر کا مسح ایک مرتبہ ہے مسلم کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں واضح طور پر اس کی تفسیر آئی ہے کہ پہلے آپ ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے لے آئے۔ سر کے اگلے حصہ سے مسح شروع کیا، پھر انہیں پیچھے گدی کی طرف لے گئے، پھر انہیں لوٹایا حتی کہ اس تک واپس لے آئے جس سے آغاز کیا تھا (2)۔ علماء کا کعبین کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو پاؤں کے پہلو میں اٹھی ہوئی ہوتی ہیں (3)۔ اصمعی نے علماء کے قول کا انکار کیا ہے کہ کعب، قدم کی پیٹھ پر ہے۔ یہ اس نے ''الصحاح'' میں کہا ہے۔ اور ابن القاسم روایت کرتے ہیں محمد بن حسن نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے وضو کی حد یہاں تک مقرر کی ہو لیکن عبدالوہاب نے ''التلقین'' اس کے بارے ایسے الفاظ لکھے ہیں جن میں تخلیط اور ابہام ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: میں اس کی مخالفت کرنے والا نہیں جانتا کہ کعبین پنڈلی کے جوڑ کی دو ہڈیاں ہیں جو اٹھی ہوئی ہیں۔ طبری نے یونس سے انہوں نے اشہب سے انہوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: الکعبان وہ حد ہے جس تک دھونا واجب ہے یہ دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں ایڑی کے سامنے ہیں اور کعب، قدم کے اوپر ظاہر نہیں۔

میں کہتا ہوں: لغت اور سنت میں یہی صحیح ہے۔ کعب عرب کلام میں العلو سے ماخوذ ہے، اسی وجہ سے کعبہ کہا جاتا ہے۔ کعبت المراۃ کہا جاتا ہے جب عورت کے پستان گول ہو جائیں اور ابھر جائیں۔ کعب القناۃ نیزہ کی گرہ پر دو جوڑوں کے درمیان کی جگہ کو کعب کہتے ہیں۔ کبھی یہ شرف اور مجد کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسی سے حدیث ہے واللہِ لایزالُ کَعْبُكِ عالیاً اللہ کی قسم تیری بزرگی ہمیشہ بلند رہے گی۔

سنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کو ابو داؤد نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے اللہ کی قسم! اپنی صفوں کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوضو، جلد 1، صفحہ 31۔ ایضاً، حدیث نمبر 180، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 123 3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 164

درست کرو ورنہ تمہارے دلوں کے درمیان اللہ تعالیٰ مخالفت پیدا کر دے گا، فرمایا: میں نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے، اپنا گھٹنا اپنے ساتھی کے گھٹنے سے، اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملائے ہوئے تھا(1)۔
العقب، ایڑی کے ہڈی کے نیچے پاؤں کا پچھلا حصہ ہے۔ اور العرقوب پنڈلی اور پاؤں کا جوڑ ہے، اسی سے حدیث ہے ''خشک عراقیب (ایڑیوں) کے لیے آگ سے ہلاکت ہے''(2)۔ یعنی جب ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو جیسا کہ ارشاد ہے ''(خشک) ایڑیوں اور قدموں کے لیے آگ کا عذاب ہے''(3)۔

مسئلہ نمبر 15۔ ابن وہب نے مالک سے روایت کیا ہے، کسی پر وضو میں اور غسل میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا نہیں ہے، جفاء اور علق میں خیر نہیں ہے، ابن وہب نے کہا: پاؤں کی انگلیوں کے خلال کرنے کی رغبت دی گئی ہے، ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال ضروری ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جس نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کا خلال نہیں کیا اس پر کچھ نہیں ہے۔ محمد بن خالد نے ابن القاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے: جس نے نہر پر وضو کیا اور اپنے پاؤں کو پانی میں حرکت دی تو جائز نہ ہو گا حتی کہ پاؤں کو ہاتھوں سے دھوئے۔ ابن القاسم نے کہا: اگر ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں سے دھونے پر قادر ہو تو جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ انگلیوں کے درمیان کی جگہ کو دھویا جائے گا، کیونکہ وہ بھی پاؤں سے ہیں جیسا کہ ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان کی جگہ ہاتھ سے ہے، ہاتھوں کی انگلیوں کے کھلا ہونے اور پاؤں کی انگلیوں کا ملا ہوا ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، انسان کو پورے پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح پورے ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ جب وضو فرماتے تو اپنی انگلیوں کو اپنی چھوٹی انگلی سے ملتے تھے(4)، یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاؤں دھوتے تھے۔ یہ عموم کا تقاضا کرتا ہے۔ امام مالک آخری عمر میں اپنے پاؤں کی تمام انگلیوں کو یا بعض انگلیوں کو اپنی چھوٹی انگلی سے ملتے تھے اس حدیث کی بنا پر جو انہیں ابن وہب نے بیان کی انہوں نے ابن لہیعہ اور لیث بن سعد سے روایت کی انہوں نے یزید بن عمرو غفاری سے روایت کی انہوں نے ابو عبد الرحمن حبلی سے روایت کی انہوں نے مستورد بن شداد قرشی سے روایت کی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اپنے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کی جگہ کا اپنی چھوٹی انگلی سے خلال کرتے تھے۔ ابن وہب نے کہا: مجھے امام مالک نے فرمایا: یہ اچھا ہے۔ میں نے ان سے یہ صرف اس گھڑی سنا۔ ابن وہب نے کہا: میں نے ان سے سنا اس کے بعد وضو میں انگلیوں کے خلال کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خَلِّلوا بین الأصابع لا تُخَلِّلُها النار(5)۔ انگلیوں کا خلال کرو تاکہ آگ ان کا خلال نہ کرے۔ یہ خلال کے ترک پر وعید ہے پس جو ہم نے کہا وہ ثابت ہو گیا۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 96۔ ایضاً، حدیث نمبر 566، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 125 3۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 8۔ ایضاً، حدیث نمبر 39، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 7 5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 580

مسئلہ نمبر 16۔ آیت کے الفاظ متواتر وضو کرنے کا تقاضا کرتے ہیں یعنی اعضاء کو لگا تار دھوئے، درمیان میں وقفہ نہ کرے اور درمیان میں کوئی ایسا فعل نہ کرے جو وضو سے نہ ہو۔ علماء کا اس کے متعلق اختلاف ہے۔ ابن ابی سلمہ اور ابن وہب نے کہا: پے در پے وضو کرنا، ذکر ونسیان میں وضو کے فرائض سے ہے جس نے اپنے وضو کے اعضاء کے درمیان جان بوجھ کر یا بھول کر وقفہ کیا تو جائز نہ ہوگا۔ ابن عبدالحکم نے کہا: بھول کر وقفہ کرے یا جان بوجھ کر کرے وضو جائز ہوگا۔ امام مالک نے ''المدونہ'' میں اور کتاب محمد میں ہے کہ پے در پے کا حکم ساقط ہے یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام مالک اور ابن القاسم نے کہا: اگر جان بوجھ کر فرق کیا تو پھر جائز نہ ہوگا بھول کر کیا تو جائز ہوگا۔ ابن حبیب کی روایت میں امام مالک نے فرمایا: مغسول میں وقفہ جائز ہے ممسوح میں جائز نہیں۔ یہ پانچ اقوال ہیں جو دو اصلوں پر قائم ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے مطلق حکم دیا ہے متواتر وضو کرے یا وقفہ کرے (تیری مرضی مقصود تمام اعضاء میں نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت غسل کا وجود ہے (۲) یہ عبادات ہیں جو مختلف ارکان والی ہیں، پس اس میں توالی اور تواتر واجب ہے جس طرح نماز ہے، یہ اصح ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 17۔ آیت کے الفاظ ترتیب کو بھی اپنے ضمن میں رکھتے ہیں۔ ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابہری نے کہا: ترتیب سنت ہے ظاہر مذہب یہ ہے کہ بھولنے والے کے لیے ترتیب کا نہ ہونا جائز ہے اور جان بوجھ کر ترتیب چھوڑنے والے کے بارے اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جائز ہے اور مستقبل میں ترتیب کو قائم رکھے۔ ابوبکر القاضی وغیرہ نے کہا: یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ کھیلنے والا ہے۔ امام شافعی اور ان کے تمام اصحاب کا نظریہ یہ ہے۔ امام احمد بن حنبل اور ابو عبید قاسم بن سلام، اسحاق، ابوثور کا یہی قول ہے۔ ابومصعب مالکی کا بھی یہ نظریہ ہے، اس نے اس کو اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے۔ اس کو اس نے اہل مدینہ سے حکایت کیا ہے اور امام مالک بھی ان کے ساتھ ہیں کہ جس نے وضو میں ہاتھوں کو دھونے میں چہرہ سے مقدم کیا اور آیت کی ترتیب کے مطابق وضو نہ کیا تو جس نے اس وضو کے ساتھ نماز پڑھی اس کا اعادہ لازم ہے۔ امام مالک سے اکثر روایات یہ ہیں کہ واؤ نہ تعقیب کا موجب ہے اور نہ ترتیب کا موجب ہے۔ یہی قول امام مالک کے اصحاب کا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ اور یہی ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، مزنی اور داؤد بن علی کا نظریہ ہے۔ الکیا طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ کا ظاہر اجزاء کا تقاضا کرتا ہے وہ علیحدہ علیحدہ وقفہ سے اعضاء کو دھوئے یا متواتر وضو کرے جیسا کہ صحیح مذہب شافعی سے ہے اور یہ اکثر علماء کا مذہب ہے۔ ابوعمر نے کہا: مگر امام مالک فرماتے ہیں: آئندہ نماز کے لیے ترتیب سے نیا وضو کرنا مستحب ہے یہ اس پر وہ واجب خیال نہیں کرتے تھے، یہ ان کے مذہب کا ماحاصل ہے۔ علی بن زیاد نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے اپنے بازوؤں کو دھویا، پھر اپنے چہرے کو دھویا، پھر اسے اسی جگہ یاد آ گیا تو وہ بازوؤں کو دھونے کا اعادہ کرے اور اگر اسے یاد نہ آئے حتیٰ کہ اس نے نماز پڑھ لی تو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔ علی نے کہا: پھر اس کے بعد امام مالک نے کہا: نماز کا اعادہ نہ کرے اور آئندہ نماز کے لیے وضو کا اعادہ کرے۔ اختلاف کا سبب وہ ہے جو بعض علماء نے کہا کہ فَاغْسِلُوْا میں تعقیب کا موجب ہے، کیونکہ جب یہ جواب شرط ہے تو اس نے مشروط مربوط کر دیا پس یہ تمام میں ترتیب کا تقاضا کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ چہرے سے آغاز کرنے کا تقاضا کرتی ہے، کیونکہ یہ شرط کی جزا اور جواب ہے یہ تمام میں ترتیب کا تقاضا کرتی ہے اگر جواب شرط ایک معنی ہوتا جب جواب شرط تمام جملے ہیں تو پھر کوئی پروا نہیں جس سے آغاز کیا جائے، کیونکہ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ترتیب واؤ کی وجہ سے آتی ہے لیکن حقیقۃً ایسا نہیں کیونکہ تو کہتا ہے: تقاتل زید و عمرو، تخاصم بکر و خالد پس باب مفاعلہ میں اس کا دخول اسے ترتیب سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہے۔ ترتیب چار وجوہ سے ہے (۱) اس سے آغاز کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آپ نے حج فرمایا: ہم اس سے شروع کریں جس سے اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا (۲) سلف کا اجماع ہے وہ ترتیب سے وضو کرتے تھے (۳) وضو کو نماز کی تشبیہ کی وجہ سے (۴) اس ترتیب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت اختیار فرمائی۔ اور جنہوں نے اجازت دی انہوں نے اس پر حجت پکڑی ہے کہ جنابت کے اعضاء کے دھونے میں ترتیب کے نہ ہونے پر اجماع ہے، اسی طرح وضو کے اعضاء کے دھونے میں ترتیب نہیں ہے، کیونکہ اس سے مراد غسل ہے نہ کہ آغاز کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: مجھے کوئی پرواہ نہیں، جب میں مکمل وضو کروں، اپنے جس عضو سے آغاز کروں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا: اپنے ہاتھوں کو دھونے سے پہلے اپنے پاؤں سے آغاز کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ دارقطنی نے کہا: یہ روایت مرسل ہے، ثابت نہیں ہے، اولیٰ ترتیب کا وجوب ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 18۔ جب وضو میں مشغولیت سے نماز کا وقت فوت ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک آدمی تیمم نہیں کر سکتا۔ امام مالک ایسی صورت میں تیمم کو جائز کہتے ہیں، کیونکہ تیمم اصل میں نماز کے وقت کی حفاظت کے لیے ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نماز کو پانی ملنے تک مؤخر کرنا واجب ہوتا۔ جمہور علماء نے اس ارشاد: **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا** سے حجت پکڑی ہے اور یہ پانی پانے والا ہے تیمم کی صحت کی شرط نہیں پائی جاتی پس تیمم نہیں کرے گا۔

مسئلہ نمبر 19۔ بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نجاست کا زائل کرنا واجب نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ استنجا کا ذکر نہیں فرمایا اور وضو کا ذکر فرمایا، اگر نجاست کا زائل کرنا واجب ہوتا تو پہلے اس کا ذکر کیا جاتا۔ یہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کا قول ہے اور امام مالک سے اشہب کی روایت بھی یہی ہے۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ذکر اور نسیان میں نجاست کا زائل کرنا واجب ہے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ ابن القاسم نے کہا: یاد ہوتے ہوئے نجاست کا ازالہ ضروری ہے اور نسیان کی صورت میں اس کا زائل کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: نجاست کا زائل کرنا واجب ہے جب وہ بغلی درہم کی مقدار سے زائد ہو، مراد بڑا درہم ہے جو مثقال کی ہیئت پر ہوتا ہے یہ مخرج معتاد کے منہ پر قیاس کیا ہے جو معاف ہے۔ صحیح ابن وہب کی روایت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں والوں کے متعلق فرمایا: "انہیں عذاب ہو رہا ہے اور (تمہارے نزدیک) کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا (1)" اور عذاب ہمیشہ واجب کے ترک پر ہوتا ہے ظاہر قرآن میں کوئی حجت نہیں،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1 صفحہ 141

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں خاص وضو کا طریقہ بیان فرمایا ہے، نجاست کے ازالہ وغیرہ سے تعرض نہیں فرمایا۔

مسئلہ نمبر 20۔ آیت کریمہ خفین پر مسح پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک کی تین روایات ہیں۔ (۱) مطلقاً انکار جیسا کہ خوارج کہتے ہیں یہ روایت منکرہ ہے صحیح نہیں ہے یہ پہلے گزر چکی ہے (۲) سفر میں مسح کرے حضر میں نہ کرے، کیونکہ مسح کی اکثر روایات سفر میں ہیں اور سباطۃ (کوڑے کا ڈھیر) والی حدیث حضر میں مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہے اس حدیث کو مسلم نے حضرت حذیفہ کی حدیث سے تخریج کیا ہے فرمایا: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر پر آئے دیوار کے پیچھے آپ کھڑے ہوئے جس طرح تم میں سے کوئی کھڑا ہوتا ہے پس آپ نے پیشاب کیا، میں آپ سے تھوڑا دور ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ فرمایا، میں آیا، آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا حتی کہ آپ پیشاب سے فارغ ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ پھر آپ نے وضو فرمایا اور خفین پر مسح کیا۔ اسی کی مثل شریح بن ہانی کی حدیث ہے فرمایا: میں حضرت عائشہ کے پاس آیا میں نے ان سے خفین پر مسح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تم حضرت ابن ابی طالب کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مسافر کے لیے تین دن تک مسح ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات تک مسح ہے (1)۔ یہ تیسری روایت ہے۔ سفر و حضر میں مسح کرے۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ امام مالک کے نزدیک مسافر خفین پر مسح بغیر کسی وقت کی قید کر سکتا ہے۔ یہ لیث بن سعد کا قول ہے۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ فرماتے سنا ہمارے شہر والوں کے نزدیک اس میں کوئی وقت کی تعیین نہیں۔ ابوداؤد نے حضرت ابی بن عمارہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں خفین پر مسح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' اس نے عرض کی: ایک دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دن'' اس نے پوچھا: دو دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو دن'' اس نے پوچھا: تین دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اور جتنا چاہے''۔

ایک روایت میں ہے ''ہاں جو تیرے لیے ظاہر ہو''۔ ابوداؤد نے کہا: اس کی سند میں اختلاف ہے یہ قوی نہیں ہے (2)۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، نعمان اور طبری نے کہا: مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن مسح کرے۔ یہ انہوں نے شریح کی حدیث اور اس کی مثل احادیث کی بنا پر کہا ہے، امام مالک سے ہارون اور بعض خلفاء کی طرف آپ کے خطوط میں یہ روایت کیا گیا ہے ان کے اصحاب نے ان کا انکار کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ تمام علماء کے نزدیک مسح کرنا اس کے لیے ہے جس نے طہارت پر خفین کو پہنا ہو، کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث ہے فرمایا: میں ایک رات ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ الحدیث۔ اس حدیث میں ہے میں جھکا تا کہ آپ کے جوڑے اتار دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو رہنے دو میں نے طہارت کی حالت میں پہنے تھے (3)''

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 135
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 21
3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 134

آپ نے دونوں پر مسح فرمایا۔ اصبغ کا خیال ہے کہ یہ تیمم کی طہارت ہے۔ یہ بنا ہے کہ تیمم حدث کو اٹھا دیتا ہے۔ داؤد اس مسئلہ میں منفرد ہے۔ اس نے کہا: ہاں طہارت سے مراد صرف نجاست سے طہارت ہے جب پاؤں نجاست سے پاک ہوں تو خفین پر مسح کرنا جائز ہے۔ اختلاف کا سبب طہارت کے اسم میں اشتراک ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ امام مالک کے نزدیک خفین پر مسح جائز ہے جب ان میں تھوڑی سی پھٹن ہو۔ ابن خویز منداد نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھٹن انتفاع اور پہننے سے مانع نہ ہو، اس میں چلنا ممکن ہو۔ امام مالک کے قول کی طرح لیث، ثوری، امام شافعی اور طبری کا قول ہے۔ ثوری اور طبری سے پھٹی ہوئی خف پر مسح کی اجازت مروی ہے۔ اوزاعی نے کہا: خف پر اور قدم کا جو حصہ ظاہر ہے اس پر مسح کرے۔ یہ طبری کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر پاؤں کا جو حصہ ظاہر ہو وہ تین انگلیوں سے کم ہو تو مسح کرے اور جب تین انگلیوں کی مقدار پاؤں ظاہر ہو تو اس پر مسح نہ کرے یہ تحدید ہے جو توقیف کی محتاج ہے۔ یہ معلوم ہے کہ صحابہ اور تابعین کے موزے تھوڑی پھٹن سے سلامت نہیں ہوتے تھے۔ جمہور کے نزدیک یہ معاف ہے۔ امام شافعی سے مروی ہے جب پاؤں کے اگلے حصہ میں پھٹن ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔ حسن بن حیی نے کہا: خف پر مسح کرے جب جو حصہ ظاہر ہو جوراب نے اسے ڈھانپ رکھا ہو اگر قدم کا کوئی حصہ ظاہر ہو تو مسح نہ کرے۔ ابوعمر نے کہا: یہ ان کے مذہب پر ہے کہ مسح جورابوں پر جائز ہے جب وہ موٹی ہوں۔ یہ ثوری، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک جورابوں پر مسح جائز نہیں مگر جب کہ وہ چمڑے کی ہوں۔ یہ امام مالک کا ایک قول ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جورابوں پر مسح جائز نہیں اگرچہ وہ مجلد ہوں۔ ابوداؤد کی کتاب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور جوراببین اور نعلین پر مسح کیا۔ ابوداؤد نے کہا: عبدالرحمن بن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے کیونکہ حضرت مغیرہ سے معروف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفین پر مسح کیا۔ اس حدیث کو حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا گیا ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے یہ قوی نہیں اور نہ متصل ہے۔ ابوداؤد نے کہا: حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابومسعود، حضرت براء بن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوامامہ، حضرت سہل بن سعد، حضرت عمرو بن حریث نے جورابوں پر مسح کیا۔ یہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: رہا نعلین پر مسح تو ابومحمد دارمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ ہمیں ابونعیم نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں یونس نے بتایا انہوں نے ابواسحاق سے انہوں نے عبد خیر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت علی کو دیکھا انہوں نے وضو کیا اور نعلین پر مسح کیا۔ پھر وسعت فرمائی اور فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے نہ دیکھا ہوتا جیسے تم نے مجھے دیکھا تو میرے خیال میں قدموں کا باطن مسح کا ظاہر سے زیادہ حقدار ہے۔، ابومحمد دارمی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ سے منسوخ ہے(2)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 21۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 137، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دارمی، کتاب الصلوٰۃ والطہارت، جلد 1، صفحہ 147

میں کہتا ہوں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "میرے خیال میں قدموں کا باطن مسح کا ظاہر سے زیادہ حق دار ہے"۔ اس کو ابوداؤد نے حضرت علی سے روایت کیا ہے فرمایا: اگر دین رائے کے ساتھ ہوتا تو خف کا باطن مسح کا اوپر والے حصہ سے زیادہ حق دار تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خفین کے ظاہر پر مسح کرتے دیکھا۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: جس نے خفین کے ظاہر پر مسح کیا اور باطن پر مسح نہ کیا تو یہ جائز ہے مگر امام مالک نے فرمایا: جس نے ایسا کیا وہ وقت میں اعادہ کرے اور جس نے خفین کے باطن پر مسح کیا، ظاہر پر مسح نہ کیا تو یہ جائز ہے اس پر وقت کے اندر اور وقت کے بعد اعادہ ہے اسی طرح اصحاب امام مالک نے فرمایا، مگر ایک چیز اشہب مالکی سے مروی ہے فرمایا: خفین ظاہر و باطن میں برابر ہے جس نے باطن کا مسح کیا ظاہر کا نہ کیا تو اس پر صرف وقت میں اعادہ ہے۔ امام شافعی سے مروی ہے فرمایا: باطن کا مسح جائز ہے بغیر ظاہر کے مسح کے۔ امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جس نے صرف باطن کا مسح کیا تو جائز نہ ہوگا اور وہ مسح کرنے والا شمار نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری نے کہا: خفین کے ظاہر پر مسح کرے باطن پر نہیں۔ یہی امام احمد بن حنبل، اسحاق اور ایک جماعت کا قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مختار مذہب یہ ہے کہ اعلیٰ و اسفل کا مسح کرے۔ حضرت ابن عمر، ابن شہاب کا یہی قول ہے، کیونکہ ابوداؤد، دارقطنی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ تبوک میں وضو کرایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خف کے اوپر، نیچے سے مسح کیا۔ ابوداؤد نے کہا: روایت ہے کہ یہ حدیث ثور نے رجاء بن حیوہ سے نہیں سنی (1)۔

مسئلہ نمبر 25۔ اس شخص کے بارے اختلاف ہے جس نے خفین اتارے جب کہ اس نے ان پر مسح کیا ہوا تھا۔ علماء کے تین اقوال ہیں۔

(۱) اسی جگہ اپنے پاؤں دھوئے اگر تاخیر کی تو نئے سرے سے وضو کرے یہ امام مالک اور لیث کا قول ہے اسی طرح امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اوزاعی اور نخعی سے مروی ہے اور انہوں نے اس مکان کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) نئے سرے سے وضو کرے یہ حسن بن حی کا قول ہے، اوزاعی اور نخعی سے مروی ہے۔

(۳) اس پر کچھ نہیں ہے اور جیسے ہے نماز پڑھے۔ ابن ابی لیلی اور حسن بصری کا یہ قول ہے۔ یہ ابراہیم نخعی سے روایت ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا، الجنب کا معنی سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ فَاطَّهَّرُوْا پانی سے غسل کرنے کا حکم ہے اسی وجہ سے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ جنبی کبھی بھی تیمم نہیں کر سکتا بلکہ وہ نماز چھوڑے رکھے حتی کہ پانی پالے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ عبارت پانی پانے والے کے لیے ہے، پانی نہ پانے والے کے احکام کے بعد جنبی کا ذکر اس ارشاد: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے ساتھ کیا۔ ملامست سے یہاں مراد جماع ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے صحیح مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کے قول کی طرف رجوع کیا کہ جنبی تیمم کرے اور حضرت عمران بن حصین کی حدیث اس میں نص ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علیحدہ (بیٹھا ہوا) دیکھا جس نے لوگوں کے ساتھ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1 صفحہ 22۔ ایضاً سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 141، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نماز نہیں پڑھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے فلاں! تجھے قوم کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا''، اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی موجود نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو مٹی کو استعمال کر وہ تیرے لیے کافی ہے'' (1)۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ یہ تفصیلاً سورۃ النساء میں گزر چکا ہے ہم یہاں ایک اصولی مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو سورۃ النساء میں ہم سے رہ گیا تھا یہ غالبی عادت کے عموم کی تخصیص ہے کیونکہ الْغَآىِٕطِ ان احداث سے کنایہ ہے جو مخرجین سے نکلتے ہیں جیسا کہ سورۃ النساء میں ہم نے بیان کیا یہ عام ہے مگر ہمارے جلیل القدر علماء نے اس کو ان احداث کے ساتھ خاص کیا ہے جو عادۃً خارج ہوتے ہیں معتاد طریق پر۔ اگر غیر معتاد طریقہ پر نکلے مثلاً کنکریاں یا کیڑے نکلیں یا سلسل اور مرض کے طریقہ پر معتاد طور پر نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، علماء لفظ کا خیال کرتے ہیں، کیونکہ لفظ جب اپنے مدلول کے لیے ثابت ہوتا ہے تو وہ غالب استعمال میں معروف ہوتا ہے اطلاق کی حالت میں سامع کے فہم کے لیے وہ غالب مفہوم ذہن سے بعید ہوتا ہے پس وہ اس کا غیر مدلول لہ بن جاتا ہے اور حال اس میں اس طرح ہوتا ہے جیسے دابۃ میں ہے جب یہ مطلق بولا جاتا ہے تو ذہن ذوات اربع (چار ٹانگوں) والے جانوروں کی طرف جاتا ہے سننے والے کے ذہن میں چیونٹی کا تصور نہیں آتا ہے پس وہ غیر مراد ہوگئی اور اس لفظ کے لیے ظاہر مدلول نہیں۔ مخالف کہتا ہے: غالبی معنی کی سبقیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ نادر غیر مراد ہو اور لفظ کا دو معانی کے لیے ایک وضع کے اعتبار سے ہے یہ ان دونوں کے ساتھ متکلم کے شعور پر قصداً دلالت کرتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے اور مکمل کلام کتب اصول میں ہے۔

مسئلہ نمبر 28۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔ عبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: قبلہ (بوسہ) لمس سے ہے اور جماع کے علاوہ سب کچھ لمس سے ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر نے کہا: محمد بن یزید نے اس کو اختیار کیا ہے انہوں نے کہا: آیت کی ابتدا میں اس کا ذکر کیا جو جماع کرنے والے پر واجب ہے ارشاد فرمایا: وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: اللمس، المس اور الغشیان سب کا معنی جماع ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کنایہ فرمایا۔ مجاہد نے وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (الفرقان) کے تحت فرمایا: اس کا مطلب ہے جب وہ نکاح کا ذکر کرتے ہیں تو اسے کنایہ کرتے ہیں سورۃ النساء میں اس باب میں قول تفصیلاً گزر چکا ہے۔ والحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 29۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً سورۃ النساء میں گزر چکا ہے پانی کے نہ ہونے کا حکم صحیح حاضر کے لیے بھی مرتب ہوتا ہے کہ وہ قیدی ہو یا باندھا ہوا ہو، وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر اس نے نہ پانی پایا نہ مٹی اور اسے وقت کے نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس کے حکم میں فقہاء کے مختلف چار اقوال ہیں۔ ابن خویز منداد نے کہا: امام مالک کا صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ نہ نماز پڑھے اور نہ اس پر کچھ اور ہے۔ مدنی علماء نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ مذہب صحیح ہے۔ ابن القاسم نے کہا: نماز پڑھ لے اور اعادہ کرے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ اشہب نے کہا: نماز پڑھے اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 50

اعادہ نہ کرے۔ اصبغ نے کہا: نہ نماز پڑھے اور نہ قضا کرے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ ابن خویز منداد نے مذہب صحیح کا کیسے قول کیا ہے۔ اس کے بارے میں جو اس نے ذکر کیا ہے اس کے خلاف جمہور سلف، عامۃ الفقہاء اور مالکی علماء کی جماعت کا قول ہے۔ میرا خیال ہے وہ امام مالک کی حدیث کے ظاہر قول: لیسوا علی ماء کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے انھم صلوا انہوں نے نماز پڑھی کا ذکر نہیں کیا اور اس میں حجت نہیں ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ سے اس حدیث میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی اور انہوں نے اعادہ کا ذکر نہیں کیا اس نظریہ کی طرف فقہاء کی ایک جماعت کا خیال گیا ہے۔ ابو ثور نے کہا: یہی قیاس ہے۔

میں کہتا ہوں: جو الکیا طبری نے ذکر کیا ہے اس سے مزنی نے حجت پکڑی ہے۔ طبری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہار کا واقعہ روایت کیا ہے جب وہ گم ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار کی طلب کے لیے بھیجا تھا انہوں نے بغیر تیمم اور بغیر وضو کے نماز پڑھی تھی اور انہوں نے اس بات کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی پھر آیت تیمم نازل ہوئی ان پر بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھنے پر انکار نہ فرمایا۔ تیمم جب مشروع ہی نہیں تھا تو انہوں نے بغیر طہارت کے نماز پڑھی تھی، اسی وجہ سے مزنی نے کہا: اس پر اعادہ نہیں ہے یہ بغیر طہارت کے نماز کے جواز میں نص ہے جب طہارت دینے والی چیز تک پہنچنا ممکن نہ ہو۔ ابو عمر نے کہا: اس کو مغمی علیہ (جس پر غشی طاری ہو) پر محمول کرنا مناسب نہیں مغمی علیہ کی عقل نہیں ہوتی جب کہ یہ عقل کے ساتھ ہے۔ ابن القاسم اور تمام علماء نے کہا: نماز انسان پر واجب ہے جب تک اس کی عقل موجود ہو، جب عقل موجود ہو تو وضو کرے یا تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ امام شافعی سے دو روایات مروی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ وہ جس حالت میں ہے نماز پڑھے اور اعادہ کرے۔ مزنی نے کہا: جب کوئی شخص محبوس ہو اور پاک مٹی پر قادر نہ ہو تو نماز پڑھے اور اعادہ کرے یہ امام ابو یوسف، امام محمد، ثوری اور طبری کا قول ہے۔ زفر بن ہذیل نے کہا: حضر میں محبوس نماز نہ پڑھے اگرچہ وہ پاک مٹی پائے بھی۔ یہ ان کی اصل پر ہے کہ ان کے نزدیک حضر میں نمازی تیمم نہ کرے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ابو عمر نے کہا: جس نے کہا نماز پڑھے جیسا بھی ہے اور اعادہ کرے جب طہارت پر قادر ہو تو انہوں نے بغیر طہارت کے نماز کے لیے احتیاط کی انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز کو قبول نہیں کرتا" (1)۔ یہ اس کے لیے ہے جو طہارت پر قادر ہو اور جو طہارت پر قادر نہ ہو اس کے لیے یہ حکم نہیں، کیونکہ وقت فرض ہے وہ اس پر قادر ہے پس وہ نماز پڑھے جیسا وہ وقت میں قادر ہے پھر اعادہ کرے پس اس نے وقت اور طہارت میں احتیاط کو لیا۔

اور جن علماء نے کہا وہ نماز نہ پڑھے انہوں نے ظاہر حدیث کے اعتبار سے کہا: یہ مالک ابن نافع اور اصبغ کا قول ہے انہوں نے کہا: جو پانی اور مٹی نہ پائے وہ نماز نہ پڑھے اور نہ قضا کرے اگر نماز کا وقت گزر جائے کیونکہ عدم قبولیت عدم شروط کی وجہ سے ہے یہ دلیل ہے کہ عدم قبولیت عدم شروط کی وجہ سے ہے یہ دلیل ہے کہ عدم شروط کی حالت میں وہ نماز کا مخاطب نہیں ہے اس کے ذمہ کوئی چیز مرتب نہ ہوگی پس وہ قضا نہ کرے۔ ابو عمر کے علاوہ علماء کا یہ قول ہے اس بناء پر طہارت وجوب

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 24

کی شرط سے ہوگی۔

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا، صَعِيْدًا کے متعلق علماء کا اختلاف سورۃ النساء میں گزر چکا ہے اور امام مالک کے قول پر حضرت عمران بن حصین کی حدیث نص ہے اگر صَعِيْدًا سے مراد تراب (مٹی) ہوتی تو آپ ﷺ آدمی کو کہتے علیك بالتراب فانه یکفیك۔ جب آپ ﷺ نے علیك بالصعید (1) فرمایا تو آپ نے اسے سطح زمین کی طرف پھیرا۔ واللہ اعلم۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ اس پر تفصیلی کلام سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 31۔ یہاں تک ہم نے آیات کے متعلق گفتگو کی، اب تو جان لے کہ علماء نے وضو اور طہارت کی فضیلت میں کلام کی ہے۔ یہ باب کا خاتمہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا: الطھور شطر الایمان (2)، طہارت ایمان کا حصہ ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے حضرت ابو مالک اشعری کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس پر کلام گزر چکی ہے۔ ابن عربی نے کہا: وضو دین میں اصل ہے اور مسلمانوں کی طہارت ہے خصوصاً اس امت کے لیے۔

روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور فرمایا: ''یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اور میرے باپ ابراہیم کا وضو ہے'' یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ کے قول لکم سیما لیست لغیرکم (3) تمہارے لیے علامت ہے، تمہارے غیر کے لیے نہیں ہے وہ وضو کرتے تھے جس چیز کے ساتھ یہ امت خاص ہے وہ غرہ (پیشانی کا روشن ہونا) اور التحجیل (ہاتھ اور پاؤں کا چمک والا ہونا) ہے وضو نہیں ہے، یہ دونوں اللہ کی طرف سے فضل ہیں اس امت کے شرف اور نبی کریم ﷺ کے شرف کے لیے اس امت کے ساتھ خاص فرمایا ہے جس طرح تمام امتوں پر اس کو دوسری فضیلتیں دی ہیں، جس طرح اس امت کے نبی ﷺ کو مقام محمود کے ساتھ اور دوسرے کمالات کے ساتھ تمام انبیاء پر فضیلت دی۔ واللہ اعلم۔ ابو عمر نے کہا: جائز ہے کہ انبیاء وضو کرتے ہوں اور اس سے وہ غرہ وتحجیل حاصل کرتے ہوں اور ان کے تبعین وضو نہ کرتے ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے انہوں نے کہا: یا رب! میں ایک امت دیکھتا ہوں جو سب انبیاء کی طرح ہیں اس کو میری امت بنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محمد ﷺ کی امت ہے۔ اس حدیث میں طوالت ہے۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر عن کعب الاحبار سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ لوگ حساب کے لیے جمع ہیں پھر انبیاء کو بلایا گیا ہر نبی کے ساتھ اس کی امت تھی، اس نے ہر نبی کے لیے دو نور دیکھے جن کے درمیان وہ چل رہا تھا اور اس کی اتباع کرنے والے کے لیے ایک نور تھا جس کے ساتھ وہ چل رہا تھا حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ کو بلایا گیا جب آپ کا سر اور چہرہ ظاہر ہوا تو نور ہی نور تھا ہر ایک کو وہ نور نظر آتا جو آپ کی طرف دیکھتا اور ہر ایک کی امت کے ہر فرد کے لیے دو نور تھے جس طرح انبیاء کے نور تھے، کعب نے اسے کہا: جب کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ خواب ہے تجھے یہ حدیث کس نے بیان کی اور تجھے کس نے یہ سکھایا؟ اس شخص نے بتایا کہ یہ خواب ہے۔ کعب نے اسے کہا: اَللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الحشر: 22) واقعی تو نے یہ خواب دیکھا ہے۔ کعب نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 50 2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 118 3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 126

کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، یہ صفت احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی امت کی ہے اور انبیاء کی صفت کتاب میں ہے گویا جو تو کہہ رہا ہے تورات سے ہے۔ کتاب ''التمہید'' میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: یہ کہا گیا ہے کہ تمام امتیں وضو کرتی تھیں۔ واللہ اعلم۔ یہ میں صحیح سند سے نہیں جانتا۔

مسلم نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب بندہ مومن یا مسلم وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر خطا نکل جاتی ہے جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ، جب ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ہر خطا نکل جاتی ہے جس کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو ہر خطا نکل جاتی ہے اس کے قدم جس کی طرف چلے تھے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے''(1)۔ امام مالک نے عبداللہ صنابحی سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اکمل ہے، درست ابو عبداللہ ہے نہ کہ عبداللہ۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں امام مالک کو وہم ہوا اس کا نام عبدالرحمن بن عسیلۃ تھا یہ تابعی شامی کبیر ہے، کیونکہ اس نے حضرت ابو بکر کی خلافت کا آغاز پایا۔ حضرت ابو عبداللہ صنابحی نے کہا: میں یمن سے ہجرت کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جب ہم جحفہ پہنچے وہاں ایک سوار موجود تھا، ہم نے اس سے پوچھا: کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: ہم تین دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر چکے ہیں۔ یہ احادیث اور اس کے ہم معنی حضرت عمرو بن عبسہ وغیرہ کی احادیث تجھے یہ فائدہ دیتی ہیں کہ وضو مشروع ہے اور یہ عبادت ہے، گناہوں کو مٹانے کے لیے۔ یہ چیز نیت شرعیہ کی احتیاج کا تقاضا کرتی ہے، کیونکہ یہ گناہوں کو مٹانے اور اللہ کی بارگاہ میں درجات بلند کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 32۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ یعنی دین میں تنگی نہیں رکھی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) من صلہ ہے یعنی لیجعل علیکم حرجاً۔

وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ یعنی تاکہ وہ تمہیں گناہوں سے پاک کر دے جیسا کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اور صنابحی کی احادیث ہم نے ذکر کی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: حدث اور جنابت سے تمہیں پاک کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: تاکہ تم اس طہارت کے وصف کے مستحق ہو جاؤ جس کے ساتھ اہل طاعت موصوف ہوتے ہیں۔ سعید بن مسیب نے لیطهرکم پڑھا ہے۔ معنی ایک ہی ہے، جیسے کہا جاتا ہے نجاہ و انجاہ۔

وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ مرض اور سفر کے وقت تیمم کی رخصت دے کر تم پر نعمت مکمل کرے۔ بعض علماء نے کہا: شرائع کے بیان کے ساتھ نعمت کو مکمل کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: گناہوں کی بخشش فرما کر تم پر نعمت کو مکمل کرے۔ حدیث میں ہے ''نعمت کا تمام جنت کا دخول اور آگ سے نجات ہے''(2)۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ یعنی تم اس کی نعمت کا شکر ادا کرو اور اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 125　2۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، جلد 2، صفحہ 191، ایضاً، حدیث 3450، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

''اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے جب کہا تھا تم نے، سن لیا اور مان لیا۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ۔ بعض علماء نے فرمایا: میثاق سے مراد وہ ہے جو اس ارشاد میں ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ (الاعراف: 172) یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے اگرچہ ہم نے اس کو یاد نہیں رکھا جو ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمیں وفا کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ یہود کو خطاب ہے کہ وہ عہد جو ان سے تورات میں لیا گیا ہے اس کی حفاظت کریں۔ اور جمہور مفسرین جیسے حضرت ابن عباس اور سدی کا نظریہ یہ ہے کہ وہ عہد اور میثاق مراد ہے جو ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خوشی اور پریشانی میں سمع وطاعت کا جاری ہوا تھا جب انہوں نے کہا تھا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور ہم نے اطاعت کی جیسا کہ لیلة العقبہ اور تحت الشجرہ جاری ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے جس طرح فرمایا: اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح: 10) حالانکہ انہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے جس سے وہ اپنے نفسوں، اپنی عورتوں اور اپنے بیٹوں کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ اور ان کے اصحاب ان کی طرف ہجرت کریں گے، سب سے پہلے حضرت براء بن معرور نے اس پر بیعت کی تھی، اس کو اس رات مقام محمود حاصل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پختہ عہد کرتے اور آپ کے امر کو شدت سے پکڑنے کی وجہ سے۔ یہی وہ تھے جنہوں نے کہا تھا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! ہم اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں، یا رسول اللہ! آپ ہماری بیعت کریں۔ اللہ کی قسم! ہم جنگوں کے بیٹے ہیں، اہل حلقہ میں ہم ان چیزوں کے نسل در نسل وارث بنے ہیں، سیرت ابن اسحاق میں خبر مشہور موجود ہے۔ بیعت الرضوان کا ذکر اپنی جگہ آئے گا۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کے ساتھ متصل ہے جو صحابہ کرام نے کہا تھا اس کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ کی مخالفت سے ڈرو، کیونکہ وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞

''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور

ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ اس کا معنی سورۃ النساء میں گزر چکا ہے معنی یہ ہے کہ میں نے تم پر اپنی نعمت مکمل کی پس ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے۔ اللہ کے ثواب ۔کے لیے اس کے حق کو قائم کرو، اور اپنے اقارب کی طرف جھکاؤ کیے بغیر حق کی گواہی دو اور دشمن پر ظلم کیے بغیر حق کی گواہی دو۔

وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عدل کے ترک اور حق پر ظلم وزیادتی کو ترجیح پر کسی قوم کی عداوت تمہیں نہ اکسائے۔ اس میں دلیل ہے کہ دشمن کا حکم دشمن پر نافذ ہوگا جب کہ وہ اللہ کی رضا میں کسی سے دشمنی کرنے والا ہو اور اس کی شہادت اس کے خلاف نافذ ہوگی، کیونکہ اس نے عدل کے ساتھ فیصلہ کیا اگرچہ وہ اس سے بغض رکھتا ہے، اگر بغض کے ہوتے ہوئے اس کا حکم اور اس کے خلاف شہادت جائز نہ ہوتی تو اسے عدل کا حکم دینے کا کوئی مطلب نہ رہتا۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کافر کا کفر اس پر عدل کرنے سے مانع نہیں اور قتال اور غلام بنانے میں سے جس کے وہ مستحق ہوں گے اس پر اکتفا کیا جائے گا، کافر کا مثلہ کرنا جائز نہیں اگرچہ انہوں نے ہماری عورتوں، ہمارے بچوں اور ہمارے بچوں کو قتل کیا ہو۔ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم انہیں غم اور حزن پہنچانے کے لیے قصداً ان کو مثلہ کے ساتھ قتل کریں، اسی کی طرف حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنے قول سے مشہور واقعہ میں اشارہ کیا ہے۔ یہ آیت کا معنی ہے اور اس صورت کے آغاز میں لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ کا معنی گزر چکا ہے، یہ لَا یُجْرِمَنَّكُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں۔ زجاج نے کہا: لَا یَجْرِمَنَّكُمْ کا معنی ہے تمہیں جرم میں داخل نہ کرے جیسے تو کہتا ہے: آثمنی، اس نے مجھے گناہ میں داخل کیا۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تمہارا آگ سے ڈرنا۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے حق میں فرمایا اس کی حقیقت کو مخلوق کا فہم سمجھ نہیں سکتا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السجدہ: 17) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَجْرٌ عَظِیْمٌ، اَجْرٌ كَرِیْمٌ، اَجْرٌ كَبِیْرٌ تو پھر اس کی مقدار کون جان سکتا ہے؟ جب وعدہ، قول سے پہلے تھا تو لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ میں لام کا داخل کرنا ہی بہتر تھا یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ موعود بہ کی جگہ واقع ہے اس معنی کی بنا پر وعدھم ان لھم مغفرۃ یا وعدھم مغفرۃ مگر جملہ مفرد کی جگہ واقع ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

وجدْنا الصالحین لھم جزاء وجنّاتٍ وعینًا سَلْسَبِیلًا

جملہ نصب کی جگہ پر ہے اسی وجہ سے نصب کے ساتھ اس پر عطف کیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: محل رفع میں ہے اس بنا پر کہ موعود بہ محذوف ہے۔ تقدیر یہ ہوگی: لھم مغفرۃ واجر عظیم فیما وعدھم بہ۔ یہ معنی حسن سے مروی ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ یہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام کفار کے بارے میں نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ

اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع میں اعرابی کے فعل کے سبب نازل ہوئی جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تلوار سونت لی تھی اور کہا تھا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ جیسا کہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ بخاری میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بلایا وہ جمع ہوئے جب کہ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہ دی۔ واقدی اور ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ ایک قوم نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنا سر درخت کے تنے پر مارا حتیٰ کہ مر گیا۔ بخاری نے غزوہ ذات الرقاع میں اس کا نام غورث بن حارث ذکر کیا ہے غین مفتوحہ، واو ساکن اس کے بعد را اور ثا ہے، بعض نے غین کو ضمہ دیا ہے، مگر فتحہ اصح ہے۔ ابوحاتم محمد بن ادریس رازی، ابوعبداللہ محمد بن عمرو واقدی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا نام دعثور بن حارث تھا انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اس شخص کا نام عمرو بن جحاش تھا یہ بنی نضیر سے تھا۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن جحاش کا واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے۔ واللہ اعلم۔ قتادہ اور مجاہد وغیرہما نے کہا: یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس دیت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے محفوظ کر لیا۔ قشیری نے کہا: کبھی کوئی آیت ایک واقعہ کے لیے نازل ہوتی ہے پھر سابقہ بات کو یاد دلانے کے لیے دوبارہ اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ۔ یعنی برائی کے ساتھ تمہاری طرف ہاتھ بڑھائیں: فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ اس نے انہیں روکا۔

وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾

''اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دور کر دوں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمہیں باغات میں، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے

بعد تم میں سے تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ آیات اس خبر کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو توڑا۔ یہ آیت تائید کرتی ہے کہ سابقہ آیت کف الایدی، بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اہل تاویل کا ان سرداروں کے بھیجنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، اس بات پر تو اجماع ہے کہ النقیب سے مراد قوم کا بڑا ہے ان کے حالات سے پوری طرح باخبر ہو اور ان کے امور و مصالح کا ذمہ دار ہو۔ النقاب وہ عظیم شخص جو لوگوں میں اس طریقہ پر ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نقاب تھے۔ النقباء، ضمان، اس کا واحد نقیب ہے جو قوم کا شاہد اور ضامن ہو، کہا جاتا ہے: نقب علیهم، وهو حسن النقيبة يعني حسن الخليقه، النقب والنُقب۔ پہاڑی راستہ کو کہتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کو نقیب اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنی قوم کے معاملات میں دخیل ہوتا ہے اور ان کے مناقب کو جانتا ہے وہی ان کے امور کی معرفت کا راستہ ہوتا ہے۔ ایک قوم نے کہا: النقباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم پر امین ہوتے ہیں۔ یہ تمام معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ نقیب کا مرتبہ عریف سے بڑا ہوتا ہے۔ عطا بن یسار نے کہا: حاملین قرآن اہل جنت کے عرفاء (سردار) ہیں۔ دارمی نے اپنی مسند میں یہ ذکر کیا ہے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا: یہ نقباء ہر قبیلہ سے بڑے سردار تھے، ہر ایک اپنے قبیلہ کا کفیل بنا تھا کہ وہ ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے۔ اسی طرح نقباء عقبہ کی رات تھے، اس میں ستر مردوں اور دو عورتوں نے بیعت کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستر میں سے بارہ کا چناؤ کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں ان کا نام نقباء رکھا تھا۔ ربیع اور سدی وغیرہما نے کہا: بنی اسرائیل سے نقباء بھیجے جنہیں جابر اور بڑے لوگوں کی طاقت پر اطلاع دینے پر امین بنایا وہ چلے تاکہ وہ آزمائیں انہیں جو ان کے ساتھ ہیں اور انہیں بتائیں جس پر وہ مطلع ہیں تاکہ ان سے جنگ کرنے کے متعلق غور و خوض کیا جائے، پس وہ جابر لوگوں کی قوت پر مطلع ہوئے اور انہوں نے گمان کیا کہ انہیں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ اس چیز کو بنی اسرائیل سے چھپائیں اور اس کے متعلق صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کریں جب وہ بنی اسرائیل کی طرف لوٹے تو ان میں سے دس نے خیانت کی اور انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور جو ان پر اعتماد کرنے والے تھے انہیں بتا دیا۔ پس خبر پھیل گئی حتیٰ کہ بنی اسرائیل کا معاملہ ٹیڑھا ہو گیا اور انہوں نے کہا: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ (المائدہ)(1) (پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں بیٹھیں گے)

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں ایسی خبر واحد کی قبولیت میں دلیل ہے جس میں انسان کو ضرورت ہو اور حاجات دینیہ اور دنیویہ میں سے کسی پر مطلع ہونے کا محتاج ہو پس اس پر احکام مرکب کیے جاتے ہیں اور اس پر حلال و حرام کا دارومدار ہوتا ہے،

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 168

اس کی مثال اسلام میں موجود ہے، آپ ﷺ نے ہوازن کو کہا تھا: "تم واپس جاؤ حتی کہ ہمارے پاس تمہارے عرفاء (سردار) تمہارا معاملہ پیش کریں" (1)۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس میں جاسوس بنانے کی دلیل ہے۔ التجسس کا معنی ہے تلاش و بحث کرنا، رسول اللہ ﷺ نے بسبسة کو جاسوس بنا کر بھیجا تھا (2)۔ جاسوس کا حکم سورہ الممتحنة میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رہے بنی اسرائیل کے نقباء کے اسماء تو محمد بن حبیب نے المحبر میں ان کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ انہوں نے کہا: روبیل قبیلہ کا سردار شموع بن رکوب تھا، شمعون قبیلہ کا سردار شوقوط بن حوری تھا، یہوذا قبیلہ کا سردار کالب بن یوفنا تھا، الساحر قبیلہ کا سردار یوغول بن یوسف تھا، افرائیم قبیلہ کا سردار یوشع بن نون تھا، بنیامین قبیلہ کا سردار یلنطی بن رفو تھا اور ربالون قبیلہ کا سردار کرابیل بن سودا تھا، منشا بن یوسف قبیلہ کا سردار کدی بن سوشا تھا، دان قبیلہ کا سردار عمائل بن کسل تھا، شبیر قبیلہ کا سردار ستور بن میخائیل تھا، نفتال قبیلہ کا سردار یوحنا بن وقوشا تھا اور کاذ قبیلہ کا سردار کوال بن موخی تھا ان میں سے دو مومن تھے یوشع اور کالب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دو کے علاوہ کے خلاف دعا کی تو وہ سارے ہلاک ہو گئے جب کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض تھا۔

یہ ماوردی کا قول ہے۔ اور لیلۃ العقبہ کے نقباء سیرت ابن اسحاق میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ

ربیع بن انس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ نقباء کو کہا تھا۔ بعض نے فرمایا: یہ تمام بنی اسرائیل کو فرمایا: ان کو کسرہ دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے۔ مَعَكُمْ منصوب ہے، کیونکہ ظرف ہے یعنی بالنصر والعون۔ پھر کلام کا آغاز فرمایا، فرمایا: لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ یعنی اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں باغات میں داخل کروں گا۔ لئن میں لام، لام توکید ہے، اس کا معنی قسم ہے، اسی طرح لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ اور لَاُدْخِلَنَّكُمْ میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تم نماز قائم کرو گے تو میں تمہارے گناہ تم سے مٹا دوں گا اور دوسری شرط کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، کیونکہ ارشاد ہے: لَّاُكَفِّرَنَّ یعنی اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے گناہ مٹا دوں گا۔ بعض علماء نے فرمایا: لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ کا قول اِنِّیْ مَعَكُمْ کی جزا ہے اور لَّاُكَفِّرَنَّ کے قول کی شرط ہے۔ التَّعْزِیر کا معنی تعظیم وتوقیر ہے، ابوعبیدہ نے کہا:

وکم من ماجد لهم کریم　ومن لیث یُعَزَّر فی النَّدی

یعنی وہ تعظیم وتوقیر کرتا ہے۔ الضرب وہ سزا ہے جو حد سے کم ہوتی ہے، تو کہتا ہے: عزرت فلانا جب تو نے اسے ادب سکھایا اور برائی سے اسے روکا۔ پس عزرتموھم کا مطلب ہے تم نے ان سے ان کے دشمنوں کو روکا۔

وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی صدقات دے۔ اقراضا نہیں فرمایا۔ یہ مصدر، فعل کے مصدر کے خلاف آیا ہے جیسے وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ (نوح) اور فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ (آل عمران: 37) یہ پہلے گزر چکا ہے۔ پھر

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 618　2۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 138

حسناً فرمایا یعنی اس صدقہ پر تمہارے دل خوش ہوں۔ بعض نے فرمایا: اس سے وہ اللہ کی رضا چاہتے ہوں۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے حلالاً۔ بعض نے فرمایا: قرضاً اسم ہے مصدر نہیں ہے۔ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ یعنی میثاق کے بعد۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ یعنی وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

''تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت، وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے رہیں گے ان کی خیانت پر بجز چند آدمیوں کے ان سے تو معاف فرماتے رہیے ان کو اور درگزر فرمایئے بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ یعنی ان کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے۔ ما تاکید کے لیے زائدہ ہے۔ یہ قتادہ اور تمام اہل علم سے مروی ہے یہ کلام کو مؤکد کرتا ہے اس معنی سے کہ حسن نظم کی جہت سے نفس میں معنی راسخ ہو جاتا ہے اور کثرت کی جہت سے تاکید کے لیے ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

لشیٔ ما یسوّد من یسود

پس تاکید علامت موضوعہ کے ساتھ، تکریر کے ساتھ تاکید کی طرح ہے۔

لَعَنّٰهُمْ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہم نے انہیں جزیہ کے ساتھ عذاب دیا۔ حسن اور مقاتل نے کہا: ہم نے مسخ کے ساتھ انہیں عذاب دیا۔ عطا نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں دور کر دیا۔ اللعن کا معنی رحمت سے دور کر دینا ہے۔ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ہم نے ان کے دلوں کو ایسا سخت بنا دیا ہے کہ نہ وہ خیر کو یاد رکھتے ہیں اور نہ نیکی کرتے ہیں۔ القاسیۃ اور العاتیۃ کا ایک معنی ہے۔ کسائی اور حمزہ نے قسیۃ بغیر الف کے یا کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ابن مسعود، نخعی اور یحییٰ بن وثاب کی قرأت ہے العام القسی الشدید اس سال کو کہتے ہیں جس میں بارش نہ ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ الدراھم القسیات سے ہے یعنی فاسد اور ردی دراہم۔ قسیہ کا معنی اس بنا پر یہ ہوگا کہ وہ ایمان کے ساتھ خالص نہیں یعنی ان میں نفاق ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عمدہ قول ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے درھم قسی جب اس میں نحاس وغیرہ کے ساتھ کھوٹ ملایا گیا ہو۔ کہا جاتا ہے درھم قسی سین مخفف اور یا مشدد کے ساتھ جیسے شقی گھٹیا درہم۔ یہ ابوعبیدہ نے ذکر کیا ہے:

لها صَوَاهِلُ فی صُمِّ السِّلَامِ کما　　صاحَ القَسِيَّاتُ فی أَيدِی الصیارِيفِ

شاعر ان کسیوں کی تعریف کر رہا ہے جو پتھروں میں واقع ہوتے ہیں۔

اصمعی اور ابو عبید نے کہا: درہم قسی گویا یہ قاشی سے معرب بنایا گیا ہے۔ قشیری نے کہا: یہ بعید ہے، کیونکہ قرآن میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو لغت قرآن سے نہیں ہے، بلکہ الدرھم القسی، القسوۃ اور الشدۃ سے ہے، کیونکہ جس میں چاندی کم ہوتی ہے وہ سخت ہوتا ہے۔ اعمش نے کہا: قسیۃ یا کی تخفیف کے ساتھ فعلۃ کے وزن پر جیسے عمیۃ و شجیۃ یہ قسی یقسی سے ہے نہ کہ قسا یقسو سے ہے۔ باقی قراء نے فاعلۃ کے وزن پر پڑھا ہے۔ یہ ابو عبید کا اختیار ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے العلیۃ اور العالیۃ، الزکیۃ، الزاکیۃ۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس میں اولیٰ یہ ہے کہ قسیۃ بمعنی قاسیۃ ہو۔ مگر فعلیۃ فاعلۃ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے، معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا ہے وہ میرے طاعت کی توفیق اور ایمان سے دور ہیں، کیونکہ کوئی قوم ایمان سے موصوف نہیں ہوتی جب کہ ان کے دل اس سے موصوف ہوں کہ ان کے ایمان کے ساتھ کفر ملا ہوا ہو۔ جیسے الدراھم القسیۃ جن میں کھوٹ ملا ہوا ہوتا ہے۔ راجز نے کہا:

قد قسوت و قست لِداتی

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ غیر مناسب تاویل کرتے ہیں اور پھر عوام کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ حروف کو بدلتے ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَ محل نصب میں ہے یعنی ہم نے ان کے دل کو سخت کر دیا ہے جب کہ وہ بدلنے والے ہیں۔ سلمی اور نخعی نے الکلام، الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفت کو اور آیت رجم کو بدلا۔ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا یعنی اللہ کے عہد کو بھول گئے جو انبیاء نے ان سے لیا تھا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی صفات کو بیان کریں گے۔ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ یعنی اے پیارے محمد! آپ ہمیشہ آگاہ ہوتے رہیں گے آپ بھی آگاہ رہیں۔ عَلٰى خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ، الخائنہ کا معنی ہے خیانت۔ قتادہ نے کہا: یہ لغت میں جائز ہے اس کی مثال عربوں کا قول ہے قائلۃ بمعنی قیلولۃ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ محذوف کی لغت ہے، تقدیر فرقۃ خائنۃ ہے کبھی خائنۃ واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: رجل نسابۃ و علامۃ۔ اس بنا پر خائنۃ مبالغہ کے لیے ہوگا کہا جاتا ہے: رجل خائنۃ جب تو کسی کے وصف خیانت میں مبالغہ کرے۔ شاعر نے کہا:

حدّثت نفسك بالوفاءِ ولم تكن　　لِلغَدْرِ خائِنَةً مغِلَّ الأُصبَعِ(1)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: عَلٰى خَآىِٕنَةٍ کا مطلب ہے معصیت پر(2)۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد جھوٹ اور فجور ہے۔ ان کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے اس عہد کو توڑا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان تھا اور یہود کا مشرکین کی مدد کرنا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے جنگ لڑی تھی جیسے جنگ احزاب وغیرہ اور اس کے علاوہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخیاں کرنا تھا۔ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ مگر ان میں سے تھوڑے تھے جنہوں نے خیانت نہیں کی تھی یہ خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ میں ضمیر سے مستثنیٰ متصل ہے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ اس کے معنی میں دو قول ہیں: یعنی ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے جب تک ان کے اور تمہارے درمیان عہد ہے اور وہ اہل ذمہ ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ

1۔ احکام القرآن للطبری، جلد 6، صفحہ 188　　2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 227

آیت السیف سے منسوخ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس قول سے منسوخ ہے: وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً (الانفال: 58)

وَ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤى اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ سَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿ۙ۱۵﴾ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۶﴾

''اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا: ہم نصرانی ہیں ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی، سو انہوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روز قیامت تک اور آگاہ کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی، دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤى اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ یعنی ہم نے نصاریٰ سے توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا، کیونکہ وہ انجیل میں مکتوب ہے۔ فَنَسُوْا حَظًّا سو انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے یعنی جو انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور انہوں نے اس خواہش نفس اور تحریف کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا سبب بنایا۔ اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ کا معنی اس طرح ہے جیسے تیرا قول ہے: اخذت من زید ثوبه و درهمه، میں نے زید سے کپڑا اور درہم لیا۔ یہ اخفش کا قول ہے۔ الَّذِیْنَ کا مقام اَخَذْنَا کے بعد ہے اور میثاق سے پہلے ہے تقدیر اس طرح ہوگی: اخذنا من الذین قالوا انا نصاری میثاقهم کیونکہ یہ اَخَذْنَا کا مفعول ثانی ہے، کوفیوں کے نزدیک اس کی تقدیر اس طرح ہے: ومن الذین قالوا انا نصاری من اخذنا میثاقهم، هم ضمیر کا مرجع من محذوفہ ہے اور پہلے قول کی بنا پر هم ضمیر کا مرجع الَّذِیْنَ ہے۔ اور نحوی علماء اخذنا میثاقهم من الذین قالوا انا نصاری جائز قرار نہیں دیتے اور نہ اَلْیَنَهَا لبستُ من الشیاب کو جائز قرار دیتے ہیں تاکہ مضمر ظاہر پر مقدم نہ ہو اور ان کے قول اِنَّا نَصٰرٰۤى ...... من النصاری نہیں کہا

میں دلیل ہے کہ انہوں نے نصرانیت کو گھڑا تھا اور انہوں نے یہ نام خود رکھا تھا۔ یہ معنی حسن سے مروی ہے(1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ یعنی ہم نے ابھارا۔ بعض نے فرمایا: ہم نے ان کے ساتھ چمٹا دی۔ یہ الغراء سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا، جیسے گوند وغیرہ۔ کہا جاتا ہے: غری بالشئ یغری غراً (غین کے فتحہ کے ساتھ مقصور) اور غراء غین کے کسرہ کے ساتھ ممدود جب کوئی کسی کا حریص ہو جائے گویا وہ اس کے ساتھ چمٹ گیا ہے۔ رمانی نے حکایت کیا ہے کہ الاغراء کا معنی، بعض کو بعض پر مسلط کرنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الاغراء کا معنی ابھارنا ہے اس کا اصل معنی ملانا ہے کہا جاتا ہے: غریت بالرجل غراً مقصور، ممدود غین کے فتحہ کے ساتھ، جب تو کسی کے ساتھ چمٹ جائے۔ کثیر نے کہا:

إذا قيل مهلا قالت العين بالبكا غِرَاء مدّتها حوافِلُ نُهّل

أَغْرَيْتُ زيداً بكذا حتى غَرِيَ به۔ اس سے الغراء ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو چمٹایا جاتا ہے۔ پس الاغراء بالشئ کا معنی ہے تسلط کی جہت سے کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ چمٹانا ہے۔ أغريت الكلب یعنی میں نے کتے کو شکار پر ابھارا۔ بَيْنَهُمُ، الْعَدَاوَةَ کے لیے ظرف ہے اور البغضاء سے مراد بغض ہے، اس کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے(2)۔ سدی اور قتادہ سے مروی ہے کہ بعض بعض کے لیے دشمن ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ نصاریٰ کے افتراق کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ربیع بن انس کا قول ہے، کیونکہ وہ قریب مذکور ہیں، کیونکہ وہ یعاقبہ، نسطوریہ اور ملکانیہ فرقوں میں بٹ گئے تھے یعنی بعض نے بعض کو کافر کہا(3)۔ نحاس نے کہا: فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الخ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سے بہتر قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی عداوت اور ان سے بغض رکھنے کا حکم دیا ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ سے عداوت کا حکم دیا گیا تھا، کیونکہ وہ کفار ہیں۔ اور وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ یہ انہیں دھمکی ہے یعنی وہ میثاق کو توڑنے کی جزا پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ، الْكِتٰبِ اسم جنس ہے بمعنی الکتب ہے، تمام اہل کتاب مخاطب ہیں۔ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ یعنی من کتبکم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، آیت رجم اور اصحاب السبت کا واقعہ جنہیں بندروں میں مسخ کر دیا گیا تھا وہ انہیں چھپاتے تھے۔ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ یعنی وہ چھوڑ دیتا ہے اور بیان نہیں فرماتا اس کی نبوت پر جو اس میں حجت ہے اسے بیان کرتا ہے اور اس کی صداقت اور رسالت کی شہادت پر جو دلالت ہے اسے بیان کرتا ہے اور جس چیز کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی اسے وہ چھوڑ دیتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ یعنی بہت سی چیزوں سے درگزر فرماتا ہے اور اس کے متعلق تمہیں خبر نہیں دیتا، ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کے علماء میں سے ایک شخص تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہنے لگا: اے شخص! تو نے ہم سے درگزر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور کچھ بیان نہ کیا۔ یہودی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ آپ کی کلام میں تناقض ظاہر کرے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ بیان نہ کیا تو وہ اٹھ کر چلا گیا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرا خیال ہے

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 186 2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 6، صفحہ 190 3۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 186

وہ جو کچھ کہتا ہے اس میں وہ سچا ہے، کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں پڑھا ہے کہ وہ اسے بیان نہیں کرتا جو اس سے پوچھتا ہے۔
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ روشنی۔ بعض علماء نے فرمایا: نور سے مراد اسلام ہے۔ بعض نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ زجاج سے مروی ہے(1)۔ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ یعنی قرآن، کیونکہ قرآن احکام کو بیان کرتا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ جسے پسند کرتا ہے۔ سُبُلَ السَّلٰمِ سلامتی کا راستہ جو دارالسلام تک پہنچانے والا ہے۔ ہر آفت سے پاک ہے اور ہر خوف سے امن والا ہے اور وہ جنت ہے۔ حسن اور سدی نے کہا: السلام سے مراد اللہ تعالیٰ ہے(2)، معنی ہوگا اللہ کا دین اور وہ اسلام ہے جیسے فرمایا: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: 19)
يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ یعنی کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نور اسلام اور ہدایات کی طرف نکالتا ہے۔ بِاِذْنِهٖ اپنی توفیق اور ارادہ سے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہے (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک کردے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ سورۃ النساء کے آخر میں اس کا بیان گزر چکا ہے، اس کلام کی دلالت میں نصاریٰ کا کفر ثابت ہوا یہ ان کے اس قول کی وجہ سے تھا کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ یعنی اللہ تعالیٰ تو مسیح بن مریم ہے دین کی جہت سے، کیونکہ اگر انہوں نے یہ حکایت کی جہت سے کہا ہوتا اس بات کا انکار کرتے ہوئے تو وہ کافر نہ ہوتے۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا یعنی اللہ کے امر سے۔ يَّمْلِكُ کا معنی یقدر ہے۔ یہ عربوں کے قول: ملکت علی فلان امرہ یعنی میں اس پر قادر ہوا، یعنی کوئی اللہ کے امر کو روکنے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اگر خدا ہوتے تو وہ اس چیز کو دور کرنے پر قادر ہوتے جو ان پر اترتی اور جو دوسروں پر اترتی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو موت دی وہ اپنی والدہ سے موت کو دور نہ کر سکے اگر اللہ تعالیٰ انہیں موت دیتا تو کون اس کا دفاع کرتا یا کون اسے رد کر سکتا؟ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مخلوق میں محدود ہیں محصور ہیں ان کو حد اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 2، صفحہ 22 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 187

نہایت نے گھیرا ہوا ہے وہ الٰہیت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور فرمایا: وَ مَا بَیْنَهُمَا، و ما بینهن نہیں فرمایا کیونکہ دونوعوں اور صنفوں کا ارادہ کیا جیسا کہ راعی نے کہا:

طَرَقَا فتلك هَمَاهِمِي أَقْرِيهما　　قُلُصا لَوَاقِحَ كالقِسِيِّ و حُولا (1)

اس نے طرقا کہا: پھر کہا: ھماھی۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۫ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝

"کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمایئے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی ایک قوم کو سزا سے ڈرایا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں ڈرتے، کیونکہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نعمان بن اضا، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی آئے انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور آپ نے بھی ان سے کلام کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا انہوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہمیں ڈراتے ہیں؟ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں جس طرح نصاریٰ نے کہا تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ الخ (3)۔ انہیں حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وہب نے کہا: اے یہودیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ وہ رسول اللہ ہیں تم خود ہمارے سامنے ان کی بعثت سے پہلے ان کا تذکرہ کرتے تھے اور ہمارے سامنے ان کی صفات بیان کرتے تھے۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن یہوذا نے کہا: ہم نے تو تمہیں یہ نہیں کہا اور نہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی کتاب نازل کی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ الخ۔ سدی نے کہا: یہود کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تیرا بیٹا، بکری، اولاد سے ہے (4)۔ سدی کے علاوہ علماء نے کہا: نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے ہیں، کیونکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

1۔ احکام القرآن للطبری، جلد 6، صفحہ 196　　2۔ اسباب النزول، صفحہ 128

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 197　　4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 188

حکایت ہے کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم اللہ کے رسل کے بیٹے ہیں یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے انہوں نے اپنے نفسوں میں فضیلت دیکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کا رد کیا اور فرمایا: فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ پس وہ دو وجہوں سے خالی نہ تھے یا وہ کہیں کہ وہ ہمیں عذاب دے گا تو انہیں کہا جائے گا پھر تم اس کے بیٹے اور محبوب نہیں ہو، کیونکہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا جب کہ تم اس کے عذاب کا اقرار کرتے ہو یہ تمہارے جھوٹ پر دلیل ہے۔ اس کو جھگڑے کے وقت برہان الخلف کا نام دیا جاتا ہے۔ یا وہ کہیں کہ وہ ہمیں عذاب نہیں دے گا، تو انہوں نے اسے جھٹلایا جو ان کی کتب میں ہے اور جو ان کے رسول لے کر آئے اور انہوں نے معاصی کو مباح کیا جب کہ وہ اپنے میں سے نافرمانوں کے عذاب کا اعتراف کرنے والے ہیں، اسی وجہ سے ان کی کتب کے احکام لازم کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یُعَذِّبُكُمْ کا معنی ہے عذبکم۔ یہ ماضی کے معنی میں ہے یعنی تمہیں کیونکہ بندروں اور خنازیر میں مسخ کیا (1) اور تم سے پہلے یہود و نصاریٰ کو مختلف قسم کے عذاب میں گرفتار کیا وہ بھی تمہاری مثل تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی ایسی چیز سے حجت قائم نہیں کی جو ابھی تک نہیں ہوئی تھی، کیونکہ وہ بعض اوقات کہتے کہ ہم کل عذاب نہیں دیئے جائیں گے بلکہ اس سے حجت پیش کی جس کو وہ جانتے تھے پھر فرمایا: بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ یعنی دوسری مخلوق کی طرح تم بھی بشر ہو وہ تمہاری طاعت اور معصیت پر تمہارا محاسبہ کرے گا اور ہر ایک کو جزا دے گا جس نے جو عمل کیا۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ یہود میں سے جس نے توبہ کی۔ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ جو یہودیت پر مرا۔ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں جو اس سے معارضہ کرے۔ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝ یعنی آخرت میں بندوں کا عمل اس کی طرف لوٹ جائے گا۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ٘ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

''اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لیے (احکام الٰہی) بعد اس کے رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا اب تو آ گیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (2)۔ یُبَیِّنُ لَكُمْ ان کی حجت کو ختم کرنے کے لیے تا کہ کل تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ، فَتْرَةٍ کا معنی ہے سکون، کہا جاتا ہے: فترالشی، چیز سکون کر گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: عَلٰى فَتْرَةٍ انبیاء کے درمیان انقطاعی دور، یہ ابوعلی اور اہل علم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ یہ رمانی نے حکایت کیا ہے۔ فرمایا: اس میں اصل، اس عمل کا انقطاع ہے جس پر پہلے تھا یہ عربوں کے اس قول سے ہے۔ فترعن عملہ وفترتہ عنہ وہ اپنے عمل سے رک گیا اور میں نے اسے روک دیا۔ اسی سے ہے فترالماء، جب اس

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 230　2۔ ایضاً

کی گرمی ختم ہو جائے اور ٹھنڈا ہو جائے۔ امرأة فاترة الطرف جس کی نظر ختم ہو جائے۔ فتور البدن کفتور الماء اور سبابہ اور انگوٹھے کا درمیانی حصہ جب تو ان کو کھلا کرے۔ معنی یہ ہے اس سے پہلے کی مدت رسولوں کے لیے گزر گئی، اس فترت کی مدت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ محمد بن سعد نے کتاب ''الطبقات'' میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت موسیٰ بن عمران بن مریم علیہما السلام کے درمیان سترہ سو سال کا عرصہ تھا اور ان کے درمیان فترہ نہ تھا ان کے درمیان بنی اسرائیل سے ہزار نبی مبعوث فرمائے اور یہ ان کے علاوہ تھے جو دوسری قوموں سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ سو انہتر سال کی مدت تھی۔ اس کی ابتدا میں تین انبیاء مبعوث فرمائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (یٰسین: 14) اور تیسرے جن کے ساتھ دو کو قوت بخشی وہ شمعون تھے، یہ حواریین سے تھے اور فترہ جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول مبعوث نہیں فرمایا وہ چار سو چونتیس سال کا عرصہ تھا (1)۔ کلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام کے درمیان پانچ سو انہتر سال کا عرصہ تھا، ان کے درمیان چار انبیاء تھے ایک بنی عبس سے عرب سے تھا وہ خالد بن سنان تھا۔ قشیری نے کہا: اس جیسا حکم ثابت نہیں ہوتا مگر سچی خبر کے ساتھ۔ قتادہ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ تھا، یہ مقاتل، ضحاک اور وہب بن منبہ کا قول ہے مگر وہب نے بیس سال کا اضافہ کیا ہے، ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ چار سو تیس سے کچھ زائد سال کا عرصہ تھا۔ ابن سعد نے عکرمہ سے ذکر کیا ہے فرمایا: حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں تھیں، تمام لوگ اسلام پر تھے۔ ابن سعد نے کہا: ہمیں محمد بن عمرو بن واقد اسلمی نے کئی راویوں سے روایت کر کے بتایا کہ انہوں نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرون کا وقفہ تھا اور ایک قرن کے سو سال ہوتے ہیں۔ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس قرون کا عرصہ تھا اور قرون کے سو سال ہوتے ہیں، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ بن عمران کے درمیان دس قرون تھے اور ایک قرن کے سو سال ہوتے ہیں، اس طرح حضرت آدم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کئی صدیاں اور سال تھے۔ اَنْ تَقُوْلُوْا یعنی لئلا یا کراھیة ان تقولوا یہ محل نصب میں ہے۔ مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ یعنی ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا نہیں آیا۔ وَّ لَا نَذِیْرٍ یعنی کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اور مِنْۢ بَشِیْرٍ اور لَا نَذِیْرٍ بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عقبہ بن وہب نے یہود سے کہا: اے یہود کے گروہ! اللہ سے ڈرو اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہمارے لیے آپ کا ذکر کرتے تھے اور تم ان کا وصف بیان کرتے تھے، پس انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہ کوئی کتاب نازل کی، نہ ان کے بعد کوئی بشارت دینے والا اور نہ ڈرانے والا بھیجا پس یہ آیت نازل ہوئی وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس کو رسول بنا کر بھیجنا چاہے اس پر قادر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جس کی اس نے بشارت دی جس سے اس نے ڈرایا اس پر وہ قادر ہے۔

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 1، صفحہ 53

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۞ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۞ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۞ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۞ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۞ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۞

''جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں۔ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو، پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے، کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔ (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والے تھے انعام فرمایا اللہ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار۔ کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے بس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور نافرمان قوم کے درمیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین میں سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان ہے کہ ان کے اسلاف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سرکشی کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اسی طرح انہوں نے حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سرکشی کی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے، یعنی اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو یاد کرو۔ حضرت عبداللہ بن کثیر سے مروی ہے کہ انہوں نے یاقوم اذ کروا (میم کے ضمہ کے ساتھ) پڑھا ہے اسی طرح جو اس کے مشابہ ہیں تقدیر یا ایھا القوم ہے۔ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ انبیاء غیر منصرف ہے، کیونکہ اس میں الف تانیث ہے۔ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا یعنی تم پہلے فرعون کے غلام اور ان کے ہاں مجبور تھے اس کے بعد اب تم اپنے معاملہ کے مالک ہو اس معاملہ میں تم پر کوئی غالب نہیں ہے، اس نے تمہیں غرق سے نجات دی، پس وہ اس وجہ سے بادشاہ ہیں۔

سدی، حسن وغیرہ نے اسی طرح تفسیر کی ہے۔ سدی نے کہا: ان میں سے ہر ایک اپنے نفس، اہل اور مال کا مالک ہوا (1)۔ قتادہ نے کہا: وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا فرمایا ہم بیان کرتے تھے کہ بنی آدم میں سے یہ پہلے تھے جن سے خدمت لی گئی تھی (2)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ضعیف ہے، کیونکہ قبطی لوگ بنی اسرائیل سے خدمت لیتے تھے۔ بنی آدم کے امر کا ظاہر یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے مسخر تھے جب سے ان کی نسل بڑھی اور ان کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ تملیک کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (3)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اس نے تمہیں منازل والا بنایا، تم پر بغیر اجازت کے کوئی داخل نہیں ہوتا یہ مفہوم اہل علم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوتا تو وہ اس گھر کا مالک ہے۔ حسن اور زید بن اسلم سے بھی یہ مروی ہے کہ جس کا گھر، بیوی اور خادم ہو وہ مالک ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے جیسا کہ علم میں ابو عبدالرحمن حبلی سے مروی ہے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو سنا جب کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا۔ اس نے کہا: کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہ تھے؟ حضرت عبداللہ نے اسے کہا: کیا تیری بیوی ہے جس کے پاس تو رات گزارتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا تیرے لیے کوئی منزل ہے جس میں تو رہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت عبداللہ نے کہا: انت من الاغنیاء تو غنی لوگوں میں سے ہے۔ اس نے کہا: میرا خادم بھی ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: تو ملوک میں سے ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور وہ گھر اور خادم کا مالک ہوتا ہے تو ان دونوں چیزوں کو کفارہ میں بیچا جائے گا اس کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں، کیونکہ وہ رقبہ (غلام) پر قادر ہے اور ملوک روزہ کے ساتھ کفارہ ادا نہیں کر سکتے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز تصور نہیں ہوتے (4)۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: ان کو من و سلویٰ کے ساتھ ملوک بنایا اور پتھر سے پانی نکالنے اور بادل سے سایہ کرنے کے ساتھ انہیں ملوک بنایا (5)، یعنی وہ ملوک کی طرح مخدوم تھے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ خادم اور منزل کے ساتھ ملوک بنایا۔ مجاہد، عکرمہ اور حکم بن عیینہ کا یہی قول ہے اور انہوں نے زوج کا اضافہ کیا ہے، اسی طرح زید بن اسلم نے فرمایا: مگر انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس کا گھر ہو یا فرمایا منزل ہو وہ اس کی طرف پناہ لیتا ہو، بیوی ہو، خادم ہو (6) جو اس کی خدمت کرتا ہو تو وہ ملک ہے۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے: جو غیر سے مستغنی ہو وہ ملک ہے یہ اس طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 190 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 202 3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 173
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 588 5۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 190 6۔ تفسیر ماوردی، جلد 2، صفحہ 25

فرمایا: من اصبح آمنا فی سربہ معافی فی بدنہ ولہ قوت یومہ فکأنما حیزت لہ الدنیا بحذا فیرھا (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّاٰتٰىكُمْ یعنی اس نے تمہیں عطا کیا۔ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۝ جمہور مفسرین کے قول میں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم کو خطاب ہے۔ یہی کلام کی وجہ ہے۔ مجاہد نے کہا: ایتاء سے مراد من و سلویٰ، پتھر سے پانی نکالنا اور بادلوں سے سایہ کرنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان میں انبیاء کی کثرت تھی، اور وہ آیات جو ان کے پاس آئیں وہ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا: کھوٹ اور غش سے پاک دل مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: غنائم کا حلال کرنا اور ان سے نفع اٹھانا مراد ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول مردود ہے، کیونکہ مال غنیمت کسی امت کے لیے حلال نہیں تھا، سوائے اس امت محمدیہ کے جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کلام ہے ان کے نفوس کو مطمئن کرنے کے لیے تاکہ قوت حاصل کریں اور جبارین کی زمین میں داخل ہونے کے امر کو مضبوطی سے پکڑیں اور اس شخص کی طرح ان کا نفوذ ہو جس کو اللہ تعالیٰ عزت دیتا ہے اور اس کی شان کو بلند کرتا ہے۔ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تمہارے زمانہ کے لوگ۔ حسن سے مروی ہے، ابن جبیر اور ابو مالک نے کہا: یہ خطاب حضرت محمد ﷺ کی امت کو ہے (2)، یہ ظاہر کلام سے عدول ہے جو مستحسن نہیں ہے، اخبار متفق ہیں کہ دمشق جبارین کا مکان تھا۔ الْمُقَدَّسَةَ اس کا معنی مطہرۃ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی مبارکہ ہے۔ البرکۃ قحط اور بھوک سے پاک کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ شام کا ملک ہے۔ مجاہد نے کہا: طور اور اس کے اردگرد کا علاقہ ہے۔ حضرت ابن عباس، سدی اور ابن زید نے کہا: یہ اریحاء ہے۔ زجاج نے کہا: دمشق، فلسطین اور اردن کا بعض علاقہ ہے (3)۔ قتادہ کا قول ان تمام کا جامع ہے۔ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی تم پر اس میں داخل ہونا فرض کیا ہے اور تمہارے اس میں داخل ہونے کا وعدہ کیا ہے، تمہارے لیے اس میں ٹھہرنے کا وعدہ کیا ہے، جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو انہیں اہل اریحاء سے جہاد کرنے کا حکم ملا جو فلسطین کے شہروں میں سے ہے تو انہوں نے کہا: ہمیں تو ان شہروں کا علم ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کے ساتھ بارہ نقیب (سردار) بھیجے ہر قبیلہ سے ایک شخص تھا وہ اخبار کو تلاش کرتے تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، پس انہوں نے عمالقہ میں جبارین کو دیکھا وہ بڑے خوفناک جسموں والے تھے، حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ بعض نے ان نقباء کو دیکھا تو انہیں اپنی آستین میں لے لیا جب کہ ایک پھل بھی ساتھ تھا جو اس نے اپنے باغ سے توڑا تھا وہ ان نقباء کو لے کر آیا اور اپنے بادشاہ کے سامنے بکھیر دیا اور کہا: یہ لوگ ہم سے لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں، بادشاہ نے انہیں کہا: تم اپنے ساتھی کی طرف لوٹ جاؤ اور انہیں ہماری خبر بتاؤ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: جب وہ لوٹ کر گئے تو انہوں نے اس علاقہ کے انگوروں میں سے ایک گچھا لیا۔ بعض علماء نے کہا: اسے ایک شخص نے اٹھایا۔ بعض نے کہا: اسے بارہ نقباء نے اٹھایا۔

میں کہتا ہوں: یہ اشبہ ہے۔ کہا جاتا ہے: جب وہ جبارین تک پہنچے تو انہوں نے انہیں دیکھا ان میں سے دو آدمی ان کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 58۔ ایضاً، ابن ماجہ، حدیث نمبر 4130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 191　3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 174

ایک آدمی کی آستین میں داخل ہوتے ان کے انگوروں کا گچھا نہ اٹھایا جاتا مگر پانچ آدمی لکڑی میں اٹھاتے تھے اور انار کا دانہ جب وہ اندر سے خالی کیا جاتا تو پانچ یا چار آدمی داخل ہوتے۔ (علامہ آلوسی نے کہا: یہ سب خرافات ہیں)

میں کہتا ہوں: اس میں اور پہلے قول میں تعارض نہیں۔ کیونکہ وہ جابر جس نے انہیں آستین میں لیا تھا، کہا جاتا ہے: گود میں لیا تھا۔ وہ عوج بن عناق تھا۔ وہ سب سے دراز قامت تھا اور بڑے جسم والا تھا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ تمام لوگوں کا طول ساڑھے چھ ہاتھ تھا۔ کلبی نے کہا: ان میں سے ہر ایک کا طول اسی ہاتھ تھا جب ان نقباء نے خبر پھیلا دی سوائے یوشع اور کالب بن یوقنا کے، تو بنی اسرائیل جہاد سے رک گئے انہیں چالیس سال تیہ میں عذاب دیا گیا یہاں تک کہ نافرمان مر گئے اور ان کی اولاد بڑھی پھر انہوں نے جبارین سے قتال کیا اور وہ ان پر غالب آگئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ یعنی تم میری طاعت سے نہ لوٹو اور جو میں نے تمہیں جبارین سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے اس سے نہ لوٹو۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ کی طاعت سے معصیت کی طرف نہ لوٹو، معنی ایک ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ یعنی بڑے بڑے جسموں والے، لمبے لمبے قدوالے ہیں، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ کہا جاتا ہے: نخلة جبارة یعنی طویل کھجور۔ الجبار جو عظمت والا ہو، فقر اور ذلت سے محفوظ ہو۔ زجاج نے کہا: آدمیوں میں جبار اسے کہتے ہیں جو سرکش ہو جو لوگوں پر اپنے ارادہ کے مطابق جبر کرتا ہو۔ اس بنا پر اس کی اصل الاجبار سے ہوگی جس کا معنی مجبور کرنا ہے، کیونکہ وہ اپنے ارادہ کے مطابق دوسروں کو مجبور کرتا ہے اجبرہ اس نے اسے مجبور کیا۔ بعض نے فرمایا: یہ جبر العظم سے مشتق ہے پس اس بنا پر جبار کی اصل اپنے امر کی اصلاح کرنے والا ہوگا پھر ہر اس شخص کے لیے استعمال ہونے لگا جو اپنے لیے نفع حاصل کرتا ہے خواہ حق کے ساتھ ہو یا باطل کے ساتھ ہو۔ بعض نے فرمایا: جبر العظم بھی اکراہ کے معنی کی طرف راجع ہے۔ فراء نے کہا: میں نے فعال، افعل سے نہیں سنا مگر دو حرفوں سے جبار، من اجبر، دراک من ادرک۔ پھر کہا گیا یہ بقایا عاد سے تھے۔ بعض نے فرمایا: یہ عیصو بن اسحاق کی اولاد سے تھے اور یہ روم سے تھے اور ان کے ساتھ عوج اعنق تھا۔ اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ہاتھ تھا۔ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے۔ وہ اپنی کھونٹی سے بادل میں سوراخ کرتا تھا اور اس سے پانی پیتا تھا اور وہ سمندر کی تہہ سے مچھلی پکڑتا تھا اور سورج کے قریب کر کے اسے بھون لیتا تھا اور پھر کھاتا تھا۔ طوفان نوح آیا تو وہ اس کے گھٹنے سے اوپر نہ ہوا تھا۔ اس کی عمر تین ہزار چھ سو سال تھی۔ اس نے جب اتنی بڑی چٹان اکھیڑی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کی مقدار تھی تاکہ وہ ان پر مارے تو اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ بھیجا جس نے اس چٹان کو کاٹ دیا وہ چٹان اس کی گردن پر گری اور اسے گرا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے جب کہ ان کا قد دس ہاتھ تھا ان کا عصا دس ہاتھ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دس ہاتھ اور بلند ہوئے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام عوج کے ٹخنے تک پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اسے لگا تو وہ مقتول ہو گیا۔ بعض نے کہا: آپ کا عصا اس کے ٹخنے کے نیچے والی رگ پر لگا تو وہ گر گیا اور مر گیا اور وہ مصر کے دریائے نیل پر گرا، ایک سال لوگوں نے اسے بطور پل استعمال کیا۔ اس مفہوم کو مختلف الفاظ کے ساتھ محمد بن اسحاق، طبری اور مکی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ کلبی نے کہا: عوج، ہاروت و ماروت کی اولاد سے تھا جب انہوں نے

عورت سے برائی کی تھی اور وہ عورت حاملہ ہوگئی تھی۔ (1)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا یعنی ایلیاء کا شہر۔ اور کہا جاتا ہے: اریحاء۔ حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا حتیٰ کہ وہ شہر بغیر قتال کے ہمارے حوالے کر دیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ انہوں نے جبارین کے خوف کی وجہ سے کہا تھا اور انہوں نے نافرمانی کا قصد نہیں کیا تھا، کیونکہ انہوں نے کہا تھا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا: یہ یوشع اور کالب بن یوقنا تھے (1)، ابن قانیا بھی کہا جاتا تھا یہ دونوں بارہ نقیبوں میں سے تھے۔ يَخَافُوْنَ یعنی وہ جبارین سے ڈرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ ضحاک نے کہا: وہ دونوں افراد جبارین کے شہر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے (2)۔ اس بنا پر يَخَافُوْنَ کا معنی ہوگا وہ عمالقہ سے ڈرتے تھے طبعی حیثیت سے تاکہ وہ ان کے ایمان پر مطلع نہ ہو جائیں اور وہ انہیں فتنہ میں مبتلا کریں لیکن وہ اللہ پر یقین رکھتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ بنی اسرائیل کے ضعف اور ان کی بزدلی کا خوف رکھتے تھے۔ مجاہد اور ابن جبیر نے یُخافون یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے نہ تھے۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا اللہ تعالیٰ نے ان پر اسلام یا یقین اور صلاح کا انعام فرمایا۔ ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ان دونوں نے بنی اسرائیل کو یہ کہا کہ ان کے جسموں کی بڑائی تمہیں خوف میں نہ ڈالے، ان کے دل تمہاری وجہ سے رعب سے بھرے ہوئے ہیں، ان کے اجسام بڑے ہیں اور دل کمزور ہیں، وہ جان چکے تھے کہ جب وہ اس دروازہ سے داخل ہوں گے تو غلبہ انہیں ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں نے یہ اللہ کے وعدہ پر یقین کی بنا پر کہا تھا پھر ان دونوں نے کہا: وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنے والے ہو کہ وہ تمہاری مدد کرے گا، پھر پہلے قول کی بنا پر کہا گیا کہ جب ان دونوں نے یہ کہا تو بنو اسرائیل نے ان دونوں کو رجم کرنے کا ارادہ کیا، انہوں نے کہا: ہم تمہاری تصدیق کریں اور ہم دس افراد کا قول چھوڑ دیں، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا یہ قتال سے خالص عناد ہے اور نصرت سے مایوسی ہے۔ پھر وہ رب تبارک و تعالیٰ کی صفت سے جاہل تھے۔ انہوں نے کہا: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا آنے جانے کے ساتھ وصف بیان کیا، اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے یہ دلیل ہے کہ وہ مشبہ تھے۔ یہ حسن کے قول کا معنی ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اس کلام کے معنی میں یہ ظاہر ہے۔ بعض علماء نے کہا: یعنی تیرے رب کا تیری مدد کرنا، ہماری مدد کرنے سے زیادہ احق ہے اور اس کا تیرے ساتھ قتال کرنا۔ اگر تو اس کا رسول ہے۔ ہمارے قتال سے اولیٰ ہے۔ یہ ان کی طرف سے کفر تھا، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے کہ تو جا اور قتل کر اور تیرا رب تیری مدد

(1) یہ قول علم کلام کی تحقیقات کے خلاف ہے۔ مترجم

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 193　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 214

کرے۔ بعض نے کہا: انہوں نے رب سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام لیے تھے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی اطاعت کرتے تھے، بہرحال انہوں نے اپنے قول سے فسق کا ارتکاب کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ یعنی ان پر غمگین نہ ہوں۔ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ہم یہاں رہیں گے اور ہم قتال نہیں کریں گے، قاعدین حال کی بنا پر جائز ہے، کیونکہ کلام اس سے پہلے مکمل ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ کیونکہ وہ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں صرف اپنے نفس کا مالک ہوں، پھر کلام کی ابتدا فرمائی اور فرمایا: وَ اَخِيْ یعنی میرا بھائی (1) صرف اپنے نفس کا مالک ہے۔ اَخِيْ پہلے قول کی بنا پر نفسی پر عطف کی بنا پر محل نصب میں ہے اور دوسرے قول کی بنا پر محل رفع میں ہے اگر تو چاہے تو ان کے اسم پر عطف کرے اور وہ یا ضمیر ہے یعنی میں اور میرا بھائی ہم صرف اپنے نفسوں کے مالک ہیں اگر تو چاہے تو املك میں جو ضمیر مضمر ہے اس پر عطف کرے گویا فرمایا: لا املك انا واخی الا انفسنا میں اور میرا بھائی صرف اپنے نفسوں کے مالک ہیں۔

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ کہا جاتا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اس قوم کے درمیان جدائی کا سوال کیوں کیا؟ اس کے کئی جوابات ہیں۔ (1) کیونکہ وہ حق سے بہت دور تھے اور انہوں نے جو عصیاں کا ارتکاب کیا تھا اس کی وجہ سے وہ صواب سے بہت دور چلے گئے تھے، اسی وجہ سے وہ تیہ میں ڈالے گئے (۲) تمیز طلب کرنے کے لیے یعنی ہمیں ان کی جماعت سے علیحدہ کر دے اور ہمیں ان کے ساتھ عقاب میں لاحق نہ کر۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرما، یا ہمیں اپنی عصمت کے ساتھ اس نافرمانی سے محفوظ کر لے جس میں تو نے انہیں مبتلا کیا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ (الدخان) يُفْرَقُ بمعنی یقضی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا جب انہیں تیہ میں مار ڈالا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس نے آخرت میں یہ فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمایا یعنی ہمیں جنت میں کر دے اور ہمیں ان کے ساتھ آگ میں نہ ڈال، فرق جو احوال میں مباعدہ (دوری) پر دلالت کرتا ہے اس پر شاہد شاعر کا قول ہے:

یا ربِّ فافرق بینه و بینی　　أشدّ ما فَرَّقتَ بین اثنین

ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فافرق را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور انہیں تیہ میں چالیس سال سزا دی۔ التیہ کا اصل معنی لغت میں حیرت ہے۔ تاہ یتیہ تیہاً وتوہاً حیران ہونا۔ توھته یا اور واؤ کے ساتھ ہے اور یا زیادہ ہے۔ الارض التیہاء ایسی زمین جس میں ہدایت و راستہ نہ ملے۔ ارض تیہ و تیہاء اس سے شاعر کا قول ہے:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 176، دار الکتب العلمیہ بیروت

تِيهٌ أَتَاوِيهٌ علی السُّقَّاطِ

ایک اور شاعر نے کہا:

بِتَيهَاء قَفْرٍ والمَطِيُّ كأنها قَطَا الحَزْن قد كانت فِراخا بُيُوضها

بنی اسرائیل تھوڑے سے فراسخ چلتے تھے۔ بعض نے فرمایا: چھ فراسخ کی مقدار چلتے تھے، دن اور رات میں۔ صبح وہیں ہوتے تھے جہاں شام کو ہوتے تھے اور وہ شام کو وہاں ہوتے جہاں وہ صبح کو ہوتے تھے وہ چلتے رہتے تھے انہیں قرار نہیں تھا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ان کے ساتھ تھے یا نہیں؟ بعض نے فرمایا: وہ ساتھ نہیں تھے، کیونکہ تیہ سزا تھی اور تیہ کے سال بچھڑے کے ایام کی تعداد کے برابر تھے۔ ہر دن کے مقابلہ میں ایک سال رکھا گیا فرمایا: فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۝ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر معاملہ آسان کر دیا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دیا تھا۔ اور محرمة کا معنی ہے انہیں اس میں داخل ہونے سے روکا گیا تھا جیسے کہا جاتا ہے: حرم الله وجهك على النار۔ اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو آگ سے محفوظ کرے۔ حرمت عليك دخول الدار تجھ پر گھر میں داخلہ ممنوع ہے۔ یہ تحریم منع ہے نہ کہ تحریم شرع یہ اکثر اہل تفسیر سے مروی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

جَالَتْ لتصرعني فقلتُ لها اقصِرِي إِنّي امرءٌ صَرْعِي عليكِ حرامُ

یعنی میں شہسوار ہوں مجھے پچھاڑنا ممکن نہیں۔

ابوعلی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ تحریم تعبد ہو۔ کہا جاتا ہے: یہ عقلاء کی ایک جماعت کے بارے میں کہنا کیسے جائز ہے کہ وہ چند فرسخ چلیں اور وہ اس سے نکلنے کی راہ نہ پائیں؟ اس کا جواب ابوعلی نے یہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کو پھیر دیتا ہو جس پر وہ تھے جب وہ سوتے ہوں اور انہیں وہ اسی جگہ کی طرف لوٹا دیتا ہو جس سے انہوں نے آغاز کیا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور معجزہ اشتباہ اور خروج سے مانع اسباب پیدا کر دیئے ہوں۔

اربعين، التيه کے لیے ظرف زمان ہے۔ یہ حسن اور قتادہ کا قول ہے اور انہوں نے کہا: ان میں سے کوئی وہاں اس عرصہ میں داخل نہ ہوا، اس صورت میں علیھم پر وقف ہوگا۔ ربیع بن انس وغیرہ نے کہا کہ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً تحریم کی ظرف ہے(1)۔ اس بنا پر اربعين سنة پر وقف ہوگا پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ ان کی اولاد وہاں داخل ہوئی۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ان میں سے کوئی نہ بچا مگر یوشع اور کالب۔ یوشع ان کی اولاد کے ساتھ اس شہر کی طرف نکلا اور اس شہر کو فتح کیا۔ دوسری صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ چالیس سال بعد جو ان میں سے باقی تھے وہ اس شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تیہ میں ہی فوت ہو گئے تھے(2)۔ دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یوشع کو نبوت بخشی اور انہیں جبارین سے قتال کرنے کا حکم دیا اس پر سورج کو روک دیا گیا تھا حتیٰ کہ وہ شہر میں داخل

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 195
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 220

ہوئے اس میں وہ جلایا گیا جس کے پاس مال غنیمت پایا گیا تھا پہلے لوگ جب مال غنیمت حاصل کرتے تو آسمان سے ایک سفید آگ نازل ہوتی اور وہ مال غنیمت کو کھا جاتی یہ اس کی قبولیت کی دلیل ہوتی تھی اگر جس مال غنیمت میں خیانت ہوتی تھی تو آگ اس مال کو نہ کھاتی تھی، درندے اور وحشی آتے تھے اور وہ اسے کھاتے تھے پس آگ نازل ہوئی اور اس نے مال غنیمت کو نہ کھایا۔ یوشع نے کہا: تم میں خیانت ہے۔ ہر قبیلہ میری بیعت کرے پس ہر قبیلہ نے اس کی بیعت کی، ان میں سے ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا: تیرے پاس خیانت کا مال ہے اس نے گائے کے سر کی مقدار سونا نکالا پھر آگ نازل ہوئی اور مال غنیمت کو کھا گئی وہ آگ چاندی کی مثل سفید ہوتی تھی اس کی آواز ہوتی تھی جیسے درخت کی آواز ہوتی ہے اور پرندے کے پروں کی آواز ہوتی ہے اور علماء بیان کرتے ہیں کہ اس ہوا نے اس خیانت کرنے والے اور اس کے مال کو جلا دیا اب اسے غور عاجز کہا جاتا ہے وہ غال (خیانت کرنے والے) کے نام سے پہچانا گیا، اس کا نام عاجز تھا۔

میں کہتا ہوں: اس سے ہم سے پہلے خیانت کرنے والے کی سزا استفاد ہوتی ہے۔ ہماری ملت میں مال غنیمت کا حکم گزر چکا ہے۔ صحیح حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں اس نبی کا اسم اور مال غنیمت کا بیان نہیں ہے، حدیث میں ہے غزا نبیٌ من الانبیاء ایک نبی نے جنگ لڑی۔ اس حدیث کو مسلم نے تخریج کیا ہے اس میں ہے فرمایا: ''انہوں نے حملہ کیا پس وہ اس شہر کے قریب عصر کی نماز کے وقت پہنچے یا اس کے قریب وقت تھا، اس نبی نے سورج کو فرمایا: تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی پابند ہوں۔ اے اللہ! تھوڑا سے مجھ پر روک لے پس سورج اس پر روک لیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔ فرمایا: انہوں نے مال غنیمت جمع کیا تو آگ اسے کھانے کے لیے نہ آئی اور آگ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا اس نبی نے فرمایا: تم میں خیانت ہے ہر قبیلہ سے ایک شخص میری بیعت کرے۔ انہوں نے بیعت کی۔ فرمایا: دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ چمٹ گیا۔ یوشع نے فرمایا: ''تم میں خیانت ہے'' (1)۔ پہلے کی طرح ذکر کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اہل اریحاء کے ساتھ جنگ کے وقت سورج کو روکنے اور جمعہ کے دن پچھلے ٹائم فتح کے قریب ہونے، فتح سے پہلے سورج کے غروب ہونے سے حضرت یوشع علیہ السلام کے ڈرنے میں حکمت یہ تھی کہ اگر ان پر سورج نہ روکا گیا تو ہفتہ کی وجہ سے ان پر جنگ حرام ہو جائے گی۔ ان کے دشمن کو ان کی خبر ہو جائے گی پس انہوں نے ان میں تلوار چلائی اور انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا۔ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت کی علامت تھی اس کے بعد کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر سے ان کی نبوت ثابت ہو چکی تھی۔ واللہ اعلم

حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم سے پہلے کسی امت کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا'' (2)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھا پھر ہمارے لیے اسے حلال کر دیا۔ یہ اس شخص کے قول کا رد ہے جو وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝ کی تاویل میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد مال غنیمت کو حلال کرنا اور ان سے نفع اٹھانا ہے۔

ان علماء سے جنہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیہ میں فوت ہوئے تھے ان میں عمرو بن میمون اودی ہے، اس نے حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی زائد ذکر کیا ہے دونوں حضرات تیہ میں کسی غار کی طرف نکلے، حضرت ہارون علیہ السلام کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، جلد 2 صفحہ 85 2۔ ایضاً

وصال ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دفن کر دیا اور پھر بنی اسرائیل کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا: حضرت ہارون کا کیا ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ فوت ہو گئے ہیں۔ بنی اسرائیل نے کہا: تم نے جھوٹ بولا ہے، لیکن تو نے قتل کیا ہے، کیونکہ ہم اس سے محبت کرتے تھے وہ بنی اسرائیل میں محبوب تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ لوگوں کو حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر کی طرف لے چلو، میں انہیں اٹھاؤں گا حتیٰ کہ وہ خود انہیں بتائیں گے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور تو نے اسے قتل نہیں کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر کی طرف لے گئے، پھر ندا دی: اے ہارون! وہ قبر سے نکل آئے جب کہ اپنے سر کو جھاڑ رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا میں تمہارا قاتل ہوں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: نہیں، لیکن میں فوت ہو گیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اپنی آرام گاہ کی طرف لوٹ جا۔ تو وہ واپس چلے گئے۔ حسن نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیہ میں وصال نہیں فرمایا تھا۔ ان کے علاوہ علماء نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اریحاء فتح کیا تھا اور یوشع لشکر کے مقدمہ پر تھے، پس انہوں نے وہاں کے جابر لوگوں سے قتال کیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ اریحاء میں داخل ہوئے اور وہاں ٹھہرے رہے جتنا کہ اللہ نے ان کا ٹھہرنا چاہا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمائی ان کی قبر کو کوئی نہیں جانتا۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول اصح ہے۔

میں کہتا ہوں: مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا جب عزرائیل علیہ السلام آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ پھوڑ دی، ملک الموت اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ آئے اور عرض کی: تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت کا ارادہ نہیں کرتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: ان کی طرف دوبارہ جاؤ اور انہیں کہو کہ بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھو ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر ہو گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! پھر کیا ہو گا؟ فرمایا: پھر موت ہو گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر ابھی موت دے دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ اسے بیت المقدس کے پتھر پھینکنے کی مقدار قریب کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں وہاں ہوتا تو میں تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی قبر راستہ کی جانب سرخ ٹیلے کے نیچے دکھاتا'' (1)۔ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر معلوم تھی آپ نے اس کی جگہ بیان فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا جیسا کہ حدیث الاسراء میں ہے مگر یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو آپ کے علاوہ مخلوق سے مخفی رکھا ہو اور لوگوں کے لیے اس کو مشہور نہ کیا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی عبادت شروع ہو جائے۔ طریق (راستہ) سے مراد بیت المقدس کا راستہ ہے اور طریق کے لفظ کی جگہ جانب الطور کے الفاظ ہیں، علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کو طمانچہ مارنے اور ان کی آنکھ پھوڑنے کی تاویل میں اختلاف کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ آنکھ خیالی ہے حقیقی نہیں۔ یہ باطل ہے، کیونکہ یہ نظریہ اس طرف لے جاتا ہے کہ انبیاء کرام جو ملائکہ کی صورتیں دیکھتے ہیں ان کی حقیقت نہیں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 267

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ معنوی آنکھ تھی، حجت کے ساتھ اس کو پھوڑا۔ یہ مجاز ہے حقیقت نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو نہیں پہچانا، انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو بغیر اجازت کے ان کے گھر میں داخل ہوا ہے وہ ان کی جان کا ارادہ کرتا ہے پس آپ نے اپنے نفس کا دفاع کیا اور اسے طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی ہر ممکن کے ساتھ ایسی صورت مدافعت واجب ہے۔ یہ بہتر قول ہے، کیونکہ آنکھ اور طمانچہ میں حقیقت ہے۔ یہ قول امام ابوبکر بن خزیمہ نے کہا: مگر ان پر اعتراض کیا گیا اس قول کی بنا پر جو حدیث میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملک الموت جب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر گئے تو کہا: یا رب! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت کو نہیں چاہتا (1)۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں نہ پہچانا ہوتا تو ملک الموت کا قول سچا نہ ہوگا۔ اس طرح دوسری روایت میں ہے عزرائیل علیہ السلام نے کہا تھا اپنے رب کے حکم کا جواب دو، یہ دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو پہچانا تھا۔ واللہ اعلم۔

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت جلد غصہ میں آنے والے تھے، جب وہ غصہ میں ہوتے تھے تو ان کی ٹوپی سے دھواں نکلتا تھا اور ان کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے تھے۔ سرعت غضب کی وجہ سے انہوں نے ملک الموت کو طمانچہ مارا۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس طرح ہے جس طرح تو نے ملاحظہ کیا، کیونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اس سے کہ ابتداء ان سے حالت رضا اور غضب میں اس کی مثل واقع ہو۔ چوتھا قول یہ ہے اور یہ ان تمام اقوال سے صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو پہچانا تھا کہ وہ ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے ہیں لیکن وہ پختہ کام کرنے والے کی طرح آئے تھے کہ بغیر تخییر کے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ بات تھی جس پر ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قائم فرمائی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح قبض نہیں فرماتا حتیٰ کہ اسے اختیار دیتا ہے (2)'' جب عزرائیل علیہ السلام اس طریقہ سے ہٹ کر آئے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے تو انہوں نے قوت نفس اور اپنے جذبہ کی وجہ سے جلدی کی اور ادب سکھایا اور اسے طمانچہ مارا اور آنکھ پھوڑ دی۔ یہ ملک الموت کی آزمائش تھی، کیونکہ انہوں نے صراحۃً اختیار کا ذکر نہیں کیا تھا اور اس کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ جب ملک الموت دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہیں زندگی اور موت کے درمیان اختیار دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موت کو اختیار کیا اور حکم الٰہی کو تسلیم کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کے ساتھ احکم واعلم ہے۔ یہ قول اصح ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں کہا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کے بارے میں قصص واخبار لکھی ہیں جن کی صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ صحیح میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا: آپ نے موت کو کیسا پایا؟ انہوں نے کہا: ایسی بکری کی طرح جس کی کھال اتاری گئی ہو جب کہ وہ زندہ ہو۔ یہ معنی صحیح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا: ''موت کے لیے سختیاں ہیں (3)'' جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں بیان کیا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 267 2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 638، معناً 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 640

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ آپ پریشان نہ ہوں۔ الأسی کا معنی حزن وملال ہے۔ آسی یاسٰی اسیً یعنی غمگین ہونا۔ شاعر نے کہا:

یقولون لا تھلك أسیً و تَحمَّلْ

لوگ کہتے ہیں: غمگین ہو کر ہلاک نہ ہو اور برداشت کر۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسروں سے (اس دوسرے نے) کہا: قسم ہے! میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا: (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں سے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اس آیت کا ماقبل سے تعلق اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ یہود کا ظلم کرنا اور ان کا عہود اور مواثیق کو توڑنا ابن آدم کے اپنے بھائی پر ظلم کی طرح ہے معنی یہ ہے کہ اگر انہوں نے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تیرے ساتھ زیادتی کی ہے تو انہوں نے تجھ سے پہلے انبیاء کو قتل کیا ہے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔ شر بہت پرانا ہے انہیں یہ قصہ یاد دلایا اور یہ سچا واقعہ ہے جھوٹی احادیث کی طرح نہیں ہے۔ اس میں اسلام کے مخالف کو خاموش کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔ حضرت آدم کے ان بیٹوں کے بارے اختلاف ہے۔ حسن بصری نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے نہ تھے، یہ دونوں بنی اسرائیل سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے حسد کو ظاہر کرنے کے لیے مثال بیان فرمائی، ان دونوں کے درمیان جھگڑا تھا، پس ان دونوں نے دو قربانیاں کیں اور قربانیاں صرف بنی اسرائیل میں تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ وہم ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کا کوئی شخص دفن کرنے کی صورت سے واقف نہ تھا حتیٰ کہ اس نے کوے کی اقتدا کی (1)۔ صحیح یہ ہے کہ وہ دونوں حضرت آدم کی صلب سے تھے۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر وغیرہما نے یہی کہا ہے، یہ دونوں ہابیل اور قابیل تھے (2)۔ قابیل کی قربانی سنبل کی لکڑیوں کا گٹھا تھا، کیونکہ وہ صاحب زرع (کھیتی باڑی کرنے والا) تھا، اس نے اپنے کھیت سے گھٹیا مال چنا تھا پھر اس میں ایک عمدہ شہ پایا تو اسے بھی صاف کر کے کھالیا اور ہابیل کی قربانی مینڈھا تھا، کیونکہ وہ ریوڑ والا تھا۔ اس نے اپنی بھیڑوں سے ایک عمدہ جانور لیا۔ فَتُقُبِّلَ پس اسے جنت کی طرف اٹھایا گیا وہ جنت میں چرتا رہا حتیٰ کہ اس کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دیا گیا۔ یہ سعید بن جبیر وغیرہ کا قول ہے جب ہابیل کی قربانی قبول کی گئی۔ کیونکہ وہ مومن تھا تو قابیل نے حسد کی بنا پر اسے کہا کیونکہ وہ کافر تھا۔ کیا تو زمین پر چلے گا جب کہ لوگ تجھے مجھ سے افضل دیکھیں گے!

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 178
2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 197

لَاَقْتُلَنَّكَ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس قربانی کا سبب یہ تھا کہ حضرت حواء علیہا السلام ہر بطن میں ایک مذکر اور ایک مونث جنم دیتی تھیں مگر حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے یہ ہابیل کے عوض تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس کا نام ہبۃ اللہ ہے، کیونکہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت حوا سے کہا جب انہوں نے اس کو جنم دیا۔ یہ تیرے لیے ہابیل کا بدل ہبۃ اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال تھی جب حضرت شیث علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام ایک بطن کے لڑکے کی دوسرے بطن کی لڑکی سے شادی کرتے تھے۔ کسی کے لیے اس کی جڑواں بہن حلال نہیں تھی قابیل کے ساتھ اس کی خوبصورت بہن پیدا ہوئی جس کا نام اقلیمیا تھا اور ہابیل کے ساتھ بہن پیدا ہوئی وہ ایسی خوبصورت نہ تھی اس کا نام لیوذا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل اور اقلیمیا کا نکاح کرنا چاہا تو قابیل نے کہا: میں اپنی بہن کا زیادہ حق دار ہوں، حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو حکم دیا تو اس نے حکم نہ مانا، حضرت آدم علیہ السلام نے اسے منع کیا تو وہ نہ رکا، انہوں نے قربانی پر اتفاق کر لیا۔ یہ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں حضرت ابن مسعود بھی ہیں روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت حاضر تھے۔ واللہ اعلم۔

اس کے متعلق حضرت جعفر صادق سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی بیٹی کا اپنے بیٹے سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا کیا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے انحراف نہ کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کا دین ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم و حوا کو زمین پر اتارا اور انہیں جمع فرمایا تو حضرت حواء علیہا السلام نے ایک لڑکی کو جنم دیا اس کا نام عناق رکھا اس نے بے حیائی کی، یہ پہلی بے حیائی کرنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک قاتل کو مسلط کر دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں حضرت حوا نے قابیل کو جنم دیا پھر ہابیل کو جنم دیا، جب قابیل بالغ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک مونث جن کو اس کے لیے ظاہر کیا جس کو جمالہ کہا جاتا تھا وہ انسانی شکل میں تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اس کا نکاح قابیل سے کر دو، آپ نے اس کا نکاح قابیل سے کر دیا، جب ہابیل بالغ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ایک انسانی شکل میں حوریہ (حور) اتاری اور اس کے لیے رحم پیدا کیا، اس کا نام بزلۃ تھا جب ہابیل نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اس سے محبت کرنے لگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ بزلۃ کا نکاح ہابیل سے کر دو، تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا کر دیا۔ قابیل نے کہا: اے والد محترم! کیا میں اپنے بھائی سے بڑا نہیں ہوں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ قابیل نے کہا: میں اس کا زیادہ حق دار ہوں جو آپ اس کے ساتھ کر رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے کہا: اے بیٹا! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ فضل اللہ کے دست قدرت میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ قابیل نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں، لیکن آپ نے اسے مجھ پر ترجیح دی ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: تم دونوں قربانی دو جس کی قربانی قبول ہوگی وہ اس فضل کا زیادہ حق دار ہوگا۔

میں کہتا ہوں: حضرت جعفر سے یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔ اور وہ قول جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک بطن کے لڑکے کا نکاح دوسرے بطن کی لڑکی سے کرتے تھے، یہ درست ہے اور اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ

الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً (النساء:1) اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد اور عورتیں (کثیر تعداد میں)۔ یہ نص کی مانند ہے پھر یہ منسوخ ہو گیا، جیسا کہ اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

حضرت حوا نے بیس بطنوں سے چالیس جوڑے جنم دیئے ان میں سے پہلا قابیل تھا اور اس کی جڑواں بہن اقلیمیا تھی اور ان کا آخری عبدالمغیث پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں برکت ڈال دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کا وصال نہ ہوا حتیٰ کہ ان کی اور ان کی اولاد کی اولاد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی اور حضرت جعفر سے جو مروی ہے کہ حضرت حوا نے بیٹی جنم دی اور اس نے بے حیائی کی، پھر کہا گیا: کس کے ساتھ بے حیائی کی؟ کیا جن کے ساتھ جو اس کے پاس آیا؟ اس جیسا قول نقل صحیح کا محتاج ہوتا ہے جو عذر کو قطع کر دے اور نقل صحیح معدوم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ہابیل کے قول میں اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۷﴾ ہے اس سے پہلے کلام محذوف ہے، کیونکہ جب قابیل نے اسے کہا: لَاَقۡتُلَنَّکَ میں تجھے ضرور قتل کروں گا، تو ہابیل نے اسے کہا: تو مجھے کیوں قتل کرے گا جب کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا اور اللہ نے میری قربانی قبول کی ہے تو اس میں گناہ نہیں ہے میں نے تقویٰ اختیار کیا اور میں واضح حق پر تھا اور اللہ تعالیٰ متقین سے قبول فرماتا ہے(1)۔ ابن عطیہ نے کہا: تقویٰ سے یہاں مراد شرک سے بچنا ہے۔ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے جس نے شرک سے اجتناب کیا وہ موحد ہے اور اس کے اعمال جن میں اس کی نیت سچی ہے وہ مقبول ہیں، شرک اور گناہوں سے بچنے والے کے لیے بلند درجہ ہے قبولیت اور رحمت کے ساتھ خاتمہ ہے۔ اللہ کے خبر دینے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر رحمت کرنا اور قبول کرنا واجب نہیں۔ حضرت عدی بن ثابت نے کہا: اس امت کے متقی کی قربانی نماز ہے(2)۔

میں کہتا ہوں: یہ عبادات میں سے خاص نوع ہے۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور بندہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا کہ فرائض ادا کر کے حاصل کرتا ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی قوت بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کی قوت ید بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں میں میری قوت آ جاتی ہے جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے گا تو میں اس کو ضرور پناہ دوں گا اور مجھے کسی چیز سے اتنا تردد نہیں ہوتا جسے میں کرنا چاہتا ہوں جتنا کہ مومن کے نفس سے تردد ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی برائیوں کو ناپسند کرتا ہوں"(3)۔

لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِکَ فَتَکُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 178　2۔ ایضاً　3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقائق، جلد 2، صفحہ 963

النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۚ۝

''تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے، میں تو ڈرتا ہوں الله سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ یعنی تو اگر میرے قتل کا قصد کرے گا تو میں تیرے قتل کا قصد نہیں کروں گا، اس کی طرف سے تسلیم کرنا ہے۔ خبر میں ہے ''جب فتنہ ہو تو ابن آدم کے بہتر بیٹے کی طرح ہو جا'' (1)۔ ابو داؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یارسول الله! اگر کوئی مجھ پر میرے گھر میں داخل ہو اور میری طرف وہ اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے کے لیے بڑھائے تو؟ فرمایا: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو آدم کے بیٹوں میں بہتر بیٹے کی طرح ہو جا''۔ پھر یہ آیت تلاوت کی: لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ۔ (2) مجاہد نے کہا: ان پر اس وقت فرض تھا کہ کوئی تلوار نہ سونتے اور نہ روکے اسے جو اسے قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے (3)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ بطور تعبد جائز تھا، مگر ہماری شریعت میں بالاجماع دفاع جائز ہے، اس کے وجوب میں اختلاف ہے اور اصح اس کا وجوب ہے، کیونکہ اس میں برائی سے منع کرنا ہے۔ حشویہ میں ایک گروہ ہے جو اس کے لیے دفاع جائز قرار نہیں دیتے جس پر حملہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابوذر کی حدیث سے احتجاج کیا ہے اور علماء نے اس کو فتنہ میں قتال کے ترک پر محمول کیا ہے اور شبہ کے وقت ہاتھ روکنے پر محمول کیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں بیان کیا ہے۔ حضرت عبدالله بن عمرو اور جمہور علماء نے کہا: ہابیل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھا لیکن وہ قتال سے بچا رہا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ اظہر قول ہے اس سے تائید ملتی ہے کہ قابیل گنہگار تھا کافر نہیں تھا، کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو ہابیل اسے قتل کرنے سے نہ بچتا۔ بچنے کی وجہ یہی ہے کہ بچنے والا کسی موحد کو قتل کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ وہ ظلم کرے تاکہ آخرت میں (اسے سزا ملے اور) اسے جزا ملے۔ حضرت عثمان نے یہی کہا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں تیرے قتل کا قصد نہیں کرتا بلکہ میں اپنے نفس کے دفاع کا قصد کرتا ہوں۔ اس بنا پر بعض علماء نے کہا: ہابیل سویا ہوا تھا تو قابیل آیا اور پتھر سے اس کا سر کچل دیا جیسا کہ آگے آئے گا: اور آدمی کا ظالم سے دفاع کرنا جائز ہے اگرچہ وہ دشمن کو دفاع میں قتل بھی کر دے۔

بعض علماء نے فرمایا: اگر تو میرے قتل سے ابتدا کرے گا تو میں تجھے کبھی قتل نہیں کروں گا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تو ظلماً میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں ظلم کرنے والا نہیں، میں الله رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

مسئلہ نمبر 2۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی نبی کریم

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 229۔ ایضاً، حدیث نمبر 3715، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 228۔ ایضاً، حدیث نمبر 3714، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 179

ﷺ کے قول اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار۔ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں۔ کے معنی کی طرح ہے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! یہ قاتل (اس کے دوزخ میں ہونے کی سمجھ آتی ہے) مقتول کے دوزخ میں ہونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ''وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا'' (1)۔ گویا ہابیل نے ارادہ کیا کہ میں تیرے قتل پر حریص نہیں ہوں مجھے گناہ لاحق ہوتا اگر میں تیرے قتل پر حریص ہوتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ کے ساتھ میرا گناہ بھی اٹھائے۔ بعض نے فرمایا: باثمی کا مطلب ہے میرا وہ گناہ جو میرے ساتھ خاص ہے جس میں مجھ سے کوتاہی ہوئی، یعنی میرے گناہوں میں سے لیا جائے اور تیرے مجھ پر ظلم کرنے کے سبب وہ گناہ تجھ پر ڈالا جائے اور تو اپنے گناہ کے ساتھ میرے گناہ کو اٹھائے اس کی تائید نبی کریم ﷺ کا ارشاد کرتا ہے ''قیامت کے روز ظالم اور مظلوم کو لایا جائے گا، تو ظالم کی نیکیاں لی جائیں گی اور مظلوم کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا حتیٰ کہ انصاف دیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیوں سے لے کر ظالم پر ڈال دی جائیں گی''۔ مسلم نے اس کا مفہوم تخریج کیا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے: وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13) اور ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔

یہ واضح ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اٹھائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (النحل: 15) اور کھڑے کر دیئے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تا کہ زمین ڈولتی نہ رہے تمہارے ساتھ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (النساء: 176) یعنی لئلا تضلوا پس لا کو حذف کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ضعیف ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''کوئی نفس ظلماً قتل نہیں کیا جائے گا مگر اس کے خون کا بوجھ حضرت آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) پر ہوگا، کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کی سنت قائم کی تھی'' (2)۔ اس سے ثابت ہوا کہ قتل کا گناہ حاصل ہے اسی وجہ سے اکثر علماء نے فرمایا: معنی یہ ہے کہ میرے قتل کا گناہ اور تیرا گناہ جو تو نے میرے قتل سے پہلے کیا اس کے ساتھ تو لوٹے گا۔ ثعلبی نے کہا: یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ استفہام ہے یعنی کیا میں ارادہ کرتا ہوں؟ یہ انکار کی جہت پر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ (الشعراء: 22) یعنی او تلک نعمۃ یہ اس لیے ہے، کیونکہ قتل کا ارادہ معصیت ہے۔ قشیری نے اس کو حکایت کیا ہے ابو الحسن ابن کیسان سے پوچھا گیا: مومن کیسے ارادہ کرتا ہے کہ اس کا بھائی گناہگار ہو اور وہ دوزخ میں جائے۔ تو ابو الحسن نے کہا: یہ ارادہ اس کی طرف قتل کے لیے ہاتھ بڑھانے کے بعد واقع ہوا۔ معنی یہ ہے کہ تو نے میری طرف مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، میں تجھے اس سے ثواب کے ارادہ سے ضرور روکوں گا۔ ان سے کہا گیا: پھر اس نے باثمی واثمك کیسے کہا؟ اس کا کیا گناہ تھا جب وہ قتل کیا گیا؟ تو ابو الحسن نے کہا: اس کے تین جواب ہیں (۱) تو اٹھائے میرے قتل کا گناہ اور اپنے گناہ کو جس کی وجہ سے اس نے تیری قربانی قبول نہیں کی۔ یہ قول مجاہد

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 9　　2۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 60

سے مروی ہے (1)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تو اٹھائے میرے قتل کا گناہ اور مجھ پر تجاوز کرنے کا گناہ، کیونکہ وہ تجاوز کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوا تھا اگرچہ اس نے (ابھی) قتل بھی نہ کیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو گناہگار ہوتا جب وہ اس سے رک گیا تو اس کا گناہ اس کے مخالف کی طرف لوٹا، یہ تیرے اس قول کی مثل ہو گیا۔ المال بینه و بین زید یعنی مال دونوں کے درمیان ہے معنی یہ ہے کہ تو ہمارا گناہ اٹھائے۔ با کا معنی ہے وہ اپنی منزل کی طرف لوٹا۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 112) یعنی وہ لوٹے۔ سورۂ بقرہ میں اس پر تفصیلاً گفتگو گزر چکی ہے۔

شاعر نے کہا:

أَلَا تَنْتَهِي عَنَّا مُلُوكٌ وَ تَتَّقِي　　مَحارِمَنا لا يَبُوء الدَّمُ بِالدَّمِ

یعنی قصاص میں خون کے ساتھ خون نہیں لوٹتا۔

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ یہ دلیل ہے کہ وہ اس وقت دونوں مکلف تھے انہیں وعدہ اور وعید لاحق ہوا۔ ہابیل نے اپنے بھائی قابیل سے کہا: فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ قابیل کافر تھا، کیونکہ اَصْحٰبِ النَّارِ کا لفظ قرآن میں جہاں بھی واقع ہوا ہے کفار کے بارے میں واقع ہوا ہے۔ یہ قول یہاں مردود ہے اس بنا پر جو ہم نے اس آیت کی تاویل میں مفسرین سے ذکر کیا ہے۔ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کا معنی ہے تیرے دوزخ میں ہونے کی مدت۔ واللہ اعلم۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

”پس آسان بنا دیا اس کے لیے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اسے اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں سے“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ یعنی اس کے نفس نے اس پر قتل کا معاملہ آسان کر دیا نفس نے اسے تشجیع کی اور اپنے بھائی کو قتل کرنے کی صورت آسان بنا دی۔ کہا جاتا ہے: طاع الشی یطوع یعنی آسان کر دیا، اطاعت کی۔ طوعه فلان له، یعنی اس نے اس کے لیے معاملہ آسان کر دیا۔ ہروی نے کہا: طوعت واطاعت کا ایک معنی ہے۔ کہا جاتا ہے: طاع له کذا، جب کوئی کسی کے پاس خوشی سے آئے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے طاوعته نفسه فی قتل اخیه۔ حرف جر کو ہٹا دیا اور قتل اخیه منصوب ہو گیا۔ روایت ہے کہ وہ ناواقف تھا کہ وہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے۔ ابلیس ایک پرندہ یا کوئی حیوان لے کر آیا اور اس کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تا کہ قابیل اس کی اقتداء کرے تو قابیل نے بھی ایسا کیا۔ یہ ابن جریج اور مجاہد وغیرہما نے کہا ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود نے کہا: قابیل نے ہابیل کو سویا ہوا پایا تو اس نے پتھر کے ساتھ اس کا سر کچل دیا (2) اور یہ مکہ کے پہاڑ ثور میں ہوا تھا یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ حرا کے عقب میں ہوا۔ محمد بن

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 241　2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 200

جریر طبری نے یہ حکایت کیا ہے امام جعفر صادق نے کہا: بڑی مسجد کی جگہ بصرہ میں ہوا تھا۔ ہابیل کی عمر اس وقت بیس سال تھی جب قابیل نے اسے قتل کیا تھا۔ کہا جاتا ہے: قابیل اپنی طبع کی وجہ سے قتل کو جانتا تھا، کیونکہ انسان اگرچہ قتل کو نہ بھی دیکھے پھر بھی وہ طبعی طور پر اس کو جانتا ہے کہ نفس فانی ہے اور اس کا تلف کرنا ممکن ہے پس اس نے ایک پتھر اٹھایا اور ہند کی زمین میں اسے قتل کر دیا۔ واللہ اعلم

جب اپنے بھائی کو قابیل نے قتل کر دیا تو شرمندہ ہوا اور اس کے سر کے پاس روتے ہوئے بیٹھ گیا، پھر دو کوئے آئے وہ آپس میں لڑنے لگے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر اس قاتل کوے نے مقتول کوے کے لیے گڑھا کھودا اور اسے دفن کر دیا، تو قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے لیے بھی ایسا ہی کیا۔ السوۃ سے مراد شرمگاہ ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد مقتول جسم ہے پھر وہ عدن کی زمین کی طرف بھاگ گیا، پھر ابلیس اس کے پاس آیا اور کہا: آگ نے تیرے بھائی کی قربانی کو کھالیا ہے، کیونکہ وہ آگ کی عبادت کرتا تھا تو بھی آگ کی عبادت کر یہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے ہو جائے گی، پس اس نے آگ کے لیے ایک مکان بنایا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے آگ کی عبادت کی۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباس سے مروی ہے جب اس نے قتل کیا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام مکہ میں تھے درخت خشک ہوئے، کھانوں کا ذائقہ بدل گیا، پھل کھٹے ہوئے اور پانی نمکین ہو گیا اور زمین کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: زمین پر کوئی حادثہ ہو گیا ہے وہ ہند میں آئے تو ہابیل کو قابیل قتل کر چکا تھا (1)۔ بعض نے فرمایا: قابیل وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹا، جب وہ حضرت آدم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا: ہابیل کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا، گویا تو نے مجھے اس کی حفاظت پر مقرر کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے کہا: کیا تو نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! اس کا خون ندا دے رہا ہے۔ اے اللہ! اس زمین پر لعنت کر جس نے ہابیل کے خون کو پیا۔ روایت ہے کہ اس وقت سے زمین خون کو نہیں پیتی، پھر حضرت آدم علیہ السلام سو سال زندہ رہے اور مسکرائے نہیں حتیٰ کہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا: حضرت آدم اللہ نے تجھے سلام کیا اور تجھے ہنسایا۔ یہ مجاہد اور سالم بن ابی الجعد کا قول ہے۔ حضرت آدم کی عمر سے ایک سو تیس سال گزر گئے یہ ہابیل کے قتل کے پانچ سال بعد ہوا تو ان کے لیے ایک چیز پیدا ہوئی اس کی تفسیر ہبۃ اللہ ہے یعنی ہابیل کا بدل (2)۔ مقاتل نے کہا: قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے سے پہلے درندے اور پرندے حضرت آدم علیہ السلام سے انس رکھتے تھے، جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو وہ بھاگ گئے اور پرندے ہوا میں چلے گئے اور وحشی جنگل میں چلے گئے اور درندے پوشیدہ جگہوں میں چلے گئے۔ روایت ہے کہ حضرت آدم نے کہا: جب حالت تبدیل ہو گئی:

تَغَيَّرَتِ البِلَادُ وَمَنْ عَلَيْهَا　　فَوَجْهُ الأَرْضِ مُغْبَرٌّ قَبِيحُ

تَغَيَّرَ كُلُّ ذِي طَعْمٍ وَلَوْنٍ　　وَقَلَّ بَشَاشَةَ الوَجْهُ المَلِيحُ

بہت سے اشعار ہیں جن کو ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ہر شعر بشاشۃ کی نصب کے ساتھ ہے اور بغیر تنوین

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 243
2۔ ایضاً

کے ہے (1)۔ قشیری وغیرہ نے کہا: حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے شعر نہیں کہا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء شعر سے نہی میں برابر ہیں لیکن جب ہابیل کو قتل کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا مرثیہ کہا، وہ سریانی تھے وہ مرثیہ بھی سریانی زبان میں ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو اس کی وصیت کی تھی فرمایا: تو میرا وصی ہے، مجھ سے یہ کلام محفوظ کر لے تا کہ وراثت چلتی رہے، پس یہ یعرب بن قحطان کے زمانہ تک محفوظ رہی پھر یعرب نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا اور اسے شعر بنا دیا (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ خون کا دن ہے اس میں حضرت حوا کو حیض آیا اور اس میں ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کیا'' (☆)۔ صحیح مسلم وغیرہ سے حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی نفس ظلماً قتل نہیں کیا جاتا مگر اس کے خون کا بوجھ حضرت آدم کے پہلے بیٹے پر ہوتا ہے، کیونکہ اس نے قتل کا آغاز کیا تھا'' (3)۔ یہ تعلیل پر نص ہے، اس اعتبار سے ابلیس پر ہر اس شخص کی معصیت کا بوجھ ہوگا جس نے سجدہ کی نافرمانی کی، اسی طرح جس نے اللہ کے دین میں ایسی بدعت کا آغاز کیا جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اسلام میں کوئی اچھا کام شروع کیا اس کے لیے اس کا اجر ہوگا اور ان لوگوں کا اجر بھی ہوگا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور جس نے اسلام میں کوئی برا کام شروع کیا اس کے لیے اس کا گناہ ہوگا اور ان کا گناہ ہوگا جو قیامت تک اس کے مطابق عمل کریں گے'' (۱) یہ خیر و شر میں نص ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف گمراہ ائمہ کا ہے'' (4)۔ یہ تمام صریح ہے اور آیت کے معنی میں صحیح نص ہے۔ یہ اس وقت تک ہے جب تک اس معصیت سے وہ توبہ نہ کرے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام وہ پہلے تھے جنہوں نے اس چیز کے کھانے میں مخالفت کی جس سے منع کیا گیا تھا۔ اور ان پر ان لوگوں کا بوجھ نہ ہوگا جو اس چیز کے کھانے پینے میں نافرمانی کریں گے جس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے توبہ کر لی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تھی، پس وہ ایسے ہو گئے جیسے جس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے بھول کر کھایا تھا جیسا کہ صحیح قول ہے، ہم نے سورہ بقرہ میں بیان کر دیا ہے اور بھولنے والا گنہگار نہیں ہوتا اور نہ اس کا مواخذہ کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت حاسد کی حالت کے بیان کو متضمن ہے حتیٰ کہ حسد نے اسے اپنے قریبی رشتہ دار کو اور مہربان شخص کو، اذیت دور کرنے والے کو ہلاک کرنے پر ابھارا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ یعنی ان سے ہو گیا جس نے نیکیاں کم کر دیں۔ مجاہد نے کہا: قاتل کا ایک پاؤں اس کی پنڈلی سے ران تک باندھ دیا جاتا ہے اور یہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا اور اس کا چہرہ سورج

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 180 2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 243 3۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 60

4۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 5، صفحہ 278 ☆ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3364، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(۱) ریاض الصالحین، باب فیمن سن سنة حسنة أو سيئة، صفحہ 126، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کی طرح ہوتا ہے سورج جدھر بھی گھومتا ہے گرمیوں میں اس پر آگ کا گھراؤ ہوتا ہے اور سردیوں میں اس پر برف کا گھراؤ ہوتا ہے (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: اگر یہ صحیح ہے تو وہ اس گھاٹے سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے ورنہ خسران (گھاٹا) تو دنیا و آخرت کے خسران کو عام ہے (2)۔

میں کہتا ہوں: شاید یہ عقوبت اسے اس قول پر ہو کہ وہ گنہگار تھا، کافر نہ تھا۔ تو معنی ہوگا وہ دنیا میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے تھا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

''پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کھودتا تھا زمین کو تا کہ دکھائے اسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی، کہنے لگا: ہائے افسوس! کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی، غرض وہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے وہ آپس میں لڑے حتیٰ کہ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا (3)۔ ابن آدم پہلا تھا جو قتل کیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: کوے نے زمین کو اپنی خوراک کے لیے کھودا تا کہ وہ ضرورت کے وقت تک اسے چھپائے رکھے، کیونکہ ایسا کرنا کوے کی عادت ہے پس اس کے ذریعے قابیل اپنے بھائی کو پوشیدہ کرنے پر آگاہ ہو گیا۔ اور روایت ہے کہ قابیل نے جب ہابیل کو قتل کیا تو اسے ایک بوری میں رکھ دیا اور اسے سو سال اپنی گردن میں اٹھائے پھرتا رہا (4)۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس نے اسے ایک سال اٹھائے رکھا۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں بدبو پیدا ہو گئی وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرے، یہاں تک کہ اس نے کوے کی اقتدا کی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ خبر میں حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی اولاد پر تین احسان فرمائے تین چیزوں کے بعد، روح نکلنے کے بعد اس میں بدبو کا واقع ہونا، اگر روح نکلنے کے بعد بدبو نہ ہوتی تو کوئی دوست کسی دوست کو دفن نہ کرتا اگر جسم میں کیڑے پیدا نہ ہوتے تو بادشاہ جسموں کو خزانہ کر لیتے اور یہ ان کے لیے دراہم و دنانیر سے بہتر ہوتا اور بڑھاپے کے بعد موت کا احسان فرمایا، آدم بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ سے اکتا جاتا ہے اس کے اہل، اس کی اولاد اور اس کے قریبی رشتہ دار اکتا جاتے ہیں، پس موت اس کے لیے زیادہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 180 2۔ ایضاً
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 237 4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 201

پردہ کا باعث ہوتی ہے (1)'' ایک قوم نے کہا: قابیل دفن کو جانتا تھا لیکن اس نے اسے میدان میں تحقیر کرتے ہوئے چھوڑ دیا، پس الله تعالیٰ نے کوا بھیجا وہ ہابیل پر مٹی ڈالنے لگا تا کہ اسے دفن کر دے اس وقت قابیل نے کہا: یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ۝ جب اس نے ہابیل کے لیے الله تعالیٰ کی طرف سے کرم نوازی دیکھی کہ الله تعالیٰ نے اس کے لیے ایک کوا مقرر فرمادیا حتیٰ کہ اس نے اسے چھپادیا، یہ شرمندگی توبہ کے طور پر نہ تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اس کے مفقود ہونے پر شرمندہ ہوا اس کے قتل پر شرمندہ نہ ہوا اگرچہ وہ توبہ کی شروط کو پورا کرنے والا نہ تھا یا وہ شرمندہ ہوا لیکن ہمیشہ کے لیے شرمندہ نہ ہوا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر اس کی ندامت قتل پر ہوتی تو یہ اس کی ندامت بطور توبہ ہوتی۔ کہا جاتا ہے حضرت آدم اور حضرت حوا ہابیل کی قبر پر آئے اور کئی دن تک اس پر روتے رہے، پھر قابیل ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا اسے ایک بیل نے سینگ مار کر نیچے گرادیا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے: حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کے خلاف دعا کی تو زمین اسے نگل گئی۔ کہا جاتا ہے: قابیل، ہابیل کے قتل کے بعد وحشی بن گیا اور اس نے جنگل کو لازم پکڑ لیا۔ وہ صرف وحشی جانور کھاتا تھا جب وہ کسی وحشی پر غالب آتا تو اسے زور سے ضرب لگاتا حتیٰ کہ وہ مرجاتا پھر اسے کھاتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ضرب سے مارا ہوا جانور ہابیل کے وقت سے حرام تھا۔ یہ پہلا شخص تھا جو آدمیوں میں سے آگ کی طرف چلایا گیا۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ الایۃ (حم السجدہ: 29)

ابلیس جنوں میں سے کافروں کا سردار ہے اور قابیل انسان میں خطا کاروں کا سردار ہے، جیسا کہ آگے بیان سورۂ حم فصلت میں آئے گا ان شاء الله تعالیٰ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس وقت میں شرمندگی توبہ نہ تھی۔ الله سب کچھ بہتر جانتا ہے اور پختہ کرتا ہے۔

آیت کا ظاہر یہ ہے کہ ہابیل، اولاد آدم سے پہلا میت ہے، اسی وجہ سے چھپانے کا طریقہ مخفی تھا اور اسی طرح طبری نے ابن اسحاق سے حکایت کیا ہے اور انہوں نے بعض اہل علم سے روایت کیا ہے جو پہلے لوگوں کی کتابوں میں ہے۔ اور یبحث کا معنی ہے مٹی کو چونچ سے کریدنا اور اسے اڑانا، اسی وجہ سے سورۂ براءۃ کو البحوث بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس نے منافقین کی تفتیش کی۔ اس سے شاعر کا قول ہے:

إن الناس غطوني تغطيتُ عنهم وان بحثوني كان فيهم مباحثُ

ضرب المثل ہے: لا تکن کالباحث علی الشفرۃ۔

شاعر نے کہا:

فكانت كعنزِ السُّوء قامت برجلها إلى مُدْية مدفونه تَسْتَثيرُها

مسئلہ نمبر 2۔ الله تعالیٰ نے کوے کو حکمت کی خاطر بھیجا تا کہ ابن آدم چھپانے کی کیفیت دیکھ لے۔ الله تعالیٰ کے ارشاد: ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ (عبس) کا یہی معنی ہے پس چھپانے میں کوے کا فعل مخلوق میں سنت باقیہ بن گیا اور لوگوں پر

1۔ موسوعہ اطراف الحدیث، جلد 2، صفحہ 332

فرض کفایہ بن گیا جس نے ایسا کر دیا دوسرے لوگوں سے فرض ساقط ہو گیا۔ یہ حکم قریبی رشتہ داروں کے ساتھ خاص ہے، پھر پڑوسیوں کے لیے ہے، پھر تمام مسلمانوں پر ہے۔ رہے کفار تو ابو داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: آپ کا چچا، بوڑھا گمراہ فوت ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جاؤ اور اپنے باپ کو مٹی میں چھپا دو پھر کچھ بیان نہ کرنا حتیٰ کہ تم میرے پاس آ جاؤ(1)" میں گیا اسے مٹی میں چھپا دیا پھر آپ کے پاس آیا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا میں نے غسل کیا اور مجھے دعا دی۔

مسئلہ نمبر 3۔ قبر میں کشادگی اور عمدگی مستحب ہے، کیونکہ ابن ماجہ نے حضرت ہشام بن عامر سے روایت کیا ہے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کھودو، اسے کھلا کرو اور بہتر کرو(2)۔ ادرع سلمی سے مروی ہے فرمایا میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کے لیے آیا وہاں ایک شخص بلند آواز سے قرأت کر رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ ریا کار ہے پھر وہ شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہو گیا لوگ اس کے کفن اور غسل سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس کی نعش کو اٹھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس پر مہربانی اور نرمی کرو اللہ نے اس پر نرمی فرمائی ہے، کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا" فرمایا: اس کی قبر کھودی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے لیے قبر کو وسیع کرو اللہ تعالیٰ نے اس پر وسعت فرمائی ہے"۔ کسی صحابی نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ اس پر حزین ہوئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا"(3)۔ اس حدیث کو انہوں نے ابو بکر بن ابی شیبہ سے انہوں نے زید بن حباب سے انہوں نے موسیٰ بن عبیدہ سے انہوں نے سعید بن ابی سعید سے روایت کیا ہے۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: حضرت ادرع سلمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے، ان سے سعید بن ابی سعید مقبری نے روایت کی ہے، رہا ہشام بن عامر بن امیہ بن حساس بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار انصاری اس کو زمانہ جاہلیت میں شہاب کہا جاتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام تبدیل کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ہشام رکھا تھا۔ اس کا باپ عامر جنگ احد میں شہید ہوا تھا ہشام بصرہ میں رہا اور وہاں ہی ان کا وصال ہوا یہ کتاب الصحابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ پھر کہا گیا ہے کہ لحد، شق سے افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کو اختیار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو اس وقت مدینہ طیبہ میں دو شخص تھے ایک لحد بناتا تھا اور دوسرا لحد نہیں بناتا تھا۔ صحابہ نے مشورہ سے کہا: ان میں سے جو پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا، پس وہ پہلے آیا جو لحد بناتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لحد بنائی گئی(4)۔ امام مالک نے موطا میں ہشام بن عروہ عن ابیہ کے واسطہ سے یہ ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 102۔ ایضاً، حدیث نمبر 2799، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 113۔ ایضاً، حدیث نمبر 1548، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 113۔ ایضاً، حدیث 1547، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ موطا امام مالک، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 213

عائشہ سے یہ روایت کیا ہے۔ یہ دو شخص ابوطلحہ اور ابوعبیدہ تھے ابوطلحہ لحد بناتے تھے اور ابوعبیدہ شق بناتے تھے (1)۔ لحد کا مطلب وہ شق ہے جو قبر کی ایک طرف میں بنایا جاتا ہے، اگر زمین سخت ہو اس میں میت کو رکھا جاتا ہے، پھر اس پر کچی اینٹیں لگائی جاتی ہیں، پھر مٹی ڈالی جاتی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنی مرض موت میں فرمایا: میرے لیے لحد بنانا اور کچی اینٹیں لگانا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا گیا تھا (2)۔ مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کے لیے شق ہے'' (3)۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن ماجہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک جنازہ میں آیا جب لحد میں میت کو رکھا گیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لحد پر اینٹیں برابر کرنا شروع کیں تو کہا: اللھم اجرھا من الشیطان و عذاب القبر، اللھم جاف الارض عن جنبیھا وصعد روحھا ولقھا منک رضوانا۔ میں نے کہا: اے ابن عمر! کیا تم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے یا تم نے یہ اپنی رائے سے کہا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: پھر تو میں اس قول پر قادر ہوں۔ بلکہ میں نے یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے (4)۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی پھر میت کی قبر پر آئے اس کے سر کی جانب سے تین مرتبہ مٹی ڈالی (5)۔ یہ اس آیت کے متعلق احکام تھے۔ یٰوَیْلَتٰۤی اصل میں یا ویلتی تھا پھر یا کو الف سے بدلا گیا۔ حسن نے اصل پر یا سے پڑھا ہے، پہلا قول اصح ہے، کیونکہ ندا میں یا کا حذف اکثر ہے۔ عرب یہ کلمہ ہلاکت کے وقت بولتے ہیں۔ یہ سیبویہ کا قول ہے۔ اصمعی نے کہا: ویلٌ کا معنی بعدٌ ہے۔ حسن نے أَعَجِزْتُ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے (6)۔ نحاس نے کہا: یہ شاذ لغت ہے۔ کہا جاتا ہے عجزت المرأۃ جب عورت اپنا پچھلا حصہ ڈھانپ دے۔ عجزت عن الشیٔ عجزاً و معجزۃ و معجزۃ۔ واللہ اعلم

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ٞ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

''اسی وجہ سے (حکم) لکھ دیا ہے ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا کسی جان کو تو گویا بچایا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 113۔ ایضاً، حدیث 1546، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 311

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 112۔ ایضاً، حدیث 1542، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 113

6۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 181

اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ** یعنی قاتل کی اس جرأت کی وجہ سے۔ زجاج نے کہا: اس کی جنایت کی وجہ سے، کہا جاتا ہے: اجل الرجل علی اھلہ شرا، یاجل اجلاً۔ جب کوئی زیادتی کرے مثلاً اخذ، یاخذ اخذاً۔

خنوت نے کہا:

وأهلِ خباءٍ صالحٍ كنتُ بَيْنَهُمْ　　قد احتربُوا في عاجلٍ أنا آجِلُه

یعنی میں خیانت کرنے والا ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: میں ان پر زیادتی کرنے والا ہوں۔ عدی بن زید نے کہا:

أَجْلَ اللهُ قد فَضَلَكم فَوقَ　　مَنۡ أَحكَأَ صُلبا بإزارِ

اس کی اصل الجر ہے، اسی سے الاجل مدت ہے، کیونکہ وہ وقت ہوتا ہے جس کی طرف پہلی عقد کھینچی جاتی ہے۔ اسی سے الاجل نقیض العاجل ہے یعنی متقدم امر اس کی طرف کھینچا جاتا ہے اسی سے اجل بمعنی نعم ہے، کیونکہ یہ انقیاد ہے اس کی طرف جس کی طرف کھینچا گیا ہے اسی سے الاجل، جنگلی گائیوں کا ریوڑ ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہیں۔ یہ رمانی کا قول ہے یزید بن القعقاع ابوجعفر نے مِن اجْل ذالك پڑھا ہے یعنی نون کے کسرہ اور ہمزہ کے حذف کے ساتھ۔ یہ بھی ایک لغت ہے اصل من اجل ذالك ہے، ہمزہ کا کسرہ نون کو دیا گیا ہے اور ہمزہ کو حذف کیا گیا ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ **مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ** کا تعلق **مِنَ النّٰدِمِيۡنَ** ⓷ کے ساتھ ہو اور وقف **مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ** پر ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مابعد کے متعلق ہو وہ **كَتَبۡنَا** ہے اور **مِنۡ اَجۡلِ** کلام کا ابتدا ہے اور اس کی تکمیل **مِنَ النّٰدِمِيۡنَ** ہے۔ یہ اکثر لوگوں کا نظریہ ہے یعنی اس کے سبب ہم نے فرض کیا۔ بنی اسرائیل کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، ان سے پہلے بھی امتیں گزر چکی تھی ان میں سے کسی نفس کا قتل ممنوع تھا، کیونکہ بنی اسرائیل پہلی امت تھی جن پر لکھی ہوئی نفس کو قتل کرنے کی وعید نازل ہوئی، اس سے پہلے مطلقاً قول تھا پس بنی اسرائیل کی سرکشی اور خونریزی کی وجہ سے کتاب کے ساتھ حکم کو سخت کیا گیا۔

بِغَيۡرِ نَفۡسٍ یعنی اس نے قتل نہ کیا ہو کہ وہ قتل کا مستحق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمام شرائع میں قتل کو حرام کیا تھا مگر تین صورتوں میں (۱) ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا (۲) احصان کے بعد زنا کرنا (۳) ظلماً کسی نفس کو قتل کرنا۔

اَوۡ فَسَادٍ یہاں فساد سے مراد شرک ہے۔ بعض نے فرمایا: ڈاکہ ڈالنا ہے۔ حسن نے او فساداً پڑھا ہے فعل کے حذف کی تقدیر پر جس پر پہلی کلام دلالت کرتی ہے تقدیر عبارت ہے: او احدث فساداً اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: **مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ** کیونکہ یہ بہت بڑا فساد ہے۔ عام قراء نے فسادٍ جر کے ساتھ پڑھا ہے او بغیر فسادٍ کے معنی پر ہے۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا اس تشبیہ کی ترتیب میں مفسرین کے اقوال میں اضطراب ہے، کیونکہ تمام لوگوں کو قتل کرنے کی سزا ایک قتل کی سزا سے زیادہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے کسی نبی کو قتل

کیا یا عادل امام کو قتل کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا ان کی مدد و نصرت سے تو اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کیا(1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: جس نے ایک نفس کو قتل کیا اور اس کی حرمت کو توڑا وہ تمام لوگوں کو قتل کرنے والے کی مثل ہے اور جس نے ایک نفس کے قتل کو ترک کیا اور اس کی حرمت کی حفاظت کی اور الله کے خوف کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا وہ اس کی مانند ہے جس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا(2)۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے گویا مقتول کے پاس اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک شخص کو زندہ کیا اور اسے ہلاکت سے بچایا تو اس نے بچائے گئے شخص کے نزدیک تمام لوگوں کو زندہ کیا(3)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے جس نے مومن نفس کو جان بوجھ کر قتل کیا الله تعالیٰ نے اس کی جزا جہنم بنائی ہے اور اس پر غضب کیا ہے اور اس پر لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے(4)۔ اگر وہ تمام لوگوں کو قتل کرتا تو اس پر زیادہ نہ کیا جاتا اور جس نے قتل نہیں کیا اس سے تمام لوگ زندہ ہوئے۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے جس نے کسی نفس کو قتل کیا اس پر وہی قصاص لازم ہوتا ہے جو تمام لوگوں کو قتل کرنے والے پر لازم ہوتا ہے فرمایا: وَ مَنْ اَحْیَاهَا جس نے اس کو معاف کر دیا جس کا قتل کرنا اس کے لیے واجب تھا۔ یہ حسن کا بھی قول ہے، یعنی قدرت کے بعد معاف کر دینا(5)۔ بعض علماء نے فرمایا: جس نے کسی نفس کو قتل کیا تو تمام مسلمان اس کے خصم ہیں، کیونکہ اس نے تمام کو ہلاک کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا، یعنی تمام پر اس کا شکر واجب ہے۔ بعض نے فرمایا: ایک شخص کے قاتل کے گناہ کو تمام لوگوں کے قاتل کا گناہ بنایا، اس کی شان ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بعض نے فرمایا: یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مختص ہے ان پر یہ سختی کرنے کے لیے ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: جو کچھ کہا گیا ہے تشبیہ تمام پر واقع ہے ایک شخص کی حرمت کو تار تار کرنے والا تمام لوگوں کی حرمت کو تار تار کرنے والا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دو شخص قسم اٹھائیں کہ وہ ان دو درختوں کے پھلوں سے کچھ نہیں کھائیں گے، پھر ان میں سے ایک درخت کے پھل سے کھالیا اور دوسرے نے دوسرے درخت کے پھل سے کھالیا تو وہ قسم توڑنے کے گناہ میں برابر ہیں(6)۔ بعض علماء نے فرمایا: جس نے ایک شخص کے قتل کو حلال سمجھا اس نے تمام کے قتل کو حلال سمجھا، کیونکہ اس نے شرع کا انکار کیا۔

وَ مَنْ اَحْیَاهَا میں تجوز ہے۔ اس سے مراد ہلاکت سے بچانا ہے ورنہ زندہ کرنا حقیقت میں اختراع کے معنی میں ہے اور یہ کام الله تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے یہ احیا، نمرود لعین کے قول کی طرح ہے: انا احی و امیت۔ ترک کو احیا فرمایا پھر بنی اسرائیل کے متعلق الله تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے پاس رسل بینات کے ساتھ آئے اور ان میں اکثر حد سے تجاوز کرنے والے تھے اور الله کے حکم کو چھوڑنے والے تھے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 241 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 242 3۔ ایضاً
4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 243 5۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 182 6۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 183-182

يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں یہ تو ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے، مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم قابو پا لو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کے سبب نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ عرنیین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ عکل قبیلہ یا عرینة قبیلہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہیں مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹوں کے پاس جانے کا حکم دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان کے پیشاب اور ان کے دودھ پئیں، وہ چلے گئے، جب وہ ٹھیک ہو گئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر دن کے آغاز میں پہنچی، آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے دن چڑھنے کے ساتھ ہی انہیں پکڑ کر لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق حکم دیا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں لوہے کی سلاخیں ڈالی گئیں اور پتھریلے ٹیلے پر ڈالے گئے وہ پانی طلب کرتے رہے لیکن انہیں پانی نہ دیا گیا۔ ابوقلابہ نے کہا: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے چوری کی، قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی (1)۔ ایک روایت میں ہے ان کی آنکھوں میں کیل گرم کر کے لگانے کا حکم دیا تو ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں لگائی گئیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور انہیں داغا نہ گیا (2)۔ ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے پیروں کے نشان دیکھنے والے بھیجے، پس انہیں لایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ نازل کیا: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا، الایۃ (3)۔ ایک روایت میں ہے حضرت انس نے فرمایا: میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے زمین چاٹ رہا تھا حتیٰ کہ وہ مر گئے (4)۔ بخاری میں ہے حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنی حدیث میں فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ایک گروہ میں بھیجا حتیٰ کہ میں نے انہیں پا لیا جب کہ وہ اپنے شہر کے قریب پہنچ چکے تھے ہم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 244	2۔ ایضاً	3۔ ایضاً	4۔ ایضاً

حضرت جریر نے کہا: وہ کہتے تھے پانی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: آگ۔ اہل سیرت وتواریخ نے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے چرواہے کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے تھے اور اس کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے تھے حتیٰ کہ وہ مرگیا تھا، اسے مدینہ طیبہ میں مردہ داخل کیا گیا تھا، اس کا نام یسار تھا اور وہ نوبیا تھا۔ یہ مرتدین کا فعل چھ ہجری میں ہوا تھا۔ بعض روایات میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قتل کرنے کے بعد آگ سے جلا دیا تھا(1)۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک سے مروی ہے کہ یہ اہل کتاب کی ایک قوم کے سبب نازل ہوئی ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد تھا، انہوں نے عہد کو توڑا تھا اور ڈاکہ ڈالا تھا اور زمین میں فساد برپا کیا تھا(2)۔ مصنف ابی داؤد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مشرکین کے بارے نازل ہوئی ان میں سے جو توبہ کرلے گا اس سے پہلے کہ اس پر قدرت حاصل ہو جائے، اس پر حد قائم کرنے سے مانع نہ ہوگا اس جرم کی وجہ سے جو اس نے کیا تھا(3)۔ جن علماء نے فرمایا یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی وہ عکرمہ اور حسن ہیں۔ یہ ضعیف ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال:38) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد: الاسلام یھدم ما قبلہ (4) (مسلم) اس کا رد کرتا ہے۔ پہلا قول صحیح ہے، کیونکہ احادیث کی نصوص اس کے بارے میں ثابت ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، ابوثور اور اصحاب الرائے نے کہا: یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمانوں میں سے نکلیں، ڈاکہ ڈالیں اور زمین میں فساد برپا کریں۔ ابن المنذر نے کہا: امام مالک کا قول صحیح ہے۔ ابوثور نے اس قول کے لیے حجت قائم کرتے ہوئے کہا: اس آیت میں دلیل ہے کہ یہ مشرکوں کے علاوہ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ یہ ارشاد ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ۔ علماء کا اجماع ہے کہ مشرکین جب ہمارے ہاتھوں میں آجائیں اور وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کے خون حرام ہوں گے، پس یہ دلیل ہے کہ یہ آیت اہل اسلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ طبری نے بعض اہل علم سے حکایت کیا ہے اس آیت نے نبی کریم ﷺ کے عرنیین کے بارے میں فعل کو منسوخ کر دیا(5)، پس حدود پر امر موقوف ہوگیا۔ محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے فرمایا: یہ حدود کے نزول سے پہلے تھا، یعنی حضرت انس کی حدیث۔ ابوداؤد نے یہ ذکر کیا ہے ان میں سے ایک قوم نے کہا: جن میں سے لیث بن سعد بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے عرینہ کے وفد کے ساتھ جو کیا تھا وہ منسوخ ہوگیا، کیونکہ مرتد کا مثلہ جائز نہیں۔ ابوالزناد نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جب اونٹ چوری کرنے والوں کے ہاتھ کاٹے اور ان کی آنکھوں میں آگ سے گرم کر کے سلائیں لگائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر عتاب فرمایا اس بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 249 — 2۔ ایضاً — 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 245-244

4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 76 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 251

فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا الایۃ۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے (1)۔ ابوالزناد نے کہا: جب مثلہ سے منع کیا گیا تو دوبارہ کبھی ایسا نہ کیا۔ ایک جماعت سے حکایت ہے کہ یہ آیت اس فعل کے لیے ناسخ نہیں، کیونکہ وہ مرتدین کے بارے واقع ہوا خصوصاً صحیح مسلم میں اور کتاب النسائی وغیرہما میں ثابت ہے فرمایا: ان لوگوں کی آنکھوں میں سلاخیں پھیریں کیونکہ انہوں نے چرواہے کی آنکھوں میں سلاخیں پھیری تھیں (2)۔ یہ قصاص تھا۔ یہ آیت محارب مومن کے بارے میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ قول ہے۔ امام مالک و امام شافعی کے نظریہ کا بھی یہی معنی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ یہ معلوم ہے کہ کفار کے احکام قدرت کے بعد توبہ کے ساتھ ان سے عقوبت کے زوال میں مختلف نہیں ہوتے جس طرح قدرت سے پہلے ساقط ہوتے ہیں اور مرتد نفس ردت کے ساتھ قتل کا مستحق ہوتا ہے بغیر محاربت کے...... اسے نہ جلاوطن کیا جاتا ہے، نہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں اور نہ اس کا راستہ چھوڑا جاتا ہے بلکہ اسے قتل کیا جاتا ہے اگر وہ اسلام قبول نہ کرے۔ اور اسے سولی پر بھی نہیں چڑھایا جاتا پس یہ دلیل ہے کہ آیت جس پر مشتمل ہے اس سے مراد مرتد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے حق میں فرمایا: قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال: 38) اور محاربین کے بارے میں فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا یہ واضح ہے جو کچھ ہم نے باب کی ابتدا میں ثابت کیا ہے اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ لوم ہے اور نہ عتاب ہے کیونکہ وہ کتاب کا مقتضیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ (بقرہ: 194) پس انہوں نے مثلہ کیا تھا تو ان کا مثلہ کیا گیا مگر یہ احتمال ہے کہ عتاب اس وجہ سے ہو۔ اگر صحیح ہے۔ کہ قتل میں زیادتی ہوئی تھی اور وہ سلاخیں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں ڈالنا تھا اور انہیں پیاسا چھوڑ دینا تھا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ واللہ اعلم۔

طبری نے سدی سے حکایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں میں سلاخیں نہیں ڈالی تھیں، اس کا ارادہ فرمایا تھا۔ پس اس سے منع کے بارے میں یہ آیت نازل ہوگئی (3)۔ یہ بالکل ضعیف ہے، کیونکہ اخبار ثابت کرتی ہیں کہ سلاخیں ان کی آنکھوں میں ڈالی گئی تھیں۔ بخاری میں ہے: سلاخیں گرم کی گئیں اور ان کی آنکھوں میں لگائی گئیں (4)۔ علماء کے درمیان اختلاف نہیں کہ اس آیت کا حکم اہل اسلام میں سے محاربین میں مرتب ہے اگرچہ مرتدین یا یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ میں استعارہ اور مجاز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ محاربہ کیا جاتا ہے اور نہ اس پر غلبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ صفات کمال کا حامل ہے اس کے لیے اضداد و انداد سے تنزیہ واجب ہے معنی یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ سے محاربہ کرتے ہیں۔ اپنے اولیاء کو اپنی ذات سے تعبیر فرمایا ان کی ذات کی بڑائی بیان کرنے کیلئے۔ جس طرح الفقراء الضعفاء کو اپنی ذات سے تعبیر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرہ: 245)

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 244
2۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 58
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 252
4۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 1105

یہ فقراء پر مہربانی پر برانگیختہ کرنے کے لیے فرمایا اس کی مثال سنت میں ہے: استطعمتك فلم تُطْعِمِی (1) میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کا ان کے بارے میں اختلاف ہے جو محاربہ کے اسم کے مستحق ہیں۔ امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک محارب وہ ہے جو لوگوں پر شہر میں یا جنگل میں حملہ کرے اور ان کے نفسوں اور ان کے اموال کی وجہ سے انہیں مشقت میں ڈالے نہ بدلہ کے طور پر ہو، نہ عداوت کے طور پر ہو۔ ابن المنذر نے کہا: اس مسئلہ میں امام مالک سے مختلف اقوال مروی ہیں انہوں نے ایک مرتبہ مصر میں محاربہ کو ثابت کیا اور ایک مرتبہ نفی کی۔ ایک طائفہ نے کہا: اس کا حکم شہر یا گھروں میں، راستوں میں، دیہاتوں میں برابر ہے اور ان کی حدود ایک ہیں۔ یہ امام شافعی، ابوثور کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اسی سے یہ ہے، کیونکہ تمام پر محاربۃ کا اسم واقع ہوتا ہے۔ کتاب عموم پر دلالت کرتی ہے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی قوم کو آیت سے بغیر حجت کے نکالے۔ ایک طائفہ نے کہا: شہر میں محاربہ نہ ہوگا، بلکہ شہر سے باہر ہوگا، یہ سفیان ثوری، اسحاق، نعمان کا قول ہے۔ دھوکہ دینے والا محارب کی طرح ہے دھوکہ دینے والا وہ ہے جو مال حاصل کرنے کے لیے کسی انسان کو قتل کرتا ہے۔ اگر ہتھیار کو نہ لہرایا لیکن اس پر اس کے گھر میں داخل ہوا یا سفر میں اس کو ملا اور اسے زہر کھلا دیا، پھر اسے قتل کیا تو اس کو حداً قتل کیا جائے گا، نہ کہ قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 3۔ محارب کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت نے کہا: اس کے فعل کی مقدار اس پر سزا ہوگی۔ جس نے لوگوں کو ڈرایا اور مال لیا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں برعکس کاٹے جائیں گے، اگر مال لیا اور قتل کیا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے اور پھر اسے سولی پر لٹکایا جائے گا، جب قتل کرے اور مال نہ لوٹے تو اسے قتل کیا جائے گا اگر نہ مال لوٹا ہو اور نہ قتل کیا ہو تو اسے جلا وطن کیا جائے گا (2)۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

ابو مجلز، نخعی، عطا خراسانی وغیرہم سے مروی ہے امام ابو یوسف نے کہا: جب مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو اسے سولی پر لٹکایا جائے گا اور اسے سولی پر قتل کیا جائے گا (3)۔ لیث نے کہا: نیزہ کے ساتھ سولی پر لٹکا ہوا قتل کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: جب قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اور جب مال لے گا اور قتل نہیں کرے گا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں برعکس کاٹے جائیں گے جب مال لے گا اور قتل بھی کرے گا تو سلطان کو اس میں اختیار ہوگا اگر چاہے تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے اگر چاہے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے اور اسے قتل کر دے اور سولی پر لٹکا دے (4)۔ امام ابو یوسف نے کہا: ہر صورت میں قتل ہوگا، اسی طرح کا قول اوزاعی کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب مال لوٹے گا تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسے داغا جائے گا، پھر بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور اسے داغا جائے گا اور اسے چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ یہ جنایت حرابۃ کی وجہ سے چوری پر زائد ہے۔ جب قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا، جب مال لوٹے گا اور قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اور سولی پر لٹکایا جائے گا (5)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، جلد 2، صفحہ 318
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 256
3۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 409
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً

امام شافعی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تین دن سولی پر لٹکایا جائے گا۔ فرمایا: اگر کوئی شخص آیا ڈرایا دھمکایا اور دشمن کے لیے معاون تھا تو اسے قید کیا جائے گا۔ امام احمد نے فرمایا: اگر قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اگر مال لے گا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔ ایک قوم نے کہا: قتل سے پہلے سولی پر لٹکانا مناسب نہیں اس طرح تو اس کے اور اس کی نماز، کھانے، پینے کے درمیان حائل ہوا جائے گا۔ شافعی سے حکایت کیا گیا ہے کہ سولی پر لٹکا کر قتل کرنا ناپسند سمجھتا ہوں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے منع کیا تھا۔ ابوثور نے کہا: ظاہر آیت پر امام کو اختیار دیا گیا ہے اسی طرح مالک نے فرمایا اور یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہ سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، ضحاک، نخعی کا قول ہے، تمام نے فرمایا: امام کو محاربین کے حکم میں اختیار ہے وہ ان پر ان احکام میں سے جو چاہے لگائے جو قتل اور سولی پر لٹکانے، ہاتھ پاؤں کاٹنے اور جلاوطن کرنے میں واجب کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن میں جہاں ''او'' آیا ہے اس میں اختیار ہے یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ قریب ہے اور پہلے قول والے جنہوں نے کہا: ''او'' ترتیب کے لیے ہے اگرچہ ان کا اختلاف ہے۔ مگر تو ان کے اقوال کو پائے گا کہ وہ محارب پر دو حدوں کو جمع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اسے قتل کیا جائے گا اور اسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔ بعض نے کہا: اسے سولی پر لٹکایا جائے گا اور قتل کیا جائے گا۔ بعض نے کہا: اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے اور جلاوطن کیا جائے گا۔ اس طرح نہ آیت ہے اور نہ ''او'' کا معنی لغت میں اس طرح ہے۔ یہ نحاس کا قول ہے۔ پہلے قول والوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو طبری نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے محارب کا حکم پوچھا تو جبریل نے کہا: جو لوگوں کو ڈرائے، مال لوٹے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس کے مال لوٹنے کی وجہ سے اور اس کا پاؤں کاٹا جائے گا اس کے ڈرانے کی وجہ سے اور جو قتل کرے اسے قتل کرو اور جو ان جرموں کو جمع کرے اسے سولی پر لٹکاؤ۔ ابن عطیہ نے کہا: صرف ڈرانے والے کے لیے جلاوطنی باقی ہے (1) اور ڈرانے والا قاتل کے حکم میں ہے لیکن اس کے باوجود اس میں استحسانا امام مالک ہلکا عذاب وعقاب دیکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ سدی نے کہا: اسے گھوڑوں اور پیدل لوگوں کے ساتھ تلاش کیا جائے گا حتیٰ کہ اسے لایا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حد قائم کی جائے گی یا وہ طلب کرنے والوں سے دارالسلام سے بھاگ کر نکل جائے۔ حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک اور مالک بن انس، حسن، سدی، ضحاک، قتادہ، سعید بن جبیر، ربیع بن انس اور زہری سے یہ مروی ہے۔ رمانی نے اپنی کتاب میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام شافعی سے مروی ہے وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالے جائیں گے اور انہیں تلاش کیا جائے گا تاکہ ان پر حدود قائم کی جائیں۔ یہ لیث بن سعد اور زہری کا بھی قول ہے۔ امام مالک نے یہ بھی کہا: اسے شہر سے نکالا جائے گا جس میں اس نے ایسی حرکت کی اور دوسرے شہر کی طرف بھیجا جائے گا اس کو زانی کی طرح قید کیا جائے گا۔ امام مالک نے یہ بھی کہا اور کوفیوں نے کہا: ان کی نفی سے مراد انہیں قید کرنا ہے پس اسے دنیا کی وسعت سے، دنیا کی تنگی کی طرف جلاوطن کیا جائے گا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 185

وہ اس طرح ہو جائے گا گویا جب وہ قید کیا گیا ہے تو زمین سے جلاوطن کیا گیا ہے مگر اپنی قرار گاہ سے۔ انہوں نے بعض قیدیوں کے ان اشعار سے حجت پکڑی ہے:

خرجنا من الدنیا و نحن من اھلِھا فلسنا من الأمواتِ فیھا ولا الأحْیَا

إذا جاء نا السَّجَّانُ یوماً لحاجۃٍ عَجِبنا وقلنا جاء ھذا من الدنیَا

مکحول نے حکایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب پہلے شخص ہیں جنہوں نے جیلوں میں قید کیا۔ فرمایا: میں اسے قید رکھوں گا حتیٰ کہ میں اس سے توبہ جان لوں اور میں انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جلاوطن نہیں کروں گا کہ یہ انہیں اذیت دے گا(1)۔ ظاہر یہ ہے کہ الارض سے مراد ایسی زمین ہے جس میں مصیبت نازل ہوتی ہے پہلے زمانہ میں بھی لوگ اس زمین سے اجتناب کرتے تھے جس میں گناہ ہوتے تھے۔ اسی سے حدیث ہے ''جو شخص اپنے سینے کے ساتھ مقدس زمین کی طرف جھکا''۔

امام کے لیے مناسب ہے کہ اگر اس محارب کا خوف ہو کہ وہ دوبارہ ڈاکہ اور فساد کی طرف لوٹے گا تو وہ اسے اس شہر میں قید کر دے جس کی طرف جلاوطن کیا گیا ہے اگر یہ خوف نہیں ہے کہ وہ جنایت کی طرف لوٹے گا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ امام مالک کا صریح مذہب ہے کہ اسے جلاوطن کیا جائے گا اور جہاں جلاوطن کیا جائے گا وہاں اسے قید کر دیا جائے گا۔ یہ اغلب ہے اس کے بارے میں جس کا دوبارہ ڈاکہ کرنے کا اندیشہ ہو۔ طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور یہ واضح ہے، کیونکہ جس زمین میں مصیبت نازل ہوئی ہے یہ آیت کی نص ہے اور خوف کی بناء پر اس کے بعد اسے قید کیا جائے گا اگر وہ توبہ کر لے اور اس کی حالت بہتر سمجھی جائے تو چھوڑ دیا جائے گا(2)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ نفی کا معنی ہلاک کرنا ہے اس سے اثبات اور نفی ہے، نفی کا معنی ختم کرنے کے ساتھ ہلاک کرنا ہے۔ اسی سے النفایہ ہے جو ردی مال کے لیے بولا جاتا ہے اسی سے النفی اس پانی کو کہتے ہیں جو ڈول سے نکل جاتا ہے۔

راجز نے کہا:

كَأَنَّ مَتْنَيْهِ من النَّفِيِّ مَوَاقِعُ الطَّيْرِ على الصُّفِيِّ

مسئلہ نمبر 6۔ ابن خویز منداد نے کہا: محارب جو مال لے گا اس میں نصاب کا اعتبار نہیں ہو گا جس طرح چوری کرنے والے میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس نصاب میں (1/4) دینار کی رعایت رکھی جائے گی۔ ابن عربی نے کہا: امام شافعی اور اصحاب الرائے نے فرمایا: ڈاکو کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر جب وہ اتنا مال لے جس پر چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ امام مالک نے کہا: اس پر محارب کے حکم کے ساتھ حکم لگایا جائے گا۔ یہ صحیح قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر 1/4 دینار کی چوری میں قطع ید مقرر فرمائی اور حرابۃ میں کوئی چیز متعین نہیں فرمائی بلکہ محارب کی جزا کا ذکر فرمایا پس یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ ایک دانہ پر بھی محاربہ کی جزا مکمل ہے۔ یہ اصل پر اصل کا قیاس ہے اس میں اختلاف ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 248 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 185

اعلی کا ادنیٰ کے ساتھ قیاس اور ادنی کا اسفل کے ساتھ قیاس ہے اور یہ عکس القیاس ہے یہ کیسے صحیح ہے کہ محارب کو چور پر قیاس کیا جائے وہ چوری مال لیتا ہے اگر محسوس کرے کہ کوئی بیدار ہو گیا ہے تو بھاگ جاتا ہے حتی کہ اگر چور ہتھیار کے ساتھ کسی کے گھر میں داخل ہوا اگر اسے منع کیا جائے یا شور مچایا جائے اور وہ اس پر لڑے تو وہ محارب ہے اس پر محارب کا حکم جاری ہوگا۔ قاضی بن عربی نے کہا: میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے ایام میں تھا تو ایک شخص ایک چور کو پکڑ کر لے آیا وہ چھری کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا وہ گھر کے مالک کے دل پر چھری لے کر اسے روکے رہا جب کہ وہ سویا ہوا تھا اور اس کے ساتھی مال لوٹتے رہے، میں نے ان پر محاربین کا حکم لگایا، یہ اصل دین سے ... علم کی بلندی کی طرف بڑھو اور جاہلین کی پستی سے نکلو (1)۔

میں کہتا ہوں: الیفع کا مطلب پہاڑ کی چوٹی ہے اس سے غلام یفعۃ ہے جب بچہ بلوغت کی طرف بلند ہو۔ الحضیض، وادی کی نچلی سطح کو کہتے ہیں، اسی طرح اہل لغت نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حرابہ میں قتل کیا جائے گا جو قتل کرے گا اگرچہ مقتول قاتل کا ہم پلہ نہ بھی ہو۔ امام شافعی کے دو قول ہیں:

(۱) مکافات کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اس نے قتل کیا ہے پس اس میں مکافات کا اعتبار ہوگا جس طرح قصاص ہے۔ یہ ضعیف قول ہے، کیونکہ قول یہاں صرف قتل پر نہیں ہے وہ فساد عام پر ہے لوگوں کو اس نے ڈرایا اور مال چھینا تھا (2)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا۔ اللہ تعالیٰ نے محارب پر حدود قائم کرنے کا حکم دیا جب دو چیزیں جمع ہیں محاربۃ اور فساد فی الارض اور شریف وضیع، رفیع و دنی کا فرق نہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ جب ڈاکو نکلیں اور قافلہ سے قتال کریں اور بعض ڈاکو قتل ہو جائیں اور بعض قتل نہ ہوں تو سب کو قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: اسے قتل کیا جائے گا جس نے قتل کیا۔ یہ بھی ضعیف ہے، کیونکہ جو جنگ میں حاضر ہوتے ہیں وہ مال غنیمت میں شریک ہوتے ہیں اگرچہ تمام جنگ کرتے نہیں ہیں۔ قتل پر جو معاون ہوتا ہے اس پر بھی اتفاق ہے اور وہ جاسوسی کرنے والا ہے تو محارب اولیٰ اس جرم میں شامل ہوگا (3)۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب محارب (ڈاکو) لوگ لوگوں کو ڈرائیں اور ڈاکے ڈالیں تو انہیں دعوت اسلام دیئے بغیر امام کا انہیں قتل کرنا واجب ہے اور مسلمانوں پر ان کے قتل پر تعاون واجب ہے اور مسلمانوں سے ان کی اذیت روکنا واجب ہے، اگر وہ شکست کھا جائیں تو ان کا پیچھا نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ انہوں نے قتل کیا ہو اور مال لوٹا ہو۔ اگر انہوں نے ایسا کیا ہوگا تو اس کو پکڑنے کے لیے اور جنایت کی حد قائم کرنے کے لیے ان کا پیچھا کیا جائے گا اور زخمیوں کا تعاقب نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس نے قتل کیا ہو۔ اگر ڈاکو پکڑے گئے اور ان کے پاس مال تھا جو کسی خاص شخص کا تھا تو وہ مال اسے واپس کیا جائے گا یا اس کے ورثاء کو دیا جائے گا، اگر اس کا مالک نہ ملے تو وہ بیت المال میں رکھا جائے اور جنہوں نے کسی کا مال تلف کیا ہوگا تو وہ اس کے ضامن ہوں گے اور ان کے لیے دیت نہ ہوگی جنہوں نے قتل کیا جب توبہ سے پہلے ان پر قدرت ہو جائے گی اگر وہ توبہ کریں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 601 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 602 3۔ ایضاً

گے اور توبہ کرتے ہوئے آئیں گے تو یہ صورت ہوگی۔

مسئلہ نمبر10۔ امام کو ان پر کوئی اختیار نہیں اور ان سے وہ حد ساقط ہوگی جو اللہ کے لیے ان پر تھی۔ وہ آدمیوں کے حقوق کے بدلے پکڑے جائیں گے ان سے نفس اور زخم کا قصاص لیا جائے گا اور ان پر وہ ہوگا جو انہوں نے مال اور خون میں سے ضائع کیا ہوگا وہ مقتول کے اولیاء کے لیے ہوگا۔ ان کے لیے عفو اور ہبہ جائز ہوگا جس طرح محاربین کے علاوہ دوسرے مجرموں کے لیے ہوتا ہے یہ امام مالک، امام شافعی، ابوثور اور اصحاب الرائے کا مذہب ہے۔

جو مال ان کے پاس ہوگا وہ لے لیا جائے گا اور جس کو وہ ہلاک کر چکے ہوں گے اس کی قیمت کی ضمانت دیں گے، کیونکہ یہ غصب ہے اس کی ملکیت ان کے لیے جائز نہیں وہ مال مالکوں کو دیا جائے گا یا امام اپنے پاس رکھے گا حتیٰ کہ وہ اس کا مالک جان لے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک قوم نے کہا: مال طلب نہیں کیا جائے گا مگر وہ جو موجود ہوگا اور جو ہلاک ہو چکا ہوگا وہ طلب نہیں کیا جائے گا۔ یہ طبری نے ولید بن مسلم کی روایت سے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے یہی ظاہر ہے جو انہوں نے حارثہ بن بدر غدانی سے کیا تھا وہ محارب تھا پھر اس نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لی تھی تو آپ نے اس کے لیے اموال اور خون کے سقوط کی تحریر لکھی (1)۔ ابن خویز منداد نے کہا: محارب کے بارے میں امام مالک سے روایت مختلف ہے جب اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس کے لیے مال نہ ہوگا تو کیا جو اس نے لیا تھا اس کا بطور دین پیچھا کیا جائے گا یا ساقط ہو جائے گا جیسے چور سے ساقط ہو جاتا ہے؟ مسلمان اور ذمی اس میں برابر ہیں۔

مسئلہ نمبر11۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ سلطان اس کا والی ہوتا ہے جس پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ اگر محارب کسی شخص کا بھائی یا باپ ڈاکہ میں قتل کرتا ہے تو خون طلب کرنے والے کے لیے محارب (ڈاکو) کے امر سے کچھ نہیں ہے، ولی کے لیے معاف کرنا جائز نہیں، امام اس پر حد قائم کرے گا۔ علماء نے اس کو اللہ کی حدود کے قائم مقام بنایا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ محاربین کے احکام تھے ہم نے بڑے بڑے احکام جمع کر دیئے اور عجیب اقوال جو اس آیت کی تفسیر میں کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

مسئلہ نمبر12۔ مجاہد نے کہا: اس آیت میں محاربہ سے مراد زنا اور چوری ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی کی زبان پر بیان فرمایا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور زانی کو کوڑے لگائے جائیں گے اور اسے جلاوطن کیا جائے گا اگر وہ کنوارہ ہوگا، اور زانی کو رجم کیا جائے گا اگر وہ شادی شدہ مسلمان ہوگا۔ اور محارب کے احکام اس آیت میں اس کے مخالف ہیں مگر جو ہتھیار کے لہرانے کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے کا ارادہ کرے تاکہ فروج پر غلبہ پائے یہ بہت بڑا ڈاکہ ہے اور مال لینے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ یہ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا کے معنی میں داخل ہے۔

مسئلہ نمبر13۔ ہمارے علماء نے فرمایا: چور سے اللہ کی قسم اٹھوائی جائے گی اگر وہ چوری سے باز آ جائے گا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا اگر وہ انکار کرے گا تو قتل کیا جائے گا، اگر تو نے چور کو قتل کر دیا تو وہ برا مقتول ہے اور اس کا خون رائیگاں ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 186

نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! بتایئے اگر میرے مال پر تجاوز کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے اللہ کی قسم لے''۔ اس شخص نے کہا: اگر وہ مجھ سے انکار کریں؟ فرمایا: ''اللہ کی قسم لے''۔ اس نے کہا: اگر وہ مجھ پر انکار کریں؟ فرمایا: ''اللہ کی قسم لے''۔ اس نے کہا: اگر وہ مجھ پر انکار کریں؟ فرمایا: ''تو اس سے لڑ اگر تو قتل ہو جائے گا تو جنت میں ہوگا اور اگر تو اسے قتل کرے گا تو وہ آگ میں ہوگا''(1)۔ بخاری و مسلم نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے لیکن اس میں قسم کا ذکر نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! بتایئے اگر کوئی شخص میرا مال لینے کے ارادہ سے آئے؟ فرمایا: ''تو اسے اپنا مال نہ دے''۔ اس نے کہا: بتایئے اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا: ''تو شہید ہے''۔ اس نے کہا: اگر میں اسے قتل کر دوں؟ فرمایا: ''وہ دوزخ میں ہے''۔ ابن المنذر نے کہا: ہم نے اہل علم کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے وہ چوروں سے لڑنے اور ان سے اپنے نفسوں اور اپنے اموال کا دفاع کرنے کا نظریہ رکھتے تھے۔ یہ حضرت ابن عمر، حسن بصری، ابراہیم نخعی، قتادہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، نعمان کا مذہب ہے۔ عوام اہل علم کا بھی یہی قول ہے کہ ایک شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے نفس، اہل اور مال کے دفاع میں لڑے جب ظلم کا ارادہ کیا گیا ہو۔ یہ ان اخبار کی وجہ سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت کو خاص نہیں فرمایا اور نہ کسی حال کو خاص فرمایا ہے، مگر سلطان اگر ظلم کرے تو بھی خروج نہ کرے۔ اہل حدیث کی جماعت کا اجماع ہے کہ اگر اپنے نفس اور مال کا دفاع ممکن نہ ہو مگر سلطان پر خروج کے ساتھ اور اس سے جنگ کے ساتھ تو سلطان سے نہ لڑے اور نہ اس پر خروج کرے۔ یہ ان اخبار کی وجہ سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جن میں ظلم و جور کے باوجود صبر کا حکم ہے اور ان سے نہ لڑنے اور ان سے خروج نہ کرنے کا حکم ہے جب تک وہ نماز قائم کریں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے مذہب میں اختلاف ہے جب کوئی خفیف چیز طلب کی جائے جیسے کپڑا، کھانا وغیرہ تو کیا وہ انہیں دی جائے گی یا ان سے جنگ کی جائے گی؟ یہ اختلاف ایک اصل پر مبنی ہے وہ یہ ہے کیا ان سے قتال کا حکم ہے، کیونکہ یہ برائی کو روکنا ہے یا ضرر کے دفع کرنے کے باب سے ہے؟ اس بنا پر قتال سے پہلے ان کو دعوت دینے میں اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا۔ محاربت کی شفاعت اور اس کے ضرر کے عظیم ہونے کی وجہ سے دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے۔ محاربت کا نقصان بہت بڑا ہے، کیونکہ اس میں لوگوں پر کسب کا راستہ مسدود کرنا ہے، کیونکہ اکثر لوگوں کی معیشت تجارت ہوتی ہے اور تجارت کا رکن اور ستون، زمین میں سفر کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل: 20) جب راستہ پر ڈرایا جائے گا تو لوگ سفر سے رک جائیں گے اور وہ گھروں کو لازم پکڑنے کے محتاج ہوں گے اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اس کی معیشت رک جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکوؤں پر سخت حدود کو مشروع فرمایا یہ دنیا میں رسوائی ہے تاکہ انہیں برے فعل سے روکا جائے اور تجارت کا باب کھولا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مباح فرمایا ہے جو تجارت کرنا چاہے اور

1۔ سنن نسائی، کتاب المحاربہ، جلد 2، صفحہ 172

آخرت میں محاربت پر عذاب عظیم کی وعید سنائی ہے یہ معصیت دوسری معصیتوں سے خارج اور مستثنیٰ ہوگی۔ حضرت عبادہ کی حدیث کی وجہ سے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے ان جرموں کا ارتکاب کیا پھر اسے دنیا میں اس کی سزا دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے" (1)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رسوائی اس کے لیے ہو جس کو سزا دی گئی اور آخرت کا عذاب اس کے لیے ہو جو دنیا میں سزا سے بچ گیا اور یہ گناہ دوسرے گناہوں کے قائم مقام ہو۔ اور مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا جیسا کہ گزر چکا ہے لیکن جتنا گناہ بڑا ہوگا سزا اتنی بڑی ہوگی پھر وہ شفاعت یا قبضہ کے ذریعے وہ نکلے گا پھر یہ وعید، مشیت کے نفاذ کے ساتھ مشروط ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: 48) خوف ان پر وعید کے حساب سے اور معصیت کی برائی کے اعتبار سے ان پر غالب ہوگا۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان توبہ کرنے والوں کی استثنا فرمائی جو قابو پائے جانے سے پہلے توبہ کرلیں اور ان سے اپنے حق کے سقوط کی خبر دی فرمایا: فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ رہا قصاص اور انسانوں کے حقوق تو وہ ساقط نہیں ہوتے۔ اور جو قدرت کے بعد توبہ کرلے آیت کا ظاہر اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو توبہ نفع نہ دے گی اور اس پر حدود قائم کی جائیں گی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ ہر حد توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے (2)۔ اس کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جس کا تعلق انسانوں کے حقوق سے ہے خواہ وہ قصاص ہو یا کوئی اور ہو قدرت پائے جانے سے پہلے توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: استثنا سے مراد مشرک ہے جب وہ قابو پائے جانے سے پہلے توبہ کرے اور ایمان لے آئے، تو اس سے حدود ساقط ہو جائیں گی۔ یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ وہ قدرت پائے جانے کے بعد ایمان لائے گا تو بالاجماع اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: محاربین سے حد ساقط نہ ہوگی ان پر قابو پائے جانے کے بعد۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ وہ توبہ میں جھوٹ کے ساتھ اور اس میں تصنع کے ساتھ متہم ہیں جب امام کا ہاتھ انہیں پکڑ لے گا یا اس لیے کہ جب ان پر قابو پایا گیا تو وہ ایسے مقام پر ہو گئے کہ انہیں سزا دی جائے اور ان کی توبہ قبول نہ کی جائے جیسا کہ پہلی امتوں میں جو عذاب کے ساتھ متلبس تھا یا وہ غرغرہ کی حالت تک پہنچ گیا ہے پھر اس نے توبہ کی ہے جب قابو پائے جانے سے پہلے توبہ کرلیں تو ان پر کوئی تہمت نہیں ہے یہ اسے نفع بخش ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۂ یونس میں آئے گا۔ رہے شرابی، زانی اور چور جب وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور ان سے توبہ معروف ہو جائے پھر انہیں امام کی طرف لے جایا جائے تو امام کے لیے اسے حد لگانا مناسب نہیں۔ اگر انہیں امام کے پاس لے جایا جائے پھر وہ کہیں: ہم نے توبہ کی، تو وہ نہیں چھوڑے جائیں گے وہ اس حالت میں محاربین کی طرح ہیں جب ان پر غلبہ پایا گیا۔ واللہ اعلم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 1004 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 206

لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدو جہد کرو اس کی راہ میں تا کہ فلاح پاؤ۔ بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تا کہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت، نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لیے عذاب دردناک ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ وسیلہ سے مراد قربت ہے۔ ابو وائل، حسن، مجاہد، قتادہ، عطا، سدی، ابن زید، عبداللہ بن کثیر سے یہ مروی ہے۔ یہ توسلت الیہ سے فعیلة کے وزن پر ہے یعنی میں نے اس کا قرب حاصل کیا (1)۔ عنترہ نے کہا:

إن جال لهم إليك وسيلة　　أن يأخذوك تكحلي وتخضبي

وسيلة کی جمع الوسائل ہے شاعر نے کہا:

إذا غفل الواشون عدنا لوصلنا　　وعاد التصافی بيننا والوسائلُ

کہا جاتا ہے: اسی سے ہے سِلتُ، أسال یعنی میں نے طلب کیا، وهما يتساولان یعنی ہر ایک اپنے ساتھی سے طلب کرتا ہے۔ اصل معنی طلب کرنا ہے۔ الوسیلہ سے مراد وہ قربت ہے جس کو طلب کرنا مناسب ہے۔ وسیلة، جنت میں ایک درجہ ہے۔ صحیح حدیث میں اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے میرے لیے وسیلة کا سوال کیا اس کے لیے شفاعت ثابت ہے'' (2)۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

''بہت چاہیں گے کہ نکلیں اس آگ سے اور وہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کیلئے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا''۔

یزید الفقیر نے کہا: حضرت جابر بن عبداللہ سے کہا گیا: اے اصحاب محمد! تم کہتے ہو کہ ایک قوم آگ سے نکلے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا جابر نے کہا: تم عام کو خاص بناتے ہو اور خاص کو عام بناتے ہو۔ یہ کفار میں خاص ہے میں نے یہ آیت اول سے آخر تک پڑھی یہ کفار میں خاص ہے۔ مُّقِيْمٌ اس کا معنی دائم ثابت ہے جو نہ زائل ہوگا نہ پھرے گا۔ شاعر نے کہا:

فإن لكم بيوم الشعب مني　　عذابا دائما لكم مقيما

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 272　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 166

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾

''اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انہوں نے کیا اور عبرتناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے''۔

اس میں ستائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں کوشش اور فساد کے ذریعے اموال لینے کا ذکر کیا تو چور کے حکم کا ذکر بغیر حراب (جنگ) کے کیا جیسا کہ اس کا بیان باب کے درمیان آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد چور کا ذکر عورت چور کے ذکر سے پہلے کیا جب کہ زانیہ کا ذکر زانی سے پہلے کیا اس کا بیان آخر میں آئے گا۔ زمانہ جاہلیت میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا زمانہ جاہلیت میں جس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا وہ ولید بن مغیرہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا مردوں میں سے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چور کے ہاتھ پہلے کاٹنے کا حکم دیا وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد المناف تھا اور عورتوں میں سے مرۃ بنت سفیان بن عبد الاسد تھی جو بنی مخزوم سے تھی۔ حضرت ابو بکر نے یمنی شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چوری کیا تھا۔ حضرت عمر نے ابن سمرہ کا ہاتھ کاٹا جو عبد الرحمٰن بن سمرہ کا بھائی تھا۔ اس میں اختلاف نہیں آیت کا ظاہر ہر چور میں عام ہے، حالانکہ یہ اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دینار کی چوتھائی میں یا اس سے زائد میں'' (1)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ سے مراد بعض چور ہیں پس چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دینار کی چوتھائی میں یا دینار کی چوتھائی کی قیمت میں۔ یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز، لیث، امام شافعی، ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک نے فرمایا: دینار کی چوتھائی یا تین دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اگر دو درہم چوری کیے جو دینار کی چوتھائی کے برابر ہیں تو ان میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ سامان میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ وہ تین دراہم کو پہنچ جائے خواہ ان کی مالیت کم ہو یا زیادہ ہو (2)۔ امام مالک نے سونا، چاندی میں سے ہر ایک کو اصل بنایا ہے اور سامان کی قیمت دراہم سے لگائی ہے یہ ان کا مشہور قول ہے۔ امام احمد اور اسحاق نے کہا: اگر سونا چوری کیا تو دینار کی چوتھائی کا اعتبار ہوگا اگر سونے، چاندی کے علاوہ کوئی چیز چوری کی تو اس کی قیمت دینار کا چوتھائی یا تین دراہم کے برابر ہوگی تو حکم ثابت ہوگا۔ یہ امام مالک کا دوسرا قول ہے۔ پہلے قول کی حجت حضرت ابن عمر کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چوری کی، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈھال کی قیمت لگانے کا حکم دیا، اس کی قیمت تین دراہم سے لگائی گئی (3)۔ امام شافعی نے حضرت عائشہ کی حدیث کو چوتھائی دینار میں اصل بنایا اور سامان کی قیمت کو بھی اس کی طرف لوٹایا نہ کہ تین دراہم کی طرف سونے کے مہنگے اور سستے ہونے کی وجہ سے ابن عمر کی حدیث کو چھوڑ دیا، کیونکہ اس ڈھال میں

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الحدود و القصاص، جلد 3، صفحہ 189
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 188
3۔ سنن دار قطنی، کتاب الحدود و القصاص، جلد 3، صفحہ 190

صحابہ کا اختلاف دیکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹا تھا۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں: تین دراہم کی تھی (1)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: دس دراہم کی تھی (2)۔ حضرت انس کہتے ہیں: پانچ دراہم کی تھی (3) اور حضرت عائشہ کی حدیث دینار کی چوتھائی میں صحیح ثابت ہے اس میں حضرت عائشہ سے مروی میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر بعض نے اسے موقوف بنایا ہے اور جو علماء آپ کے قول پر اس کے حفظ وعدالت کی وجہ سے عمل کو واجب سمجھتے ہیں وہ اس کو مرفوع کہتے ہیں۔

یہ ابو عمر وغیرہ کا قول ہے اس بنا پر اگر چوری شدہ مال کی قیمت دینار کی چوتھائی کو پہنچ جائے گی تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ اسحاق کا قول ہے۔ ان دو اصلوں پر توقف کر اور یہ دونوں اس باب میں ستون ہیں اور جو کچھ اس کے بارے کہا گیا ہے اس میں سے یہ اصح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین اور ثوری نے کہا: چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دس دراہم (4) میں کیلاً یا دینار سونا میں یا وزن کے اعتبار سے جو اس کی مقدار کو پہنچ جائے گی اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، حتیٰ کہ وہ آدمی کی ملک سے مال کو نکال لے اور ان کی حجت حضرت ابن عباس کی حدیث ہے فرمایا: وہ ڈھال جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (5) اس کی قیمت دس دراہم تھی۔

اس حدیث کو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے فرمایا: اس وقت ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔ ان دونوں احادیث (6) کو دارقطنی وغیرہ نے تخریج کیا ہے۔ اس مسئلہ میں چوتھا قول بھی ہے اسے دارقطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر پانچ دراہم میں (7)۔ یہ سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ کا قول ہے حضرت انس بن مالک نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ڈھال میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت پانچ دراہم تھی۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ہاتھ چار دراہم یا اس سے زائد میں کاٹا جائے گا۔ یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے۔

چھٹا قول یہ ہے کہ ایک درہم اور اس سے اوپر میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ عثمان البتی کا قول ہے۔ طبری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے ایک درہم میں ہاتھ کاٹا۔ ساتواں قول یہ ہے کہ آیت کے ظاہر کے مطابق ہر اس چیز کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جس کی قیمت ہوگی یہ خوارج کا قول ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے یہ ان سے مروی تین روایات میں سے ایک ہے۔ دوسری روایت اس طرح ہے جس طرح حضرت عمر سے مروی ہے۔ تیسری وہ ہے جس کو قتادہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم نے قطع ید کا تذکرہ کیا کہ زیاد کے عہد میں کتنے مال پر ہوگا ہماری رائے دو درہموں پر متفق ہوئی۔ یہ اقوال ایک دوسرے کے مقابل ہیں، صحیح وہ ہے جو ہم نے تمہارے لیے ذکر کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور پر لعنت کی ہے جو انڈہ چوری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور

1۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 191-190 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 416 5۔ سنن دارقطنی، کتاب الحدود، جلد 3، صفحہ 191

6۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 190 7۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 186

جو سی چوری کرتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ ظاہر آیت کے موافق ہے کہ قلیل وکثیر کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا(1)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تحذیر کے طور پر فرمایا کثیر کی جگہ قلیل ذکر کیا جس طرح ترغیب کے لیے کثیر کی جگہ قلیل کا ذکر فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائی اگرچہ وہ کونج کے گھونسلے کی مثل ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا'' (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ وجہ آخر سے مجاز ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ جب تھوڑی چیز کی چوری کی وجہ سے تکلیف دیا گیا تو اس نے زیادہ چیز چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ خوبصورت قول اعمش کا ہے۔ بخاری نے اس کو حدیث کے آخر میں تفسیر کے طور پر ذکر فرمایا: وہ لوہے کا انڈا خیال کرتے ہیں اور رسی سے مراد وہ ہے جو درہم کے مساوی ہو۔ میں کہتا ہوں: یہ کشتی کی رسی کی طرح اور اس کے مشابہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ قطع ید اس پر ہوگی جو محفوظ جگہ سے اس چیز کو نکالے گا جس میں قطع ید ہے۔ حسن بن ابی الحسن نے فرمایا: جب کپڑے ایک گھر میں جمع کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا(3)۔ حسن بن ابی الحسن نے ایک دوسرے قول میں دوسرے اہل علم کے قول کی مثل کہا ہے۔ پس صحیح اتفاق ہو گیا۔ الحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ حرز سے مراد وہ جگہ ہے جو لوگوں کے اموال کی حفاظت کے لیے عادۃً بنائی جاتی ہے۔ یہ ہر چیز میں حالت کے مطابق مختلف ہوتی ہے اس کا بیان آگے آئے گا۔ ابن المنذر نے کہا: اس باب میں کوئی خبر ثابت نہیں جس میں اہل علم کی کلام نہ ہو۔ یہ اہل علم کے اجماع کی طرح ہے۔ حسن اور اہل ظاہر سے حکایت کیا گیا ہے کہ وہ حرز کی شرط نہیں لگاتے۔ موطا میں امام مالک نے حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین المکی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''درختوں پر لٹکے ہوئے پھلوں میں اور پہاڑ کے ذریعے محفوظ کی گئی چیز کی چوری میں قطع ید نہیں پس جب کھلیان میں اسے رکھے تو قطع ید اس میں ہے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچے'' (4)۔

ابو عمر نے کہا: یہ حدیث وہ ہے جس کا معنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کے ہم معنی ہے۔ یہ عبداللہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہے، امام احمد اس کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا: ''جو ضرورت میں اس میں سے کچھ توڑے جب کہ وہ اپنا تھیلا نہ بھرے تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے اور جو وہاں سے پھل توڑ کر لے گیا اس پر قطع ید ہے اور جس نے اس کے علاوہ کوئی چوری کی اس پر اس کی مثل چٹی ہے اور سزا ہے'' (5)۔ ایک روایت میں عقوبت کی جگہ ''جلدات نکال'' کے الفاظ ہیں۔ عطا نے فرمایا: کوڑے منسوخ کیے گئے اور اس کی جگہ قطع ید کو رکھا گیا۔ ابو عمر نے کہا: دو مثل چٹی کا قول منسوخ ہے، میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جس نے ایسا کہا ہو مگر جو حضرت عمر سے حاطب بن ابی بلتعہ کے آٹے کے بارے میں مروی ہے جس کو امام مالک نے تخریج کیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 1004
2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 275
3۔ البحر الوجیز، جلد 2، صفحہ 188
4۔ موطا امام مالک، کتاب السرقۃ، صفحہ 689
5۔ سنن نسائی، کتاب قطع السارق، جلد 2، صفحہ 259

ایک روایت امام احمد بن حنبل سے مروی ہے جس پر لوگوں کا نظریہ ہے وہ بالمثل کے ساتھ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (بقرہ:194) تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔

ابوداؤد نے حضرت صفوان بن امیہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں مسجد میں ایک چادر پر سویا ہوا تھا اس کی قیمت تیس درہم تھی، ایک شخص آیا اس نے آہستہ سے وہ اٹھالی، وہ شخص پکڑا گیا، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان نے کہا: میں آیا اور عرض کی: حضور! آپ تیس دراہم کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹیں گے، میں اسے وہ بیچتا ہوں اور اس کی قیمت ادھار کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو نے میرے پاس مقدمہ آنے سے پہلے کیوں نہ کیا تھا(1)؟

نظر کی جہت سے اموال تمام مخلوق کے انتفاع کے لیے تیار کیے گئے ہیں، پھر حکمت اولیت جس میں اختصاص کے ساتھ فیصلہ کیا گیا ہے وہ شرعاً ملکیت ہے اور اطماع اس کے متعلق باقی ہیں اور انجام اس پر گھومتے ہیں مروت اور دیانت تھوڑے لوگوں کو روکتی ہے، حفاظت اور حرز بہت سے لوگوں کو روکتی ہے جب مالک اپنی چیز کی حفاظت کرتا ہے تو اس میں حفاظت و حرز جو انسان کے لیے غایت الامکان ہے وہ جمع ہو جاتی ہیں جب ان دونوں کو توڑا جاتا ہے تو جرم بڑا ہوتا ہے اور عقوبت بھی بڑی ہوتی ہے، جب ایک حفاظت توڑی جاتی ہے اور وہ ملک ہے تو ضمانت اور ادب سکھانا واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب ایک جماعت حرز (حفاظت کی جگہ) سے نصاب کے نکالنے پر شریک ہو جائے پھر بعض اس کے نکالنے پر قادر ہوں گے یا نہیں مگر ان کے معاون ہوں گے جب پہلی صورت ہو تو اس میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں: ایک میں ہاتھ کاٹا جائے گا، دوسرے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور شافعی کا ہے فرمایا: یہ دونوں مجتہد فرماتے ہیں مشترک لوگوں کا چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر جب ہر ایک کے حصہ میں نصاب آئے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دینار کی چوتھائی میں یا اس سے زائد'' (2)۔ میں ان میں سے ہر ایک نے نصاب چوری نہیں کی پس ان پر قطع ید نہ ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہاتھ کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ جنایت میں اشتراک اس کی سزا کو ساقط نہیں کرتا جس طرح قتل میں اشتراک سزا کو ساقط نہیں کرتا۔

ابن عربی نے کہا: ان کے درمیان کتنا ہی قرب ہے کہ ہم خونوں کی حفاظت کے لیے ایک کے بدلے جماعت کو قتل کرتے ہیں تا کہ خون ریزی پر معاون نہ ہو جائیں اسی طرح اموال میں ہے خصوصاً ہم نے امام شافعی کی مدد کی کہ جماعت جب قطع ید میں شریک ہو تو تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اور اگر دوسری صورت ہو وہ یہ ہے کہ اس کا نکالنا تعاون کے بغیر ممکن ہی نہ ہو تو بالاتفاق تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 247۔ ایضاً، حدیث نمبر 3819، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ سنن دار قطنی، جلد 3، صفحہ 189

یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے(1)۔

مسئلہ نمبر5۔اگر چوری میں بہت سے لوگ شریک ہوں مثلاً ایک نقب لگائے دوسرا مال باہر نکالے اگر وہ دونوں معاون ہیں تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اگر ان میں سے کوئی اپنے فعل میں منفرد ہو دونوں میں اتفاق نہ ہو (مثلاً) دوسرا آئے اور مال نکالے تو کسی پر بھی قطع ید نہ ہوگی۔ اگر نقب میں دونوں معاون ہوں اور ایک مال نکالنے میں منفرد ہو تو قطع ید نکالنے والے پر ہوگی۔ امام شافعی نے فرمایا: قطع ید نہیں ہے، کیونکہ اس نے نقب لگائی ہے اور چوری نہیں کی دوسرے نے ایسی حرز سے چوری کی ہے جس کی حرمت ختم ہو چکی تھی۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر نقب میں شریک ہوا اور داخل ہوا اور مال اٹھایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا نقب میں اشتراک میں اٹھانا شرط نہیں بلکہ مارنے میں تعاقب ہے جس سے شرکت حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر6۔اگر دونوں میں سے ایک داخل ہوا اور حرز کے دروازے تک مال باہر نکالا پھر دوسرے نے ہاتھ داخل کیا اور مال لے لیا تو اس پر قطع ید ہوگی، اور پہلے کو سزا دی جائے گی۔ اشہب نے کہا: دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اگر اس نے حرز سے باہر سامان کو رکھا تو قطع ید اس پر ہوگی نہ کہ اٹھانے والے پر اور اگر نقب کے درمیان میں رکھا اور دوسرے نے وہ اٹھا لیا اور دونوں کے ہاتھ نقب میں اکٹھے تھے تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر7۔قبر اور مسجد حرز ہیں کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ اکثر علماء کا نظریہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس پر قطع ید نہیں کیونکہ اس نے غیر حرز سے مال چوری کیا ہے جو تلف کی جگہ پر تھا اس کا کوئی مالک نہیں تھا، کیونکہ میت مالک نہیں ہوتا اور ایسا شخص نہیں ہوتا جو اسے چوری سے منع کرتا، کیونکہ وہاں کوئی رہنے والا نہیں۔ چوری وہاں تصور ہوتی ہے جہاں آنکھوں سے بچا جائے اور لوگوں سے بچا جائے۔ چوری کی نفی پر ماوراء النہر کے علماء نے تائید کی ہے۔ جمہور علماء نے کہا: وہ چور ہے، کیونکہ وہ رات کا لباس پہنتا ہے اور لوگوں سے چھپتا ہے اور ایسے وقت کا قصد کرتا ہے جس میں اسے کوئی دیکھنے والا نہیں اور نہ اس پر کوئی گزرنے والا ہے یہ اس شخص کی مانند ہے جس میں اسے کوئی دیکھنے والا نہیں اور نہ اس پر کوئی گزرنے والا ہے، یہ اس شخص کی مانند ہے جو ایسے وقت میں چوری کرتا ہے جب لوگ عید کے لیے نکلے ہوئے ہیں اور شہر لوگوں سے خالی ہے۔ رہا ان کا قول کہ قبر حرز نہیں ہے یہ باطل ہے، کیونکہ ہر چیز کا حرز اس کے حسب حال پر ہوتا ہے، رہا ان کا قول کہ میت مالک نہیں ہوتا یہ بھی باطل ہے، کیونکہ میت کو برہنہ چھوڑنا جائز نہیں یہ حاجت تقاضا کرتی ہے کہ قبر حرز ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اس قول سے تنبیہ فرمائی: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ (المرسلات) تا کہ وہ زندگی میں اس زمین میں سکونت اختیار کرے اور مردہ حالت میں اس میں دفن کیا جائے، رہا ان کا قول کہ وہ تلف کی جگہ پر ہے تو وہ چیز جس کو زندہ بھی پہنتا ہے وہ بھی تلف کی جگہ ہوتا ہے اور پہننے کے ساتھ پرانا ہونے کے مقام پر ہوتا ہے(2)۔ مگر ایک امر دوسرے سے جلدی ہوتا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: ''تو اس وقت کیسا ہوگا جب لوگوں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 611

2۔ ایضاً

پر موت آئے گی اور موت اتنی زیادہ ہوگی کہ بندے کے لیے قبر کی جگہ خریدی جائے گی''۔ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھے صبر لازم ہے'' (1)۔ حماد نے کہا: اسی وجہ سے جنہوں نے کہا کہ قبر سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ میت کے پاس میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔

رہی مسجد تو جس نے مسجد کی چٹائی چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس کو عیسیٰ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے کہ اگرچہ مسجد کا دروازہ نہ بھی ہو، انہوں نے اس کو محرز خیال کیا ہے اگر دروازے سے چوری کرے تو بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابن القاسم سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر دن کے وقت چٹائیاں چوری کیں تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے رات کو دیوار پھلانگی تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سحنون سے مروی ہے: اگر اس کی چٹائیاں ایک دوسرے پر سلی ہوئی ہیں تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ نہیں کاٹا جائے گا۔ اصبغ نے کہا: مسجد کی چٹائیاں چوری کرنے اور اس کی قندیلیں اور اس کے پتھر چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا جائے گا جیسا کہ اگر اس کا دروازہ چوری کیا یا چھت سے لکڑی چوری کی یا وہ لکڑی چوری کی جو مکان کی لکڑیوں کو اٹھاتی ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اشہب نے کتاب محمد میں کہا: مسجد کی چٹائیاں قندیلیں اور پتھر چوری کرنے سے قطع ید نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اختلاف ہے قطع ید کے ساتھ چٹی ہوگی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ نے کہا: قطع ید اور چٹی کو کسی کے لیے جمع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جرمانے کا ذکر نہیں کیا (2)۔ امام شافعی نے فرمایا: خواہ خوشحال ہو، خواہ تنگ دست ہوا سے چوری کیے ہوئے مال کی قیمت دینی ہوگی اور وہ اس پر قرض ہوگا جب خوشحال ہوگا تو ادا کرے گا۔ یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ رہے ہمارے علماء امام مالک اور ان کے اصحاب تو انہوں نے فرمایا: اگر مال قائم ہے تو وہ لوٹا دے گا اور اگر مال تلف ہو چکا ہے تو پھر اگر خوشحال ہے تو قیمت دے گا اگر تنگ دست ہے تو قرض کی حیثیت سے اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ امام مالک نے زہری سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

شیخ ابو اسحاق نے فرمایا: بعض علماء نے فرمایا: قطع ید کے ساتھ دین کی حیثیت سے اس کا پیچھا کیا جائے گا خواہ وہ خوشحال ہوگا یا تنگ دست ہوگا۔ فرمایا: یہ بہت سے علماء مدینہ کا قول ہے اور اس کی صحت پر اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ یہ دو حق ہیں جو دو مستحقوں کے لیے ہیں ایک دوسرے کو ساقط نہیں کرے گا جیسے دیت اور کفارہ ہیں پھر فرمایا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔ قاضی ابوالحسن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے استدلال کیا ہے: ''جب چور پر حد قائم کی جائے گی تو اس پر ضمانت نہ ہوگی'' (3)۔ اس نے اسے اپنی کتاب میں اپنی سند میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چٹی کے ساتھ پیچھا کرنا بھی عقوبت ہے اور قطع ید بھی عقوبت ہے اور دو عقوبتیں جمع نہیں ہوتیں۔ قاضی عبدالوہاب نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ صحیح قول امام شافعی اور ان کے موافقین کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: چور اس مال کی چٹی دے گا جو اس نے چوری کیا خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو خواہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 229　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 612

3۔ سنن نسائی، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 262

اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو یا نہ کاٹا گیا ہو(1)، اسی طرح جب ڈاکہ ڈالا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جو حد ہے وہ بندوں کے تلف شدہ مال کو ساقط نہیں کرتی اور رہی وہ حدیث جس سے ہمارے علماء نے استدلال کیا ہے: ''جب وہ تنگ دست ہو'' اس میں کوفیوں کی حجت ہے اور یہی طبری کا قول ہے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کو نسائی اور دارقطنی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا ہے۔ ابو عمر نے فرمایا: یہ حدیث قوی نہیں اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوتی۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ طبری نے کہا: قیاس یہ ہے کہ اس پر ہلاک شدہ مال کی چٹی ہو، لیکن ہم نے اس میں اثر کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا۔ ابو عمر نے کہا: ضعیف اثر کی وجہ سے قیاس کا ترک کرنا جائز نہیں، کیونکہ ضعیف کسی حکم کو ثابت نہیں کرتا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ چور سے چور، چوری کر لے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ ہمارے علماء نے فرمایا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور امام شافعی نے فرمایا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ اس نے غیر مالک سے اور غیر حرز سے مال چوری کیا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: مالک کی حرمت اس مال پر باقی ہے اس سے اس کی حرمت ختم نہیں ہوئی اور چور کا ہاتھ (ملکیت) نہ ہونے کی طرح ہے جس طرح غاصب ہوتا ہے اگر اس سے مال مغصوب چوری کیا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا حرز حرز نہ ہونے کی طرح بناؤ؟ ہم کہیں گے: حرز قائم ہے اور ملکیت قائم ہے اس میں ملکیت باطل نہ ہوگی، تاکہ وہ ہمیں کہیں کہ حرز باطل کرو(2)۔

مسئلہ نمبر 10۔ اگر مسروقہ مال میں ہاتھ کاٹے جانے کے بعد پھر اگر وہی مال چوری کرے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے؟ اکثر علماء کہتے ہیں: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا(3)۔ قرآن کا عموم اس پر ہاتھ کاٹنے کو ثابت کرتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: قطع ید سے پہلے چور خریدنے یا ہبہ کے ساتھ مسروق مال کا مالک بن جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا، جب قطع بطور حق اللہ واجب ہے تو اسے کوئی چیز ساقط نہیں کرے گی۔

مسئلہ نمبر 11۔ جمہور علماء نے وَ السَّارِقُ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے جو تم پر چور مرد اور چور عورت کے متعلق فرض کیا گیا ہے۔ بعض نے فرمایا: ان میں رفع مبتدا کے اعتبار سے ہے اور خبر فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا ہے۔ اس میں معین کا قصد نہیں ہے اگر معین کا قصد ہوتا تو نصب واجب ہوتا۔ تو کہتا ہے: زیداً اضربه بلکہ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے۔ من سرق فاقطع یدہ، جو چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ زجاج نے کہا: یہ قول مختار ہے۔ السارق نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تقدیر یہ ہے: اقطعوا السارق والسارقة، یہ سیبویہ کا مختار ہے، کیونکہ امر کے ساتھ فعل اولیٰ ہے۔ سیبویہ نے کہا: کلام عرب میں وجہ نصب ہے جیسے تو کہتا ہے: زیداً اضربه۔ لیکن عام لوگ رفع ہی پڑھتے ہیں۔ سیبویہ نے السَّارِقُ کی نوع کو معین شخص بنایا۔ حضرت ابن مسعود نے پڑھا: والسارقون والسارقات فاقطعوا ایمانھم۔ جماعت کی قرأت کو یہ قول تقویت دیتا ہے۔ السرق والسرقة را میں کسرہ کے ساتھ، مسروق چیز کا نام ہے اور سرق یسرق کا مصدر ہے

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 208　　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 613　　3۔ ایضاً

فتح کے ساتھ ہے۔ یہ جوہری کا قول ہے۔ اس لفظ کی اصل آنکھوں سے خفیہ کسی چیز کو لینا ہے، اسی سے استرق السمع ہے۔ سارقہ النظر ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: عربوں کے نزدیک سارق وہ ہے جو چھپ کر حرز کی طرف جائے اس سے وہ چیز اٹھا لے جو اس کی اپنی نہیں ہے۔ اگر ظاہراً لے تو اسے مختلس، مستلب، منتھب، محترس کہتے ہیں اور جو کسی کے ہاتھ میں ہو اور نہ دے تو غاصب ہے۔

میں کہتا ہوں: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے" صحابہ نے پوچھا: نماز کی کیسے چوری کرتا ہے؟ فرمایا: "وہ رکوع و سجود مکمل نہیں کرتا" (1)۔ اس کو موطا وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس کو سارق (چور) کہا ہے اگرچہ یہ سارق نہیں ہے، تو یہ اشتقاق کی حیثیت سے ہے، کیونکہ اس میں غالب طور پر آنکھوں سے چوری نہیں کرتا۔

مسئلہ نمبر 12۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاقْطَعُوْٓا**، القطع کا معنی ہے علیحدہ کرنا اور زائل کرنا ہے۔ اور قطع ثابت نہ ہوگا مگر ان تمام اوصاف کے جمع ہونے کے ساتھ جو چور میں، چوری شدہ چیز میں اور چوری کی جگہ میں اور چوری کی جگہ کی صفت میں معتبر ہیں۔ چور میں پانچ اوصاف معتبر ہیں: بالغ ہونا، عاقل ہونا، چوری کی گئی چیز کا مالک نہ ہونا اور اس کو اس پر ولایت نہ ہو۔ غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر وہ اپنے مالک کا مال چوری کرے، اسی طرح مالک کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر وہ غلام کا مال لے۔ ان میں کسی حال میں قطع ید نہیں ہے، کیونکہ غلام اور اس کا مال مالک کے لیے ہے اور اپنے غلام کا مال لینے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ اس نے اپنا مال لیا ہے اور غلام کے قطع ید کا سقوط اجماع صحابہ سے ہے اور خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب کے قول سے ہے۔

حضرت عمر نے کہا تھا: تمہارے غلام نے تمہارا مال چوری کیا ہے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بھاگنے والے غلام پر قطع ید نہیں جب وہ چوری کرے اور نہ ذمی پر قطع ید ہے" (2)۔ فرمایا: اس حدیث کو فہد بن سلیمان کے علاوہ کسی نے مرفوع نہیں بیان کیا۔ صواب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب غلام چوری کرے تو اس کو بیچ دو اگرچہ بیس درہم میں ہو" (3)۔

یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہمیں اسامہ نے بیان کیا، انہوں نے ابوعوانہ سے روایت کیا انہوں نے عمر بن ابی سلمہ سے روایت کیا، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے کہا: ہمیں جبارہ بن مغلس نے بیان کیا، انہوں نے ہمیں حجاج بن تمیم نے بیان کیا، انہوں نے میمون بن مہران سے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ ایک خمس کے غلام نے خمس سے چوری کی، مقدمہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ نہ کاٹا۔ اور فرمایا: مال الله سرق بعضه بعضا (4)۔ الله کا مال ہے بعض نے بعض کی چوری کی۔ جبارہ بن مغلس متروک ہے، ابوزرعہ رازی نے کہا بچے اور مجنون پر قطع ید نہیں۔ ذمی، مجاہد اور حربی پر

1۔ موطا امام مالک، کتاب الصلوۃ، صفحہ 153
2۔ سنن دارقطنی، جلد 3، صفحہ 86
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 189
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 189

واجب ہے جب وہ امان کے ساتھ داخل ہو۔

اور چوری شدہ چیز میں چار اوصاف معتبر ہیں: نصاب اس پر گفتگو گزر چکی ہے، وہ چیز کسی کی ملکیت ہو اور اس کا بیچنا جائز ہو اگر اس کا بیچنا جائز نہ ہو اور اس سے آدمی مال دار نہ ہوتا ہو جیسے شراب، خنزیر ان میں بالاتفاق قطع ید نہیں ہے، مگر امام مالک اور ابن القاسم کے نزدیک چھوٹا آزاد آدمی چوری کیا گیا تو اس میں قطع ید ہو گی۔ بعض نے فرمایا: اس پر قطع ید نہ ہو گی۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہے، کیونکہ وہ مال نہیں ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: وہ تو بڑا مال ہے چور کا ہاتھ مال کی وجہ سے نہیں کاٹا جاتا بلکہ نفوس کے ساتھ اس کے تعلق کی وجہ سے کاٹا جاتا ہے اور آزاد کے ساتھ نفوس کا تعلق، غلام سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ ان چیزوں سے ہو جن کا مالک ہونا جائز ہے اور اس کا بیچنا جائز نہ ہو جیسے کتا جس کے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور قربانی کا گوشت اس میں ابن القاسم اور اشہب میں اختلاف ہے۔

ابن القاسم نے کہا: کتا چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اشہب نے کہا: یہ اس کتے کے بارے میں ہے جس کا رکھنا منع ہے۔ رہا وہ کتا جس کے رکھنے کی اجازت ہے اس کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ فرمایا: جس نے قربانی کا گوشت چوری کیا یا اس کی کھال چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی قیمت تین دراہم ہو۔ ابن حبیب نے کہا: اصبغ نے کہا: اگر ذبح سے پہلے قربانی چوری کی تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اگر ذبح کے بعد چوری کی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگر وہ ایسی چیز ہو جس کی اصل کا بنانا اور اس کا بیچنا جائز ہو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا جس کا استعمال جائز نہیں جیسے طنبور اور مزمار، کنگ وغیرہ آلات لہو تو اس میں دیکھا جائے گا اگر اس کی صورت کے فساد اور اس کی منفعت کے چلے جانے کے بعد چار دینار قیمت باقی رہتی ہے یا اس سے زائد باقی رہتی ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یہی حکم سونے اور چاندی کے برتنوں کا ہے جن کا استعمال جائز نہیں اور ان کے توڑنے کا حکم دیا جاتا ہے ان میں جو سونا چاندی ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی نہ کہ ان کی صنعت کی۔ اسی طرح سونے اور چاندی کی صلیب اور ناپاک تیل کا حکم ہے اگر اس کی قیمت نجاست پر نصاب کو پہنچے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تیسرا وصف یہ ہے کہ اس میں چور کی ملکیت نہ ہو۔ مثلاً جو اپنی رہن شدہ چیز کو چوری کرے یا جو اس نے اجرت پر طلب کی ہے اس کو چوری کر لیا۔ اور نہ اس میں شبہ ملک ہو۔ ہمارے علماء کا شبہ ملک کی رعایت میں اختلاف ہے جیسے کوئی شخص مال غنیمت سے چوری کرے یا بیت المال سے چوری کرے، کیونکہ اس میں اس کا حصہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے خمس سے ایک خود چوری کیا تھا، تو آپ نے اس پر قطع ید کا فیصلہ نہ فرمایا۔ فرمایا: اس میں اس کا حصہ ہے۔ یہی مذہب ہے جماعت علماء کا بیت المال کے بارے میں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس پر قطع ید ہے انہوں نے آیت سرقہ کے لفظ کے عموم کا اعتبار کیا ہے۔ چوری شدہ چیز ایسی ہو جس کا چوری کرنا صحیح ہو جیسے چھوٹا غلام، بڑا عجمی، کیونکہ جس کا چوری کرنا صحیح نہیں جیسے فصیح غلام تو اس میں قطع ید نہیں ہے۔

وہ جگہ جہاں سے چوری کی گئی ہو اس میں ایک وصف معتبر ہے اور وہ حرز ہو اس چوری شدہ چیز کی مثل کے لیے۔ اس میں بہر حال قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے لیے مکان معروف ہو وہ مکان اس کے لیے حرز ہے۔ ہر وہ چیز جس کے ساتھ محافظ ہے تو

اس کا محافظ اس کا حرز ہے۔ گھر، مکانات، دوکانیں اس چیز کے لیے حرز ہیں جو ان میں ہے خواہ ان کے مالک حاضر ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح بیت المال، مسلمانوں کی جماعت کے لیے حرز ہے چور اس میں کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا اگر چہ وہ چوری سے پہلے ان لوگوں سے ہے جس کو امام کے لیے دینا جائز ہے، ہر مسلمان کا حق عطیہ سے متعین ہوتا ہے، کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ امام کے لیے تمام مال کو مصالح کی وجوہ میں سے ایک وجہ میں خرچ کرنا جائز ہے اور اسے لوگوں میں تقسیم کرنا ضروری نہیں ہوتا یا اس کے لیے جائز ہوتا ہے کہ وہ ایک شہر میں خرچ کرے اور دوسرے میں نہ کرے، ایک قوم کو نہ دے اور دوسری قوم کو دے۔ اس تقدیر میں کہ یہ چور ان لوگوں میں سے ہے جن کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، اسی طرح مال غنیمت بھی دو حیثیتوں سے خالی نہیں ہوتا تقسیم کے ساتھ متعین ہوتا ہے وہ وہ ہے جو ہم نے بیت المال کے بارے میں ذکر کیا یا صرف لینے سے متعین ہوجاتا ہے جو جنگ میں حاضر ہوتا ہے، پس اس میں رعایت رکھی جائے گی جو اس نے چوری کی اگر اس نے اپنے حق سے زیادہ چوری کی تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ نہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ جانوروں کی پیٹھیں اس مال کے حرز ہیں جو ان پر لادا گیا ہے اور دوکانوں کے صحن اس چیز کے لیے حرز ہیں جو ان میں رکھی گئی ہیں بیچنے کی جگہ میں اگر چہ وہاں دکان نہ بھی ہو، خواہ اس کے پاس اس کا مالک ہو یا نہ ہو، رات کو چوری کی گئی ہو یا دن کو۔ اسی طرح بازار میں بکریوں کے ٹھہرنے کی جگہ خواہ وہ باندھی ہوئی ہو یا باندھی ہوئی نہ ہو اور جانور اپنے باڑوں میں محفوظ ہوتے ہیں خواہ ان کے مالک پاس ہوں یا نہ ہوں۔ اگر سواری مسجد کے دروازے یا بازار میں ہو تو وہ محرز نہ ہوگی مگر یہ کہ اس کے ساتھ محافظ ہوں۔ جس نے اپنے صحن میں سواری کو باندھا یا جانوروں کے لیے کوئی باڑا بنایا تو وہ ان کے لیے حرز ہوگا اور کشتی میں جو کچھ ہے کشتی اس کے لیے حرز ہے خواہ چل رہی ہو یا باندھی ہوئی ہو اگر کشتی چوری کی گئی تو اس کا حکم جانور والا ہے اگر وہ کھلی ہو تو وہ محرزۃ (محفوظ) نہیں ہے اگر اس کے مالک نے اسے کسی جگہ باندھا ہو اور اس کو اس میں ٹھہرایا ہو اور اسے باندھا ہو تو وہ محفوظ ہے، اسی طرح اگر اس کے ساتھ کوئی ہے تو وہ کشتی جہاں بھی ہے محفوظ ہے جیسے جانور مسجد کے دروازے پر ہو اور اس کے ساتھ محافظ ہو مگر یہ کہ وہ کشتی کو اپنے سفر میں کسی جگہ اتاریں اور پھر اسے باندھ دیں تو وہ جگہ اسکے لیے حرز ہوگی اس کے ساتھ ملک ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 15۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک گھر میں رہنے والے لوگ جیسے ہوٹل جس میں ہر شخص علیحدہ اپنے کمرے میں رہتا ہے، تو جو ان میں سے کسی کے کمرے سے چوری کرے گا جب وہ مال لے کر گھر کے صحن میں آجائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اگر چہ وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں داخل نہیں ہوا ہے اور نہ اس کے ساتھ ہوٹل سے باہر نکلا ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو ہوٹل کے صحن سے کوئی چیز چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر چہ وہ اپنے کمرے میں لے گیا ہو یا اسے ہوٹل سے باہر لے گیا ہو، کیونکہ ہوٹل کا صحن تمام کے لیے بیع وشرا کے لیے مباح ہے مگر یہ کہ سواری اپنے مربط میں ہو یا جو اس کے مشابہ مال محفوظ جگہ پر ہو تو اس کے چوری کرنے پر سزا ہوگی۔

مسئلہ نمبر 16۔ والدین بیٹے کا مال چوری کرلیں تو ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے (1)'' اور بیٹا والدین کا مال چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، کیونکہ اس کے لیے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ قول ابن وہب اور اشہب کا ہے، کیونکہ بیٹا عادۃً باپ کے مال میں بڑھتا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ غلام کا ہاتھ آقا کے مال کی وجہ سے نہیں کاٹا جاتا پس باپ کے مال کو چوری کرنے سے بیٹے کا ہاتھ نہ کاٹنا اولیٰ ہے اور دادا کے چوری کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور ابن القاسم نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اشہب نے کہا: کاٹا جائے گا۔ امام مالک کا قول اصح ہے، کیونکہ وہ بھی باپ ہے۔

امام مالک نے فرمایا: میرے نزدیک محبوب یہ ہے کہ باپ اور ماں کی طرف سے نانا، دادا کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ ان کا نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ ابن القاسم اور اشہب نے کہا: ان کے علاوہ رشتہ داروں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ذوی المحارم مثلاً پھوپھی، خالہ، بہن وغیرہم میں سے کسی پر قطع ید نہیں ہے۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا: ان میں سے جو چوری کرے گا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابو ثور نے کہا: ہر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا جس نے اتنی مقدار چوری کی جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ کسی چیز پر جمع ہو جائیں تو اجماع کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 17۔ قرآن چوری کرنے والے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف اور ابو ثور نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جب اس کی قیمت اتنی ہو کہ جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ابن القاسم نے بھی یہی کہا ہے۔ نعمان نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جو قرآن چوری کرے گا (2)۔ ابن المنذر نے کہا: قرآن چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جیب کترے کے بارے میں اختلاف ہے جو جیب سے پیسے جیب کو کاٹ کر نکال لیتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جس نے جیب کے اندر سے یا باہر سے کاٹا۔ یہ امام مالک، اوزاعی، ابو ثور اور یعقوب کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام محمد بن حسن اور اسحاق نے فرمایا: اگر دراہم آستیں (جیب) کے ظاہر میں تھے پھر چور نے اس آستین کو کاٹ کر انہیں چوری کر لیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر آستین کے اندر دراہم تھے اس نے ہاتھ اندر داخل کر کے چوری کیے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 18۔ سفر میں قطع ید کے بارے میں اختلاف ہے اور دار الحرب میں حدود قائم کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک، لیث بن سعد نے کہا: دار الحرب میں بھی حدود قائم کی جائیں گی۔ دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی فرق نہیں۔ اوزاعی نے کہا: جو لشکر کا امیر ہے اگرچہ وہ کسی شہر کا امیر نہیں ہے وہ قطع ید کے علاوہ حدود کو اپنے لشکر میں قائم کرے گا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب لشکر دار الحرب میں جنگ لڑ رہا ہو اور ان کا کوئی امیر ہو تو وہ اپنے لشکر میں حدود کو قائم نہیں کرے گا مگر یہ کہ مصر، شام یا عراق یا اس کے مشابہ کسی مملکت کا امام ہو تو وہ لشکر میں حدود قائم کرے گا۔ اوزاعی اور اس کے ہم نظریہ علماء نے حضرت جنادہ بن ابی امیہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے فرمایا: ہم بسر بن ارطاۃ کے ساتھ سمندر میں تھے ایک چور کو لایا گیا جس کو مصدر کہا جاتا تھا اس نے بختی اونٹنی چوری کی تھی، اس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''جنگ میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، صفحہ 167
2۔ اختلاف ائمۃ العلماء، جلد 2، صفحہ 278

گے (1)"۔ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔ اس بسر کے بارے میں کہا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا اس کی حضرت علی اور ان کے اصحاب کے متعلق بری اخبار ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت عبداللہ بن عباس کے دو بچے ذبح کیے تھے، ان کی والدہ کی عقل ضائع ہوگئی تھی اور وہ بے چاری گھومتی رہتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف بد دعا کی کہ اللہ اس کی عمر زیادہ کرے اور اس کی عقل ضائع ہو جائے، تو اسی طرح ہوا۔ یحییٰ بن معین نے کہا: بسر بن ارطاۃ برا شخص تھا۔ جس نے قطع ید کا کہا ہے انہوں نے قرآن کے عموم سے استدلال کیا ہے اور وہ صحیح ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور جنہوں نے دار الحرب میں قطع ید سے منع کیا ہے ان کی بہترین حجت یہ ہے کہ اس کا شرک سے لاحق ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 19۔ جب ہاتھ پاؤں کاٹا جائے گا تو کہاں تک کاٹا جائے گا؟ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ ہاتھ کلائی تک اور پاؤں مفصل (جوڑ) تک کاٹا جائے گا، کاٹنے کے بعد پنڈلی کو داغ دیا جائے گا (2)۔ بعض نے فرمایا: کہنی تک کاٹا جائے گا۔ بعض نے کہا: کندھے تک کاٹا جائے گا، کیونکہ ہاتھ کا اسم اس کو شامل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پاؤں قدم کے نصف سے کاٹا جائے گا اور ایڑی کو چھوڑ دیا جائے گا یہی امام احمد اور ابو ثور کا قول ہے۔

ابن المنذر نے کہا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر فرمایا: "اس کو داغ دو" (3)، اس کی سند میں کلام ہے۔ امام شافعی، ابو ثور وغیرہما کے نزدیک داغنا مستحب ہے۔ یہ احسن ہے اور زخم ٹھیک ہونے کے زیادہ قریب ہے اور تلف سے بعید ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ پہلے دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا پھر دوبارہ اگر چوری کرے تو اختلاف ہے امام مالک، اہل مدینہ، امام شافعی اور ابو ثور وغیرہم نے کہا: بایاں پاؤں کاٹا جائے گا، پھر اگر تیسری مرتبہ چوری کرے گا تو بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا پھر چوتھی مرتبہ چوری کرے گا تو دایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر اگر پانچویں مرتبہ چوری کرے گا تو اسے تعزیر لگائی جائے گی اور قید کر دیا جائے گا۔ ابو مصعب نے کہا: چوتھی مرتبہ کے بعد قتل کیا جائے گا، انہوں نے نسائی کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جو انہوں نے حضرت حارث بن حاطب سے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو قتل کر دو"۔ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا: "اسے قتل کر دو" لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا: "اس کا ہاتھ کاٹ دو"۔ پھر اس نے چوری کی تو اس کا پاؤں کاٹا گیا پھر اس نے حضرت ابوبکر کے عہد میں چوری کی حتیٰ کہ اس کے تمام ہاتھ پاؤں کاٹے گئے پھر اس نے پانچویں مرتبہ چوری کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیادہ جانتے تھے جب آپ نے کہا تھا کہ اسے قتل کر دو، پھر اسے قریش کے جوانوں کی طرف بھیجا تاکہ وہ اسے قتل کر دیں، ان میں حضرت عبداللہ بن زبیر بھی تھے وہ امارت کو پسند کرتے تھے انہوں نے کہا: تم مجھے اپنے اوپر امیر بناؤ تو لوگوں نے انہیں امیر بنا دیا، پس جب حضرت عبداللہ نے مارا تو لوگوں نے بھی

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحدود، جلد 1، صفحہ 175
2۔ اختلاف ائمۃ العلماء، جلد 2، صفحہ 283
3۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 422

اسے مارا حتیٰ کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا (1)۔ اور حضرت جابر کی حدیث سے حجت پکڑی کہ نبی کریم ﷺ نے پانچویں مرتبہ چوری کرنے والے کے لیے حکم دیا فرمایا: "اسے قتل کر دو"۔ حضرت جابر نے کہا: ہم اسے لے کر چلے اور ہم نے اسے قتل کر دیا پھر ہم نے اسے گھسیٹا اور اسے کنویں میں پھینک دیا اور ہم نے اس پر پتھر پھینکے (2)۔

ابو داؤد نے اسے روایت کیا ہے اور نسائی نے اسے نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث منکر ہے، ایک راوی قوی نہیں ہے اور میں اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں جانتا۔ ابن المنذر نے کہا: حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ہاتھ کے بعد ہاتھ اور پاؤں کے بعد پاؤں کاٹا۔ بعض نے فرمایا: دوسری مرتبہ بایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر اس کے بعد قطع نہیں ہے پھر اگر چوری کرے گا تو تعزیر دی جائے گی اور قید کیا جائے گا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور زہری، حماد بن ابی سلیمان اور امام احمد بن حنبل کا یہی قول ہے (3)۔ ازہری نے کہا: ہمیں سنت نہیں پہنچی مگر ہاتھ اور پاؤں کا کاٹنا۔ عطا نے کہا: خاص دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور پھر کوئی عضو نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: رہا عطا کا قول صحابہ کرام نے اس سے پہلے اس کے خلاف کیا ہے (4)۔

مسئلہ نمبر 21۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حاکم چور کا دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دے اور اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ قتادہ نے کہا: اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے جب کاٹنے والا غلطی کرے اور اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دے۔ اصحاب الرائے بھی استحسانا یہی کہتے ہیں۔ ابوثور نے کہا: کاٹنے والے پر دیت ہے، کیونکہ اس نے خطا کی، اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جاتا لیکن اجماع کی وجہ سے پھر اس کا دایاں ہاتھ کاٹنا ممنوع ہے۔ ابن المنذر نے کہا: چور کا بایاں ہاتھ کاٹنا دو معنوں میں سے ایک سے خالی نہ ہوگا یا تو کاٹنے والا جان بوجھ کر بایاں ہاتھ کاٹ دے گا اس صورت میں اس پر قصاص ہوگا یا خطاء کاٹے گا تو اس کی دیت کاٹنے والے کی عاقلہ (خاندان) پر ہوگی اور چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے اس کو کسی زیادتی کرنے والے کی زیادتی اور کسی خطا کرنے والے کی خطا کی وجہ سے زائل کرنا درست نہیں۔ ثوری نے کہا: جس سے دائیں ہاتھ میں قصاص لینا تھا اسی نے بایاں ہاتھ آگے کر دیا اور اسے کاٹ دیا گیا، فرمایا: اس کا دایاں ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔ ابن المنذر نے کہا: یہ صحیح ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: جب وہ ٹھیک ہوگا تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا یہ اس لیے ہے کہ اس نے خود اپنا بایاں ہاتھ تلف کیا ہے اور کاٹنے والے پر اصحاب الرائے کے قول میں کوئی چیز واجب نہیں۔ امام شافعی کے قول کے قیاس میں قاطع پر کوئی چیز نہیں اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا جب وہ ٹھیک ہوگا۔ قتادہ اور شعبی نے کہا: کاٹنے والے پر کوئی چیز نہیں اور چور کا جو ہاتھ کاٹا گیا ہے وہ کافی ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کے گلے میں لٹکانے کے متعلق پوچھا: کیا یہ سنت سے ہے؟ انہوں نے کہا:

1۔ سنن نسائی، کتاب قطع السارق، جلد 2، صفحہ 261　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 249

3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 189　　4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 616

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر آپ نے اس کا ہاتھ گلے میں لٹکانے کا حکم دیا۔ اس حدیث (1) کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے بھی تخریج کی ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ جب چوری کی حد ثابت ہوئی پھر چور نے کسی کو قتل کر دیا، امام مالک نے فرمایا: قتل کیا جائے گا اور قطع ید اس میں داخل ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: ہاتھ کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا، کیوں کہ دونوں دو مستحقوں کے حق ہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے حق کو پورا کرنا واجب ہے۔ یہ صحیح ہے ان شاء اللہ تعالیٰ، یہ ابن عربی کا اختیار ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَیْدِیَهُمَا فرمایا یدیھما نہیں فرمایا۔ اس میں علماء لغت نے کلام کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: فقہاء نے ان پر حسن ظن کرتے ہوئے ان کی متابعت کی ہے۔ خلیل بن احمد اور فراء نے کہا: ہر چیز جو انسان کی تخلیق سے پائی جاتی ہے جب تثنیہ کی طرف مضاف کی جاتی ہے تو جمع ذکر کی جاتی ہے تو کہتا ہے: ھشمت رؤوسھما، أشبعت بطونھما۔ قرآن کریم میں ہے: اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (التحریم: 4) اسی وجہ سے یہاں فرمایا: فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا، یدیھما نہیں فرمایا۔ یعنی اس کا دایاں ہاتھ کاٹو۔ لغت میں فاقطعوا ایدیھما جائز ہے۔ یہ اصل ہے شاعر نے دونوں لغتوں کو جمع کیا ہے:

مَهْمَهَیْنِ قَذَفَیْنِ مَرْتَیْنِ ظُهراهما مِثْلُ ظُهورِ التُّرْسَیْنِ

بعض علماء نے فرمایا: یہ ایسا کیا گیا: کیونکہ مشکل نہیں۔ سیبویہ نے کہا: جب منفرد ہو تو کبھی جمع ذکر کیا جاتا ہے جب اس سے مراد تثنیہ ہو۔ عربوں سے حکایت ہے وضعا رحالھما اس سے مراد رحلی راحلتیھما ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس بنا پر ہے کہ صرف دایاں ہاتھ ہی کاٹا جائے گا، لیکن حقیقۃً ایسا نہیں بلکہ ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے۔ اَیْدِیَهُمَا کا قول چار کی طرف لوٹے گا یہ تثنیہ میں جمع ہے یہ دونوں تثنیہ ہیں۔ اس کی فصاحت پر کلام آگے آئے گی، اگر فاقطعوا ایدیھم ہوتا تو کوئی وجہ ہوتی کیونکہ السَّارِقُ اور السَّارِقَةُ کے خاص دو شخص مراد نہیں بلکہ اسم جنس مراد ہے جو لاتعداد کو شامل ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا یہ مفعول لاجلہ ہے۔ اگر تو چاہے تو مصدر بنا دے اسی طرح نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ہے۔ کہا جاتا ہے: نکلت بہ، جب تو اس کو وہ سزا دے جو اس فعل پر واجب ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ اس پر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔ حَكِیْمٌ اس کے ہر فعل میں حکمت ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ یہ شرط اور جواب شرط فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ہے اور مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ کا معنی ہے چوری کے بعد، اللہ تعالیٰ توبہ کی صورت میں اس سے تجاوز فرمائے گا۔ قطع ید توبہ سے ساقط نہ ہوگی۔ عطا اور ایک جماعت نے کہا: چوری پر قدرت پائے جانے سے پہلے چور توبہ کرے تو توبہ سے قطع ید ساقط ہو جائے گی۔ یہ بعض شوافع نے کہا اور اس کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے اور اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ کے ساتھ اس کا تعلق جوڑا ہے۔ یہ وجوب سے استثنا ہے، پس تمام حدود کو اس پر محمول کرنا واجب ہے۔ ہمارے علماء

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحدود، جلد 1، صفحہ 175 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 618 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 616

نے کہا: یہی ہماری دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محارب کی حد کا ذکر کیا تو فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ۔ اور اس پر چور کی حد کو معطوف کیا اور فرمایا: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ۔ اگر یہ حکم میں محارب کی طرح ہوتا تو ان کے درمیان حکم مختلف نہ ہوتا (1)۔

ابن عربی نے کہا: اے معشر شافعیہ، سبحان اللہ! کہاں دقائق فقہیہ اور حکم شرعیہ جن کو تم مسائل کے غوامض سے استنباط کرتے ہو؟ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ محارب خودرائے ہوتا ہے اپنے ہتھیار کے ساتھ تجاوز کرتا ہے، جس کو روندنے کے لیے امام گھوڑے اور اونٹ دوڑانے کا محتاج ہوتا ہے، اسے اس حالت پر اتارتے ہوئے توبہ کے ساتھ اس کی جزا کیسے ساقط کرے گا، جس طرح کافر کے تمام گناہ معاف کیے جاتے ہیں اسے اسلام کی الفت دلانے کے لیے۔ رہا چور اور زانی وہ دونوں مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتے ہیں امام کے حکم کے تحت ہوتے ہیں کون ہے وہ جو ان سے وہ حکم ساقط کرے جو ان پر ثابت ہو چکا ہے؟ یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ محارب پر قیاس کیا جائے گا حالانکہ ان کے درمیان حکمت اور حالت جدا جدا ہے۔

اے محققین کے گروہ تم جیسے لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں جب ثابت ہو گیا کہ حد توبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے تو توبہ مقبول ہے اور قطع ید اس کا کفارہ ہے۔

وَ اَصْلَحَ یعنی جیسے چوری سے توبہ کی اسی طرح ہر گناہ سے توبہ کرے۔ بعض نے فرمایا: وَ اَصْلَحَ کا مطلب ہے اس نے معصیت کو کلیۃً ترک کر دیا اور جس نے زنا کے ساتھ چوری کو ترک کیا اور نصرانیت کے ساتھ یہودیت کو ترک کیا تو یہ توبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کی نسبت ہو تو اس کا معنی ہے اللہ بندے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے السَّارِقَةُ سے پہلے اس آیت میں السَّارِقُ کا ذکر فرمایا ہے اور آیت زنا میں زانیۃ کا لفظ زانی سے پہلے ذکر کیا اس میں حکمت کیا ہے؟ جواباً یہ کہا جائے گا جب مال کی محبت مردوں پر زیادہ غالب ہوتی ہے اور لطف اندوز ہونے کی شہوت عورتوں پر غالب ہوتی ہے اسی وجہ سے دونوں جگہ اس انداز میں ذکر کیا۔ یہ ایک وجہ ہے عورت میں، جس کا بیان سورۃ النور میں آئے گا کہ زانی سے پہلے اس کا ذکر کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے چوری کی حد قطع ید فرمائی تا کہ مال کو شامل ہو اور زنا کی حد ذکر کا قطع کرنا نہیں فرمایا، حالانکہ برائی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی تین وجوہ ہیں (۱) چور کے لیے اس کی مثل ہاتھ موجود ہے جو کاٹا گیا ہے اگر ایک کاٹا گیا ہے تو دوسرا اس کا بدل موجود ہے جب کہ زانی کے لیے اس کی مثل ذکر نہیں ہے جب وہ کاٹا جائے گا تو اس کا بدل نہیں ہے (۲) حد، محدود وغیرہ کو روکنے کے لیے ہوتی ہے، چوری میں ہاتھ کاٹنا ظاہر ہے اور زنا میں ذکر کاٹنا باطن ہے (۳) ذکر کے کاٹنے میں نسل کا ابطال ہے اور قطع ید میں نسل کا ابطال نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 614

"کیا تو نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی، زمین کی سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کو خطاب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور کسی کے درمیان قرابت نہیں جو باہمی محبت کو ثابت کرے حتیٰ کہ کوئی یہ کہے: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں حد ہر اس شخص پر قائم کی جائے گی جو حد کے موجب کا ارتکاب کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ جو چاہے حکم کرے اسی وجہ سے محارب اور سارق غیر محارب کے درمیان فرق کیا۔ اس آیت کی نظائر پہلے گزر چکی ہیں اور ان میں کلام بھی تفصیلاً ہو چکی ہے پس اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ الموفق۔ یہ احکام تھے جو آیت سرقہ کے متعلق تھے۔ واللہ اعلم۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

"اے رسول! نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا: ہم ایمان لائے (صرف) اپنے منہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے وہ جاسوس ہیں دوسری قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمہیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اسے اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم تو بچو اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لیے اللہ سے کسی چیز کی یہ وہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ اس آیت کے سبب نزول میں تین اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے نازل ہوئی ایک قریظی نے نضیری کو قتل کر دیا۔ بنو نضیر جب بنی قریظہ کا قتل کرتے تو وہ انہیں قصاص نہ دیتے بلکہ وہ انہیں دیت دیتے تھے جیسا کہ آگے بیان آئے گا پس وہ فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرظی اور نضیری کے درمیان برابری کا فیصلہ کیا، بنونضیر کو یہ اچھا نہ لگا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا(1)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ابولبابہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے خیانت کی جب اس نے ان کی طرف ذبح کا اشارہ کیا(2)۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ یہودی مرد عورت کے زنا اور رجم کے قصہ میں نازل ہوئی۔ یہ اصح قول ہے۔ اس کو ائمہ حدیث امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا: حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''تم میرے پاس دو شخص اپنے میں سے پیش کرو جو زیادہ علم والے ہوں'' تو وہ صوریا کے بیٹوں کو لائے آپ نے ان سے اللہ کے واسطہ سے سوال کیا: ''تم تورات میں ان کے امر کو کیسے پاتے ہو'' انہوں نے کہا: ہم تورات میں پاتے ہیں کہ جب چار آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے اس کا ذکر اس کی فرج میں اس طرح دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سرچو ہوتا ہے تو انہیں رجم کیا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تمہیں ان کو رجم کرنے سے کیا مانع ہے'' انہوں نے کہا: ہمارا سلطان چلا گیا ہے پس ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا وہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے اس کا ذکر اس کی فرج میں سرمہ دانی میں سرچو کی طرح دیکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کا حکم دیا(3)۔

صحیحین کے علاوہ میں شعبی سے مروی ہے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اہل فدک میں سے ایک شخص نے زنا کیا، تو اہل فدک نے مدینہ کے یہود کی طرف لکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھو اگر وہ تمہیں کوڑوں کا حکم دے تو اسے قبول کرو اور اگر وہ تمہیں رجم کا حکم دے تو اسے قبول نہ کرو، انہوں نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ابن صوریا کو بلایا وہ ان کا عالم تھا اور وہ کانا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: ''میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں تم اپنی کتاب میں زنا کی حد کیسے پاتے ہو''۔ ابن صوریا نے کہا: چونکہ آپ نے اللہ کے واسطہ سے سوال کیا ہے ہم تورات میں یہ پاتے ہیں کہ دیکھنا زنا ہے، گلے ملنا زنا ہے، بوسہ دینا زنا ہے، اگر چار آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے اس کا ذکر اس کی فرج میں سرمہ دانی میں سرچو کی طرح دیکھا ہے تو رجم واجب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اسی طرح ہے، صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا اس کا منہ کالا کیا گیا تھا اور کوڑے لگائے گئے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا فرمایا: ''کیا تم زانی کی حد اپنی کتاب میں اس طرح پاتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ہاں، پھر آپ نے ان کے ایک عالم کو بلایا فرمایا: ''میں تجھ سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اس طرح پاتے ہو''، اس نے کہا: نہیں اگر آپ نے مجھے اللہ کا واسطہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے نہ بتاتا۔ ہم اس کی سزا رجم پاتے ہیں لیکن زنا ہمارے اشراف میں بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ جب ہم کسی شریف کو پکڑتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور جب کسی کمزور کو پکڑتے تھے تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ ہم نے کہا: آؤ ہم ایک

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 211　2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 210

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 256۔ ایضاً، حدیث نمبر 3862، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

چیز پر جمع ہو جائیں کہ ہم شریف اور وضیع پر حد قائم کریں گے پھر ہم نے رجم کی جگہ منہ کالا کرنا اور کوڑے لگانا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! میں پہلا ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جب کہ وہ اسے ختم کر چکے تھے۔ اس کے متعلق رجم کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ نازل فرمایا۔ انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اگر وہ تمہیں منہ کالا کرنے اور کوڑوں کا حکم دیں تو قبول کر لو اگر وہ تمہیں رجم کا فتویٰ دیں تو اسے چھوڑ دو پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝ ۔ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ ۔ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ یہ تمام کفار کے بارے میں ہے(1)۔ اس روایت میں اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزارا گیا اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے حتی کہ یہود کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم تورات میں زانی کی کیا سزا پاتے ہو'' (2)۔ (الحدیث)

ایک روایت میں ہے یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر آئے جنہوں نے زنا کیا تھا، اور ابو داؤد کی کتاب میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے ان کا ایک گروہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے قف وادی کی طرف بلایا آپ ان کے پاس بیت المدراس میں آئے، انہوں نے پوچھا: اے ابو القاسم! ہمارے ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا ہے ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیے (3)۔ ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے بہت عمدہ ذکر کی ہے، انہوں نے کہا: یہود کے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے: ہمیں اس نبی کے پاس لے جائیں، کیونکہ وہ نبی تخفیفات کے ساتھ مبعوث ہوا ہے، اگر تو وہ رجم سے کم کا فتویٰ دے تو ہم اسے قبول کر لیں گے اور اس کے ساتھ ہم اللہ کی بارگاہ میں حجت پیش کریں گے ہم کہیں گے: تیرے انبیاء میں سے ایک نبی نے فتویٰ دیا ہے۔ فرمایا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آپ مسجد میں صحابہ میں بیٹھے تھے انہوں نے عرض کی اے ابا قاسم! آپ ایسے مرد اور عورت کے بارے کیا کہتے ہیں جنہوں نے بدکاری کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کلام نہ کی حتیٰ کہ بیت المدراس میں آئے، پس آپ دروازے پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم تورات میں زانی کی کیا سزا پاتے ہو جب کہ وہ شادی شدہ ہو؟'' انہوں نے کہا: اس کا منہ کالا کیا جائے گا اس مرد اور عورت کو گدھے پر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے بٹھایا جائے گا اور انہیں شہر کا چکر لگوایا جائے گا۔ ان میں سے ایک نوجوان خاموش تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خاموش دیکھا تو اس سے پھر اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا۔ تو اس نے کہا: جب آپ اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں تو ہم تورات میں رجم پاتے ہیں۔ یہاں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 70　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 254　　3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 255

تک حدیث کو چلایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تورات کے مطابق فیصلہ کروں گا'' پس آپ نے رجم کرنے کا حکم دیا (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ یہود نے نبی کریم ﷺ سے فیصلہ کروایا تو آپ ﷺ نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا اور اس کو صوریا کے بیٹوں کی طرف منسوب کیا۔ آپ نے یہود کی شہادت سنی اور اس کے مطابق عمل کیا۔ اسلام، احصان میں شرط نہیں۔ یہ چار مسائل ہیں: جب ذمی لوگ امام کے پاس فیصلہ لے آئیں اگر انہوں نے کوئی ظلم وزیادتی کی ہے یا غصب کیا ہے تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور انہیں اس ظلم وزیادتی سے منع کرے گا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر ایسا مسئلہ نہ ہو تو امام کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور فیصلہ نہ کرنے کا بھی اختیار ہے۔ یہ امام مالک اور امام شافعی کا نظریہ ہے لیکن امام مالک ان سے اعراض کو اولیٰ سمجھتے ہیں اگر وہ فیصلہ کرے گا تو اسلام کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: حدود میں ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ہر حال میں ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ یہی زہری، عمر بن عبد العزیز اور حکم کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے یہی امام شافعی کا ایک قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا۔ اس کا مزید بیان آگے آئے گا۔ امام مالک نے اس ارشاد سے حجت پکڑی ہے: **فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ**۔ یہ تخییر میں نص ہے۔ ابن القاسم نے فرمایا: جب ان کے بشپ اور زنا کرنے والے آئیں تو حاکم کو اختیار ہے، کیونکہ حکم کا نافذ کرنا بشپ کا حق ہے۔ اور مخالف کہتا ہے بشپ کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول اصح ہے، کیونکہ دو مسلمان اگر اپنے درمیان کسی کو حکم بنا دیں تو اس کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے، حاکم کی رضا کا اعتبار نہیں کیا جاتا، پس کتابی اس کے اولیٰ مستحق ہیں۔ عیسیٰ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے وہ اہل ذمہ نہ ہوں بلکہ وہ اہل حرب ہوں۔ ابن عربی نے کہا ہے: وہ جو عیسیٰ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے اور انہوں نے یہ اس روایت سے لیا ہے جو طبری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ دو زنا کرنے والے اہل خیبر یا فدک سے تھے وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے والے تھے، زانیہ کا نام بسرہ تھا اور انہوں نے مدینہ کے یہود کی طرف پیغام بھیجا کہ تم حضرت محمد ﷺ سے اس کے متعلق پوچھو۔ اگر وہ تمہیں بغیر رجم کے فیصلہ سنائیں تو وہ قبول کر لو اور اگر وہ تمہیں رجم کا فیصلہ سنائیں تو اس سے اجتناب کرو (2)۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ صحیح ہوتا تو ان کا زانیوں کو لانا اور ان کا سوال کرنا عہد وامان ہوتا اگر عہد اور ذمہ نہ ہوتا تو ان کے متعلق آپ کو رکنے کا حکم ہوتا اور ان میں عدل کا حکم ہوتا ہے، پس عیسیٰ کی روایت کے لیے کوئی جہت نہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی: **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ**۔ (3) جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے، وہ جاسوس ہیں دوسری قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس۔

جب نبی کریم ﷺ کو انہوں نے حکم بنایا تو آپ کا فیصلہ ان میں نافذ ہو گا ان کے لیے رجوع کی گنجائش نہیں پس جو کسی کو دین میں حکم بناتا ہے تو یہ مسئلہ بنتا ہے (4)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 255 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 621 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 622 4۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 3۔ اس کی اصل یہ آیت ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کو حکم بنالے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اگر وہ قاضی کے پاس فیصلہ جائے گا تو وہ اسے قائم رکھے گا مگر یہ کہ وہ فیصلہ صراحۃً ظلم ہو(1)۔ سحنون نے کہا: اگر قاضی اسے درست دیکھے گا تو وہ اسے قائم رکھے گا(2)۔ ابن عربی نے کہا: یہ اموال اور ان حقوق میں ہوگا جو طالب کے ساتھ خاص ہیں رہی حدود تو اس میں حکم کا فیصلہ نہ ہوگا مگر سلطان کا فیصلہ نافذ ہوگا، ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ حق جس کے ساتھ دو جھگڑے والے خاص ہیں اس میں تحکیم جائز ہے اور محکم کی اس میں تحکیم نافذ ہوگی (3)، اس کی تحقیق یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان تحکیم وہ ان کا حق ہے حاکم کا حق نہیں ہے مگر تحکیم کی اجازت، ولایت کے قاعدہ کو ختم کرنا ہے اور یہ لوگوں کو لڑانے تک پہنچانے والا ہے جس طرح گدھے لڑتے ہیں، کسی فاصل کا ہونا ضروری ہے، شرع نے والی کو قائم کرنے حکم دیا تاکہ جنگ کا قاعدہ ختم ہو جائے اور والی سے تخفیف کرتے ہوئے تحکیم میں اجازت دی گئی اور لوگوں کو مقدمہ لے جانے کی مشقت میں تخفیف کی خاطر تحکیم کی اجازت دی گئی تاکہ دونوں مصلحتیں مکمل ہو جائیں اور فائدہ حاصل ہو جائے۔

امام شافعی وغیرہ نے کہا: تحکیم جائز ہے اور یہی فتویٰ ہے (4)۔ بعض علماء نے کہا: یہود پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کی کتاب کے حکم کو قائم کرنا تھا، کیونکہ انہوں نے اس میں تحریف کی تھی اور اس کو چھپا دیا تھا اور ان پر عمل ترک کر دیا تھا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا: اے اللہ! میں تیرے امر کو پہلا زندہ کرنے والا ہوں جب کہ وہ (یہود) اسے مردہ کر چکے تھے(5)'' یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اسی وجہ سے آپ نے صوریا کے بیٹوں سے تورات کے حکم کے متعلق پوچھا اور آپ نے اس سے قسم طلب کی۔ حدود میں کفار کے اقوال اور ان پر ان کی شہادت بالاجماع غیر مقبول ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بطریق الزام یہ فیصلہ کیا جس کا انہوں نے التزام کیا ہوا تھا اور اس پر عمل پیرا تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ علم کے طریق کا حصول وحی کے ساتھ ہوا تھا اور اس پر عمل پیرا تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ علم کے طریق کا حصول وحی کے ساتھ ہو یا اللہ تعالیٰ نے صوریا کے بیٹوں کی تصدیق آپ کے دل میں ڈال دی ہو یہ فیصلہ آپ نے ان کے قول پر نہ فرمایا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان فرمایا اور رجم کی مشروعیت کی خبر دی اس کا آغاز اس وقت سے ہے، پس تورات کا حکم جو آپ نے قائم فرمایا اس سے یہ فائدہ ملتا ہے اور آپ نے بیان فرمایا کہ یہ شریعت کا حکم ہے اور تورات اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا** آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء میں سے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے آپ سے روایت کیا ہے ''میں اس کے مطابق فیصلہ کروں گا جو تورات میں ہے'' (6)۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور علماء ذمی کی شہادت کو رد کرتے ہیں، کیونکہ وہ شہادت کا اہل نہیں اس کی شہادت نہ کافر کے مخالف قبول ہوگی اور نہ مسلمان کے مخالف مقبول ہوگی۔ اور تابعین وغیرہم کی ایک جماعت نے ان کی شہادت قبول کی ہے جب کوئی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 622 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 187 6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 255

مسلمان گواہ موجود نہ ہو اس کا بیان سورہ کے آخر میں آئے گا۔ اگر کہا جائے کہ آپ ﷺ نے ان کی شہادت پر فیصلہ کیا تھا اور زانیوں کو رجم کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ان پر نافذ ہوا جو آپ نے جانا کہ یہ تورات کا حکم ہے اور ان پر اس کے مطابق عمل کرنے کو لازم کیا جس کے مطابق بنی اسرائیل عمل کرتے تھے یہ ان پر حجت کو لازم کرنے کے لیے تھا اور ان کی تحریف اور تبدیلی کے اظہار کے لیے تھا آپ نافذ کرنے والے تھے نہ کہ فیصلہ کرنے والے تھے۔ یہ پہلی تاویل پر ہے اور جو احتمال ذکر کیا گیا ہے اس تاویل پر ہے اس صورت میں یہ اس واقعہ کے ساتھ خاص ہوگا، کیونکہ صدر اول میں کوئی ایسا نہیں سنا گیا جس نے ان کی شہادت قبول کی ہو۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَحْزُنْكَ نافع نے یا کے ضمہ اور زا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے یا کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الحُزن اور الحَزَن، سرور (خوشی) کی ضد ہے حَزِن الرجلُ فهو حَزِن و حزين و احزنه غيره و حزنه۔ اسی طرح أسْلَكَه اور سَلَكَهٗ ہے۔ محزون اس پر بنایا گیا ہے۔ یزیدی نے کہا: حزنه قریش کی لغت ہے احزنة تمیم کی لغت ہے دونوں طرح پڑھا گیا ہے احتزن و تحزن کا ایک ہی معنی ہے۔ آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے یعنی کفر کی طرف ان کی جلدی سے پریشان نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف تمہاری مدد کا وعدہ کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ یہ منافق ہیں۔ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے جیسا کہ ان کی زبانیں ایمان کا اقرار کر رہی ہیں۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہود مدینہ۔ یہاں کلام مکمل ہے، پھر آغاز کیا فرمایا: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ یعنی وہ جاسوسی کرنے والے ہیں اس کی مثل ہے طوافون علیکم بعض نے فرمایا: کلام کی ابتدا مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سے ہے یعنی یہود میں سے ایک قوم ہے جو جھوٹ سنتے ہیں یعنی اپنے رؤسا کے جھوٹ کو قبول کرتے ہیں، یعنی تورات میں جو وہ تحریف بیان کرتے ہیں اسے قبول کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اے محمد! ﷺ وہ آپ کا کلام سنتے ہیں تا کہ آپ پر جھوٹ بولیں۔ ان میں کچھ ایسے لوگ تھے جو نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے پھر عام لوگوں کے پاس آپ ﷺ پر جھوٹ لکھتے تھے، ان کے سامنے آپ کی توہین کرتے تھے۔ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ کا یہ معنی ہے منافقین میں ایسے لوگ تھے جو ایسا کرتے تھے۔ فراء نے کہا: ساعین اور طوافین جائز ہے جیسے فرمایا: ملعونین اینما ثقفوا اور اسی طرح فرمایا: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ (طور) پھر فرمایا فٰكِهِيْنَ، اٰخِذِيْنَ۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جاسوس کا اس آیت میں ذکر کیا سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ(1) نبی کریم ﷺ نے ان سے تعرض نہیں فرمایا، حالانکہ آپ کو ان کے متعلق علم تھا، کیونکہ اس وقت احکام پختہ نہیں ہوتے تھے اور اسلام کو قوت حاصل نہ تھی جاسوس کا حکم سورۃ الممتحنہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ وہ آپ سے کلام کو سمجھنے کے بعد دوسری

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 192

تاویلیں کرتے ہیں، حالانکہ اس محمل کو جانتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اور احکام کو بیان فرمایا ہے۔ پس انہوں نے کہا: شریعت رجم کا ترک ہے اور انہوں نے رجم کا بدل چالیس کوڑے بنا دیئے یہ اللہ کے حکم میں تبدیلی تھی۔

یُحَرِّفُوْنَ، **سَمّٰعُوْنَ** کی صفت ہے **یَاْتُوْكَ** میں جو ضمیر ہے اس سے حال نہیں ہے، کیونکہ جب وہ نہ آئے تو نہ سنا۔ تحریف یہ ہے کہ وہ موجود ہو، سنے پھر تبدیلی کرے۔ تبدیلی کرنے والے بعض یہود تھے سب نہیں تھے۔ اسی وجہ سے **مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا** کا معنی فریق سماعون زیادہ درست ہے۔ **یَقُوْلُوْنَ** یہ **یُحَرِّفُوْنَ** کی ضمیر سے حال ہے۔ **اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ** یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کوڑوں کا قول لائیں تو قبول کرو ورنہ نہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ**۔ فتنہ سے مراد دنیا میں اس کی گمراہی اور آخرت میں سزا ہے (2)۔ **فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا** تو تو اسے نفع نہیں پہنچائے گا۔ **اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ** یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان ہے کہ اس نے ان پر کفر کا فیصلہ کر دیا ہے۔ یہ آیت دلیل ہے کہ ضلال، اللہ کی مشیئت سے ہے۔ ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے خلاف کہتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یعنی ان کے دلوں پر مہر لگانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا جس طرح اس نے مومنین کو ثواب دینے کے لیے مومنین کے دلوں کو پاک کیا ہے۔ **لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ** بعض علماء نے فرمایا: ان کی یہ رسوائی تھی جب انہوں نے رجم کا انکار کیا پھر تورات لائی گئی اور اس میں رجم کا حکم پایا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: دنیا میں ان کی رسوائی یہ ہے کہ ان سے جزیہ لیا گیا اور ذلت ان پر مسلط کی گئی۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝

''قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو، بڑے حرام خور ہیں تو اگر وہ آئیں آپ کے پاس تو چاہے فیصلہ فرمایئے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے ان سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو نہ نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمایئے ان میں انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ** تاکید اور تفخیم کے لیے مکرر ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ** یعنی کثرت سے رشوت کھاتے ہیں۔ سحت کا لغوی معنی ہلاکت اور شدت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ** (طٰہٰ: 61) وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے۔

فرزدق نے کہا:

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 256 2۔ ایضاً

وعَضُّ زمان یا بنَ مَرْوان لم یَدعْ   من المال إلّا مُسْحَتاً أومُجَلَّفُ

اس طرح روایت ہے۔ أو مُجَلَّفُ مرفوع ہے معنی پر عطف کی بنا پر، کیونکہ لم یدع کا معنی ہے لم یبق حالق (مونڈنے والے) کو کہا جاتا ہے: اسحت یعنی اس نے اسے جڑ سے اکھیڑ دیا حرام مال کو سحت کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ نیکیوں کا صفایا کر دیتا ہے اور انہیں کلیۃً ختم کر دیتا ہے۔ فراء نے کہا: اس کی اصل کلب الجوع ہے کہا جاتا ہے: رجل مسحوت المعدۃ۔ یعنی جس کا معدہ ہی نہ ہو۔ گویا وہ رشوت لینے والا ہے اور حرص کی وجہ سے حرام کھانے والا ہے جو اسے دیا جاتا ہے، اس شخص کی مانند ہے جو حرص کی وجہ معدہ ہی نہیں رکھتا۔ حرام کو سحت کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ انسان کی مروت کو ختم کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول اولیٰ ہے، کیونکہ دین کے جانے کے ساتھ مروّت بھی چلی جاتی ہے اس کی مروّت نہیں جس کا دین نہیں۔ حضرت ابن مسعود وغیرہ نے کہا: السحت سے مراد رشوت ہے (1)۔ حضرت عمر بن خطاب نے کہا: حاکم کی رشوت سحت سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''ہر وہ گوشت جو السحت سے پیدا ہوتا ہے آگ اس کی مستحق ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم السحت کیا ہے؟ فرمایا: فیصلہ میں رشوت لینا'' (2)۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: السحت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی کوئی حاجت پوری کرے، پھر وہ اسے ہدیہ دے تو وہ اسے قبول کرلے۔ ابن خویز منداد نے کہا: السحت یہ ہے کہ آدمی اپنے مرتبہ کی وجہ سے مال کھائے۔ یہ اس طرح ہے کہ سلطان کی بارگاہ میں مرتبہ ہو، پھر کوئی انسان اس سے حاجت طلب کرے تو وہ اس کی حاجت پوری نہ کرے مگر رشوت لے کر۔ سلف صالحین کا کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کے حق کو باطل کرنے کے لیے رشوت لینا جائز نہیں اس پر رشوت لینا سخت حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: جب حاکم رشوت لے گا تو وہ اسی وقت معزول ہو جائے گا اگرچہ اسے معزول نہ بھی کیا جائے اور رشوت لینے کے بعد اس کا ہر فیصلہ باطل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اختلاف کرنا جائز نہیں ان شاء اللہ، کیونکہ رشوت لینا فسق ہے اور فاسق کا فیصلہ جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے'' (3)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: سحت سے مراد رشوت، کاہن کی کمائی اور فیصلہ پر مال لینا ہے (4)۔ وہب بن منبہ سے مروی ہے ان سے پوچھا گیا: کیا رشوت ہر چیز میں حرام ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں رشوت وہ ناپسندیدہ ہے جو تو اس لیے دے تاکہ تجھے وہ مل جائے جو تیری نہیں ہے یا تو اس حق کو دور کرنے کے لیے دے جو تجھ پر لازم ہے، لیکن جو رشوت تو اپنے دین، اپنے خون اور اپنے مال کو بچانے کے لیے دے وہ حرام نہیں۔ ابو اللیث سمرقندی نے کہا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنے نفس اور اپنے مال کی حفاظت کے لیے دے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود سے یہ مروی ہے وہ حبشہ میں تھے تو انہوں نے دو دینار رشوت دیئے اور فرمایا: گناہ رشوت لینے والے پر ہے نہ کہ دینے والے پر۔ مہدوی نے کہا: جس نے حجام (پچھنے لگانے والا) کی کمائی کے ساتھ سحت کا ذکر کیا اس کا مطلب ہے کہ رشوت لینے والے کی مروءت کو ختم کر دیتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 288	2۔ ایضاً

3۔ جامع ترمذی، کتاب الاحکام، جلد 1، صفحہ 159۔ ایضاً، ابن ماجہ، حدیث 2303، ضیاء القرآن پبلی کیشنز	4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 289

میں کہتا ہوں: حجام (پچھنے لگانے والا) کی کمائی پاک ہے جس نے کوئی پاک چیز لی اس کی مروت ساقط نہیں ہوتی اور اس کا مرتبہ کم نہیں ہوتا۔ امام مالک نے حمید الطویل سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور ابوطیبہ نے آپ ﷺ کو پچھنے لگائے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا تھا اور اس کے مالکوں کو اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی تھی (1)۔ ابن عبدالبر نے کہا: یہ دلیل ہے کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی پاک ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ ثمن بنایا، جعل (انعام) بنایا نہ کسی باطل چیز کا عوض بنایا۔ حضرت انس کی حدیث اس حدیث کے لیے ناسخ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے خون کی کمائی کو حرام قرار دیا اور پچھنے لگانے والے کے اجارہ سے جو مکروہ فرمایا اس کے لیے بھی ناسخ ہے۔ بخاری، ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگوانے والے کو اجرت دی، اگر یہ حرام ہوتی تو آپ اسے عطا نہ فرماتے (2)۔ السُحُت اور السُحْت دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ابوعمرو، ابن کثیر اور کسائی نے دونوں ضموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے صرف سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عباس بن فضل نے خارجہ بن مصعب سے انہوں نے نافع سے اَکّٰلُوْنَ لِلسَّحْتِ سین کے فتحہ اور حا کے سکون کے ساتھ روایت کیا ہے۔ زجاج نے کہا: سحتہ کا معنی تھوڑا تھوڑا لے جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخییر ہے۔ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے اس کا معنی گزر چکا ہے کہ وہ ایسے لوگ تھے جن سے معاہدہ تھا، ذمی نہیں تھے۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ آئے تو یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ ہم پر کفار کے درمیان فیصلہ کرنا واجب نہیں جب کہ وہ ذمی نہ ہوں بلکہ فیصلہ کرنا جائز ہے اگر ہم چاہیں۔ رہے اہل ذمہ تو کیا ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے جب وہ ہمارے پاس معاملہ لے آئیں؟ اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں: اگر تو کسی ذمی کا مسلمان سے جھگڑا ہے تو فیصلہ کرنا واجب ہے۔ مہدوی نے کہا: علماء کا اجماع ہے کہ حاکم پر واجب ہے کہ وہ مسلمان ذمی کے درمیان فیصلہ کرے اور دو ذمیوں کا فیصلہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: آیت محکمہ ہے اور حاکم کو اختیار دیا گیا ہے، یہ نخعی اور شعبی وغیرہما سے مروی ہے (3)، یہ امام مالک اور امام شافعی وغیرہما کا مذہب ہے (4)۔ مگر امام مالک سے مروی ہے کہ زنا میں اہل کتاب پر حد قائم نہیں کی جائے گی، اگر مسلمان نے ذمیہ سے زنا کیا تو اسے حد لگائی جائے گی اور عورت پر حد نہ ہوگی۔ اگر دونوں زنا کرنے والے ذمی ہوں تو دونوں پر حد نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: انہیں کوڑے لگائیں جائیں گے اور انہیں رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی، امام ابویوسف اور ابوثور وغیرہم نے کہا: ان دونوں پر حد ہوگی اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہو کر آئیں۔

ابن خویز منداد نے کہا: جب وہ ایک دوسرے پر تعدی کریں تو امام انہیں نہیں بلائے گا اور خصم کو امام کی مجلس میں حاضر نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس معاملہ کا تعلق ایسے مظالم سے ہو جن کی وجہ سے فساد پھیلتا ہو جیسے قتل ہے اور منازل کا چھیننا وغیرہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 1، صفحہ 283
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 130۔ ایضاً، حدیث 2969، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 258
4۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 436

ہے، رہے قرض، طلاق اور باقی تمام معاملات تو ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا مگر ان کی باہمی رضامندی کے ساتھ۔ قاضی کو اختیار ہے کہ وہ ان کا فیصلہ نہ کرے اور انہیں ان کے حکام کی طرف لوٹا دے۔ اگر وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا تو اسلام کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے گا اور رہا مسلمانوں کے قانون پر انہیں مجبور کرنا جن کی وجہ سے انتشار پھیلتا ہو تو ہمارے اور ان کے معاہدہ کے فساد پر نہیں ہے بلکہ فساد کو ان سے اور دوسرے لوگوں سے دور کرنا واجب ہے، کیونکہ اس میں ان کے اموال اور خون کی حفاظت ہے، شاید ان کے دین میں اس کی اباحت ہو لیکن اس سے ہمارے درمیان انتشار پھیلتا ہو۔ اسی وجہ سے ہم نے انہیں سر عام شراب بیچنے سے منع کیا اور زنا اور دوسری برائیوں کے اظہار سے منع کیا تا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کے بے وقوف لوگ خراب نہ ہوں۔ رہا وہ حکم جو ان کے دین کے متعلق ہے مثلاً طلاق، زنا وغیرہ ان پر لازم نہیں کہ وہ ہمارے دین کی پیروی کریں ایسی صورت میں ان کے احکام کو نقصان دینا اور ان کی ملت کو تبدیل کرنا ہے، لیکن دیون اور معاملات اس طرح نہیں ہیں، کیونکہ ان میں مظالم اور قطع فساد کی وجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت میں ایک دوسرا قول بھی ہے وہ جو حضرت عمر بن عبدالعزیز اور نخعی سے مروی ہے کہ مذکورہ تخییر اس ارشاد سے منسوخ ہے: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ حاکم پر واجب ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ یہ عطاء خراسانی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، عکرمہ سے مروی ہے فرمایا: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ کو دوسری آیت وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ نے منسوخ کر دیا۔ مجاہد نے کہا: سورۃ المائدہ سے صرف دو آیتیں منسوخ ہیں۔ ایک یہ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ اس کو وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ نے منسوخ کر دیا اور دوسری یہ آیت لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ اس کو فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ: 5) نے منسوخ کر دیا۔

زہری نے کہا: سنت گزر چکی ہے کہ اہل کتاب اپنے حقوق اور مواریث میں اپنے علماء کی طرف لوٹائے جائیں لیکن اگر وہ اللہ کے فیصلہ میں رغبت کرتے ہوئے آئیں تو ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ سمرقندی نے کہا: یہ قول امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں۔ نحاس نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ منسوخ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے تو آغاز میں یہ حکم نازل ہوا، اس وقت مدینہ میں یہود بہت تھے۔ ان کی اصلاح اس میں تھی کہ انہیں اپنے علماء کی طرف لوٹایا جائے جب اسلام طاقتور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ اور زہری، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور سدی کا قول ہے۔ یہ امام شافعی کے قول سے صحیح یہی ہے انہوں نے کتاب الجزیہ میں فرمایا: حاکم کو کوئی اختیار نہیں جب وہ اس کے پاس اپنا فیصلہ لے آئیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ (توبہ) یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔

نحاس نے کہا: یہ احتجاجات میں صحیح ترین ہے، کیونکہ جب وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ کے ارشاد کا یہ معنی ہو کہ ان پر مسلمان کے احکام

جاری ہوں گے تو واجب ہے کہ انہیں ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے اور یہ واجب ہے تو آیت منسوخ ہوئی۔ یہی امام ابو حنیفہ، امام زفر، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ جب اہل کتاب امام کے پاس فیصلہ لے آئیں تو اسے ان سے اعراض کرنا جائز نہیں، مگر امام ابو حنیفہ نے فرمایا: عورت اور اس کا خاوند آئیں تو ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اگر صرف عورت آئے اور اس کا خاوند نہ ہو تو ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

باقی علماء نے کہا: فیصلہ کیا جائے گا۔ پس اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آیت منسوخ ہے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابن عباس کی توقیف اس میں ثابت ہے اگر حضرت ابن عباس سے حدیث مروی نہ ہوتی تو پھر ثابت ہوتا کہ یہ منسوخ ہے، کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ جب وہ امام کے پاس فیصلہ لے آئیں تو اس کے لیے ہے کہ وہ ان کے درمیان غور کرنے کے بعد ان کے درمیان غور کرے اگر وہ ان کے درمیان کوئی صحیح فیصلہ کرنے والا پائے تو اس کے پاس بھیج دے ورنہ ان سے اعراض نہ کرے بعض علماء کے نزدیک وہ فرض کا تارک ہوگا اور ایسا کام کرنے والا ہوگا جو اس کے لیے حلال اور جائز نہیں تھا۔ نحاس نے کہا: جنہوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے ان کا ایک دوسرا قول بھی ہے۔ بعض نے کہا: امام پر واجب ہے جب وہ اہل کتاب سے ایک کی حدود میں سے کسی حد کو جانے تو اسے قائم کرے اگرچہ وہ اس کے پاس فیصلہ نہ بھی لے آئیں۔ ان علماء نے وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے حجت پکڑی ہے کہ دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں جب وہ آپ کے پاس فیصلہ لے آئیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں اگرچہ وہ آپ کے پاس فیصلہ نہ بھی لائیں جب کہ آپ ان سے مسئلہ خود جان لیں۔ انہوں نے کہا: ہم نے کتاب و سنت میں پایا ہے کہ ان پر حد قائم کی جائے گی اگرچہ وہ ہمارے پاس فیصلہ نہ بھی لائیں۔ کتاب اللہ میں ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (النساء: 135) اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے۔

اور سنت میں حضرت براء بن عازب کی حدیث ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی گزرا جس کو کوڑے لگائے گئے تھے اور منہ کالا کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تمہارے ہاں زنا کرنے والے کی یہی حد ہے؟'' انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علماء میں سے ایک شخص کو بلایا فرمایا: ''میں تجھ سے اللہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں'' کیا تم میں زنا کرنے والے کی یہی حد ہے' اس نے کہا: نہیں (1)۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

نحاس نے کہا: انہوں نے حجت پکڑی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا فیصلہ فرمایا وہ ان کے پاس فیصلہ نہیں لائے تھے۔ اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ اس کو کہا جائے گا: امام مالک کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ جنہوں نے زنا کیا تھا وہ فیصلہ پر راضی ہوئے تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کیا تھا۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: جنہوں نے حضرت براء کی حدیث سے حجت پکڑی ہے اگر وہ غور کرتے تو اس سے حجت نہ پکڑتے، کیونکہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 187

فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا کی تفسیر ہے اس نے کہا: اگر وہ تمہیں کوڑوں کا اور منہ کالا کرنے کا فتویٰ دیں تو اسے قبول کرلو، اگر وہ رجم کا فیصلہ کریں تو اجتناب کرو۔ یہ دلیل ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا تھا۔ یہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں واضح ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں نہیں ہے کہ زانیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا تھا اور وہ آپ کے فیصلے سے راضی نہیں ہوئے تھے۔ اسے کہا جائے گا کہ زانی کی حد، اللہ کے حقوق میں سے ہے حاکم پر اس کا قائم کرنا لازم ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہود کے لیے حاکم تھا جو ان کے درمیان فیصلہ کرتا تھا اور ان پر حدود کو قائم کرتا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا تھا۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: قریظہ اور نضیر دو قبائل تھے۔ نضیر، قریظہ سے زیادہ معزز تھا، جب قریظہ کا کوئی شخص بنی نضیر کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو اس کے بدلے اسے قتل کیا جاتا اور جب بنی نضیر کا کوئی شخص بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ سو وسق کھجور دیت دیتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو بنی نضیر کے ایک شخص نے بنو قریظہ کا ایک شخص قتل کر دیا۔ انہوں نے کہا: اپنا آدمی ہمیں دو تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ انہوں نے کہا: ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ یعنی نفس کے بدلے نفس ہوگا اور یہ نازل ہوا (1) اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ۔

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں وہ ایماندار''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ۔ حسن نے فرمایا: اس سے مراد رجم ہے۔ قتادہ نے کہا: قصاص ہے (2)۔ کہا جاتا ہے: فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ کا قول دلالت کرتا ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے ابو علی نے کہا: ہاں اگر یہ منسوخ ہوتا تو نسخ کے بعد اس پر انہ حکم اللہ (یہ اللہ کا حکم ہے) کا اطلاق نہ ہوتا جیسا کہ شراب کی تحلیل یا ہفتہ کی تحریم پر اللہ کا حکم ہونے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی تیرے حکم سے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ابو علی نے کہا: جس نے اللہ کے حکم کے علاوہ کو طلب کیا جب کہ وہ اس سے راضی نہیں تو وہ کافر ہے یہی یہود کی حالت تھی۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَ مَنْ لَّمْ

1۔ سنن نسائی، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 239 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 214

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

''بے شک اتاری ہم نے تورات، اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ، پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت سے اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وہی لوگ کافر ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ یعنی بیان اور روشنی اور تعریف کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔ هُدًى محل رفع میں ہے مبتدا کی حیثیت سے اور نُوْرٌ اس پر معطوف ہے۔ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ بعض علماء نے فرمایا: النَّبِيُّوْنَ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد ہر وہ نبی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کی اقامت کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا۔ یہود نے کہا: انبیاء یہود تھے۔ نصاریٰ نے کہا: انبیاء نصاریٰ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا جھوٹ بیان فرمایا۔ اَسْلَمُوْا کا معنی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انہوں نے تورات کی تصدیق کی اور ان کے درمیان ہزار نبی تھے۔ کہا جاتا ہے: چار ہزار نبی تھے۔ کہا جاتا ہے: اس سے بھی زیادہ تھے، وہ تورات میں جو احکام تھے اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: اَسْلَمُوْا کا معنی ہے انہوں نے اللہ کے امر کی اطاعت کی جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے تھے۔ بعض نے فرمایا: وہ انبیاء اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، معنی ایک ہی ہے۔ لِلَّذِيْنَ هَادُوْا یہ علی الذین ھادوا کے معنی میں ہے لام بمعنی علی ہے، بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اس کے مطابق وہ انبیاء فیصلے کرتے رہے جو فرمانبردار تھے یہود کے حق میں تھے اور جو ان کے خلاف تھے۔ پس علیہم حذف کیا گیا ہے۔ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا یہاں مدح کے معنی میں نعت ہے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں ہے۔

هَادُوْا یعنی انہوں نے کفر سے توبہ کی (2)۔ بعض نے فرمایا: اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور ہے یہود کے لیے، اس کے مطابق حکم دیتے رہے انبیاء اور اللہ والے اور علماء۔ یعنی اس کے مطابق اللہ والے فیصلے کرتے رہے یہ وہ لوگ تھے جو لوگوں کو اپنے علم کے ذریعے چلاتے تھے اور بڑے بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے مسائل کے ساتھ ان کی تربیت کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے۔ آل عمران میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

ابو رزین نے کہا: الرَّبّٰنِيُّوْنَ سے مراد علماء، حکماء اور احبار ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد فقہاء ہیں۔ الحِبر اور الحَبر عالم آدمی کو کہتے ہیں۔ یہ التحبیر سے ماخوذ ہے جس کا معنی التحسین ہے۔ فھم یحبرون العلم یعنی وہ علم کو بیان کرتے ہیں اور اس کو مزین کرتے ہیں وھو محبر فی صدورھم اور وہ ان کے سینوں میں مزین ہے۔ مجاہد نے کہا:

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 214
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 215

الرَّبّٰنِيُّوْنَ، علماء سے بلند مرتبہ ہوتے ہیں (1)۔ اس پر الف لام مبالغہ کے لیے ہے۔ جوہری نے کہا: الحِبر اور الحَبر کا ایک معنی ہے۔ یہود کے علماء۔ اور کسرہ کے ساتھ افصح ہے، کیونکہ اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے، مفعول کے وزن پر نہیں آتی۔ فراء نے کہا: حِبر کسرہ کے ساتھ عالم کو کہا جاتا ہے۔ ثوری نے کہا: میں نے فراء سے پوچھا حَبر کو حَبر کیوں کہا جاتا ہے؟ انہوں نے کہا: عالم کو حَبر اور حِبر کہا جاتا ہے مراد مداد الحبر ہے یعنی عالم کی سیاہی ہے، پھر مداد کو حذف کیا گیا جیسا کہ فرمایا: وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) یعنی اهل القریة۔ فرمایا: میں نے اصمعی سے پوچھا انہوں نے فرمایا: یہ درست نہیں ہے۔ حِبر کو حَبر اس کی تاثیر کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: علی اسنانه حبر۔ یعنی اس کے دانتوں پر زردی یا سیاہی ہے۔ ابو العباس نے کہا: حَبر وہ ہے جس کے ساتھ خبر لکھتا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ وہ تحقیق کرتا ہے۔ ابو عبید نے کہا: میرے نزدیک احبار کا واحد حَبر ہے اس کا معنی ہے جو کلام کی تحبیر، علم کی معرفت و تحسین کو جانتا ہے۔ انہوں نے کہا: تمام محدثین اسی طرح خیال کرتے ہیں یعنی فتح کے ساتھ۔ حِبر جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور اس کی جگہ المِحبرۃ ہے یعنی دواۃ۔ حِبر کا معنی اثر ہے اور اس کی جمع حبور ہے۔ یہ یعقوب سے مروی ہے۔

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ یعنی اس کو علم ودیعت کیا گیا۔ الباء، الربانین اور الاحبار کے متعلق ہے گویا فرمایا: علماء جو محافظ ٹھہرائے گئے۔ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ یعنی وہ کتاب پر گواہ ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ نبی کریم کے حکم پر گواہ ہیں کہ یہ تورات میں ہے (2)۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ یعنی حضرت محمد ﷺ کی شان کے اظہار میں لوگوں سے نہ ڈرو اور رجم کے اظہار میں وَاخْشَوْنِ بلکہ اس کے چھپانے میں مجھ سے ڈرو۔ یہ خطاب یہود کے علماء کے لیے ہے اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے واجب حق کو چھپایا اور اسے ظاہر نہ کیا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کا معنی تفصیلاً گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝ ، کافرون، ظالمون اور فاسقون یہ سب کفار کے حق میں نازل ہوئے۔ یہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے جو حضرت براء سے مروی ہے۔ یہ پہلے گزر چکی ہے۔ رہا مسلمان تو وہ کافر نہیں ہوتا اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں اضمار ہے یعنی جو قرآن کو رد کرتے ہوئے اللہ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور رسول اللہ ﷺ کے قول کے انکار کی وجہ سے اللہ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس پر یہ آیت عام ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حسن نے فرمایا: یہ ہر اس شخص کو عام ہے جو مسلمان، یہود اور کفار میں سے اللہ کے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا یعنی وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو اور قرآن کے فیصلہ کے خلاف کرنا حلال سمجھتا ہو، مگر وہ شخص جس نے ایسا کیا لیکن یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ حرام کا ارتکاب کر رہا ہے تو وہ فاسق مسلمانوں میں سے ہے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب دے چاہے تو اسے معاف کر دے۔ حضرت ابن عباس نے ایک روایت میں فرمایا: جس نے اللہ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہیں کیا اس

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 215 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 216

نے ایسا فعل کیا جو کفار کے افعال کے مشابہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جو اللہ نے تمام نازل کیا اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ کافر ہے اور جس نے توحید کا فیصلہ کیا اور بعض شرائع کا فیصلہ نہ کیا تو وہ اس آیت میں داخل نہیں صحیح پہلا قول ہے مگر شعبی نے کہا: یہ یہود کے ساتھ خاص ہے۔ نحاس نے اس کو اختیار کیا فرمایا: اس پر تین چیزیں دلالت کرتی ہیں (۱) یہود کا پہلے لِلَّذِيْنَ هَادُوْا میں ذکر کیا گیا ضمیر کا مرجع وہ ہیں (۲) کلام کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اس کے بعد وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ ہے، یہ ضمیر بالا جماع یہود کی طرف راجع ہے، نیز یہود وہ ہیں جنہوں نے رجم اور قصاص کا انکار کیا۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے: من جب مجازاۃ کے لیے ہو تو عامۃ ہوتا ہے مگر جب اس کی تخصیص پر کوئی دلیل واقع ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں من بمعنی الذی ہے اس کی ہم نے ادلہ ذکر کی ہیں۔ یہود وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا یہ لوگ کافر ہیں، یہ عمدہ ہے اس میں سے جو کچھ اس کے بارے کہا گیا ہے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت حذیفہ سے ان آیات کے بارے میں پوچھا گیا: کیا یہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں ان کے حق میں ہیں لیکن تم ان کے راستہ پر برابر چلو گے جس طرح جوتا، جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا: الکافرون مسلمانوں کے لیے الظالمون، یہود کے لیے ہے اور الفاسقون نصاریٰ کے لیے ہے۔ یہ ابو بکر بن عربی کا اختیار ہے (1)۔ فرمایا: کیونکہ یہ آیات کا ظاہر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن زید، ابن ابی زائدہ، ابن شبرمہ اور شعبی کا مختار قول ہے۔ طاؤس وغیرہ نے کہا: کفر صرف ملت اسلامیہ (2) سے انکار نہیں ہوتا بلکہ کفر کے مراتب ہیں، کفر مختلف ہوتا ہے اگر وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے جو اس کے پاس ہے اس بنا پر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پس وہ اس کو تبدیل کرتا ہے جو موجب کفر ہے۔ اگر وہ خواہش نفس اور معصیت کی بنا پر ایسا فیصلہ کرتا ہے تو وہ گناہ ہے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے یہ اہل سنت کی اصل پر ہے کہ گناہگاروں کی مغفرت ہے۔ قشیری نے کہا: خوارج کا مسلک یہ ہے کہ جو رشوت لے اور اللہ کے حکم کے علاوہ فیصلہ کرے وہ کافر ہے۔ یہ قول حسن اور سدی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حسن نے یہ بھی کہا: اللہ تعالیٰ نے حکام سے تین عہد لیے ہیں (۱) وہ خواہش کی پیروی نہیں کریں گے (۲) وہ لوگوں سے نہیں ڈریں گے اور اس سے ڈریں گے (۳) اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت نہیں لیں گے۔

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لیے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لیے قصاص، تو جو شخص معاف کر دے بدلا تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 305 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 306

جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں''۔

اس آیت میں تیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے تورات میں نفسوں کے درمیان برابری کی ہے۔ پس یہود نے اس کی مخالفت کی اور گمراہ ہوئے۔ نضیری کی دیت زیادہ کر دی تھی اور نضیری کو، قرظی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا تھا اور قرظی کو نضیری کے بدلے قتل کیا جاتا، جب اسلام آیا تو اس مسئلہ میں بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا آپ نے برابری کا حکم فرمایا۔ بنو نضیر نے کہا: آپ نے ہمارا مرتبہ کم کر دیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ كَتَبْنَا کا معنی ہے ہم نے فرض کیا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے ان کی شریعت میں قصاص یا معافی تھی، ان میں دیت نہیں تھی جیسا کہ سورۃ البقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور دوسرے علماء نے اس آیت کی بنا پر فرمایا کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا، کیونکہ نفس کے بدلے نفس ہے (1)۔ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کسی چیز کے ساتھ خاص کیا تھا؟ فرمایا: نہیں مگر جو اس میں ہے، انہوں نے اپنی تلوار کی نیام سے ایک تحریر نکالی اس میں یہ تھا۔ مومنین کے خون برابر ہیں غیر مسلموں پر ان کا غلبہ ہے کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور کسی ذمی کو اس کے عہد میں قتل نہیں کیا جائے گا (ا)۔ نیز یہ آیت یہود کے رد کے لیے ہے کہ وہ قبائل میں فرق کرتے تھے وہ ایک قبیلہ سے ایک شخص کے بدلے ایک شخص کو پکڑتے تھے اور دوسرے قبیلہ سے دو شخصوں کے بدلے ایک شخص کو پکڑتے تھے۔ شافعی علماء نے کہا: یہ ہم سے پہلے کی شریعت کی خبر ہے (2) اور ہم سے پہلے کی شریعت ہمارے لیے شریعت نہیں۔ سورۂ بقرہ میں ان کے رد میں اتنا کلام گزر چکا ہے جو کافی ہے، وہاں مطالعہ کریں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ یہ اہل تورات پر فرض تھا وہ ایک ملت ہیں اور ان کے لیے ذمی لوگ اس طرح نہیں تھے جس طرح مسلمانوں کے لیے ذمی لوگ ہیں، کیونکہ جزیہ، فئی اور غنیمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو عطا فرمائی اس امت سے پہلے فئی کسی کے لیے نہ تھا۔ پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، پس اس آیت نے حکم کو بنی اسرائیل پر ثابت کیا، کیونکہ ان کے خون برابر تھے۔ یہ ہم میں سے کسی کے قول کی طرح ہے کہ مسلمانوں کے برابر ہیں کہ نفس کے بدلے نفس ہے، کیونکہ وہ ایک معین قوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ان لوگوں میں حکم ہے کہ ان کے نفس کے بدلے نفس ہے پس اس آیت کے حکم سے اہل قرآن پر یہ کہنا ثابت ہوتا ہے کہ ان کے لیے آپس میں معاملہ اس طرح ہوگا نفس کے بدلے نفس۔ قرآن میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ ملت کے اختلاف کے باوجود نفس کے بدلے نفس ہوگا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 225 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 627

(ا) سنن ابی داؤد، باب ايقاد المسلم بالكافر، حدیث نمبر 3927، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 2۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے کہا: جب کسی کو زخمی کیا جائے گا یا کان یا ہاتھ کاٹا جائے گا اور پھر اسے قتل کیا جائے گا تو ایسا کرنے والے کے ساتھ بھی ایسا کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ پس جو کچھ اس نے کیا اس کے ساتھ وہی کیا جائے گا اس سے وہ لیا جائے گا جو اس نے لیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اگر تو نے اس سے مثلہ کا قصد کیا تھا تو اس کا بھی مثلہ کیا جائے گا اگر لڑائی کے دوران ناک، کان کٹ گئے تو قاتل کو تلوار کے ذریعے قتل کیا جائے گا (1)۔ وہ یہ مثلہ کے بارے میں ثابت کرتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں میں لوہے کی سلاخیں پھیری تھیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ۔ نافع، عاصم، اعمش اور حمزہ نے تمام میں نصب پڑھی ہے اور ان کی تخفیف جائز ہے اور تمام کو عطف اور ابتدا کی وجہ سے رفع جائز ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر، ابوعمرو اور ابوجعفر نے الجروح کے علاوہ سب کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے (2)۔ کسائی اور ابوعبید وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ (3)۔ تمام میں رفع پڑھتے تھے۔ ابوعبید نے کہا: ہمیں حجاج نے بتایا انہوں نے ہارون سے انہوں نے عباد بن کثیر سے انہوں نے عقیل سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ پڑھا۔ رفع تین جہات سے ہے: مبتدا اور خبر کی جہت سے اس معنی پر کہ ان کا عطف اَنَّ النَّفْسَ کے مقام پر ہے، کیونکہ معنی یہ ہے کہ ہم نے کہا النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔ تیسری وجہ زجاج نے کہا: فی النفس میں مضمر پر عطف کی بنا پر ہوگا، کیونکہ النَّفْسَ میں ضمیر محل رفع میں ہے، کیونکہ تقدیر یہ ہے ان النفس ھی ماخوذۃ بالنفس پس اسماء ہی پر معطوف ہیں۔ ابن المنذر نے کہا: جس نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اس کو کلام کا آغاز بنایا ہے یعنی یہ مسلمانوں میں حکم ہے۔ یہ اصح قول ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ہے وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ اسی طرح مابعد کے کلمات میں خطاب مسلمانوں کو ہے اس کا انہیں حکم دیا گیا ہے جنہوں نے رفع کے ساتھ جروح کو خاص کیا ہے انہوں نے اس کا ماقبل سے تعلق نہیں جوڑا اور اس سے نئی کلام شروع کی ہے گویا اس کا خاص طور پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے اور اس کا ماقبل ان کی طرف متوجہ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت قصاص کے جاری ہونے پر دلالت کرتی ہے اور ابن شبرمہ نے الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ کے عموم کے ساتھ تعلق قائم کیا ہے کہ دائیں آنکھ، بائیں آنکھ کے بدلے میں پھوڑی جائے گی اس طرح اس کا عکس ہوگا اور انہوں نے اس کو دائیں اور بائیں ہاتھ میں جاری کیا، انہوں نے کہا: سامنے والے دانت کو داڑھ کے بدلے میں اور داڑھ کو سامنے والے دانت کے بدلے میں توڑا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام ہے: وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ۔ اور جنہوں نے اس کی مخالفت کی ہے وہ امت کے علماء ہیں وہ کہتے ہیں: دائیں آنکھ، دائیں آنکھ کے بدلے میں پھوڑی جائے گی اگر وہ موجود ہوگی، رضا کے ساتھ بائیں آنکھ کی طرف تجاوز نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے لیے یہ بیان کرتا ہے کہ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ سے مراد مجرم سے پوری مماثلت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 625 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 217 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 197

لینا ہے دوسری چیز کی طرف تعدی جائز نہیں جس طرح پاؤں سے ہاتھ کی طرف تعدی جائز نہیں اس میں کوئی شک نہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اجماع ہے کہ جب وہ دونوں خطاءً ضائع کی جائیں گی تو ان میں دیت ہوگی، اور ایک آنکھ میں نصف دیت ہوگی (1)، اور کانے شخص کی آنکھ جب پھوڑی جائے گی تو اس میں کامل دیت ہوگی (2) یہ حضرت عمر اور حضرت عثمان سے مروی ہے۔ یہی قول عبد الملک بن مروان، زہری، قتادہ، مالک، لیث بن سعد، احمد اور اسحاق کا ہے۔ بعض نے فرمایا: نصف دیت ہوگی۔ یہ حضرت عبد اللہ بن مغفل، مسروق، نخعی سے مروی ہے۔ یہی قول ثوری، شافعی اور نعمان کا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہم بھی یہی قول کرتے ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے ''دونوں آنکھوں کو ضائع کرنے میں دیت ہے'' (3)۔ معقول بھی اسی طرح ہے کیونکہ ایک آنکھ میں نصف دیت ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ظاہر قیاس ہے، لیکن علماء نے کہا: کانے شخص کی منفعت ایک آنکھ کے ساتھ سلامت شخص کی منفعت کی طرح ہے پس اس پر دیت بھی اس کے مطابق ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ کانے شخص کے بارے میں اختلاف ہے جب اس کی صحیح آنکھ پھوڑ دی گئی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی سے مروی ہے کہ اس پر قصاص نہیں اس پر دیت کامل ہے (4)۔ یہی قول عطا، سعید بن مسیب اور امام احمد بن حنبل کا ہے۔ امام مالک نے کہا: اگر وہ چاہے تو قصاص لے اور اسے اندھا کر دے اگر چاہے تو پوری دیت لے لے (کانے کی آنکھ کی دیت)۔ نخعی نے کہا: اگر چاہے تو قصاص لے لے، اگر چاہے تو نصف دیت لے لے (5)۔ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ثوری نے کہا: اس پر قصاص ہے۔ یہ حضرت علی سے بھی مروی ہے یہ حضرت مسروق، ابن سیرین اور ابن معقل کا قول ہے۔ ابن المنذر اور ابن عربی نے اس کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں آنکھوں میں دیت رکھی ہے اور ایک آنکھ میں نصف دیت رکھی ہے (6)۔ صحیح آنکھ والے اور کانے کے درمیان قصاص دوسرے لوگوں کے مابین قصاص کی ہیئت پر ہوگا۔ امام احمد بن حنبل کا قول یہ ہے کہ اس سے قصاص میں بعض کے بدلے میں تمام آنکھ لینا ہے اور یہ مساوات نہیں ہے اور جو حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی سے اس کے بارے میں مروی ہے امام احمد نے اس سے استدلال کیا ہے اور امام مالک کا متمسک یہ ہے کہ دلائل جب متعارض ہوں تو جس پر جنایت کی گئی ہے اسے اختیار دیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: قرآن کے عموم کو لینا اولیٰ ہے، کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ محفوظ و قبول ہے (7)۔

مسئلہ نمبر 7۔ کانے کی اس آنکھ کے بارے میں اختلاف ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا نہیں ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ اس میں سو دینار ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ اس میں آنکھ کی دیت کا تہائی ہے۔ اسحاق نے بھی یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس میں نصف دیت ہے، مسروق، زہری، امام مالک، امام شافعی، ابو ثور، نعمان نے کہا: اس میں قاضی کا فیصلہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہم بھی یہی کہتے ہیں، کیونکہ جو کچھ اس کے بارے میں کہا گیا ہے وہ کم از کم ہے۔

1۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب الدیۃ، جلد 9، صفحہ 222　2۔ ایضاً، جلد 9، صفحہ 225
3۔ سنن نسائی، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 251　4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629　5۔ ایضاً
6۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب الدیات، جلد 9، صفحہ 222　7۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629

مسئلہ نمبر 8۔ نظر کو ضائع کر دیا جب کہ آنکھ کے ڈھیلے باقی ہیں تو پوری دیت ہوگی اس میں اعمش و اخفش برابر ہیں۔ ایک آنکھ کی نظر ضائع کرنے میں نصف دیت ہے۔ ابن المنذر نے کہا: وہ بہتر ہے جو حضرت علی بن ابی طالب نے کہا ہے، انہوں نے صحیح آنکھ کو ڈھانپنے کا حکم دیا ایک شخص کو انڈا دیا وہ اسے لے کر گیا اور پیچھے وہ دیکھتا رہا حتی کہ اس کی نظر کی انتہا ہوگئی پھر آپ نے اس جگہ ایک خط کھینچنے کا حکم دیا پھر دوسری آنکھ کو ڈھانپنے کا حکم دیا اور صحیح آنکھ کھولی گئی، ایک شخص کو انڈا دیا وہ اسے لے کر گیا وہ اسے دیکھتا رہا حتی کہ اس کی نظر کی انتہا ہوگئی وہاں بھی خط کھینچنے کا حکم دیا پھر دوسری جگہ اس کے ساتھ ایسا کیا گیا تو برابر پایا گیا۔ پس اس کی آنکھ میں سے جتنی نظر کم ہوگئی تھی اتنا دوسرے کے مال سے دیا (1)۔ یہ امام شافعی کے مذہب پر ہے یہ ہمارے علماء کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بعض آنکھ پھوڑنے میں قصاص نہیں، کیونکہ اس کا پورا کرنا ممکن نہیں آنکھ میں قصاص کی کیفیت اس طرح ہوگی کہ شیشہ گرم کیا جائے گا، پھر دوسری آنکھ پر روئی رکھی جائے گی، پھر وہ شیشہ اس آنکھ کے قریب رکھا جائے گا حتی کہ اس کی پتلی بہ جائے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کو مہدوی اور ابن ربی نے ذکر کیا ہے (2)، آنکھ کی پلکوں میں اختلاف ہے، حضرت زید بن ثابت نے کہا: اس میں چوتھائی دیت ہے (3)، یہ شعبی، حسن، قتادہ، ابو ہاشم، ثوری، شافعی اور اصحاب الرائے کا قول ہے۔ شعبی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اوپر والی پلکوں میں تہائی دیت ہے اور نیچے والی میں 2/3 (دو تہائی) دیت ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ناک کو جب اصل سے کاٹ دیا جائے تو دیت ہے" (4)۔ ابن المنذر نے کہا: اس قول پر اہل علم کا اجماع ہے۔ ناک میں قصاص اس صورت میں ہے جب جنایت عمداً ہو تو تمام اعضاء کی طرح قصاص ہوگا جیسا کہ کتاب اللہ کا ارشاد ہے۔ ناک توڑنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک عمداً ایسے کرنے میں قصاص کا نظریہ رکھتے ہیں اور خطاءً میں اجتہاد کا نظریہ رکھتے ہیں۔ ابن نافع نے روایت کیا ہے کہ ناک کے لیے دیت نہیں حتیٰ کہ وہ اسے اصل سے ختم کر دے۔ ابو اسحاق تونسی نے کہا: یہ شاذ ہے، پہلا قول معروف ہے جب ہم معروف قول پر تفریع کریں گے تو بعض بینی میں اس کے حساب سے دیت ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: ناک میں سے جو کاٹا جائے گا اس کے حساب سے دیت ہوگی۔ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز اور شعبی سے مروی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

ابو عمر نے کہا: ناک کی بینی میں اختلاف ہے جب کاٹی جائے اور ناک اصل سے نہ کاٹے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ اس میں مکمل دیت ہے پھر اگر اس کے بعد اس میں سے کوئی چیز کاٹی گئی تو اس میں قاضی کا فیصلہ ہوگا۔ امام مالک نے فرمایا: ناک میں اس صورت میں دیت ہے جب کہ اس کی بینی کاٹی جائے یہ ہڈی سے کم ہے۔ ابن القاسم نے کہا: جو ہڈی سے بینا کاٹی جائے یا ہڈی سے ناک اصل سے کاٹ دی جائے آنکھوں کے نیچے سے تو اس میں دیت

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 87
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 628
3۔ مصنف عبد الرزاق، جلد 9، صفحہ 218
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 9، صفحہ 230۔ ایضاً، حدیث نمبر 3955، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوگی جیسے حشفہ (ذکر کا اگلا حصہ) میں دیت ہے۔ ذکر اصل سے کاٹنے میں دیت ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ ابن القاسم نے کہا: ناک چیری گئی یا توڑی گئی پھر وہ ٹیڑی ٹھیک ہوگئی تو اس میں اجتہاد ہے اس میں معلوم دیت نہیں ہے، اگر وہ بالکل صحیح لگ گئی تو اس میں کچھ نہیں۔ فرمایا: ناک میں کچھ نہیں ہے جب وہ چھیدی گئی، پھر وہ صحیح ٹھیک لگ گئی تو وہ موضحہ زخم کی طرح ہے اگر غلط ٹھیک ہوئی تو اس میں دیت ہوگی، کیونکہ اس میں سنت موجود ہے ناک چھیدنے میں کوئی اثر نہیں۔ فرمایا: ناک علیحدہ ہڈی ہے اس میں موضحہ نہیں ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا: اس میں جائفہ نہیں ہے۔ علماء کے نزدیک جائفہ زخم اس میں ہوتا ہے جس میں جوف (خلا) ہو۔ اور المارن (ناک بینی) اس جگہ کو کہتے ہیں جو ناک میں سے نرم ہوتی ہے، اسی طرح خلیل وغیرہ نے کہا۔ ابوعمر نے کہا: روثت سے مراد بینی ہے اور ارنب سے مراد اس کی طرف ہے۔ بعض نے فرمایا: ارنبة، الروثة اور العرتبة ناک کی طرف کو کہتے ہیں اس پر امام مالک، امام شافعی اور کوفی علماء کا نظریہ ہے۔ اور سونگھنے کی قوت جب کم ہوجائے یا ختم ہوجائے تو قاضی کا فیصلہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 12۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْاُذُنَ بِالْاُذُنِ۔ ہمارے علماء نے فرمایا: جس نے کسی کے دونوں کان کاٹ دیئے تو اس پر قاضی کا فیصلہ ہوگا، دیت اس پر قوت سماعت ضائع کرنے پر ہے اس کے نقصان میں اسی طرح قیاس کیا جائے گا جس طرح آنکھ میں قیاس کیا جاتا ہے۔ ایک کان کے ضائع کرنے میں نصف دیت ہے اور اگرچہ وہ صرف اسی کان سے سنتا ہو، بخلاف کانی آنکھ کے اس میں کامل دیت ہے۔ اشہب نے کہا: اگر کان کا مسئلہ ہو تو اس کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا تو دونوں کانوں سے جتنا سنتا ہے اتنا ہی اگر ایک کان سے سنتا ہے تو وہ میرے نزدیک آنکھ کی طرح ہے اگر سننے میں شک ہو تو مختلف جگہوں سے آواز دے کر تجربہ کیا جائے گا اس سے قیاس کیا جائے گا اگر برابر ہو یا قریب قریب ہوں تو اسے اتنا دیا جائے گا جتنا اس کی قوت سماعت کو ضائع کیا گیا اور اس پر اس سے قسم اٹھائی جائے گی۔ اشہب نے کہا: درمیانہ درجہ کی قوت سماعت کا اندازہ لگایا جائے اگر آزمایا جائے اور اس کا قول مختلف ہو تو اس کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔ عیسیٰ بن دینار نے کہا: جب اس کا قول مختلف ہوگا تو اس کے لیے کم از کم دیت ہوگی قسم کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 13۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ۔ ابن المنذر نے کہا: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے دانت کا قصاص لیا اور فرمایا: کتاب الله میں قصاص (کا حکم) ہے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے فرمایا: ''دانت میں پانچ اونٹ ہیں'' (1)۔ ابن المنذر نے کہا: ہم ظاہر حدیث کے مطابق کہتے ہیں ثنایا دانتوں کو انیاب، اضراس رباعیات دانتوں پر کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ تمام ظاہر حدیث میں داخل ہیں اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ جنہوں نے ظاہر حدیث کو لیا انہوں نے کسی دانت کو دوسرے دانت پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ ان علماء میں عروہ بن زبیر، طاؤس، زہری، قتادہ، امام

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 194۔ ایضاً، حدیث نمبر 2640، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3954، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مالک، ثوری، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، نعمان اور ابن الحسن ہیں۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ سے مروی ہے۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے ہم نے حضرت عمر بن خطاب سے اس کو روایت کیا انہوں نے سامنے والے دانتوں میں پانچ فرائض کا فیصلہ فرمایا یہ پچاس دینار ہیں اور ہر فریضہ کی قیمت دس دینار ہے اور داڑھوں میں ایک ایک اونٹ کا فیصلہ کیا۔ عطا کہتے ہیں: دانتوں، رباعیات، نابین میں پانچ پانچ اونٹ ہیں اور باقی میں دو دو اونٹ ہیں اوپر والے اور نیچے والے دانت برابر ہیں، داڑھیں برابر ہیں۔

ابوعمر نے کہا: موطا میں امام مالک نے جو یحییٰ بن سعید نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے داڑھوں میں ایک ایک اونٹ کا فیصلہ کیا ہے تو اس کا مطلب ہے داڑھیں بیس ہیں، دانت بارہ ہیں۔ چار ثنایا ہیں، چار رباعیات ہیں، چار انیاب ہیں۔ حضرت عمر کے قول پر دیت اسی اونٹ ہوں گے، دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں، داڑھوں میں ایک ایک اونٹ ہے۔ حضرت معاویہ کے قول پر داڑھوں اور دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں اس طرح دیت ایک سو ساٹھ اونٹ ہو جائے گی۔ سعید بن مسیب کے قول پر داڑھوں میں دو دو اونٹ ہیں یہ بیس داڑھیں ہیں ان کے لیے چالیس اونٹ واجب ہوں گے۔ دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں، یہ ساٹھ اونٹ ہو جائیں گے یہ سو اونٹوں کا تتمہ ہے یہ اونٹوں سے کامل دیت ہے۔ علماء کے درمیان اختلاف داڑھوں میں ہے نہ کہ دانتوں میں ہے۔ ابوعمر نے کہا: صحابہ اور تابعین میں سے علماء کا اختلاف دانتوں کی دیت میں ہے۔ ایک دوسرے پر ان کی تفضیل بھی بہت زیادہ ہے۔

حجت، امام مالک، ابوحنیفہ اور ثوری کے نظریہ کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''اونٹوں میں سے پانچ دانت کی دیت ہیں(1)'' اور داڑھ بھی دانتوں میں سے دانت ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انگلیاں برابر ہیں، دانت برابر ہیں، ثنیہ اور داڑھ برابر ہیں، یہ اور یہ برابر ہیں'' (2)۔ یہ نص ہے جسے ابو داؤد نے تخریج کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر لیا(3)۔ ابوعمر نے کہا: ان آثار پر فقہاء اور جمہور اہل علم کا نظریہ ہے کہ دیت میں انگلیاں تمام برابر ہیں دیت میں، تمام دانت برابر ہیں، ثنایا اور داڑھیں، انیاب، ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں جیسا کہ عمرو بن حزم کی کتاب میں ہے۔ ثوری نے ازہر بن محارب سے روایت کیا ہے فرمایا: شریح کے پاس دو شخص جھگڑا لے کر آئے ایک نے دوسرے کے ثنیہ کو مارا تھا اور دوسرے نے اس کی داڑھ پر مارا تھا، شریح نے کہا: ثنیہ اور اس کا جمال، داڑھ اور اس کی منفعت دانت کے بدلے دانت ہے۔ ابوعمر نے کہا: آج تمام شہروں میں اسی پر عمل ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اگر کسی کا کسی نے دانت پر مارا اور وہ سیاہ ہو گیا تو اس میں پوری دیت ہو گی، یہ امام مالک، لیث بن سعد کے نزدیک ہے اور امام ابوحنیفہ نے یہی کہا ہے(4)۔ حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا گیا ہے اور یہی سعید بن

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 194۔ ایضاً، حدیث نمبر 2639، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 271۔ ایضاً، حدیث نمبر 3952، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629

مسیب، زہری، حسن، ابن سیرین اور شریح کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ اس میں دیت کا ثلث 1/3 ہے(1)۔ یہی قول احمد اور اسحاق کا ہے۔ امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: اس میں قاضی کا فیصلہ ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ خلاف ہے اس لیے اتفاق کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر اس کا سیاہ ہونا اس کی منفعت کو بھی ضائع کر چکا ہے اور صرف اس کی صورت باقی ہے جیسے شل ہاتھ ہوتا ہے اور اندھی آنکھ ہوتی ہے، دیت کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں پھر اگر اس کی منفعت میں سے کچھ باقی ہو یا کل منفعت باقی ہو تو منفعت میں سے جتنی کمی ہوئی ہے حکومت اتنی مقدار ثابت کرے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو اس میں ثلث دیت مروی ہے وہ فقہ اور سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 15۔ بچے کے دانت اکھیڑنے میں اختلاف ہے جب کہ وہ دودھ والے دانت گرنے سے پہلے ہو۔ امام مالک، امام شافعی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں: جب بچے کا دانت اکھیڑا جائے گا اور وہ پھر پیدا ہو جائے گا تو اکھیڑنے والے پر کچھ نہ ہوگا مگر امام مالک اور امام شافعی نے کہا: جب وہ اس سے لمبائی میں کم پیدا ہو جو اس کے قریب والا ہے تو جتنا کم ہے اس کی مقدار اس سے چٹی وصول کی جائے گی۔ ایک جماعت نے کہا: اس میں قاضی فیصلہ کرے گا، یہی شعبی سے مروی ہے اور یہی نعمان کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اس وقت تک تاخیر کی جائے گی یہاں تک کہ اہل معرفت کہیں کہ اب دانت نہیں اگے گا، جب ایسا ہوگا تو اس میں دیت کی مکمل مقدار ہوگی جیسا کہ ظاہر حدیث ہے۔ اگر وہ اگ آئے گا تو چٹی واپس کر دی جائے گی۔ اکثر اہل علم فرماتے ہیں ایک سال تک تاخیر کی جائے گی۔ یہ حضرت علی، حضرت زید، حضرت عمر بن عبد العزیز، شریح نخعی اور قتادہ، امام مالک، اصحاب الرائے سے مروی ہے۔ امام شافعی نے اس کے لیے کوئی مدت متعین نہیں کی۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب بڑے شخص کا دانت اکھیڑا گیا، پھر اس کی دیت لی گئی، پھر وہ دانت اگ آیا تو امام مالک نے کہا: جو اس سے لیا گیا تھا وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ کوفیوں نے کہا: جب دانت اگ آئے گا تو اسے دیت واپس کی جائے گی(3)۔ امام شافعی کے دو قول ہیں: واپس کی جائے گی اور واپس نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ اس کا اگنا عادۃً جاری نہیں ہے اور نادر کے ساتھ حکم ثابت نہیں ہوتا یہ ہمارے علماء کا قول ہے۔ کوفیوں نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ اس کا عوض اگ آیا ہے، پس دیت واپس کی جائے گی اس کی اصل چھوٹے کا دانت ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس پر اگر کسی دوسرے محرم نے جنایت کی حالانکہ وہ صحیح پیدا ہو چکا تھا تو اس میں مکمل چٹی ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: یہ اصح قول ہے، کیونکہ ان سے ہر ایک دانت کو اکھیڑنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دانت میں پانچ اونٹوں کا فیصلہ فرمایا(4)۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر کسی آدمی نے کسی کا دانت اکھیڑ دیا، پھر اس نے دانت والے کو دانت لوٹا دیا، پھر وہ لگ گیا تو اس میں ہمارے نزدیک کچھ نہیں ہے(5)۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کے لیے دانت کو لوٹانا جائز نہیں، کیونکہ وہ نجس ہے۔ یہ ابن

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 91
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 194
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629

مسیب اور عطا کا قول ہے۔ اگر وہ اسے لوٹا دے اور اس نے اس کے ساتھ نمازیں پڑھیں تو وہ ہر نماز کا اعادہ کرے جو اس نے اس کے ساتھ پڑھی تھیں کیونکہ وہ دانت مردار تھا، اسی طرح اگر کسی کا کان کاٹا گیا پھر خون کی حرارت کی وجہ سے وہ لوٹ گیا اور چمٹ گیا۔ عطا نے کہا: سلطان اسے اس کے اکھیڑنے پر مجبور کرے، کیونکہ وہ مردار اس نے چمٹایا ہے (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ غلط ہے، وہ شخص جاہل رہا جس پر یہ مخفی رہا کہ اس کا دوبارہ اس صورت میں لوٹنا اس حکم کے ساتھ لوٹنے کا موجب نہیں، کیونکہ نجاست انفصال کی وجہ سے تھی اور وہ متصل لوٹ گیا اور احکام شریعت اعیان کے لیے صفات نہیں بلکہ یہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف لوٹتے ہیں اور ان کے متعلق اس کے خبر دینے کی طرف لوٹتے ہیں (2)۔

میں کہتا ہوں: جو ابن عربی نے عطا سے حکایت کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے وہ ابن المنذر نے ان سے روایت کیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اس دانت میں اختلاف ہے جو قصاصاً اکھیڑا گیا پھر وہ اسی جگہ لوٹا دیا گیا اور وہ اگ آیا۔ عطا خرسانی اور عطا بن ابی رباح نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ ثوری، احمد اور اسحاق نے کہا: اسے اکھیڑا جائے گا، کیونکہ قصاص عیب کے لیے ہوتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس پر دوبارہ اگانا جائز نہیں، کیونکہ وہ نجس ہے سلطان اسے اکھیڑنے پر مجبور کرے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اگر اس کے لیے زائد دانت ہو اور وہ اکھیڑ دیا گیا تو اس میں قاضی کا فیصلہ ہوگا، فقہاء الامصار کا یہی قول ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے کہا: اس میں دیت کا تہائی ہے۔ ابن عربی نے کہا: تقدیر میں اس کی کوئی دلیل نہیں پس فیصلہ زیادہ عدل ہے (3)۔ ابن المنذر نے کہا: جو حضرت زید سے روایت کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: دانت جب اس کا بعض توڑا جائے گا تو مالک کو اس کے حساب سے دیا جائے گا (4)۔ یہ امام مالک اور امام شافعی وغیرہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: جو اللہ تعالیٰ نے بطور نص اعضاء ذکر فرمائے وہ تو یہاں تک ختم ہو گئے اور ہونٹوں اور زبان کا ذکر نہیں فرمایا۔

مسئلہ نمبر 19۔ جمہور علماء نے فرمایا: ہونٹوں میں دیت ہے اور ہر ایک ہونٹ میں نصف دیت ہے اوپر والے کو نیچے والے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت زید بن ثابت، سعید بن مسیب اور زہری سے مروی ہے کہ اوپر والے ہونٹ میں ثلث 1/3 دیت ہے اور نیچے والے ہونٹ میں 2/3 دو ثلث دیت ہے ابن المنذر نے کہا: میں پہلے قول کا قائل ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''ہونٹوں میں دیت ہے (5)'' نیز دونوں ہاتھوں میں دیت ہے اور ان کے منافع مختلف ہیں اور ہونٹوں میں سے جتنا کاٹا جائے گا اس کے حساب سے دیت ہوگی۔ رہی زبان تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''زبان میں دیت ہے (6)'' اس قول پر اہل مدینہ، اہل کوفہ، اصحاب حدیث اور اہل الرائے میں سے اہل علم کا اجماع ہے، یہ ابن المنذر نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اس شخص کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جو کسی کی زبان پر جنایت کرتا ہے اور اس کی زبان میں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 630 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 91 5۔ موطا امام مالک، کتاب العقول، صفحہ 671 6۔ ایضاً

سے کچھ کاٹ دیتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بعض کلام نہیں کر سکتا ہے۔ اکثر اہل علم نے کہا: اٹھائیس حروف ہیں جتنے وہ ادا نہیں کر سکتا اس کی مقدار کو دیکھا جائے گا اس کے مطابق دیت ہوگی، اگر وہ بالکل کلام نہیں کر سکتا تو اس میں مکمل دیت ہوگی یہ امام مالک، امام شافعی، احمد، اسحاق اور اصحاب الرائے کا قول ہے۔ امام مالک نے کہا: زبان میں قصاص نہیں، کیونکہ قصاص کو پوری طرح حاصل کرنا ممکن نہیں اگر ممکن ہو تو قصاص اصل ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 21۔ گونگے کی زبان کاٹ دی گئی ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ شعبی، امام مالک، اہل مدینہ، اہل عراق، امام شافعی، ابو ثور، نعمان اور ان کے ساتھیوں نے کہا: اس میں فیصلہ ہے(2)۔ ابن المنذر نے کہا: اس میں دو پختہ قول ہیں (۱) نخعی کا قول ہے کہ اس میں دیت ہے(3) (۲) قتادہ کا قول ہے کہ اس میں دیت کا تہائی ہے۔ ابن المنذر نے کہا: پہلا قول اصح ہے، کیونکہ جو اس کے متعلق کہا گیا ہے وہ کم از کم ہے۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اعضاء کا ذکر فرمایا اور باقی کو ان پر قیاس کے لیے چھوڑ دیا۔ ہر عضو میں قصاص ہوتا ہے جب قصاص لینا ممکن ہو اور اس پر موت کا اندیشہ نہ ہو، اسی طرح ہر عضو جس کی منفعت باطل ہو اور اس کی صورت باقی ہو تو اس میں قصاص نہیں ہے اس میں دیت ہے، کیونکہ اس میں قصاص ممکن نہیں (4)۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ زخموں میں قصاص ہے سورۃ البقرہ میں یہ گزر چکا ہے اس میں قصاص نہیں جس میں جسم کے ضیاع کا اندیشہ ہو اور جو قصاص تک نہ پہنچتا ہو مگر یہ کہ مارنے والا خطا کرے یا زیادتی یا کمی کر دے۔ جان بوجھ کر زخم لگانے کی وجہ سے قصاص ہوگا اگر ممکن ہو۔ یہ تمام قتل عمد میں ہے، رہا خطا تو اس میں دیت ہوتی ہے اسی طرح خطاءً زخم لگا تو اس میں دیت ہوگی۔ صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ربیع کی بہن ام حارثہ نے ایک انسان کو زخمی کر دیا اور وہ جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قصاص ہوگا، قصاص ہوگا''۔ ام الربیع نے کہا: یا رسول اللہ! کیا فلانۃ سے قصاص لیا جائے گا؟ اللہ کی قسم! ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللہ! اے ام الربیع! کتاب اللہ کا حکم قصاص ہے''۔ ام الربیع نے کہا: نہیں اللہ کی قسم اس سے کبھی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ وہ یہی کہتی رہی حتی کہ انہوں نے دیت قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم اٹھا دیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا ہے''(5)۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں زخمی عورت جاریہ تھی اور زخم اس کے دانت کا توڑنا تھا۔ نسائی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ان کی پھوپھی نے جاریہ کا دانت توڑ دیا تو اللہ کے نبی نے قصاص کا فیصلہ کیا، ان کے بھائی انس بن نضر نے کہا: کیا فلانی کا دانت توڑا جائے گا؟ نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ فرمایا: پہلے اس کے اہل سے وہ عفو اور دیت کا سوال کر رہے تھے جب اس کے بھائی انس کے چچا نے قسم اٹھائی۔ جنگ احد میں یہ شہید ہوئے تھے۔ تو قوم معاف کرنے پر راضی ہوگئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 630　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 631　　5۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 59

ہوتے ہیں اگر وہ الله کے بھروسہ پر قسم اٹھائیں تو الله اسے پورا کر دیتا ہے"۔ ابو داؤد نے اس کو تخریج کیا ہے میں نے امام احمد بن حنبل کو سنا ان سے پوچھا گیا: دانت کا کیسے قصاص لیا جائے گا؟۔ انہوں نے کہا: ٹھنڈا کیا جائے گا(1)۔

میں کہتا ہوں: دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ان میں سے ہر ایک نے قسم اٹھائی ہو اور الله نے ان کی قسم پوری کی ہو۔ اس میں کرامات اولیاء کا ثبوت ہے جیسا کہ اس کا بیان حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گا۔ ان شاء الله ہم الله تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اولیاء کی کرامات پر ایمان لانے پر ثابت رکھے اور بغیر محنت اور فتنہ ان کی لڑی میں پرو دے۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا اجماع ہے کہ الله تعالیٰ کا ارشاد: وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ یہ عمداً ہو تو پھر ہے، جس نے عمداً کسی کا دانت توڑ دیا تو حضرت انس کی حدیث کے مطابق اس میں قصاص ہے(2)۔ باقی جسم کی ہڈیوں میں علماء کا اختلاف ہے جب وہ عمداً توڑی گئی ہو۔ امام مالک نے فرمایا: جسم کی تمام ہڈیوں میں قصاص ہے مگر جو نفس کو ضائع کر دے مثلاً ران، صلب، دماغ کا زخم منقلہ (جو ہڈی منتقل کر دے) ہاشمہ (جو ہڈی توڑ دے) ان میں دیت ہے۔ کوفیوں نے کہا: سوائے دانت کے کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے جو توڑی جائے گی، کیونکہ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ۔ یہ لیث اور امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی نے کہا: کبھی توڑنا، توڑنے کی طرح نہیں ہو سکتا پس یہ ممنوع ہے۔ طحاوی نے کہا: علماء کا اتفاق ہے کہ سر کی ہڈی میں قصاص نہیں ہے، اسی طرح تمام ہڈیوں میں قصاص نہیں ہے۔ امام مالک کی حجت دانت میں حضرت انس کی حدیث ہے، اسی طرح تمام ہڈیوں کا حکم ہے سوائے ایک ہڈی کے علماء کا اجماع ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کے ضیاع کا اندیشہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جس نے کہا ہڈی میں قصاص نہیں وہ حدیث کی مخالفت کرنے والا ہے اور نظر کی طرف خروج خبر کے ہوتے ہوئے جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس پر فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (بقرہ: 194) اور یہ ارشاد: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل: 126) دلالت کرتا ہے اور جس پر علماء کا اجماع ہے وہ ان آیات میں داخل نہیں۔ (وباللہ التوفیق)

مسئلہ نمبر 24۔ ابو عبید نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موضحہ کے بارے میں حدیث ہے (1) اور دوسرے زخموں کے بارے میں غیر سے مروی ہے۔ اصمعی وغیرہ نے کہا: اس کی کلام کا بعض، بعض میں داخل ہے۔ زخموں میں سے پہلا حارصہ زخم ہے جو جلد کو تھوڑا سا چیر دیتا ہے، اسی سے ہے حرص القصار الثوب ہے جس کا معنی اس نے کپڑے کو چیر دیا اس کو الحرصہ بھی کہا جاتا ہے، پھر الباضعۃ ہے جو جلد کے بعد گوشت کو کاٹ دیتا ہے پھر المتلاحمہ ہے جو صرف جلد میں لگتا ہے اور اس جھلی تک نہیں پہنچتا جو گوشت اور ہڈی کے درمیان ہوتی ہے۔ واقدی نے کہا: یہ ہمارے نزدیک الملطی ہے۔ دوسروں نے کہا: یہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 275　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 1018

(1) سنن ابن ماجہ، باب الموضحۃ، حدیث نمبر 2644، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

الملطاۃ ہے فرمایا: یہ وہ ہے جس کے بارے میں حدیث ہے: یُقْضَی فِی الْمِلْطَاۃِ بِدَمِھَا پھر الموضحۃ زخم ہے یہ وہ زخم ہے جس سے ہڈی بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ ابوعبید نے کہا: زخموں میں قصاص نہیں ہے مگر صرف موضحہ میں، کیونکہ اس کے علاوہ کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔ دوسرے زخموں میں دیت ہے پھر الھاشمۃ ہے جو ہڈی کو توڑ دیتا ہے پھر المنقلۃ ہے جو ہڈی کو توڑ دیتا ہے۔

پھر الآمۃ ہے اس کو المامومۃ بھی کہا جاتا ہے یہ وہ ہے جو دماغ تک پہنچتا ہے۔ ابوعبید نے کہا: یقضی فی الملطاۃ بدمھا جب زخم لگانے والا زخم لگائے گا تو اس پر زخمی کے لیے زخم لگانے کے وقت فیصلہ کیا جائے گا اور اس میں تاخیر نہیں کی جائے گی۔ اور فرمایا: اور ہمارے نزدیک تمام زخموں میں تاخیر کی جائے گی حتی کہ اس کے انجام کو دیکھا جائے گا پھر اس وقت اس میں حکم لگایا جائے گا۔ ابوعبید نے کہا: ہمارے نزدیک تمام زخموں میں تاخیر کی جائے گی۔ ہمیں ہشیم نے بتایا انہوں نے حصین سے روایت کیا فرمایا: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: موضحہ سے جو کم زخم ہے وہ خدوش ہے اور اس میں صلح ہے(1)۔ حسن بصری نے کہا: موضحہ سے کم میں قصاص نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا: موضحہ سے کم میں یعنی ملطی، دامیہ، باضعہ میں قصاص ہے اسی طرح کوفیوں نے کہا: اور انہوں نے سمحاق کا اضافہ کیا ہے۔ یہ ابن المنذر نے حکایت کیا ہے۔ ابوعبید نے کہا: الدامیۃ وہ زخم ہے جس سے خون نکلے۔ الدامعہ وہ ہے جس سے خون بہے۔

موضحہ سے کم میں قصاص نہیں۔ جوہری نے کہا: دامیہ وہ زخم ہے جس سے خون نہیں بہتا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: دامیہ وہ ہے جس سے خون بہتا ہے موضحہ کے بعد قصاص نہیں ہے ہاشمہ ہڈی کے لیے ہے اور منقلۃ میں خاص اختلاف ہے۔ الامہ جو دماغ تک پہنچتا ہے۔ دامغۃ جو دماغ کے پردے کو پھاڑنے والا ہے اور جسم کے ہاشمۃ زخم میں قصاص ہے مگر جو مخوف ہو جیسے ران وغیرہ کا زخم رہا، ھاشمۃ الراس (سر کا زخم)۔ تو ابن القاسم نے کہا: اس میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ وہ ضروری طور پر منقلہ ہو جاتا ہے۔ اشہب نے کہا: اس میں قصاص ہے مگر یہ ہے وہ منقلہ ہو جائے جس میں قصاص نہیں ہے۔ رہے اطراف تو تمام جوڑوں میں قصاص ہے مگر ان میں سے جس سے نفس کے ضیاع کا خدشہ ہو۔ جوڑوں سے مراد ناک کی بینی کا بعض، کانوں کا بعض، ذکر کا بعض، پلکوں کا بعض، ہونٹوں کا بعض ہے، کیونکہ یہ تقدیر کو قبول کرتے ہیں۔

زبان کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ہڈیوں کو توڑنے میں قصاص ہے مگر جو انسان کو تلف کرنے والی ہوں جیسے سینے، گردن، پیٹھ، ران وغیرہ کی ہڈیاں۔ بازو کی ہڈی توڑنے میں قصاص ہے۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے اس شخص کی ران توڑنے کا فیصلہ فرمایا جس نے کسی کی ران توڑی تھی۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد بن اسید نے مکہ میں اسی طرح کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تھا یہ امام مالک کا مذہب ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: علماء کے نزدیک اس پر اجماع ہے اور ہمارے شہروں میں اس شخص کے بارے میں معمول یہ ہے جو کسی کو مارتا ہے پھر ہاتھ سے اس کی ہڈی کو توڑ دیتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 25۔ علماء نے فرمایا: سر میں زخم اور بدن میں زخم جو ہوتے ہیں ان میں اہل علم کا اجماع ہے کہ موضحہ سے کم

1۔ السنن الکبری للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 83

میں چٹی ہے جیسا کہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے اور اس چٹی میں اختلاف ہے۔ موضحہ سے جو کم زخم ہیں وہ پانچ ہیں:۔ دامیہ، دامعۃ، باضعہ، متلاحمہ اور السمحاق۔ امام مالک، امام شافعی، احمد اور اسحاق اور اصحاب الرائے نے کہا: دامیۃ میں قاضی کا فیصلہ ہے اور باضعہ میں فیصلہ ہے اور متلاحمہ میں بھی فیصلہ ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے فرمایا: دامیۃ میں اونٹ ہے، باضعۃ میں دو اونٹ ہیں، متلاحمۃ میں تین اونٹ ہیں، سمحاق میں چار اونٹ ہیں، موضحۃ میں پانچ اونٹ ہیں، ہاشمۃ میں دس اونٹ ہیں، منقلۃ میں پندرہ اونٹ ہیں، مامومۃ میں دیت کا تہائی ہے اور جو شخص جو کسی کو مارتا ہے حتی کہ اس کی عقل ضائع ہو جائے تو اس میں پوری دیت ہے یا وہ اسے مارے حتی کہ اس کے ناک سے آواز نکل جائے اور بات نہ سمجھا سکے تو اس میں پوری دیت ہوگی یا آنکھ کی پلکوں میں دیت کا چوتھائی ہے اور پستان کے منہ میں چوتھائی دیت ہے (1)۔ ابن المنذر نے کہا: حضرت علی سے سمحاق (وہ زخم جو ہڈی اور گوشت کے درمیانی جھلی تک پہنچ جائے) میں زید کے قول کی مثل مروی ہے۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ان میں موضحہ کا نصف ہے۔ حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز اور نخعی نے کہا: اس میں فیصلہ ہوگا (2)، اسی طرح امام مالک، امام شافعی اور احمد نے کہا ہے۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ موضحۃ میں پانچ اونٹ ہیں جیسا کہ عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے اس میں موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں۔ اور اہل علم کا اجماع ہے کہ موضحہ سر اور چہرے میں ہوگا اور چہرے کے موضحہ کو سر کے موضحہ پر فضیلت میں اختلاف ہے (3)۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ دونوں برابر ہیں ان کے قول کے مطابق تابعین کی ایک جماعت نے کہا ہے اور یہی امام شافعی اور اسحاق کا قول ہے۔ سعید بن مسیب سے چہرے کے موضحہ کی سر کے موضحہ پر دوگنا دیت مروی ہے۔ احمد نے کہا: چہرے کا موضحہ اس لائق ہے کہ اس میں زیادہ دیت رکھی جائے۔ امام مالک نے کہا: المامومہ، المنقلہ اور الموضحہ صرف سر اور چہرے میں ہوتے ہیں اور مامومہ خاص سر میں ہوتا ہے جب وہ دماغ تک پہنچ جائے۔ فرمایا: موضحہ وہ ہوتا ہے جو سر کی کھوپڑی میں ہوتا ہے اور جو اس سے نیچے ہے وہ گردن سے ہے اور وہ موضحہ نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا: ناک سر میں سے نہیں ہے اس میں موضحہ نہیں ہے اسی طرح نیچے جو ٹھوڑی پر زخم ہے اس میں موضحہ نہیں ہے۔ جو سر اور چہرہ کے علاوہ موضحہ ہے اس میں اختلاف ہے۔ اشہب اور ابن القاسم نے کہا: جس کے موضحہ، منقلہ، مامومۃ میں اجتہاد ہے اس میں مخصوص چٹی نہیں ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ امام مالک، ثوری، امام شافعی، احمد، اسحاق کا قول ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ عطا خراسانی سے مروی ہے کہ موضحہ جب انسان کے جسم میں ہو تو اس میں پچیس دینار ہیں ابو عمر نے کہا: امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی کو دو مامومہ اور دو موضحہ یا تین مامومۃ یا موضحات لگائے یا ایک ضرب میں اس سے زیادہ زخم لگائے اگر وہ پھٹ کر ایک زخم بن گئے ہوں تو ان تمام میں ایک کامل دیت ہوگی۔ رہا ہاشمۃ (زخم) ہمارے نزدیک اس میں دیت نہیں بلکہ فیصلہ ہے۔

ابن المنذر نے کہا: میں نے مدنی علماء کی کتب میں ہاشمۃ کا ذکر نہیں پایا بلکہ امام مالک نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے کسی کا ناک توڑ دیا اگر وہ خطاً تھا تو اس میں اجتہاد ہے۔ حسن بصری نے کہا: ہاشمۃ میں کوئی چیز مقرر نہیں۔ ابو ثور نے کہا: اگر ان

1۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب العقول، جلد 9، صفحہ 207　　2۔ ایضاً، صفحہ 206　　3۔ ایضاً

میں اختلاف ہو تو اس میں فیصلہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: نظر اس پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس میں نہ سنت ہے اور نہ اجماع۔ قاضی ابو الولید الباجی نے کہا: اس میں وہی ہوگا جو موضحہ میں ہوتا ہے، اگر منقلہ بن جائے تو پندرہ اونٹ ہیں، اگر مامومہ بن جائے تو تہائی دیت ہے، ہم نے اکثر علماء کو پایا اور ہمیں اہل علم کی رائے پہنچی وہ ہاشمۃ میں دس اونٹ مقرر کرتے ہیں۔ ہم نے یہ قول حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا۔ یہی قتادہ اور عبید اللہ بن الحسن اور امام شافعی کا قول ہے۔ ثوری اور اصحاب الرائے نے کہا: اس میں ہزار درہم ہے اور ان کی مراد دیت کا دسواں ہے۔ رہا منقلہ تو ابن المنذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: "منقلہ میں پندرہ اونٹ ہیں (1)" اس قول پر علماء کا اجماع ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اہل علم نے کہا: منقلہ وہ ہے جس سے ہڈیاں منتقل ہو جاتی ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی، احمد اور اصحاب الرائے نے کہا۔ یہی قتادہ اور ابن شبرمہ کا قول ہے کہ منقلہ میں قصاص نہیں ہے، ہم نے حضرت ابن زبیر سے روایت کیا۔ ان سے ثابت نہیں ہے۔ کہ انہوں نے منقلہ کا قصاص لیا۔

ابن المنذر نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے، کیونکہ میں کسی ایک کو نہیں جانتا جو اس میں مخالفت کرتا ہو۔ رہا مامومۃ تو ابن المنذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: "مامومۃ میں دیت کا تہائی ہے" (2)۔ اس پر علماء کا اجماع ہے سوائے مکحول کے کسی کو نہیں جانتا جس نے اس میں مخالفت کی ہو۔ مکحول نے کہا: جب مامومۃ عمداً ہو تو اس میں دو تہائی دیت ہے، جب خطأً ہو تو اس میں ایک تہائی دیت ہے۔ یہ شاذ قول ہے۔ میں بھی پہلے قول کے مطابق کہتا ہوں: مامومۃ میں قصاص کے بارے میں اختلاف ہے اکثر اہل علم نے فرمایا: اس میں قصاص نہیں ہے۔ حضرت ابن زبیر سے مروی ہے کہ انہوں مامومۃ کا قصاص لیا تو لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ عطا نے کہا: ہم نے کوئی ایسا آدمی نہیں جانا جس نے حضرت ابن زبیر سے پہلے قصاص لیا ہو۔ رہا جائفہ تو اس میں دیت کا تہائی ہے جیسا کہ عمرو بن حزم کی حدیث ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں سوائے اس روایت کے جو مکحول سے مروی ہے انہوں نے کہا: جب یہ عمداً ہو تو اس میں دو تہائی دیت ہے، اگر خطا ہو تو ایک تہائی دیت ہے۔ جائفہ وہ ہے جو جوف تک پھٹ جائے اگرچہ سوئی کے داخل ہونے جتنا ہو اگر دو جہتوں سے آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفے شمار ہوں گے اس میں دو تہائی دیت ہے۔ اشہب نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق نے آر پار ہونے والے جائفہ کی دیت، دو جائفہ کے برابر فرمائی۔ عطا، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں: جائفہ میں قصاص نہیں ہے۔ ابن المنذر نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللطمہ (طمانچہ) اور اس کے مشابہ کے قصاص کے بارے اختلاف ہے۔ بخاری نے حضرت ابو بکر، حضرت علی حضرت ابن زبیر اور حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے طمانچہ کا قصاص لیا (3)۔ حضرت عثمان اور حضرت خالد بن ولید سے اسی کی مثل مروی ہے۔ یہ شعبی اور اہل حدیث کی جماعت کا قول ہے۔ لیث نے کہا: اگر طمانچہ آنکھ میں ہو تو اس میں قصاص نہیں کیونکہ آنکھ کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور سلطان اس کو سزا دے۔ اگر رخسار پر ہو تو اس میں قصاص ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: طمانچہ میں قصاص نہیں ہے۔ حسن اور قتادہ سے یہ مروی ہے اور امام مالک، کوفیوں اور امام

1۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب العقول، جلد 9، صفحہ 214
2۔ مؤطا امام مالک، کتاب العقول، صفحہ 668
3۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 1018

شافعی کا یہی قول ہے۔ امام مالک نے اس میں حجت پکڑتے ہوئے کہا: مریض، کمزور کا طمانچہ قوی کے طمانچہ کی طرح نہیں ہے۔ کالے غلام کو ایک عظیم شخص کی مثل طمانچہ نہیں مارا جائے گا، ان میں اجتہاد ہے، کیونکہ ہم طمانچہ کی مقدار سے ناواقف ہیں۔

مسئلہ نمبر 27۔ کوڑے مارنے کی وجہ سے قصاص میں اختلاف ہے۔ لیث اور حسن نے کہا: اس سے قصاص لیا جائے گا اور تعدی کے لیے اس پر زیادہ بھی کیا جائے گا۔ ابن القاسم نے کہا: اس سے قصاص لیا جائے گا اور کوفیوں اور امام شافعی کے نزدیک قصاص نہیں لیا جائے گا مگر یہ کہ وہ اسے زخمی کردے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر کوڑے نے زخمی کر دیا تو اس میں فیصلہ ہوگا۔ ابن المنذر نے کہا: کوڑے یا لاٹھی یا پتھر میں سے جو لگا اور وہ عمداً تھا تو اس میں قصاص ہے۔ یہ اصحاب الحدیث کی ایک جماعت کا قول ہے۔ بخاری میں ہے حضرت عمر نے درہ مارنے کی وجہ سے قصاص لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین کوڑوں کی وجہ سے قصاص لیا شریح نے کوڑے اور خموش (خراش) کی وجہ سے قصاص لیا (1)۔

ابن بطال نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر والوں کو دوائی پلانے کی حدیث اس کے لیے حجت ہے جس نے کہا: ہر تکلیف میں قصاص ہے اگرچہ زخمی نہ بھی ہو۔

مسئلہ نمبر 28۔ عورتوں کے زخموں کی دیت میں اختلاف ہے۔ مؤطا میں ہے امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: مرد کی دیت کے تہائی تک تو عورت کی دیت برابر ہے، عورت کی انگلی، مرد کی انگلی کی طرح ہے، اور اس کا دانت مرد کے دانت کی طرح ہے، اس کا موضحہ، مرد کے موضحہ کی طرح ہے، اس کا منقلہ مرد کے منقلہ کی طرح ہے (2)۔ ابن بکیر نے کہا: امام مالک نے کہا: جب کوئی ایسی جنایت عورت پر کی جائے جو مرد کی دیت کی تہائی تک پہنچ جائے تو وہ مرد کی دیت سے نصف ہوگی (3)۔ ابن المنذر نے کہا: ہم نے یہ قول حضرت عمر اور حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے۔ اور سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، حضرت عروہ بن زبیر، زہری، قتادہ، ابن ہرمز، امام مالک، امام احمد بن حنبل، عبدالملک بن الماجشون کا بھی یہی قول ہے۔ ایک جماعت نے کہا: عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم ہو، ہم نے یہ قول حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے (4)۔ ثوری، شافعی، ابوثور، نعمان اور ان کے شاگردوں نے بھی یہی کہا ہے انہوں نے یہ حجت پکڑی ہے کہ کثیر دیت پر جب اجماع ہے تو قلیل بھی اس کی مثل ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 29۔ قاضی عبدالوہاب نے کہا ہر وہ عضو جس میں صرف جمال ہے منفعت کوئی نہیں ہے تو اس میں فیصلہ ہوگا جیسے ابرو، داڑھی کے بالوں کا ضائع کر دینا، سر کے بالوں کو ضائع کر دینا، مرد کے پستان وغیرہ۔ اور فیصلہ کا طریقہ یہ ہوگا کہ جس پر جنایت کی گئی ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی قیمت میں سے جتنی کم ہوگی وہ دیت کی جزا ہوگی خواہ وہ کہیں تک پہنچ جائے۔ یہ ابن المنذر نے اہل علم سے حکایت کیا ہے۔ فرمایا: اس میں اہل معرفت میں سے دو ثقہ آدمیوں کا قول قبول کیا جائے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 1018　2۔ مؤطا امام مالک، کتاب العقول، صفحہ 670

2۔ ایضاً　4۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 96

گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ایک عادل شخص کا قول قبول کیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ اللہ علم۔

یہ زخموں اور اعضاء کے تمام احکام تھے جو اس آیت کے معنی کے ضمن میں تھے، اکتفا کرنے والے کے لیے یہ کافی ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دینے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ شرط اور جواب شرط ہے یعنی جس نے قصاص کو معاف کر دیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا یعنی معاف کرنے والے کے لیے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: زخمی کرنے والے کے لیے کفارہ ہوگا اور اس سے آخرت میں جنایت کا مواخذہ نہ ہوگا، کیونکہ وہ اس مقام پر کھڑا ہوگا کہ اس سے حق لیا جائے گا اور اس پر معاف کرنے والے کا اجر ہوگا۔ حضرت ابن عباس نے یہ دو قول ذکر کیے ہیں: پہلا قول اکثر صحابہ اور بعد والے لوگوں کا ہے۔ دوسرا قول حضرت ابن عباس اور مجاہد سے مروی ہے اور ابراہیم نخعی اور شعبی سے اس کے خلاف مروی ہے۔ پہلا قول اظہر ہے، کیونکہ ضمیر عائد مذکور کی طرف لوٹتی ہے اور وہ ''من'' ہے۔ حضرت ابودرداء نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے ''جس مسلمان کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے پھر وہ اسے معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے'' (2)۔ ابن عربی نے کہا: جو کہتا ہے جب مجروح (زخمی) زخمی کرنے والے کو معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا اس پر کوئی دلیل قائم نہیں، پس اس کا کوئی معنی نہیں (3)۔

وَ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ؕ وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

''اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہ لوگ فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یعنی ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انبیاء کرام کے پیچھے بھیجا۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی تورات، تورات کو انہوں نے حق دیکھا اور اس پر عمل کے وجوب کو دیکھا حتیٰ کہ ناسخ آ گیا۔

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 218　　2۔ جامع ترمذی، کتاب الدیات، جلد 1، صفحہ 167

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 632

مُصَدِّقًا عیسیٰ سے حال کی بنا پر منصوب ہے۔ فِيْهِ هُدًى مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ نُوْرٌ، هُدًى پر معطوف ہے مُصَدِّقًا اس میں دو وجہیں ہیں یہ بھی جائز ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور پہلے مُصَدِّقًا پر معطوف ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الْاِنْجِیْلَ سے حال ہو۔ تقدیر اس طرح ہوگی: وآتیناہ الانجیل مستقراً فیہ ھدیٰ و نور و مصدقاً۔

هُدًى وَّمَوْعِظَةً یہ مُصَدِّقًا پر عطف ہے یعنی ھادیاً و واعظاً۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ خصوصی طور پر متقین کا ذکر کیا، کیونکہ وہی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کا رفع فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ پر معطوف ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ۔ اعمش اور حمزہ نے فعل کی نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ لام، لام (1) کی ہے اور باقی قراء نے امر کی بنا پر جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلی صورت میں لام وَاٰتَيْنٰهُ کے متعلق ہوگا پس وقف جائز نہ ہوگا، یعنی ہم نے اسے انجیل عطا کی تاکہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتارا اور جنہوں نے امر کی بنا پر پڑھا ہے تو وہ اس قول کی طرح ہے وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ یہ حکم نئے سرے سے لازم کیا گیا تھا اس سے آغاز کیا گیا تھا یعنی تاکہ انجیل والے اس وقت اس کے مطابق فیصلہ کریں، لیکن اب یہ منسوخ ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ اب بھی نصاریٰ کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم ہے، کیونکہ انجیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے وجوب کا ذکر ہے، نسخ فروع میں متصور ہوتا ہے اصول میں نہیں ہوتا۔ مکی نے کہا: اختیار جزم ہے، کیونکہ جماعت کا خیال یہی ہے بعد والی وعید اور تہدید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل انجیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ لازم کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: میرے نزدیک درست یہ ہے کہ یہ دونوں قرأتیں عمدہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے وہ اس لیے ہے تاکہ اس پر عمل کیا جائے، اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کا حکم دیا، پس دونوں صحیح ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾

"(اے حبیب) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرماویں ان کے درمیان اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے، ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو) ایک

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 219

ہی امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو۔ تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں، اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ یہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور الْكِتٰبَ سے مراد قرآن ہے (1)۔ بِالْحَقِّ سے مراد امر حق ہے۔ مُصَدِّقًا حال ہے۔ لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ یعنی جنس کتاب سے۔ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ یعنی اس پر بلند۔ یہ اس کی تاویل پر دلیل ہے جو کثرت ثواب میں تفضیل کا قول کرتا ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں اشارہ گزر چکا ہے۔ شرح السنۃ میں ابن حصار کا یہی اختیار ہے۔ اور ہم نے یہ سب کچھ اپنی کتاب "شرح الاسماء الحسنیٰ" میں ذکر کیا ہے۔ الحمدللہ۔

قتادہ نے کہا: المهيمن کا معنی شاہد (گواہ) ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی حفاظت کرنے والا ہے (2)۔ حسن نے کہا: اس کا معنی تصدیق کرنے والا ہے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

إنّ الكتاب مُهيمن لِنبيّنا والحق يعرفهُ ذووالألباب

حضرت ابن عباس نے کہا: مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ یعنی اس پر امین بنایا گیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: قرآن پہلی کتب کا امین ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور حسن سے بھی مروی ہے۔ المهيمن الامین۔ مبرد نے کہا: اس کی اصل مؤيمن ہے ہمزہ کو ھا سے بدل دیا گیا ہے جس طرح ارقت الماء میں هرقت بولا جاتا ہے۔ یہ زجاج اور ابوعلی نے بھی کہا ہے۔ بعض نے فرمایا: هيمن، يهيمن، هيمنه کا معنی ہے وہ امین تھا۔ جوہری نے کہا: اس کا معنی ہے غیر کو خوف سے امن دینا۔ اصل میں أأمن فهو مؤامنٌ (دو ہمزوں کے ساتھ) پھر دو ہمزوں کے اجتماع کو ناپسند کرنے کی وجہ سے دوسرے ہمزہ کو یا سے بدلا گیا ہے۔ پس یہ مؤيمنٌ بن گیا ہے پھر پہلے ہمزہ کو ھا سے بدلا دیا گیا جیسے انہوں نے کہا: هراق الماء وأراقه۔ کہا جاتا ہے: هيمن على الشئ يهيمن جب کوئی کسی شے کی حفاظت کرنے والا ہو فهو مهيمنٌ ابوعبید سے مروی ہے: مجاہد اور ابن محیصن نے مهيمنا عليه میم کی فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے محافظ ہیں (3)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ حکم کو واجب کرتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ میں جو تخییر تھی اس کے لیے نسخ ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ وجوب نہیں ہے معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرو اگر تم چاہو، کیونکہ ہم پر اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کرنا واجب نہیں جب وہ ذمی نہ ہوں۔ اور اہل ذمہ میں تردد ہے، اس میں کلام گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے مخلوق کے درمیان فیصلہ کرو۔ یہ آپ پر واجب تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ یعنی جو تمہارے پاس حق آچکا ہے اس پر ان کی خواہشات اور ان کے مراد کے مطابق عمل نہ کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو احکام بیان فرمائے ہیں ان کے مطابق فیصلہ کرنے کو ترک نہ کرو۔

اَهْوَآءَ جمع ہے هوی کی اور اس کی جمع اهوية نہیں بنائی جاتی۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خواہشات کی پیروی سے منع فرمایا۔ یہ اس شخص کے قول کے بطلان پر دلیل ہے جو کہتا ہے: جو اہل کتاب کے شراب کو

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 219 | 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 220 | 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 320

تلف کرے گا اس پر شراب کی قیمت لگائی جائے گی، کیونکہ ان کے لیے مال ہے پس ضائع کرنے والے پر ضمانت ہوگی۔ یہ ضائع کرنے والے پر اس کی ضمانت کا واجب کرنا یہود کی خواہشات کے مطابق فیصلہ کرنے کے مترادف ہے اور ہمیں اس کے خلاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عَمَّا جَآءَكَ کا معنی ہے عن ما جاءك۔ یعنی جو تیرے پاس آیا اس پر۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا یہ پہلی شریعتوں سے تعلق نہ ہونے پر دلیل ہے۔ الشرعة اور الشریعة سے مراد وہ راستہ جو نجات کی طرف پہنچا دے اور لغت میں شریعت سے مراد وہ راستہ ہے جس کے ذریعے پانی تک پہنچا جائے اور الشریعة وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے شروع کیا۔ شرع لھم یشرع شرعاً اس کا معنی ہے سن۔ سنت قائم کرنا۔ الشارع بڑے راستہ کو کہتے ہیں۔ الشرعة وتر کو بھی کہتے ہیں۔ جمع شِرَعٌ و شِرْعٌ و شراع جمع الجمع ہے۔ ابوعبید سے مروی ہے یہ مشترک ہے۔ المنہاج وہ راستہ جو مستمر ہو، النہج والمنہج کا معنی ہے واضح۔ راجز نے کہا:

مَن یكُ ذاشَكٍّ فهذا فَلْجُ　ماءٌ رَوَاءٌ و طَرِیقٌ نَهْجُ

ابوالعباس محمد بن یزید نے کہا: الشریعة، راستہ کا آغاز، المنہاج (1)، متواتر راستہ حضرت ابن عباس اور حسن وغیرہما سے مروی ہے شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا سنت اور راستہ (2)۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اس نے تورات کو تورات والوں کے لیے اور انجیل کو انجیل والوں کے لیے اور قرآن کو قرآن والوں کے لیے بنایا۔ یہ شرائع اور عبادات میں ہے۔ اصل توحید میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہی معنی قتادہ سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: الشرعة اور المنہاج سے مراد حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے اس کے ساتھ باقی تمام ادیان کو منسوخ کر دیا گیا (3)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہاری شریعت کو ایک بنا دیتا اور تم حق پر ہوتے پھر بیان فرمایا کہ اختلاف سے مراد ایک قوم کا ایمان اور ایک قوم کا کفر ہے۔ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ کلام میں حذف ہے اس کے ساتھ لام کی متعلق ہے یعنی اس نے تمہاری شرائع کو مختلف بنایا تاکہ وہ تمہیں آزمائے۔ ابتلا کا معنی اختبار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ یعنی طاعات کی طرف جلدی کرو۔ یہ دلیل ہے کہ واجبات کو مقدم کرنا، ان کی تاخیر سے افضل ہے۔ یہ تمام عبادات میں حکم ہے مگر نماز کے بارے میں امام ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ اس کی تاخیر اولیٰ ہے اور آیت کا عموم اس کے خلاف دلیل ہے۔ الکیا نے یہ کہا ہے اس میں دلیل ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا، افطار سے افضل ہے۔ یہ تمام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ جس میں تم نے اختلاف کیا، اور شکوک زائل ہوں گے۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 220　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 323　3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 322

''اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انہیں ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک بہت لوگ نافرمان ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس پر کلام گزر چکی ہے اور یہ تخییر کے لیے ناسخ ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ایک عریض دعویٰ ہے، کیونکہ نسخ کی چار شرائط ہیں، ایک ان میں سے متقدم و متاخر کی تاریخ کا معلوم ہونا ہے اور یہ شرط ان دو آیتوں میں مجہول ہے پس یہ دعویٰ کرنا ممتنع ہے کہ ایک دوسری کے لیے ناسخ ہے، پس حکم اپنے حال پر باقی ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: ہم نے ابوجعفر نحاس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نزول میں متاخر ہے پس یہ آیت ناسخ ہے مگر یہ کہ کلام میں ان شئت مقدر کیا جائے، کیونکہ اس کی تخییر کا ذکر گزر چکا ہے اور کلام کے آخر سے تخییر کو حذف کیا گیا، کیونکہ پہلی کلام اس پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ اس پر معطوف ہے، تخییر کا حکم، معطوف علیہ کے حکم کی طرح ہے۔ یہ دونوں شریک ہیں، دوسرا پہلے سے جدا نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی معنی نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے پس وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے قول کا وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ پر معطوف ہونا ضروری ہے۔ پس وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا معنی یہ ہے کہ آپ اس کے مطابق فیصلہ کریں اگر آپ فیصلہ کریں اور حکم کرنا اختیار کریں یہ سب محکم ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ ناسخ منسوخ کے ساتھ معطوف علیہ کی حیثیت سے مرتب نہیں ہوتا۔ پس اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تخییر محکم ہے، منسوخ نہیں ہے، یہ مکی نے کہا ہے۔ وَ اَنِ احْكُمْ الکتاب پر عطف کی وجہ سے محل نصب میں ہے یعنی ہم نے تیری طرف نازل کیا کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو اسکیں اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا۔ یعنی اللہ کے حکم سے جو اس نے آپ کی طرف اپنی کتاب میں اتارا۔ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ، وَ احْذَرْهُمْ میں ھا اور میم سے (ان) بدل اشتمال ہے یا مفعول لاجلہ ہے یعنی آپ کو برگشتہ کرنے کی وجہ سے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے کہا: یہود کے چند علماء، جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد، ابن صلوبا اور شاس بن عدی بھی تھے یہ جمع ہوئے اور کہا: ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس چلیں شاید ہم انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیں وہ بشر ہی تو ہے۔ وہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء ہیں اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو کوئی یہودی ہماری مخالفت نہیں کرے گا ہمارا ایک قوم کے ساتھ تنازع ہے ہم آپ کے پاس فیصلہ لے آئیں گے آپ ہمارے حق میں فیصلہ کر دینا حتی کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انکار کر دیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور فتنہ کی اصل اختیار ہے جیسا کہ گزر چکا ہے پھر اس کا معنی مختلف ہے پس یہاں يَفْتِنُوْكَ کا معنی ہے وہ آپ کو روکیں گے اور تمہیں دور کریں گے۔ الفتنہ بمعنی الشرک ہوگا اسی سے ہے وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ: 217) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (بقرہ: 193) کبھی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 632　2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 266

الفتنة بمعنی العبرة ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الممتحنہ: 5) ہمیں نہ بنا دے فتنہ کافروں کے لیے۔

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (یونس) اور ہمیں نہ بنا دے فتنہ ظالم قوم کے لیے۔

اور کبھی الفتنة کا معنی راستہ سے روکنا ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اور وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ تاکید کے لیے ہے یا یہ احوال اور احکام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ہر ایک کے متعلق آپ اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان کے جواز پر دلیل ہے، کیونکہ فرمایا: اَنْ يَّفْتِنُوْكَ یہ نسیان سے ہوگا عمداً نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: خطاب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کا غیر ہے۔ اس کا بیان سورۃ الانعام میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ کا معنی ہے عن كل ما أنزل الله اليك۔ بعض کا لفظ کل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أو يَعْتَبِطْ بعضَ النّفوسِ حِمامُها

أو يَرتَبِطْ بھی مروی ہے کل النفوس کا ارادہ کیا ہے۔ اسی پر محمول کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو: لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ (الزخرف: 63)

ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ بعض اس آیت میں اپنی حالت پر ہے۔ اس سے مراد رجم ہے یا حکم سے مراد وہ ہے جس کا یہود نے ارادہ کیا تھا انہوں نے کل سے برگشتہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اگر وہ تیرے حکم کا انکار کریں یا اس سے اعراض کریں۔ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جلاوطنی، جزیہ اور قتل کا عذاب دے گا۔ اسی طرح ہوا تھا۔ فرمایا: (بِبَعْضِ) بعض کے ساتھ سزا ان کی تباہی کے لیے کافی تھی۔ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اس سے مراد یہود ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

”تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ، اَفَحُكْمَ پر نصب يَبْغُوْنَ کی وجہ سے ہے معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ شریف کا حکم، وضیع (گھٹیا) کے حکم کے خلاف کرتے تھے جیسا کہ کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہود ضعیف اور فقراء پر حدود قائم کرتے تھے اور طاقتور اغنیاء پر حدود قائم نہیں کرتے تھے، پس وہ اس فعل میں جاہلیت کے مشابہ تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ سفیان بن عیینہ نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے طاؤس سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: جب ان

سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا کہ وہ اپنی بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دیتا ہے تو وہ یہ آیت پڑھتے تھے: **اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ**۔ طاؤس کہتے تھے: کسی کے لیے جائز نہیں کہ بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دے، اگر وہ ایسا کرے گا تو نافذ نہ ہوگا اور فسخ ہوگا۔ اہل ظاہر نے یہی کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے اسی طرح مروی ہے۔

ثوری، ابن المبارک اور اسحاق نے اس کو مکروہ کہا ہے، اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور رد نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک، ثوری، لیث، امام شافعی اور اصحاب الرائے نے اس کی اجازت دی ہے اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے فعل سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو دوسروں سے زیادہ دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد: فارجعه (اس بیٹے سے واپس لے لے) اور فاشهد على هذا غیری میرے علاوہ کسی دوسرے کو گواہ بنا۔ سے استدلال کیا ہے اور پہلے مسلک کے علماء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشیر کو جو فرمایا تھا اس سے استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا تھا: ''اس کے علاوہ تیری اولاد ہے'' اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ''کیا تو نے سب کو اس طرح ہبہ کیا ہے'' اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: ''پھر مجھے گواہ نہ بنا میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا''۔ ایک روایت میں ہے ''میں گواہ نہیں بنتا مگر صرف حق پر''۔ علماء نے فرمایا: جو ظلم اور غیر حق ہو وہ باطل ہے جو جائز نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ''اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنا'' یہ شہادت کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس سے زجر کیا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جور کہا ہے اور اس میں گواہ بننے سے اجتناب کیا ہے پس مسلمانوں میں کسی کو اس پر گواہ بنانا بھی ممکن نہیں۔ رہا حضرت ابوبکر کا فعل، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے معارض نہیں ہو سکتا شاید انہوں نے اپنی دوسری اولاد کو عطیہ دیا ہو جو اس کے برابر ہو۔

اگر کہا جائے کہ اصل انسان کا اپنے مال میں مطلقاً تصرف کرنا ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا اصل کلی اور معینہ واقعہ اس اصل کے مخالف ہے ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے جیسے عموم اور خصوص ہوتا ہے اصول میں ہے کہ صحیح خاص پر عام کی بنا ہے، پھر یہ اس نافرمانی کا باعث ہوتا ہے جو بہت بڑا گناہ ہے اور یہ حرام ہے اور جو حرام تک لے جائے وہ ممنوع ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو''۔ نعمان نے کہا: میرے باپ نے رجوع کیا اور وہ صدقہ لوٹا دیا۔ اور صدقہ کو باپ بالاتفاق واپس نہیں کر سکتا اور فارجعه کا ارشاد فاردد کے معنی پر محمول ہے اور فسخ میں لوٹانا ظاہر ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ رد ہے یعنی مردود اور منسوخ ہے'' یہ ظاہر اور قوی ہے اور منع میں واضح ترجیح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن وثاب اور نخعی نے کہا: **اَفَحُكْمَ** کو رفع **يَبْغُوْنَ** کے معنی کی بنا پر ہے ضمیر کو حذف کیا گیا جس طرح ابو النجم نے اپنے قول میں حذف کیا ہے:

قد أصبحت أُمُّ الخِيارِ تَدَّعِي　على ذنبًا كلّه لم أَصْنَعِ

كله کو رفع کے ساتھ روایت کیا گیا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہونا بھی جائز ہے **افحكم الجاهلية حكم يبغونه** پھر موصوف کو حذف کیا گیا۔

حسن، قتادہ، اعرج اور اعمش نے اَفَحُکْمَ کو حا اور کاف کے نصب اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جماعت کی قرأت کے معنی کی طرف راجع ہے، کیونکہ نفس حکم مراد نہیں ہے اس سے مراد حکم ہے گویا فرمایا: أفحکم حکم الجاهلیة یبغون کبھی حکم اور حاکم لغت میں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں وہ اس سے مراد کاہن اور دوسرے جاہلیت کے حکام لیتے ہیں حکم سے مراد عموم اور جنس ہے، کیونکہ اس سے متعین حاکم مراد نہیں لیا گیا۔ مضاف کا جنس واقع ہونا جائز ہے جیسا کہ ان کے قول میں جائز ہے: منعت مصرا ر دبها و شبهه۔

ابن عامر نے تبغون تا کے ساتھ اور باقی قراء نے یا کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۠ یہ انکار کی جہت سے استفہام ہے یعنی لا احد احسن۔ یہ مبتدا خبر ہے حکما پر نصب بیان کی بنا پر ہے۔ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ یعنی عند قوم یوقنون۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

''اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے، سو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ یہ تَتَّخِذُوا کے دونوں مفعول ہیں یہ شرعاً تعلقات ختم کرنے پر دلیل ہے اس کا بیان سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، پھر کہا گیا ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں یعنی اے وہ لوگو! جو ظاہراً ایمان لائے وہ مشرکین سے دوستی رکھتے تھے اور انہیں مسلمانوں کے راز بتاتے تھے۔ بعض نے فرمایا: یہ ابولبابۃ کے بارے میں نازل ہوئی جب مسلمان خوفزدہ ہوئے تھے حتی کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ یہود و نصاریٰ سے دوستی لگالیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت عبادہ بن صامت، عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی پھر حضرت عبادہ نے تو یہود کی دوستی سے برات کرلی اور ابن ابی نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ اس نے کہا: مجھے گردش کا خوف ہے۔

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ یہ مبتدا خبر ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ شرع ان کی آپس میں موالات کو ثابت کرتی ہے حتی کہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ یعنی جو تم میں سے مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا۔ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا حکم ان کے حکم کی طرح ہے۔ یہ مرتد سے مسلمان کے میراث بانٹنے کے اثبات کو مانع ہے جس سے ان سے دوستی کی تھی وہ ابن ابی تھا پھر یہ حکم قطع دوستی کا قیامت تک باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ہود: 113) اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور آل عمران میں فرمایا: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

(آل عمران:28) وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران:118) اس پر کلام گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ یہ شرط اور جواب شرط ہیں، یعنی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی جس طرح انہوں نے مخالفت کی اور اس سے دشمنی واجب ہے جس طرح ان سے دشمنی واجب ہے اس کے لیے آگ واجب ہے جس طرح ان کے لیے واجب ہے، پس وہ ان سے ہو گیا۔

فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۵۳﴾

"سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف، کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے۔ وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) دیدے فتح کامل یا (ظاہر کر دے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم۔ اور (اس وقت) کہیں گے ایمان والے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اللہ کی سخت سے سخت کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں؟ اکارت کیے گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ (سراسر) نقصان اٹھانے والے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی ہیں۔ یُسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یعنی وہ ان کی محبت و معاونت میں جلدی کرتے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ۔ کہتے ہیں: ہمیں اندیشہ ہے ہم پر کوئی گردش زمانہ آئے خواہ وہ قحط کی صورت میں آئے تو وہ یہود ہمیں نوازیں گے نہیں اور وہ ہم پر مہربانی نہیں کریں گے یا ایسی صورت ہو جائے کہ یہود مسلمانوں پر غالب آ جائیں تو معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہے گا نہیں، اس لیے ہم یہود سے رشتہ الفت رکھتے ہیں۔ یہ قول معنی کے زیادہ قریب ہے گویا یہ دارت تدور سے ہے یعنی ہمیں گردش زمانہ کا اندیشہ ہے اس پر یہ قول دلالت کرتا ہے: فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ۔ شاعر نے کہا:

یَرُدُّ عنك القَدَرَ المقدورا و دائراتِ الدهر أن تَدورا

یعنی گردش زمانہ ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف پھر گئی۔ الفتح کے معنی میں اختلاف ہے الفتح کا معنی فیصلہ اور حکم بھی ہے۔ یہ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ کا فیصلہ آیا تو بنی قریظہ کے جنگ جوؤں کو قتل کر دیا گیا ان کی

عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا۔ ابو علی نے کہا: یہ مسلمانوں کو مشرکین کے شہروں کی فتح عطا کرنا ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔ سدی نے کہا: اس سے مراد جزیہ ہے۔ حسن نے کہا: منافقین کے امر کا اظہار کرنا اور ان کے نام بتانا اور ان کے قتل کا حکم دینا مراد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: شادابی اور خوشحالی کا مسلمان کے لیے اظہار ہے۔ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ یعنی وہ کفار سے دوستی کرنے پر شرمندہ ہوں گے جو وہ مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد دیکھیں گے اور جب وہ موت کو دیکھیں گے اور انہیں عذاب کی بشارت دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا سے مراد اہل مدینہ اور اہل شام ہیں۔ یقول بغیر واؤ کے پڑھا ہے ابو عمرو اور ابن ابی اسحاق نے ویقول واؤ کے ساتھ اور اَنْ يَّاْتِيَ پر عطف کی بنا پر نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اکثر نحویوں کے نزدیک ہے تقدیر اس طرح ہے: فعسى الله أن ياتى بالفتح وأن يقول۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ معنی پر عطف ہے، کیونکہ عسى أن ياتى بالفتح کا معنی ہے وعسى أن ياتى الله بالفتح، کیونکہ عسى زيد أن ياتى و يقوم عمرو۔ جائز نہیں ہے، کیونکہ معنی صحیح نہیں ہے تا جب تو کہتا ہے: وعسى زيد أن يقوم عمرو لیکن اگر تو کہتا ہے: عسى أن يقوم زيد و ياتى عمرو تو یہ عمدہ تھا اور جب تو اَنْ يَّاْتِيَ میں تقدیم کو مقدر کرتا تو اچھا ہوتا، کیونکہ تقدیر اس طرح ہوگی: عسى أن ياتى وعسى أن يقوم اور یہ اس قول کے باب سے ہوگا:

ورأيت　زوجك　في　الوغى　مُتقلّدا　سيفاً　ورُمحا

اس سے تیسرا قول بھی ہے کہ تو اسے الفتح پر عطف کرے جیسا کہ شاعر نے کہا:

لَلُبس عَباءة و تَقرّ عيني

اور اَنْ يَّاْتِيَ کو اسم جلالت سے بدل بنانا بھی جائز ہے تقدیر اس طرح ہوگی: عسى أن ياتى الله ويقول الذين آمنوا اور کوفیوں نے وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا پہلے سے منقطع کر کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اَهٰۤؤُلَآءِ منافقین کی طرف اشارہ ہے۔ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ انہوں نے قسمیں اٹھائیں اور قسموں میں سختی پیدا کی۔ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ یعنی وہ کہتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اِنَّهُمْ، اَقْسَمُوْا کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی مومنوں نے یہود کو توبیخ کی جہت سے کہا: کیا انہوں نے سخت سے سخت قسمیں اٹھائیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمہاری مدد کریں گے؟ یہ بھی احتمال ہے کہ مومنین ایک دوسرے کے معاون ہوں گے یعنی یہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ وہ مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آج ان کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ یعنی ان کا نفاق باطل ہے۔ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ یعنی ثواب میں گھاٹا پانے والے ہیں۔ بعض نے فرمایا: انہوں نے یہود کی دوستی میں خسارہ اٹھایا اور یہود کے قتل اور ان کے جلاوطن کیے جانے کے بعد انہیں کوئی ثمرہ نہ ملا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے، جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لیے، بہت سخت ہوں گے کافروں پر، جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ محض اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ شرط اور جواب شرط فَسَوۡفَ الخ ہے اہل مدینہ اور شام کی قرأت میں من یرتدد یعنی دو دالوں کے ساتھ ہے اور باقی قراء نے مَنۡ يَّرۡتَدَّ پڑھا ہے۔ یہ قرآن اور نبی کریم ﷺ کے اعجاز میں سے ہے، کیونکہ اس نے ان کے ارتداد کی خبر دی اور یہ آپ کے عہد میں نہ تھا اور یہ غیب تھا۔ جو آپ نے خبر دی وہ مدت کے بعد ہوا تھا اور اہل ردت آپ ﷺ کے بعد ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو عرب مرتد ہو گئے سوائے تین مساجد کے لوگوں کے۔ مسجد مدینہ، مسجد مکہ اور مسجد جواثی اور ان کی ردت دو قسم کی تھی، ایک قسم وہ تھی جنہوں نے پوری شریعت کو پھینک دیا تھا اور اس سے نکل گئے تھے۔ دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے زکوٰۃ کے وجوب کو تسلیم نہیں کیا تھا اور اس کے علاوہ اسلام کے احکام کا اعتراف کیا تھا، انہوں نے کہا: ہم نماز، روزہ کریں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور حضرت خالد بن ولید کو لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا پس انہوں نے ان سے قتال کیا اور انہیں قیدی بنایا جیسا کہ ان کی اخبار سے مشہور ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ، يُحِبُّهُمۡ محل نعت میں ہے۔ یہ حسن، قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ یہ حضرت ابوبکر اور ان کے ساتھیوں کے بارے نازل ہوئی۔ سدی نے کہا: یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے فرمایا: یہ ایسی قوم کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت موجود نہیں تھی حضرت ابوبکر نے اہل ردت سے ایسی قوم کے ساتھ مل کر جہاد کیا جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود نہ تھے اور وہ یمن کے قبائل ہیں کندہ، بجیلہ اور اشجع۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اشعریین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد اشعریین کی کشتیاں آئیں اور سمندری راستہ سے یمن کے قبائل آئے ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسلام میں آزمائش تھی۔ عراق کی اکثر فتوحات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یمنی قبائل کے ہاتھوں ہوئیں (1)۔ جو اس آیت کے نزول میں کہا گیا ہے یہ اس میں سے اصح ہے۔ واللہ اعلم

حاکم ابو عبداللہ نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف اشارہ فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا: یہ اس کی قوم ہے (2)۔ قشیری نے کہا: ابوالحسن کے متبعین اس کی قوم سے

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 253　2۔ مستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 313

ہیں، کیونکہ ہر جگہ جہاں قوم کو اس کے نبی کی طرف مضاف کیا گیا ہے اس سے مراد اس کے متبعین ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، اَذِلَّةٍ قوم کی صفت ہے اسی طرح اَعِزَّةٍ بھی صفت ہے یعنی وہ مومنین سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ دابة ذلول جو آسانی سے مطیع بنایا گیا ہو۔ الذل میں سے کسی شے کا دخل نہیں اور وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ مومنین کے لیے اس طرح ہیں جس طرح باپ، بیٹے کے لیے ہوتا ہے اور سردار، غلام کے لیے ہوتا ہے، وہ کفار پر اس طرح شدید ہیں جیسے شیر اپنے شکار کے لیے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 29)

یہ بھی جائز ہے کہ اَذِلَّةٍ کی نصب حال کی بنا پر ہو یعنی یُحبھم و یحبّونه فی هذہ الحال اس سے پہلے اللہ کا اپنے بندے سے محبت کرنا اور بندوں کا اللہ سے محبت کرنے کا معنی گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ صفت کی جگہ میں ہے۔ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ یعنی وہ منافقین کے برعکس ہیں جو گردش زمانہ سے ڈرتے ہیں۔ اس سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی امامت کے ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جہاد کیا اور آپ کے بعد مرتدین سے قتال کیا پس معلوم ہوا کہ جن میں یہ صفات ہوں وہ اللہ کے ولی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کو شامل ہے جو قیامت تک کفار سے جہاد کرے گا۔ واللہ اعلم

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ مبتدا خبر ہیں۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ یعنی وسیع فضل والا ہے اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

''تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا: عبد اللہ بن سلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہماری قوم قریظہ اور نضیر نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور انہوں نے قسمیں اٹھائی ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہم مجلس نہیں ہوں گے۔ اور ہم دور رہنے کی وجہ سے آپ کے اصحاب سے بھی مجلس نہیں کر سکتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عبد اللہ بن سلام نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنین کے مددگار رہنے پر راضی ہیں (1)۔ وَالَّذِيْنَ یہ تمام مومنین کو شامل ہے۔ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ الخ کا معنی پوچھا گیا: کیا اس سے مراد حضرت علی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 47

رضی اللہ عنہ ہیں؟ فرمایا: علی بھی مومنین میں سے ہیں۔ یہ قول دلیل ہے کہ یہ تمام مومنین کے لیے ہے۔
نحاس نے کہا: یہ واضح قول ہے، کیونکہ الذین جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: یہ حضرت ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی، یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ اس قول پر برانگیختہ کیا ہے الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ نے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک سائل نے مسجد نبوی میں سوال کیا تو اسے کسی نے کوئی چیز عطا نہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع میں تھے اور آپ کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی آپ نے ہاتھ سے سائل کی طرف اشارہ کیا حتی کہ اس نے وہ انگوٹھی لے لی۔ الکیا طبری نے کہا: یہ دلیل ہے کہ عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی، کیونکہ رکوع میں انگوٹھی کا صدقہ کرنا یہ نماز میں عمل کیا اور اس سے حضرت علی کی نماز باطل نہ ہوئی اور يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ یہ دلالت کرتا ہے کہ نفلی صدقہ کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکوع میں انگوٹھی کو صدقہ کیا یہ اس ارشاد کی مثل ہے وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم) فرض اور نفل ایک نظم میں ہیں پس زکوٰۃ کا اسم فرض اور نفل کو شامل ہے جیسے صدقہ کا اسم، نماز کا اسم فرض اور نفل کو شامل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس جگہ زکوٰۃ سے مراد انگوٹھی صدقہ کرنا ہے اور انگوٹھی صدقہ کرنے پر زکوٰۃ کے لفظ کا حمل، اس میں بعد ہے کیونکہ زکوٰۃ کا لفظ مختص ہے زکوٰۃ کے ساتھ جو فرض ہے اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اس سے پہلے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ بھی ہے جو قرینہ ہے کہ اس سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کا معنی ہے وہ نماز کو اپنے حقوق کے ساتھ ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔ یہاں مراد فرضی نماز ہے۔ پھر فرمایا: وَهُمْ رٰكِعُوْنَ یعنی نفل ادا کرتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: رکوع کا علیحدہ ذکر شرف کے اظہار کے لیے ہے۔ بعض نے فرمایا: مومنین اس آیت کے نزول کے وقت ایسی حالت میں تھے کہ بعض نماز کو مکمل کرنے والے تھے اور بعض رکوع میں تھے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ نماز میں تھوڑے سے عمل کے جواز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اور یہ مدح کے طور پر ذکر ہے مدح کے باب میں کم از کم یہ ہے کہ وہ مباح ہو (1)۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سائل کو عطا فرمایا جب کہ آپ نماز میں تھے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ نفلی نماز ہو اور یہ فرض نماز میں مکروہ ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مدح دونوں حالتوں کے اجتماع پر متوجہ ہو گویا اس کا وصف بیان کیا گیا ہے جو نماز اور زکوٰۃ کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے پس نماز کو رکوع سے تعبیر فرمایا اور وجوب کے اعتقاد کو فعل سے تعبیر فرمایا جیسے تو کہتا ہے: المسلمون هم المصلون تو یہ ارادہ نہیں کرتا کہ اس حال میں وہ نماز پڑھ رہے تھے مدح حالت نماز کو متوجہ نہیں بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو یہ فعل کرتا ہے اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

''اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے

1۔ احکام القرآن للجصاص

ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی جس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے والی کے حکم کی پیروی کی وہ اللہ کا گروہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قیام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی نصرت کو مددگار بنایا۔ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ حسن نے کہا: حزب اللہ سے مراد اللہ کا لشکر ہے۔ ان کے علاوہ نے کہا: وہ اللہ کے انصار ہیں۔ شاعر نے کہا: کیف أضوی و بِلالٌ حِزْبِی

یعنی میں کیسے کمزور سمجھا جاتا ہوں جب کہ بلال میرا مددگار ہے۔

مومنین اللہ کا حزب ہیں یقیناً وہ یہود پر غالب آئے انہیں قیدی بنا کر قتل کر کے اور جلاوطن کر کے اور جزیہ لگا کر۔ الحزب لوگوں کا گروہ، اس کا اصل معنی النائبہ مصیبت زدہ لوگ مصیبت پر جمع ہوتے ہیں۔ حزب الرجل سے مراد اس کے اصحاب ہیں الحزب سے مراد ورد بھی ہے اسی سے حدیث ہے: فمن فاته حزبه من الليل (1) جس سے رات کا وظیفہ اور ورد رہ جائے۔ قد حزبت القرآن میں نے قرآن کا ورد کیا۔ الحزب سے مراد گروہ بھی ہے۔ تحزبوا کا معنی ہے جمع ہوئے۔ الاحزاب وہ گروہ جو انبیاء کے ساتھ جنگ کرنے پر جمع ہوئے۔ حزبه امر اس کو کوئی حادثہ پہنچا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾

''اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفار سے (اپنے) دوست اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایماندار''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہود اور مشرکین مسلمانوں پر ہنستے تھے جب مسلمان سجدہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا، الهزأ کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ۔ ابو عمرو اور کسائی نے جر کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی میں من الکفار۔ کسائی نے کہا: حضرت ابی کے نسخہ میں من الکفار تھا اور یہاں ''من'' جنس کے بیان کے لیے ہے۔ نصب زیادہ واضح ہے یہ نحاس کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ قریب ترین عامل پر معطوف ہے اور وہ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ہے پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ یہود و مشرکین کو اپنا مددگار بنائیں اور انہیں بتایا کہ دونوں فریق مومنین کے دین کو مزاق اور کھیل بناتے ہیں، اور جنہوں نے نصب پڑھی ہے انہوں نے الذین پر عطف کیا ہے جو لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا میں ہے یعنی ان کو اور ان کو دوست نہ بناؤ اور اس قرأت میں الهزء اور اللعب سے موصوف یہود

1۔ سنن ابی داؤد، باب نام عن حزبہ، حدیث نمبر 1118، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی من نام عن حزبہ من اللیل، حدیث نمبر 1332، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہیں کوئی دوسرا نہیں اور جن کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے وہ یہود و مشرکین ہیں اور دونوں قرأت میں جر کے ساتھ ہیں ھزء اور لعب سے موصوف ہیں۔ مکی نے کہا: نصب پر جماعت کا اتفاق نہ ہوتا تو میں جر کو اختیار کرتا، کیونکہ اعراب میں معنی میں تفسیر اور معطوف علیہ سے قرب میں یہ قوی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے مشرکین و منافقین کو مددگار نہ بناؤ اس کی دلیل یہ ہے اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ (بقرہ:14) اور مشرکین تمام کفار ہیں لیکن کفار کا لفظ غالب طور پر مشرکین کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے اہل کتاب کا ذکر کافروں سے علیحدہ کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت اس ارشاد لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست (و مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران:118) نہ بناؤ اپنا رازدار غیروں کو۔

منع اپنے ضمن میں مشرکین کی تائید، ان کی مدد وغیرہ کو شامل ہے۔ حضرت جابر نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب احد کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو یہود کی ایک قوم آئی اور کہا: ہم آپ کے پاس چلیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہم اپنے معاملہ میں مشرکین سے مدد حاصل نہیں کرتے''۔ یہ مذہب شافعی میں سے صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے مشرکین کے خلاف یہود سے مدد لینے کو مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا ہے اور کتاب اللہ اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے نیز حدیث میں بھی ایسا موجود ہے۔ واللہ اعلم (1)

وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

''جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی آذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ یہ (حماقت) اس لیے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے''۔

اس میں بارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الکلبی نے کہا: جب موذن اذان دیتا اور مسلمان نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہود کہتے: وہ کھڑے ہوئے کبھی کھڑے نہ ہوں، وہ ہنستے تھے جب مسلمان رکوع اور سجدہ کرتے تھے وہ اذان کے بارے میں کہتے: انہوں نے یہ بدعت نکالی ہے ہم نے گزشتہ قوموں میں ایسی چیز نہیں سنی، یہ تیرے لیے قافلہ کے چیخنے کی طرح چیخنا کہاں سے آیا ہے، یہ کتنی قبیح آواز ہے اور یہ معاملہ کتنا برا ہے (2)۔ بعض علماء نے کہا: جب موذن نماز کے لیے اذان دیتا تھا تو وہ آپس میں ہنستے تھے اور بطور استہزا اشارے کرتے تھے اور مسلمانوں کو بے وقوف اور جاہل قرار دیتے تھے اور لوگوں کو اس سے نفرت دلاتے تھے اور نماز کی طرف بلانے والے سے دور کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ نماز کی طرف دعوت دینے والے کو نماز کے ساتھ استہزا اور مذاق کرنے والے کی طرح دیکھتے تھے، کیونکہ وہ نماز کی قدر و منزلت سے ناواقف تھے پس یہ آیت نازل ہوئی اور یہ ارشاد نازل ہوا: وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا (حم السجدہ:33)

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 85
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 48

النداء کا معنی بلند آواز سے پکارنا ہے اس کو ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے جیسے الدعاء، الرغاء، ناداہ، منادات و نداء اس کا معنی ہے اس نے اسے آواز دی۔ تنادوا یعنی ایک دوسرے کو پکارا۔ تنادوا کا معنی ہے وہ مجلس میں بیٹھے۔ ناداہ اس نے اسے مجلس میں بٹھایا۔ قرآن میں اذان کا ذکر صرف اسی جگہ ہے لیکن سورۂ جمعہ میں بطور اختصاص ذکر کیا گیا ہے۔(1)

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے فرمایا: ہجرت سے پہلے مکہ میں اذان نہیں تھی وہ اس طرح آواز دیتے تھے الصلوٰۃ جامعۃ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور قبلہ، کعبہ کی طرف پھیرا گیا تو اذان کا حکم دیا گیا اور الصلوٰۃ جامعۃ کی صدا کسی ایسے امر کے لیے باقی رہی جو پیش آجاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کے امر نے پریشان کیا حتیٰ کہ حضرت عبد اللہ بن زید اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابو بکر صدیق کو خواب میں اذان دکھائی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمان میں اذان سنی تھی (2)۔ حضرت عبد اللہ بن زید خزرجی انصاری اور حضرت عمر بن خطاب کے خواب مشہور ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق رات کو ہی بتا دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھنے کے بعد کہا: جب صبح ہو گی تو آپ کو بتاؤں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی جس طرح آج اذان دی جاتی ہے۔

حضرت بلال نے صبح کی اذان میں یہ زیادتی کی الصلوٰۃ خیر من النوم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو قائم رکھا اور یہ انصاری کے خواب میں نہیں تھے۔ ابن سعد نے یہ حضرت ابن عمر سے ذکر کیا ہے (3)۔ دار قطنی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کو اذان خواب میں دکھائی گئی انہوں نے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کے خبر دینے سے پہلے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا تھا۔ یہ انہوں نے اپنی کتاب ''المدبج'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ذکر کیا ہے جو انہوں نے حضرت ابو بکر سے روایت کی ہے اور حضرت ابو بکر کی حدیث میں جو انہوں نے ان سے روایت کی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اذان اور اقامت کے وجوب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک اذان مساجد میں جماعت کے لیے واجب ہے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ موطا میں امام مالک نے اس پر نص قائم کی ہے۔ امام مالک کے متاخرین اصحاب میں اختلاف ہے ان کے دو قول ہیں (۱) شہر اور جو قصبہ شہر کی طرح ہے ان پر اس کا ادا کرنا سنت مؤکدہ واجب علی الکفایہ ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ فرض علی الکفایہ ہے۔ اسی طرح اصحاب شافعی کا اختلاف ہے۔ طبری نے امام مالک سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر شہر والے اذان جان بوجھ کر چھوڑ دیں تو وہ نماز کا اعادہ کریں۔ ابو عمر نے کہا: میں شہر والوں پر اذان کے وجوب پر کوئی اختلاف نہیں جانتا ہوں، کیونکہ اذان دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان جدائی اور تفریق کرنے والی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو بھیجتے تھے تو اسے فرماتے تھے: ''جب تم اذان سنو تو رک جاؤ اور جب تم اذان نہ سنو تو حملہ کر دو'' اور صحیح مسلم میں ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر کے وقت حملہ کرتے تھے جب اذان سن لیتے تو حملہ نہ کرتے تھے ورنہ حملہ کر دیتے تھے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی　　2۔ طبرانی، الاوسط، حدیث نمبر 9243

3۔ ابن ماجہ، کتاب الاذان والسنۃ فیہ، حدیث نمبر 698، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عطا، مجاہد، اوزاعی اور داؤد نے کہا: اذان فرض ہے انہوں نے فرض کفایہ نہیں کہا۔ طبری نے کہا: اذان سنت ہے، واجب نہیں ہے، انہوں نے اشہب عن مالک کے سلسلہ سے یہ روایت کیا ہے اگر مسافر جان بوجھ کر اذان چھوڑ دے تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔ کوفیوں نے مکروہ کہا ہے کہ مسافر بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھے انہوں نے کہا: رہا شہر میں رہنے والا تو اس کے لیے اذان اور اقامت کہنا مستحب ہے اگر لوگوں کی اذان اور اقامت کو کافی سمجھا تو بھی جائز ہوگا۔ ثوری نے کہا: سفر میں اذان کے قائم مقام اقامت ہو جاتی ہے اگر تو چاہے تو اذان دے اور اقامت بھی کہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: مسافر اذان دے، کیونکہ حضرت مالک بن حویرث کی حدیث اس پر دلیل ہے (1)۔ داؤد نے کہا: اذان اور اقامت ہر مسافر پر واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث کو اور ان کے ساتھی کو فرمایا: ''جب تم دونوں سفر میں ہو تو اذان دو اور تکبیر کہو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے''۔ اس کو بخاری نے نقل کیا ہے اور یہ اہل ظاہر کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث اور اس کے چچا کے بیٹے کو کہا: ''جب تم سفر میں ہو تو اذان دو اور تکبیر کہو اور تم میں سے بڑا امامت کرائے'' (2)، ابن المنذر نے کہا: اذان اور اقامت سفر و حضر میں ہر جماعت پر واجب ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اذان کا حکم دیا اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

ابو عمر نے کہا: امام شافعی، امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب، ثوری، احمد، اسحاق، ابو ثور اور طبری کا اتفاق ہے کہ مسافر جب جان بوجھ کر یا بھول کر اذان ترک کر دے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح ان کے نزدیک حکم ہے جب اقامت کو ترک کر دیں اقامت ترک کرنے میں زیادہ کراہت ہے۔ امام شافعی نے حجت پکڑی ہے کہ اذان واجب نہیں اور نہ نماز کے فرائض میں سے فرض ہے، کیونکہ مزدلفہ اور عرفہ میں نمازوں کے جمع کرنے کے وقت ایک نماز کے لیے اذان ساقط ہو جاتی ہے۔ امام مالک کا مذہب سفر میں اذان کے بارے میں امام شافعی کے مذہب کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مالک اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ ہیں اور تکبیر (اقامت) کے کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں مگر امام شافعی پہلی تکبیر کو چار مرتبہ کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابو محذورہ کی حدیث میں ثقہ راویوں سے محفوظ ہے اور حضرت عبد اللہ بن زید کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے (3) فرمایا: یہ ایسی زیادتی ہے جس کا قبول کرنا واجب ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اہل مکہ کی اذان ہمیشہ حضرت ابو محذورہ کی آل میں رہی، اسی طرح ان کے زمانہ تک ہے۔ ان کے اصحاب نے کہا: اب بھی ان کے نزدیک اسی طرح ہے۔ اور امام مالک کا جو نظریہ ہے وہ حضرت ابو محذورہ کی اذان میں اور حضرت عبد اللہ بن زید کی اذان میں احادیث صحاح میں موجود ہے ان کے نزدیک مدینہ طیبہ میں آل سعد قرظی میں ابھی تک موجود ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا اذان میں ترجیع پر اتفاق ہے اور یہ موذن کا اشھد ان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ کہنا اور اشھد ان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ کہنا ہے۔ پھر دو دو مرتبہ آواز کو بلند اور لمبا کر کے کہنا ہے۔ امام مالک، امام شافعی کا اقامت میں کوئی اختلاف نہیں مگر قد قامت الصلوٰۃ میں اختلاف ہے۔ امام مالک اس کو ایک مرتبہ کہتے ہیں اور امام

1۔ الاستذکار، جلد 4، صفحہ 80 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 421، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شافعی دو مرتبہ کہتے ہیں: اکثر علماء کی رائے امام شافعی کے قول پر ہے، آثار بھی اس کے متعلق مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور حسن بن حی نے کہا: اذان اور اقامت دونوں کے کلمات دو دو مرتبہ کہنے ہیں ان کے نزدیک ابتدا میں تکبیر اور اذان میں اللہ اکبر چار چار مرتبہ ہے۔ ان علماء کے نزدیک اذان میں ترجیع (ایک مرتبہ کلمہ شہادت کہنا اور دوبارہ بلند آواز سے کہنا) نہیں ہے ان کی حجت حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی حدیث ہے فرمایا: ہمیں اصحاب محمد نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا ایک شخص کھڑا ہے اور اس پر دو سبز چادریں ہیں وہ دیوار کے ایک کونے پر کھڑا ہے اس نے اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے اور اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہے اور اذان اور اقامت کے درمیان وہ بیٹھا حضرت بلال نے اس کو سنا اور کھڑے ہوئے دو دو مرتبہ اذان کے کلمات کہے اور پھر تھوڑا سا بیٹھے اور پھر اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہے۔ اس حدیث کو اعمش وغیرہ نے حضرت عمرو بن مرۃ سے انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے یہی تابعین اور فقہاء عراق کا قول ہے(1)۔ ابواسحاق سبیعی نے کہا: اصحاب حضرت علی او حضرت عبداللہ اذان اور اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے یہ کوفیوں کی اذان ہے۔

نسل در نسل یہ طریقہ چلا آرہا ہے جیسا کہ حجازیوں میں متوارث ہے ان کی اذان میں تکبیر چار مرتبہ ہے جیسا کہ مکیوں کے ہاں ہے پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ایک مرتبہ ہے اور اشهدان محمد رسول الله ایک مرتبہ ہے پھر حی علی الصلوٰۃ ایک مرتبہ ہے پھر حی علی الفلاح ایک مرتبہ ہے پھر موذن آواز کو اونچا کر کے کلمہ شہادت کہے اور اشهدان لا اله الا الله آگے مکمل اذان کہے آخر تک دو دو مرتبہ۔ ابوعمر نے کہا: امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، داؤد بن علی، محمد بن جریر طبری کا خیال ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس کے مطابق اذان و اقامت جائز ہے انہوں نے اس کو اباحت اور تخییر پر محمول کیا ہے انہوں نے فرمایا: ہر صورت جائز ہے، کیونکہ ہر صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ان کے صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے جو چاہے اذان کی ابتدا میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہے اور جو چاہے یہ چار مرتبہ کہے، جو چاہے ترجیع کرے اور جو چاہے ترجیع نہ کرے، جو چاہے اقامت دو مرتبہ کہے، جو چاہے ایک مرتبہ کہے سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے کلمات کے یہ ہر حال میں دو دو مرتبہ کہے(2)۔

مسئلہ نمبر 5۔ صبح کی نماز کے لیے تثویب میں اختلاف ہے اور تثویب سے مراد موذن کا قول ہے الصلوٰۃ خیر من النوم۔ امام مالک، ثوری اور لیث نے کہا: صبح کی اذان میں موذن حی علی الفلاح دو مرتبہ کہنے کے بعد دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہے یہ امام شافعی کا عراق میں قول تھا اور مصر میں یہ ہے کہ یہ نہ کہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اگر چاہے تو اذان سے فارغ ہونے کے بعد یہ کہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ کلمہ نفس اذان سے ہے اور فجر کی نماز میں لوگوں کا یہی معمول ہے۔ ابوعمر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابومحذورہ کو حکم دیا کہ وہ صبح کی اذان میں

1۔ الاستذکار، جلد 4، صفحہ 14 2۔ شرح معانی الآثار میں اس پر مفصل بحث موجود ہے۔

الصلوٰۃ خیر من النوم کہے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں مروی ہے (1)۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا سنت سے ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ یہ کہتے تھے۔ رہا موطا میں امام مالک کا قول کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ موذن حضرت عمر کو صبح کی نماز کے متعلق آگاہ کرنے کے لیے آیا تو اس نے آپ کو سویا ہوا پایا، موذن نے کہا: الصلوٰۃ خیر من النوم تو حضرت عمر نے کہا: یہ صبح کی اذان میں کہا کرو، میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حضرت عمر سے اس جہت سے مروی ہے کہ اس سے حجت پکڑی جائے اور اس کی صحت کو جانا جائے اس میں ہشام بن عروہ کی حدیث ہے جو ایک شخص سے مروی ہے جسے اسماعیل کہا جاتا ہے میں اس کو جانتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں عبدہ بن سلیمان نے بیان کیا انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے ایک شخص سے روایت کیا جس کو اسماعیل کہا جاتا ہے اس نے کہا: موذن آیا اس نے حضرت عمر کو صبح کی نماز کے متعلق آگاہ کیا، اس نے کہا: الصلوٰۃ خیر من النوم، حضرت عمر کو اس پر تعجب ہوا، حضرت عمر نے موذن کو کہا: اس کو اپنی اذان میں رکھ۔ ابوعمر نے کہا: میرے نزدیک اس میں معنی یہ ہے کہ انہوں نے موذن کو کہا: صبح کی اذان اس قول کی جگہ ہے یہ اس کا مقام نہیں ہے گویا حضرت عمر نے امیر کے دروازے پر اس سے دوسری ندا کو ناپسند کیا جیسا کہ امراء نے بعد میں اس کو ایجاد کر لیا۔ ابوعمر نے کہا: مجھے اس تاویل پر ایک مخصوص وجہ نے ابھارا اگرچہ خبر کا ظاہر اس کے خلاف ہے، کیونکہ صبح کی نماز میں تثویب علماء کے نزدیک مشہور ہے اور عام لوگ یہ خیال کریں گے کہ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ناواقف تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں حضرت بلال کو اور مکہ میں حضرت ابو محذورہ کو اس کا حکم دیا تھا یہ حضرت بلال اور حضرت ابو محذورہ کی اذان میں محفوظ اور معروف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صبح کی نماز کے لیے اذان دی جاتی تھی۔ یہ علماء کے نزدیک مشہور ہے۔ وکیع نے سفیان سے انہوں نے عمران بن مسلم سے انہوں حضرت سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن کی طرف پیغام بھیجا کہ جب تو حی علی الفلاح پر پہنچے تو پھر کہہ الصلوٰۃ خیر من النوم کیونکہ یہ حضرت بلال کی اذان ہے اور یہ معلوم ہے کہ حضرت بلال نے حضرت عمر کے لیے اذان نہیں دی تھی اور نہ رسول اللہ کے بعد انہوں نے اس کو سنا تھا مگر ایک مرتبہ جب وہ شام میں داخل ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان وقت داخل ہونے کے بعد دی جائے گی سوائے فجر کی اذان کے۔ فجر کی اذان امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق اور ابوثور کے قول میں طلوع فجر سے پہلے دی جائے گی ان کی حجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ حضرت بلال رات کو اذان دیتے ہیں تم (اس وقت) کھاؤ پیو حتی کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اذان دے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور امام محمد بن حسن نے کہا: صبح کی نماز کے لیے اذان اس کے وقت کے داخل ہونے کے وقت دی جائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن حویرث اور اس کے ساتھی کو فرمایا: ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہنا اور اقامت کہنا اور تم میں سے بڑا امامت کرائے'' اور ان علماء نے بقیہ نمازوں پر اس کو قیاس کیا ہے۔ اہل حدیث کہتے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 422، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہیں: جب مسجد کے لیے دو موذن ہوں تو ایک طلوع فجر سے پہلے اذان دے اور دوسرا طلوع فجر کے بعد اذان دے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس میں اختلاف ہے کہ موذن جو اذان دیتا ہے تکبیر اس کے علاوہ کوئی اور کہے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت محمد بن عبد اللہ بن زید عن ابیہ کے سلسلہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا، کیونکہ انہوں نے خواب میں اذان دیکھی تھی کہ وہ حضرت بلال کو اذان کے کلمات سکھائیں۔ حضرت بلال نے اذان دی پھر حضرت عبد اللہ بن زید کو اقامت کہنے کا حکم دیا تو اس نے اقامت کہی (1)۔ ثوری، امام شافعی اور لیث نے کہا: جو اذان دے وہی اقامت کہے، کیونکہ عبد الرحمن بن زیاد بن انعم کی حدیث ہے جو انہوں نے زیاد بن نعیم سے انہوں نے حضرت زیاد بن حرث صدائی سے روایت کی ہے، فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب صبح کا آغاز ہوا تو آپ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا میں نے اذان کہی پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت بلال اقامت کہنے کے لیے آئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(تمہارے بھائی) صدائی نے اذان دی ہے جو اذان دے وہی اقامت کہے'' (2)۔ ابو عمر نے کہا: عبد الرحمن بن زیاد افریقی ہے اکثر علماء اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، یہ حدیث ان کے علاوہ کسی سے مروی نہیں ہے، پہلی حدیث سند کے اعتبار سے احسن ہے۔ اگر افریقی کی حدیث صحیح ہو، کیونکہ بعض اہل علم نے ان کی توثیق کی ہے اور ان کی تعریف کی ہے تو اس کا قول اولی ہے، کیونکہ اختلاف کے موقع میں وہ نص ہے اور وہ حضرت عبد اللہ بن زید کا واقعہ جو حضرت بلال کے ساتھ ہوا اس سے یہ موخر ہے اور رسول اللہ ﷺ کے آخری امر کی اتباع اولی ہے۔ نیز میں پسند کرتا ہوں کہ جب موذن ایک متعین ہو تو وہی تکبیر کہے، اگر کسی دوسرے نے اقامت کہہ دی تو نماز بالاجماع ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر 8۔ موذن کے لیے حکم ہے کہ وہ اذان کو آہستہ آہستہ دے اور اس میں راگ نہ لگائے جس طرح آج اکثر جہلاء کرتے ہیں بلکہ اکثر لوگوں نے اسے گانے اور راگ سے بھی آگے نکال دیا ہے اس میں کئی ترجیعات کرتے ہیں اور کثرت سے تقطیعات کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے دار قطنی نے ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ایک موذن تھا جو اذان میں گانے کی طرز لگاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اذان آسان نرم ہے جب تیری اذان آسان نرم ہو تو فبہا ورنہ تو اذان نہ دے''۔ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک موذن قبلہ کی طرف منہ کرے اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں اپنے سر کو پھیرے یہ اکثر اہل علم کے نزدیک ہے۔ امام احمد نے فرمایا: اپنے سر کو نہ پھیرے مگر یہ کہ وہ منارہ میں ہو اور وہ لوگوں کو آواز سنانا چاہتا ہو یہی اسحاق کا قول ہے۔ افضل یہ ہے کہ موذن باوضو اذان دے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اذان سننے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ شہادتین کے آخر تک اذان کے کلمات کو دوہرائے اگر مکمل اذان کے کلمات دوہرائے تو بھی جائز ہے، کیونکہ حضرت ابو سعید کی حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب فی الرجل یوذن ویقیم آخر، حدیث نمبر 430، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، باب السنۃ فی الاذان، حدیث نمبر 708، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خطاب سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب موذن اللہ اکبر، اللہ اکبر کہے، تو تم میں سے ہر سننے والا شخص کہے: اللہ اکبر، اللہ اکبر پھر موذن اشھد أن لا الہ إلا اللہ کہے تو وہ بھی اشھد أن لا الہ إلا اللہ کہے پھر موذن اشھد أن محمدا رسول اللہ کہے تو وہ بھی کہے اشھد أن محمدا رسول اللہ پھر موذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو سننے والا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر موذن حی علی الفلاح کہے تو وہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر وہ اللہ اکبر، اللہ اکبر کہے تو وہ بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہے پھر موذن لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو وہ بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے۔ دل سے جو یہ کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا جب وہ موذن کو سنے اشھد أن لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ وأن محمداً عبدہ و رسولہ رضیت باللہ ربا و بمحمد رسولاً وبالاسلام دینا تو اس کے پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اذان اور موذن کی فضیلت: اس کے متعلق بہت سے صحیح آثار مروی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جس کو مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ کر کے بھاگتا ہے اس کی یا آواز بلند ہوا خارج ہو رہی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اذان نہیں سنتا''۔ تیرے لیے یہ کافی ہے کہ اذان اسلام کا شعار ہے، ایمان پر علامت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، رہا موذن تو مسلم نے حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز سب سے لمبی گردنوں والے موذن ہوں گے، یہ اس دن کی ہولناکی سے امن کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔ عرب گردن کی طوالت سے مراد قوم کا معزز و معتبر شخص لیتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا:

طوال أنْضِيَةِ الأعْناق واللِمَم

مؤطا میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''موذن کی اذان کو جن وانس اور جو چیز بھی سنتی ہے وہ قیامت کے روز اس کے لیے گواہی دے گی'' اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ثواب کی نیت سے سات سال اذان دی اس کے لیے آگ سے برأت لکھی جاتی ہے'' (1)۔ اس میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بارہ سال اذان دی اس کے لیے جنت واجب ہوگی اور اس کے لیے اذان کے عوض ہر روز ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر اقامت کی وجہ سے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں'' (2)۔ ابو حاتم نے کہا: یہ سند منکر ہے اور حدیث صحیح ہے حضرت عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے فرمایا: ''مجھے جو آخری وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ میں کوئی ایسا موذن نہ لوں جو اذان پر اجرت لے (3)۔ یہ حدیث ثابت ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اذان پر اجرت لینے میں علماء کا اختلاف ہے، قاسم بن عبد الرحمٰن اور اصحاب الرائے نے اس کو مکروہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاذان، حدیث نمبر 718، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ ایضاً، حدیث نمبر 719
3۔ سنن ابن ماجہ، باب السنۃ فی الاذان، حدیث نمبر 705، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کہا ہے اور امام مالک نے اس میں رخصت دی ہے، فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام اوزاعی نے کہا: یہ مکروہ ہے اور بیت المال سے اس کی اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: موذن کو وظیفہ خمس کے خمس سے یعنی نبی کریم ﷺ کے حصہ سے دیا جائے گا۔ ابن المنذر نے کہا: اذان پر اجرت لینا جائز نہیں۔ ہمارے علماء نے اجرت لینے پر حضرت ابومحذورہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس میں نظر ہے اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ وغیرہما نے روایت کیا ہے فرمایا: میں ایک جماعت کے ساتھ نکلا ہم کسی راستہ میں تھے تو رسول اللہ ﷺ کے موذن نے آپ ﷺ کے سامنے اذان دی، ہم نے موذن کی آواز سنی جب کہ ہم اس سے اعراض کرنے والے تھے، ہم اس کا مذاق اڑاتے ہوئے چیخے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو آپ نے کچھ لوگوں کو ہماری طرف بھیجا آپ ﷺ کے سامنے انہوں نے ہمیں بٹھا دیا آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم میں سے کون تھا جس کی میں نے بلند آواز سنی'' تمام لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا اور سچی بات کہی۔ آپ ﷺ نے سب کو جانے کی اجازت دے دی اور مجھے روک لیا آپ نے مجھے فرمایا: ''تم اٹھو اور اذان دو'' میں اٹھا تو میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے امر سے کوئی چیز زیادہ ناپسندیدہ نہ تھی اور جس کا مجھے آپ نے حکم دیا تھا اس سے زیادہ ناگوار امر نہ تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا تو خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان کے کلمات سکھائے فرمایا: ''کہو اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد أن لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمداً رسول اللہ، اشھد أن محمداً رسول اللہ پھر مجھے فرمایا: اپنی آواز کو بلند کر اور لمبا کر کے کہہ اشھد أن لا الہ الا اللہ، اشھد أن لا الہ الا اللہ، اشھد أنّ محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح حی علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔ پھر مجھے بلایا جب میں نے اذان مکمل کر لی آپ نے مجھے ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی پھر آپ نے حضرت ابومحذورہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا، پھر اسے اس کے چہرے پر گزارا پھر اس کے سینہ پر گزارا پھر جگر پر گزارا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ حضرت ابومحذورہ کی ناف تک پہنچ گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تیرے لیے برکت دے، اللہ تیرے لیے برکت دے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے مکہ میں اذان دینے کا حکم فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تجھے حکم دیا'' تو میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کراہیت تھی وہ سب ختم ہوگئی اور اس کی جگہ رسول اللہ ﷺ کی محبت پیدا ہوگئی میں مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے عامل عتاب بن اسید کے پاس آیا میں نے رسول اللہ ﷺ کے امر سے ان کے ساتھ نماز کے لیے اذان دی (1)۔ یہ ابن ماجہ کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ یعنی یہ عقل سے محروم ہیں جو عقل قبائح سے منع کرتی ہے، گویا یہ ان کی طرح ہیں جن کے پاس عقل نہیں ہوتی۔ روایت ہے کہ ایک نصرانی تھا جو مدینہ طیبہ میں رہتا تھا جب اس نے موذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے سنا تو اس نے کہا: حرق الکاذب جھوٹا آگ سے جلایا گیا۔ پس اس عیسائی کے گھر میں آگ کا ایک شعلہ گرا جب کہ وہ سویا ہوا تھا اس شعلہ نے اس کے گھر اور اس کافر کو جلا دیا۔ یہ مخلوق کے لیے عبرت تھی۔

1۔ سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 422، 425، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آزمائش کلام کے سپرد کی گئی ہے کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہیں ڈھیل دی جاتی تھی حتیٰ کہ انہیں فتح ہوتی تھی پس اس کے بعد ان کو موخر نہیں کیا جائے گا، یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۝

''آپ فرمائیے: اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں۔ آپ (انہیں) فرمائیے: کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزا کے اللہ کے نزدیک؟ وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہود کا ایک گروہ آیا، جن میں ابو یاسر بن اخطب اور رافع بن ابی رافع بھی تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ آیت پڑھی: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰى وَ مَاۤ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ٘ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ) جب آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا تو یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا: بخدا ہم کوئی ایسے دین والے نہیں جانتے جو دنیا و آخرت میں تم سے زیادہ کم حصہ والے ہوں اور تمہارے دین سے برا دین نہیں جانتے تو یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی یہ اس آیت کے ساتھ متصل ہے جس میں انہوں نے اذان کا انکار کیا تھا۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت کی جامع ہے اور اس کے دین کے نہ ہونے کو بیان کرنے والی ہے جو انبیاء کے درمیان فرق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا دین نہیں جو تمام انبیاء پر ایمان لاتا ہے اور تا میں لام کو ادغام کرنا جائز ہے ان کے قرب کی وجہ سے تَنْقِمُوْنَ کا معنی ہے تم ناراض ہوتے ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تم ناپسند کرتے ہو۔ بعض نے فرمایا: تم انکار کرتے ہو۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ کہا جاتا ہے: نقم من کذا، ینقِمُ، نقم ینقم۔ پہلا مادہ زیادہ ہے۔ عبداللہ بن قیس نے کہا:

مانقموا من بنی أمیة إلا أنهم یحلمون ان غضبوا

قرآن میں ہے: وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ (البروج: 8) کہا جاتا ہے: نقمت علی الرجل فانا ناقم جب تو کسی پر ناراض ہو کہا جاتا ہے: ما نقمت علیه الاحسان۔ کسائی نے کہا: نقمت قاف کے کسرہ کے ساتھ ایک لغت ہے نقمت الامر و نقمته جب تو کسی کو ناپسند کرے۔ انتقم الله منه الله نے اس سے انتقام لیا، اسے سزا دی، اس سے اسم النقمة ہے اس کی جمع نقمات اور نقم ہے جیسے کلمة کی جمع کلمات اور کلم ہے اگر تو چاہے تو قاف کو ساکن کر دے اور اس کی حرکت نون کی طرف منتقل کر دے اور تو کہے: نقمة اور جمع نقم جیسے نعمة جمع نعم۔

اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ یہ محل نصب میں ہے اس کا ناصب تَنْقِمُوْنَ ہے اور تَنْقِمُوْنَ بمعنی تعیبون (تم عیب لگاتے ہو) ہے یعنی کیا تم ہمیں عیب لگاتے ہو بجز اس کے کہ ہم الله پر ایمان لائے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ ہم حق پر ہیں۔(1)

وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ۝ یعنی تم میں سے اکثر ایمان کو ترک کیے ہوئے ہو اور الله کے امر کی پیروی سے نکلے ہوئے ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اس کہنے والے کے قول کی مثل ہے هل تنقم منی الا انی عفیف وانك فاجر تو مجھے عیب نہیں لگا رہا مگر اس لیے کہ میں پاک دامن ہوں اور تو فاجر ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے، کیونکہ اکثر تم میں سے فاسق ہیں اس وجہ سے ہمیں عیب لگاتے ہو۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ یعنی میں تمہیں اس سے بھی برے لوگوں کے متعلق آگاہ کروں جو تمہیں عیب لگاتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے برا جو مکروہ چیز تم ہمارے لیے ارادہ کرتے ہو، یہ ان کے قول کا جواب ہے جو انہوں نے کہا تھا: ہم کوئی تمہارے دین سے برا دین نہیں جانتے۔

مَثُوْبَةً بیان کے اعتبار سے منصوب ہے اس کی اصل مفعولة ہے واؤ کی حرکت تا کو دی گئی، پھر واؤ ساکن ہو گئی اور اس کے بعد واؤ ساکن ہے پس ایک واؤ کو حذف کر دیا گیا جیسے مقولہ، مجوزہ، مضوفہ، مصدر کے معنی پر ہے جیسے شاعر نے کہا:

وكنتُ إذا جارِي دَعَا لِمَضُوفَةٍ أُشَمِّرُ حتى يَنْصُفَ السَّاقَ مِئْزَرِي

بعض علماء نے فرمایا: مفعلة جیسے تیرا قول: مکرمة، معقلة۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ، مَنْ یہ محل رفع میں ہے جیسے فرمایا: بشر من ذالكم النار۔ تقدیر عبارت ہے: هو من لعن من لعنه الله۔ یہ بھی جائز ہے کہ محل نصب میں ہو، معنی یہ ہوگا: هل انبئکم بمن لعنه الله۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ شر سے بدل کی بنا پر محل جر میں ہو تقدیر یوں ہو گی: هل أنبئكم بمن لعنه الله۔ اس سے مراد یہود ہیں(2): الطَّاغُوْتَ کے متعلق قول گزر چکا ہے یعنی جنہوں نے پوجا کی شیطان کی۔ فراء کے نزدیک موصول محذوف ہے۔ بصریوں نے کہا: موصول کا حذف جائز نہیں ہے معنی یہ ہے: من لعنه الله و عبد الطاغوت۔

ابن وثاب اور نخعی نے أنبئكم تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ نے عبد الطاغوت با کے ضمہ اور تا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کو فعل کے وزن پر اسم بنایا جیسے عضد یہ مبالغہ اور کثرت کے لیے وزن ہے جیسے یقظ، ندس، حذر اصل میں یہ

1۔ المحرر الوجیز 2۔ تفسیر بغوی

صفت ہے اسی سے نابغہ کا شعر ہے:

مِنْ وَحْشِ وَجْرة مَوْشِي أَكَارِعُه طَاوِي المَصِيرِ كَسيف الصَّيْقَل الفَرد

را کے ضمہ کے ساتھ اور اس کو نصب جعل کی وجہ سے ہے یعنی جعل منھم عبدا للطاغوت عبد کو الطاغوت کی طرف مضاف کیا اور اسے جر دی اور جعل بمعنی خلق ہے۔ اس کا معنی ہے وجعل منھم من یبالغ فی عبادۃ الطاغوت۔ باقی قراء نے با اور تا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور انہوں نے عبد کو فعل ماضی بنایا ہے اور غضب اور لعن فعل ماضی پر عطف کیا ہے۔ معنی یہ ہے: من لعنہ اللہ ومن عبد الطاغوت۔ یا جعل کی وجہ سے منصوب ہے یعنی جعل منھم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت، لفظ من پر حمل کرنے کی وجہ سے عبد میں ضمیر واحد ذکر کی۔ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود نے عبدوا الطاغوت پڑھا ہے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے۔

حضرت ابن عباس نے عبد الطاغوت پڑھا ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ عبد کی جمع ہو جیسے کہا جاتا ہے: رَھْن و رُھُن، سَقْف و سُقُف اور عباد کی جمع ہونا بھی جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے: مثال و مثل۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ عبید کی جمع ہو جیسے رغیف و رغف۔ یہ عابد کی جمع ہونا بھی جائز ہے جیسے نازل کی جمع نزل ہے معنی ہے شیطان کے خادم، حضرت ابن عباس سے عبد الطاغوت بھی مروی ہے اس کو عابد کی جمع بنایا ہے جیسے کہا جاتا ہے: شاھد کی جمع شھد، غائب کی جمع غیب، ابی واقد سے مروی ہے عباد الطاغوت مبالغہ کے لیے۔ یہ عابد کی جمع بھی ہے جیسے عامل کی جمع عمال ہے اور ضارب کی جمع ضراب ہے۔ محبوب نے ذکر کیا ہے کہ بصریوں نے عباد الطاغوت پڑھا ہے یہ بھی عابد کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قیام ہے یہ بھی جائز ہے کہ عبد کی جمع ہو (1) اور ابو جعفر رؤاسی نے عبد الطاغوت پڑھا ہے یہ مفعول کی بنا پر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: عبد الطاغوت فیھم، عون عقیلی اور ابن بریدہ نے عابد الطاغوت مفرد پڑھا ہے یہ جماعت کی تعبیر کے لیے ہے۔ حضرت ابن مسعود نے عبد الطاغوت پڑھا ہے اور حضرت ابی نے عبدت الطاغوت پڑھا ہے یہ جماعت کی تانیث کی بنا پر پڑھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَتِ الْاَعْرَابُ (الحجرات: 14) عبید بن عمیر نے اعبد الطاغوت پڑھا ہے جیسے کلب کی جمع اکلب آتی ہے یہ کل بارہ وجوہات قرأت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا کیونکہ ان کا مکان دوزخ ہے، رہے مومنین ان کے مکان میں کوئی شر نہیں ہے۔ زجاج نے کہا: اولئك شر مكانا على قولكم۔ تمہارے قول پر برے ٹھکانے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: جو اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے اس میں سے بہتر یہ قول ہے اولئك لعنھم اللہ شر مكانا فی الاخرۃ من مكانكم فی الدنیا لما لحقكم من الشر۔ دنیا میں جو تمہیں شر لاحق ہے اس کی بہ نسبت آخرت میں ان کا درجہ بہت برا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اولئك الذین لعنھم شر مكانا من الذین نقموا علیكم یعنی ان کا درجہ ان سے برا ہوگا جنہوں نے تم پر عیب لگایا۔ بعض نے فرمایا: اولئك الذین نقموا علیكم شر مكانا من الذین لعنھم اللہ۔ یعنی جن پر اللہ نے لعنت کی ان سے ان کا برا درجہ ہوگا

1۔ المحرر الوجیز

جنہوں نے تم پر عیب لگایا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے انہیں کہا: یا اخوۃ القردۃ والخنازیر اے بندروں اور خنازیر کے بھائیو! تو انہوں نے رسوائی کی وجہ سے سر جھکا لیے (1)۔ اس کے متعلق شاعر نے کہا:

فلعنةُ الله على اليهودِ إنّ اليهودَ إخوةُ القُرودِ

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

''جب آتے ہیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے حالانکہ وہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ اور زیادتی کرنے میں اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی برے کام کرتے رہے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بے شک بہت برے ہیں وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا یہ منافقین کی صفت ہے معنی ہے کہ جو کچھ انہوں نے سنا اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ وہ کافر ہوتے ہوئے داخل ہوئے کافر ہوتے ہوئے خارج ہوئے (2) وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ یعنی ان کے نفاق کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہود ہیں جنہوں نے کہا تھا: تم اس پر ایمان لاؤ جو ایمان والوں پر نازل کیا گیا، دن کے آغاز کے وقت جب تم مدینہ میں داخل ہو اور دن کے آخر میں انکار کرو، جب تم گھروں کو لوٹ کر آؤ (3)۔ اس پر دلیل یہود کا پہلے ذکر ہے اور بعد میں بھی ان کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ یعنی یہود میں سے بہتوں کو تو دیکھتا ہے۔ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ گناہ اور ظلم میں جلدی کرتے ہیں اور حرام خوری میں جلدی کرتے ہیں۔ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ، لَوْ لَا بمعنی افلا ہے يَنْهٰىهُمْ یعنی انہیں روکتے نہیں ہیں۔ الرَّبّٰنِيُّوْنَ، نصرانیوں کے علماء، الْاَحْبَارُ یہود کے علماء۔ یہ حسن کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ سب یہود میں ہے، کیونکہ یہ آیات ان کے متعلق ہیں پھر ان کے علماء کو توبیخ فرمائی، کیونکہ انہوں نے برائی سے منع کرنا ترک کیا۔ فرمایا: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ جیسے انہیں توبیخ فرمائی جو گناہ میں جلدی کرتے ہیں فرمایا: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یہ آیت دلیل ہے کہ برائی سے منع نہ کرنے والا بھی برائی کرنے والے کی طرح ہے۔ اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنے کی وجہ

1۔ تفسیر کشاف 2۔ المحرر الوجیز 3۔ تفسیر بغوی

سے علماء کو توبیخ ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں یہ مفہوم گزر چکا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے روایت کیا ہے فرمایا سفیان بن سعید نے مسعر سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک فرشتہ کو ایک شہر کے برباد کرنے کا حکم ملا، اس نے عرض کی: یارب! اس میں فلاں عابد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اس سے ہلاکت کا آغاز کر، کیونکہ احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بھی کبھی نہیں بدلا تھا۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ تمام کو سزا دے دے جو اس کے پاس ہوں (1)۔ الصنع بمعنی العمل ہے مگر یہ جودت کا تقاضا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے سیف صنیع جب اس کا کام اچھا کیا گیا ہو۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

"اور کہا یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے جکڑے جائیں گے ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اس (گستاخانہ) قول کے بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں دشمنی اور بغض روز قیامت تک جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ عکرمہ نے کہا: یہ جملہ فخاص بن عازوراء (لعنہ اللہ) اور اس کے ساتھیوں نے کہا تھا ان کے بہت سے اموال تھے جب انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا تو ان کا مال کم ہو گیا انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ بخیل ہے، اس کا ہاتھ ہمیں عطا کرنے سے باندھا ہوا ہے۔ یہ آیت ان کے بعض لوگوں میں خاص ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جو ایک قوم نے یہ کہا اور باقی لوگوں نے اس کا انکار نہ کیا تو وہ تمام برابر ہو گئے گویا سب نے یہ کہا (2)؛ حسن نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمیں عذاب دینے سے روکا گیا ہے۔ بعض نے فرمایا: جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فقر و فاقہ اور مال کی قلت میں دیکھا اور انہوں نے مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرہ: 245) کا ارشاد سنا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت محمد کریم ﷺ ان سے دیات میں مدد طلب کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: محمد ﷺ کا الٰہ فقیر ہے، کبھی انہوں نے کہا: بخیل ہے۔ ان کے قول يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کا یہی معنی ہے یہ بطور تمثیل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (الاسراء: 29)

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب و من سورۃ المائدہ، حدیث نمبر 2983، ضیاء القرآن پبلی کیشنز　　2۔ تفسیر بغوی

بخیل کو جَعْدُ الأنامل اور مقبوض الکف اور کزّ الأصابع اور مغلول الید کہا جاتا ہے شاعر نے کہا:

کانت خُراسان أرضا إذْ یَزِیدُبها　　وکلُّ باب من الخیرات مفتوح

فاستبدلت بعده جَعْداً أناملہ　　کأنّما وجهه بالخلّ منضوح

عرب کلام میں الید کا لفظ کبھی کام کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے: خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا (ص:44) یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے، کبھی نعمت کے لیے استعمال ہوتا ہے، عرب کہتے ہیں: کم یدلی عند فلان یعنی میرے کتنے احسانات اس پر ہیں کبھی یہ قوت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ (ص:17) یعنی ذا القوۃ۔ کبھی ملک اور قدرت کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (آل عمران:73) کبھی صلہ کے معنی میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا (یٰسین:71) یعنی مما عملنا نحن اور فرمایا: اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (بقرہ:237) یعنی وہ جس کے لیے نکاح کی گرہ ہے، کبھی تائید اور نصرت کے معنی میں ہوتا ہے، اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ید الله مع القاضی حتی یقضی و القاسم حتی یقسم اللہ کی تائید و نصرت قاضی کے ساتھ ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ فیصلہ کر لے اور قاسم کے ساتھ ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ تقسیم کرے۔ کبھی فعل کی مخبر عنہ کی طرف اضافت کے لیے ہوتا ہے اس کو تشریف و تکریم دینے کے لیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (ص:75) اس کو کام کرنے کے معنی پر محمول کرنا جائز نہیں کیونکہ باری تعالیٰ واحد ہے اس پر بعضیت جائز نہیں اور اسے قوت، ملک، نعمت، صلہ پر محمول کرنا درست نہیں، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے ولی آدم اور اس کے دشمن ابلیس کے درمیان اشتراک واقع ہوگا اور جو اس نے اس پر تفضیل ذکر کی ہے وہ باطل ہو جائے گی، کیونکہ تخصیص کا معنی باطل ہو جائے گا اور صرف یہ باقی رہ جائے گا کہ اسے دو صفتوں پر محمول کیا جائے جن کا تعلق حضرت آدم اور ابلیس کی تخلیق کے ساتھ ہے حضرت آدم کو شرف دینے کے لیے جب کہ ابلیس تخلیق میں ایسا نہیں اور یہ تعلق ایسا ہے جیسے مقدور کے ساتھ قدرت کا تعلق ہوتا ہے نہ کہ مباشرت کے طریق سے اور نہ مماست (چھونا) کے طریق سے ہے اس کی مثل وہ ہے جو روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا، اس سے اہل جنت کے لیے دار الکرامۃ اپنے ہاتھ سے لگایا۔ اس کے علاوہ صفت کا تعلق اپنے مقتضا سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا یا پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ضمہ کو حذف کیا گیا یعنی آخرت میں باندھے ہوں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان پر بددعا ہو۔ اسی طرح لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ہے اس سے مقصود ہمیں تعلیم دینا ہے جیسا کہ فرمایا: لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (الفتح:27) ہمیں استثنا سکھائی جس طرح ہمیں ابولہب پر بددعا سکھائی تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ساری مخلوق سے زیادہ بخیل ہیں ہر یہودی تجھے لئیم اور کمینہ نظر آئے گا اس قول کی بنا پر کلام میں واو کا اضمار ہوگا یعنی انہوں نے کہا: یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ، اللعن کا معنی دور کرنا ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ مبتدا خبر ہیں یعنی اس کی نعمت تو پھیلی ہوئی ہے الید بمعنی نعمت ہے۔ بعض

نے کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ پس اللہ کی نعمتیں شمار سے زیادہ ہیں پھر یہ کیسے ہوگا کہ اس کی دو نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جنس کا تثنیہ ہو، مفرد کا تثنیہ نہ ہو۔ پس یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: مثل المنافق کالشاۃ العائرۃ بین الغنمین کی طرح ہے۔ ایک جنس دنیا کی نعمت ہے اور دوسری جنت، آخرت کی نعمت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد دنیا کی ظاہری اور باطنی نعمت ہے جیسے فرمایا: وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان: 20)(1) اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی۔

حضرت ابن عباس نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: نعمت ظاہرۃ سے مراد تیری خوبصورت تخلیق ہے اور نعمت باطنہ سے مراد اس کا تیرے برے اعمال پر پردہ ڈالنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دو نعمتوں سے مراد بارش اور نبات ہیں جن کے ساتھ اور جن سے نعمت میسر آتی ہے۔ بعض نے فرمایا: نعمت مبالغہ کے لیے ہے جیسے عرب کہتے ہیں: لبیک وسعد یک، صرف دو مرتبہ پر اکتفا کا ارادہ نہیں ہے، کبھی قائل کہتا ہے: مالی بھذا الامر ید یعنی مجھے اس معاملہ کی قوت نہیں۔ سدی نے کہا: یداہ کا معنی اس کی ثواب اور عقاب کی قوتیں ہیں بخلاف اس کے جو یہود نے کہا: بے شک اس کا ہاتھ ان کو عذاب دینے سے بند ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں دن، رات کا خرچ کرنا اس میں کمی نہیں کرتا۔ بتاؤ جو اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے خرچ کیا ہے اس نے اس میں کچھ کمی نہیں کی جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے''۔ فرمایا: ''اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں موت ہے وہ بلند کرتا ہے اور نیچے کرتا ہے''۔ السح سے مراد کثرت سے بہانا ہے یغیض کا معنی کم کرنا ہے اس حدیث کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ (بقرہ: 245) رہی یہ آیت تو حضرت ابن مسعود کی قرأت میں بل یداہ بسطان ہے، یہ اخفش نے حکایت کیا ہے انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے: ید بسطۃ یعنی کھلا ہاتھ۔ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس آیت میں الید سے مراد قدرت ہو یعنی اس کی قدرت شامل ہے اگر چاہے تو وسیع کر دے اگر چاہے تو تنگ کر دے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ۔ لام قسم ہے۔

مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اس میں ما موصولہ ہے یعنی الذی انزل الیک۔

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا یعنی جب قرآن سے کوئی چیز نازل ہوتی ہے تو وہ انکار کرتے ہیں اور ان کا کفر زیادہ ہوا۔ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ مجاہد نے کہا: یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان، کیونکہ اس سے پہلے فرمایا: لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے یہود کے گروہوں کے درمیان عداوت و بغض ڈال دیا جیسا کہ فرمایا: تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر: 14) پس یہودی آپس میں بغض رکھتے ہیں متفق نہیں ہیں۔ وہ لوگوں سے اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ بغض رکھنے والے ہیں۔ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اس سے مراد یہود ہیں۔ كُلَّمَاۤ ظرف ہے یعنی وہ جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر رازی ایضاً المحرر الوجیز

ان کی جمعیت کو بکھیر دیا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہود نے جب فساد کیا اور کتاب اللہ (تورات) کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو بھیجا پھر انہوں نے فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطرس رومی کو بھیجا، پھر انہوں نے فساد برپا کیا تو اس پر مجوسیوں کو مسلط کیا پھر انہوں نے فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر غالب کیا، جب بھی ان کا معاملہ قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا، جب بھی انہوں نے آگ جلائی یعنی شر کو ابھارا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگ مسلط کرنے کے لیے جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا ان پر جبر فرمایا اور ان کے معاملہ کو کمزور کر دیا، آگ کا ذکر مستعار ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کیا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو یہودی مجوسیوں کے ماتحت تھے، پھر فرمایا: وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا یعنی وہ اسلام کے ابطال کے لیے کوشش کرتے ہیں یہ بہت بڑا فساد ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: آگ سے مراد غضب کی آگ ہے یعنی جب انہوں نے اپنے نفسوں میں غضب کی آگ جلائی اور اپنے بدنوں اور قوت نفس کے ساتھ غضب کی آگ کی گرمی کو جمع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو بجھا دیا حتی کہ وہ کمزور ہو گئے یہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو رعب کے ساتھ مدد دی۔(1)

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

''اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ہم ضرور داخل کرتے انہیں نعمت کے باغوں میں۔ اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتی کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے اور اکثر ان میں سے بہت برا ہے جو کر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ أَنَّ محل رفع میں ہے، اسی طرح وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرٰىةَ ہے۔ اٰمَنُوْا تصدیق کی۔ وَاتَّقَوْا شرک اور گناہوں سے اجتناب کیا۔ لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ لام، لو کا جواب ہے۔ لَكَفَّرْنَا کا مطلب ہے ہم نے ڈھانپ دیا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے تورات اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب ہے ان کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا اور ان میں تحریف و تبدیلی نہ کرنا یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ یعنی قرآن۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ان کے انبیاء کی کتب ہیں (2)۔ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا: اس سے مراد بارش اور نبات ہیں یہ دلیل ہے کہ وہ قحط میں مبتلا تھے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم ان کے رزق میں

1۔ تفسیر طبری　　2۔ تفسیر بغوی

وسعت پیدا کرتے اور وہ متواتر کھاتے رہتے۔ فوق اور تحت کا ذکر دنیا کے جو خزانے ان پر کھولے جائیں گے ان میں مبالغہ کے اظہار کے لیے ہے۔ اس آیت کی مثال وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (طلاق) اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (الجن) اگر وہ ثابت قدم رہیں راہ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے۔

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (الاعراف: 96) اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی۔

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو رزق کے اسباب میں سے بنایا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے اور مزید کا وعدہ ہے اس شخص کے لیے جس نے شکر ادا کیا۔ فرمایا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: 7) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید دوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان میں سے بعض اعتدال پسند ہیں وہ ان میں سے ایمان لانے والے ہیں جیسے نجاشی، سلمان اور عبداللہ بن سلام۔ یہ اعتدال پسند تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد کے بارے میں صرف وہ کہا ہے جو ان کی شان کے لائق ہیں۔ بعض علماء نے کہا: اقتصاد سے مراد وہ قوم لی ہے جو ایمان نہیں لائے تھے لیکن وہ اذیت دینے والے اور استہزا کرنے والے نہ تھے۔ واللہ اعلم۔

الاقتصاد سے مراد عمل میں اعتدال ہے۔ یہ القصد سے ہے القصد کا معنی ہے کسی چیز کو کرنا تو کہتا ہے: قصدتہ وقصدت لہ، وقصدت الیہ اس کا معنی ہے میں نے اس کا قصد کیا۔ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ یعنی بہت برا ہے جو انہوں نے کیا ہے انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا، کتب میں تحریف کی اور حرام کھایا۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

''اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تبلیغ کو ظاہر کرو، کیونکہ اسلام کے آغاز میں مشرکین کے خوف سے آپ تبلیغ مخفی طریقہ سے کرتے تھے پھر اس آیت میں

تبلیغ کے اظہار کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا کہ وہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ کی سراً عبادت نہیں کریں گے، اس کے بارے میں یہ نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال) اے نبی مکرم! کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے۔

یہ آیت ان کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے امر میں سے کوئی چیز تقیۃً چھپائی ہے۔ یہ آیت ان کے قول کے بطلان پر دلالت کر رہی ہے اور یہ رافضی لوگ ہیں۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر دین میں سے کوئی چیز کسی سے خفیہ نہیں کہی، کیونکہ بلّغ کا معنی ہے جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اس تمام کو ظاہراً پہنچاؤ۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ میں کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے حضرت زینب بنت جحش کے معاملہ کے بارے میں جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ صحیح قول عموم کا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے اس تمام کو پہنچائیں جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اگر آپ اس میں سے کچھ چھپائیں گے تو آپ نے نہیں پہنچایا اللہ کا پیغام۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی گئی ہے اور آپ کی امت کے اہل علم حضرات کی تادیب ہے کہ وہ امر شریعت میں سے کچھ نہ چھپائیں۔ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔

صحیح مسلم میں مسروق نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو تجھے یہ بیان کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کوئی چیز چھپائی تو اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ، الآیہ۔ اللہ تعالیٰ رسوا کرے رافضیوں کو جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کوئی چیز چھپائی ہے جس کی لوگوں کو حاجت تھی۔ (2)

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود خبر دی کہ آپ معصوم ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے عصمت کی ضمانت دی، پس یہ جائز نہیں کہ اس نے کوئی ایسی چیز ترک کی ہو جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، ایک اعرابی آیا اس نے اپنی تلوار سونت لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "اللہ"۔ اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، اس نے اپنا سر درخت پر مارا حتیٰ کہ اس کا دماغ بکھر گیا۔ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں یہ ذکر کیا ہے فرمایا: یہ واقعہ صحیح میں روایت کیا گیا ہے۔ غورث بن حارث تھا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا تھا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آیا اور کہا: میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص سے ہو کر آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ اس سورت میں اس معنی میں کلام اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ (المائدہ: 11) کے قول کے تحت تفصیلاً گزر چکی ہے اور سورۃ النساء میں بھی صلاۃ خوف کے ذکر میں۔

1۔ تفسیر بغوی 2۔ احکام القرآن للکیا الطبری

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں شرکت کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی وادی میں پایا جس میں بہت زیادہ کانٹوں والے درخت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے اور اپنی تلوار اس کی ٹہنی سے لٹکا دی فرمایا: لوگ وادی میں بکھر گئے تا کہ سایہ حاصل کریں۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص میرے پاس آیا جب کہ میں سویا ہوا تھا اس نے تلوار پکڑ لی، میں بیدار ہوا تو وہ میرے سر پر کھڑا تھا میں نے محسوس نہ کیا مگر وہ تلوار سونتے ہوئے تھا''۔ اس نے مجھے کہا: تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا: میں نے کہا: ''اللہ''۔ فرمایا: اس نے تلوار نیام میں ڈال لی، یہ ہے وہ شخص جو بیٹھا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ تعرض نہ فرمایا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ نے مجھے رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو میں کچھ تنگ دل ہوا اور میں جانتا تھا کہ لوگوں میں سے کچھ میری تکذیب کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی'' (1)۔ حضرت ابو طالب ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی ہاشم کے چند لوگ بھیجتے تھے جو آپ کی حفاظت کرتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا! اللہ نے مجھے جن و انس کی اذیت سے محفوظ فرمایا ہے، مجھے ان حفاظت کرنے والوں کی ضرورت نہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ مکہ تھا اور یہ آیت مکی ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے پہلے گزر چکا ہے کہ بالاجماع یہ سورہ مدنی ہے۔ اور اس سورہ کے مدنی ہونے پر دلیل وہ حدیث ہے جو مسلم نے صحیح میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے تو ایک رات جاگتے رہے اور فرمایا: ''کاش میرے اصحاب میں سے کوئی نیک صالح شخص اس رات کو میری حفاظت کرتا''۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اسی اثنا میں ہم نے ہتھیار کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کون ہے''؟ اس نے کہا: حضرت سعد بن ابی وقاص۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''تم کیسے آئے ہو؟'' اس نے کہا: میرے دل میں آپ کے متعلق خوف واقع ہوا میں اس لیے آیا ہوں تا کہ آپ کی حفاظت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی اور سو گئے۔

صحیح کے علاوہ میں ہے حضرت عائشہ نے فرمایا: ہم اسی اثنا میں تھے کہ ہتھیار کی آواز سنی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: سعد اور حذیفہ، ہم آپ کی حفاظت کرنے کے لیے آئے ہیں حتی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹے کی آواز سنی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے قبہ سے اپنا سر باہر نکالا اور فرمایا: ''اے لوگو! واپس چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی ہے''۔

اہل مدینہ نے رسالاتہ یعنی جمع پڑھا ہے۔ اور ابو عمرو اور اہل کوفہ نے رسالتہ واحد پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قرائتیں بہتر ہیں اور جمع زیادہ واضح ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑی تھوڑی وحی نازل ہوتی تھی پھر آپ اسے بیان کرتے تھے، افراد، کثرت پر دلالت کرتا ہے یہ مصدر کی طرح ہے اور مصدر کا اکثر کلام میں جمع اور تثنیہ نہیں بنایا جاتا، کیونکہ وہ اپنے لفظ کے ساتھ اپنی نوع پر دلالت کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 51

اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کی راہنمائی نہیں فرماتا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ تبلیغ کر دیں، رہی ہدایت تو وہ ہمارے ذمہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

”آپ فرمایئے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں، پس آپ نہ افسوس کریں قوم کفار پر“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہود کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: کیا آپ تسلیم نہیں کرتے کہ تورات اللہ کی طرف سے حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیوں نہیں“، یہود نے کہا: ہم اس تورات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں، پس یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم دین میں سے کسی چیز پر نہیں ہو حتی کہ ان دونوں کتابوں میں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور ان پر عمل کرو۔ ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ حکم تورات و انجیل کے نسخ سے پہلے ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا۔

یعنی وہ رب کی طرف سے نازل شدہ کا انکار کرتے ہیں اور کفر پر کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ الطغیان کا معنی ظلم اور غلو میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔ ظلم میں سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے، کچھ بڑا ہوتا ہے پس جو چھوٹے ظلم سے تجاوز کرتا ہے اس نے حد سے تجاوز کیا اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۝ (العلق) یعنی حق سے خروج میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی آپ ان کافروں پر افسوس نہ کریں۔ أسی یأسی أسّی کا معنی ہے غمگین ہونا۔ شاعر نے کہا:

وَانْحَلبتْ عيناه من فَرْطِ الأَسَى　　فرط غم سے ان کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان اور تسلی دینے کے لیے مطلق غمگین ہونے سے نہی نہیں ہے، کیونکہ انسان اس پر قادر نہیں ہوتا بلکہ یہ تسلی دینا ہے اور حزن کی وجہ سے تعرض سے نہی ہے۔ یہ مفہوم سورۂ آل عمران کے آخر میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے ایمان لایا) اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

اس آیت پر پہلے کلام گزر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَالَّذِیْنَ هَادُوْا یہ معطوف ہے، اسی طرح الصّٰبِئُوْنَ، هَادُوْا کی ضمیر پر معطوف ہے۔ یہ کسائی اور اخفش کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے زجاج کو یہ کہتے سنا، اس کے سامنے اخفش اور کسائی کا قول ذکر کیا گیا تھا یہ دو جہتوں سے غلط ہے ایک یہ کہ ضمیر مرفوع پر عطف قبیح ہوتا ہے حتی کہ پہلے ضمیر کی تاکید لگائی جائے۔ دوسری یہ کہ معطوف، معطوف علیہ کا شریک ہوتا ہے معنی یہ ہو جائے گا کہ صابئین یہودیت میں داخل ہیں اور یہ محال ہے۔ فراء نے کہا: الصّٰبِئُوْنَ میں رفع جائز ہے، کیونکہ ان ضعیف عامل ہے یہ صرف اسم میں عمل کرتا ہے خبر میں عمل نہیں کرتا اور الذین میں یہاں اعراب واضح نہیں ہے پس ایک جہت پر دونوں امر جاری ہیں۔ پس صابئین پر رفع اصل کلام کی طرف رجوع کے اعتبار سے جائز ہے۔ زجاج نے کہا: جس میں اعراب ظاہر ہوتا ہے اور جس میں اعراب ظاہر نہیں ہوتا ان کی جہت ایک ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا: رفع، تقدیم و تاخیر پر محمول ہے تقدیر یوں ہوگی: ان الذین آمنوا و الذین ھادوا من آمن باللہ و الیوم الاخر و عمل صالحاً فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون و الصابئون اسی طرح نصاری ہے۔ سیبویہ نے اس کی مثال اس شعر سے دی ہے:

وإلاَّ فاعلموا أنَّا وانتم بُغَاه ما بَقِينا فی شِقَاقِ

ضابیٔ برجمی نے کہا:

فمن یكُ أمسی بالمدینة رَحْلُه فإنّی وَقَیّارٌ بها لَغَرِیبُ

بعض علماء نے فرمایا: ان بمعنی نعم ہے الصابئون مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے، کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا ہے پس اس تقدیر پر عطف کلام کے مکمل ہونے اور اسم اور خبر کے مکمل ہونے کے بعد ہوگا۔ قیس رقیات کہا:

بَكَرَ العَواذِلُ فی الصَّبا ح یَلُمْنَنی وألُومُهُنَّهْ

وَیَقُلْنَ شَیْبٌ قد عَلَا كَ و قد كَبِرت فقلت إنَّهْ

اخفش نے کہا: انہ بمعنی نعم ہے اور اس کے آخر میں ھا سکتہ کے لیے ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۝

''بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے ان کی طرف رسول جب کبھی آیا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا''۔

یہ آیت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ مِیْثَاقَ کا معنی یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور ان احکام کی پیروی کریں جن کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کافروں پر غمگین نہ ہوں ہم نے ان کا عذر ختم کر دیا ہے ہم نے ان کی طرف رسل کو بھیجا انہوں نے عہود کو توڑا، یہ اس کی طرف راجع ہے جس کے ساتھ سورۃ کا آغاز کیا گیا تھا اور وہ یہ قول ہے: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

كُلَّمَا جَآءَهُمْ، هُمْ ضمیر کا مرجع یہود ہیں۔ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ یعنی جو ان کی خواہشات کے مطابق نہ تھا فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ یعنی ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کیا جن کو انہوں نے جھٹلایا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان جیسے دوسرے انبیاء کرام ہیں اور انہوں نے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ وغیرہما کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے يَقْتُلُوْنَ۝ مضارع کا صیغہ ذکر فرمایا تو یہ آیت کے قافیہ کو ملانے کے لیے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اصل میں اس طرح تھا فَرِيْقًا كَذَّبُوْا، وفریقاً قتلوا و فریقا یکذبون و فریقا یقتلون۔ یہ عربوں کی عادت اور طریقہ ہے پھر مختصر کر دیا۔ بعض نے فرمایا: فریقا کذبوا لم یقتلوھم وفریقا قتلوا فکذبوا اور يَقْتُلُوْنَ۔ فریق کی نعت ہے۔ واللہ اعلم

وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝

''اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انہیں) عذاب تو اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے پھر نظر رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر وہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ یعنی ان لوگوں نے گمان کیا جن سے میثاق لیا گیا تھا کہ اللہ کی طرف سے ان پر کوئی آزمائش اور ابتلا نہ ہوگی انہیں اپنے قول سے دھوکا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرزند اور اس کے چہیتے ہیں اور انہوں نے طویل مدت مہلت ملنے کی وجہ سے دھوکا کھایا۔ ابوعمرو اور حمزہ اور کسائی نے (تکون) رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ رفع اس بنا پر ہے کہ حسب معنی علم اور تیقن ہے اور ان مخففہ ہے اور لا کا دخول، تخفیف کے عوض ہے ضمیر کو حذف کیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے ناپسند کیا کہ اس سے فعل متصل ہو اور اس کے حکم سے نہیں ہے کہ اس پر داخل ہو پس ان کے درمیان لا کا فاصلہ کر دیا۔ اور جنہوں نے نصب پڑھی ہے انہوں نے ان کو ناصبہ بنایا ہے اور حسب کو اپنے باب پر باقی رکھا ہے۔ سیبویہ نے کہا: حسبت الا یقول ذالك یعنی حسبت انه قال ذالك اگر تو چاہے تو یقول کو نصب دے دے نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک حسب اور اس کے اخوات میں رفع عمدہ ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

أَلَا زعمت بَسْبَاسَةُ اليوم أنَّنِي　　كَبِرتُ وأَلَّا يَشْهَدُ اللَّهوِ أمثالي

رفع عمدہ ہے، کیونکہ حسب اور اس کے اخوات علم کے قائم مقام ہیں کیونکہ وہ ثابت چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَعَمُوْا وہ ہدایت سے اندھے ہو گئے۔ صَمُّوْا حق سننے سے بہرے ہو گئے، کیونکہ جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے سنا اس سے نفع نہ اٹھایا۔ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اس کلام میں اضمار ہے یعنی ان پر آزمائش واقع ہوئی تو انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی ان سے قحط کو دور کر دیا یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر نظر رحمت فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اللہ ان پر نظر کرم فرمائے گا اگر وہ ایمان لے آئیں گے۔ یہ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرمائے گا اگر وہ ایمان لے آئیں گے اور تصدیق کریں گے یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے حقیقۃً توبہ کی۔ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے لیے حق واضح ہونے کے بعد بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہوئے۔

كَثِيْرٌ کا رفع واؤ جمع سے بدل ہونے کی بنا پر ہے۔ اخفش سعید نے کہا: جیسے تو کہتا ہے: رایت قومك ثلثيهم اگر تو چاہے تو مبتدا مضمر مان لے یعنی العمی والصم كثير منهم۔ اگر تو چاہے تو تقدیر یوں کرے: العمی والصم منهم كثير۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کی لغت پر ہے جو کہتے ہیں: أكلوني البراغيث۔ اس بنا پر شاعر نے کہا:

ولكن دِيَافِيٌّ أبوه وأمُّه　　بِحَوْرَانَ يَعْصِرْنَ السَّلِيطَ أقارِبُه

(اس شعر میں أقاربه فاعل ہے پھر بھی یعصرن جمع مونث کا صیغہ ذکر ہوا ہے)

اسی طرح ہے وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الانبیاء: 3) اور غیر قرآن میں كثيرا پر نصب بھی جائز ہے یہ محذوف مصدر کی صفت ہوگا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

''بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے، اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ یہ یعقوبیہ فرقہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک قطعی حجت کے ساتھ ان کا رد کیا جس کا وہ خود اقرار کرتے تھے فرمایا: مسیح نے خود کہا: اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یعنی جب مسیح علیہ السلام خود کہتے ہیں: یارب! یا اللہ! تو وہ کیسے اپنی ذات کو پکار رہے ہیں اور کیسے اپنی ذات سے سوال کر رہے ہیں یہ محال ہے۔ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے نئی کلام ہے۔ الاشراك کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کے موجد ہونے کا عقیدہ رکھنا۔ سورۂ آل عمران میں المسیح کے اشتقاق کے بارے میں کلام گزر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب، تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یعنی تین میں سے ایک۔ اور زجاج وغیرہ سے روایت ہے کہ ثالث میں تنوین جائز نہیں۔ اور اس میں عربوں کا ایک اور مذہب بھی ہے کہتے ہیں رابع ثلاثۃ اس بنا پر جر اور نصب جائز ہے، کیونکہ وہ جس نے تین کو چار بنایا ان میں سے ہونے کی وجہ سے۔ اسی طرح جب تو نے کہا: ثالث اثنین تو تنوین جائز ہے۔ یہ نصاریٰ کے تینوں فرقوں ملکیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ کا قول تھا وہ کہتے تھے: اب، ابن اور روح القدس ایک خدا ہے وہ تین خدا نہیں کہتے تھے۔ یہ ان کے مذہب کا مفہوم ہے، وہ عبادت سے انکار کرتے تھے حالانکہ وہ ان کو لازم ہے جو اس طرح ہوا سے عبارت لازمہ سے حکایت کرنا صحیح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ابن الہ ہے باپ الہ ہے اور روح القدوس الہ ہے۔ سورۃ النساء میں اس پر گفتگو گزر چکی ہے اس قول کی وجہ سے اللہ نے انہیں کافر کہا فرمایا: وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی الہ متعدد نہیں ہیں تین خداؤں کا قول ان کو لازم ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اگرچہ انہوں نے صراحۃً تین خداؤں کا لفظاً اظہار نہیں کیا تھا۔ سورۂ بقرہ میں واحد کا معنی گزر چکا ہے۔ ''من'' زائدہ ہے غیر قرآن میں الھاً واحداً استثنا کی بنا پر جائز ہے۔ کسائی نے بدل کی بنا پر جر کو جائز قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا یعنی اگر وہ تثلیث کے قول سے باز نہ آئے تو انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب چھوئے گا۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ تقریر اور توبیخ ہے یعنی وہ اس کی بارگاہ میں رجوع کریں اس سے سوال کریں وہ ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔ لعن سے مراد ان کے کافر لوگ ہیں کافروں کا خصوصی ذکر کیا، کیونکہ وہ اس کے قائل تھے، مومنین نہیں تھے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

''نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا۔ دیکھو کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لیے دلیلیں پھر دیکھو وہ کیسے الٹے پھر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یہ مبتدا خبر ہیں یعنی مسیح علیہ السلام اگرچہ ان کے ہاتھوں پر بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ہیں یہ ان معجزات کو اسی طرح لائے ہیں جیسے دوسرے رسل لائے تھے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول ہیں تو پھر ہر رسول کو الہ ہونا چاہیے۔ یہ ان کے قول کا رد ہے اور ان پر حجت قائم کرنا ہے پھر حجت میں مبالغہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا: وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ یہ مبتدا خبر ہیں۔ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مولود اور مربوب ہیں جس کو عورتیں جنم دیں کھانا کھائے وہ مخلوق اور حادث ہے جس طرح دوسری مخلوق ہے۔ ان میں سے کسی نے اس کا دفاع نہیں کیا پس جس کی تربیت کی گئی ہو وہ رب ہونے کی کیسے صلاحیت رکھتا ہے اور ان کا قول کہ وہ ناسوت سے کھاتا ہے لاہوت سے نہیں کھاتا یہ ان کے اختلاط کا مرجع ہے ایک الہ کا غیر الہ سے اختلاط متصور نہیں ہوتا، اگر حادث کے ساتھ قدیم کا اختلاط جائز ہوتا تو قدیم کا حادث ہونا جائز ہوتا اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جائز ہوتا تو دوسروں کے حق میں بھی جائز ہوتا حتیٰ کہ کہا جاتا: لاہوت پر حادث کو مخالط ہے۔ بعض مفسرین نے كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ کی تفسیر میں کہا: یہ غائط اور بول سے کنایہ ہے اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ دونوں بشر ہیں۔ جنہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے نبیہ نہ ہونے کا قول کیا ہے انہوں نے امہ صدیقہ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ، نبیہ ہونے کے ساتھ صدیقہ ہونا جائز ہے جیسے حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔ سورۂ آل عمران میں وہ گزر چکا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو صدیقہ اس لیے کہا گیا وہ اپنے رب کی آیات کی کثرت سے تصدیق کرنے والی تھی اور انہوں نے اپنے بیٹے کی تصدیق کی تھی جس کی اس نے انہیں خبر دی۔ یہ حسن وغیرہ کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ آیات سے مراد دلالات ہیں۔ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ یعنی وہ اس بیان کے بعد حق سے کیسے پھرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: أفكه يأفكه جب کوئی کسی کو پھیر دے۔ اس میں قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

''آپ فرمایئے کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا۔ بیان میں زیادتی اور ان پر حجت کا قائم کرنا ہے یعنی تم خود اقرار کرتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ میں جنین تھے وہ کسی کے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے اور جب تم نے اقرار کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی ایسی حالت میں بھی تھے کہ نہ سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ جانتے تھے، نہ نفع دیتے تھے نہ نقصان دیتے تھے، پھر تم نے اسے کیسے الہ بنا لیا؟ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے سمیع علیم ہے نقصان اور نفع کا مالک ہے جس کی یہ صفت ہو وہ حقیقت میں الہ ہوتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

"آپ فرمایئے: اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں ناحق اور نہ پیروی کرو اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ۔ یعنی اس طرح حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا تھا۔ یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو اور افراط یہ تھا کہ انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر نکاح کے پیدا ہوئے ہیں اور نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ انہوں نے کہا: وہ الہ ہے، الغلو کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے سورۂ نساء میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ ، اَهْوَآءَ جمع ہے هوى کی سورۂ بقرہ میں یہ لفظ گزر چکا ہے الهوىٰ و یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے، کیونکہ ھوی (خواہش) انسان کو آگ میں گراتی ہے۔ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ مجاہد اور حسن نے کہا: اس سے مراد یہود ہیں۔ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا یعنی لوگوں میں سے اکثر کو گمراہ کیا۔ وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں۔ ضَلُّوْا کا تکرار اس معنی پر ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی گمراہ ہوئے اور بعد میں بھی گمراہ ہوئے مراد ان کے اسلاف ہیں جنہوں نے گمراہی کا آغاز کیا اور اس پر عمل پیرا ہوئے یعنی یہود و نصاریٰ کے رؤسا۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

"لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...... الخ۔

اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اگرچہ وہ انبیاء کی اولاد سے ہوں، کیونکہ نسب کا شرف ان کے حق میں لعنت کے اطلاق کو مانع نہیں۔ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ کا معنی یہ ہے کہ وہ زبور اور انجیل میں لعنت کیے گئے، کیونکہ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان تھی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں میں ان پر لعنت کی۔ ان دونوں کا اشتقاق گزر چکا ہے۔ مجاہد اور قتادہ وغیرہ نے کہا: لعنھم کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بندروں اور خنازیر میں مسخ کر دیا۔ ابو مالک نے کہا: جو حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ بندروں کی شکل میں مسخ کیے گئے تھے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ خنزیروں کی شکل میں مسخ کیے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ اصحاب سبت تھے اور جو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ مائدہ کا اس کے نزول کے بعد انکار کرنے والے تھے، اسی طرح نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کے سلف وخلف پر لعنت کی گئی ہے جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا، کیونکہ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ حضرت محمد ﷺ مبعوث ہونے والے ہیں۔

پس جس نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا اس پر ان دونوں نے لعنت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا**، **ذٰلِكَ** مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے یعنی یہ لعنت ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہے، یہ بھی جائز ہے کہ ذالک سے پہلے مبتدا محذوف ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو یعنی ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کی بنا پر ہم نے ان کے ساتھ ایسا کیا۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

''نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ** یعنی ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ **لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝** منع کرنے کو ترک کرنے کی وجہ سے ان کی مذمت کی گئی ہے، اسی طرح اس کی بھی مذمت ہے جس نے ان جیسا فعل کیا۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے بنی اسرائیل کی بے دینی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک شخص پہلی مرتبہ کسی بدکار سے ملتا تو اسے کہتا: اے فلاں! اللہ سے ڈر اور جو تو کر رہا ہے اسے چھوڑ، کیونکہ یہ تیرے لیے حلال نہیں، پھر دوسرے دن اسے ملتا تو اسے اس سے منع نہ کرتا وہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور بیٹھنے والا ہوتا جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل آپس میں ٹکرا دیئے، پھر یہ آیت پڑھی **لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** الآیۃ، پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم نیکی کا حکم دو گے، برائی سے منع کرو گے، ظالم کا ہاتھ پکڑ لو گے اور اسے حق کی طرف لوٹاؤ گے اور اسے حق کا جبراً پابند کرو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آپس میں ٹکرا دے گا اور پھر تم پر بھی ایسی پھٹکار ہو گی جو پہلے لوگوں پر ڈالی گئی تھی''(1)۔

اس حدیث کو ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عطیہ نے کہا(2): اس پر اجماع ہے کہ برائی سے منع کرنا اس کے لیے فرض ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور اسے اپنے اوپر اور مسلمانوں پر ضرر کا خوف نہ ہو اگر اسے خوف ہو تو وہ اسے دل سے برا جانے اور اس برائی کرنے والے سے میل جول ترک کر دے۔ ماہرین علم نے کہا: برائی سے منع کرنے والے کے لیے خود معصیت سے سلامت ہونا شرط نہیں بلکہ نافرمان ایک دوسرے کو منع کریں۔ بعض علماء اصول نے کہا: جو شراب پیتے ہیں وہ ایک دوسرے کو منع کریں۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے انہوں نے کہا: کیونکہ **كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ** کا قول فعل میں ان کے اشتراک کا تقاضا کرتا ہے اور انہیں منع نہ کرنے کے ترک پر ان کی مذمت کی آیت میں دلیل ہے کہ مجرموں کے ساتھ بیٹھنا منع

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 65　　2۔ المحرر الوجیز

ہے اوران کو چھوڑنے کا حکم ہے اور یہود پر انکار میں اس قول سے تاکید پیدا کی گئی ہے۔ تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ مَا كَانُوْا میں ما محل نصب میں ہے اور اس کا مابعد اس کی صفت ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۝ یا یہ محل رفع میں ہے یہ بمعنی الذی ہے۔

تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۝

''آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے کہ وہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے بہت ہی برا ہے جو آگے بھیجا ان کے لیے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یعنی یہود میں سے۔ بعض علماء نے فرمایا: کعب بن اشرف اور ان کے ساتھی۔ مجاہد نے کہا: یعنی منافقین۔

یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یعنی مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ان کے دین پر نہیں ہیں۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی ان کے نفسوں نے ان کے لیے ان کاموں کو مزین کیا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے برا ہے وہ جو انہوں نے اپنے نفسوں اور آخرت کے لیے آگے بھیجا۔ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مبتدا کے اضمار کی بنا پر ان محل رفع میں ہے جیسے تیرا قول ہے: بئس رجلاً زید۔ بعض نے فرمایا: ما سے بدل ہے جو بئس کے بعد ہے۔ اس بنا پر ما نکرہ ہوگا اور مرفوع ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان محل نصب میں ہو اس معنی کی وجہ سے لان سخط اللہ علیہم۔ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۝ یہ مبتدا خبر ہیں۔

وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝

''اور اگر وہ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے کافر کو ولی بنایا وہ مومن نہیں جب وہ اس کے اعتقاد پر یقین رکھتا ہے اور اس کے افعال سے خوش ہو۔ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ یعنی اپنے نبی پر ایمان لانے سے خارج ہیں، کیونکہ انہوں نے تحریف کی یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے خارج ہو گئے ہیں، کیونکہ یہ ان کی منافقت ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ

وَّ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

''ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو اور پائیں گے آپ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ۔ یہ لام، لام قسم ہے اور نون داخل ہوا حال اور مستقبل کے درمیان فرق کرنے کے لیے۔ یہ خلیل اور سیبویہ کے قول کے مطابق ہے۔ عَدَاوَةً پر نصب بیان کے لیے ہے۔ اسی طرح وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی کی آیت ہے۔ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی، جب مسلمان پہلی ہجرت میں ان کے پاس آئے، جیسا کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں مشہور ہے، مشرکین کے خوف اور فتنہ کی وجہ سے یہ بہت سے افراد ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو وہ آپ کے پاس پہنچنے پر قادر نہ ہوئے ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جنگ حائل ہو گئی جب جنگ بدر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے سرداروں کو قتل کیا، تو کفار قریش نے کہا: تمہارا بدلہ حبشہ کی زمین سے لیں گے، پس نجاشی کی طرف انہوں نے تحائف اور دو صاحب عقل لوگ بھیجے شاید وہ تمہیں وہ مسلمان دیدے جو اس کے پاس ہیں پس تم انہیں ان کے بدلے میں قتل کر دینا جو تمہارے افراد جنگ بدر میں قتل کیے گئے ہیں کفار قریش نے عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کی طرف ہدایا دے کر بھیجے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو بھیجا اور اسے نجاشی کی طرف خط دے کر بھیجا۔ عمرو بن امیہ ضمری نجاشی کے پاس آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھا پھر نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور مہاجرین کو بلایا اور راہبوں اور درویشوں کو بلایا پھر انہیں جمع کیا، پھر حضرت جعفر کو کہا کہ ان پر قرآن پڑھو، حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورۂ مریم پڑھی، پس وہ کھڑے ہوئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (1) اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں محمد بن سلمہ مرادی نے بیان کیا فرمایا ہمیں ابن وہب نے بیان کیا فرمایا مجھے یونس نے بیان کیا انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا انہوں نے ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حرث بن ہشام سے روایت کیا۔ اور سعید بن مسیب سے اور عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ پہلی ہجرت مسلمانوں کی حبشہ کی زمین کی طرف تھی۔ طویل حدیث چلائی ہے۔ بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نصاریٰ کے بیس افراد آئے جب کہ آپ مکہ میں تھے یا مکہ کے قریب تھے جب آپ کی خبر حبشہ کے متعلق پھیلی۔ پس ان نصاریٰ نے آپ کو مسجد میں پایا اور انہوں نے آپ سے سوال کیے، قریش کے

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 197

افراد کعبہ کے اردگرد اپنی مجالس میں تھے جب وہ رسول اللہ ﷺ سے سوالات کرنے سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور ان پر قرآن پڑھا جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور انہوں نے آپ کے متعلق جان لیا جو آپ کے متعلق ان سے بیان کیا گیا تھا جب وہ نصاریٰ آپ کے پاس اٹھ کھڑے ہوئے تو ابوجہل نے ان پر اعتراض کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ اس قافلہ والوں کو رسوا کرے، تمہارے دین والوں نے تمہیں بھیجا تھا تاکہ تم اس شخص کی خبر لاؤ تم ان کی مجلس سے نہ اٹھے حتیٰ کہ تم اپنے دین کو چھوڑ چکے ہو اور تم نے اس کی تصدیق کی ہے جو اس نے تمہیں کہا ہے ہم نے تم سے زیادہ احمق قافلہ نہیں دیکھا یا اس جیسا کہ اس نے کہا۔ انہوں نے جواباً کہا تم پر سلام ہو ہم تمہارے ساتھ جہالت آمیز گفتگو نہیں کرتے۔

ہمارے اپنے اعمال ہیں اور تمہارے اپنے اعمال ہیں ہم اپنے نفسوں کے بارے میں بھلائی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے: یہ گروہ اہل نجران سے تھا اور کہا جاتا ہے: ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۝ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۝ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۝ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ۝ (القصص)

کہا جاتا ہے کہ حضرت جعفر اور ان کے اصحاب نبی کریم ﷺ کے پاس ستر افراد کے ساتھ آئے جنہوں نے صوف کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان میں باسٹھ افراد حبشہ سے تھے اور آٹھ افراد شام سے تھے اور وہ یہ تھے بحیراء راہب، ادریس، اشرف، ابرہہ، ثمامہ، قثم، درید اور ایمن ان پر رسول اللہ ﷺ نے سورۂ یاسین پڑھی، جب انہوں نے قرآن سنا تو وہ رونے لگے اور ایمان لے آئے اور کہا: یہ کلام، کتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے کلام کے مشابہ ہے۔ پس ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا٘ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى۔ یعنی نجاشی کا وفد اور ان کے گرجوں والے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان کے متعلق یہ بھی نازل ہوا۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۝ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۝ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ الخ (القصص)(1)

مقاتل اور کلبی نے کہا: چالیس آدمی اہل نجران سے بنی حرث بن کعب سے تھے اور بتیس آدمی حبشہ سے تھے، اڑسٹھ آدمی اہل شام سے تھے۔ قتادہ نے کہا: یہ اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ اس شریعت پر گامزن تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا، قسیین کا واحد قسّ اور قسّیس ہے یہ قطرب کا قول ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 600

القسیس کا معنی عالم ہے۔ یہ قس سے ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو طلب کیا اور اس کا پیچھا کیا۔ راجز نے کہا:

يُصْبِحْنَ عن قَسِّ الأذى غَوَافِلَا　　وتَقَسَّست أصواتهم بالليل تَسَمَّعتها

القس کا معنی چغلی بھی ہے۔ القس دین اور علم میں نصاریٰ کا رئیس، سردار، اس کی جمع قسوس ہے اسی طرح القسیس، جیسے الشر اور الشریر، القسیسون وہ لوگ جو علماء اور عبادت گزاروں کی پیروی کرتے ہیں، قسیس کی جمع مکسر قساوسۃ آتی ہے ایک سین کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ قساوسۃ جسے مھالبۃ اصل میں قساسۃ تھا ایک سین کو واؤ سے بدل دیا گیا اور القسیس کا لفظ یا تو عربی ہے یا یہ رومی لغت ہے لیکن عربوں نے اسے اپنے کلام کے ساتھ پا لیا پس یہ ان کی لغت سے ہو گیا کیونکہ کتاب اللہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو عرب کی لغت سے نہ ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: میرے باپ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں نصر بن داؤد نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابوعبید نے بتایا فرمایا: میں نے معاویہ بن ہشام عن نصیر طائی عن الصلت عن حامیہ بن رباب کے سلسلہ سے روایت کیا فرمایا: میں نے سلمان سے بان منھم قسیسین و رھبانا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: القسیین کو صوامع اور محراب میں چھوڑ دو۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھایا: بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا۔ حضرت عروہ بن زبیر نے کہا: نصاریٰ نے انجیل کو ضائع کر دیا اور انہوں نے اس میں ایسی چیز کو داخل کر دیا جو اس میں سے نہ تھا وہ چودہ افراد تھے جنہوں نے اس کو تبدیل کر دیا، لوقاس، مرقوس، تحنس، مقبوس اور قسیس حق پر باقی رہا اور استقامت پر رہا، پس جو اس کے دین اور ہدایت پر تھا وہ قسیس تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرُهْبَانًا راہب کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکبان ہے۔ نابغہ نے کہا:

لو أنها عَرَضتْ لِاشْمط راهِبٍ　　عَبَدَ الإلٰه صَرُورَةٍ متَعَبِّدِ

لرَنا لِرؤيتها و حُسنِ حديثِها　　ولَخالَه رَشَداً وإن لم يَرْشُدِ

اس سے فعل رَهِبَ الله يَرْهبه ہے یعنی وہ اللہ سے ڈرا۔ رَهَبًا و رَهْبًا و رَهْبَةً الرهبانية والترهب، گرجا میں عبادت کرنا۔ ابوعبید نے کہا: کبھی رہبان واحد کے لیے، کبھی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: رہبان مفرد کے لیے ہو تو اس کی جمع رھابنۃ و رَهَابِين آتی ہے جیسے قربان و قرابین۔ جریر نے جمع میں استعمال کیا:

رُهْبَانَ مَدْيَنَ لو راَوْكِ تَنَزَّلُوا　　والعُصْمُ من شَعَفِ العُقُولِ الفَادِرُ

الفادر...... عظیم کو بھی کہا جاتا ہے اسی طرح الفدور جمع فدر اور فدور ہے اسم ظرف المفدرۃ ہے۔ یہ جوہری نے کہا ہے اور التوحید کے بارے میں ایک اور نے کہا۔

لو أَبْصَرَتْ رُهْبانَ دَيرٍ في الجَبَل　　لانحَدَرَ الرُّهبانُ يَسْعَى وُيَصِلْ

یصل، الصلوۃ سے ہے، الرھابۃ، السحابۃ کے وزن پر ہے، سینے کی ہڈی جو زبان کی طرح پیٹ پر ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی مدح ہے جو کہ کفر پر اصرار کرنے والے نہ تھے (1) اسی وجہ سے کہا: وَّاَنَّهُمْ

1۔ تفسیر بغوی

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وہ حق کی تابعداری سے انکار کرنے والے نہیں۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

''جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لیے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو۔ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ، مِنَ الدَّمْعِ سے مراد بالدمع ہے یعنی آنسوؤں کے ساتھ۔ یہ حال واقع ہو رہا ہے اسی طرح يَقُوْلُوْنَ ہے۔ امرؤ القیس نے کہا:

ففاضت دموع العينِ مِنّي صبابةً   على النَّحْرِ حتى بَلَّ دَمْعِي مِحْمَلِي

خبر مستفیض، مشہور خبر کو کہتے ہیں جب وہ پھیل جائے اور مشہور ہو جائے۔ جیسے پانی کی کثرت ہو تو کہتے ہیں: فاض الماء۔ یہ علماء کے احوال ہیں جو روتے ہیں اور چنگھاڑتے نہیں، سوال کرتے ہیں اور چلاتے نہیں، پریشان ہوتے ہیں اور مرنے کا تکلف نہیں کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (الزمر: 23) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہی اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال: 2) صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔ مزید اس کا بیان سورۃ الانفال میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا کہ مسلمانوں کے سخت ترین دشمن یہود ہیں اور ان کے مشابہ مشرکین ہیں اور مسلمانوں سے محبت کرنے والے نصاریٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں لکھ لے جو حق کی گواہی دیتے ہیں۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ: 143) یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج سے مروی ہے، حسن نے کہا: جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔ ابو علی نے کہا: جو تیرے نبی اور تیری کتاب کی تصدیق کے ساتھ گواہی دیتے ہیں۔ فَاكْتُبْنَا کا معنی اجعلنا ہے پس یہ ما قد کتب و دون کے قائم مقام ہے۔

وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

''اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آچکا ہے ہمارے پاس حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ دین میں ان لوگوں کی بصیرت کو بیان فرمایا یعنی وہ

کہتے ہیں: کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں؟ یعنی ہم ایمان کو ترک کریں۔ نُؤْمِنُ حال واقع ہو رہا ہے۔ وَ نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۴﴾ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (الانبیاء) اس سے مراد بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے، اس کلام میں اضمار ہے یعنی نطمع ان یدخلنا ربنا الجنة۔ اور بعض علماء نے فرمایا: مع بمعنی فی ہے جیسا کہ فی بمعنی مع ہوتا ہے تو کہتا ہے: کنت فیمن لقی الامیر یعنی مع من لقی الامیر۔

السمع کبھی مخفف اور کبھی غیر مخفف ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: طمع فیه طمعا و طماعة و طماعية فهو طمع یہ مخفف ہے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾

”تو عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ بعوض اس قول کے باغات رواں ہیں اس کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وہی دوزخی ہیں“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ یہ ان کے ایمان کے اخلاص اور ان کے کلام کی سچائی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا اور ان کے طمع (امید) کو ثابت کیا۔ اسی طرح جس نے ایمان کو خاص کیا اور اس کے یقین کو سچا کیا اس کا ثواب جنت ہے پھر فرمایا: وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اس سے مراد یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہیں۔ وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾، الْجَحِیْمِ سے مراد ایسی آگ ہے جس کا جلانا سخت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: جحم فلان النار جب اس کا جلانا سخت ہو، شیر کی آنکھ کو جحمہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی چمک سخت ہوتی ہے۔ جنگ کو بھی کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

والحربُ لا یبقی لجا حِمها التّخیل والمِراحُ
إلّا الفتی الصّبّار فی النّجدات والفرس الوقاحُ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾

”اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ طبری نے حضرت ابن عباس تک سند ذکر فرمائی ہے کہ آیت ایک شخص کے سبب نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میری شہوت ابھرتی ہے، پس میں نے گوشت اپنے اوپر حرام کر دیا ہے (1)، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جماعت کے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 130۔ ایضاً، حدیث نمبر 2980، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بارے میں نازل ہوئی جن میں حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سالم مولی ابی حذیفہ، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت سلمان فارسی اور حضرت معقل بن مقرن رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ تمام حضرات حضرت عثمان بن مظعون کے گھر جمع ہوئے اور اس پر اتفاق کیا کہ وہ دن کو روزہ رکھیں گے، رات کو قیام کریں گے اور بستروں پر نہیں سوئیں گے اور گوشت اور گھی نہیں کھائیں گے اور عورتوں اور خوشبو کے قریب نہیں جائیں گے اور اونی لباس پہنیں گے اور دنیا کو ترک کر دیں گے، زمین میں سفر کریں گے، رہبانیت اختیار کریں گے اور شرمگاہوں کو کاٹ دیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ اس مفہوم میں احادیث کثیر ہیں اگرچہ ان میں نزول کا ذکر نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے چند لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تنہائی کے اعمال کے بارے میں پوچھا، ان میں بعض صحابہ نے کہا: میں عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا۔ بعض نے کہا: میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا: میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا: ''اس قوم کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ایسا ایسا کیا لیکن میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری جماعت سے نہیں'' (1)۔ اس حدیث کو بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: تین افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس آئے جب کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کر رہے تھے جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو قلیل سمجھا، انہوں نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کو کیسے پا سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اور پچھلے گناہوں سے محفوظ فرمایا ہے۔ ایک نے کہا تھا: میں ہمیشہ ساری ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔

ایک نے کہا: میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور کہا: تم نے ایسا ایسا کہا ہے، ''اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میری جماعت سے نہیں''۔ ان دونوں محدثین نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عثمان بن مظعون نے تبتل کا ارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع فرمایا اگر آپ انہیں اس کی اجازت دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حدثنا ابوالمغیرہ قال حدثنا معان بن رفاعہ قال حدثنی علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سریہ میں نکلے، فرمایا: ایک شخص ایک غار سے گزرا جس میں پانی تھا اس نے سوچا کہ وہ اس غار میں قیام کرے اور اس پانی سے خوراک حاصل کرے اور اردگرد جو

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 757۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 449

سبزیاں ہیں وہ کھائے اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے، پھر اس نے کہا: اگر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور آپ کے سامنے اس پروگرام کا ذکر کروں اگر آپ مجھے اس کی اجازت دیں تو میں ایسا کروں گا ورنہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک غار سے گزرا جس میں میری خوراک کے لیے پانی اور سبزیاں تھیں پس میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس میں رہوں اور دنیا سے قطع تعلق کرلوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''میں نہ یہودیت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور نہ نصرانیت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں میں تو خالص شریعت حنیفیہ کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ کے راستہ میں صبح کے وقت نکلنا یا شام کے وقت نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور کسی کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے''۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے اس آیت اور اس کے مشابہہ آیات اور وہ احادیث جو اس مفہوم میں وارد ہیں ان کے بارے میں فرمایا: یہ غالی صوفیاء اور باطل متصوفین کا رد کرتی ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر گروہ شریعت کے راستہ سے ہٹ گیا اور حق سے دور ہو گیا۔ طبری نے کہا: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی چیز کو حرام کرے جو اللہ نے حلال کی ہے اپنے مومن بندوں کے لیے، خواہ وہ کوئی کھانے کی چیز ہو یا پہننے کی چیز ہو یا نکاح میں سے ہو جب کہ اسے اپنے نفس پر اس کے حلال کرنے کے ساتھ گناہ اور مشقت کا اندیشہ نہ ہو۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون پر تبتل کا انکار فرمایا، پس ثابت ہوا کہ کسی حلال چیز کو ترک کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور فضل اور نیکی اس میں ہے جس کے کرنے کی طرف اس نے بندوں کو بلایا ہے اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا تھا اور امت کے لیے جس کام کو سنت بنایا تھا اور جس طریقہ پر ائمہ راشدین نے اتباع کی تھی، کیونکہ بہتر ہدایت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔ جب اس طرح معاملہ ہے تو ان لوگوں کی خطا ظاہر ہو گئی جنہوں نے روئی کے لباس پر اون اور بالوں کے لباس کو ترجیح دی جب کہ وہ دوسرے حلال لباس کے استعمال پر قادر ہو اور جس نے سخت کھانے کو ترجیح دی اور گوشت وغیرہ کو ترک کر دیا اس خوف سے کہ عورتوں کی حاجت لاحق نہ ہو۔

اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ خیر اور فضیلت اس میں ہے جو ہماری گفتگو کے علاوہ ہے، کیونکہ موٹا لباس پہننے اور سخت کھانا کھانے میں نفس پر مشقت ہے اور جو رقم بچ جائے گی وہ غریبوں پر تقسیم ہو جائے گی تو یہ اس کا گمان غلط ہے، کیونکہ انسان کے لیے بہتر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کے نفس کی فلاح ہو اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر معاونت ہو اور جسم پر کوئی چیز ردی کھانوں سے زیادہ نقصان دہ نہیں ہے، کیونکہ یہ عقل کو خراب کر دیتے ہیں اور قوت کو کمزور کرتے ہیں جو طاعت الہیہ کا سبب ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری کے پاس کوئی شخص آیا اور کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو فالودہ نہیں کھاتا، حضرت انس نے فرمایا: کیوں؟ اس نے کہا: وہ کہتا ہے وہ اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ حسن نے کہا: کیا وہ ٹھنڈا پانی پیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تیرا پڑوسی جاہل ہے، کیونکہ اس پر ٹھنڈے پانی کی نعمت فالودہ کی نعمت سے زیادہ ہے۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے فرمایا: یہ اس صورت میں ہے جب دین کے معاملات درست ہوں اور مال حرام نہ ہو، لیکن جب دین کے

معاملات خراب ہوں اور حرام عام ہو تو پھر تبتل افضل ہے اور لذات کا ترک کرنا اولیٰ ہے اور جب حلال موجود ہو تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر عمل کرنا افضل اور اعلیٰ ہے۔ مہلب نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل اور ترہب سے اس لیے منع فرمایا، کیونکہ قیامت کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ساتھ دوسری امت پر کثرت کا اظہار کرنے والے ہوں گے اور دنیا میں آپ اپنی امت کے ساتھ کفار سے جہاد کرنے والے ہیں اور آخر زمانہ میں دجال سے لڑیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل کی کثرت کرنے کا ارادہ کیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَعْتَدُوْا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے حد سے نہ بڑھو ورنہ تم اس کو حلال کرو گے جو اللہ نے حرام فرمایا پس اس بنا پر دونوں نہی اپنے ضمن میں دونوں طرفوں کو لیے ہوئے ہیں یعنی سختی نہ کرو ورنہ حلال کو حرام کر دو گے اور بہت زیادہ رخصت نہ دو ورنہ حرام کو حلال کر دو گے۔ یہ حسن بصری نے کہا ہے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تُحَرِّمُوْا کے قول کی تاکید ہے۔ یہ سدی اور عکرمہ وغیرہ کا قول ہے یعنی اس کو حرام نہ کرو جس کو اللہ نے حلال اور مشروع کیا۔ پہلا قول بہتر ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ جس نے اپنے اوپر کوئی کھانا یا پینا یا لونڈی کو حرام کیا یا کسی بھی ایسی چیز کو حرام کیا جس کو اللہ نے حلال کیا تھا تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس وجہ سے کوئی کفارہ نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس نے لونڈی کی تحریم سے اس کو آزاد کرنے کی نیت کی ہوگی تو وہ آزاد ہو جائے گی اور اس پر ان سے وطی کرنا حرام ہو جائے گا مگر نئے نکاح کے ساتھ پھر وہ حلال ہو جائے گی، اسی طرح کسی نے اپنی بیوی کو کہا: تو مجھ پر حرام ہے، تو اس کو تین طلاقیں ہو جائیں گی یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی بیوی کو طلاق کنایہ کے ساتھ حرام کرنا مباح کیا ہے اور حرام، طلاق کے کنایات سے ہے۔ مزید علماء کے اقوال سورۃ التحریم میں آئیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: جس نے کسی چیز کو حرام کیا تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی جب وہ اس کام کو کرے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، یہ بعید ہے (2) اور آیت اس کے خلاف ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یمین لغو حلال کو حرام کرنا ہے، یہی امام شافعی کے قول کا معنی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

''اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا اس میں ایک مسئلہ ہے۔ الاکل سے مراد کھانے، پینے، پہننے اور سونے سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اکل (کھانے) کو خصوصی طور پر ذکر فرمایا، کیونکہ مقصود اعظم ہے اور انسان کے انتفاعات میں سے خاص ہے۔ کھانے، پینے اور پہننے کا ذکر سورۂ اعراف میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رہی لذت آمیز اشیاء کی شہوت، اور شہوت والی چیزوں کی طلب میں نفس کا جھگڑنا ان پر لوگوں کے نفس کو قدرت دینے میں

1۔ المحرر الوجیز 2۔ احکام القرآن، للکیا طبری

مذاہب مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نفس کو شہوات کی اتباع سے روکنا بہتر ہے تا کہ وہ انسان کا مطیع ہو جائے اور اس کے عناد کو روندنا آسان ہو جائے، کیونکہ جب وہ نفس کو اس کی مراد عطا کرے گا تو بہت زیادہ شہوات میں چلنے والا ہو گا اور شہوات کا مطیع ہو گا۔ حکایت ہے کہ ابو حازم پھلوں کے اوپر سے گزرے تو نفس نے اس کی خواہش کی، ابو حازم نے نفس کو کہا: تیرے وعدہ کی جگہ جنت ہے۔ بعض دوسرے علماء نے کہا: نفس کو لذات پر قدرت دینا اولیٰ ہے، کیونکہ اس کے ارادہ کو پانے کے ساتھ نشاط اور چستی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: توسط اولیٰ ہے۔

کیونکہ کبھی نفس کی خواہش پوری کرنا اور کبھی پوری نہ کرنا دونوں امروں کو جمع کرنا ہے اور یہ بغیر کسی عیب کے نصف ہے۔ اعتدا اور رزق کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الحمدللہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

''نہ باز پرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو تو اس (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے رکھے تین دن، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم اٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تا کہ تم شکریہ ادا کرو''۔

اس میں سینتالیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ، اللغو کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ کا معنی من ایمانکم ہے(1)۔ ایمان جمع ہے یمین کی (جس کا معنی ہے قسم) بعض علماء نے فرمایا: یمین، یمن سے فعیل کے وزن پر ہے اس سے مراد برکت ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے یمین سے اس لیے تعبیر فرمایا، کیونکہ یہ حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ یمین کا لفظ مذکر، مونث استعمال ہوتا ہے اس کی جمع ایمان اور ایمن آتی ہے زہیر نے کہا:

فتجمع أَيْمُنٌ مِنّا و مِنكم

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کے نزول کے سبب میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کے نزول کا سبب وہ لوگ ہیں جنہوں نے کھانے، پینے اور پہننے اور نکاح میں سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کیا، انہوں نے اس پر قسمیں اٹھائی تھیں جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ تو انہوں نے کہا: ہم اپنی قسموں کا کیا کریں؟ تو یہ

1۔ احکام القرآن للکیا طبری

آیت نازل ہوئی۔ اس قول کی بناء پر معنی یہ ہوگا جب تم قسم اٹھاؤ پھر اسے لغو کر دو یعنی اس کے حکم کو کفارہ دینے کے ساتھ ساقط کر دو اور کفارہ دے دو تو اللہ اس کی وجہ سے تم سے مواخذہ نہیں کرے گا بلکہ مواخذہ تو اس پر ہوگا جس پر تم قائم رہے اور اسے لغو نہ کیا یعنی کفارہ نہ دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قسم کسی چیز کو حرام نہیں کرتی۔ یہ امام شافعی کی دلیل ہے کہ قسم کے ساتھ حلال کی تحریم متعلق نہیں ہوتی حلال کو حرام کرنا لغو ہے جیسا کہ حرام کو حلال کرنا لغو ہے جیسے کوئی کہتا ہے: استحللت شرب الخمر میں نے شراب پینے کو حلال کیا۔ پس اس قول کی بنا پر یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام کرنا لغو قرار دیا ہے، کیونکہ وہ خود حرام نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ یعنی حلال کو حرام کرنے کے ساتھ۔

روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے یتیم بچے بھی تھے اور مہمان بھی تھا۔ وہ رات کے وقت اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد لوٹے تو پوچھا: کیا تم نے میرے مہمان کو کھانا کھلا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم تو تمہارے انتظار میں تھے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس رات کھانا نہیں کھاؤں گا، مہمان نے کہا: میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ یتیموں نے کہا: ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ جب حضرت عبد اللہ نے سب کا انکار دیکھا تو کھانا کھایا اور دوسرے لوگوں نے بھی کھایا پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور صورت حال عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے الرحمٰن کی اطاعت کی اور شیطان کی نافرمانی کی''۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔(1)

مسئلہ نمبر 3۔ شریعت میں قسم کی چار صورتیں ہیں: دو میں کفارہ ہے اور دو میں کفارہ نہیں ہے۔ دار قطنی نے اپنی سنن میں حدثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز حدثنا خلف بن ہشام حدثنا عبثر عن لیث عن حماد عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبد اللہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ نے فرمایا: قسمیں چار ہیں دو میں کفارہ ہے اور دو میں کفار نہیں، وہ دو قسمیں جن میں کفارہ ہے وہ اس طرح ہیں کہ کوئی شخص قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم! میں ایسا ایسا نہیں کروں گا، پھر وہ ایسا کر دے۔ کوئی شخص کہے: اللہ کی قسم! میں ایسا ایسا کروں گا، پھر وہ نہ کرے۔ اور وہ دو قسمیں جن کا کفارہ نہیں ہے وہ اس طرح ہیں کہ کوئی شخص قسم اٹھائے: اللہ کی قسم! میں نے ایسا ایسا نہیں کیا، حالانکہ اس نے کیا تھا۔ کوئی شخص قسم اٹھائے میں نے ایسا کیا تھا، حالانکہ اس نے ایسا کیا نہیں تھا۔ ابن عبد البر نے کہا: سفیان ثوری نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے۔ مروزی نے ان سے یہ ذکر کیا ہے، سفیان نے کہا: ایمان (قسمیں) چار ہیں دو کا کفارہ دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کہے: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا پھر وہ ایسا کرے یا کہے: اللہ کی قسم! میں ایسا کروں گا پھر وہ ایسا نہ کرے۔ وہ دو قسمیں جن کا کفارہ نہیں دیا جاتا وہ یہ ہیں کہ کوئی شخص کہے: اللہ کی قسم! میں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ اس نے ایسا کیا تھا یا کہے: میں نے ایسا کیا تھا، حالانکہ ایسا کیا نہیں تھا۔ مروزی نے کہا: پہلی دو قسموں میں علماء کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ سفیان نے کہا اور دوسری دو قسمیں ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اگر قسم اٹھانے والے نے قسم اٹھائی کہ اس نے ایسا ایسا نہیں کیا یا اس نے ایسا ایسا کیا تھا وہ اپنے گمان میں سچا ہے تو اس پر گناہ نہیں اور امام مالک، سفیان ثوری اور اصحاب الرائے کے قول کے مطابق اس پر کفارہ نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 613

اسی طرح احمد اور ابو عبید نے کہا ہے: امام شافعی نے فرمایا: اس پر گناہ نہیں اور اس پر کفارہ ہے۔ مروزی نے کہا: اس میں امام شافعی کا قول قوی نہیں، فرمایا: مگر قسم اٹھانے والے نے قسم اٹھائی کہ اس نے ایسا ایسا نہیں کیا تھا، حالانکہ اس نے ایسا کیا تھا اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا تو وہ گناہگار ہے۔ اور اکثر علماء امام مالک، سفیان ثوری، اصحاب الرائے، امام احمد بن حنبل، ابوثور اور ابوعبید کے قول میں اس پر کفارہ نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے تھے: اس پر کفارہ ہے۔ فرمایا: بعض تابعین سے امام شافعی کے قول کی مثل مروی ہے۔ مروزی نے کہا: میرا میلان امام مالک اور امام احمد کے قول کی طرف ہے، فرمایا: رہی یمین لغو، اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ یمین لغو انسان کا یہ قول ہے: لا واللہ، بلی واللہ۔ وہ اپنی بات میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے جب کہ نہ وہ قسم کو منعقد کرنے والا ہوتا ہے اور نہ اس کا قسم کا ارادہ ہوتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: یہ جھگڑنے، غصہ اور جلدی کے وقت کہا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ یہ قاف کی تخفیف کے ساتھ العقد سے مشتق ہے۔ عقد کی دو قسمیں ہیں حسی جیسے رسی کا باندھا، حکمی جیسے عقد بیع، شاعر نے کہا:

قوم إذا عقدوا عقدًا لجارهم　　شدّوا العناج و شدّوا فوقه الكربا

اور یمین منعقدہ، یہ العقد سے منفعلۃ کے وزن پر ہے (1) اس سے مراد یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے پھر وہ کام کر لے یا کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے اور پھر وہ نہ کرے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے یہ وہ قسم ہے جس کو استثنا اور کفارہ حلال کرتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

عَقَدْتُّمْ عین کے بعد الف بھی پڑھا گیا ہے فاعل کے وزن پر، یہ نہیں ہوتا مگر اکثر دو میں۔ کبھی دوسرا وہ ہوتا ہے جس کے لیے کلام میں قسم اٹھائی جاتی ہے جس کے ساتھ کلام واقع ہوتی ہے یا اس کا معنی ہے: ما عاقدتم علیه الایمان، کیونکہ عاقد، معنی میں عاہد کے قریب ہے پس حرف جر کے ساتھ متعدی کیا گیا، کیونکہ یہ عاہد کے معنی میں ہوتا ہے۔ عاہد دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، دوسرا حرف جر کے ساتھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ (الفتح: 10) یہ اس کی طرح ہے جیسے: نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کو الی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے، حالانکہ اس کا باب یہ ہے کہ تو کہتا ہے: نادیت زیداً۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ (مریم: 52)

جب نادینا دعوت کے معنی میں ہو تو الی کے ساتھ متعدی کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ (حم السجدہ: 33) پھر عاقدتم علیه الایمان کے قول میں وسعت کی گئی تو حرف جر حذف کیا گیا پس فعل مفعول کے ساتھ مل گیا اور عاقدتموہ بن گیا۔ پھر هاء کو حذف کیا گیا جیسے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: 94) میں حذف کیا گیا یا فاعل بمعنی فَعَلَ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ (توبہ: 30) یعنی قتلهم اللہ کبھی باب مفاعلہ کلام عرب میں فاعلت کے معنی کے بغیر واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے تیرا قول ہے: سافرت، ظاهرت، عقدتم۔ قاف کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے تعمدتم یعنی قصدتم۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ تشدید تکرار کا تقاضا کرتی ہے پس

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 653

اس پر کفارہ نہیں مگر جب تکرار کرے۔ اس کا وہ حدیث رد کرتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں ان شاء اللہ قسم نہیں اٹھاؤں گا۔ پھر اس کے علاوہ کام کو بہتر دیکھوں گا مگر میں وہ کام کروں گا جو بہتر ہوگا اور میں قسم کا کفارہ دے دوں گا"۔ اس حدیث میں قسم کے کفارہ کے وجوب کا ذکر فرمایا جس میں تکرار نہیں ہے۔ ابو عبید نے کہا: تشدید بار بار قسم اٹھانے کا تقاضا کرتی ہے۔ میں امن میں نہیں ہوں کہ جو اس قرأت کے ساتھ پڑھے اس پر ایک قسم میں کفارہ لازم نہ ہو حتیٰ کہ وہ تکرار کرلے۔ یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ نافع نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر جب مؤکد قسم کے علاوہ بھی قسم توڑتے تو دس مساکین کو کھانا کھلاتے اور جب قسم کو مؤکد کرتے تو غلام آزاد کرتے، کسی نے نافع سے پوچھا: قسم مؤکد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا: کسی چیز پر بار بار قسم اٹھانا۔

مسئلہ نمبر 5۔ یمین غموس میں اختلاف ہے کیا یہ منعقدہ ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کے نزدیک یہ جھوٹ، فریب اور مکر کی قسم ہے یہ منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس پر کفارہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: یہ یمین منعقدہ ہے، کیونکہ یہ دل کا فعل یہ خبر کے ساتھ معقود ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ متصل ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ صحیح پہلا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ امام مالک بن انس اور ان کے متبعین مدنی علماء کا قول ہے، یہی امام اوزاعی اور اہل شام میں سے ان کے ہمنوا علماء کا قول ہے یہی قول ثوری اور اہل عراق کا ہے۔ یہی قول امام احمد، اسحاق، ابوثور اور ابو عبید، اصحاب الحدیث اور اہل کوفہ میں سے اہل الرائے کا ہے۔ حضرت ابو بکر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد من حلف علی یمین فرای غیرھا خیراً منھا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ (1) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: فلیکفر عن یمینہ ویاتی الذی ھو خیر۔ دلالت کرتا ہے کہ کفارہ اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو کسی فعل کی مستقبل میں کرنے کی قسم اٹھاتا ہے، پھر اسے نہیں کرتا ہے یا کسی فعل کے نہ کرنے کی قسم اٹھاتا ہے، پھر وہ اسے کر دیتا ہے۔ مسئلہ میں دوسرا قول بھی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کفارہ دے اگرچہ وہ گناہگار ہوگا اگر اس نے جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی ہوگی۔ یہ امام شافعی کا قول ہے: حضرت ابو بکر نے کہا: ہم کوئی خبر نہیں جانتے ہیں جو اس قول پر دلالت کرتی ہو اور کتاب وسنت پہلے قول پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ** (بقرہ: 224)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ شخص جو قسم اٹھاتا ہے کہ وہ قرابتداروں سے صلہ رحمی نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں اس کے لیے نکلنے کی سبیل پیدا فرمائی اور اسے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کو نیکی نہ کرنے کا سبب نہ بنائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے اخبار اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ جس کے ساتھ انسان کسی کا حرام مال لیتا ہے تو یہ قسم کے کفارہ سے زیادہ گناہ ہے۔ ابن عربی نے کہا: قسم کی دو قسمیں ہیں: لغو اور منعقدہ۔ غالب طور پر لوگوں میں قسموں میں یہی ہوتی ہیں اس کے علاوہ کو چھوڑ (خواہ) وہ سو قسمیں بھی ہوں، کیونکہ اس پر کفارہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 48

اور کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے گناہ کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا''۔ اس نے کہا: پھر کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: ''والدین کی نافرمانی کرنا''۔ اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے۔ فرمایا: ''یمین غموس''۔ میں نے کہا: یمین غموس کیا ہے؟ فرمایا: ''جس کے ساتھ کسی کا مال حاصل کر لے جب کہ اس قسم میں جھوٹا ہو''۔ مسلم نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کا حق قسم کے ذریعے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا''۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اگرچہ وہ مال تھوڑا سا بھی ہو؟ فرمایا: ''اگرچہ وہ کیکر کی چھڑی بھی ہو''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسی مضبوط لازم قسم اٹھائی جس کے ساتھ اس نے کسی مسلمان کا مال حاصل کیا جب کہ وہ اس میں جھوٹا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا الخ (آل عمران: 77) اس پر کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا اگر ہم اس پر کفارہ واجب کریں گے تو اس کا جرم ساقط ہو جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا جب کہ وہ اس سے راضی ہوگا اور وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا جس کی دھمکی دی گئی ہے اور یہ کیسے نہ ہوگا جب کہ اس قسم اٹھانے والے نے جھوٹ اور غیر کے مال کو حلال سمجھنے کا فعل جمع کیا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کی تخفیف کی ہے اور اس کے ساتھ استہزا کیا ہے اور دنیا کی تعظیم کی۔ اللہ تعالیٰ نے جس کی بڑائی بیان کی اس کی اس نے اہانت کی اور جس کی اللہ نے تحقیر کی اس کی اس نے تعظیم کی، تیرے لیے یہی کافی ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا: یمین غموس کو غموس کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ قسم اٹھانے والے کو آگ میں غوطہ دیتی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر کوئی شخص کسی نیکی کے نہ کرنے کی قسم اٹھائے، پھر اگر وہ اس نیکی کو کرے گا تو وہ حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ کیونکہ قسم کی مخالفت پائی گئی ہے۔ اسی طرح جب کسی نے کہا: اگر میں یہ کروں پھر نہ کرے تو کفارہ لازم ہوگا۔ جب قسم اٹھائے کہ وہ ضرور ایسا کرے گا تو وہ فی الحال ایسا نہیں کرے گا تو وہ حانث ہوگا مخالفت کے پائے جانے کی وجہ سے اگر وہ فعل کر دے گا تو وہ قسم کو پورا کرنے والا ہوگا، اسی طرح اگر کہا: اگر میں ایسا نہ کروں۔

مسئلہ نمبر 7۔ قسم اٹھانے والے کا قول: ''میں ایسا ضرور کروں گا اور اگر میں ایسا نہ کروں''۔ یہ امر کے قائم مقام ہے اور ''میں ایسا نہیں کروں گا اور اگر میں ایسا کروں'' یہ نہی کے قائم مقام ہے۔ پہلی صورت میں وہ قسم کو پورا کرنے والا نہیں ہوگا حتیٰ کہ تمام وہ کام کرے جس پر قسم اٹھائی گئی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے: میں روٹی ضرور کھاؤں گا۔ پھر اس نے بعض روٹی کھائی تو وہ قسم کو پورا کرنے والا نہ ہوگا حتیٰ کہ تمام روٹی کھائے، کیونکہ روٹی کے ہر جز پر قسم اٹھائی گئی تھی۔ اگر کہا: اللہ کی قسم! میں کھاؤں گا۔ مطلقاً کہا، تو وہ تھوڑی سی روٹی کھا کر بھی قسم کو پورا کرنے والا ہوگا جس پر روٹی کے اسم کا اطلاق ہوتا ہوگا، کیونکہ وجود میں اکل کی ماہیت کو داخل کرنے کی وجہ سے اور نہی کی صورت میں وہ حانث ہو جائے گا اس کم از کم روٹی کے استعمال سے جس پر روٹی کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ وجود میں منہی عنہ کے افراد میں سے کوئی فرد

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 4212

داخل نہ ہو۔ اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس نے ایک پاؤں داخل کیا تو وہ حانث ہو جائے گا اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم نے شارع کو پایا کہ پہلے اسم کے ساتھ تحریم کی جہت کو مغلظ کیا ارشاد فرمایا: وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ (النساء: 22) پس جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا تو وہ اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی، پہلے اسم کے ساتھ تحلیل کی جہت میں اکتفا نہیں کیا فرمایا: لا حتی تذوقی عسیلتہ نہیں حتیٰ کہ تو اس کا ذائقہ چکھ لے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ قسم اٹھائی جائے گی جیسی الرحمن، الرحیم، السمیع، العلیم، الحلیم اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات علیا کے ساتھ قسم اٹھائی جائے گی جیسے اس کی عزت، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کا ارادہ، اس کی کبریائی، اس کی عظمت، اس کا عہد، اس کا میثاق اور دوسری اس کی ذاتی صفات، کیونکہ ان کے ساتھ قسم بھی غیر مخلوق قدیم کے ساتھ قسم ہے، اس کے ساتھ قسم اٹھانے والے ذات کے ساتھ قسم اٹھانے والے کی طرح ہیں۔ ترمذی، نسائی وغیر ہما نے روایت کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے جب جنت کو دیکھا اور اللہ کی طرف واپس آئے تو کہا: تیری عزت کی قسم! کوئی اس جنت کے متعلق نہیں سنے گا مگر وہ اس میں داخل ہوگا۔ اسی طرح آگ کے بارے میں کہا: وعزتك تیری عزت کی قسم! ایسا نہیں کہ کوئی اس کے بارے میں سنے اور پھر اس میں داخل ہو(1)۔ ترمذی اور نسائی وغیر ہما نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے قسم اٹھاتے تھے لا و مقلب القلوب(2) ایک روایت میں ہے لا و مصرف القلوب(3)۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ جو قسم اٹھائے اور کہے واللہ یا باللہ یا تاللہ پھر حانث ہو جائے تو اس پر کفارہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: مالک، شافعی، ابو عبید، ابو ثور، اسحاق اور اصحاب الرائے کہتے ہیں: جس نے اللہ کے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ قسم اٹھائی اور پھر حانث ہو جائے تو اس پر کفارہ ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں اور میں اس کے خلاف نہیں جانتا۔

میں کہتا ہوں: باب ذکر الحلف بالقرآن میں نقل ہے، یعقوب نے کہا: جس نے الرحمٰن کے ساتھ قسم اٹھائی پھر قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: الرحمٰن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ علماء کا وحق اللہ وعظمۃ اللہ وقدرۃ اللہ وعلم اللہ ولعمر اللہ و ایم اللہ میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: یہ تمام قسمیں ہیں ان میں کفارہ واجب ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: وحق اللہ وجلال اللہ وعظمۃ اللہ وقدرۃ اللہ۔ قسم ہے، اگر اس سے قسم کی نیت نہ کرے تو قسم نہیں، کیونکہ اس میں احتمال ہے اس کا مطلب ہوگا اللہ کا حق واجب ہے اور اس کی قدرت ظاہر ہونے والی ہے۔ اور فی امانۃ اللہ میں فرمایا: یہ قسم نہیں ہے۔ ولعمر اللہ و ایم اللہ اگر ان سے قسم مراد نہ لے تو قسم نہ ہوگی۔ اصحاب الرائے نے کہا: اگر کہا: وعظمۃ اللہ وعزۃ اللہ وجلال اللہ وکبریاء اللہ و امانۃ اللہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 2483، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب النذور والأیمان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 1460، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الکفارات، حدیث نمبر 2082، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پھر قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ ہوگا۔ حسن نے کہا: وحق اللہ قسم نہیں ہے اور اس پر کفارہ بھی نہیں ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے جو رازی نے ان سے حکایت کیا ہے، اسی طرح عهد اللہ و میثاقه و امانته قسم نہیں ہے۔ امام صاحب کے بعض اصحاب نے کہا: یہ قسم ہے۔ امام طحاوی نے کہا: یہ قسم نہیں ہے، اسی طرح جب کہا: وعلم اللہ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم نہ ہو گی۔ امام ابو یوسف کا قول اس سے مختلف ہے انہوں نے کہا: یہ قسم ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام صاحب نے یہ قول اس لیے فرمایا: کیونکہ علم کبھی معلوم کے معنی میں ہوتا ہے اور وہ محدث ہے پس وہ قسم نہ ہوگی اور وہ اس سے غافل رہے کہ قدرت بمعنی مقدور بھی استعمال ہوتی ہے ہر جواب جو وہ مقدور کے بارے میں کہیں گے وہی ہمارا معلوم کے بارے میں جواب ہوگا۔

ابن المنذر نے کہا: یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وایم اللہ ان کان لخلیقا للامارۃ اللہ کی قسم! وہ امارت کا حق دار تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ کے واقعہ میں فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے تھے وایم اللہ۔ اسی طرح حضرت ابن عمر نے فرمایا: اسحاق نے کہا جب ایم اللہ سے مراد قسم لے گا تو ارادہ اور دل کی عقد کے ساتھ قسم ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10۔ قرآن کی قسم اٹھانے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: ہر ایک کے عوض اس پر قسم ہو گی۔ حسن بصری اور ابن المبارک کا یہی قول ہے، امام احمد نے فرمایا: میں کوئی ایسی دلیل نہیں جانتا جو اس کا رد کرے۔ ابوعبیدہ نے کہا: یہ ایک قسم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس پر کفارہ نہیں ہے۔ قتادہ قرآن کے ساتھ قسم اٹھاتے تھے۔ احمد اور اسحاق نے کہا: ہم اس کو ناپسند نہیں کرتے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء اور صفات کے علاوہ قسم منعقد نہ ہوگی، امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم اٹھائے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی، کیونکہ اس نے ایسی ذات کی قسم اٹھائی کہ ایمان کی تکمیل ان کو تسلیم کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اس پر کفارہ لازم ہوگا جس طرح اگر اللہ کی قسم اٹھاتا تو کفارہ لازم ہوتا۔ اس کو وہ حدیث رد کرتی ہے جو صحیحین وغیرہما میں ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب کو ایک قافلہ میں پایا جب کہ حضرت عمر اپنے باپ کی قسم اٹھا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آواز دی "خبردار اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسمیں اٹھانے سے منع کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے" (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء اور اس کی صفات کے علاوہ ہر چیز کی قسم نہ اٹھانے میں حصر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اس کو مزید ابوداؤد اور نسائی وغیرہما کی روایت ثابت کرتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اپنے آباء، اپنی امہات اور انداد کی قسم نہ اٹھاؤ اور قسم نہ اٹھاؤ مگر اللہ کی اور اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ مگر جب تم سچے ہو" (2)۔ پھر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو کہتا ہے حضرت آدم و حضرت ابراہیم کی قسم تو وہ بھی کہتا ہے: اس پر کفارہ نہیں، حالانکہ یہاں بھی اس نے ایسی ذات کی قسم اٹھائی جن کے ساتھ ایمان مکمل ہوتا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 46　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، حدیث 2827، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 12۔ ائمہ نے روایت کی ہے اور یہ لفظ مسلم کے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے تم میں سے قسم اٹھائی اور اس نے لات کی قسم اٹھائی تو وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے (یعنی دوبارہ کلمہ پڑھے) اور جس نے اپنے ساتھی کو کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔ نسائی نے حضرت مصعب بن سعد عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم کسی معاملہ کا ذکر کر رہے تھے جب کہ میرا زمانہ جہالت قریب تھا میں نے لات وعزیٰ کی قسم اٹھائی۔ مجھے کسی صحابی نے کہا: تو نے بہت برا کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے ''تو نے جھوٹ کہا ہے''۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس واقعہ کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کہو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر اور تین مرتبہ اپنی بائیں جانب تھوک دے اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کی پناہ مانگ اور پھر کبھی ایسا نہ کہنا''۔ علماء نے فرمایا: جس نے ایسا کلمہ کہا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کلمہ پڑھنے کا حکم اس لفظ کے کفارہ کے لیے اور غفلت سے تذکیر کے لیے اور نعمت کی تکمیل کے لیے دیا تھا۔ لات کا ذکر خصوصی طور پر کیا، کیونکہ یہ اکثر لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوتا تھا۔ ان کے دوسرے بتوں کے ناموں کا بھی یہ حکم ہے، کیونکہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے ساتھی کو کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلوں گا تو اس کو صدقہ کرنا چاہیے۔ اس کے بارے کلام اسی طرح ہے جس طرح لات کے بارے میں ہے، کیونکہ وہ جوا کھیلنے کے عادی بن چکے تھے اور یہ باطل ذریعہ سے مال کھانا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ امام ابو حنیفہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو کہتا ہے وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے یا اسلام سے بری ہے یا نبی سے بری ہے یا قرآن سے بری ہے یا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا یا اللہ تعالیٰ سے کفر کیا، تو یہ قسم ہے اس میں کفارہ لازم ہے اور جب اس نے کہا: والیھودیۃ والنصرانیۃ والنبی والکعبۃ اگرچہ قسم کے صیغہ پر کہا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوتا اور ان کی دلیل دارقطنی کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت ابو رافع سے روایت کی ہے کہ ان کی سردار عورت نے ارادہ کیا کہ وہ ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دے اس نے کہا: وہ ایک دن یہودیہ ہوگی، ایک دن نصرانیہ ہوگی اس کا ہر مملوک آزاد ہے اس کا جو مال ہے وہ اللہ کے راستہ میں ہے اور اس پر اللہ کے گھر کی طرف چل کر جانا ہے اگر اس نے ان کے درمیان جدائی نہیں کی، اس نے یہ مسئلہ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ام سلمہ سب سے پوچھا تو انہوں نے اسے کہا: تو ہاروت و ماروت کی مثل ہونا چاہتی ہے انہوں نے اسے قسم کا کفارہ دینے اور انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دینے کو کہا، انہوں نے حضرت رافع سے روایت کیا ہے فرمایا: میری مالکن نے کہا: میں تمہارے اور تمہاری بیوی کے درمیان جدائی کراؤں گی۔ اس کا ہر مال کعبہ کی چوکھٹ کے لیے ہے۔ وہ ایک دن یہودیہ، ایک دن نصرانیہ، ایک دن مجوسیہ ہے، اگر میں تیرے اور تیری بیوی کے درمیان جدائی نہ کراؤں۔

حضرت رافع نے فرمایا: میں ام المومنین ام سلمہ کی طرف گیا، میں نے کہا: میری مالکن چاہتی ہے کہ وہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جدائی ڈال دے۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: تو اپنی مالکن کے پاس جا اور اسے کہہ کہ یہ تیرے لیے حلال نہیں،

حضرت رافع نے کہا: میں مالکن کے پاس واپس آیا۔ فرمایا: میں حضرت ابن عمر کے پاس گیا انہیں یہ سارا واقعہ سنایا۔ پس وہ آئے حتیٰ کے دروازے پر پہنچ گئے فرمایا: یہاں ہاروت و ماروت ہیں۔ اس عورت نے کہا: میں نے تمام مال کعبہ کی چوکھٹ کے لیے کر دیا ہے فرمایا: پھر تو کس چیز سے کھائے گی۔ اس عورت نے کہا: میں نے کہا ہے میں ایک دن یہودیہ ہوں، ایک دن نصرانیہ ہوں، ایک دن مجوسیہ ہوں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: اگر تو یہودی ہوگی تو تجھے قتل کیا جائے گا، اگر تو نصرانی ہوگی تو تجھے قتل کیا جائے گا، اگر تو مجوسی ہوگی تو تجھے قتل کیا جائے گا۔ اس عورت نے کہا: پھر تم مجھے کیا حکم دیتے ہو؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے غلام اور لونڈی کو جمع کر۔

علماء کا اجماع ہے کہ قسم اٹھانے والا جب کہے: اقسم باللہ۔ تو یہ قسم ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے جب کہے: اقسم یا کہے: اشھد لیکونن کذا و کذا اور باللہ نہ کہے تو امام مالک کے نزدیک ایمان ہوگی۔ جب باللہ کا ارادہ کیا ہو، اگر باللہ کا ارادہ نہ کیا ہو وہ قسمیں نہ ہوں گی جن کا کفارہ دیا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، اوزاعی، حسن اور نخعی نے کہا: یہ دونوں صورتوں میں قسمیں ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: قسم نہ ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا اسم کا ذکر کرے۔ یہ مزنی کی امام شافعی سے روایت ہے۔ ربیع نے امام شافعی سے مالک کے قول کی مثل روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ جب کہے: تجھے میں قسم دیتا ہوں تو ایسا ضرور کرے گا اگر تو اس کا ارادہ سوال ہے تو کفارہ نہیں ہے اور یہ قسم نہیں اور اگر قسم کا ارادہ ہے تو وہی حکم ہے جو ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ جو ایسی چیز کی قسم اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے لیکن اس کی صفات سے نہیں ہے جیسے وخلق اللہ و رزق اللہ و بیت اللہ۔ تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ یہ قسمیں جائز نہیں ہیں اس نے اللہ کے علاوہ کی قسم اٹھائی ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب قسم منعقد ہو جائے گی تو اسے کفارہ حلال کرے گا یا استثنا۔ ابن الماجشون نے کہا: استثنا کفارہ کا بدل ہے وہ قسم کو حلال کرنے والا نہیں۔ ابن القاسم نے کہا: یہ قسم کو حلال کرنے والا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ فقہاء امصار کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے اس میں شرط ہے کہ وہ متصل ہو تلفظ کے ساتھ ہو، اس کی دلیل نسائی اور ابوداؤد کی روایت ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی اور استثنا کر دی تو پھر اگر وہ چاہے تو اس کام کو کرے چاہے تو ترک کر دے وہ قسم کو توڑنے والا نہ ہوگا۔

اگر بغیر لفظ کے نیت کی یا متصل نہ کہا جب کہ کوئی عذر بھی نہ تھا تو استثنا اسے فائدہ نہ دے گی۔ محمد بن المواز نے کہا: استثنا قسم کے ساتھ اعتقاداً متصل ہوگی اگرچہ آخری حرف کے ساتھ ہو۔ فرمایا: اگر وہ قسم سے فارغ ہو گیا پھر استثنا کی تو اسے نفع نہ دے گی، کیونکہ قسم مکمل ہو چکی تھی اور وہ استثنا سے خالی تھی، پس اس کے بعد استثنا کا وارد ہونا مؤثر نہ ہوگا جیسے بہت دیر کے ساتھ کہے تو مؤثر نہیں ہوتا۔ اس کو حدیث من حلف فاستثنی رد کرتی ہے، فاتعقیب کے لیے ہے اس پر جمہور اہل علم ہیں۔ نیز یہ تو اس تک پہنچاتا ہے کہ قسم حلال نہ ہو جس کو اس نے اٹھایا ہے اور یہ باطل ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: ہمارے اصحاب

کا اختلاف ہے کہ جب وہ اپنے نفس میں محلوف علیہ کی تخصیص کی استثنا کرے۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا: اس کا استثنا کرنا صحیح ہے جب محلوف لہ ظالم ہو۔ بعض نے فرمایا: استثنا صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ محلوف لہ اس کو سن لے۔ بعض نے فرمایا: جب استثنا کے ساتھ زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے تو صحیح ہے اگرچہ محلوف لہ (جس کے لیے قسم اٹھائی) نہ بھی سنے۔ ابن خویز منداد نے کہا: ہم نے کہا: دل میں اس کی استثنا صحیح ہے، کیونکہ قسموں کا اعتبار نیتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم نے کہا: یہ صحیح ہے حتیٰ کہ وہ استثنا کے ساتھ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے، کیونکہ جس نے زبان اور ہونٹوں کو حرکت نہ دی تو وہ کلام کرنے والا نہ ہو گا۔ استثنا کلام سے شمار ہوتی ہے جو کلام کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ ہم نے کہا: یہ کسی حال میں صحیح نہیں، کیونکہ یہ محلوف لہ کا حق ہے یہ اس کے مطابق واقع ہوتی ہے جو اس کے لیے حاکم پورا کرتا ہے جب قسم مخالف کے لیے اختیار پر نہ ہو بلکہ وہ اس سے حاصل کی گئی ہو تو واجب ہے کہ اس کے لیے اس میں حکم نہ ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ایک سال کے بعد بھی قسم کا استثنا پایا جائے گا۔ ابو العالیہ اور حسن نے اس میں ان کی متابعت کی ہے اور انہوں نے اس قول کے ساتھ حجت قائم کی ہے وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (الفرقان: 68) کیونکہ اس کے سال بعد اِلَّا مَنْ تَابَ (الفرقان: 70) نازل ہوا تھا۔ مجاہد نے کہا: جس نے دو سال بعد (ان شاء اللہ) کہا، تو بھی جائز ہو گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اگر چار مہینے بعد استثنا کی تو جائز ہو گی۔ طاؤس نے کہا: وہ استثنا کر سکتا ہے جب تک مجلس میں ہے۔ قتادہ نے کہا: اگر کھڑے ہونے یا کلام کرنے سے پہلے استثنا (ان شاء اللہ) کر دی تو استثنا شمار ہو گی۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق نے کہا: جب تک اس معاملہ میں ہے استثنا (ان شاء اللہ) کر سکتا ہے۔ عطا نے کہا: اس کے لیے اونٹنی کا دودھ دوہنے کی مقدار ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عباس نے جس آیت سے حجت پکڑی ہے وہ درست نہیں، کیونکہ وہ علم الٰہی میں اور لوح محفوظ میں دونوں آیتیں متصل ہیں اس کے نزول میں تاخیر علم الٰہی کی حکمت کے پیش نظر ہے لیکن اس پر ایک عمدہ فرع مترکب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قسم اٹھانے والا جب کہے: اللہ کی قسم! تو گھر میں داخل ہوئی اور تجھے طلاق، اگر تو گھر میں داخل ہوئی اس نے اپنی پہلی قسم میں ان شاء اللہ دل میں کہا اور دوسری قسم میں دل میں ایسی بات نکالی جو اس استثنا کے مناسب تھی جو قسم اٹھا دیتا ہے خواہ وہ مدت ہو یا کوئی سبب ہو، کسی کی مشیئت ہو اس نے محلوف لہ (جس کے لیے قسم اٹھائی) کے ڈر کی وجہ سے استثنا کو ظاہر نہ کیا تو یہ اس کو فائدہ دے گا اور دونوں قسمیں اس پر منعقد نہ ہوں گی طلاق میں بھی یہ ہو جب تک کہ دلیل موجود نہ ہو اگر دلیل موجود ہو تو اس کی استثنا کا دعویٰ قبول نہ ہو گا۔ یہ اس کو مفید ہو گا جب وہ فتویٰ لینے کے لیے آئے گا۔

میں کہتا ہوں: استثنا کی وجہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ظاہر فرمائی اور دوسری میں مخفی رکھی، اسی طرح جب قسم اٹھانے والا بھی جب خوف کی بنا پر قسم اٹھائے اور استثنا کو مخفی کر دے۔ واللہ اعلم۔

ابن عربی نے کہا: ابو الفضل مراغی مدینۃ الاسلام (بغداد) میں پڑھتا تھا اور اس کے خطوط اس کے شہر سے اس کی طرف آتے تھے تو وہ انہیں صندوق میں رکھتا تھا اور ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں پڑھتا تھا اس خوف سے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اسے پریشان کر دے اور اسے علم کے حصول سے روک دے جب پانچ سال گزر گئے تو اس نے طلب علم کی غرض پوری

کر لی اور اس نے واپسی کا ارادہ کیا، اس نے اپنی سواری کو تیار کیا تو اس نے وہ اپنے خطوط نکالے اور انہیں پڑھا ان میں وہ کچھ لکھا تھا کہ اگر کوئی انہیں ان کے پہنچنے کے بعد پڑھتا تو اس کے لیے علم کا ایک حرف بھی پڑھنا ممکن نہ ہوتا۔ فضل نے اللہ کی حمد کی اور سواری پر اپنا سامان باندھا اور خراسان کے راستہ سے حلبة کے باب کی طرف نکل پڑے، کرائے والے نے سواری پیش کی وہ ایک خباز (نانبائی) کے پاس کھڑے ہوئے اس سے سامان سفر خرید رہے تھے وہ اس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے انہوں نے اسے ایک دوسرے نانبائی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کیا تو نے عالم یعنی واعظ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ حضرت ابن عباس استثنا کو جائز قرار دیتے تھے اگرچہ سال بعد بھی ہو، میں نے اس کی بات سنی تو میں سوچنے لگ گیا اگر یہ صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کو خُذۡ بِيَدِكَ ضِغۡثٗا فَٱضۡرِب بِّهِۦ وَلَا تَحۡنَثۡ (ص:44) نہ فرماتا، اسے یہ کہنے سے کون سی چیز مانع تھی کہ تو ان شاء اللہ کہہ دے جب اس نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا تو اس نے کہا: اس شہر کے نانبائیوں کی علمی کیفیت یہ تھی اس مرتبہ علم نے انہیں مراغة سے نکالا تھا، میں کبھی ایسا نہیں کروں گا وہ کرائے والے کے پیچھے چلا اسے کرایہ دے دیا اور وہاں ہی ٹھہرا رہا حتیٰ کہ فوت ہوگیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ استثنا یمین باللہ کو اٹھا دیتی ہے یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ قسم جو غیر اللہ میں ہو اس کی استثنا میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: ہر یمین میں استثنا واقع ہوتی ہے جیسے طلاق، عتاق وغیرہ۔ ابوعمر نے کہا: جس پر علماء کا اجماع ہے وہ حق ہے استثناء کا ذکر یمین باللہ میں ہے اس کے علاوہ میں نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَفَّارَتُهُۥٓ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینے میں علماء کا اختلاف ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس اجماع کے بعد کہ کفارہ سے پہلے قسم توڑنا مباح، حسن ہے، یہ علماء کے نزدیک اولیٰ ہے۔ علماء کے تین قول ہیں: (۱) مطلقاً جائز ہے یہ چودہ صحابہ، جمہور علماء کا مذہب ہے اور امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: کسی اعتبار سے جائز نہیں۔ یہ اشہب کی روایت امام مالک سے ہے۔ جواز کی وجہ کا ثبوت حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! ان شاء اللہ میں کسی کام پر قسم اٹھاؤں گا پھر اس کے علاوہ کوئی بہتر کام دیکھوں گا تو میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور وہ کام کروں گا جو بہتر ہوگا(1)“ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور معنی کی جہت سے اس طرح ہے کہ قسم کفارہ کا سبب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيۡمَٰنِكُمۡ إِذَا حَلَفۡتُمۡۚ۔ یہاں کفارہ کو قسم کی طرف مضاف کیا اور معانی اسباب کی طرف مضاف کیے جاتے ہیں نیز کفارہ قسم پوری کرنے کا بدل ہے پس توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے اور منع کی دلیل مسلم کی روایت ہے جو حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ”جس نے کسی کام پر قسم اٹھائی پھر اس نے اس کے علاوہ اس سے بہتر کام دیکھا تو وہ وہ کرے جو بہتر ہے“۔ نسائی نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ ”وہ قسم کا کفارہ دے“ اور معنی کی جہت سے اس طرح ہے کہ کفارہ گناہ کو اٹھانے کے لیے ہے جب تک اس نے قسم توڑی نہیں تو وہ کوئی چیز ہے ہی نہیں جس کو اٹھایا جائے، اس لیے کفارہ پہلے ادا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 48

کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور اِذَا حَلَفْتُمْ کا معنی ہے جب تم قسم اٹھاؤ اور پھر قسم توڑ دو نیز ہر عبادت جو وجوب سے پہلے ادا کی جائے وہ صحیح نہیں ہوتی جیسا کہ نمازیں اور دوسری عبادات ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: قسم کا کفارہ کھانا کھلانے، غلام آزاد کرنے اور کپڑے پہنانے کے ساتھ جائز ہے اور روزے کے ساتھ جائز نہیں، کیونکہ بدن کا عمل وقت سے پہلے مقدم نہیں کیا جاتا اس کے علاوہ میں کفارہ کو مقدم کرنا جائز ہے۔ یہ تیسرا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں اختیار دیا گیا ہے ان کی عدم موجودگی کے وقت روزے کا ذکر فرمایا کھانے سے آغاز فرمایا، کیونکہ وہ حجاز کے شہروں میں افضل تھا، کیونکہ اس کی حاجت زیادہ تھی اور لوگوں میں سیرابی بہت کم تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قسم کا کفارہ تخییر پر ہے۔ ابن عربی نے فرمایا: جو میرے نزدیک ہے وہ یہ ہے کہ یہ حالت کے اعتبار سے ہے اگر تو احتیاج کو محسوس کرے تو کھانا افضل ہے، کیونکہ جب تو غلام آزاد کرے گا تو ان کی حاجت پوری نہیں کرے گا اور گیارہویں محتاج کا اضافہ کرے گا، اسی طرح اس کے بعد لباس ہے جو اس سے متصل ہے جب اللہ تعالیٰ نے حاجت کو دیکھا تو مقدم مہم سے آغاز کیا۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ہمارے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک مساکین کو اس چیز کا مالک بنانا ضروری ہے جو ان کے لیے نکالی جائے اور ان کے حوالے کر دے حتیٰ کہ وہ مالک ہو جائیں اور اس میں تصرف کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ (انعام: 14) وہ کھلاتا ہے، کھلایا نہیں جاتا۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادے کو سدس 1/6 حصہ دیا، کیونکہ یہ کفارہ کی ایک قسم ہے اس میں جائز نہیں مگر تملیک۔ اس کی اصل الکسوہ ہے امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر انہیں صبح و شام کھلائے تو جائز ہے۔ ہمارے علماء میں سے ابن ماجشون کا یہ مختار قول ہے، ابن ماجشون نے کہا: کھانے میں قدرت دے دینا کھلانا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ (الدہر) کسی اعتبار سے کھلائے وہ اس آیت میں داخل ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے کہ الوسط بمعنی اعلیٰ اور بہتر ہے یہاں یہ دو مرتبوں کے درمیان ایک مرتبہ ہے اور دونوں اطراف کے درمیان نصف ہے اس سے حدیث ہے خیر الامور اوسطھا بہتر امر درمیانہ ہے۔ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے محمد بن یحییٰ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں سفیان بن عیینہ نے کہا انہوں نے سلیمان بن ابی مغیرہ سے روایت کیا انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا فرمایا: ایک شخص اپنے اہل کو خوراک دیتا ہے اس میں وسعت ہوتی ہے اور ایک شخص اپنے اہل کو خوراک دیتا ہے اس میں شدت ہوتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ یہ دلیل ہے کہ یہاں وسط سے مراد وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے یعنی وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ امام مالک کے نزدیک دس مسکینوں میں سے ہر ایک کے لیے کھانے میں مد ہوگا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے مد کے ساتھ ہو یہی قول امام شافعی اور اہل مدینہ کا ہے۔ سلیمان بن یسار نے کہا: میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ جب قسم کا

کفارہ دیتے تھے تو گندم کا ایک مد، مد اصغر کے ساتھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کی طرف سے کافی سمجھتے تھے۔ یہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ عطا بن ابی رباح نے بھی یہی کہا ہے، قسم کے علاوہ کفارہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ ابن القاسم نے کہا: ہر جگہ مد کافی ہے۔ ابن المواز نے کہا: ابن وہب نے مصر میں ایک مد اور ایک نصف کا فتویٰ دیا۔ اور اشہب نے ایک مد اور ثلث 1/3 کا فتویٰ دیا فرمایا: ایک مد اور ایک ثلث 1/3 صبح و شام میں شہریوں کی درمیانی خوراک تھی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: گندم کا نصف صاع دے اور کھجور اور جو کا ایک صاع دے انہوں نے یہ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صغیر عن ابیہ کے سلسلہ سے مروی حدیث کی بنا پر کہا ہے۔ صغیر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر فرد کی طرف سے یا دو شخصوں کو ایک صاع دینے کا حکم فرمایا، سفیان اور ابن المبارک نے اسی قول کو لیا ہے۔ حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔

سعید بن مسیب کا یہی قول ہے اور یہ اکثر فقہاء عراق کا قول ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس نے یہ روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور کا کفارہ دیا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا اور جو یہ نہ پائے وہ نصف صاع گندم دے: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ یہ کفارہ کسی غنی اور ایسے قریبی رشتہ دار کو دینا جائز نہیں جس کا نفقہ لازم ہوتا ہے اگر رشتہ دار ایسے افراد سے ہو جس کا نفقہ لازم نہیں ہوتا، امام مالک نے فرمایا: مجھے تو اسے کھلانا بھی اچھا نہیں لگتا لیکن اگر وہ ایسا کر دے اور لینے والا فقیر ہو تو جائز ہوگا اگر ایسے غنی کو کھلایا جس کی غنا کا اسے علم نہ تھا تو ''مدونہ'' اور دوسری کتب میں ہے کہ جائز نہیں ہوگا اور ''الاسدیہ'' میں ہے جائز ہوگا۔ (1)

مسئلہ نمبر 25۔ انسان وہ چیز کفارہ میں دے جو خود کھاتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہاں علماء کی ایک جماعت سے لغزش ہوئی انہوں نے کہا: جب وہ خود جَو کھاتا ہو اور لوگ گندم کھاتے ہوں تو وہ ایسی چیز کفارہ میں دے جو لوگ کھاتے ہیں۔ یہ کھلا سہو ہے، کیونکہ جب کفارہ دینے والا اپنے لیے صرف جو کی طاقت رکھتا ہے تو اسے دوسرے کے لیے کسی اور چیز کا مکلف نہیں کیا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاعاً من طعامٍ صاعاً من شعیرٍ دونوں کا علیحدہ ذکر فرمایا تاکہ ہر شخص وہ نکالے جو خود کھاتا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ امام مالک نے فرمایا: اگر دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلایا تو اس کے لیے جائز ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: انہیں اکٹھا کھلانا جائز نہیں، کیونکہ وہ کھانے میں مختلف ہوتے ہیں بلکہ ایک مسکین کو ایک مد دے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک وقت کا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی نہیں یعنی صرف صبح کا کھانا کھلانا اور شام کا کھانا نہ کھلانا یا صرف شام کا کھلانا اور صبح کا نہ کھلانا، بلکہ انہیں صبح و شام کھانا کھلائے۔ ابو عمر نے کہا: یہ ائمہ فتویٰ کا قول ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2 صفحہ 230

مسئلہ نمبر 27۔ ابن حبیب نے کہا: صرف روٹی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ سالن بھی دیا جائے گا خواہ وہ زیتون کا تیل ہو یا کشک (جو کا پانی) ہو یا کامخ (سالن) ہو یا کوئی بھی سالن ہو جو میسر ہو۔ ابن عربی نے کہا: یہ زیادتی ہے میں اسے واجب نہیں جانتا، ہاں اس کے لیے مستحب ہے کہ روٹی کے ساتھ چینی، ہاں اور گوشت ہو، رہا کسی کھانے کے لیے سالن کی تعیین ہو تو اس کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ لفظ اس کو متضمن نہیں۔

میں کہتا ہوں، آیت کا نزول وسط میں ہے جو روٹی اور زیتون یا سرکہ کا تقاضا کرتی ہے اور جو چیز اس کے مفہوم میں ہو پنیر، کشک (جو کا پانی) وغیرہ جیسا کہ ابن حبیب نے کہا تھا: واللہ اعلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین سالن سرکہ ہے'' حسن بصری نے کہا: اگر وہ مساکین کو روٹی اور گوشت کھلائے یا روٹی اور زیتون ایک مرتبہ ایک دن میں کھلائے حتیٰ کہ وہ سیر ہو جائیں تو کافی ہے یہ ابن سیرین، جابر بن زید اور مکحول کا قول ہے یہ حضرت انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 28۔ ہمارے نزدیک سارا کفارہ ایک مسکین کو دینا جائز نہیں امام شافعی کا یہی قول ہے(1) اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب ایک فقیر کو یکبارگی تمام کفارہ دینے کو منع کرتے ہیں اور اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ وہ تمام کفارہ ایک دن میں کئی مرتبہ ایک فقیر کو دے، بعض نے اس کی اجازت دی جب فعل متعدد ہو تو دوسرے فعل میں یہ کہنا اچھا ہے کہ اسے منع نہ کیا جائے جس کو پہلے دیا گیا ہے، کیونکہ مسکین کا اسم اس کو بھی شامل ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کو کئی ایام میں دینا جائز ہے اگر ایام متعدد ہوں گے تو وہ کئی مساکین کے قائم مقام ہوگا۔(2)

امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ اس کے لیے جائز ہے، کیونکہ آیت سے مقصود اس مقدار کی تعریف ہے جو کھلایا جائے گا اگر اس نے یہ مقدار ایک کو دے دی تو جائز ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا دس مساکین پر نص قائم فرمانا ہے پس اس سے عدول جائز نہیں، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ایک جماعت کا احیاء اور ان کی ایک دن کفایت کرنا ہے، پس وہ اس دن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی دعا کے لیے فارغ ہوں گے پھر اس کے سبب کفارہ دینے والے کو بخش دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 29۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَكَفَّارَتُهٗٓ** ضمیر کا مرجع نحوی قواعد کے مطابق ما ہے اور اس جگہ میں احتمال ہے کہ یہ **ما** معنی الذی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ **ما مصدر یہ** ہو یا ضمیر کا مرجع قسم توڑنے کا گناہ ہو اگرچہ پہلے صراحۃً اس کا ذکر نہیں لیکن معنی اس کا تقاضا کرتا ہے۔(3)

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَهْلِيْكُمْ** یہ اہل کی جمع سالم ہے حضرت جعفر بن محمد صادق نے أھالیکم پڑھا ہے اور یہ جمع مکسر ہے۔ ابوالفتح نے کہا: اھال یہ لیال کی طرح ہے ان کا واحد اھلات و لیلات ہے عرب کہتے ہیں: اھل و اھلۃ۔ شاعر نے کہا:

وَأَهْلَةِ وُدٍّ قد تَبَرَّيْتُ وُدَّهُمْ　وأَبليتهُمْ فی الجَهْدِ حَمْدِی ونائِلِی

وہ کہہ رہا ہے میں نے ان کی محبت سے اعراض کیا۔ یہ ابن سکیت کا قول ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن عربی　2۔ احکام القرآن للکیا طبری　3۔ المحرر الوجیز

مسئلہ نمبر 31۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ كِسْوَتُهُمْ یہ کاف کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے إسوۃ اور أسوۃ سعید بن جبیر اور محمد بن سمیقع یمانی نے أو كَإِسْوَتِهِمْ پڑھا ہے یعنی كإسوة أهلك۔ الكسوة مردوں کے حق میں ایک کپڑا ہے جو پورے جسم کو ڈھانپنے والا ہو اور عورتوں کے حق میں وہ کم از کم جس میں ان کی نماز جائز ہو اور وہ قمیص اور دوپٹہ ہے یہی حکم چھوٹے افراد کا ہے۔ ابن القاسم نے ''العتبیة'' میں کہا: چھوٹی بچی کو بڑا کپڑا پہنایا جائے گا اور چھوٹے بچے کو بڑا کپڑا پہنایا جائے گا کھانے پر قیاس کے اعتبار سے۔

امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ثوری اور اوزاعی نے کہا: کسوۃ کا اطلاق جس پر کم از کم واقع ہوتا ہے وہ ایک کپڑا ہے۔ ابوالفرج نے امام مالک سے روایت کیا ہے اور یہی ابراہیم نخعی اور مغیرہ کا قول ہے کہ جو تمام بدن کو ڈھانپ لے اس بناء پر کہ نماز اس سے کم میں جائز نہیں (1)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: بہتر کپڑا جانگیا ہے۔ طبری نے سند کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ حکم بن عتیبہ نے کہا: عمامہ کافی ہے جس سے سر لپیٹا جاتا ہے (2)۔ یہ ثوری کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ کہنے پر مجھے زیادہ حرص دلاتی ہے کہ جائز نہیں ہے مگر وہ کپڑا جو گرمی اور سردی کی اذیت سے بچائے جیسا کہ اس پر کھانا ہے جو اس کی بھوک مٹادے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں، رہی ایک چادر تو میں اسے نہیں جانتا اللہ تعالیٰ میرے لیے اور تمہارے لیے اپنی مدد سے معرفت کے دروازے کھول دے۔

میں کہتا ہوں: ایک قوم نے متعارف لباس کی رعایت رکھی ہے۔ بعض نے فرمایا: ایک کپڑا جائز نہیں مگر جب بڑا کپڑا ہو جس کے ساتھ پورا جسم لپیٹ جائے جیسے کمبل اور بڑی چادر۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: قسم کے کفارہ میں ہر مسکین کے لیے کپڑا اور ازار ہے یا ایک کپڑا اور ردا یا قمیص یا قبا یا کمبل ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا کہ ہر مسکین کو دو دو کپڑے پہنائے جائیں۔ حسن اور ابن سیرین نے بھی یہی کہا۔ یہ ابن عربی کا مختار معنی ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 32۔ طعام اور لباس کی قیمت دینا جائز نہیں، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: قیمت دینا جائز ہے، وہ فرماتے ہیں: زکوٰۃ میں قیمت دینا جائز ہے تو پھر کفارہ میں کیسا ہوگا؟ ابن عربی نے کہا: اس کا بنیادی مقصد حاجت کا پورا کرنا ہے اور ضرورت کو ختم کرنا ہے پس اس میں قیمت جائز ہے۔ ہم کہتے ہیں: اگر تم ضرورت کو پورا کرنے کی طرف دیکھتے ہو تو عبادت کہاں ہے اور اعیان ثلاثہ پر نص قرآنی کہاں ہے اور ایک نوع سے دوسری نوع کی طرف بیان کا انتقال کہاں جائے گا؟۔

مسئلہ نمبر 33۔ لباس کسی ذمی یا غلام کو دینا جائز نہیں، امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ذمی اور غلام کو دینا جائز ہے، کیونکہ وہ مسکین ہے۔ مسکنت کا لفظ اسے شامل ہے اور آیت کا عموم اس پر مشتمل ہے۔ ہم نے کہا: یہ خاص ہے کہ مال کا مخصوص حصہ مسکینوں کو دینا واجب ہے پس اسے کافر کو دینا جائز نہیں، اس کی اصل زکوٰۃ ہے جب کہ اتفاق ہے کہ مرتد کو لباس دینا جائز نہیں پس ہر دلیل جس کے ساتھ مرتد خاص ہوتا ہے وہی دلیل ذمی کے بارے میں ہماری دلیل ہے اور غلام مسکین نہیں ہے، کیونکہ وہ

1۔ احکام القرآن لابن عربی　　2۔ المحرر الوجیز

آقا کے نفقہ کی وجہ سے مستغنی ہے پس اسے لباس نہیں دیا جائے گا جیسے غنی کو نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 34۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ تحریر کا معنی ہے غلامی سے نکالنا۔ پھر یہ لفظ قید، مشقت اور دنیا کی تھکن سے نکالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اسی سے ام مریم کا قول ہے: اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (آل عمران: 35)

یعنی میں نے تیرے لیے اسے دنیا کے معاملات سے آزاد کرنے کی نذر مانی ہے جو میرے بطن میں ہے۔ اسی سے فرزدق بن غالب کا قول ہے:

أبني غُدانة إنني حَرَّرتُكم فوهبتُكم لعطيةِ بن جِعَالِ

یعنی میں نے تمہیں ہجو سے آزاد کیا۔ انسان کے رقبہ کو خاص کیا ہے، کیونکہ یہ وہ عضو ہے جس میں حیوان کو بیڑی اور پٹہ ڈالا جاتا ہے یہ ملک کی جگہ ہے پس تحریر کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔ (1)

مسئلہ نمبر 35۔ ہمارے نزدیک ایسے مومن غلام کا آزاد کرنا جائز ہے جسمیں غیر کی شرکت نہ ہو اور نہ اس کا جس کا بعض پہلے آزاد ہو اور مدت تک آزاد کرنا جائز ہے، نہ مکاتب و مدبر غلام جائز ہے اور نہ ام ولد کا آزاد کرنا جائز ہے اور اس کا جو اس کی ملکیت میں آنے کے بعد خود بخود اس پر آزاد ہو جاتا ہو اور نہ اتنا بوڑھا ہو اور نہ اپاہج ہو جس کی وجہ سے کمائی میں نقصان ہوتا ہو، وہ غلام عیوب سے سلامت ہو اس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو، جب کہ داؤد نے عیب دار کو آزاد کرنا جائز قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: کافرۃ کا آزاد کرنا جائز ہے۔ کیونکہ لفظ کا اطلاق اس کا تقاضا کرتا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ قربت واجبہ ہے پس کافر اس کا محل نہیں جیسے زکوٰۃ ہے پس قرآن میں غلام آزاد کرنے میں سے جو مطلق آیا ہے وہ اس مقید کی طرف راجع ہے جو قتل خطا میں غلام آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس میں شرکت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ (النساء: 92) اور بعض رقبة، رقبة نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس میں آزادی کی عقد نہ ہو چکی ہو، کیونکہ تحریر کا کلمہ ابتداءً آزاد کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسا رقبہ نہ ہو جو پہلے آزادی کی جگہ پر ہو۔ ہم نے کہا: وہ عیوب سے سلامت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ پس اطلاق کامل رقبہ کو آزاد کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور اندھا غلام ناقص ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح میں مروی ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا آگ سے چھٹکارا ہے۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کے بدلے میں آگ سے آزاد کیا جاتا ہے حتیٰ کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ کو آگ سے آزاد کیا جاتا ہے (2)، یہ نص ہے۔ کانے غلام کے بارے مذہب میں دو قول مروی ہیں اسی طرح بہرے اور خصی کے بارے میں ہے۔

مسئلہ نمبر 36۔ جس نے مال نکالا تاکہ کفارہ میں غلام آزاد کرے لیکن وہ مال ضائع ہو جاتا ہے تو اس پر کفارہ باقی رہے گا بخلاف اس کے جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مال نکالتا ہے تاکہ وہ فقراء کو دے یا اس کے ساتھ غلام خرید ے پھر وہ مال تلف ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دوسرا مال واجب نہیں ہے، کیونکہ اس نے حکم کی پیروی کی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز 2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل من اعتق، حدیث نمبر 1467، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 37۔ اس کفارہ میں اختلاف ہے جب قسم اٹھانے والا فوت ہو جاتا ہے۔ امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: قسموں کے کفارے اصل مال سے نکالے جائیں گے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ قسم کا کفارہ ثلث سے نکالنا جائز ہوگا، اسی طرح امام مالک نے کہا ہے کہ اگر اس نے اس کے لیے وصیت کی ہو۔

مسئلہ نمبر 38۔ جس نے قسم اٹھائی جب کہ وہ خوشحال تھا اس نے کفارہ ادا نہیں کیا حتیٰ کہ تنگ دست ہو گیا یا قسم توڑ دے جب کہ وہ تنگ دست ہو پس اس نے جو کفارہ ادا نہ کیا حتیٰ کہ وہ خوشحال ہو گیا یا اس نے قسم توڑی جب کہ وہ غلام تھا تو پھر وہ کفارہ نہیں دے گا حتیٰ کہ آزاد ہو جائے پس اس تمام صورت حال میں کفارہ دینے کے وقت کا اعتبار ہوگا نہ کہ قسم توڑنے وقت کا اعتبار ہوگا۔

مسئلہ نمبر 39۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم میں سے کسی کا اپنے گھر والوں کے متعلق قسم پر قائم رہنا اللہ کی بارگاہ میں کفارہ دینے سے زیادہ گناہ ہے جو کفارہ اللہ نے فرض کیا ہے''۔ اللجاج فی الیمین کا مطلب ہے اس کے مقتضیٰ پر قائم رہنا اگرچہ اس کی وجہ سے حرج اور مشقت لازم آتی ہو اور اس نے اس کو چھوڑ دیا جس میں فوری منفعت تھی یا متاخر منفعت تھی اگر کوئی ایسی صورت ہو تو قسم کا توڑنا اور کفارہ دینا لازم ہے وہ قسم کو علت نہ بنائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تھا وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ (بقرہ: 224) کی تفسیر میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کسی کام پر قسم اٹھائے پھر اس کے علاوہ کو اس سے بہتر دیکھے تو اسے قسم کا کفارہ دینا چاہیے اور اسے وہ کام کرنا چاہیے جو بہتر ہے یعنی جس میں خیر زیادہ ہے''۔

مسئلہ نمبر 40۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم میں اعتبار قسم کھانے والے کی نیت کا ہوگا''۔ علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے جس پر قسم واجب ہو کسی حق کی وجہ سے جو اس پر واجب ہے اور اس نے قسم اٹھائی جب کہ اس کی نیت کوئی دوسری ہو تو اس کو اس کی نیت فائدہ نہ دے گی اور اس کی وجہ سے اس قسم کے گناہ سے خارج نہ ہوگا۔ دوسری حدیث میں اس کا مفہوم موجود ہے یمینک علی ما یصدقک علیہ صاحبک تمہاری قسم اس کے مطابق ہوگی جس پر تمہارا خصم تصدیق کرے گا۔

روایت ہے یصدقک بہ صاحبک تمہارا خصم تیری تصدیق کرے۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: جس نے اپنے طالب کے لیے اس حق میں قسم اٹھائی جو اس کے لیے اس پر تھا اور اپنی قسم میں استثنا کی یا اس نے اپنی زبان یا ہونٹوں کو حرکت دی یا اس کے ساتھ کلام کی تو یہ استثنا اسے مفید نہ ہوگی، کیونکہ محلوف لہ کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ قسم اس کا حق ہے۔ قسم اس کے مطابق واقع ہوگی جس کے لیے حاکم لے رہا ہے نہ کہ قسم اٹھانے والے کے اختیار پر ہوگی، کیونکہ اس سے تو قسم طلب کی گئی ہے یہ امام مالک کے مذہب کا ماحصل ہے۔

مسئلہ نمبر 41۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ یعنی ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز اس کی ملکیت میں نہ ہو یعنی کھانا کھلانا یا لباس پہنانا یا غلام آزاد کرنا نہ ہو تو وہ روزے رکھے۔ اور نہ ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو اس کا مال

غائب ہو یا بالکل نہ ہو۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کا مال اس کے اپنے شہر میں نہ ہو اگر وہ ایسا شخص پائے جو اسے ادھار دیتا ہو تو پھر بھی روزہ رکھنا جائز نہیں اور اگر ایسا شخص نہ پائے تو پھر اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اپنے شہر تک مال پہنچنے کا انتظار کرے۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس پر لازم نہیں بلکہ وہ روزوں کے ساتھ کفارہ دے، کیونکہ اس کے ذمہ وجوب ثابت ہو چکا ہے اور عدم کی شرط متحقق ہو چکی ہے پس حکم کو مؤخر کرنے کی کوئی وجہ نہیں پس وہ ان تینوں چیزوں سے عجز کی وجہ سے اسی جگہ کفارہ دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ بعض علماء نے فرمایا: جس کے پاس ضروریات زندگی سے زائد مال نہ ہو تو وہ ایسا شخص ہے جو ان تینوں چیزوں کو پانے والا نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جس کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک ہو اور اس کے پاس زائد مال نہ ہو جو کھلائے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے اور طبری نے اس کو اختیار کیا ہے۔ یہی امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ ابن القاسم سے مروی ہے کہ جس کے پاس ایک دن کے نفقہ سے زائد ہو وہ روزہ نہ رکھے۔ ابن القاسم نے ابن مزین کی کتاب میں کہا: اگر قسم توڑنے والے کے لیے ایک دن کی خوراک سے زائد ہو تو وہ کھانا کھلائے مگر یہ کہ اسے بھوک کا خوف ہو یا وہ ایسے شہر میں ہو جہاں اس پر مہربانی نہ کی جاتی ہو۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: جب اس کے پاس نصاب نہ ہو تو وہ پانے والا نہیں۔ احمد اور اسحاق نے کہا: جب اس کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک ہو تو وہ زائد سے کھانا کھلائے۔ ابو عبید نے کہا: جب اس کے پاس اپنے اور اپنے عیال کے لیے ایک دن کی خوراک ہو اور اتنا کپڑا بھی ہو جو ان کی کفایت کرتا ہو، پھر اس کے بعد وہ کفارہ دینے کی مقدار کا مالک ہو تو وہ ہمارے نزدیک پانے والا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ابو عبید کا قول بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر 42۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ حضرت ابن مسعود نے متتابعات بھی پڑھا ہے۔ پس اس کے ساتھ مطلق کو مقید کیا گیا۔ یہی امام ابو حنیفہ اور ثوری کا قول ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔ مزنی نے کفارہ ظہار پر قیاس کرتے ہوئے اور حضرت عبداللہ کی قرأت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے دوسرے قول میں فرمایا کہ علیحدہ علیحدہ تین روزے رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ تتابع صفت ہے اور یہ ثابت نہیں ہوتی مگر نص کے ساتھ یا منصوص پر قیاس کے ساتھ جب کہ یہ دونوں صورتیں معدوم ہیں۔ (1)

مسئلہ نمبر 43۔ جس نے روزے کے دنوں میں کسی روز بھول کر روزہ افطار کر لیا۔ امام مالک نے فرمایا اس پر قضا لازم ہوگی امام شافعی نے فرمایا کہ اس پر کوئی قضا نہیں جس طرح اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں روزوں کی بحث میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 44۔ یہ کفارہ جس پر اللہ تعالیٰ نے نص فرمائی ہے بالاتفاق آزاد مسلمان پر لازم ہے اور غلام قسم توڑ دے تو جو اس پر واجب ہوتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ سفیان ثوری، امام شافعی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں کہ اس پر صرف روزہ ہے اس کے علاوہ کچھ جائز نہیں۔ اس میں امام مالک کا قول مختلف ہے۔ ابن نافع نے ان سے حکایت کیا ہے فرمایا: غلام کسی کو آزاد کرنے کے ساتھ کفارہ نہیں دے گا۔ کیونکہ اس کے لیے ولاء نہیں ہے لیکن وہ صدقہ کے ساتھ کفارہ دے گا اگر اس

1۔ احکام القرآن لابن عربی

کے مالک نے اسے اجازت دی ہو۔ درست یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر وہ کھانا کھلائے یا لباس پہنائے اپنے آقا کی اجازت سے تو وہ واضح نہیں اور میرے دل میں اس کے متعلق شک ہے۔

مسئلہ نمبر 45۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ یعنی تمہاری قسموں کو ڈھانپنا ہے۔ کفرت الشیٔ کا مطلب ہے کسی چیز کو ڈھانپ دینا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ کی قسم اٹھانے میں یہ کفارہ ہے۔ بعض تابعین کا خیال ہے کہ قسم کا کفارہ اس کی نیکی کے کرنے پر بھی ہے جس کو اس نے چھوڑنے کی قسم اٹھائی تھی۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں عنوان باندھا ہے من قال کفارتھا ترکھا اس کے تحت حدثنا علی بن محمد حدثنا عبد اللہ بن نمیر عن حارثہ بن ابی الرجال عن عمرۃ عن عائشہ کے سلسلے سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قطع رحمی کی قسم اٹھائی یا ایسی بات میں قسم اٹھائی جو مناسب نہ تھی تو اس کا قسم پورا کرنا یہ ہے کہ وہ اس قسم کو پورا نہ کرے'' (1)۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی کام پر قسم اٹھائی پھر وہ اس کے علاوہ کام کو بہتر دیکھے تو وہ قسم کو ترک کر دے اور اس کا ترک اس کا کفارہ ہے''۔(2)

میں کہتا ہوں: اس کی تائید حضرت ابوبکر صدیق کے واقعہ سے ہوتی ہے جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے اور ان کی بیوی نے قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائے گی حتیٰ کہ وہ کھانا کھائیں اور مہمانوں نے بھی قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر کھانا کھائیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا: یہ کھانا نہ کھانے کی قسم اٹھانا شیطان کی طرف سے تھا پھر انہوں نے کھانا منگوایا اور کھایا پھر مہمانوں نے بھی کھایا۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم نے روایت کیا ہے فرمایا: جب صبح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو عرض کی: یا رسول اللہ! انہوں نے اپنی قسم پوری کی اور میں نے قسم توڑ دی۔ فرمایا: حضرت ابوبکر نے آپ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو ان سب سے زیادہ نیکی کرنے والا اور بھلائی کرنے والا ہے''۔ راوی نے فرمایا: مجھے کفارہ کے متعلق خبر نہیں پہنچی۔

مسئلہ نمبر 46۔ اللہ کی قسم کے علاوہ میں کفارہ کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جس نے اپنے مال کو صدقہ کرنے کی قسم اٹھائی تو وہ تہائی مال صدقہ کرے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس پر قسم کا کفارہ ہے یہی قول اسحاق اور ابوثور کا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ شعبی، عطا اور طاؤس نے کہا: اس پر کوئی چیز نہیں ہے، رہا مکہ کی طرف چلنے کی قسم اٹھانا تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ابوثور کے نزدیک اسے قسم کا کفارہ کافی ہے۔ ابن مسیب اور قاسم بن محمد نے کہا: اس پر کچھ نہیں ہے۔ ابن عبد البر نے کہا: مدینہ طیبہ اور دوسرے شہروں کے اکثر علماء مکہ کی طرف چل کر جانے کی قسم پر اللہ کی قسم کے کفارہ کی مثل کفارہ

1۔ سنن ابن ماجہ، باب من قال کفارتھا ترکھا، حدیث نمبر 2100، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2849۔ ایضاً، سنن ابن ماجہ، باب من قال کفارتھا ترکھا، حدیث نمبر 2101، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرتے ہیں یہ صحابہ کرام، تابعین اور جمہور فقہاء کی جماعت کا قول ہے۔ ابن قاسم نے اپنے بیٹے عبد الصمد کو یہی فتویٰ دیا تھا اس نے ذکر کیا کہ یہ لیث بن سعد کا قول ہے۔ ابن القاسم سے مشہور قول یہ ہے کہ ان کے نزدیک مکہ کی طرف چل کر جانے کی قسم میں کفارہ نہیں ہے مگر اس پر جو چلنے پر قادر ہو یہی امام مالک کا قول ہے۔

رہا غلام آزاد کرنے کی قسم اٹھانے والا تو اس پر اس کا آزاد کرنا ہے جس کو آزاد کرنے کی قسم اٹھائی تھی یہ امام مالک، امام شافعی وغیرہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ قسم کا کفارہ دے اس پر غلام آزاد کرنا لازم نہیں۔ عطا نے کہا: وہ کوئی چیز صدقہ کر دے۔ مہدوی نے کہا: معتمد علیہ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے طلاق کی قسم اٹھائی اور اسے توڑ دیا تو طلاق لازم ہے۔

مسئلہ نمبر 47۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ یعنی جب تم قسم توڑ دو تو کفارہ جو تم پر لازم ہے اس کو جلدی ادا کر کے اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ بعض علماء نے فرمایا: قسم کو ترک کرنے کے ساتھ قسموں کی حفاظت کرو، کیونکہ جب تم قسم نہیں اٹھاؤ گے تو تمہاری طرف یہ تکلیفات متوجہ نہ ہوں گے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ شکر کا معنی اور لعل کا معنی پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کریم کی اور محتاط رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)“۔

اس میں سترہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ان اشیاء کے ترک کے ساتھ مومنوں کو خطاب کیا ہے، کیونکہ ان شہوات اور عادات کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ملوث تھے اور ان کے نفوس پر یہ غالب تھیں، پس بہت سے مومنوں کے نفوس میں کچھ باقی تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا(1): اس قبیل سے تھا پرندوں کو دیکھ کر کام کو نہ جانا اور کتب وغیرہ سے فال لینا

1۔ المحرر الوجیز

اور اس طرح کی بیہودہ چیزیں جو آج کل جاہل لوگ کرتے ہیں، رہا خمر (شراب) ابھی تک یہ حرام نہیں کی گئی اس کی مکمل حرمت جنگ احد کے واقعہ کے بعد تیسرے سال نازل ہوئی اور جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال شوال میں ہوئی۔ اس کا اشتقاق پہلے گزر چکا ہے رہا المیسر (جوا) سورۂ بقرہ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے، رہا الانصاب تو بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد بت ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نرد اور شطرنج کا کھیل ہے اس کا بیان سورہ یونس آیت 32 میں **فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ** کے تحت آئے گا۔

رہا الْاَزْلَامُ اس سے مراد تیر ہیں اس کے بارے میں پہلی سورت میں گزر چکا ہے۔ کہا جاتا ہے: بیت اللہ شریف میں خدام اور بتوں کے خدام کے پاس تیر تھے کوئی شخص آتا جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا تو اس سے کوئی تیر نکالتا اگر اس پر لکھا ہوا ہوتا امرنی ربی (میرے رب نے مجھے حکم دیا) تو وہ کام کو چلا جاتا خواہ اسے پسند ہوتا یا ناپسند ہوتا۔

مسئلہ نمبر 2۔ شراب کی حرمت بتدریج ہوئی اور بہت سے واقعات کے ساتھ ہوئی، کیونکہ وہ لوگ شراب کے بہت حریص تھے اور سب سے پہلے شراب کے متعلق یہ نازل ہوا: **یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ** (بقرہ: 219) یعنی اس کی تجارت میں منافع ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے شراب کو ترک کر دیا اور انہوں نے کہا: جس میں بڑا گناہ ہے اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور بعض لوگوں نے اس کو ترک نہ کیا انہوں نے کہا: ہم اس کی منفعت لیتے ہیں اور اس کا گناہ چھوڑتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی: **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى** (النساء: 43) بعض لوگوں نے پھر اس کو چھوڑ دیا اور کہا: ہمیں اس کی حاجت نہیں جو ہمیں نماز سے غافل کر دے اور بعض نے نماز کے اوقات کے علاوہ شراب پی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ**۔

پس لوگوں پر یہ مطلقاً حرام ہوگئی حتیٰ کہ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ نے شراب سے زیادہ کسی چیز کو شدت سے حرام نہیں فرمایا۔ ابو میسرہ نے کہا: یہ حضرت عمر بن خطاب کے سبب نازل ہوئی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شراب کے عیوب ذکر کیے اور شراب کی وجہ سے لوگوں پر کیفیات نازل ہوتی تھی اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اس کی حرمت کی دعا مانگی اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا۔ اے اللہ! شراب کے بارے ہمارے لیے شافی بیان فرما، تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عمر نے کہا: انتھینا انتھینا ہم رک گئے، ہم رک گئے (1)۔ سورۂ بقرہ میں اور سورۃ النساء میں یہ گزر چکا ہے۔

ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى** (النساء: 43) اس آیت کو سورۂ مائدہ کی آیت **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ** نے منسوخ کر دیا (2)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے فرمایا: میرے متعلق قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ اس میں فرمایا: میں انصار کے ایک گروہ کے پاس آیا، انہوں نے کہا: ادھر آؤ ہم تجھے کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے۔ یہ شراب کے حرام ہونے سے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر 3185، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ ایضاً، جامع ترمذی، باب ومن سورۃ المائدۃ، حدیث 2975

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر 3187، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پہلے کی بات ہے۔ فرمایا: میں ان کے پاس ایک باغ میں آیا وہاں ایک اونٹ کا بھونا ہوا سر تھا اور شراب کا مٹکا تھا۔ فرمایا: میں نے ان کے ساتھ کھایا، پیا۔ فرمایا: میں نے ان کے پاس انصار اور مہاجرین کا ذکر کیا۔ میں نے کہا: مہاجرین، انصار سے افضل ہیں۔ فرمایا: ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے اٹھائے اور مجھے اس کے ساتھ مارا پس میرا ناک زخمی ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے: اس نے ناک چیر دیا، اور سعد کا ناک چیرا ہوا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سارا واقعہ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں یعنی شراب کے بارے میں ان کا ذکر کیا۔ یہ ارشاد نازل ہوا: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ شراب پینا اس وقت مباح معمول اور معروف تھا نہ اس پر انکار کیا گیا اور نہ اسے بدلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسے قائم رکھا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس پر سورۃ النساء کی آیت دلالت کرتی ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء:43) جیسا کہ پہلے گزرا ہے کیا ان کے لیے اس مقدار کا پینا مباح تھا جو نشہ دیتی تھی؟ حضرت حمزہ کا واقعہ اس میں ظاہر ہے جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنیوں کی کوکھیں چیر دی تھی اور ان کی کوہانیں کاٹ دی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا آپ حضرت حمزہ کے پاس آئے۔ حضرت حمزہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا کلام صادر ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام، توقیر اور اکرام کے مخالف تھا جو دلیل ہے کہ حضرت حمزہ کی عقل ختم ہو چکی تھی نشہ آور شراب پینے کی وجہ سے، اسی وجہ سے راوی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان گئے کہ وہ نشہ میں دھت ہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ پر انکار نہ کیا اور نہ ان پر سختی کی، نہ حالت نشہ میں اور نہ اس کے بعد بلکہ آپ الٹے پاؤں لوٹے اور باہر نکل آئے۔ جب حضرت حمزہ نے کہا: تم تو میرے باپ کے غلام ہو۔ یہ اس کے خلاف ہے جو اصولیوں نے کہا ہے اور جو انہوں نے بیان کیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: ہر شریعت میں نشہ حرام تھا، کیونکہ شرائع بندوں کے مصالح ہوتی ہیں نہ کہ مفاسد ہوتی ہیں اور مصالح کی اصل عقل ہے جیسا کہ مفاسد کی اصل عقل کا ضائع ہونا ہے پس ہر وہ چیز جو عقل کو ضائع کر دے یا اس میں تشویش پیدا کر دے اس سے منع واجب ہے مگر یہ کہ حضرت حمزہ کی حدیث کو اس پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے اس کے پینے سے نشہ کا قصد نہیں کیا تھا لیکن وہ جلدی اثر کر گئی اور ان کے دماغ پر غالب آ گئی۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رِجْسٌ حضرت ابن عباس نے اس آیت میں فرمایا: رجس سے مراد ناراضگی ہے، جب کہ بدبودار چیز پاخانہ اور غلاظت کو رجس کہا جاتا ہے الرجز "ا" کے ساتھ ہو تو اس کا معنی عذاب ہے اور الرکس کا معنی غلاظت ہے اور الرجس کا لفظ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے (1)۔ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ یعنی شیطان کے ابھارنے اور مزین کرنے کی وجہ سے۔ بعض نے فرمایا: وہ ان امور کے آغاز پر تو خود عمل کرتا ہے حتیٰ کہ پھر وہ ان میں شیطان کی اقتدا کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْتَنِبُوْهُ یعنی اس سے دور ہٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور سے دور رہنے کا حکم

1۔ المحرر الوجیز

دیا ہے اور امر کے صیغہ سے ذکر فرمایا نیز احادیث کی نصوص اور اجماع امت بھی ان کی حرمت پر موجود ہے پس تحریم کی جہت سے اجتناب ثابت ہوا، اس کے ساتھ شراب حرام کی گئی۔ علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ سورۂ مائدہ شراب کی حرمت کے ساتھ نازل ہوئی۔ یہ مدینہ طیبہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ تحریم مردار، خون اور لحم الخنزیر میں نازل ہوئی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ (الانعام: 145) اور دوسری آیات میں تو وہ خبر کے انداز میں نازل ہوئی جب کہ شراب کی حرمت نہی اور زجر کے انداز میں نازل ہوئی یہ مؤکد تحریم ہے۔ حضرت ابن عباس نے روایت کیا ہے فرمایا: جب شراب کی تحریم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک دوسرے کے پاس گئے اور کہا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اور شرک کے برابر کی گئی ہے یعنی بتوں کے لیے ذبح کے ساتھ ملایا ہے اور وہ شرک ہے پھر لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ کو معلق کیا فلاح کو امر کے ساتھ معلق کیا یہ وجوب کی تاکید پر دلیل ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ شراب کی تحریم اور شرع کے اس کو خبیث سمجھنے اور اس پر رجس کا اطلاق کرنے اور اس سے اجتناب کا امر دینے سے جمہور علماء نے اس کی نجاست کا حکم سمجھا ہے اور اس میں جمہور علماء کی ربیعہ، لیث بن سعد اور مزنی، امام شافعی اور بعض بغدادی علماء اور قروی علماء متاخرین نے مخالفت کی ہے۔ یہ علماء کہتے ہیں: شراب پاک ہے۔ حرام صرف اس کا پینا ہے۔ سعید بن حداد قروی نے اس کی طہارت پر، مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اس کے بہائے جانے پر استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں: اگر یہ ناپاک ہوتی تو صحابہ کرام اسے گلیوں میں نہ بہاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے منع فرماتے جس طرح کہ راستوں میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ایسا اس لیے کیا تھا، کیونکہ ان کے لیے تہہ خانے اور کنویں نہیں تھے جن میں وہ شراب کو بہاتے، کیونکہ ان کے عام حالات ایسے ہی تھے کہ ان کی لیٹرینیں گھروں میں نہ تھیں، حضرت عائشہ نے فرمایا: وہ گھروں میں لیٹرینیں بنانا ناپسند کرتے تھے اور اس شراب کو مدینہ سے باہر لے جانے میں کلفت اور مشقت تھی نیز اس سے حکم پر فوراً عمل سے تاخیر لازم آتی اور اس سے بچنا ممکن بھی تھا، کیونکہ مدینہ طیبہ کے راستے وسیع تھے اور شراب بھی اتنی زیادہ نہ تھی کہ وہ نہر بن جاتی اور پورے راستہ کو گھیر لیتی بلکہ وہ تھوڑی جگہوں پر تھی جس سے بچاؤ ممکن تھا۔ نیز اس عمل میں اس کو بہانے کی شہرت کا فائدہ بھی موجود تھا تاکہ شراب کی حرمت اس کے تلف کرنے کے ساتھ پھیل جائے اور اس سے نفع حاصل نہ کیا جائے اور لوگ اس پر موافقت کریں۔ واللہ اعلم

اگر یہ کہا جائے کہ تنجیس (ناپاک قرار دینا) حکم شرعی ہے اور اس میں کوئی نص نہیں ہے اور کسی چیز کے حرام ہونے سے پہلے اس کا نجس (ناپاک ہونا) لازم نہیں آتا، شرع میں بہت سی حرام چیزیں ایسی ہیں جو نجس نہیں ہیں۔ ہم کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رِجْسٌ یہ شراب کی نجاست پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ لغت میں رجس کا معنی نجاست ہے پھر اگر ہم یہ التزام کریں کہ ہم کوئی حکم نہ لگائیں مگر جن میں کوئی نص پائیں تو شریعت معطل ہو جائے گی، کیونکہ شریعت میں نصوص کم ہیں، پس پیشاب، پاخانہ، خون، مردار وغیرہ کی نجاست پر کون سی نص موجود ہے؟ یہ ظواہر، عمومات اور قیاس ہیں مزید سورۃ الحج میں اس معنی کی

وضاحت آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْتَنِبُوْهُ یہ مطلق اجتناب پر دلالت کرتا ہے کہ کسی اعتبار سے بھی اس سے نفع نہ اٹھایا جائے نہ پینے کا نہ بیچنے کا، نہ سرکہ بنانے کا، نہ علاج کا، نہ کوئی اور۔ اس پر احادیث دلالت کرتی ہیں، مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مشکیزہ شراب کا تحفہ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں'' حضرت ابن عباس نے فرمایا: پھر اس نے ایک شخص سے سرگوشی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''تو نے اس سے کیا سرگوشی کی ہے'' اس نے کہا: میں نے اسے بیچنے کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے''۔ فرمایا: اس نے اپنا منہ کھول دیا حتیٰ کہ ساری شراب نکل گئی (1) یہ ہمارے بیان پر دلیل ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی جائز منفعت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے جیسا کہ مردار بکری کے بارے فرمایا تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اتاری اور پھر اسے دباغت کیوں نہیں کیا اور پھر اس سے نفع کیوں نہیں اٹھایا؟ (2)

مسئلہ نمبر 8۔ خون اور شراب کی بیع کی تحریم پر مسلمانوں کا اجماع ہے اس میں غلاظت اور تمام نجاسات اور ان تمام چیزوں کی بیع کی حرمت پر دلیل ہے جن کا کھانا حلال نہیں ہے اسی وجہ سے۔ واللہ اعلم۔ امام مالک کے نزدیک چوپاؤں کا گوبر بیچنا مکروہ ہے۔ اور ابن القاسم نے اس میں رخصت دی ہے، کیونکہ اس میں منفعت ہے قیاس وہ ہے جو امام مالک نے کہا ہے، یہی امام شافعی کا مذہب ہے یہ حدیث اس کی صحت پر شاہد ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور فقہاء کا خیال ہے کہ کسی کے لیے شراب کو سرکہ بنانا جائز نہیں اگر سرکہ بنانا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو مشکیزہ کا منہ کھولنے نہ دیتے تا کہ اس میں جو کچھ ہے نکل نہ جائے، کیونکہ سرکہ مال ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جس نے کسی مسلمان کی شراب ضائع کر دی تو اس نے مال ضائع کر دیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص نے یتیم کی شراب بہا دی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے سرکہ بنانے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں''۔ آپ نے سرکہ بنانے سے منع فرمایا۔ اہل حدیث اور اہل الرائے کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور سحنون بن سعید کا میلان بھی اسی طرف ہے، دوسرے علماء نے کہا: شراب کو سرکہ بنانے میں کوئی حرج نہیں انسان کے عمل سے جو سرکہ بن گئی اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور کوفیوں کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اگر شراب میں کستوری اور نمک ڈالی گئی پھر وہ مربی بن گیا اور شراب کی حالت سے بدل گئی تو جائز ہے۔

امام محمد بن حسن نے امام ابو حنیفہ کی ''المربی'' میں مخالفت کی ہے فرمایا: سرکہ میں تبدیل کیے بغیر اس سے علاج بھی نہیں کیا جائے گا۔ ابو عمر نے کہا: عراقیوں نے شراب کو سرکہ بنانے میں حضرت ابو درداء کے قول سے حجت پکڑی ہے وہ قول ابو ادریس

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2041 2۔ ایضاً، حدیث 2369

خولانی عن ابی الدرداء کے واسطہ سے مروی ہے اور وہ قوی نہیں ہے۔ حضرت ابو درداء شراب کا مربیٰ کھاتے تھے وہ کہتے تھے: سورج اور نمک نے اس کی دباغت کی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن ابی العاص نے شراب کو سرکہ بنانے کے مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے اور سنت کے ہوتے ہوئے کسی کی رائے میں حجت نہیں ہے۔ (وباللہ التوفیق)

یہ بھی احتمال ہے کہ سرکہ بنانے سے منع ابتداء اسلام میں ہو جب اس کی تحریم نازل ہوئی تھی تاکہ اسے ہمیشہ روکے نہ رکھیں، کیونکہ اس کے پینے کا زمانہ قریب تھا اس سے قطعی طور پر ان کے ارادہ میں عادت کو ختم کرنا تھا جب صورت حال اس طرح ہے تو اس کو سرکہ بنانے کے متعلق نہی میں اور اس کو بہانے کے حکم میں یہ نہ تھا کہ اس کا کھانا ممنوع ہے جب سرکہ بن جائے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نصرانی شراب کو سرکہ بنادے تو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ہے اگر مسلمان اسے سرکہ بنادے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اس روایت کو ابن عبدالحکم نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ صحیح وہ ہے جو امام مالک نے ابن القاسم اور ابن وہب کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے شراب سے علاج کرنا صحیح نہیں حتیٰ کہ وہ اسے سرکہ بنادے اور اسے بیچنا بھی جائز نہیں بلکہ وہ اسے انڈیل دے۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول مختلف نہیں کہ جب شراب خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کا کھانا حلال ہے یہی حضرت عمر بن خطاب، قبیصہ، ابن شہاب اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔ یہ اکثر فقہاء کے مذہب کا ماحصل ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ ابن خویز منداد نے ذکر کیا ہے کہ شراب کی ملکیت ہوگی اور انہوں نے اس کو اس طرف لوٹایا ہے کہ اس سے گلہ کے پھندے کو دور کیا جائے گا اور اس سے آگ بجھائی جائے گی۔ یہ نقل امام مالک سے معروف نہیں بلکہ یہ تو اس کے قول پر ہے جو اس کو پاک خیال کرتا ہے، اگر اس کی ملکیت جائز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہانے کا حکم نہ دیتے، نیز ملکیت نفع کی ایک صورت ہے اور اس کو بہانے کے ساتھ وہ نفع باطل ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 12۔ یہ آیت دلیل ہے کہ نرد اور شطرنج بطور جوا کھیلنا یا جوا کے بغیر کھیلنا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب شراب کو حرام کیا تو اس معنی کی خبر دی جو اس میں تھا فرمایا: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ** پھر فرمایا: **اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ** اور ہر وہ کھیل جس کا قلیل کثیر کی طرف دعوت دے اور وہ کھیلنے والوں کے درمیان عداوت اور بغض کو پیدا کرے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکے وہ شراب پینے کی طرح ہے اور اس کی مثل حرام ہونا ثابت کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شراب پینا تو نشہ کا باعث بنتا ہے انسان اسکے ساتھ نماز پر قادر نہیں ہوتا جب کہ نرد اور شطرنج میں یہ معنی نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت میں شراب اور جوئے کو جمع کیا ہے اور دونوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ دونوں لوگوں کے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرتے ہیں اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ شراب اگر نشہ دیتی ہے تو جوا نشہ نہیں دیتا پھر اللہ کے نزدیک ان میں افتراق نہیں ہے جو تحریم میں ان کے درمیان برابری سے مانع ہو، کیونکہ دونوں معانی کے اعتبار سے مشترک ہیں نیز شراب کا قلیل، نشہ نہیں دیتا جس طرح نرد اور شطرنج کا کھیل نشہ نہیں دیتا پھر بھی شراب کا قلیل، کثیر کی طرح حرام ہے کوئی انکار نہیں کیا جاتا کہ نرد اور شطرنج شراب کی طرح حرام ہیں اگرچہ نشہ نہیں

دیتی نیز کھیل کا آغاز غفلت کا موجب ہے اور وہ غفلت جو دل پر غالب آتی ہے وہ نشہ کی جگہ ہوتی ہے۔ اگر شراب حرام کی گئی ہے، کیونکہ یہ نشہ دیتی ہے اور نشہ کی وجہ سے نماز سے روکتی ہے پس نرد اور شطرنج کا کھیل بھی حرام ہونا چاہیے، کیونکہ وہ بھی غافل کرتا ہے اور نماز سے روکتا ہے۔

مسئلہ نمبر13۔ یہ روایت دلیل ہے کہ اسے ناسخ نہیں پہنچی وہ سابقہ اباحت سے استدلال کرنے والا تھا پس یہ دلیل ہے کہ ناسخ کے وجود کے ساتھ حکم نہیں اٹھتا جیسا کہ بعض اصولیوں نے کہا ہے بلکہ ناسخ کے پہنچنے کے ساتھ حکم اٹھتا ہے جیسا کہ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے یہ صحیح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے توبیخ نہیں فرمائی بلکہ اس کے لیے حکم بیان فرمایا، کیونکہ وہ پہلے عمل کے ساتھ مخاطب تھا اگر اسے ترک کرتا تو بلا اختلاف نافرمانی کرنے والا ہوتا، اگرچہ ناسخ وجود میں پایا بھی گیا تھا اس طرح اہل قبا کے لیے واقع ہوا تھا جب وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور انہیں ناسخ کے بارے بتایا تو وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے والحمدللہ۔ اس میں الخمر (شراب) اور اس کے اشتقاق اور میسر کا ذکر گزر چکا ہے انصاب اور ازلام کے بارے اس سورۃ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آگاہ فرمایا کہ شیطان ہمارے درمیان شراب کے ذریعے عداوت اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے، پس اسی نے ہمیں اس سے محتاط رہنے کا حکم دیا اور ہمیں اس سے منع فرمایا۔ روایت ہے کہ انصار کے دو قبیلوں نے شراب پی اور بعض نے بعض سے مزاق کیا جب وہ ہوش میں آئے تو بعض نے اس کے آثار دیکھے جو دوسروں نے اس کے ساتھ کیا تھا وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور دلوں میں کسی قسم کا بغض نہ تھا تو بعض کہنے لگے: اگر میرا بھائی مجھ پر رحم کرنے والا ہوتا تو میرے ساتھ ایسا نہ کرتا پس اس طرح ان کے درمیان کینہ اور بغض پیدا ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ، الآیۃ۔

مسئلہ نمبر15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فرمایا: جب تم نشہ میں ہو جاؤ گے تو تم اللہ کا ذکر نہ کرو گے اور نہ نماز پڑھو گے اگر تم نماز پڑھو گے تو تم پر خلط ملط کر دے گا جس طرح اس نے حضرت علی کے ساتھ کیا، یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ سورۃ النساء میں گزرا ہے۔ حضرت عبید اللہ بن عمر نے فرمایا: قاسم بن محمد سے شطرنج کے بارے پوچھا گیا کہ کیا یہ جوا ہے اور نرد کے بارے پوچھا گیا کہ کیا یہ جوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہر وہ کھیل جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روک دے وہ میسر ہے۔ ابو عبید نے کہا: انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ، الآیۃ۔

مسئلہ نمبر16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ یہ وعید، انْتَهَوْا کے معنی پر شدید ہے، تو حضرت عمر نے کہا: ہم شراب سے رک گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ گلیوں میں اعلان کر دیں کہ خبردار شراب حرام کی گئی، پس مٹکے ٹوٹ گئے اور شراب بہا دی گئی حتیٰ کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا تحریم تاکید ہے اور وعید میں شدت ہے اور حکم کی پیروی ہے، منہی عنہ سے روکنا ہے۔ وَ اَطِیْعُوا پر عطف اچھا ہے، کیونکہ پہلی کلام میں اِنْتَھُوْا کے معنی کی تاکید ہے اور تاکید کے لیے اَطِیْعُوا کو ذکر رسول میں مکرر کیا ہے اور مخالفت سے ڈرایا ہے اور آخرت کے عذاب کی دھمکی دی ہے۔ فرمایا: اگر تم نے مخالفت کی اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ یعنی ہمارے ذمہ تو اس تحریم کا پہنچانا ہے اور رسول پر اعمال خیر یا شر کا انجام بیان کرنا ہے۔(1)

لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

''نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وہ کھا پی چکے جب کہ وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کیا کرتے تھے، پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس، حضرت براء بن عازب اور حضرت انس بن مالک نے کہا: جب شراب کی تحریم نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے کہا: جو لوگ ہمارے فوت ہو چکے ہیں جب کہ وہ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے ان کا کیا ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا: میں ابوطلحہ کے گھر میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا تو شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کرنے والے کو ندا کرنے کا حکم دیا۔ ابوطلحہ نے کہا: باہر نکلو اور دیکھو کہ یہ آواز کیسی ہے؟ فرمایا: میں نکلا تو میں نے کہا: یہ منادی ندا کر رہا ہے کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔ ابوطلحہ نے کہا: تم جاؤ اور اس شراب کو بہا دو، اس وقت شراب الفضیخ (وہ شراب جو کچی کھجور سے بنائی جاتی ہے) تھی، فرمایا: شراب مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا: ایک قوم شہید ہو گئی جب کہ ان کے پیٹوں میں شراب تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ الخ۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اور یہ حدیث ان کے اس سوال کی مثل ہے جو انہوں نے پہلے قبلہ پر مرنے والوں کے متعلق کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ (بقرہ: 143) (3) جو شخص کوئی ایسا کام کرے جو اس کے لیے مباح ہو حتیٰ کہ وہ اسی فعل کو کرتے ہوئے مر جائے تو اس پر کوئی گرفت اور گناہ نہیں اور نہ کوئی مواخذہ اور مذمت ہے، نہ اجر ہے، نہ مدح، کیونکہ مباح، شرع کی نسبت سے دونوں طرفوں میں برابر ہوتا ہے اس بنا پر مناسب ہے کہ خوف نہ کیا جائے اور جو مر چکا ہے اس کی حالت کے بارے میں سوال نہ کیا جائے جب کہ شراب اس کے پیٹ میں تھی جب کہ وہ مباح تھی۔ اور جس

1۔ المحرر الوجیز 2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ المائدۃ، حدیث نمبر 2976، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ المحرر الوجیز

نے ایسا کہا ہے وہ اباحت کی دلیل سے غافل ہوا اور اس کو کوئی خطرہ نہیں یا اللہ تعالیٰ کے خوف کے غلبہ اور اپنے مومن بھائیوں پر شفقت کی وجہ سے مواخذہ اور سزا کا خیال اسے آیا، کیونکہ انہوں نے پہلے شراب پی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ وہم دور فرمادیا فرمایا: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت کے نزول میں یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ نبیذ التمر جب نشہ دے تو وہ خمر ہے۔ یہ نص ہے اس پر اعتراض جائز نہیں، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اہل زبان تھے اور انہوں نے سمجھا کہ یہ شراب ہے، کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ میں اور کوئی شراب نہ تھی۔ حکمی نے کہا:

لنا خمرٌ وليست خمر كَرْمٍ ولكن مِن نِتاج الباسقاتِ
كِرامٌ في السماءِ ذهبن طُولًا وفات ثِمارها أَيدِي الجناةِ

اس پر واضح دلیل نسائی کی روایت ہے، ہمیں قاسم بن زکریا نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبید اللہ نے بتایا انہوں نے شیبان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے محارب بن دثار سے انہوں نے حضرت جابر سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا فرمایا: ''کشمش اور کھجور خمر (شراب) ہے'' اور عقل صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب، ان کا لغت اور شرع کا عالم ہونا تجھے کافی ہے، نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیا: اے لوگو! خبردار شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ جب نازل ہوئی یہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گندم سے اور جو سے اور خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ دے یہ شراب کے معنی میں واضح ہے۔ حضرت عمر نے صحابہ کرام کی موجودگی میں منبر پر شراب کے بارے خطبہ دیا وہ اہل زبان تھے اور انہوں نے خمر سے نہ سمجھا مگر وہ جو ہم نے ذکر کیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو امام ابوحنیفہ اور کوفیوں کا مذہب باطل ہو گیا کہ خمر صرف انگور سے ہوتی ہے (☆) اور جو انگور کے علاوہ کسی چیز سے ہو تو اسے خمر نہیں کہا جاتا اور اسے خمر کا اسم شامل نہیں اسے نبیذ کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تركتُ النَّبيذ لأهل النبيذِ وصِرتُ حَليفًا لِمن عابه
شَرابٌ يُدنِس عِرْضَ الفتَى ويَفتحُ للشَّرِ أبوابه

مسئلہ نمبر 4۔ امام ابوعبداللہ مازری نے کہا: جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ جو نوع نشہ دے اس کا پینا حرام ہے خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، وہ شراب کچی ہو یا پکائی گئی ہو کوئی فرق نہیں، انگور سے نکالی گئی ہو یا کسی دوسری چیز سے نکالی گئی ہے۔ جس نے شراب میں سے کچھ پیا اسے شراب کی حد لگائی جائے گی اور جو انگور سے نکالی جائے گی جو کچی اور نشہ آور ہوتی ہے اس کی حرمت پر اجماع ہے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو اگرچہ ایک قطرہ بھی ہو۔ اور اس کے علاوہ جو شرابیں ہیں جمہور اس کی تحریم کا قول کرتے ہیں اور کوفی علماء خمر کے علاوہ قلیل شراب میں اختلاف کرتے ہیں اور اس سے مراد وہ ہے جو نشہ نہیں دیتی۔ اور جو

☆ امام اعظم ابوحنیفہ کا کہنا ہے خمر کا لفظ انگور کے ایسے رس جو پڑا پڑا جوش مارنے لگے اور گاڑھا ہو جائے اس میں حقیقت ہے اور دوسروں میں مجاز ہے اس لیے یہ اظہار محل نظر ہے۔

شراب انگور سے پکا کر بنائی جاتی ہے اہل بصرہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حرمت انگور کے شیرہ پر اور کچی کشمش کی شراب پر منحصر ہے جو ان دونوں سے پکائی گئی ہو اور ان کے علاوہ کچی اور پکی حلال ہے جب تک کہ وہ نشہ نہ دے۔ امام ابوحنیفہ تحریم کو اس سے خاص کرتے ہیں جو کھجور اور انگور کے پھلوں کا نچوڑ ہو۔ اس میں ان کی تفصیل ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انگور کی شراب قلیل ہو یا کثیر وہ حرام ہے مگر اسے اتنا پکایا جائے کہ ایک تہائی باقی رہ جائے۔ اور کشمش اور کھجور کی شراب اس کو پکایا گیا ہو تو حلال ہے اگرچہ اس کو آگ نے تھوڑا سا بھی چھوا ہو اور ان کی کچی شراب وہ حرام ہے لیکن اس کی حرمت کے باوجود اس پر حد ثابت نہیں ہوتی یہ اسی صورت میں ہے جب کہ نشہ نہ دے، اگر نشہ دے تو تمام برابر ہیں۔

ہمارے شیخ فقیہ امام ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس مسئلہ میں مخالفت کرنے والوں پر تعجب ہے۔ وہ کہتے ہیں: شراب جو انگور کے شیرہ سے بنائی گئی ہو وہ تھوڑی بھی زیادہ کی طرح حرام ہے، اس پر اجماع ہے۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خمر میں قلیل کیوں حرام ہے وہ تو عقل کو ضائع کرنے والی نہیں ہے؟ پس یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ زیادہ کی طرف دعوت دینے والی ہے یا یہ تعبد و تکلف کی بنا پر ہے۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا: جو تم نے قلیل خمر میں مقدر کیا ہے وہی بعینہٖ قلیل نبیذ میں موجود ہے پس وہ بھی حرام ہو، کیونکہ ان دونوں کے درمیان صرف نام کا ہی فرق ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے یہ قیاس، قیاس کی انواع میں سے بلند ترین قسم ہے، کیونکہ اس میں فرع تمام اوصاف میں اصل کے مساوی ہے یہ اس طرح ہے جیسے غلام پر لونڈی کو قیاس کیا جاتا ہے آزادی کی سرایت میں پھر تعجب تو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب پر ہے وہ قیاس میں غلو کرتے ہیں اور وہ قیاس کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے اس قیاس جلی کو ترک کر دیا جس کی تائید کتاب وسنت اور امت کے ابتدائی علماء کے اجماع سے ہوتی ہے اور احناف نے یہ قیاس کا ترک ان احادیث کی وجہ سے کیا جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے جب کہ علماء نے اپنی اپنی کتب میں ان کی علتیں بیان کی ہیں اور ان احادیث میں سے کوئی بھی صحیح میں نہیں ہے۔ مزید تفصیل سورۃ النحل میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طَعِمُوْٓا اس لفظ کی اصل کھانے کے بارے میں ہے طَعِمَ الطَّعامَ اور شَرِبَ الشَّرَابَ کہا جاتا ہے لیکن مجازاً اس میں کہا جاتا ہے: لم اطعم خبزاً ولا ماء ولا نومًا۔ شاعر نے کہا:

نَعَامًا بِوَجْرَةَ صُعْرَ الخُدُو ... دِ لا تَطْعَمُ النومَ الا صِيامًا

سورۂ بقرہ میں وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ (بقرہ: 249) کے تحت گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت مباح اور شہوت کو اور کھانے، پینے اور نکاح کرنے کی ہر لذت سے نفع حاصل کرنے کو شامل ہے اگرچہ ان میں مبالغہ کیا گیا ہو اور انتہائی مہنگی ہوں یہ آیت اس ارشاد: لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف: 32) کی مثل ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اس میں چار اقوال ہیں: (۱) تقویٰ کے ذکر میں تکرار نہیں ہے اس کا معنی ہے شراب کے

پینے سے بچو اور اس کی تحریم پر ایمان لے آؤ۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کا تقویٰ اور ایمان ہمیشہ اور دائمی ہے۔ تیسرا یہ کہ احسان کے معنی پر تقویٰ ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے شراب کی حرمت سے پہلے دوسری محرمات سے تقویٰ اختیار کیا پھر اس کی تحریم کے بعد اس کے پینے سے تقویٰ اختیار کیا پھر باقی اعمال میں بھی تقویٰ اختیار کیا اور عمل بہت عمدہ کیا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شرک سے بچے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے دوسرا معنی یہ کہ وہ کبائر سے بچے اور ایمان کو زیادہ کیا اور تیسرا معنی یہ کہ پھر وہ صغائر سے بچے اور نفلی کام کیے۔ محمد بن جریر نے کہا: پہلے تقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنا اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرنا، دوسرے تقویٰ سے مراد تصدیق پر ثابت و قائم رہنا، تیسرے تقویٰ سے مراد احسان کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا اور نوافل کے ساتھ قرب حاصل کرنا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ یہ دلیل ہے کہ متقی محسن، اس متقی مومن سے افضل ہے جو عمل صالح کرتا ہے اور اس کی فضیلت احسان کے اجر کے ساتھ ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس آیت کی حضرت قدامہ بن مظعون نے تاویل کی جو صحابہ کرام میں سے تھے جنہوں نے اپنے بھائی حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ کے ساتھ حبشہ کے علاقہ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی، جنگ بدر میں شرکت کی تھی اور حضرت عمر بن خطاب کے سسر تھے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ کے ماموں تھے۔ حضرت عمر بن خطاب نے انہیں بحرین کا والی بنایا تھا پھر جارود کی شہادت پر انہیں معزول کر دیا تھا، جارود عبدالقیس کا سردار تھا۔ انہوں نے حضرت قدامہ کے خلاف شراب پینے کی گواہی دی تھی۔ دارقطنی نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں ابوالحسن علی بن محمد مصری نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں یحییٰ بن ایوب علاف نے بتایا انہوں نے کہا مجھے سعید بن عفیر نے بتایا انہوں نے کہا مجھے فلیح بن سلیمان نے بتایا انہوں نے کہا مجھے ثور بن زید نے بتایا انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شراب پینے والوں کو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہاتھوں، جوتوں اور لاٹھیوں کے ساتھ مارا جاتا تھا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ لوگ زیادہ تھے حضرت ابوبکر انہیں چالیس کوڑے لگاتے تھے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے ان کے بعد حضرت عمر بھی شرابیوں کو چالیس کوڑے لگاتے تھے حتیٰ کہ مہاجرین اولین میں سے ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی حضرت عمر نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ اس شخص نے کہا: تو مجھے کیوں کوڑے لگاتا ہے میرے اور تیرے درمیان کتاب اللہ ہے؟ حضرت عمر نے کہا: کون سی کتاب اللہ میں ہے کہ میں تجھے کوڑے نہ لگاؤں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اور میں ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والوں سے ہوں پھر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے اعمال کیے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر، احد، خندق اور دوسری تمام جنگوں میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر نے کہا: کیا تم اس کا رد نہیں کرتے جو یہ کہہ رہا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں اتریں جو گزر چکے ہیں اور یہ

لوگوں پر حجت ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ الخ پھر مکمل آیت پڑھی اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شراب پینے سے منع کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: تم نے سچ کہا ہے تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب شراب پیے گا تو نشہ میں ہوگا جب نشہ میں ہوگا تو ہذیان بکے گا جب ہذیان بکے گا تو افترا باندھے گا اور جھوٹا الزام لگانے والے پر اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا تو اسے کوڑے لگائے گئے (1)۔

حمیدی نے ابوبکر برقانی سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: جب جارود بحرین سے آیا تو کہا: اے امیر المومنین! قدامہ بن مظعون نے نشہ دینے والی شراب پی ہے میں جب اللہ کے حق میں سے کوئی دیکھوں تو مجھ پر حق ہے کہ میں وہ تم تک پہنچاؤں۔ حضرت عمر نے کہا: جو تم کہہ رہے ہو اس پر گواہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر نے حضرت ابو ہریرہ کو بلایا، پوچھا: اے ابو ہریرہ کیسے گواہی دیتے ہو؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں نے اسے شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے اسے نشہ میں قے کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عمر نے کہا: تم شہادت میں گہرے ہو، پھر حضرت عمر نے قدامہ کو خط لکھا وہ بحرین میں تھے اسے حاضر ہونے کا حکم دیا جب قدامہ آیا تو جارود مدینہ میں تھا۔ حضرت عمر نے جارود سے بات کی فرمایا: اس پر کتاب اللہ کو قائم کر۔ حضرت عمر نے جارود سے کہا: تو گواہ ہے یا خصم ہے۔ جارود نے کہا: میں گواہ ہوں۔ حضرت عمر نے کہا: تو نے گواہی ادا کر دی پھر اس نے حضرت عمر سے کہا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا: تو اپنی زبان کو سنبھال ورنہ میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ جارود نے کہا: اللہ کی قسم! یہ حق نہیں ہے کہ تیرے چچا کا بیٹا شراب پیے اور تو مجھے اذیت دے۔ حضرت عمر نے اسے دھمکایا تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا: جو بیٹھے ہوئے تھے اے امیر المومنین اگر تجھے ہماری گواہی پر شک ہے تو ابن مظعون کی بیوی ولید کی بیٹی سے پوچھ، حضرت عمر نے ہند کو بلایا اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا، ہند نے اپنے خاوند کے خلاف شہادت دی۔ حضرت عمر نے کہا: اے قدامہ میں تجھے کوڑے لگاؤں گا۔ قدامہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے شراب پی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں، تو اے عمر پھر بھی تم مجھے کوڑے نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمر نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

حضرت عمر نے کہا: اے قدامہ تو نے غلط تاویل کی ہے جب تو اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے اجتناب کر جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، پھر حضرت عمر قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: تم قدامہ کے کوڑوں میں کیا رائے رکھتے ہو؟ قوم نے کہا: ہمارا خیال ہے تم اسے کوڑے نہ لگاؤ جب تک وہ مریض ہے۔ حضرت عمر اس کو کوڑے لگانے سے خاموش ہو گئے، پھر ایک دن صبح اپنے ساتھیوں سے کہا: تمہاری قدامہ کے کوڑوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ قوم نے کہا: ہم نہیں دیکھتے کہ تم اسے کوڑے لگاؤ جب تک وہ مریض ہے۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کا اللہ تعالیٰ سے کوڑے کے تحت ملاقات کرنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ سے ملوں جب کہ وہ میری گردن میں ہو؟ اللہ کی قسم! میں اسے کوڑے لگاؤں گا تم میرے پاس کوڑا لے آؤ، ان کا غلام اسلم

1۔ سنن دارقطنی، حدیث نمبر 3344

ایک چھوٹا سا نرم کوڑا لے آیا۔ حضرت عمر نے اسے پکڑا اس پر ہاتھ پھیرا پھر اسلم سے کہا: میں نے تجھے تیری قوم کی بری عادتوں پر پایا ہے، تم میرے پاس کوئی اور کوڑا لاؤ پھر اسلم ایک مکمل کوڑا لایا، حضرت عمر نے قدامہ کو کوڑے لگانے کا حکم دیا قدامہ حضرت عمر پر ناراض ہوا اور اسے چھوڑ دیا گیا پھر دونوں نے حج کیا، قدامہ حضرت عمر کو چھوڑے رہا حتیٰ کہ اپنے حج سے واپس آ گئے۔

حضرت عمر سقیا کے مقام پر اترے اور وہاں سو گئے جب حضرت عمر اٹھے تو کہا: قدامہ کو میرے پاس جلدی لاؤ، جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ اللہ کی قسم! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس کوئی آیا اور کہا: قدامہ سے صلح کرو وہ تمہارا بھائی ہے جب لوگ قدامہ کے پاس آئے تو اس نے آنے سے انکار کیا حضرت عمر نے قدامہ کو کھینچ کر لانے کا حکم دیا، حضرت عمر نے اس سے کلام کی اور اس کے لیے استغفار کیا یہ ان کی پہلی صلح تھی۔

ایوب ابن ابی تیمیہ نے کہا: اہل بدر میں سے ان کے علاوہ کسی کو شراب کی وجہ سے حد نہیں لگی۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت کی تاویل پر تیری راہنمائی کرتا ہے اور حضرت ابن عباس سے دار قطنی میں روایت کیا گیا ہے اور حضرت عمر۔ برقانی کی حدیث میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اس نے اس کو وسیع کیا کہ اگر جو شراب پیتا اور دوسرے احکام میں اللہ سے ڈرتا تو پھر شراب پر کسی کو حد نہ لگائی جاتی۔ یہ غلط تاویل ہے قدامہ پر مخفی رہی اور انہوں نے اس کو پہچان لیا جن کو اللہ نے توفیق دی جیسے حضرت عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ شاعر نے کہا:

وإن حراما لا أرى الدهر باكيا   على شجوه إلّا بكيتُ على عُمر

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شام میں ایک قوم نے شراب پی اور انہوں نے کہا: ہمارے لیے یہ حلال ہے اور انہوں نے اس آیت کی تاویل کی، حضرت علی اور حضرت عمر نے اجماع کیا کہ ان سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ وہ قتل کیے جائیں۔ الکیا طبری نے یہ ذکر کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

''اے ایمان والو ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار سے پہنچ سکتے ہیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تا کہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور آزمائے گا۔ ابتلا کا معنی آزمانا ہے، شکار عرب عاربہ کی معیشت کے ذرائع میں سے ایک تھا اور یہ تمام کے نزدیک عام تھا اور مستعمل تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے متعلق احرام اور حرم کے ساتھ آزمایا جس طرح بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن کے احکام میں حد سے تجاوز نہ کرنے میں آزمایا تھا (1)۔ بعض

1۔ المحرر الوجیز

علماء نے فرمایا: یہ حدیبیہ کے سال نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے نہیں باندھا ہوا تھا جب کوئی شکار سامنے آتا تو اس میں ان کے احوال اور افعال مختلف ہوتے اور ان پر اس کے احکام مشتبہ ہو گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال اور افعال کے احکام اور ان کے حج اور عمرہ کی ممنوعات کے بیان میں یہ آیت نازل فرمائی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کے دو مختلف قول ہیں کہ اس آیت کے مخاطب کون ہیں (۱) وہ احرام نہ باندھنے والے لوگ ہیں یہ امام مالک کا قول ہے (۲) اس سے مراد احرام باندھنے والے لوگ ہیں یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور اس کا تعلق لَيَبْلُوَنَّكُمُ کے ساتھ ہے، کیونکہ امتناع کی تکلیف جس کے ساتھ ابتلا متحقق ہوتا ہے وہ احرام کے ساتھ ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ لازم نہیں کیونکہ تکلیف احرام نہ باندھنے والے میں بھی متحقق ہوتی ہے کہ اس کے لیے شکار کے امور میں سے شرط رکھی گئی ہے اور شکار کرنے کی کیفیت جو اس کے لیے مشروع کی گئی ہے، صحیح یہ ہے کہ آیت میں خطاب تمام لوگوں کو ہے جو احرام باندھے ہوئے نہ تھے اور جو احرام باندھے ہوئے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی وہ تمہیں مکلف بنائے گا اور تکلیف ابتداء آزمائش ہوتی ہے اگرچہ کثرت وقلت میں فرق ہوتا ہے اور ضعف اور شدت میں تباین ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ مراد بعض شکار ہے اور من بعضیۃ ہے اس سے خاص خشکی کا شکار مراد ہے تمام شکار کو یہ حکم شامل نہیں، کیونکہ دریا کے لیے بھی شکار ہوتا ہے یہ طبری کا قول ہے اور الصید سے مراد المصید (جس کو شکار کیا جائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ یہ چھوٹے بڑے شکار کے حکم کا بیان ہے (2)۔ ابن وثاب اور نخعی نے ینالہ یعنی یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: تمہارے ہاتھ ان کے بچوں، انڈوں اور ایسے شکار تک پہنچتے ہیں جو بھاگ نہیں سکتے اور تمہارے نیزے بڑے شکار تک پہنچتے ہیں۔ ابن وہب نے کہا: مالک نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ ہر وہ چیز جس تک انسان کا ہاتھ، نیزہ یا کوئی اور ہتھیار پہنچتا ہے پھر وہ اسے قتل کر دیتا ہے تو وہ شکار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصاً ہاتھوں کا ذکر فرمایا، کیونکہ شکار کرنے میں ہاتھ کا زیادہ تصرف ہوتا ہے اور اس میں شکاری کتے اور رسیاں اور ہاتھ سے بنائے گئے جال وغیرہ داخل ہیں خصوصی طور پر نیزوں کا ذکر کیا، کیونکہ ان کے ساتھ شکار کو زخمی کیا جاتا ہے اس میں تیر وغیرہ بھی داخل ہیں (3)۔ شکاری کتے اور نیزوں میں سے جن چیزوں کے ساتھ شکار کیا جاتا ہے وہ سورۃ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ اس گفتگو میں کفایت ہے۔ والحمد للہ

مسئلہ نمبر 6۔ جو چیز جال وغیرہ میں واقع ہو وہ اس کے مالک کے لیے ہے اگر شکار کو کوئی جال کی طرف مجبور کرے اگر وہ نہ ہوتا تو اس کے لیے پکڑنا ممکن نہ ہوتا تو اس کا مالک اس میں شریک ہوگا اور جو شکار اس مکھیوں کے چھتے میں واقع ہو جو پہاڑ میں لگایا گیا تھا تو وہ جال کی طرح ہے۔ برجوں کے کبوتر ان کے مالکوں کو لوٹائے جائیں گے اگر قدرت ہوگی اسی طرح

1۔ احکام القرآن لابن عربی 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

جباح (چھتہ) کی مکھیوں کا حکم ہے۔

امام مالک سے مروی ہے اور ان کے اصحاب نے کہا: جو کبوتر یا مکھی حاصل کر لے اس پر لوٹانا ضروری نہیں اگر کتے نے شکار کو مجبور کیا اور وہ کسی کے کمرے یا گھر میں داخل ہو گیا تو وہ کتے چھوڑنے والے کے لیے ہوگا نہ کہ گھر والے کا ہوگا اگر کتوں کے بھگانے کے بغیر کسی کے گھر میں شکار داخل ہو گیا تو وہ گھر والوں کا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 7۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے حجت پکڑی ہے کہ شکار پکڑنے والے کے لیے ہوگا، بھگانے والے کے لیے نہ ہوگا کیونکہ اس کا نہ ہاتھ پہنچا ہے نہ نیزہ اور نہ کوئی اور چیز۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ امام مالک نے اہل کتاب کے شکار کو مکروہ کہا ہے اور اسے حرام نہیں کہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ میں کم ضمیر سے مراد اہل ایمان ہیں، کیونکہ آیت کے آغاز میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پس ایمان والوں سے اہل کتاب نکل گئے۔ جمہور علماء نے امام مالک کی مخالفت کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ یہ ان کے نزدیک ان کے ذبیحہ کی مثل ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت کریمہ ان کے طعام کو کھانے کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اور شکار اور چیز ہے پس طعام کے عموم میں شکار داخل نہیں اور اس کے لفظ کا اطلاق اس کو شامل نہیں۔ (1)

میں کہتا ہوں: یہ اس بنا پر ہے کہ شکار ان کے نزدیک مشروع نہیں ہے پس وہ ان کے طعام میں سے نہیں ہے پس یہاں یہ الزام ساقط ہو جائے گا اگر ان کے نزدیک ان کے دین میں یہ مشروع ہوتا تو اس کا کھانا ہمیں لازم ہوتا، کیونکہ لفظ اس کو بھی شامل ہوتا اور وہ ان کے طعام سے تھا۔ واللہ اعلم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

''اے ایمان والو! نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر تو اس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے دراں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے ادا کرے تا کہ چکھے سزا اپنے کام کی۔ معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا ہے اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا اللہ تعالیٰ اس سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے''۔

اس میں تیس مسائل ہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن عربی

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ ہر مسلمان مذکر اور مونث کو خطاب ہے یہ نہی آزمائش ہے جس کا ذکر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ میں ہے۔

روایت ہے کہ ابوالیسر، ان کا نام عمرو بن مالک انصاری تھا۔ حدیبیہ کے سال انہوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور انہوں نے جنگلی گدھا شکار کیا تو اس میں یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ قتل سے مراد ہر وہ فعل ہے جو روح کو فوت کر دے اس کی کئی صورتیں ہیں نحر کرنا، ذبح کرنا، گلہ دبا دینا، پتھر سے سر کچل دینا وغیرہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر حرام کیا ہے ہر وہ فعل جس سے روح کو فوت کرنے والا ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے شکار کو قتل کیا یا اس نے اسے ذبح کیا، پھر اس نے اس سے کھایا تو اس پر قتل کرنے کی ایک جزا ہے کھانے کی علیحدہ جزا نہیں یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس پر اس کی بھی جزا ہے جو اس نے کھایا یعنی اس کی قیمت۔ صاحبین نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے وہ فرماتے ہیں: استغفار کے علاوہ اس پر کچھ نہیں ہے، کیونکہ اس نے مردہ کو استعمال کیا ہے جس طرح دوسرا مردہ جانور اٹھاتا ہے اسی طرح اگر اس کو کسی دوسرے محرم نے کھایا تو اس پر پھر بھی صرف استغفار ہے۔ امام ابوحنیفہ کی حجت یہ ہے کہ اس نے احرام کی ممنوع چیز کو لیا ہے، کیونکہ اس کا قتل کرنا بھی ممنوع چیزوں میں سے تھا اور یہ معلوم شدہ ہے کہ قتل سے مقصود بھی کھانا ہوتا ہے اور جو چیز مقصود تک پہنچانے والی ہو یعنی احرام کے ممنوع تک تو وہ جزا کا موجب ہوتی ہے پھر جو مقصود ہے اس پر بدرجہ اولیٰ جزا ہوگی۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے نزدیک محرم کا شکار کو ذبح کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محرم کو شکار کے قتل سے منع فرمایا ہے یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی نے فرمایا: محرم کے لیے شکار کا ذبح کرنا ذبح ہے اور انہوں نے اس کا تعلق اس سے جوڑا ہے کہ وہ ذبح کا فعل ذبح کے اہل یعنی مسلمان سے صادر ہوا ہے اور وہ اپنے محل کی طرف منسوب ہے اور وہ ہے حلال جانور، پس کھانے کی حلت کی وجہ سے اپنے مقصود کا فائدہ دے گا اس کی اصل حلال جانور کا ذبح کرنا ہے۔

ہم کہتے ہیں: تمہارا یہ کہنا کہ ذبح، ذبح کے اہل سے صادر ہوئی ہے حالانکہ محرم شکار کو ذبح کرنے کا اہل نہیں، کیونکہ اہلیت عقل سے نہیں سمجھی جاتی بلکہ یہ شرع ثابت کرتی ہے یہ ذبح میں اس کی اجازت اور اس کی نفی سے ہے اور شرع میں محرم کو ذبح سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ پس نہی کے ساتھ اہلیت کی نفی ہوگئی اور تمہارا قول کہ اس کا مقصود حاصل ہوتا ہے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ محرم جب شکار کو ذبح کرے گا تو اس کے لیے اس کا کھانا حلال نہ ہوگا اور تمہارے نزدیک اس سے کوئی غیر کھا سکتا ہے اور جب ذبح، ذبح کرنے والے کے لیے حلت کا فائدہ نہیں دیتی تو دوسرے کے لیے بھی بدرجہ اولیٰ مفید نہ ہوئی، کیونکہ فرع احکام میں اصل کے تابع ہوتی ہے پس یہ صحیح نہیں کہ جو اصل کے لیے ثابت نہ ہو وہ فرع کے لیے ثابت ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصَّیْدَ یہ مصدر ہے اس کے ساتھ اسماء کا معاملہ کیا گیا ہے پس شکار کیے گئے

حیوان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے(1): الصَّیْدَ کا لفظ یہاں عام ہے ہر بری اور بحری شکار کو شامل تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد آیا: وَحُرِّمَ عَلَیْكُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا پس دریائی شکار کو مطلق مباح کر دیا یہ اس کا بیان آئندہ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 6۔ خشکی کے شکار میں سے درندوں کے نکلنے اور ان کی تخصیص کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: ہر وہ چیز جو درندوں میں سے حملہ نہیں کرتی مثلاً بلی، لومڑ، بجو اور اس جیسے دوسرے جانوروں کو محرم قتل نہیں کر سکتا اگر قتل کرے گا تو فدیہ دے گا۔ فرمایا: چھوٹے بھیڑیئے میرے خیال میں ان کو بھی محرم قتل نہ کرے، اگر انہیں قتل کرے گا تو فدیہ دے گا یہ کووں کے بچوں کی مثل ہیں اور جو چیزیں انسان پر غالب طور پر حملہ آور ہوتی ہیں ان کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ، اسی طرح سانپوں، بچھوؤں، چوہوں، کوؤں اور چیلوں کو مارنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسماعیل نے کہا: پانچ فواسق ہیں حل وحرم میں انہیں قتل کیا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فواسق کہا اور اس کے افعال کو بیان کیا، کیونکہ فاسق فسق کے لیے فاعل کا وزن ہے اور چھوٹے جانوروں کا فعل نہیں ہوتا کتے کا عقور کا وصف بیان کیا اور چھوٹے کتے کاٹتے نہیں ہیں پس وہ اس کے تحت داخل نہ ہوں گے۔ قاضی اسماعیل نے کہا: کاٹنے والے کتے کا نقصان لوگوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ فرمایا: ان میں سے سانپ اور بچھو ہیں کیونکہ ان سے بھی ڈرایا جاتا ہے اسی طرح چیل اور کوا یہ لوگوں کے ہاتھوں سے گوشت اچک لیتے ہیں۔ ابن بکیر نے کہا: بچھو کو قتل کرنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ زہر والا ہے اور چوہے کو مارنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ مشکیزہ اور جوتا کاٹ دیتا ہے جو مسافر کا زاد راہ ہوتے ہیں اور کوے کو مارنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ اونٹوں کی پیٹھ پر بیٹھتا ہے اور ان کا گوشت کاٹ لیتا ہے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کوے اور چیل کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ نقصان پہنچائیں۔

قاضی اسمٰعیل نے کہا: بھڑ میں اختلاف ہے بعض نے اسے سانپ اور بچھو کے ساتھ مشابہت دی ہے۔ فرمایا: اگر بھڑ کا ابتدا حملہ نہ کرنا نہ ہوتا تو یہ لوگوں پر سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ سخت ہوتا لیکن اس کی طبع میں حملہ کرنا نہیں ہے جیسا کہ سانپ اور بچھو میں ہے، بھڑ کو جب اذیت دی جائے تو وہ سخت لڑتی ہے۔ فرمایا: اگر بھڑ کسی کے سامنے آئے اور وہ اسے دور کر دے تو اس کے قتل میں اس پر کچھ نہ ہوگا۔ حضرت عمر بن خطاب سے بھڑ کے قتل کی اباحت ثابت ہے۔ امام مالک نے کہا: بھڑ کے قاتل کو کوئی چیز کھلانی چاہیے۔ اسی طرح امام مالک نے اس شخص کے بارے کہا جس نے کیکڑا، مکھی اور چیونٹی وغیرہ کو مارا۔ اصحاب الرائے نے کہا: ان تمام کے قاتل پر کوئی چیز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: محرم درندوں میں سے کسی کو قتل نہ کرے سوائے کاٹنے والے کتے اور بھیڑیئے کے خواہ وہ اس پر پہلے حملہ کریں یا یہ ان پر حملہ کرے اگر ان کے علاوہ کسی درندے کو قتل کرے گا تو فدیہ دے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر کتے اور بھیڑیئے کے علاوہ کسی درندے نے محرم پر حملہ کیا اور اس نے اسے قتل کر دیا تو اس پر کوئی چیز نہ ہوگی اور فرمایا: سانپ، بچھو، کوے اور چیل کے قتل میں اس پر کچھ نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے مگر امام زفر کا قول مختلف ہے یہی قول اوزاعی، ثوری اور حسن کا ہے اور انہوں نے اس پر حجت یہ پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص جانوروں کو محرم کے

1۔ المحرر الوجیز

لیے قتل کرنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ وہ نقصان پہنچاتے ہیں پس اس پر زیادتی کی کوئی وجہ نہیں مگر یہ کہ علماء کسی چیز پر جمع ہو جائیں اور اس کے معنی میں داخل کر دیں۔

میں کہتا ہوں: تعجب ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کہ وہ کیل کی علت کی وجہ پر گندم پر مٹی کو محمول کرتے ہیں اور درندوں کو علت فسق اور کاٹنے کی وجہ سے کتے پر محمول نہیں کرتے جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: امام زفر بن ہذیل نے کہا: محرم صرف بھیڑیئے کو قتل کرے اور جس نے احرام کی حالت میں کسی اور درندے کو قتل کیا تو اس پر فدیہ ہے خواہ وہ حملہ کی ابتدا کرے یا نہ کرے، کیونکہ وہ بے زبان ہے پس اس کا فعل رائیگاں ہے، یہ حدیث کا رد اور اس کی مخالفت ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اسے قتل کرنے کی محرم کو اجازت ہے اور اس میں چھوٹا اور بڑا شکار برابر ہیں مگر سوائے سمع کے جو بھیڑیئے اور بجو کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: بڑی چچڑی اور چھوٹی چچڑی اور وہ چیزیں جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان میں کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ یہ شکار میں سے نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا**۔ یہ دلیل ہے کہ الصید سے مراد وہ ہے جو احرام سے پہلے ان پر حلال تھا اور احرام کی وجہ سے ان پر حرام کیا گیا یہ تمام ان سے مزنی اور ربیع نے ذکر فرمائی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جوں کا فدیہ کیوں دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ اذیت دیتی ہے اور کھائی نہیں جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فدیہ نہیں دیا جاتا مگر اس پر جس پر فدیہ دیا گیا ہے بال، ناخن اور ان چیزوں کا پہننا جن کا پہننا اس کے لیے جائز نہیں تھا چونکہ جوں کے پھینکنے میں اپنی ذات سے اذیت کو دور کر دینا ہے جب کہ وہ اس کے سر اور داڑھی میں تھی گویا اس نے اپنے بالوں کی تکلیف کو دور کیا۔ جب وہ ظاہر ہوتی ہے تو قتل کی جاتی ہے، حالانکہ وہ اذیت نہیں دیتی ابوثور کا قول اس باب میں امام شافعی کے قول کی طرح ہے۔ یہ ابوعمر نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ ائمہ حدیث نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جانوروں میں پانچ ایسے ہیں محرم پر ان کے قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا'' (1)۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ یہی احمد اور اسحاق نے کہا ہے مسلم میں حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''پانچ فواسق ہیں ان کو حل وحرم میں قتل کیا جائے گا سانپ، ابقع کوا، چوہا، کاٹنے والا کتا اور چیل''۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے فرماتے ہیں: کووں میں سے صرف ابقع کو مارا جائے گا، کیونکہ یہ مطلق کی تقیید ہے۔ اور ابوداؤد کی کتاب میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کوے کو پتھر مارے اور اسے قتل نہ کرے (2)۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ جمہور علماء کا قول حضرت ابن عمر کی حدیث کے مطابق ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں السبع العادی (حملہ کرنے والا درندہ) یہ علت پر تنبیہ ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَنْتُمْ حُرُمٌ** یہ مردوں اور عورتوں اور آزاد، غلام سب کو شامل ہے۔ کہا جاتا

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 5132 2۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1514، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: رجل حرام و امرأۃ حرام۔ اس کی جمع حرم ہے جیسے عرب کہتے ہیں: قذال و قذل، احرم الرجل کا معنی ہے وہ حرم میں داخل ہوا جیسے کہا جاتا ہے اسھل یعنی سھل (آسانی) میں داخل ہوا یہ لفظ زمان و مکان کو شامل ہے احرام کی حالت اشتراک کے ساتھ ہے نہ کہ عموم کے ساتھ۔ کہا جاتا ہے: رجل حرام جب کوئی حرمت والے مہینوں میں داخل ہو یا حرم میں داخل ہو یا احرام باندھے لیکن زمانے کی تحریم خارج ہے اس کا اعتبار اجماع سے خارج ہے اور مکان کی تحریم اور احرام کی حالت اصل تکلیف پر باقی ہے یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ مکان کے اعتبار سے حرم دو ہیں حرم مدینہ اور حرم مکہ۔ امام شافعی نے طائف کا اضافہ کیا ہے ان کے نزدیک طائف کا درخت کاٹنا جائز نہیں اور نہ اس کا شکار کرنا جائز ہے اور جس نے کوئی ممنوع کام یہاں بھی کیا تو اس پر جزا ہو گی اور رہا حرم مدینہ اس میں کسی کے لیے نہ شکار کرنا جائز ہے اور نہ درخت کاٹنا جائز ہے جیسا کہ حرم مکہ کا حکم ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو گناہگار ہوگا اور امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک اس پر جزا نہیں ہے۔ ابن ابی ذئب نے کہا: اس پر جزا ہے سعد نے کہا: اس کی جزا یہ ہے کہ اس کا سامان چھین لیا جائے۔ امام شافعی سے بھی یہ مروی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: مدینہ طیبہ کا شکار حرام نہیں اسی طرح اس کے درخت کاٹنے بھی ممنوع نہیں۔ امام صاحب کے بعض متبعین نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کو تم مدینہ طیبہ کی حدود میں شکار کرتے ہوئے یا درخت کاٹتے ہوئے پاؤ تو اس کا سامان لے لو''۔ حضرت سعد نے اس شخص کا سامان لے لیا۔ فرمایا: فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو مدینہ طیبہ میں شکار کرے گا اس کا سامان نہیں لیا جائے گا یہ دلیل ہے کہ وہ حکم منسوخ ہے۔

امام طحاوی نے حضرت انس کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جس میں ہے ما فعل النفیر؟ (نفیر کا کیا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پرندے کے شکار کرنے اور اس کو پکڑنے پر انکار نہ کیا۔ ان احادیث میں احناف کے لیے حجت نہیں۔ رہی پہلی حدیث وہ قوی نہیں ہے اگر صحیح بھی ہو تو بھی سلب کے نسخ میں ایسی بات نہیں کہ تحریم مدینہ جو صحت سے ثابت ہے اسے ساقط کر دے۔ کتنے ایسے حرام امور ہیں جن کی دنیا میں کوئی سزا نہیں ہے۔ رہی دوسری حدیث تو جائز ہے کہ وہ غیر حرم سے شکار کیا گیا ہو۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وحشی جانور تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے چلے جاتے تو وہ کھیلتا اور بھاگتا رہتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد محسوس کرتا تو پاؤں پھیلا کر بیٹھ جاتا اور حرکت نہ کرتا تھا تا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے جو امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں ہرن کو مدینہ میں چرتا ہوا دیکھوں تو میں اسے پریشان نہ کروں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو پتھریلے ٹیلوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ حرم ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ کا قول کہ ''میں ہرن کو پریشان نہیں کروں گا'' دلیل ہے کہ حرم مدینہ میں شکار کو ڈرانا بھی جائز نہیں جس طرح حرم مکہ میں شکار کو ڈرانا جائز نہیں ہے اسی طرح حضرت زید بن ثابت کا شرحبیل بن سعد کے ہاتھ سے چڑیا کو چھین لینا جس کو مدینہ طیبہ سے شکار کیا گیا تھا دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام مدینہ طیبہ کے شکار کی تحریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھ گئے تھے پس اس میں شکار کرنے کو انہوں نے جائز

قرار نہ دیا اور جو چیز شکار کی گئی اس کی ملکیت کو بھی جائز نہ کیا۔ ابن ابی ذئب نے نبی کریم ﷺ کا قول صحیح میں روایت کیا ہے: ''اے اللہ! ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جس طرح انہوں نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی، اس کا نہ گھاس کاٹا جائے گا نہ درخت کاٹا جائے گا نہ اس کا شکار بھگایا جائے گا''۔ چونکہ مدینہ حرم ہے اس میں شکار منع کیا گیا اور اس کے ساتھ جزا کو معلق کیا گیا جس طرح حرم مکہ کے ساتھ ہے۔(1)

قاضی عبدالوہاب نے کہا: یہ قول میرے نزدیک ہمارے اصول پر زیادہ قیاس کے مطابق ہے خصوصاً مدینہ طیبہ ہمارے اصحاب کے نزدیک مکہ سے افضل ہے اس میں نماز، مسجد حرام کی نماز سے افضل ہے اور امام مالک اور امام شافعی کی حجت میں سے یہ ہے کہ اس پر جزا کا حکم اور سامان چھین لینے کا حکم نہیں لگایا گیا۔ یہ امام شافعی کا مشہور قول ہے اور نبی کریم ﷺ کے قول کا عموم اس پر کوئی حکم نہیں لگاتا ارشاد فرمایا: ''مدینہ عیر پہاڑ سے لے کر ثور پہاڑ تک حرام ہے جس نے اس میں کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل''۔ اس ارشاد میں وعید کو مطلق فرمایا اور کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا(2) اور جو حضرت سعد سے ذکر کیا گیا ہے وہ ان کا مخصوص مذہب ہے۔ کیونکہ صحیح میں ان سے مروی ہے کہ وہ اپنے محل کی طرف سوار ہو کر عقیق میں گئے تو انہوں نے ایک غلام کو درخت کاٹتے ہوئے پایا۔

آپ نے اس سے سامان چھین لیا۔ جب حضرت سعد واپس آئے تو غلام کے مالک ان کے پاس آئے اور غلام کا سامان واپس کرنے کے لیے بات چیت کی۔ حضرت معاذ نے کہا: معاذ اللہ! میں وہ چیز واپس کر دوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی ہے آپ نے انہیں سامان واپس کرنے سے انکار کر دیا(3)۔ پس اس کا قول (نفلنیه) اس کا ظاہر خصوص ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا** اللہ تعالیٰ نے **مُتَعَمِّدًا** جان بوجھ کر قتل کرنے والا کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ خطا اور بھول کر کرنے والے کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں **مُتَعَمِّدًا** سے مراد وہ ہوتا ہے جو احرام کے علم کے ہوتے ہوئے کسی چیز کا قصد کرتا ہے۔ مخطی وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کا قصد کرتا ہے پھر وہ شکار پالیتا ہے اور بھولنے والا وہ ہے جو جان بوجھ کر شکار کا قصد کرتا ہے اور اسے احرام یاد نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق علماء کے پانچ اقوال ہیں: (۱) دارقطنی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: تکفیر جان بوجھ کر قتل کرنے میں ہے۔ انہوں نے خطا میں بھی کفارہ میں سختی کی تاکہ لوگ آئندہ ایسا نہ کریں۔ (۲) **مُتَعَمِّدًا** کا قول غالب طور ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ نادر کو لاحق کیا گیا جیسا کہ اصول شریعت میں ہیں۔ (۳) خطا اور بھول کر ایسا کرنے والے پر کچھ نہیں۔ یہی قول طبری کا ہے اور امام احمد بن حنبل کی بھی ایک روایت یہی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے یہی طاؤس اور ابوثور کا قول ہے یہی داؤد کا قول ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے **مُتَعَمِّدًا** کا خاص ذکر کیا ہے تو یہ دلیل ہے کہ اس کے علاوہ کا حکم اس کے خلاف ہے اور مزید یہ کہا کہ اصل ذمہ کی برأت ہے جس نے ذمہ کی مشغولیت کا دعویٰ کیا اس پر دلیل ہے (۴) اس پر عمد، خطا اور نسیان کی صورت میں حکم لگایا جائے گا یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ عمر، طاؤس، حسن، ابراہیم اور زہری سے مروی ہے یہی قول امام مالک، امام

1۔ احکام القرآن لابن عربی　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ زہری نے کہا: عمداً میں جزا کا وجوب قرآن سے ہے اور خطا اور نسیان کی صورت میں جزا کا وجوب سنت ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر سنت سے مراد وہ آثار ہیں جو حضرت ابن عباس اور حضرت عمر سے مروی ہیں تو یہ بہتر ہیں اور یہ کتنا اچھا اُسوۃ ہے (۵) مُّتَعَمِّدًا وہ اسے قتل کرتا ہے، کیونکہ اس نے اسے احرام کو بھول کر قتل کیا ہے۔ یہ مجاہد کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ فرمایا: اگر وہ احرام کو یاد رکھتے ہوئے کرتا تو اس پر پہلی مرتبہ بھی سزا ہوتی فرمایا: یہ دلیل ہے کہ اس کو متعمدًا قتل کا ارادہ کرے جب کہ وہ احرام کو بھولا ہوا تھا۔ مجاہد نے کہا: اگر اسے احرام یاد ہو تو وہ احرام سے فارغ ہو گیا اور اس نے احرام کا ممنوع کام کیا اس لیے اس کا حج بھی نہیں ہے پس وہ اس پر باطل ہو گیا جیسا کہ کوئی نماز میں گفتگو کرتا ہے یا نماز میں حدث لاحق ہوتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ فرمایا: جس نے خطا کی پس اس پر جزا ہے۔ ہماری دلیل مجاہد کے خلاف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جزا کو واجب کیا اور فساد کا ذکر نہیں کیا پس احرام یاد ہو یا یاد نہ ہو کوئی فرق نہیں ہے اور نماز پر حج کا قیاس صحیح نہیں، کیونکہ یہ دونوں مختلف ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ قتل عمد میں بھی اس پر حکم نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اس کا حج مکمل ہے یہی ابن زید کا قول ہے۔ ہماری دلیل داؤد کے خلاف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ شکار ہے''، جب محرم بجو کو قتل کرے تو اس کے لیے ایک مینڈھا بطور جزا مقرر فرمایا(1) اور عمداً اور خطأً کا ذکر نہیں فرمایا۔ ہمارے علماء میں سے ابن بکیر نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد مُّتَعَمِّدًا اس سے مراد خطا سے تجاوز نہیں، بلکہ مُّتَعَمِّدًا سے یہ مراد لیا کہ وہ بیان کرے کہ یہ اس ابن آدم کی طرح نہیں جس کے قتل عمد میں کفارہ نہیں اور شکار میں کفارہ ہے اس سے مراد قتل خطا میں جزا کو ساقط کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 11۔ جو شخص حالت احرام میں جتنی مرتبہ جانور قتل کرے گا اس پر ہر مرتبہ فیصلہ ہوگا یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ وغیرہم کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ الآیۃ۔ پس نہی ہمیشہ کے لیے ہے اور مستمر ہے جب تک کہ وہ محرم ہے جب وہ قتل کرے گا اس کی وجہ سے اس پر جزا لازم ہو گی۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اسلام میں اس پر دو مرتبہ حکم نہیں لگایا جائے گا اس پر صرف ایک مرتبہ حکم لگایا جائے گا اگر وہ دوبارہ یہ جرم کرے گا تو اس پر حکم نہیں لگایا جائے گا اسے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ۔ یہ قول حسن، ابراہیم، مجاہد اور شریح کا ہے ان کے خلاف ہماری دلیل یہ ہے جو ہم نے اس کے بارے میں ذکر کی جو احرام میں تحریم کی طرف بڑھتا ہے دین اسلام میں اس پر خطاب متوجہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اس میں چار قرأتیں ہیں: فجزاءٌ مثلُ جزا کے رفع اور تنوین کے ساتھ اور مثل صفت کی بنا پر ہے اور خبر مضمر ہے تقدیر اس طرح ہوگی فعلیہ جزاء مماثل واجب اولازم من النعم۔ یہ قرأت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مثل بعینہ جزا ہے اور جزا پر رفع بغیر تنوین کے اور مثل اضافت کے ساتھ یعنی فعلیہ جزاء مثل ماقتل اور مثل کا لفظ مقحم ہے جیسا کہ تیرا قول ہے: انا اکرم مثلک اس سے تیری مراد یہ

1۔ سنن ابن ماجہ، باب جزاء الصيد يصيبه المحرم، حدیث نمبر 3075، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے کہ أنا اکرمك میں تیری عزت کرتا ہوں۔ اس کی مثال یہ ارشاد بھی ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ (الانعام: 122) اس کی تقدیر یہ ہے کمن ھو فی الظلمات اور اس کی یہ بھی نظیر ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ: 11) یعنی لیس کھو شیٔ یہ تقدیر تقاضا کرتی ہے جزا مثل کے علاوہ ہے، کیونکہ کوئی چیز اپنی ذات کی طرف مضاف نہیں ہوتی۔ ابوعلی نے کہا: اس پر مقتول کی جزا ہے نہ کہ مقتول کی مثل کی جزا ہے اضافت مثل کی جزا کا موجب ہے نہ کہ مقتول کی جزا کا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے جیسا کہ آگے آئے گا اور قولہ مِنَ النَّعَمِ دونوں قرأتوں پر جزا کی صفت ہے۔ حسن نے من النَّعْمِ پڑھا ہے یعنی عین کے سکون کے ساتھ یہ بھی ایک لغت ہے۔ عبدالرحمٰن نے فجزاءٌ رفع اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور مثل کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوالفتح نے کہا: مثل، نفس جزا کے ساتھ منصوب ہے معنی یہ ہے: ان یجزی مثل ماقتل۔ اور حضرت ابن مسعود اور اعمش فجزاءہ مثل، پڑھا ہے یعنی ھا کو ظاہر کرنے کے ساتھ۔ یہ احتمال ہے کہ وہ شکار کی طرف ضمیر لوٹے یا شکاری قاتل کی طرف۔

مسئلہ نمبر 13۔ جزا شکار کو قتل کرنے کے ساتھ ہوتی ہے صرف پکڑنے سے نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''مدونہ'' میں ہے جس نے کوئی پرندہ شکار کیا پھر اس کے پر اکھیڑ دیئے پھر اسے قید کر دیا حتیٰ کہ اس کے نئے پر اُگ آئے اور وہ اڑ گیا تو فرمایا: اس پر کوئی جزا نہیں۔ فرمایا: اسی طرح اگر شکار کا ہاتھ یا پاؤں یا کوئی اور عضو کاٹ دیا اور اس کا نفس صحیح و سلامت ہے وہ شکار کے ساتھ لاحق ہو گیا تو اس پر کوئی جزا نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس پر اتنی مقدار میں جزا ہے جو اس نے اس میں کمی کی اگر وہ چلا گیا اور معلوم نہ ہوا اس نے کیا کیا تو اس پر جزا ہے، اگر وہ اپاہج بن گیا اور شکار کے ساتھ لاحق نہ ہوا یا اس نے اسے گھرا ہوا چھوڑ دیا تو اس پر کامل جزا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ جن جانوروں کی جزا دی جاتی ہے وہ دو قسم کے ہیں: ایک چوپائے اور دوسرے پرندے۔ چوپاؤں کی جزا ان کی مثل کے ساتھ دی جاتی ہے جو خلقت اور صورت میں ان کی مثل ہوتے ہیں مثلاً شتر مرغ کی جزا اونٹ کے ساتھ۔ وحشی گدھے اور گائے کی جزا گائے کے ساتھ۔ ہرن کی جزا بکری کے ساتھ۔ یہی امام شافعی کا قول ہے اور امام مالک کے نزدیک کم از کم جزا میسر ہدی ہے وہ قربانی کا جانور ہے جیسے بھیڑ میں سے جذع (جو چھ ماہ سے زائد ہو) اور باقی جانوروں سے ثنی (دندہ) ہو اور جس کی جزا ہدی تک نہ پہنچے تو اس میں کھانا کھلانا یا روزے رکھنا ہے، تمام قسم کے کبوتروں میں ان کی قیمت ہے سوائے مکہ کے کبوتر کے۔ مکہ کے کبوتر میں بکری ہے، اس میں یہ سلف کی پیروی نہیں ہے۔ چڑیا، فاختہ، قمری اور تمام طوق والے پرندے کبوتر کے حکم میں ہیں۔ ابن عبدالحکم نے امام مالک سے حکایت کیا ہے کہ مکہ کے کبوتر میں اور ان کے بچوں میں ایک بکری ہے فرمایا: اسی طرح حرم کے کبوتروں کا حکم ہے۔ فرمایا: حل کے کبوتر میں دو آدمیوں کا فیصلہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: مثل کا اعتبار قیمت میں ہو گا نہ کہ خلقت میں، شکار کی قیمت دراہم میں اس جگہ کے مطابق لگائی جائے گی جہاں اس نے قتل کیا ہے یا قریبی جگہ کا اعتبار ہو گا اگر ایسی جگہ قتل کیا ہو جہاں وہ شکار نہ بیچا جاتا ہو پھر اس قیمت سے چاہے تو ہدی خرید لے یا اس کے ساتھ کھانا خریدے اور مساکین کو کھلائے، ہر مسکین کو نصف صاع گندم دے یا ایک صاع جو دے یا ایک صاع کھجور

دے(1)۔ اور امام شافعی جانوروں میں سے مثل کا نظریہ رکھتے ہیں، پھر وہ مثل کی قیمت لگاتے ہیں جس طرح تلف کی گئی چیزوں میں مثل کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ مثل کی قیمت لی جائے گی جیسے کسی شے کی قیمت ہوتی ہے، کیونکہ وجوب میں مثل ہی اصل ہے۔ یہ واضح ہے اس پر اضافت کی قرأت ظاہر ہوتی ہے فَجَزَآءُ مِّثْلُ۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر خلقت کے طریق سے شبہ معتبر ہوتا، شتر مرغ میں اونٹ ہوگا، جنگلی گدھے میں گائے ہوگی، ہرن میں بکری ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس کو دو عادل شخصوں پر موقوف نہ کیا جو اس کا فیصلہ کریں گے، کیونکہ یہ معلوم ہے اور اس میں غور وفکر کی ضرورت نہیں، عدل اور غور وفکر کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب حالت مشکل ہو اور اس پر نظر مضطرب ہو اور اس پر ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَجَزَآءُ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ پس مثل ظاہر مثل خلقی صوری کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ معنی کا، پھر فرمایا: مِنَ النَّعَمِ المثل کی جنس کو بیان کیا، پھر فرمایا: یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ یہ ضمیر مثل من النعم کی طرف راجع ہے، کیونکہ اس کے سوا کسی چیز کا ذکر نہیں پس ضمیر اس کی طرف راجع ہے، پھر فرمایا: هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ جس میں ہدی متصور ہوتی ہے جو مقتول جانور کی مثل ہو۔ رہی قیمت تو اس کا ہدی ہونا متصور نہیں ہوتا اور نفس آیت میں اس کے لیے ذکر بھی نہیں ہے، پس جو ہم نے ذکر کیا وہ صحیح ہے۔ والحمدللہ۔

اور ان کا قول اگر شبہ معتبر ہوتا تو دو عادل شخصوں پر موقوف نہ کیا ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ دو عادل آدمیوں کا اعتبار شکار کے چھوٹا اور بڑا ہونے میں غور وفکر کے لیے واجب ہے اور جس کی جنس نہیں ہے اس کا فیصلہ اسی چیز سے جس کی جنس ہے اور جس پر نص واقع نہیں ہے اس کو اس کے ساتھ لاحق کرنا ہے جس میں نص واقع ہے (دو شخصوں کا فیصلہ اس کے بارے میں ہے)

مسئلہ نمبر 15۔ جس نے مکہ سے احرام باندھا اور کبوتروں کے بچوں پر اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا پھر وہ مر گئے تو اس پر ہر بچے میں ایک بکری ہے۔ امام مالک نے فرمایا: چھوٹے شکار میں بھی وہی ہے جو بڑے شکار میں ہے۔ یہ عطا کا قول ہے۔ امام مالک کے نزدیک بکری کے چھوٹے بچے کے ساتھ کسی چیز کا فدیہ نہیں دیا جائے گا۔ امام مالک نے فرمایا: دیت کی طرح اس میں چھوٹا اور بڑا برابر ہیں۔ امام مالک کے نزدیک گوہ میں اور جنگلی چوہے میں ان کی قیمت کا کھانا ہے۔ اہل مدینہ میں سے کچھ چھوٹے شکار میں امام مالک کی مخالفت کرتے ہیں اور جذع اور ثنی (دندہ) میں بھی مخالفت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر کے قول کے مطابق کہتے ہیں۔ خرگوش میں بکری کا بچہ ہے چوہے میں جفرہ (بکری کا چرنے والا بچہ) ہے امام مالک نے اسے موقوف روایت کیا ہے۔ ابوزبیر نے حضرت جابر سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جب محرم بجو کو قتل کرے تو اس میں مینڈھا ہے اور ہرن میں بکری ہے اور خرگوش میں بکری کا بچہ ہے اور جنگلی چوہے میں جفرہ ہے''۔ فرمایا: جفرہ اس بکری کے بچے کو کہتے ہیں جو چرتا ہو، اور دوسرے طریق میں ہے میں نے ابوزبیر سے پوچھا جفرہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: جس کا دودھ چھڑایا گیا ہو اور وہ چرتا ہو اس کو دارقطنی نے نقل کیا ہے(2)۔

امام شافعی نے فرمایا: شتر مرغ میں اونٹ ہے اور اس کے بچے میں اونٹ کا بچہ ہے اور وحشی گدھے میں گائے ہے اور وحشی گدھے کے بچہ میں میمنہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خلقت میں مثلیت کا فیصلہ فرمایا ہے چھوٹا اور بڑا متفاوت ہوتے ہیں پس

1۔ احکام القرآن للجصاص
2۔ سنن دارقطنی، حدیث نمبر 2546، 2549

اس میں چھوٹے اور بڑے کا اعتبار واجب ہے جیسا کہ دوسری ضائع کی جانے والی چیزوں میں ہوتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح ہے اور یہ ہمارے علماء کا مختار ہے۔ علماء نے کہا: اگر شکار کانا ہو یا لنگڑا ہو یا اس کا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو تو مثل بھی اسی صفت پر ہو گا تا کہ مثلیت متحقق ہو، پس جو مثل دیا جارہا ہے ضروری نہیں کہ وہ اس سے بہتر ہو جو اس نے ضائع کیا ہے ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ صغیر اور کبیر کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَدْيًا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اطلاق کے حق کی وجہ سے ہدی کا اسم اس کو شامل ہو اور یہ مکمل ہدی کا تقاضا کرتا ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 16۔ شتر مرغ کے انڈے میں اونٹ کی ثمن کا دسواں حصہ ہے یہ امام مالک کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک مکی کبوتری کے انڈے میں بچہ ہو یا نہ ہو جب تک کہ انڈا ٹوٹنے کے بعد وہ بچہ بولا نہ ہو، اگر بچہ بولا ہو تو اس پر مکمل جزا ہو گی جس طرح اس پرندے کے بڑے کی جزا ہوتی ہے۔ ابن مواز نے کہا: دو عادل آدمیوں کے فیصلہ پر ہو گا۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ ہر پرندے کے انڈے میں اس کی قیمت ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے حضرت کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شتر مرغ کے انڈے میں اس کی ثمن کی مقدار فیصلہ فرمایا جس کو محرم نے توڑا تھا اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شتر مرغ کے ہر انڈے میں ایک دن کا روزہ ہے یا ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے''۔ (1)

مسئلہ نمبر 17۔ وہ جانور جن کی کوئی مثل نہیں مثلاً چڑیا اور ہاتھی تو اس کی گوشت کی قیمت ہو گی یا اس کے برابر کھانا ہو گا نہ وہ جو اس سے اغراض مراد لی جاتی ہیں، کیونکہ وہ جانور جن میں کوئی مثل ہوتی ہے اس کی مثل واجب ہوتی ہے۔ اگر مثل معدوم ہو تو قیمت اس کے قائم مقام ہو گی جیسے غصب وغیرہ۔ علماء کے دو مذاہب ہیں: (۱) تمام شکاروں میں قیمت کا اعتبار ہے (۲) اور ان جانوروں میں قیمت کا اعتبار ہو گا جن کا جانوروں میں سے مثل نہیں ہے۔ یہ اجماع اپنے ضمن میں قیمت کا اعتبار لیے ہوئے ہے جن کا مثل موجود نہیں، رہا ہاتھی تو اس میں بعض علماء نے فرمایا: اس میں بڑے اونٹ ہیں جن کی دو کہانیں ہیں یہ خراسانی سفید اونٹ ہیں جب ان اونٹوں میں سے کوئی چیز نہ ہو تو پھر اس کی قیمت کو کھانے کے اعتبار سے دیکھا جائے گا، پس کھانا اس پر ہو گا اس میں عمل اس طرح ہو گا کہ ہاتھی کو مرکب (قافلہ) میں رکھا جائے گا اور اس آخری منزل کو دیکھا جائے گا جہاں پانی پر قافلہ اترا ہے، پھر ہاتھی کو نکالا جائے گا اور قافلہ میں کھانا رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ اس حد پر اترے جہاں وہ نازل ہوا تھا جب کہ اس میں ہاتھی تھا یہ کھانے میں سے اس کے برابر ہے، رہا اس کی قیمت کو دیکھنا تو اس کی بہت بڑی رقم بنے گی، کیونکہ اس کی ہڈیاں اور انیاب ہیں پس کھانا بہت زیادہ ہو گا اور یہ ضرر ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ امام مالک نے عبد الملک بن قریب سے انہوں نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا: میں نے اور میرے ایک ساتھی نے دو گھوڑے دوڑائے، ہم گھاٹی کے دہانے پر پہنچے تو ہم نے ایک ہرن پکڑا جب کہ ہم محرم تھے اس کا آپ کیا حکم دیتے ہیں؟

1۔ سنن دارقطنی، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر 2557

حضرت عمر نے قریب بیٹھے ایک شخص کو کہا: آؤ میں اور تو فیصلہ کریں، دونوں نے اس پر بکری کا فیصلہ کیا۔ وہ شخص واپس گیا تو کہہ رہا تھا: یہ امیر المومنین ہے جو ایک ہرن کا فیصلہ نہیں کر سکتا حتیٰ کہ اس نے ایک آدمی کو بلایا جو اس کے ساتھ فیصلہ کرے۔ حضرت عمر نے اس شخص کی بات سن لی اسے بلایا اور پوچھا: کیا تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا تو اسے جانتا ہے جس نے میرے ساتھ فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں؟ حضرت عمر نے کہا: اگر تو مجھے بتاتا کہ تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے تو میں تجھے سزا دیتا، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔ یہ حضرت عبد الرحمن بن عوف تھے۔

مسئلہ نمبر 19۔ جب فیصلہ کرنے والے دونوں اتفاق کرلیں تو فیصلہ لازم ہوگا یہی حسن اور امام شافعی کا قول ہے جب وہ مختلف ہو جائیں تو ان کے علاوہ کو دیکھا جائے گا۔ محمد بن المواز نے کہا: وہ ان کے قول سے زیادہ کو نہ لے، کیونکہ یہ تو بغیر تحکیم کے عمل ہوگا اسی طرح مثل خلقی سے طعام کی طرف منتقل نہ ہوگا جب وہ اس کا فیصلہ کریں، کیونکہ یہ امر لازم ہے یہ ابن شعبان کا قول ہے۔ ابن القاسم نے کہا: ان کا حکم یہ تھا کہ وہ مثل جزا کا فیصلہ کریں پس انہوں نے وہ کیا پھر اس نے طعام کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو جائز ہوگا۔ ابن وہب رحمہ اللہ نے ''العتبیۃ'' میں کہا: سنت یہ ہے کہ دونوں فیصلہ کرنے والے اسے اختیار دیں جس نے کوئی شکار کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا ہے کہ وہ ہدی دے جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ دے جو مساکین کا کھانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھے۔ اگر وہ ہدی اختیار کرے تو دو عادل شخص فیصلہ کریں اس کے ساتھ جو مثال دیکھیں جب اس نے کوئی ایسا شکار کیا ہو کہ اس کے برابر بکری بنتی ہو تو وہ ادنی ہدی ہے اور جو بکری تک نہ پہنچتی ہو تو اس میں کھانے کا فیصلہ کریں پھر اسے کھانا کھلانے کا اختیار دیا جائے گا یا ہر مد کے مقابلہ میں روزہ رکھے گا اسی طرح امام مالک نے ''المدونہ'' میں کہا۔

مسئلہ نمبر 20۔ ہر اس چیز کے شکار میں نئے سرے سے فیصلہ کیا جائے گا خواہ پہلے اس میں فیصلہ ہو چکا ہو یا نہ ہو چکا ہو۔ اور اگر صحابہ کے فیصلہ جیسا کوئی فیصلہ کرے اس چیز میں جس کا صحابہ نے فیصلہ کیا تھا تو بہتر ہے۔ امام مالک سے مکہ کی کبوتری، جنگلی گدھے، ہرن، شتر مرغ کے علاوہ میں فیصلہ مروی ہے۔ ان چار چیزوں میں سلف صالحین کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 21۔ یہ جائز نہیں کہ محرم فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک ہو یہی امام ابو حنیفہ کا قول اور امام شافعی کا ایک قول ہے مجرم دو فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا۔ یہ ان کا تسامح ہے، کیونکہ آیت کا ظاہر ایک جنایت کرنے والے اور دو فیصلہ کرنے والوں کا تقاضا کرتا ہے۔ بعض عدد کو حذف کرنا ظاہر کو ساقط کرنا ہے اور معنی کا افساد ہے، کیونکہ آدمی کا اپنے بارے فیصلہ کرنا جائز نہیں اگر یہ جائز ہوتا تو اپنی ذات کی وجہ سے دوسرے سے مستغنی ہوتا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان فیصلہ ہے دوسرے شخص کی زیادتی دو آدمیوں کے ساتھ حکم کے استیناف پر دلیل ہے۔ (1)

مسئلہ نمبر 22۔ جب ایک جماعت احرام باندھنے والوں کی ایک شکار کو قتل کرنے میں شریک ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے فرمایا: ہر ایک پر مکمل جزا ہوگی۔ امام شافعی نے فرمایا: ان تمام پر ایک کفارہ ہوگا، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عبد الرحمن نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر کے موالی نے احرام باندھا ہوا تھا جب ان کے پاس سے بجو

1۔ احکام القرآن لابن عربی

گزرا تو انہوں نے اپنی لاٹھیوں سے اسے مار دیا پھر ان کے دلوں میں خیال پیدا ہوا (کہ ہم نے ٹھیک نہیں کیا) وہ حضرت ابن عمر کے پاس آئے انہوں نے مسئلہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک پر ایک ایک مینڈھا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم میں سے ہر ایک پر ایک مینڈھا ہے۔ فرمایا: تم پر سختی کی گئی ہے۔ فرمایا: تم میں سے ہر ایک پر مینڈھا ہے (1)۔ لغوی علماء نے کہا: لمعزز بکم کا معنی ہے تم پر سختی کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ لوگ جنہوں نے بجو مارا ان پر مینڈھا ہے آپس میں اس کے حصے تقسیم کریں گے اور ہر ایک اپنا حصہ نکالے گا اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ**۔ یہ خطاب ہر قاتل کو ہے اور ہر شکار کو قتل کرنے والا مکمل ایک نفس کو قتل کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے ایک شخص کے بدلے پوری جماعت کو قتل کیا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان پر قصاص واجب نہ ہوتا ہم نے اس کے وجوب کا قول کیا ہے اس پر ہمارا اور ان کے ساتھیوں کا اجماع ہے، پس جو ہم نے کہا: وہ ثابت ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 23۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب ایک جماعت مل کر حرم میں ایک شکار کو قتل کرے اور تمام غیر محرم تھے تو ان پر ایک جزا ہے بخلاف اس کے محرم لوگ شکار کو حرم اور حل میں قتل کریں، کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام مالک نے فرمایا: ہر ایک پر کامل جزا ہے اس بنا پر کہ حرم میں داخلہ کے ساتھ انسان محرم ہو جاتا ہے جس طرح احرام کے تلبیہ کے ساتھ محرم ہو جاتا ہے دونوں فعلوں میں سے ہر ایک نے اسے ایسی صفت کا ارتکاب کیا جس کے ساتھ نہی متعلق ہے اور وہ دونوں حالتوں میں اس صفت کی ہتک کرنے والا ہے اور امام ابوحنیفہ کی حجت وہ ہے جو قاضی ابوزید دبوسی نے ذکر کیا ہے فرمایا: اس میں راز یہ ہے کہ احرام میں جنایت عبادت پر ہے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے احرام کے ممنوع عمل کا ارتکاب کیا۔ جب حرم میں غیر محرموں نے شکار کو قتل کیا تو انہوں نے ایسے جانور کو تلف کیا جس کا تلف کرنا حرام تھا یہ اس کے قائم مقام ہے کہ اگر ایک جماعت ایک جانور کو تلف کرتی تو ان میں ہر ایک جانور کو قتل کرنے والا تھا اور وہ قیمت میں شریک ہوں گے۔

ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ ہم سے زیادہ قوی ہیں اس دلیل کی وجہ سے ہمارے علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے اور ہم سے اس کا جدا ہونا مشکل ہے۔ (2)

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں جب ہدی کا فیصلہ کریں گے تو اس ہدی کے ساتھ وہ تمام معاملات کیے جائیں گے جو ہدی کے ساتھ کیے جاتے ہیں مثلاً اشعار کرنا، قلادہ پہنانا اور مقام حل سے مکہ کی طرف بھیجی جائے گی اور مکہ میں اسے صدقہ کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** اس سے مراد کعبہ کا عین نہیں، کیونکہ ہدی اس تک نہیں پہنچتی، کیونکہ کعبہ مسجد میں ہے۔ اس سے مراد حرم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: ہدی کو حل کی طرف بھیجنے کی ضرورت نہیں اس بنا پر کہ چھوٹی ہدی چھوٹے شکار کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں پس وہ حرم میں خریدی جائے گی اور وہاں ہی وہ ہدی دی جائے گی۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ** کفارہ شکار کی طرف سے ہے ہدی کی وجہ سے

1۔ سنن دارقطنی، حدیث 2564

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 676

نہیں۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے کہا: سب سے بہتر جو میں نے اس شخص کے بارے سنا جو شکار کو قتل کرتا ہے پھر اس میں اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے اس شکار کی قیمت لگائی جائے گی جو اس نے شکار کیا، پھر دیکھا جائے گا کہ کھانے سے اس کی کتنی قیمت بنتی ہے ہر مسکین کو ایک مد کھلایا جائے گا یا ہر مد کی جگہ ایک دن روزہ رکھے گا۔ ابن القاسم نے اس کے متعلق کہا: اگر شکار کی قیمت دراہم سے لگائی جائے پھر اس کی قیمت طعام سے لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔ درست پہلا قول ہے۔ عبداللہ بن عبدالحکم نے اس کی مثل کہا ہے۔ انہوں نے کہا: ان تین چیزوں میں اس کو اختیار ہے، جو فعل بھی کرے گا جائز ہوگا خواہ وہ شخص خوشحال ہو یا تنگ دست ہو یہی قول عطا اور جمہور فقہاء کا ہے، کیونکہ ''او'' تخییر کے لیے آتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: ہر چیز جو کفارات میں سے کتاب اللہ میں ''او'' کے ساتھ ہے اس میں جرم کرنے والے کو اختیار ہے جو کام کرنا اسے پسند ہو وہ کرلے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: جب محرم ہرن یا اس جیسی کوئی چیز قتل کرے گا تو اس پر مکہ میں بکری ذبح کرنی ہوگی، اگر وہ بکری نہ پائے تو پھر چھ مساکین کو کھانا کھلائے، پھر اگر اس کو نہ پائے تو اس پر تین دنوں کے روزے ہیں اگر اس نے اونٹ یا اسی جیسا جانور قتل کیا تو اس پر گائے ہوگی اگر وہ گائے نہ پائے تو بیس مساکین کو کھانا کھلائے اگر وہ یہ بھی نہ پائے تو بیس دن کے روزے رکھے۔ اگر شتر مرغ یا گدھا قتل کیا تو اس پر بدنہ ہوگا اگر وہ یہ نہ پائے تو تیس مساکین کو کھانا کھلائے اگر یہ نہ پائے تو تو تیس روزے رکھے۔ اور طعام ایک مد ہوگا مدان کے سیر ہونے کے لیے ہے۔ یہ ابراہیم نخعی اور حماد بن سلمہ کا قول ہے۔ علماء نے فرمایا: اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ اس صورت میں ہے اگر وہ ہدی نہ پائے۔ طبری نے حضرت ابن عباس سے حکایت کیا ہے فرمایا: جب محرم شکار کرے اور اس پر جزا کا فیصلہ کیا گیا ہو اگر وہ جزا پائے تو اسے ذبح کرے اور اسے صدقہ کرے اگر اس کے پاس جزا نہ ہو تو اس کی جزا دراہم کے ساتھ لگائی جائے گی، پھر دراہم کا اندازہ گندم سے لگایا جائے گا، پھر یہ نصف صاع کی جگہ ایک دن روزہ رکھے گا۔ فرمایا: طعام سے مراد روزوں کے امر کو واضح کرنا ہے جو طعام نہ پائے وہ اس کی جزا پائے گا۔ سدی سے یہی روایت کیا گیا ہے(1)۔ ظاہر آیت کے ساتھ اس قول پر اعتراض کیا گیا ہے، کیونکہ یہ اس سے علیحدہ ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ علماء نے اس وقت میں اختلاف کیا ہے جس میں تلف کی گئی چیز کا اعتبار کیا جائے گا۔ ایک قوم نے کہا: جس دن اس نے تلف کیا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: فیصلہ کے دن کا اعتبار ہوگا۔ بعض نے کہا: اتلاف کے دن سے فیصلہ کے دن تک جو قیمت زیادہ ہوگی وہ لازم ہوگی۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء کا بھی ان کے اختلاف کی طرح اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اتلاف کے دن والی قیمت لازم ہوگی اس پر دلیل یہ ہے کہ وجود حق تھا جب تلف کرنے والے نے اسے ختم کردیا تو اس کی مثل اس کا ایجاد کرنا لازم تھا اور وہ عدم کے وقت میں ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 27۔ رہی ہدی تو اس میں اختلاف نہیں کہ وہ مکہ میں دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ رہا کھانا کھلانا تو اس میں امام مالک کا قول مختلف ہے کیا وہ مکہ میں ہوگا جہاں اس نے جرم کیا ہے؟ وہ مکہ میں ہوگا یہ امام شافعی کا قول ہے۔ عطا نے کہا: جو خون یا کھانے سے ہو وہ مکہ میں ہوگا اور روزہ جہاں چاہے رکھے۔ یہ امام مالک کا قول روزوں کے متعلق ہے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 239　　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 680

اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قاضی ابو محمد عبدالوہاب نے کہا: شکار کے جزا میں کسی چیز کو حرم سے نکالنا جائز نہیں، سوائے روزوں کے۔ حماد اور امام ابوحنیفہ نے کہا: جہاں اس نے شکار کیا وہاں ہی وہ کفارہ دے۔ طبری نے کہا: جہاں چاہے کفارہ دے۔

رہا امام ابوحنیفہ کا قول تو اس کی نہ نظر میں کوئی وجہ اور نہ اس میں کوئی اثر ہے۔ رہا وہ جس نے کہا: جہاں چاہے روزہ رکھے کیونکہ روزہ ایک عبادت ہے جو روزہ دار کے ساتھ خاص ہے پس یہ ہر جگہ ہو سکتا ہے جس طرح دوسرے تمام کفارات کے روزے ہیں، رہا وہ قول کہ طعام مکہ میں ہوگا، کیونکہ وہ ہدی کا بدل ہے یا اس کی نظیر ہے اور ہدی مکہ کے مساکین کا حق ہے اسی وجہ سے اس کا بدل بھی مکہ میں ہوگا یا رہا وہ جس نے کہا کہ کھانا بھی ہر جگہ ہو سکتا ہے اس نے ہر طعام اور فدیہ کا اعتبار کیا، کیونکہ وہ ہر جگہ جائز ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 28۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا، العَدل اور العِدل، عین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کا معنی مثل ہے یہ کسائی کا قول ہے۔ فراء نے کہا: عدل الشی عین کے کسرہ کے ساتھ اس کا معنی ہے اس کی جنس سے اس کی مثل اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے اس کی جنس کے علاوہ میں سے اس کی مثل یہ قول کسائی سے بھی روایت ہے تو کہتا ہے: عندی عدل دراھمك من الدراھم وعندی عدل دراھمك من الثیاب۔ کسائی سے صحیح یہ مروی ہے کہ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ یہی بصریوں کا قول ہے روزوں کا عدد کے اعتبار سے وجہ اقرب میں طعام کے مماثل ہونا صحیح نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا: ہر مد کے طرف سے ایک دن روزہ رکھے(1)، اگرچہ دو یا تین ماہ سے بھی روزے بڑھ جائیں، یہی امام شافعی کا قول ہے۔

یحییٰ بن عمر مالکی نے کہا: کہا جاتا ہے کہ جتنے افراد اس شکار سے سیر ہو سکتے تھے اس سے عدد معلوم ہو جائے گا، پھر کہا جاتا ہے کتنا کھانا اس تعداد کو سیر کرتا ہے؟ اگر وہ چاہے تو اس کھانے کو نکالے، اگر چاہے ان مدوں کی تعداد کے برابر روزے رکھے۔ یہ بہتر قول ہے اس میں احتیاط ہے، کیونکہ کبھی شکار کی قیمت کھانے سے کم ہوتی ہے اس نظر سے کھانا کھلانا زیادہ ہوگا اور اہل علم میں سے کچھ وہ ہیں جو جزا کے روزوں میں دو ماہ سے تجاوز نہیں کرتے وہ کہتے ہیں: کیونکہ دو ماہ بلند ترین کفارہ ہے۔ ابن عربی نے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہر دو مدوں کے عوض ایک دن روزہ رکھے انہوں نے اذیت کے فدیہ کا اعتبار کیا ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 29۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ، الذوق یہاں مستعار ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۞ (الدخان) اور فرمایا: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (النحل: 112) پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس۔

حقیقت میں ذوق زبان کے حاسہ میں ہے ان تمام آیات میں یہ استعارۃ استعمال ہوا ہے اسی سے حدیث ہے(3) ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھا جو اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنے پر راضی ہوا۔ الوبال کا معنی ہے برا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 680 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 681 3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 47

انجام مرعی وبیل وہ کھانا جس کو کھانے کے بعد تکلیف ہو اور طعام وبیل جب وہ کھانا بھاری ہو۔ اسی سے ہے

عقیلة شیخ کالوبیل یلندد

اس کے ساتھ اپنے تمام حالات کو تعبیر کیا۔

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ یعنی جو تم نے زمانہ جاہلیت میں شکار کیا وہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا یہ عطا بن ابی رباح اور ان کے ساتھ ایک جماعت کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کفارہ کے نزول سے پہلے جو کچھ شکار کیا وہ معاف کر دیا۔ وَمَنْ عَادَ یعنی جس نے نہی کے بعد پھر ایسا کیا۔ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ اللہ اس سے کفارہ کے ساتھ بدلہ لے گا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے آخرت میں اس کا انتقام لے گا اگر وہ اسے حلال سمجھتے ہوئے کرے گا اور ظاہر حکم میں وہ کفارہ دے گا(1)۔ شریح اور سعید بن جبیر نے کہا: اس پر پہلی مرتبہ وہ حکم لگایا جائے گا جب وہ دوبارہ شکار کرے گا تو اس پر حکم نہیں لگایا جائے گا اسے کہا جائے گا: تم جاؤ اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے گا یعنی تیرا گناہ کفارہ دینے سے بڑا ہے جیسا کہ جھوٹی قسم کا اکثر علماء کے نزدیک کفارہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا گناہ بہت بڑا ہے اور نیک لوگ کفارہ دینے کے ساتھ عذاب سے بچتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کی پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ زید بن ابی المعلی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے شکار کیا جب کہ وہ محرم تھا پس اس نے تجاوز کیا پھر اس نے شکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ نازل کی جس نے اس کو جلا دیا(2)، یہ امت کے لیے عبرت ہے اور حد سے بڑھنے والوں کو معصیت سے روکنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ عزیز یعنی اپنی ملک میں محفوظ ہے اسے اس کے ارادہ سے کوئی روکنے والا نہیں۔ ذُو انْتِقَامٍ جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ اگر چاہے گا تو انتقام لے گا۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

''حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا فائدہ اٹھاؤ تم اور دوسرے قافلے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کیے جاؤ گے''۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ یہ حکم دریائی شکار کو حلال کرنے کا ہے اس سے مراد مچھلیوں کا شکار ہے یہاں بھی الصید بمعنی المصید ہے البحر کی طرف مضاف کیا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے سبب سے ہے۔ البحر کے متعلق گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ مَتَاعًا مصدر کی بنا پر منصوب ہے یعنی متعتم به متاعاً۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَطَعَامُهٗ کا لفظ مشترک ہے اس کا اطلاق ہر کھانے پر ہوتا ہے اور خاص کھانے پر بھی ہوتا ہے جیسے صرف پانی اور صرف گندم، صرف کھجور، صرف دودھ۔ کبھی اس کا اطلاق نیند پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 240

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 241

پہلے گزر چکا ہے یہاں اس سے مراد وہ ہے جس کو دریا پھینک دے اور وہ اس پر تیرنے لگے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ الآیہ کے تحت روایت کیا ہے کہ صیدہ سے مراد وہ ہے جو شکار کیا گیا اور طعامہ سے مراد وہ ہے جس کو دریا پھینک دے۔ حضرت ابوہریرہ سے اس کی مثل مروی ہے یہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ طعام سے مراد اس کا مردہ ہے یہ اسی معنی میں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: طعام سے مراد وہ ہے جو اس کی وجہ سے نمکین کیا گیا ہو(1) اور باقی ہو، ان کے ساتھ ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ قوم نے کہا: طعام سے مراد وہ نمک ہے جو اس کے پانی اور دوسری نباتات سے حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: پانی پر مردہ تیرتی ہوئی مچھلی نہیں کھائی جائے گی اور دوسری مچھلیاں کھائی جائیں گی اور دریائی حیوانات میں سے صرف مچھلی کھائی جائے گی، یہی ثوری کا قول ہے ابواسحاق فزاری کی روایت میں جوان سے مروی ہے۔ حسن نے مردہ تیرنے والی مچھلی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی مکروہ کہا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الجری (مچھلی جس کی پیٹھ چوڑی ہوتی ہے اور منہ بھی کھلا ہوتا ہے اور اس کی ہڈی نہیں ہوتی) کا کھانا مکروہ کہا ہے ان سے ان تمام کا کھانا بھی مروی ہے اور یہی صحیح ہے۔ عبدالرزاق نے ثوری سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جراد (مکڑی) اور مچھلیاں پاک ہیں۔ حضرت علی سے مردہ تیرنے والی مچھلی کے کھانے میں اختلاف مروی ہے اور حضرت جابر سے اختلاف مروی نہیں انہوں نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ یہی قول طاؤس، محمد بن سیرین، جابر بن زید کا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے عموم سے حجت پکڑی ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اور ابو داؤد اور دارقطنی کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا:

''جس سے دریا ہٹ جائے اور جس کو دریا باہر پھینک دے اور جس کو تم پانی پر مردہ اور تیرتا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھاؤ''(2)۔

دارقطنی نے کہا: عبدالعزیز بن عبیداللہ عن وہب بن کیسان عن جابر کے سلسلہ میں منفرد ہے اور عبدالعزیز ضعیف ہے اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ سفیان ثوری نے ابوالزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے اسی طرح روایت کی ہے۔ دارقطنی نے کہا: ابواحمد زبیری کے علاوہ ثوری سے مسند کسی نے روایت نہیں کی جب کہ وکیع، عدنیان، عبدالرزاق، مؤمل اور ابو عاصم وغیرہم نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان تمام نے ثوری سے موقوف روایت کی ہے اور یہی صواب ہے۔ اسی طرح اس کو ایوب سختیانی، عبیداللہ بن عمر، ابن جریج، زہیر، حماد بن سلمہ وغیرہم نے ابوزبیر سے موقوف روایت کی ہے۔ ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث ضعیف طریق سے مسند ذکر کی گئی ہے اور وہ طریق یہ ہے عن ابن ابی ذئب عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(۱)

دارقطنی نے کہا: اسماعیل بن امیہ اور ابن ابی ذئب نے ابوالزبیر سے مرفوع روایت کی ہے اور مرفوع صحیح نہیں ہے۔ یحییٰ بن سلیم عن اسمٰعیل بن امیہ نے اس کو مرفوع ذکر کیا جب کہ دوسرے محدثین نے اس کو موقوف ذکر کیا ہے۔ امام مالک، امام شافعی،

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 241　2۔ سنن دارقطنی، باب الصید والذبائح، جلد 4، صفحہ 268-267

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل الطافی من السمک، حدیث نمبر 3319، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی اور اشجعی کی روایت میں ثوری نے کہا: دریا کی ہر چیز کھائی جائے گی خواہ مچھلی ہو یا دوسرے جانور ہوں، خواہ ان کو شکار کیا گیا ہو یا وہ مردہ پائے گئے ہو، امام مالک اور ان کے متبعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ھو الطھور ماءہ الحل میتۃ(1) (سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے) اس باب میں اسناد کی جہت سے حضرت جابر کی حدیث صحیح ترین ہے جو اس مچھلی کے بارے میں ہے جس کو عنبر کہا جاتا ہے یہ ثابت ہے اور اسے شیخین نے نقل کیا ہے اس میں ہے جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ہم نے اس مچھلی کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے کہ تم ہمیں بھی کھلاؤ'' (2)۔ ہم نے اس میں سے گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو آپ نے تناول فرمایا۔ یہ مسلم کے الفاظ کا ترجمہ ہے اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت ابوبکر پر گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے فرمایا: مردہ پانی کے اوپر تیرنے والی مچھلی اس کے لیے حلال ہے(3) جو اس کے کھانے کا ارادہ کرے۔ اور حضرت ابن عباس سے انہوں نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت ابوبکر پر گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے پانی کے اوپر مردہ تیرتی ہوئی مچھلی کھائی اور ابوایوب نے سنداً روایت کی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے گروہ میں سمندر پر سوار ہوئے تو انہوں نے پانی پر مردہ مچھلی پائی انہوں نے ابوایوب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کیا یہ پاک ہے یہ متغیر نہیں ہوئی؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ حضرت ابو ایوب نے کہا: تم اسے کھاؤ اور میرا حصہ رکھ لو وہ روزے سے تھے۔ جبلہ بن عطیہ سے سنداً روایت کیا ہے کہ ابوطلحہ کے ساتھیوں نے پانی پر تیرتی ہوئی پائی انہوں نے اس کے متعلق ابوطلحہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: مجھے ہدیہ دے دو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مچھلی پاک ہے، مکڑی پاک ہے(4)۔ دارقطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔ یہ آثار اس کے قول کو رد کرتے ہیں جو ان کو مکروہ کہتا ہے اور آیت کے عموم کی تخصیص وہ جمہور کی حجت ہے مگر امام مالک نے پانی کے خنزیر کو مکروہ کہا ہے اس کے نام کی وجہ سے لیکن حرام نہیں کیا ہے فرمایا: تم خنزیر کہتے ہو۔ امام شافعی نے فرمایا: پانی کے خنزیر میں کوئی حرج نہیں۔ لیث نے فرمایا: سمندر کے مردہ میں کوئی حرج نہیں، فرمایا: اسی طرح پانی کا کتا اور پانی کے گھوڑے کا حکم ہے، فرمایا: پانی کا انسان اور پانی کا خنزیر نہیں کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا اس حیوان میں اختلاف ہے جو خشکی اور پانی دونوں جگہوں رہتا ہے کیا اس کا شکار محرم کے لیے حلال ہے یا نہیں؟ امام مالک، ابومجلز، عطا، سعید بن جبیر وغیرہم نے فرمایا: ہر وہ جانور جو خشکی میں زندگی گزارتا ہے اور اس کے لیے اس میں زندگی ہے تو وہ خشکی کا شکار ہے اگر محرم نے اسے قتل کیا تو فدیہ دے گا۔ ابومجلز نے اس میں مینڈک، کچھوے اور کیکڑے کا اضافہ کیا ہے۔ مینڈک اور اس کی اجناس امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہیں۔ امام شافعی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مینڈک کو کھانا جائز نہیں اور اس کا قول ان چیزوں میں مختلف ہے جو خشکی میں رہتے ہیں اور ان کے مشابہ ہیں جنہیں

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 11 — 2۔ صحیح مسلم، کتاب [illegible]، جلد 2، صفحہ 147

3۔ سنن دارقطنی، کتاب الصید والذبائح، جلد 4، صفحہ 269 — 4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 270

نہیں کھایا جاتا جیسے خنزیر، کتا وغیرہ اور صحیح ان تمام چیزوں کا کھانا ہے، کیونکہ انہوں نے خنزیر کے کھانے کے جواز پر نص قائم کی ہے اور وہ خشکی میں اس کے مشابہ ہے جس کو نہیں کھایا جاتا۔ اور ان کے نزدیک مگرمچھ، فرش (سمندری جانور ہے اور دلفین (یہ بھی سمندری جانور ہے) نہیں کھائے جائیں گے اور ہر وہ چیز جس کی کچلیاں (بڑے دانت) ہوں وہ نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ذی ناب (کچلیاں والا) کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

ابن عطیہ نے کہا: ان انواع میں جو پانی سے باہر نہیں نکلتی ہیں وہ یقیناً صید البحر (دریائی شکار) سے ہیں اس پر امام مالک نے مینڈک کے بارے میں ''المدونہ'' میں جو فرمایا اس کا جواب مل گیا، کیونکہ انہوں نے فرمایا: مینڈک دریائی شکار میں سے ہے۔ عطا بن ابی رباح سے اس کے خلاف مروی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ حیوان کی اکثر زندگی کا اعتبار کرتے ہیں ان سے ابن الماء کے متعلق پوچھا گیا کیا وہ خشکی کا شکار ہے یا دریائی شکار ہے؟ انہوں نے کہا: جہاں وہ زیادہ رہتا ہے وہ اس جگہ کا شکار ہے اور جہاں وہ بچے دیتا ہے اس جگہ کا ہے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، درست یہ ہے کہ ابن الماء خشکی کا شکار ہے وہ چرتا ہے اور دانہ کھاتا ہے (1)۔ ابن عربی نے کہا: وہ حیوان جو پانی اور خشکی دونوں جگہ رہتا ہے اس میں صحیح یہ ہے کہ اس کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اس میں دلیل تحلیل اور دلیل تحریم متعارض ہیں پس احتیاطاً تحریم کی دلیل غالب ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلسَّيَّارَةِ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مقیم اور مسافر ہیں جیسا کہ ابوعبیدہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اس مچھلی کو کھایا جب کہ وہ مسافر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کھایا جب کہ آپ مقیم تھے پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ مقیم کے لیے حلال ہے جس طرح کہ وہ مسافر کے لیے حلال ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ السیارۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سمندر پر سوار ہوتے ہیں جیسا کہ امام مالک اور نسائی کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا عرض کی: ہم سمندر پر سوار ہوتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے اگر ہم اس پانی کے ساتھ وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے'' ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے فرمایا: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے نعم (ہاں) فرما دیتے تو اس کے ساتھ صرف پیاس کے خوف کے وقت وضو کرنا جائز ہوتا، کیونکہ جواب، سوال پر مرتب ہوتا ہے اور اس پر یہ مشکل ہوتا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاعدہ تاسیس سے آغاز کیا اور شرع نے بیان سے آغاز کیا فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے''۔

میں کہتا ہوں: جواب ان پر مقصود ہوتا اور دوسروں کی طرف متعدی نہ ہوتا اگر شریعت کا یہ حکم ثابت نہ ہوتا کہ شریعت کا ایک شخص پر حکم، تمام لوگوں پر ہوتا ہے مگر تخصیص کے ساتھ جس پر نص وارد ہو جائے جیسے حضرت ابوہریرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''بکری کا بچہ اس کو تو قربانی کر اور تیرے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں'' (2)۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا تحریم اعیان کی صفت نہیں بلکہ یہ افعال کے متعلق ہوتی ہے اور حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ کا معنی ہے شکار کا فعل تم پر حرام کیا گیا ہے اور وہ شکار کرنے سے منع کرنا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 243
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 833

ہے یا الصید بمعنی المصید ہوگا اس بنا پر کہ مفعول کا فعل کے ساتھ نام رکھا گیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ اظہر ہے، کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ محرم کے لیے اس شکار کا قبول کرنا بھی جائز نہیں جو اس کو ہبہ کیا گیا ہو اور اس کا خریدنا اور اس کا شکار کرنا بھی جائز نہیں اور کسی اعتبار سے اس کی ملکیت کی تجدید جائز نہیں اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا عام ہے اور نیز اس کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ علماء کا اختلاف ہے اس بارے میں جو محرم شکار میں سے کھاتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی ان کے اصحاب، احمد اور اسحاق سے مروی ہے اور حضرت عثمان بن عفان سے صحیح یہ مروی ہے کہ محرم کے لیے اس شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ اس کے لیے شکار نہ کیا گیا ہو، کیونکہ ترمذی، نسائی اور دار قطنی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خشکی کا شکار تمہارے لیے حلال ہے جب کہ وہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو'' (1)۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ باب میں احسن حدیث ہے۔

نسائی نے کہا: عمرو بن ابی عمرو، اس حدیث میں قوی نہیں اگرچہ امام مالک نے ان سے روایت کی ہے اگر محرم اس شکار سے کھائے جو اس کے لیے شکار کیا گیا ہے تو وہ دیت دے۔ حسن بن صالح اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے امام مالک کا قول اس شکار کے بارے میں مختلف ہے جو بعینہٖ محرم کے لیے شکار کیا گیا ہے۔ امام مالک کے نزدیک مشہور مذہب یہ ہے کہ محرم اس شکار سے نہ کھائے جو معین محرم یا غیر معین محرم کے لیے شکار کیا گیا ہو اور حضرت عثمان نے جو اپنے ساتھیوں کو کہا: اس کو نہیں لیا، جب شکار کا گوشت پیش کیا گیا جب کہ وہ محرم تھے (آپ نے فرمایا تھا) کھاؤ تم میری مثل نہیں، کیونکہ میری وجہ سے یہ شکار کیا گیا ہے۔ اہل مدینہ کے ایک گروہ نے یہی کہا ہے، امام مالک سے یہ بھی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا: محرم کے لیے شکار کا کھانا ہر حال میں کھانا جائز ہے جب کہ اسے غیر محرم نے شکار کیا ہو، خواہ وہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو یا شکار نہ کیا گیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ظاہر ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ تم شکار نہ کرو جب کہ تم محرم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا شکار حرام کیا ہے اور اسے قتل کرنا محرموں پر حرام کیا ہے نہ کہ وہ حرام کیا ہے جو کسی غیر نے شکار کیا ہے۔ اور بہزی کی حدیث سے حجت پکڑی ہے بہزی کا نام زید بن کعب ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وحشی گدھے کے بارے میں روایت کیا ہے جو زخمی تھا آپ نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دو۔ یہ امام مالک وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ نیز ابو قتادہ کی حدیث سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس سے حجت پکڑی ہے جس میں ہے کہ انما ھی طُعْمَة أطعمکموھا اللہ (2) یہ وہ کھانا ہے جو اللہ نے تمہیں کھلایا ہے۔ یہ حضرت عمر بن خطاب ایک روایت میں حضرت عثمان بن عفان کا قول ہے حضرت ابوہریرہ، حضرت زبیر بن العوام، مجاہد، عطا اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ محرم کے لیے کسی حال میں شکار کا کھانا جائز نہیں ہے خواہ وہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو یا

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 104۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب لحم الصید للمحرم، حدیث 1577، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 380

شکار نہ کیا گیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول عام ہے: حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ مبہم ہے۔ طاؤس، جابر بن زید، ابو الشعثاء نے بھی یہی فرمایا ہے، ثوری سے بھی یہی مروی ہے اور اسحاق نے بھی یہ کہا ہے اور انہوں نے حضرت صعب بن جثامہ لیثی کی حدیث سے حجت پکڑی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحشی گدھا ہدیہ پیش کیا جب کہ ابواء میں تھے یا ودان میں تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا۔ فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے چہرے پر پریشانی دیکھی تو فرمایا: ''ہم تجھے واپس نہ کرتے مگر ہم احرام باندھے ہوئے ہیں'' (1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے ذکر کیا ہے اور یہ لفظ امام مالک کا ہے۔ ابو عمر نے کہا: سعید بن جبیر، مقسم، عطا اور طاؤس کی حدیث سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحشی گدھے کا گوشت پیش کیا۔ سعید بن جبیر نے اپنی حدیث میں کہا: وحشی گدھے کا پچھلا حصہ پیش کیا آپ نے اسے واپس کر دیا اس کا خون گر رہا تھا گویا وہ اس وقت میں شکار کیا گیا تھا۔ مقسم نے اپنی حدیث میں کہا: وحشی گدھے کی ٹانگ پیش کی۔ عطا نے اپنی حدیث میں کہا: شکار کا بازو پیش کیا گیا تو آپ نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا: ہم محرم ہیں۔ طاؤس نے اپنی حدیث میں کہا عضدا من لحم صید شکار کے گوشت میں سے بازو پیش کیا۔ اسماعیل نے علی بن مدینی سے انہوں نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے حسن بن مسلم سے انہوں نے طاؤس سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے ''مگر ان میں سے بعض''۔ حضرت ابن عباس سے انہوں نے زید بن ارقم سے روایت کیا ہے اسماعیل نے کہا میں نے سلیمان بن حرب کو اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہوئے سنا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شکار کیا گیا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا کھانا جائز ہوتا۔ سلیمان نے کہا: وہ چیز جو اس پر دلیل ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شکار کیا گیا تھا حدیث میں ان کا یہ قول ہے کہ آپ نے اسے وہ واپس کر دیا جب کہ اس کے خون کے قطرے گر رہے تھے گویا وہ اس وقت شکار کیا گیا تھا۔

اسماعیل نے کہا: سلیمان نے اس حدیث کی تاویل کی، کیونکہ وہ تاویل کا محتاج تھا۔

رہی امام مالک کی روایت تو وہ تاویل کی محتاج نہیں، کیونکہ محرم کے لیے شکار کو زندہ پکڑنا جائز نہیں اور نہ اس کا ذبح کرنا جائز ہے۔ اسماعیل نے کہا: سلیمان بن حرب کی تاویل پر تمام احادیث مرفوعہ اس میں غیر مختلف ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 8۔ جب کوئی شخص احرام باندھے اور اس کے ہاتھ میں یا اس کے گھر میں اس کے گھر والوں کے پاس شکار ہو تو امام مالک نے کہا: اگر وہ اس کے ہاتھ میں ہو تو اس پر اس کا چھوڑنا واجب ہے اور اگر اس کے گھر والوں کے پاس ہو تو اس کا اس پر چھوڑنا واجب نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل کا قول ہے اور ایک قول میں امام شافعی نے کہا: خواہ اس کے ہاتھ میں ہو یا گھر میں ہو اس پر اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔ یہی ابو ثور کا قول ہے۔ مجاہد، عبد اللہ بن حرث سے اس کی مثل مروی ہے۔ اور امام مالک سے مروی ہے اور ابن ابی لیلیٰ، ثوری، امام شافعی نے دوسرے قول میں کہا: اس پر اس کا چھوڑنا واجب ہے خواہ وہ اس کے گھر میں ہو یا اس کے ہاتھ میں ہو اگر اس نے اسے نہ چھوڑا تو ضامن ہوگا اس کے چھوڑنے والے قول کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 379

ارشاد ہے: حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا یہ ملک اور تصرف میں عام ہے اور اس کو پکڑے رکھنے والے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز احرام کی ابتدا میں مانع نہیں وہ اس کی ہمیشہ ملک میں رکھنے کے مناسب نہیں، اس کی اصل نکاح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اگر غیر محرم، مقام حل میں شکار کرے پھر اسے حرم میں لے آئے تو اس میں اس کے لیے ہر قسم کا تصرف جائز ہے (یعنی) ذبح کرنا اس کا گوشت کھانا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہی معنی شکار میں پایا جاتا ہے پس حرم میں حلالی کے لیے جائز ہوگا جیسے روکنا اور شرا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 10۔ جب محرم، حلالی کی شکار پر راہنمائی کرے پھر حلالی اسے قتل کر دے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور نے کہا: اس پر کوئی شے نہیں ہے، یہی ابن الماجشون کا قول ہے۔ کوفیوں، احمد، اسحاق اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے کہا: اس پر جزا ہے کیونکہ محرم نے اپنے احرام کے ساتھ ترک تعرض کا التزام کیا تھا پس وہ دلالت کی وجہ سے ضامن ہوگا جیسے وہ شخص جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہو جب وہ چوری کرنے پر راہنمائی کرے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اس محرم کے بارے میں اختلاف ہے جب وہ کسی دوسرے محرم کی شکار کی طرف راہنمائی کرے۔ کوفیوں اور اشہب مالکی کا خیال ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر جزا ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور نے کہا: جزا قاتل محرم پر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ کے وجوب کا تعلق قتل کے ساتھ ہے یہ کسی دوسرے کے انتفاء کی دلیل ہے، کیونکہ وہ دلالت کرنے والا ہے، پس اس کی دلالت کی وجہ سے چٹی لازم نہیں ہوگی جیسے کوئی غیر محرم حرم میں، حرم کے شکار پر دلالت کر دے۔ کوفیوں اور اشہب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے استدلال کیا ہے جو ابوقتادہ کی حدیث میں ہے هل اشرتم او اعنتم (2) کیا تم نے اشارہ کیا یا مدد کی ہے؟ یہ جزا کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 12۔ جب کوئی درخت مقام حل میں اُگا ہوا ہو اور اس کی شاخیں حرم میں ہوں پھر شکار اس حصہ سے پکڑا تو اس میں جزا ہے، کیونکہ اس نے وہ حرم سے پکڑا ہے۔ اگر اس کی اصل حرم میں ہو اور اس کی فرع حل میں ہو اس سے پکڑے گئے شکار کے بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ جزا اصل کے اعتبار سے ہے اور فرع کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے اس کی نفی ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ یہ اس تحلیل و تحریم کے بعد تنبیہ اور تشبیہ ہے پھر تحذیر میں مبالغہ کے لیے قیامت اور حشر کے امر کو ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے نیز حرمت والے مہینوں کو اور حرم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 689
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 690

کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو تا کہ تم خوب جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ یہاں جَعَلَ بمعنی خلق ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کعبۃ کو کعبۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چکور ہے اور عرب کے اکثر گھر گول اور چکور ہیں۔ بعض نے فرمایا: کعبۃ کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ ظاہر اور مشہور ہے پس ہر اٹھی ہوئی چیز بارز (ظاہر) اور کعب کہلاتی ہے خواہ وہ گول ہو یا گول نہ ہو اسی سے کعب القدم اور کعوب القناۃ پاؤں کا ٹخنہ اور قناۃ کا قلعہ۔ کعب ثدی المرأۃ جب عورت کے سینہ پر پستان ظاہر ہوں۔ اور اس کو الْبَيْتَ اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ چھت اور دیواروں والا ہے یہ البیتیۃ کی حقیقت ہے اگرچہ اس میں کوئی ساکن نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو الْحَرَامَ کہا، کیونکہ اس نے اسے حرمت والا بنایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے اور لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا ہے''(1)۔ اس کا اکثر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ الحمد للہ

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قِيٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی لوگوں کی صلاح اور معاش کا باعث ہے، کیونکہ لوگوں کو اس کے ذریعے امن ملتا ہے اس بنا پر یا قیاما بمعنی یقومون ہے۔ بعض نے فرمایا: قِيٰمًا، یقومون بشرائعها۔ ابن عامر عاصم نے قیماً پڑھا ہے یہ دونوں واو کے ساتھ تھا او ما قبل کسرہ کی وجہ سے یا سے بدل گئی ہے۔ بعض نے کہا: قوام۔ علماء نے فرمایا: ان اشیاء کو لوگوں کے لیے قیام بنانے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جبلت میں حسد، مقابلہ، قطع تعلقی ایک دوسرے سے اعراض، لوٹنا، غارت گری، قتل کرنا اور انتقام لینے جیسی صفات بھی پیدا فرمائیں پس حکمت الٰہیہ اور مشیت اولیت میں ضروری تھا کہ کوئی انہیں روکنے والا ہو جس کے ساتھ حالات درست رہیں اور کوئی روکنے والا ہو جس کے ساتھ انجام عمدہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (بقرہ:30) اللہ تعالیٰ نے انہیں خلافت کا حکم دیا اور ان کے امور کو متحد کیا جو اتحاد انہیں تنازع سے روکے اور وہ انہیں باہمی الفت پر ابھارے اور قطع تعلقی سے روکے، ظالم کو مظلوم سے روکے اور ہر ہاتھ کو اس پر ثابت کرے جس پر وہ غالب ہے۔ ابن القاسم نے روایت کیا ہے فرمایا: ہمیں مالک نے بتایا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: امام اس سے زیادہ روکتا ہے جتنا کہ قرآن روکتا ہے۔ یہ قول ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور سلطان کا ایک سال کا ظلم لوگوں کے ایک لحہ خلفشار سے کم نقصان دہ ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس فائدہ کے لیے خلیفہ بنایا تا کہ امور اس کی رائے پر جاری ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے امور کے حد سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بیت الحرام کی عظمت پیدا فرمائی اور ان کے نفوس میں ہیبت ڈالی۔ اور ان کے درمیان اس کی حرمت کو عظیم کیا پس اس کی طرف پناہ لینے والا محفوظ ہو گا اور جو مجبور کیا جائے گا وہ اس میں محفوظ ہو گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت:67) کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنادیا ہے حرم کو

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 100

امن والا، حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے پاس سے۔

علماء نے فرمایا: جب یہ جگہ مخصوص ہے تو ہر مظلوم یہاں نہیں پکڑا جائے گا اور ہر ڈرنے والا یہاں سے نہیں اٹھایا جائے گا اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں کو ایک دوسری پناہ گاہ بنایا۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ اسم جنس ہے اور مراد بالاجماع تین مہینے ہیں (1)۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کے دلوں میں ان کی حرمت ثابت فرمائی تھی وہ ان مہینوں میں کسی نفس کو خوف زدہ نہیں کرتے تھے اور نہ ان میں خون کا مطالبہ کرتے تھے اور نہ ان میں بدلہ لیتے تھے حتیٰ کہ ایک شخص اپنے باپ کے قاتل یا بیٹے اور بھائی کے قاتل سے ملتا تو اسے بھی اذیت نہ پہنچاتا تھا انہوں نے ان میں زمانہ کا تہائی حصہ قطع کیا اور ان میں سے تین مہینے متواتر بنائے جن میں وہ آرام وسکون سے رہتے تھے اور امن اور سکون سے زمین میں سفر کرتے تھے اور انہوں نے ایک مہینہ نصف سال میں بنایا تھا وہ بھی محترم تھا اور وہ رجب کا مہینہ ہے اس کو رجب مضر کہا جاتا تھا اور اس کو رجب الاصم بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ اس میں لوہے کی آواز نہیں سنی جاتی تھی اس کو منصل الاسنۃ بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ عرب اس مہینہ میں اپنے نیزوں سے لوہا اتار لیتے تھے یہ قریش کا مہینہ ہے۔ اور عوف بن احوص نے اسی نام سے تعبیر کیا ہے:

شهر بني أمية والهدايا　إذا سيقت مُضرجها الدّماءُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شہر اللہ کہا یعنی شہر آل اللہ اور اہل حرم کو آل اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ شہر اللہ مراد لیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر سختی فرمائی، کیونکہ بہت سے عرب اس کو حرمت والا مہینہ خیال نہ کرتے تھے (2)۔ ان شاء اللہ مہینوں کے اسماء سورۂ براءۃ میں آئیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا اور رسل کرام کی زبانوں پر ہدی اور قلائد کو جاری فرمایا۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب وہ اونٹ لیتے تھے تو اس کا خون نکالتے تھے یا اس کو جوتوں کا ہار پہنا دیتے تھے یا ایک شخص خود وہ ہار پہن لیتا تھا جیسا کہ سورت کی ابتدا میں گزرا ہے، کوئی اسے پریشان نہیں کرتا تھا جب وہ اسے ملتا تھا اس کے اور اس کی طلب یا ظلم کے درمیان یہ حد اور فیصل ہوتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا نظام بھیجا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حق کو بیان فرمایا اور اپنے دین کو ایک نظم میں پرویا اور حق اپنے نصاب کی طرف لوٹا اور امامت اس کی طرف منسوب کی گئی اور اس کا وجوب مخلوق پر رکھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور: 55) وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں۔

سورۂ بقرہ میں امامت کے احکام گزر چکے ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 5: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا، ذٰلِكَ کا اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کو باعث بقا بنایا ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے امور کی تفاصیل جانتا ہے اور اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہاری پہلی اور بعد والی مصلحتوں کو جانتا ہے پس اپنے کفر کی حالت پر اس کے لطف کو دیکھو (3)۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 243　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 244　3۔ ایضاً

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

''خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ یہ ڈرانا ہے وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ یہ امید دلانا ہے اس کا معنی گزر چکا ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

''نہیں (ہمارے) رسول پر کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ہدایت دینا، توفیق بخشنا اور ثواب دینا اس کے ذمہ نہیں اس پر تو صرف پیغام پہنچانا ہے اس میں قدریہ کا رد ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ البلاغ کی اصل البلوغ ہے جس کا معنی پہنچنا ہے۔ بَلَغَ يَبْلُغُ بُلوغا أَبلغه إبلاغا وتَبَلَّغَ تَبَلّغا، بَالَغه مبالغة، بلّغه تبليغا اور اسی سے البلاغة ہے کیونکہ اس کا معنی ہے لفظ کی خوبصورتی میں نفس تک معنی کو پہنچانا۔ تبالغ الرجل جب کوئی بلاغت کو استعمال کرے اور وہ بلیغ نہ ہو اس میں بلاغ ہے جس کا معنی کفایہ ہے، کیونکہ وہ حاجت کی مقدار پہنچاتا ہے۔ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو کہا جاتا ہے: بدأ السِّرّ راز ظاہر ہوا أبداه صاحبه يُبديه اس نے اسے ظاہر کیا۔ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ یعنی کفر اور نفاق میں سے جو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

''آپ فرما دیجئے: نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت سے، ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تا کہ تم نجات پا جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حسن نے کہا: الْخَبِيْثُ اور الطَّيِّبُ سے مراد حلال اور حرام ہے۔ سدی نے کہا: مومن و کافر ہیں۔ بعض نے کہا: مطیع اور عاصی ہیں۔ بعض نے کہا: ردی اور جید ہے۔ یہ بطور مثال ہے صحیح یہ ہے کہ لفظ ان تمام امور کو شامل ہے مکاسب، اعمال، لوگ، علوم و معارف وغیرہ سب متصور ہو سکتے ہیں اس میں سے خبیث فائدہ نہیں دیتا اور نہ اس کا انجام اچھا ہوتا ہے اگرچہ زیادہ بھی ہو اور پاکیزہ اگرچہ تھوڑا بھی نفع بخش ہوتا ہے اور انجام کے اعتبار سے عمدہ ہوتا ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (الاعراف: 58) اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے (کثرت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 244

سے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل گھٹیا۔

اس آیت کی مثال یہ ارشاد بھی ہے: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ (ص) کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو فجار کی طرح۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الجاثیہ: 21) کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنا دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔

خبیث، طیب کے مساوی نہیں ہوتا نہ مقدار میں، نہ خرچ کرنے میں، نہ مکان میں، نہ ذہاب میں۔ پاکیزہ دائیں جہت سے لیتا ہے خبیث بائیں جہت سے لیتا ہے، پاکیزہ جنت میں ہے، خبیث دوزخ میں ہے۔ یہ بالکل واضح ہے اور برابری کی حقیت ایک جہت میں ہمیشہ رہنا ہے اس کی مثل استقامت (سیدھا ہونا) ہے اور اس کی ضد اعوجاج (ٹیڑھا ہونا) ہے جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ مسئلہ بنتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے فرمایا: بیع فاسد فسخ کی جائے گی اور بازار کے حوالہ سے قائم نہیں رکھی جائے گی اور نہ بدن کے تغیر سے قائم رکھی جائے گی، کیونکہ اس کے قائم رکھنے میں بیع صحیح کے ساتھ برابر ہو جائے گی، بلکہ اسے ہمیشہ فسخ کیا جائے گا اور مشتری کو ثمن واپس کی جائے گی اگر وہ اس پر قابض ہو چکا ہو اگر اس (بائع) کے ہاتھ میں تلف ہو گئی تو وہ اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ وہ امانت پر قابض نہیں ہوا تھا بلکہ شبہ عقد کی وجہ سے قابض ہوا تھا۔

بعض علماء نے فرمایا: بیع کو فسخ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ بیع جب فسخ کی جائے گی اور اس کے فوت ہونے کے بعد رد کی جائے گی تو بائع پر اس میں ضرر اور غبن ہوگا اور وہ سامان جو سو روپے کے برابر تھا وہ جب بائع کو لوٹائی جائے گی تو وہ بیس روپے کے برابر ہوگا اور مال میں عقوبت نہیں ہے۔ پہلا قول اصح ہے، کیونکہ آیت عام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ رد ہے'' (1)۔

میں کہتا ہوں: جب مسائل فقہ میں عدم استواء میں اس معنی کو تلاش کیا جائے گا تو وہ کثرت سے ملیں گے اس میں سے غاصب کا مسئلہ بھی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے مغصوبہ جگہ پر مکان بنایا، درخت لگایا تو اس عمارت اور درخت کو کاٹنا لازم ہے، کیونکہ وہ خبیث ہے اور اسے لوٹایا جائے گا، جب کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے: اس کو نہیں اکھیڑا جائے گا اور اس زمین کے مالک سے قیمت لے لے گا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول لیس لِعرقٍ ظالِمٍ حقٌّ (2) ظالم کے لیے کوئی حق نہیں ہے۔ رد کرتا ہے۔ ہشام نے کہا: العرق الظالم سے مراد وہ ہے جو دوسرے کی زمین میں درخت لگاتا ہے تاکہ اس کا مستحق ہو جائے۔ امام مالک

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 1، صفحہ 287　2۔ صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، جلد 1، صفحہ 314

نے کہا العرق الظالم سے مراد ہر وہ شخص ہے جو بغیر حق کے کوئی چیز لیتا ہے یا کنواں کھودتا ہے یا درخت لگاتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جو زمین غصب کرے پھر اسے کاشت کرے یا کرائے پر دے یا گھر غصب کرے اس میں رہائش رکھے یا اسے کرائے پر دے پھر اس کا مالک اس کا مستحق ہو جائے تو رہائش رکھنے کا کرایہ غاصب پر ہو گا اور غاصب نے دوسرے سے جو کرایہ لیا تھا وہ بھی واپس کرنا ہو گا اور جب کوئی شخص اس گھر میں نہ رہے یا زمین کو کاشت نہ کرے اور اسے معطل کر دے تو امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس پر کرایہ ہے۔ وقار نے اس کو اختیار کیا ہے، یہی امام شافعی کا مذہب ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”ظالم کے لیے کوئی حق نہیں ہے“۔

ابوداؤد نے ابو زبیر سے روایت کیا ہے کہ دو آدمی جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ایک نے دوسرے کی زمین میں کھجور کے درخت لگائے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ زمین والے کے حق میں کیا اور کھجوروں والے کو کہا کہ وہ اپنی کھجوریں نکال لے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ان کھجوروں کی جڑوں کو کلہاڑی کے ساتھ مارا گیا حتی کہ وہ نکالی گئیں جب کہ وہ مکمل کھجوریں تھیں۔ یہ نص ہے۔ ابن حبیب نے کہا: اس میں حکم یہ ہے کہ زمین والے کو ظالم پر اختیار ہے اگر چاہے تو اکھیڑ ہوئے درختوں کی قیمت دے کر انہیں روک لے اگر چاہے تو انہیں اکھیڑ دے اور اکھیڑنے کی اجرت غاصب پر ہو گی۔

دارقطنی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے کسی قوم کے گھروں میں ان کی اجازت سے گھر بنایا تو اسے گھر کی قیمت دی جائے گی اور جس نے ان کی اجازت کے بغیر گھر بنایا تو اس کے لیے گھر توڑنا ہو گا“ (1)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس کے لیے قیمت ہو گی، کیونکہ اس نے ایسی جگہ پر مکان بنایا جس کی منفعت کا وہ مالک تھا یہ اس طرح ہے کہ جس نے کسی شبہ کی وجہ سے مکان بنایا یا درخت لگائے تو اس کے لیے حق ہے اگر مال کا مالک چاہے تو اسے اس کی قیمت دے دے جس حالت پر وہ قائم ہے اگر وہ انکار کرے تو جس نے عمارت بنائی یا درخت لگائے اسے کہا جائے گا: اسے خالی زمین کی قیمت دے دے۔ اور اگر وہ انکار کرے تو دونوں شریک ہوں گے۔ ابن الماجشون نے کہا: اس کے اشتراک کی تفسیر یہ ہے کہ خالی زمین کی قیمت لگائی جائے گی پھر اس کی عمارت کی قیمت لگائی جائے گی عمارت کے ساتھ والی کی قیمت خالی زمین کی قیمت سے بڑھ جائے گی تو کام کرنے والا اس میں زمین کے مالک کے ساتھ شریک ہو گا اگر وہ پسند کریں تو تقسیم کر لیں یا ویسے روکے رکھیں۔ ابن الجہم نے کہا: جب زمین کا مالک عمارت کی قیمت دے گا اور اپنی زمین لے گا تو اس کے لیے گزشتہ سالوں کا کرایہ ہو گا۔ ابن القاسم وغیرہ سے مروی ہے جب کوئی شخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت سے مکان بنائے تو پھر اس کے لیے اس کا نکالنا واجب ہو جائے تو وہ اسے اپنی کھڑی ہوئی عمارت کی قیمت دے گا۔ پہلا قول اصح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اس کے لیے قیمت ہے“ اور اس پر اکثر فقہاء کا مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ**۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد امت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خبیث پر تعجب نہیں کرتے بعض نے فرمایا مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

1۔ دارقطنی، باب المراۃ تقتل إذا ارتدت، جلد 4، صفحہ 243

ذات ہے اور آپ کا اعجاب یہ ہے کہ آپ نے جو کفار کی کثرت اور مال حرام کی کثرت کا اور مومنین کی قلت اور حلال مال کی قلت کا مشاہدہ کیا تو تعجب کیا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بری لگیں تمہیں اور اگر پوچھو کے ان کے متعلق جب کہ اتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لیے معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو اور اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔ تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا انکار کرنے والے''۔

ان آیات میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: ''تیرا باپ فلاں ہے (1)'' تو یہ آیت نازل ہوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے بارے نہیں پوچھو گے مگر میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا جب تک میں اس جگہ میں ہوں (2)'' ایک شخص اٹھا اور پوچھا: یا رسول اللہ! میں کہاں داخل ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آگ میں'' حضرت عبداللہ بن حذافہ اٹھے پوچھا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا؟ ''تیرا باپ حذافہ ہے'' آگے پوری حدیث ذکر کی۔ ابن عبدالبر نے کہا: حضرت عبداللہ بن حذافہ پہلے اسلام لے آئے تھے انہوں نے حبشہ کی زمین کی طرف دوسری ہجرت کی تھی اور بدر میں شریک ہوئے تھے اور ان میں مزاح کی صفت تھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خط دے کر کسریٰ کی طرف بھیجا تھا جب انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے'' ان کی والدہ نے انہیں کہا: میں نے تجھ سے زیادہ نافرمان بیٹا نہیں سنا تو امن میں تھا کہ تیری ماں نے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح گناہ کیا ہوتا اور تو اسے لوگوں کے سامنے رسوا کرتا۔ حضرت عبداللہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ مجھے کالے غلام کے ساتھ لاحق کر دیتے تو میں اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا۔ ترمذی اور دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 665 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 263

(آل عمران: 97) لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہر سال میں حج فرض ہے؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے لوگوں نے پھر کہا: کیا ہر سال میں حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا (1)''۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ الایہ۔

یہ لفظ دارقطنی کے ہیں امام بخاری سے اس حدیث کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حسن ہے مگر مرسل ہے ابوالبختری نے حضرت علی سے ملاقات نہیں کی اور اس کا نام سعید ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے ابوعیاض عن ابی ہریرہ کے سلسلہ سے بھی روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے'' ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: یارسول اللہ! ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا، اس نے پھر سوال لوٹایا اور کہا: یارسول اللہ! ہر سال میں حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قائل کون ہے؟ انہوں نے کہا: فلاں۔ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، اگر واجب ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے اگر تم اس کی طاقت نہ رکھتے تو تم کفر کرتے'' (2)۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ، الایۃ۔

حسن بصری نے اس آیت میں فرمایا: لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے امور جاہلیت کے متعلق پوچھا جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی ان چیزوں کے متعلق جن کو اللہ نے معاف کر دیا تھا۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس قوم کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلۃ، حام کے بارے میں پوچھا (3)، یہ سعید بن جبیر کا قول ہے اور فرمایا: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بعد میں فرمایا: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ۔

میں کہتا ہوں: صحیح اور مسند میں کفایت ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آیت تمام کے جواب میں نازل ہوئی ہو سوال قریب قریب تھے۔ اشیاء کا وزن افعال ہے اور یہ غیر منصرف ہے، کیونکہ یہ حمراء کے مشابہ ہے۔ یہ کسائی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا وزن افعلاء ہے جیسے تیرا قول ہے ھین واھوناء۔ فراء اور اخفش سے مروی ہے اور اس کی تصغیر میں اُشَیّاء کہا جاتا ہے۔ مازنی نے کہا: اس کی تصغیر شیہیات بنانا واجب ہے جس طرح اصدقاء کی تصغیر بنائی جاتی ہے اور مؤنث میں صدیقات اور مذکر میں صدیقون ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عون نے کہا: میں نے نافع سے لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ الخ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: ہمیشہ کچھ مسائل ناپسند کیے جاتے تھے۔ مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنا، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، حقوق ادا نہ کرنا اور منہیات کا ارتکاب کرنا حرام کیا ہے اور تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے قیل وقال، کثرت سوال اور مال کا ضائع کرنا'' (4)۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 100
2۔ سنن دارقطنی، کتاب الحج، جلد 2، صفحہ 282
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 698
4۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، جلد 2، صفحہ 75

بہت سے علماء کا قول ہے کہ کثرت سوال سے مراد خواہ مخواہ فقہی مسائل کثرت سے پوچھنا ہے، غلط سوال کرنا اور مسائل میں تشقیق پیدا کرنا ہے اور جو احکام نازل نہیں ہوئے ان کا موجب بننا ہے۔ سلف صالحین اس صورت کو ناپسند فرماتے تھے اور اس کو تکلیف (احکام کے نزول کا موجب بننا) سے شمار کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: جب مسئلہ درپیش ہوگا تو اس مسئلہ کی توفیق دی جائے گی۔ امام مالک نے کہا: میں نے اس شہر کے اہل کو پایا ان کے پاس کتاب وسنت کے علاوہ علم نہ تھا جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو امیر موجود علماء کو جمع کرتا اور جس پر علماء متفق ہو جاتے اسے نافذ کر دیتا تم کثرت سے سوال کرتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل کو ناپسند فرمایا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: کثرت سوال سے مراد لوگوں سے اصرار کے ساتھ اور کثرت کے لیے لوگوں سے اموال اور حوائج کا کثرت سے سوال کرنا ہے۔ یہ بھی امام مالک کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: کثرت مسائل سے مراد لوگوں کے خواہ مخواہ بلا ضرورت احوال پوچھنا یہاں تک کہ وہ لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرے اور ان کی برائیوں پر اطلاع کا موجب بنے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (الحجرات: 12) ابن خویز منداد نے کہا: اسی وجہ سے ہمارے بعض اصحاب نے کہا: جب کسی کو کھانا پیش کیا جائے تو وہ یہ نہ پوچھے کہ یہ کہاں سے آیا ہے یا اس کو کوئی چیز پیش کی جائے جس کو وہ خریدے تو وہ یہ نہ پوچھے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ مسلمانوں کے امور کو سلامتی اور صحت پر محمول کرے۔

میں کہتا ہوں: حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے تو وہ ان تمام وجوہ کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: ایک غافل قوم نے پیش آنے والے مسائل کے متعلق سوالات کی تحریم کا اعتقاد رکھا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس آیت کے ساتھ تعلق جوڑا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت صریح ہے کہ وہ سوال جس سے منع کیا گیا ہے وہ ہے جس کے جواب میں کوئی تکلیف واقع ہو اور وقت کے مسائل کے جواب میں کوئی تکلیف واقع نہیں ہوتی پس یہ آپس میں جدا ہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: ابن عربی کا یہ قول کہ ''ایک غافل قوم نے اعتقاد رکھا ہے''۔ اس میں قبح ہے۔ بہتر یہ تھا کہ یوں کہتے ''ایک قوم کا نظریہ پیش آنے والے مسائل کی تحریم کا ہے کیونکہ یہ اس کی عادت پر جاری ہوا ہے'' ہم نے کہا: بہتر یہ تھا، کیونکہ سلف صالحین کی قوم اس کو ناپسند کرتی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس شخص پر لعنت کرتے تھے جو ایسا مسئلہ پوچھتا جو پیش نہیں آیا ہوتا تھا۔ یہ دارمی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور زہری سے ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاری کہتے تھے جب ان سے کسی امر کے متعلق پوچھا جاتا تھا کیا مسئلہ درپیش ہے؟ اگر لوگ کہتے: ہاں۔ تو اس کا حل بیان فرماتے جو اس کے متعلق جانتے تھے۔ اگر لوگ کہتے کہ یہ مسئلہ درپیش تو نہیں ہے، تو فرماتے: اس کو چھوڑو حتیٰ کہ یہ پیش آ جائے۔

حضرت عمار بن یاسر سے سند کے ساتھ مروی ہے کہ ان سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ کہتے: یہ مسئلہ بھی پیش ہے؟ وہ کہتے: نہیں، تو آپ فرماتے: ہمیں چھوڑو حتیٰ کہ وہ مسئلہ پیش ہو جائے، اس وقت تمہارے لیے اس کو بیان کرنے کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 700

کوشش کریں گے۔ دارمی نے کہا ہمیں عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابن فضیل نے بیان کیا انہوں نے عطا سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں نے اصحاب رسول سے بہتر قوم نہیں دیکھی انہوں نے صرف تیرہ مسائل پوچھے حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا وہ تمام سوالات قرآن میں ہیں ان میں سے یہ ہیں۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ (البقرہ:217)

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ (البقرہ:222) صحابہ کرام صرف وہ پوچھتے تھے جو انہیں نفع دیتا تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن عبد البر نے کہا: آج کے سوال سے یہ کوئی خوف نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی تحریم اور تحلیل نازل ہو گی جو سمجھنے کے لیے علم میں رغبت کی وجہ سے اور اپنی ذات سے جہالت کی نفی کی وجہ سے اس معنی کو حاصل کرنے کے لیے دین میں اس پر وقوف واجب ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جہالت کا علاج سوال ہے۔ جس نے عناد کی بنا پر بغیر سیکھنے اور سمجھنے کی نیت کے سوال کیا تو وہ ایسا شخص ہے جس کا نہ قلیل سوال حلال ہے نہ کثیر حلال ہے۔ ابن عربی نے کہا: عالم کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان چیزوں میں مشغول ہوں وسیع دلائل، نظر کے راستوں کی وضاحت کرنا، اجتہاد کے مقدمات کو حاصل کرنا، استمداد پر معین آلہ کو شمار کرنا۔ جب کوئی مسئلہ پیش ہو گا وہ حل ہو جائے گا اور اس کا ادراک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ صواب کا راستہ کھول دے گا (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ اس میں غموض اور پوشیدگی ہے، کیونکہ آیت کی ابتدا میں سوال سے نہی وارد ہوئی پھر فرمایا: وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ یعنی پھر ان کے لیے سوال کو مباح کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تم ان کے علاوہ مسائل پوچھو گے جن میں حاجت ہو گی۔ پس مضاف حذف کیا گیا ہے اور اس کو غیر حذف پر محمول کرنا درست نہیں۔ جرجانی نے کہا: عَنْهَا کی ضمیر دوسری اشیاء کی طرف لوٹ رہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ (المومنون) یعنی حضرت آدم علیہ السلام پھر فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً (المومنون:13) یعنی ابن آدم کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو نطفة فی قرار مکین نہیں بنایا تھا لیکن جب انسان کا ذکر کیا گیا تو وہ حضرت آدم ہے جو اپنی مثل انسان پر دلیل ہے یہ قرینۂ حال کے ساتھ تھا معنی یہ ہے کہ اگر تم اشیاء کے متعلق سوال پوچھو گے جب تحلیل یا تحریم یا حکم نازل کیا جائے گا یا تمہیں تفسیر کی حاجت ہو گی جب تم سوال کرو گے تو اس وقت تمہارے لیے حکم ظاہر کر دیا جائے گا اس نوع نے سوال کو مباح کر دیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مطلقہ، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اور حاملہ عورت کی عدت بیان فرمائی اور ان عورتوں کی عدت کا ذکر نہیں ہوا جو حیض والی نہیں تھیں اور حاملہ بھی نہیں تھیں لوگوں نے ان کے متعلق پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی وَ الّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ (طلاق:4) پس سوال سے نہی اس صورت میں ہے جب سوال کی حاجت نہ ہو مگر جب حاجت ہو تو پھر سوال کرنا منع نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو معاف کر دیا جو ان سے پہلے ہو چکا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 700

بعض علماء نے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے متعلق سوال کرنے کو معاف کر دیا جو انہوں نے امور جاہلیت سے اور جو ان جیسے تھے، کے متعلق پوچھا تھا۔ بعض نے فرمایا: العفو بمعنی ترک ہے یعنی اس نے ترک فرما دیا اور جس کے متعلق حلت اور حرمت کا حکم معروف نہیں ہے وہ معاف ہے پس تم ان کے متعلق بحث نہ کرو شاید تمہارے لیے اس کا ظاہر ہو جائے تو وہ تمہیں تکلیف دے۔ عبید بن عمیر فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا اور حرام فرمایا جس کو اس نے حلال فرمایا اس کو حلال سمجھو اور جس کو حرام فرمایا اس سے اجتناب کرو اور ان کے درمیان کچھ چیزوں کو چھوڑ دیا نہ انہیں حلال فرمایا اور نہ انہیں حرام فرمایا پس یہ اللہ کی طرف سے معاف ہیں پھر یہ آیت پڑھی۔

دار قطنی نے ابو ثعلبہ خشنی سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں پس تم انہیں ضائع نہ کرو اور بعض چیزوں کو حرام کیا ہے پس تم ان کی پردہ دری نہ کرو اور بعض حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے دانستہ سکوت فرمایا ہے ان سے بحث نہ کرو'' (1)۔

اس تقدیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ان چیزوں کے متعلق مت پوچھو جن کو اللہ نے معاف فرمایا ہے اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں تکلیف ہو یعنی خود ہی اس نے ان کا ذکر نہیں کیا پس ان میں کوئی حکم ثابت نہیں کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ سے درگزر فرمایا ہے جو گزر چکا اگرچہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا تھا پس تم آئندہ ایسے مسائل نہ پوچھنا، پس عنہا کی ضمیر کا مرجع مسئلہ ہے یا سوالات ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ۝ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہم سے پہلے ایک قوم تھی کہ انہوں نے اس کی مثل آیات کا سوال کیا جب انہیں وہ عطا کی گئیں اور ان پر احکامات فرض کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کیا اور کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے مائدہ (دستر خوان) کا سوال کیا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے ڈرایا ہے جس میں پہلی قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 8۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جو تم نے سوال کی کراہیت اور اس کے متعلق نہی کا ذکر کیا ہے اس کے معارض یہ ارشاد ہے فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ (النحل) پس دریافت کر لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس کا حکم دیا ہے وہ اس کے متعلق ہے جس کا وجوب ثابت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ان پر واجب ہے اور جس کے متعلق نہی وارد ہے وہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مکلف نہیں کیا ہے اور اس کا اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ مسلم نے حضرت عامر بن سعد سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الصید والذبائح، حدیث نمبر 104، صفحہ 298

نے فرمایا: ''مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جو کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کرے جو مسلمانوں پر حرام نہ کی گئی ہو پھر اس کے سوال کی وجہ سے ان پر حرام کردی گئی ہو'' (1)۔ قشیری ابونصر نے کہا: اگر عجلانی زنا کے متعلق سوال نہ کرتے تو لعان ثابت نہ ہوتا۔ ابوالفرج جوزی نے کہا: یہ اس پر محمول ہے جو کسی چیز کے متعلق عبث سوال کرتا ہے پس اس کے برے ارادہ کی وجہ سے اس چیز کی تحریم کے ساتھ سزا دی گئی اور تحریم عام ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس حدیث کے ساتھ قدریہ کا کوئی تعلق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے سبب اور علت کی وجہ سے کوئی کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے بلکہ سبب اور داعی اس کے افعال میں سے ایک فعل ہے لیکن قضا وقدر پہلے طے کرچکی ہے کہ جس چیز کے متعلق سوال کیا گیا اس کو حرام کردیا جائے گا جب اس کے بارے سوال واقع ہوگا نہ یہ کہ سوال تحریم کا موجب اور اس کی علت ہے اس کی مثالیں بہت ہیں لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الانبیاء) نہیں پرسش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام سے) باز پرس ہوگی۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

''نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ یہاں جعل بمعنی سمی (نام رکھنا) ہے جیسے ارشاد فرمایا: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف: 3) یعنی ہم نے اس کا نام قرآن عربی رکھا۔ اس آیت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نام نہیں رکھا نہ حکم بنایا ہے اور نہ اس کا شرعاً مکلف بنایا ہے مگر اس نے اپنے علم سے فیصلہ کیا ہے اور اپنی قدرت وارادہ سے مخلوق کو پیدا کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خیر وشر، نفع وضرر، طاعت ومعصیت میں سے ہر چیز کا خالق ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ، مِنْ زائدہ ہے بحیرۃ فعیلۃ کے وزن پر بمعنی مفعولہ ہے یہ نطیحۃ اور ذبیحۃ کے وزن پر ہے۔ صحیح میں سعید بن مسیب سے مروی ہے بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کی وجہ سے استعمال نہیں کیا جاتا تھا اس اونٹنی کا کوئی بھی دودھ نہیں نکالتا تھا اور سائبہ وہ اونٹنی ہوتی ہے جس کو لوگ اپنے بتوں کے لیے چھوٹ دیتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: البحیرۃ سے مراد لغت میں وہ اونٹنی ہے جس کے کان کٹے ہوئے ہوں۔ کہا جاتا ہے: بحرت أذن الناقۃ یعنی میں نے اونٹنی کے کان کاٹ دیے (2)۔ الناقۃ بحیرۃ و مبحورۃ۔ البحر (دریا) تخلیۃ (تنہائی) کی علامت تھا۔ ابن سیدہ نے کہا: کہا جاتا ہے بحیرہ وہ اونٹنی ہے جو بغیر چرواہے کے چھوڑی گئی ہو۔ پالتو اونٹنی کو بحیرہ کہا جاتا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 262 | 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 701

ابن اسحاق نے کہا: البحیرہ، یہ سائبہ کی بچی ہے اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جو متواتر دس اونٹنیاں جنم دے درمیان میں مذکر بچہ نہ ہو نہ اس پر سواری کی جاتی تھی اور نہ اس کی اون کاٹی جاتی تھی اور نہ اس کا دودھ، سوائے مہمان کے کوئی پیتا تھا جو اس کے بعد بھی بچی جنم دیتی تو اس بچی کے کان کاٹے جاتے تھے اور اسے بھی ماں کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر نہ سواری کی جاتی تھی نہ اس کی اون کاٹی جاتی تھی اور اس کا دودھ سوائے مہمان کے کوئی نہیں پیتا تھا جیسا کہ اس کی ماں کے ساتھ کیا جاتا تھا یہ بحیرہ سائبہ کی بیٹی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب اونٹنی پانچ بطنوں سے مادہ ہی جنم دیتی تو اس کے کان کاٹ دیئے جاتے اور حرام کر دی جاتی تھی۔

محرمه لا يطعم الناس لحمها　　ولا نحن في شئ كذاك البحائر

ابن عزیز نے کہا: بحیرہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ بچے جنم دیتی جب پانچواں مذکر ہوتا تو اسے ذبح کرتے اور اسے مرد اور عورتیں کھاتے اگر پانچواں بچہ مادہ ہوتا تو اس کے کان کاٹ دیئے اور اس کا گوشت اور دودھ عورتوں پر حرام ہوتا۔ عکرمہ نے کہا: جب وہ مر جاتی تو عورتوں کے لیے حلال ہوتی۔ اور سائبہ وہ اونٹ ہے جو نذر کی وجہ سے چھوڑا جاتا تھا جو انسان پر ہوتی تھی وہ اس طرح نذر مانتا تھا کہ اگر الله نے اس کو مرض سے صحت بخشی یا اسے گھر پہنچایا تو وہ ایسا کرے گا، وہ اونٹ نہ تو کسی چراگاہ سے روکا جاتا اور نہ کسی پانی سے اور نہ کوئی اس پر سوار ہوتا۔ ابو عبیدہ نے اس کے متعلق کہا ہے، شاعر نے کہا:

وسائبة لله تنمى تشكرا　　ان الله عافى عامرا او مجاشعا

وہ کبھی اونٹنی کے علاوہ چیزوں کو بھی چھوڑ دیتے تھے، وہ جب غلام کو چھوڑتے تو اس پر ولاء نہ ہوتی تھی۔ بعض نے فرمایا: سائبۃ وہ اونٹنی ہے جو چھوڑی گئی ہو اس پر کوئی قید نہ ہو اور نہ اس کا چرواہا ہو (1)۔ فاعل بمعنی مفعول ہے جیسے عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (القارعہ) بمعنی مرضية ہے یہ سابت الحية وانسابت سے مشتق ہے شاعر نے کہا۔

عقرتم ناقة كانت لربي　　و سائبةً فقوموا للعقاب

رہی وصیلۃ اور حام تو ابن وہب نے کہا: زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے لیے اونٹ اور بکریاں چھوڑ دیتے تھے۔ حام اونٹوں میں سے ہے نر جب اپنی ضربیں پوری کر لیتا تو اس پر وہ موروں کے پر لگا دیتے تھے اور اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اور رہی وصیلۃ یہ بکریوں میں سے ہے جب وہ ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ کو جنم دیتی تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ ابن عزیز نے کہا: وصیلۃ بکریوں میں ہے فرمایا: جب بکری سات بچے جنم دے دیتی تو وہ دیکھتے تھے اگر ساتواں بچہ مذکر ہوتا تو اسے ذبح کیا جاتا اور اس سے مرد اور عورتیں کھاتی تھیں اگر مونث ہوتا تو وہ بکریوں میں چھوڑی جاتی۔ اگر وہ مذکر اور مونث دونوں بچے اکٹھے جنم دے دیتی تو وہ کہتے: وصلت اخاها وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل گئی پس اسے اس کے مرتبہ کی وجہ سے ذبح نہ کیا جاتا تھا اس کا گوشت عورتوں پر حرام ہوتا تھا اور مادہ کا دودھ بھی عورتوں پر حرام ہوتا تھا مگر ان میں سے کوئی ایک مر جاتا تو اسے مرد اور عورتیں کھاتے تھے۔ حامی وہ نر ہے جس کی اولاد کی اولاد کی حفاظت کی گئی ہو۔

حَماها أبو قابوس في عزِ مُلكه　　كما قد حَمَى أولادَ أولادِهِ الفحلُ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 701

کہا جاتا ہے: جب اس کی پیٹھ سے دس بچے پیدا کیے گئے ہوں، تو کہتے ہیں: اس نے اپنی پیٹھ محفوظ کرلی پس اس پر نہ سواری کی جاتی تھی اور نہ ہی اسے گھاس اور پانی سے روکا جاتا تھا۔ ابن اسحاق نے کہا: وصیلۃ وہ بکری ہے جو پانچ بطنوں سے متواتر دس بچیاں جنم دے اور ان کے درمیان مذکر نہ ہو۔ عربوں نے کہا: وصلت۔ اس کے بعد جو جنم دیتی وہ ان کے مردوں کے لیے ہوتا عورتوں کے لیے نہ ہوتا مگر ان میں سے کوئی مرجاتا تو اس کے کھانے میں مذکر اور مونث شریک ہوتے (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو آگ میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا یہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے تھے (2)'' ایک روایت میں ہے ''عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف جو بنی کعب سے تھا وہ اپنی انتڑیاں آگ میں کھینچ رہا تھا''۔ حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثم بن الجون سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ''عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو آگ میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو تجھ سے زیادہ اس کے مشابہ ہو اور کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ تیرے مشابہ ہو''۔ اکثم نے کہا: مجھے اندیشہ ہے یا رسول اللہ کہ اس کی مشابہت مجھے نقصان دے گی۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں تو مومن ہے وہ کافر ہے یہ پہلا شخص تھا جس نے دین اسماعیل میں تبدیلی کی تھی اور بحیرہ کو بحیرہ بنایا سائبہ کو بتوں کے نام پر چھوڑا اور حامی کو حامی بنایا''۔ ایک روایت میں ہے ''میں نے ایک چھوٹا سا آدمی دیکھا جس کے بال کانوں کی لوؤں تک تھے اپنی انتڑیاں آگ میں کھینچ رہا تھا''۔

ابن القاسم کی روایت میں ہے امام مالک نے زید بن اسلم سے انہوں نے عطا بن یسار سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: وہ دوزخیوں کو اپنی بدبو کی وجہ سے اذیت دیتا ہے، یہ حدیث مرسل ہے۔ ابن عربی نے ذکر کی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ پہلا شخص تھا جس نے یہ بدعت نکالی تھی وہ جنادہ بن عوف ہے اور صحیح میں کفایت ہے۔ ابن اسحاق نے روایت کیا ہے بتوں کے نصب کا سبب اور دین ابراہیمی میں تبدیلی کا سبب عمرو بن لحی تھا جو مکہ سے شام کی طرف نکلا جب بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر پہنچا اور وہاں اس وقت عمالیق تھے جو عملیق کی اولاد تھے۔ کہا جاتا ہے: عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح۔ اس نے انہیں دیکھا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ عمرو نے انہیں کہا: یہ بت کیا ہیں جن کی میں تمہیں عبادت کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ بت ہیں ہم ان کے ذریعے بارش طلب کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے اور ان کے ذریعے مدد طلب کرتے ہیں تو ہماری مدد کی جاتی ہے۔ اس نے انہیں کہا: تم ان میں سے ایک بت مجھے نہیں دے دیتے جسے میں عرب کی زمین کی طرف لے جاؤں تا کہ وہ بھی اس کی عبادت کریں، تو انہوں نے اسے ایک بت دے دیا جس کا نام ہبل تھا وہ اسے مکہ لے آیا اور اسے نصب کر دیا لوگوں نے اس کی عبادت اور تعظیم شروع کر دی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ان پر یہ آیت نازل فرمائی: **مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآىِٕبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ** ۔ اللہ تعالیٰ نے نہیں مقرر کیا بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام کو لیکن قریش خزاعہ اور مشرکین عرب میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 702
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 665

لگاتے ہیں اللہ پر جھوٹی، وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی تحریم کا حکم دیا ہے، اور وہ کہتے ہیں: وہ ایسا اللہ کی اطاعت میں اپنے رب کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور اللہ کی طاعت اس کے قول سے معلوم ہوتی ہے جب کہ ان کے پاس ان کے بارے میں اللہ کی طرف سے کوئی قول نہیں تھا۔ یہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تھے انہوں نے کہا: مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا (الانعام: 139) یعنی ان جانوروں کے پیٹوں میں جو ہے یعنی بچے اور دودھ وہ خالص ہمارے مذکر افراد کے لیے ہے۔ وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً (الانعام: 139) اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اگر وہ مردہ ہوگا یعنی اگر وہ مردہ بچہ جنم دے گی تو اس میں مرد اور عورتیں شریک ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ (الانعام: 139) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کی وجہ سے آخرت میں عذاب دے گا۔ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ (الانعام) یعنی وہ تحریم وتحلیل جاننے والا ہے اور اس میں اس کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نازل کیا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ (یونس) آپ فرمایئے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا پس بنا لیا تم نے اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال پوچھیے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟ اور یہ نازل فرمایا: ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الانعام: 143) اور یہ نازل فرمایا: وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ (الانعام: 138) بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذکر کرتے نام خدا ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افتراء ہے اللہ پر۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی چیز کو روکنے اور اوقاف لوٹانے کا تعلق اس سے قائم کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کی مذمت کی جو وہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے اور ان کو روک لیتے تھے اور انہیں استعمال نہیں کرتے تھے (1)۔ امام صاحب نے بحیرہ اور سائبہ پر قیاس کیا ہے جب کہ ان میں فرق واضح ہے اگر کوئی شخص اپنی زمین کا ارادہ کرتا ہے کہ یہ وقف ہوگی، اس کا پھل نہیں چنا جائے گا اور اس کی زمین کاشت نہیں کی جائے گی اور اس سے کسی قسم کا نفع نہیں اٹھایا جائے گا تو پھر اسے بحیرہ اور سائبہ سے تشبیہ دینا جائز ہوتا۔ علقمہ سے جس نے ان چیزوں سے متعلق سوال کیا اس کے جواب میں علقمہ نے کہا: تو جو اہل جاہلیت کے عمل کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ختم ہو چکا ہے۔ ابن زید نے بھی اسی طرح کہا۔ جمہور علماء احباس اور اوقاف کے جواز کے قائل ہیں، سوائے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام زفر کے۔ یہی قول شریح کا بھی ہے لیکن امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول سے رجوع کر لیا تھا جب انہیں ابن علیہ نے ابن عون عن نافع عن ابن عمر کے سلسلہ سے روایت سنائی کہ حضرت ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خیبر کے حصہ کو صدقہ کرنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: أحبس الأصل و سبّل الثمرة (2) اصل کو روک لے اور پھل صدقہ کر دے۔ جنہوں نے احباس (روکنا) کو جائز قرار دیا ہے اس حدیث سے انہوں نے دلیل پکڑی ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 705

2۔ سنن دارقطنی، کتاب الاحباس، جلد 4، صفحہ 193

یہ حدیث صحیح ہے یہ ابو عمر نے کہا ہے نیز یہ مسئلہ اجماع صحابہ سے ہے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ عمرو بن العاص، حضرت ابن زبیر اور جابر رضی اللہ عنہم ان سب نے وقف کیے تھے اور ان کے اوقاف مکہ، مدینہ میں معروف و مشہور تھے۔ روایت ہے کہ امام ابو یوسف نے امام مالک سے رشید کی موجودگی میں کہا کہ حبس جائز نہیں تو امام مالک نے اسے کہا: یہ احباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احباس (وقف) ہیں مثلاً خیبر، فدک اور آپ کے صحابہ کے احباس ہیں (1)۔ اور امام ابو حنیفہ نے آیت سے جو حجت پکڑی ہے اس میں حجت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے اپنی عقول سے بغیر شرع کے تصرف کیا اور نہ ان کو انتفاع نہ کرنے کا مکلف بنایا گیا تھا اور نعمت کے زائل کرنے اور اس مصلحت کو زائل کرنے کا مکلف کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان اونٹوں میں اپنے بندوں کے لیے رکھی ہے اس وجہ سے یہ امور احباس اور اوقاف سے جدا ہو گئے۔ اور امام ابو حنیفہ اور زفر نے اس روایت سے حجت پکڑی ہے جو عطا نے ابن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے شریح سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنا گھر اپنی اولاد میں سے آخری لوگوں پر وقف کر دیا تو انہوں نے کہا: حبس (روکنا، وقف کرنا) اللہ کے فرائض سے نہیں۔

علماء نے کہا: خلفاء راشدین حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قاضی نے یہ فیصلہ کیا، نیز انہوں نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو ابن لہیعہ نے اپنے بھائی عیسیٰ سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورۃ النساء کے نازل ہونے کے بعد سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرائض کو نازل کیا اور حبس سے منع فرمایا۔ طبری نے کہا: وہ صدقہ جو صدقہ کرنے والا اپنی زندگی میں کرتا ہے اس کی اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر اجازت دی ہے اور ائمہ راشدین نے اس پر عمل کیا ہے۔ یہ اللہ کے فرائض سے روکنا نہیں ہے اور نہ شریح کے قول میں حجت ہے اور نہ کسی اور کے قول میں جو سنت اور صحابہ کے عمل کے مخالف ہو وہ صحابہ جو ساری مخلوق پر حجت ہیں۔ رہی حضرت ابن عباس کی حدیث تو اس کو ابن لہیعہ نے روایت کیا ہے اور ابن لہیعہ وہ شخص ہے جس کا آخری عمر میں عقل درست نہیں رہا تھا اور اس کا بھائی غیر معروف ہے اس میں حجت نہیں ہے۔ یہ ابن القصار کا قول ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ کیسے جائز ہوگا کہ زمین وقف کے ذریعے مالک کی ملکیت سے نکل جائے اور کسی کی ملکیت میں بھی نہ ہو؟ امام طحاوی نے فرمایا: اس کا جواب یہ دیا جائے گا اس کا انکار نہیں کیا جاتا مثلاً تو اور تیرا مخالف ایک زمین کو مسلمانوں کے لیے مسجد بنانے پر متفق ہوئے لوگوں اور مسجد کے درمیان راستہ کھلا چھوڑ دیا گیا وہ زمین اس طرح ملکیت سے نکل گئی اور کسی کی ملکیت میں داخل بھی نہیں ہوئی لیکن وہ اللہ کی طرف چلی گئی اسی طرح کنویں، پل وغیرہ کا حکم ہے پس جو تو اپنی حجت اپنے مخالف پر لازم کرے گا وہ تجھ پر لازم کرے گا۔

مسئلہ نمبر 5۔ حبس کو جائز قرار دینے والے علماء کا حبس کرنے والے کے تصرف کے بارے میں مختلف اقوال رکھتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: موقف پر اس کی ملکیت حرام ہے جس طرح غلام کی ملکیت اس پر حرام ہو جاتی ہے مگر اس کے لیے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 704

جائز ہے کہ وہ اپنے صدقہ کا والی بنا رہے اور اس کے قبضہ میں اس لیے ہوگا کہ وہ حق دار اور مستحقین میں تقسیم کرے اور صدقہ کرے، کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے صدقہ سے متصل رہے۔ جو کچھ پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ فرمایا: اسی طرح حضرت علی اور حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا اپنے صدقات سے متعلق رہے۔ یہی قول امام ابو یوسف کا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جس نے زمین یا کھجور کا درخت یا گھر مساکین پر وقف کر دیا تو وہ اس کے ساتھ رہے گا وہ اس کی نگرانی کرے گا اسے کرائے پر دے گا اور مساکین میں اس کی آمدن تقسیم کرے گا حتیٰ کہ وہ مر گیا جب کہ حبس (وقف) اس کے قبضہ میں تھا تو وہ حبس نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ غیر کو اجازت نہیں دے گا وہ میراث ہے۔ امام مالک کے نزدیک گھر، دیواریں، زمین وغیرہ کا حبس نافذ نہ ہوگا اور نہ ان کا حبس مکمل ہوگا حتیٰ کہ کسی دوسرے کو اس کا متولی بنائے بخلاف گھوڑوں اور ہتھیاروں کے یہ امام مالک کے اصحاب کی ایک جماعت کا قول ہے اور یہی ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ واقف کے لیے وقف سے نفع اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ اس نے وہ اللہ کے لیے نکالا اور اپنی ملکیت سے جدا کیا پس اس میں سے کچھ انتفاع اپنے صدقہ سے رجوع ہے اور واقف کے لیے انتفاع جائز ہے اگر وقف میں انتفاع کی شرط لگا دی ہو یا وقف کرنے والا محتاج ہو جائے یا اس کے ورثاء محتاج ہو جائیں تو ان کے لیے وقف مال سے کھانا جائز ہے۔ ابن حبیب نے امام مالک سے روایت کیا فرمایا: جس نے اصل کو وقف کیا کہ اس کا غلہ مساکین پر خرچ ہوگا اگر وقف کرنے والے کی اولاد محتاج و فقیر ہو جائے گی تو انہیں اس مال سے دیا جائے گا خواہ وہ وقف کے دن غنی تھے یا فقراء تھے لیکن انہیں پورا غلہ نہیں دیا جائے گا اس خوف سے کہ کہیں وقف ختم نہ ہو جائے لیکن مساکین کے لیے اس میں سے حصہ باقی رہے گا تاکہ اس پر وقف کا اسم باقی رہے اور اولاد کے لیے تحریر لکھی جائے گی کہ انہیں مسکین ہونے کی بنا پر اسے دیا جائے گا مساکین کے علاوہ کے لیے حق نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 7۔ سائبۃ کا آزاد کرنا جائز ہے، وہ یہ ہے کہ سردار اپنے غلام سے کہے: تو آزاد ہے۔ اور نیت آزاد کرنے کی کرے، یا کہے: یا میں تجھے سائبہ آزاد کیا (1)۔ امام مالک کے مذہب میں سے مشہور مالکی علماء کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی ولاء مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہوگی اور اس کا آزاد کرنا نافذ ہوگا۔ اسی طرح ابن القاسم، ابن عبد الحکم اور اشہب وغیرہم سے مروی ہے۔

ابن وہب نے بھی یہی کہا ہے: ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: کوئی سائبہ آزاد نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع کیا ہے۔ ابن عبد البر نے کہا: یہ ہر اس عالم کے نزدیک ہے جو ان کے مذہب کا قائل ہے۔ یہ سائبہ کے عتق کی کراہت پر محمول ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگر سائبۃ آزاد کرے گا تو نافذ ہو جائے گا اس میں حکم وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ ابن وہب نے بھی اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں سائبۃ کے عتق کو ناپسند کرتا ہوں اور اس سے منع کرتا ہوں۔ اگر ایسا ہوگا تو نافذ ہو جائے گا اور وہ مسلمانوں کی میراث ہوگا اور اس

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 706

کی دیت بھی ان پر ہوگی۔ اصبغ نے کہا: ابتداءً سائبہ کا آزاد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ امام مالک کے مشہور مذہب کی طرف گئے ہیں اس کے لیے قاضی اسماعیل نے حجت پکڑی ہے اور اس کی تقلید کی ہے، اس کی حجت میں سے یہ بھی ہے کہ عتق السائبہ مدینہ میں عام ہے اور کوئی عالم اس کا انکار نہیں کرتا اور حضرت عبداللہ بن عمر اور ان کے علاوہ سلف نے سائبہ آزاد کیا۔ ابن شہاب، ربیعہ اور ابوالزناد سے مروی ہے۔ یہی عمر بن عبدالعزیز، ابوالعالیہ، عطا اور عمرو بن دینار وغیرہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: ابوالعالیہ ریاحی بصری تمیمی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو سائبہ آزاد کیا گیا ان کی مالکن نے انہیں رضا الٰہی کے لیے بنی ریاح سے سائبہ آزاد کیا تھا اور اس عورت نے ان کو لے کر مسجد کے حلقوں کا طواف کیا۔ اس کا نام رفیع بن مہران تھا۔ ابن نافع نے کہا: آج اسلام میں سائبہ نہیں ہے جس نے سائبہ آزاد کیا اس کی ولاء اس کے لیے ہوگی یہی قول امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ابن ماجشون کا ہے اور اسی کی طرف ابن عربی کا میلان ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''جس نے سائبہ آزاد کیا اس کی ولاء اس کے لیے ہوگی، اور ارشاد: ولاء اس کے لیے ہے جس نے آزاد کیا''(1)۔ سے استدلال کیا ہے پس غیر معتق کے لیے ولاء کی نفی فرمائی اور انہوں نے اللہ کے ارشاد: **مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىِٕبَةٍ** سے حجت پکڑی ہے اور حدیث سے حجت پکڑی ہے ''اسلام میں سائبہ نہیں ہے(2)'' اور ابوقیس نے ہزیل بن شرحبیل سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک شخص نے حضرت عبداللہ سے کہا: میں نے اپنا غلام سائبہ آزاد کیا تھا آپ کا نظریہ اس بارے میں کیا ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا: اہل اسلام سائبہ نہیں کرتے سائبہ زمانہ جاہلیت میں تھا، تو اس کا وارث ہے اور اس کا ولی نعمت ہے۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴

''اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ (اس کے) رسول کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں''۔

اس آیت کریمہ کا معنی اور اس پر کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵

''اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازم ہے نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہو جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 999 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 706

مسئلہ نمبر 1۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس آیت کا ماقبل سے تعلق یہ ہے کہ اس سے ڈرانا ہے جس سے ڈرانا واجب ہے۔ یہ اس کی حالت ہے جس کی صفت گزر چکی ہے ان لوگوں میں سے جو اپنے دین میں اپنے آباء اور اپنے اسلاف کی تقلید کی طرف مائل ہوا اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کرنا واجب نہیں جب انسان درست ہو اور کسی کو دوسرے کے گناہ کی وجہ سے پکڑا نہیں جائے گا اگر اس کی سنت میں اور اقاویل صحابہ وتابعین میں اس کی تفسیر وارد نہ ہوتی، جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر کریں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ اس کا معنی ہے اپنے نفسوں کی گناہوں سے حفاظت کرو۔ کہا جاتا ہے: علیك زیدا یعنی الزم زیدا (زید کو لازم پکڑ) اور علیہ زیدا جائز نہیں بلکہ یہ تین الفاظ میں مخاطب کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً علیك زیدا یعنی زید کو پکڑو۔ عندك عمرا یعنی عمر تیرے پاس حاضر ہے۔ دونك زیدا یعنی وہ تمہارے قریب ہے۔ شاعر نے کہا:

يَا اَيُّهَا الْمَائِحُ دَلْوِي دُونَكَا

اے کنواں کی گہرائی میں جانے والے میرا ڈول پکڑ۔ اور رہا یہ مصرعہ علیہ رجلاً لَیْسَنِی یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابوداؤد، ترمذی وغیرہما نے قیس سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب فرمایا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور تم اس کی تاویل درست نہیں کرتے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الآیۃ (1)۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ لوگ جب ظالم کو دیکھتے ہیں تو اس کے ہاتھوں کو نہیں روکتے قریب ہے اللہ تعالیٰ سب پر اپنی طرف سے عذاب نازل کردے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسحاق بن ابراہیم نے کہا: میں نے عمرو بن علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے وکیع کو یہ کہتے ہوئے سنا عن ابی بکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح نہیں ہے اور کوئی حدیث ہے۔ میں کہتا ہوں: نہ اسماعیل عن قیس مروی ہے فرمایا اسماعیل نے قیس سے موقوف روایت کیا ہے۔ نقاش نے کہا: یہ وکیع کی طرف سے زیادتی ہے اس کو شعبہ نے سفیان اور اسحاق سے انہوں نے اسماعیل سے مرفوع روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے ابو امیہ شعبانی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں ابوثعلبہ خشنی کے پاس پہنچا تو میں نے اسے کہا: تم اس آیت کا کیا کرتے ہو، انہوں نے فرمایا: آیت ہے، آیت ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ فرمایا: اللہ کی قسم! تو نے اس کے متعلق خبر والے سے پوچھا ہے، میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیکی کرو اور برائی سے رک جاؤ حتیٰ کہ جب تم ایسا بخل دیکھو جس کی اطاعت کی جاتی ہو، ایسی خواہش جس کی اتباع کی جاتی ہو اور ایسی دنیا جو ترجیح دی جاتی ہو اور صاحب رائے اپنی رائے کو پسند کرتا ہے تو خاص طور پر اپنے نفس کی فکر کرو اور عام لوگوں کے معاملہ کو چھوڑ دو تمہارے پیچھے کچھ ایام ہیں ان میں صبر، انگارے کو پکڑنے کی مثل ہوگا۔ ان دنوں میں پچاس آدمیوں کے اجر کی مثل ایک مزدور کا اجر ہوگا جو تمہارے عمل کی مثل عمل کرتے ہیں"۔ ایک روایت میں ہے:

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 131۔ ایضاً، باب ومن سورۃ المائدہ، حدیث نمبر 2983، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عرض کی گئی: یارسول اللہ! ہم میں سے یا ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر۔ فرمایا: ''بلکہ تم میں سے پچاس کا اجر'' (1)۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابن عبد البر نے کہا: بل منکم کے الفاظ سے بعض راوی خاموش رہے ہیں اور اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''تم ایسے زمانہ میں ہو کہ تم میں سے جس نے اس کا دسواں حصہ ہی ترک کر دیا جس کا حکم دیا گیا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ ان میں سے جو حکم الٰہی کے دسواں حصہ پر ہی عمل کرلے گا تو نجات پائے گا'' (2)۔ فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: یہ آیت کا زمانہ نہیں ہے تم حق کہو جب تک وہ تم سے قبول کیا جائے، جب تم پر لوٹایا جائے تو پھر تم اپنے نفسوں کی فکر کرو۔ بعض فتنوں کے اوقات میں حضرت ابن عمر سے کہا گیا: اگر تم ان ایام میں گفتگو ترک کر دو نہ تم نیکی کا حکم دو نہ برائی سے روکو۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تھا: ''موجود کو غائب تک بات پہنچانی چاہیے'' اور ہم موجود تھے پس ہم پر تمہیں پہنچانا لازم ہے ایک زمانہ آئے گا جس میں حق کہا جائے گا تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ لیبلغ الشاھد الغائب کے قول کے بعد حضرت ابن عمر سے ایک روایت میں ہے ''ہم موجود تھے اور تم غائب تھے'' لیکن یہ آیت ان لوگوں کے لیے ہے جو ہمارے بعد آئیں گے اگر وہ حق کہیں گے تو ان سے حق قبول نہیں کیا جائے گا۔

ابن المبارک نے کہا: عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ کا خطاب تمام مومنین کو ہے یعنی دین داروں کو لازم پکڑو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ (النساء: 29) گویا فرمایا: ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دینا چاہیے اور برائی سے منع کرنا چاہیے یہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے وجوب پر دلیل ہے، تمہیں مشرکوں، منافقین اور اہل کتاب کی گمراہی نقصان نہیں پہنچائے گی، کیونکہ امر بالمعروف مسلمانوں کے ساتھ گنہگاروں میں جاری رہتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے یہ معنی سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: آیت کا معنی ہے تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد۔

ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت اپنے ضمن میں یہ مفہوم رکھتی ہے کہ انسان خاص اپنے نفس سے مشغول ہو اور لوگوں کے عیوب سے تعرض ترک کر دے اور ان کے احوال کی تلاش چھوڑ دے، کیونکہ ان سے اس کی حالت کے بارے نہیں پوچھا جائے گا۔ اور اس سے ان کی حالت کے بارے نہیں پوچھا جائے گا یہ اس قول کی طرح ہے كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ (المدثر) ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى (الانعام: 164) کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنے گھر کا دوست ہو جا اور خاص اپنے نفس کی فکر کر''۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس زمانہ سے مراد ایسا زمانہ ہو جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا مشکل ہو پس وہ اپنے دل سے ناپسند کرتا ہو اور اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 131۔ ایضاً، باب ومن سورۃ المائدۃ، حدیث نمبر 2984، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 51۔ ایضاً، حدیث نمبر 2193، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں کہتا ہوں: ایک غریب حدیث میں آیا ہے جسے ابن لہیعہ نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں بکر بن سوادہ جذامی نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کر کے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو سو کا آغاز ہو تو نہ نیکی کا حکم دو اور نہ برائی سے منع کرو خاص اپنے نفس کی فکر کرو'' ہمارے علماء نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا کہ زمانہ بدل جائے گا، احوال میں فساد ہوگا اور مددگاروں کی کمی ہوگی۔ حضرت جابر بن زید نے کہا: آیت کا معنی ہے اے ان لوگوں کی اولاد میں سے ایمان والو! جنہوں نے بحیرہ اور سائبہ کو بتوں کے لیے چھوڑا تم دین پر اپنے نفسوں کو قائم رکھو تمہیں پہلے لوگوں کی گمراہی نقصان نہ دے گی جب تم ہدایت یافتہ ہو، فرمایا: جب کوئی اسلام لے آتا تو کفار اسے کہتے: تم نے اپنے آباء کو بے وقوف بنایا اور انہیں گمراہ کیا، تو نے ایسا کیا اور ایسا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سبب یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت خواہش کے بندوں کے بارے میں ہے جنہیں وعظ و نصیحت نفع نہیں دیتا جب تو کسی قوم کے متعلق جان لے کہ وہ دعوت کو قبول نہیں کرتے بلکہ استہزا کرتے ہیں اور غالب آتے ہیں تو ان سے خاموش ہو جا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ان قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں مشرکوں نے تکلیف دی تھی حتیٰ کہ بعض مرتد ہو گئے تھے تو باقی لوگوں کو کہا گیا: تم اپنے نفسوں کی فکر کرو تمہیں تمہارے ساتھیوں کا ارتداد کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ مجاہد نے کہا: یہود و نصاریٰ اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں ہے۔ ان دونوں حضرات کا نظریہ یہ ہے، کہ اہل کتاب کا کفر تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا جب وہ جزیہ ادا کریں۔ بعض نے فرمایا: یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے منسوخ ہے۔ یہ المہدوی کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ضعیف ہے اس کا قائل معلوم نہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: ابو عبید القاسم بن سلام سے مروی ہے فرمایا: کتاب اللہ میں اس آیت کے سوا کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو ناسخ اور منسوخ کی جامع ہو۔ دوسرے علماء نے کہا: اس میں سے ناسخ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ کا قول ہے۔ الھدی سے یہاں مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر متعین ہوتا ہے جب قبولیت کی امید ہو یا ظالم کو روکنے کی امید ہو خواہ سختی کے ساتھ ہو جب تک کہ آمر کو اپنے خاص لوگوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو یا کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو جو عام مسلمانوں پر جاری ہونا ہو، خواہ لاٹھی کی طرف کے ساتھ ہو یا ایسے ضرر کے ساتھ ہو جو لوگوں کے ایک طائفہ کو لاحق ہوتا ہو، جب یہ اندیشہ ہو تو تم پر لازم ہے کہ اپنے نفسوں کی فکر کرو۔ یہ محکم، واجب ہے کہ وہ اپنے اوپر توقف کرے۔ اور منع کرنے والے کا عادل ہونا شرط نہیں اس پر اہل علم کی جماعت کا نظریہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 249

مُّصِيۡبَةُ الۡمَوۡتِ ؕ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِىۡ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ۙ وَلَا نَكۡتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الۡاٰثِمِيۡنَ ۝۱۰۶ فَاِنۡ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعۡتَدَيۡنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجۡهِهَاۤ اَوۡ يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝۱۰۸

''اے ایمان والو! آپس میں تمہاری گواہی جب آجائے کسی کو تم سے موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت روکو ان دو گواہوں کو نماز پڑھنے کے بعد تو وہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمہیں شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور (یہ نئے دو گواہ) قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا (اگر ہم ایسا کریں تو) بے شک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہیے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو''۔

اس میں ستائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مکی نے کہا: یہ تین آیات اہل معانی کے نزدیک قرآن میں اعراب، معنی اور حکم کے اعتبار سے مشکل ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ اس کا کلام ہے جس کے لیے اس کی تفسیر میں اطمینان واقع نہیں ہوا یہ ان کی کتاب میں واضح ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: مکی نے جو ذکر کیا ہے ابوجعفر نحاس نے بھی اس سے پہلے یہ ذکر کیا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیات تمیم داری اور عدی بن بداء کے سبب سے نازل ہوئیں۔ بخاری، دارقطنی وغیرہما نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: تمیم داری اور عدی بن بداء مکہ کی طرف جاتے تھے تو ان کے ساتھ بنی سہم کا ایک نوجوان بھی نکلا، وہ ایسے علاقہ میں فوت ہوا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا اس نے تمیم اور عدی کو وصیت کی اور اپنا ترکہ اپنے اہل کی طرف ان کے ہاتھ بھیج دیا ان دونوں نے چاندی کے جام کو اپنے پاس رکھ لیا جس پر سونے کے نقش و نگار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قسم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 250

طلب کی کہ تم نے نہ چھپایا اور نہ تمہیں اطلاع ہے پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا انہوں نے کہا: یہ ہم نے عدی اور تمیم سے خریدا ہے۔ سہمی کے ورثاء میں سے دو آدمی آئے انہوں نے قسم اٹھائی کہ یہ پیالہ سہمی کا ہے اور ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ ٹھیک ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا۔ فرمایا: پھر انہوں نے پیالہ لے لیا اس میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دار قطنی کے الفاظ ہیں، ترمذی نے تمیم داری سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ۔

اس آیت سے میرے اور عدی بن بداء کے علاوہ لوگ بری ہیں۔ یہ دونوں نصرانی تھے اسلام سے پہلے شام کی طرف جاتے تھے پھر وہ تجارت کی غرض سے شام آئے، ان کے پاس بنی سہم کا ایک آدمی تجارت کی غرض سے آیا جس کا نام بدیل بن ابی مریم تھا۔ اس کے پاس چاندی کا پیالہ تھا اس کے ذریعے بادشاہ کا ارادہ کرتا تھا وہ اس کی تجارت کا بڑا حصہ تھا۔ وہ مریض ہو گیا تو انہیں اس نے وصیت کی اور انہیں حکم دیا کہ میرا مال میرے گھر والوں کو پہنچا دینا، تمیم نے کہا: جب وہ مر گیا تو ہم نے وہ پیالہ لے لیا اور ہم نے وہ پیالہ ہزار درہم کے عوض بیچ دیا پھر ہم نے انہیں تقسیم کیا، جب ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئے تو ہم نے وہ سب کچھ ان کے حوالے کیا جو ہمارے پاس تھا، انہوں نے پیالہ سامان میں نہ پایا پس انہوں نے ہم سے اس پیالہ کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا: اس کے علاوہ اس نے کچھ نہیں چھوڑا اور اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں دیا۔ تمیم نے کہا: پھر جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد مسلمان ہوا تو میں نے اسے گناہ سمجھا پھر میں اس کے گھر والوں کے پاس آیا اور انہیں سب کچھ بتایا اور میں نے انہیں پانچ سو درہم ادا کر دیئے اور میں نے انہیں بتایا کہ اس کی مثل رقم میرے ساتھی کے پاس ہے۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دلیل مانگی تو انہوں نے دلیل نہ پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ عدی سے اس کے ساتھ قسم طلب کریں جو ان کے دین داروں پر عظیم ہے۔ پس عدی نے قسم اٹھا دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ۙ وَ لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ۝ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَیْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ۔ عمرو بن العاص اور ان میں سے ایک اور آدمی اٹھا اور قسم اٹھائی پس عدی بن بداء کے ہاتھوں سے پانچ سو درہم چھین لیے گئے۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ تین آیات تمیم اور اس کے ساتھی عدی کے بارے میں نازل ہوئیں یہ دونوں نصرانی تھے اور ان کے کاروبار کی جگہ مکہ تھی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ابن ابی مریم مولی عمرو بن العاص مدینہ طیبہ آیا وہ شام میں تجارت کا ارادہ رکھتا تھا اس کے ساتھ تمیم اور اس کا ساتھی عدی نکلا۔ الحدیث۔ نقاش نے ذکر کیا ہے فرمایا: یہ بدیل بن ابی مریم مولی العاص بن وائل سہمی کے بارے میں

نازل ہوئی وہ سمندر میں، نجاشی کی زمین کی طرف سفر کرتے ہوئے نکلا۔ اس کے ساتھ دو نصرانی تھے ایک کو تمیم کہا جاتا تھا وہ لخم سے تھا اور عدی بن بداء۔ بدیل فوت ہوا تو وہ کشتی میں تھے اسے دریا میں پھینکا گیا تھا اس نے وصیت لکھی تھی اور اسے سامان میں رکھ دیا تھا اس نے کہا: میرا یہ سامان میرے گھر پہنچا دینا، جب بدیل فوت ہو گیا تو ان دونوں نے سامان پر قبضہ کر لیا اور اس مال میں سے جو انہیں پسند آیا وہ خود لے لیا اور جو مال انہوں نے لیا تھا اس میں چاندی کا ایک برتن بھی تھا اس میں تین سو مثقال تھا اور وہ سونے کے ساتھ منقش تھا مکمل حدیث ذکر کی۔ اس کو سنید نے ذکر کیا فرمایا: جب شام میں آئے تو بدیل مریض ہو گیا وہ مسلمان تھا۔ الحدیث۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ، شہد کا لفظ کتاب اللہ میں کئی معانی کے لیے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (بقرہ: 282) بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے احصروا (شمار کرو)۔ شہد بمعنی قضی یعنی اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا: یہ ابو عبیدہ کا قول ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آل عمران: 18) اور شہد بمعنی اقر بھی آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والملائکۃ یشھدون فرشتے اقرار کرتے ہیں اسی طرح شہد بمعنی حکم بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (یوسف: 26) اسی سے شہد بمعنی حلف (قسم اٹھانا) ہے جیسا کہ لعان میں ہے۔ شہد بمعنی وصی بھی آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں اس کا معنی وصیت کے لیے حاضر ہونا ہے کہا جاتا ہے: شھدت وصیۃ فلان یعنی میں فلاں کی وصیت کے وقت حاضر تھا۔ طبری کا خیال ہے کہ شھادۃ بمعنی قسم ہے پس معنی ہو گا جو تمہارے درمیان جھگڑا ہے اس کی دو آدمی قسم اٹھائیں اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ یہ اس شہادت کے علاوہ ہے جو مشہود لہ (جس کے لیے گواہی دی گئی ہو) کے لیے دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے لیے حکم معلوم نہیں ہے جس میں گواہ پر قسم واجب ہے۔ اس قول کو قفال نے اختیار کیا ہے اور یمین (قسم) کو شہادت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ حکم ثابت ہوتا ہے جس طرح شہادت کے ساتھ حکم ثابت ہوتا ہے، ابن عطیہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ یہاں شہادت اسی شہادت کے معنی میں جس کی حفاظت کی جاتی ہے اور ادا کی جاتی ہے (1)، اور انہوں نے حضور اور یمین کے معنی میں ہونے کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَيْنِكُمْ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ما بینکم ہے۔ ما کو حذف کیا گیا ہے اور شہادت کو ظرف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اسم حقیقت میں استعمال ہوا ہے نحویوں کے نزدیک اس کو وسعت کی بنا پر مفعول کہا جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

ویوما شھدناہ سُلَیما و عامرا

شاعر کی مراد شھد نافیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سبا: 33) یعنی مکر کم فیھما۔ شاعر نے کہا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 252

نُصافح من لاقیتَ لی ذا عداوۃ صِفَا حا و عَنّی بین عَیْنَیْكَ مُنْزَوِی

مراد ما بین عینیك ہے پس ما کو حذف کیا گیا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ (الکہف: 78) یعنی ما بینی وبینك۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا حَضَرَ اس کا معنی ہے جب موت قریب ہو ورنہ جب موت آجاتی ہے تو میت گواہی نہیں دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل: 98) اسی طرح ارشاد ہے: اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ (طلاق: 1) اس کی مثل بہت سی آیات ہیں۔ اذا میں عامل مصدر ہے جو شہادۃ ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ حین ظرف زمان ہے اور اس میں عامل حضر ہے اور اثنان اپنے اطلاق کے ساتھ دو شخصوں کا تقاضا کرتا ہے اور رجلین کا احتمال رکھتا ہے مگر اس کے بعد کہا: ذَوَا عَدْلٍ تو واضح کر دیا کہ مراد دو آدمی ہیں کیونکہ یہ لفظ مذکر کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ ذواتا مونث کا تقاضا کرتا ہے۔ اثنان کو رفع مبتدا کی خبر کی حیثیت سے ہے اور وہ شہادۃ ہے ابوعلی نے کہا: شہادۃ کو رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور خبر اثنان ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے شہادۃ بینکم فی وصایاکم شہادۃ اثنین مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب: 6) یعنی مثل امهاتهم اور اثنان کو رفع شہادۃ کی وجہ سے دینا بھی جائز ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی:۔ وفیما انزل علیکم او لیکن منکم ان یشھد اثنان لیقم الشھادۃ اثنان۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ، ذَوَا عَدْلٍ صفت ہے اثْنٰنِ کی او منکم دوسری صفت ہے (1)۔ اور اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اس کا مطلب ہے یا تمہارے علاوہ دوسروں کی گواہی۔ مِنْ غَيْرِكُمْ، اٰخَرٰنِ کی صفت ہے۔ اس آیت میں یہ فصل مشکل ہے۔ اس میں تحقیق یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(1) منکم میں ضمیر مسلمانوں کے لیے ہے اور اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ کفار کے لیے ہے اس بنا پر اہل کتاب کی گواہی مسلمانوں پر سفر میں جائز ہوگی جب وصیت ہو۔ یہ سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے۔

نیز احادیث سے بھی یہ ثابت ہے یہ ان تین صحابہ کا قول ہے جنہوں نے نزول قرآن کو دیکھا یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن قیس (☆) اور حضرت عبداللہ بن عباس۔ آیت کا معنی اول سے آخر تک اس قول کی بنا پر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ موصی (وصیت کرنے والا) پر شہادت میں اس کا حکم، جب آجائے موت، یہ ہے کہ دو عادل آدمیوں کی شہادت ہو اگر وہ سفر میں ہو۔ الضرب فی الارض کا یہی معنی ہے اور اس کے ساتھ مومنین میں سے کوئی نہ ہو تو دو گواہ بنالے ان کفار میں سے جو موجود ہیں جب وہ آئیں اور عصر کی نماز کے بعد حلفا اس کی وصیت پر گواہی دیں کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے وصیت کو بدلا ہے اور جو انہوں نے گواہی دی ہے صحیح ہے انہوں نے اس میں گواہی کو چھپایا نہیں ہے اور ان کی شہادت کے مطابق

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 252

☆ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، باب الشھادۃ اھل الذمۃ وفی الوصیۃ فی السفر، حدیث نمبر 3128، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فیصلہ کر دیا گیا پھر اس کے بعد پتہ چلا کہ انہوں نے جھوٹ بولا یا خیانت کی اور اس جیسی چیز کی جو گناہ ہے سفر میں موصی کے اولیاء میں سے دو آدمی قسم اٹھائیں اس کی جو ان پہلے گواہوں پر ثابت ہو وہ ادا کریں۔ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، یحییٰ بن یعمر، سعید بن جبیر، ابومجلز، ابراہیم، شریح، عبیدہ سلمانی، ابن سیرین، مجاہد، قتادہ، سدی، حضرت ابن عباس وغیرہم کے مذہب پر آیت کا معنی ہے فقہاء میں سفیان ثوری نے یہ کہا ہے۔ ابوعبید القاسم بن سلام کا میلان بھی اسی طرف ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس کو اختیار کیا ہے۔ فرمایا: اہل ذمہ کی مسلمانوں پر سفر میں گواہی جائز ہے جب کہ مسلمان نہ ہوں (1)۔ یہ تمام علماء کہتے ہیں کہ منکم سے مراد مومنین ہیں اور من غیرکم سے مراد کفار ہیں۔ بعض نے فرمایا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صرف مدینہ میں مومن تھے اور مومنین اہل کتاب کی معیت میں بت پرستوں کی صحبت میں اور مختلف کفار کے ساتھ تجارتی سفر کرتے تھے یہ حضرت ابوموسیٰ اور شریح وغیرہما کے مذہب پر محکم آیت ہے (2)۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ منسوخ ہے یہ زید بن اسلم، نخعی، امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ وغیرہم فقہاء کا قول ہے مگر امام ابوحنیفہ ان کی مخالفت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کفار کی ایک دوسرے پر گواہی جائز ہے اور مسلمان پر کفار کی گواہی جائز نہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (بقرہ: 282) اور وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: 2) سے حجت پکڑی ہے۔ ان علماء کا خیال ہے کہ آیت دین آخر میں نازل ہوئی اور اس میں ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اس کی ناسخ ہے اور اس وقت اسلام صرف مدینہ میں تھا پس اہل کتاب کی شہادت جائز تھی آج زمین پر مسلمان پھیل چکے ہیں اور کفار کی شہادت ساقط ہو چکی ہے اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ فساق کی شہادت جائز نہیں اور کفار فساق ہیں پس ان کی شہادت جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: جو تم نے ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے لیکن ہم بھی اس کے مطابق کہتے ہیں اور یہ اہل ذمہ کی شہادت مسلمانوں کے او پر وصیت میں سفر کی حالت میں خاص ضرورت کے لیے جائز ہے جہاں مسلمان موجود نہ ہوں لیکن مسلمان موجود ہوں تو پھر جائز نہیں اور جو تم نے نسخ کا دعویٰ کیا ہے جو قرآن کے نزول کے وقت موجود تھے ان میں سے کسی سے یہ مروی نہیں ہے۔ پہلا قول صحابہ میں سے تین کا ہے اور یہ اس کے علاوہ میں نہیں ہے اور صحابہ کی مخالفت کرنا اور دوسرے کی طرف جانا اس کو اہل علم اچھا نہیں سمجھتے اور اس کو یہ بات بھی تقویت دیتی ہے کہ سورۂ مائدہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے حتیٰ کہ حضرت ابن عباس اور حسن وغیرہما نے کہا: اس میں منسوخ نہیں ہے۔ اور جو ان علماء نے نسخ کا دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ نسخ کے لیے ناسخ کا اثبات اس اعتبار سے ہونا ضروری ہے کہ ان کا جمع کرنا ممکن نہ ہو نیز ناسخ موخر بھی ہو اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے ناسخ ہونا اس کا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک واقعہ میں ہے جو وصیت کے واقعہ کے علاوہ ہے اس میں حاجت اور ضرورت کا عنصر ہے اور ضروریات کے وقت حکم کا اختلاف ممتنع نہیں نیز کبھی کافر مسلمان کے نزدیک ثقہ (معتمد) ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت اسے پسند کرتا ہے، پس انہوں نے کہا: اس میں ناسخ نہیں ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 723

2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 251

(۳) آیت میں نسخ نہیں ہے یہ زہری، حسن اور عکرمہ کا قول ہے اور منکم کا معنی ہے تمہارے قرابتداروں سے اور رشتہ داروں سے کیونکہ وہ زیادہ حفظ اور ضبط والے ہوتے ہیں اور نسیان سے دور ہوتے ہیں اور اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ کا معنی ہے جو قریبی اور خاندان کے نہیں ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عربی میں گہری نظر رکھنے پر مبنی ہے آخر کا معنی عربی میں پہلے کی جنس سے ہوتا ہے تو کہتا ہے: مررت بکریم و کریم آخر پس آخر کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پہلے کی جنس سے ہے۔ اہل عرب کے نزدیک مررت بکریم و خسیس آخر اور مررت برجل وحمار اخر کہنا جائز نہیں اس بنیاد پر معنی اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ کا معنی ہوگا دو عادل آدمی اور کفار عادل نہیں ہوتے اس بنا پر اس کا قول صحیح ہوگا جس نے من غیرکم کا معنی، مسلمان میں سے تمہارے خاندان کے علاوہ، کیا ہے یہ لغت کی جہت سے عمدہ معنی ہے اس سے امام مالک اور ان کے ہمنوا علماء کے لیے حجت پکڑی گئی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک من غیرکم کا معنی ہے جو تمہارے قبیلے سے نہ ہوں، اس بنا پر کہ اس قول کا آیت کے آغاز میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مقابلہ کیا گیا ہے پس مومنین کی جماعت کو خطاب کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ذمی کفار کی آپس میں شہادت کے جواز پر استدلال کیا ہے فرمایا: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ کا معنی ہے جو تمہارے دین والوں کے علاوہ ہیں پس یہ ان کی ایک دوسرے پر شہادت کی جواز کی دلیل ہے، انہیں کہا جائے گا: تم اس آیت کے مقتضیٰ کے مطابق نہیں کہتے: کیونکہ یہ آیت اہل ذمہ کی مسلمانوں پر شہادت کی قبولیت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور تم یہ نہیں کہتے ہو پس تمہارا اس کے ساتھ حجت پکڑنا درست نہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ آیت طریق النطق کے اعتبار سے اہل ذمہ کی مسلمانوں پر شہادت کی قبولیت کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور طریق تنبیہ کے اعتبار سے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کی قبولیت پر دلالت کرتی ہے، یہ اس طرح ہے کہ جب ان کی گواہی مسلمانوں پر قبول ہے تو ان کی آپس میں گواہی کی قبولیت بدرجہ اولیٰ ہوگی پھر مسلمانوں پر ان کی شہادت کے قبول نہ ہونے پر دلیل دلالت کرتی ہے پس ان کی آپس میں گواہی پر قبولیت ثابت و باقی ہوگی، یہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ اہل ذمہ کی اہل ذمہ پر گواہی کی قبولیت، مسلمانوں پر ان کی گواہی کی قبولیت کی فرع ہے جب مسلمانوں پر ان کی شہادت باطل ہوئی جو اصل ہے تو اہل ذمہ پر بھی ان کی شہادت باطل ہوگی جو فرع ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ یعنی تم سفر پر ہو۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ یعنی اگر تم زمین میں سفر پر ہو اور تمہیں موت کی مصیبت پہنچے تو تم اپنے گمان میں دو عادل آدمیوں کو وصیت کرو اور تم اپنا مال ان کے حوالے کر دو پھر تم مر جاؤ اور وہ تمہارے ورثاء کی طرف ترکہ لے جائیں پھر انہیں دونوں کے معاملہ میں شک ہو اور وہ ان پر خیانت کا دعویٰ کریں تو حکم یہ ہے کہ تم انہیں نماز کے بعد روک لو، یعنی ان دونوں سے توثیق کر لو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موت کو مصیبت کا نام دیا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: موت اگرچہ مصیبت عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ ہے لیکن اس سے بڑی مصیبت موت سے غفلت ہے اور اس کے ذکر سے اعراض ہے اور اس میں فکر کا ترک ہے اور

اس کے لیے عمل کا ترک ہے اگرچہ عبرت کی نگاہ رکھنے والے کے لیے اس میں عبرت ہے اور فکر کرنے والے کے لیے مقام فکر ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر جانور موت کو جانتے جتنا کہ تم جانتے ہو تو تم ان میں سے کوئی موٹا جانور نہ کھاتے''۔ روایت ہے کہ ایک اعرابی ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا تو اس کا اونٹ گرا اور مر گیا، وہ اعرابی اونٹ سے اترا اور اونٹ کے ارد گرد چکر لگانے لگا اور اس میں متفکر ہوا اور کہنے لگا: تجھے کیا ہوا ہے کہ تو کھڑا نہیں ہوتا ہے؟ تجھے کیا ہوا ہے کہ تو اٹھتا نہیں ہے؟ یہ تیرے اعضاء تو مکمل ہیں اور اعضاء سلامت ہیں، تجھے کیا ہوا ہے؟ کون تجھے اٹھائے ہوئے تھا اور کون تجھے کھڑا کیے ہوئے تھا اور کس نے تجھے گرا دیا اور کس نے تجھے حرکت سے روک دیا؟ پھر اس کے متعلق سوچتے ہوئے اور اس کے معاملہ میں تعجب کرتے ہوئے اسے چھوڑ گیا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَحْبِسُوْنَهُمَا۔ ابوعلی نے کہا: یہ اٰخَرٰنِ کی صفت ہے۔ موصوف اور صفت کے درمیان اِنْ اَنْتُمْ معترضہ ہے۔ یہ آیت اس شخص کو قید کرنے کی دلیل ہے جس پر حق ہو۔ حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا جلدی طلب کرنا ممکن ہوتا ہے اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو صرف تاخیر سے پورے کرنا ممکن ہوتے ہیں اگر اسے چھوڑ دیا جائے جس پر حق ہے اور وہ غائب ہو جائے اور چھپ جائے تو حق باطل ہو جائے گا اور مال ضائع ہو جائے گا پس اس سے توثیق لینا ضروری ہے یا تو حق کے بدلے کوئی مال لیا جائے جسے رہن کہا جاتا ہے یا مطالبہ اور ذمہ میں قائم مقام کوئی شخص لیا جاتا ہے اور وہ کفیل ہے یہ پہلے سے کم مرتبہ ہے، کیونکہ جائز ہوتا ہے کہ وہ بھی غائب ہو جائے اور اسکا وجود متعذر ہو جس طرح پہلے شخص کا وجود متعذر تھا لیکن یہ اکثر کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اگر یہ تمام مشکل ہوں اور کوئی صورت باقی نہ رہے گی تو اسے قید کرنے کے ساتھ توثق ہے حتیٰ کہ اس سے حق کی ادائیگی کر لی جائے یا اس کا تنگ دست ہونا واضح ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اگر حق بدنی ہو تو بدل قبول نہیں کیا جائے گا جسے حدود اور قصاص میں اس کا جلدی پورا کرنا ممکن نہیں ہوتا اس میں قید کرنے کے ساتھ ہی وثوق ممکن ہوتا ہے اس حکمت کے پیش نظر ہی قید خانہ کا نظام شروع کیا گیا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی وغیرہما نے بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کے سبب قید کیا تھا۔ ابوداؤد نے عمرو بن شرید عن ابیہ کے سلسلہ سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''مال دار کا حق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے'' (1)۔ ابن المبارک نے کہا: اس کی عزت کو حلال کرتا ہے اس پر سختی کی جاتی ہے۔ اور عقوبت سے مراد یہ ہے کہ اسے قید کیا جاتا ہے۔ خطابی نے کہا: حبس (قید کرنا) کی دو قسمیں ہیں: حبس عقوبت اور حبس استظہار پس عقوبت صرف واجب میں ہوتی ہے اور جو تہمت میں ہوتی ہے وہ اس لیے ہوتی ہے جو کچھ پیچھے ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو تہمت میں دن کا کچھ وقت قید کیا پھر اسے چھوڑ دیا۔ معمر نے ایوب سے انہوں نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے فرمایا شریح کسی کے حق کے لیے کسی کے خلاف فیصلہ کرتے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، جلد 1، صفحہ 323

ایضاً سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر 3144، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تھے تو اس مجلس سے اٹھنے تک مسجد میں اسے قید کر دیتے تھے، اگر وہ حق ادا کر دیتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا ورنہ اسے قید خانہ میں لے جانے کا حکم دیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ اس سے مراد نماز عصر ہے۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے، کیونکہ اہل ادیان اس وقت کی تعظیم کرتے ہیں اور اس وقت میں جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم اٹھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ حسن نے کہا: اس سے مراد صلاۃ ظہر ہے۔ بعض نے فرمایا: کوئی بھی نماز ہو۔ بعض نے فرمایا: ان کی نماز کے بعد، کیونکہ وہ دونوں کافر تھے۔ یہ حزی کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: نماز کی شرط لگانے کا فائدہ وقت کی تعظیم کرنا ہے اور اسے ڈرانا ہے، کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ صحیح میں ہے جس نے عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائی وہ اللہ سے ملاقات کرے گا جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔

مسئلہ نمبر 12۔ یہ آیت قسموں میں سختی کرنے میں اصل ہے اور سختی چار چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے: (۱) زمانہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے (۲) مکان جیسے مسجد اور منبر۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس کسی سے قسم طلب کرنا واجب نہیں اور نہ رکن اور مقام کے درمیان، نہ تھوڑی اشیاء میں نہ زیادہ اشیاء میں اسی قول کی طرف بخاری کا رجحان ہے، کیونکہ باب باندھا ہے ''مدعی علیہ قسم اٹھائے جہاں اس پر قسم واجب ہو اسے کسی دوسری جگہ کی طرف پھیرا نہیں جائے گا''۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: قسامت کی قسموں میں مکہ کی طرف لے جایا جائے گا جو اس کے متعلقہ لوگوں سے ہوگا اور رکن اور مقام کے درمیان قسم لی جائے گی اور جو مدینہ طیبہ سے متعلقہ لوگوں سے ہوگا اسے مدینہ طیبہ لے جایا جائے گا اور منبر کے پاس قسم لی جائے گی۔ (۳) حالت: مطرف، ابن الماجشون اور بعض اصحاب شافعی نے روایت کیا ہے وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قسم اٹھائے گا، کیونکہ یہ روکنے میں زیادہ بلیغ ہے۔ ابن کنانہ نے کہا: وہ بیٹھ کر قسم اٹھائے گا۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک وہ اسی حالت میں قسم اٹھائے جس حالت میں اس پر حکم لگایا گیا ہے اگر وہ کھڑا ہو تو کھڑا ہو کر اٹھائے بیٹھا ہو تو بیٹھ کر اٹھائے، کیونکہ کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے متعلق کوئی اثر اور نظر ثابت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض علماء نے علقمہ بن وائل عن ابیہ کی حدیث میں فانطلق نیحلف سے کھڑے ہو کر قسم اٹھانے کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے (۴) لفظ کے ساتھ تغلیظ۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اللہ کی قسم سے زائد کچھ نہ کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اور ارشاد ہے: قُلْ اِيْ وَ رَبِّيْٓ (یونس: 53) اور فرمایا: وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (الانبیاء: 57) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من کان حالفاً فلیحلف باللہ او لیصمت (1) جو قسم اٹھائے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے اور آدمی کا قول: واللہ لا أزید علیھنّ (اللہ کی قسم میں ان پر زیادتی نہیں کروں گا) اور امام مالک نے کہا: وہ اس طرح قسم اٹھائے باللہ الذی لا الہ الا ھو میرے پاس فلاں کا حق نہیں ہے اور جو اس نے مجھ پر دعویٰ کیا ہے وہ باطل ہے اور امام مالک کی حجت ابو داؤد کی روایت ہے جو اس سند سے مروی ہے حدثنا مسدد قال حدثنا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 1، صفحہ 368

ابوالاحوص قال حدثنا عطا بن السائب عن ابی یحیٰی عن ابن عباس، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی قسم اٹھانے والے شخص کو فرمایا ''تو اس طرح قسم اٹھا باللہ الذی لا الہ الا ھو تیرے پاس اس کے لیے کوئی چیز نہیں ہے(1)'' یعنی مدعی کے لیے۔

ابوداؤد نے کہا: ابو یحیٰی کا نام زیاد ہے جو کوفی ہے ثقہ اور ثبت ہے۔ کوفیوں نے کہا: صرف باللہ کے ساتھ قسم اٹھائے۔ اگر قاضی اسے متہم کرے تو اس پر قسم کو مغلظ کر دے وہ اس طرح قسم اٹھائے۔ باللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ الرحمن الرحیم الذی یعلم من السر ما یعلم من العلانیۃ الذی یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ اصحاب شافعی نے قرآن کے ساتھ قسم کو مغلظ کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: قرآن کے ساتھ تغلیظ بدعت ہے صحابہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے(2)۔ امام شافعی نے فرمایا: انہوں نے صنعاء کے قاضی ابن مازن کو دیکھا وہ قرآن کے ساتھ قسم اٹھواتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کا حکم دیتا تھا اور یہ انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے جب کہ وہ صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: المھذب کتاب میں ہے اگر قرآن اور جو کچھ اس میں ہے اس کی قسم اٹھائے تو امام شافعی نے مطرف سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر قرآن پر قسم لیتے تھے فرمایا: میں نے مطرف کو صنعاء میں دیکھا وہ قرآن پر قسم لیتے تھے۔ امام شافعی نے فرمایا: یہ عمدہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: علماء کا اجماع ہے کہ حاکم کے لیے طلاق، عتاق اور مصحف کی قسم لینا مناسب نہیں۔ میں کہتا ہوں: ایمان میں گزر چکا ہے۔ حضرت قتادہ قرآن کی قسم لیتے تھے۔ احمد اور اسحاق نے کہا یہ مکروہ نہیں ہے ان دونوں سے یہ ابن المنذر نے حکایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ امام مالک اور امام شافعی کا اختلاف ہے کہ کتنے حق کے ضیاع پر قسم لی جائے گی؟ امام مالک نے فرمایا: کم از کم تین دراہم ہوں، انہوں نے قطع ید پر قیاس کیا ہے۔ ہر وہ مال جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور جس کے لیے عضو کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے وہ عظیم ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: قسم اس مال کے لیے اٹھائی جائے جو کم از کم بیس دینار ہو انہوں نے زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے۔ اسی طرح ہر مسجد کے منبر کے پاس قسم اٹھوانے کا یہی حکم ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ**، **فَيُقْسِمٰنِ** میں فا عاطفہ ہے جملہ کا جملہ پر عطف ہے یا جزا کا جواب ہے، کیونکہ **تَحْبِسُوْنَهُمَا** کا معنی ہے احبسوھما یعنی انہیں قسم کے لیے روک لو پس یہ جواب امر ہے جس پر کلام دلیل ہے گویا فرمایا: اذا حبستموھما اقسما جب تم انہیں روکو تو وہ قسمیں اٹھائیں۔ ذوالرمہ نے کہا:

وإنسانُ عيْنِي يَحْسِرُ الماءَ مرةً فَيَبْدو و تَاراتٍ يَجِمُّ فَيَغْرَقُ

اس کی تقدیر ہے اذا حسر بدا۔

مسئلہ نمبر 15۔ علماء کا اختلاف ہے کہ **فَيُقْسِمٰنِ** سے کیا مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد وصی ہیں جب ان کے قول پر شک کیا گیا ہو۔ بعض نے فرمایا: گواہ ہیں جب وہ عادل نہ ہوں اور حاکم ان کے قول پر شک کرے تو ان سے قسمیں اٹھوائے۔ ابن عربی نے اس قول کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا جو میں نے سنا ہے...... یہ بدعت ہے...... ابن ابی لیلیٰ سے مروی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 726 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 725

ہے کہ وہ دو گواہوں کے ساتھ طالب سے بھی قسم لے کہ جس کے متعلق ان دونوں نے گواہی دی وہ حق ہے اور اس کے لیے حق کا فیصلہ کیا جائے گا۔ میرے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے کہ جب حاکم کو قبضہ پر شک ہو تو وہ قسم اٹھائے کہ ابھی حق باقی ہے ورنہ کسی دوسری صورت میں اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا یہ مدعی کے بارے میں ہے، پس گواہ کو کیسے روکا جائے گا یا اس سے حلف لیا جائے گا؟ یہ ایسی چیز ہے جو قابل التفات نہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: طبری کے قول سے گزر چکا ہے کہ الله کا حکم معلوم نہ ہو تو اس صورت میں گواہ پر قسم واجب ہو گی۔ بعض نے کہا: گواہ قسم اٹھائیں کیونکہ وہ مدعی علیہا ہیں اس حیثیت سے کہ ورثاء نے دعویٰ کیا ہے کہ ان دونوں نے مال میں خیانت کی ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِ ارْتَبْتُمْ شرط ہے گواہوں کے قسم اٹھانے کی طرف توجہ نہ کی جائے گی مگر شک کی صورت میں اور جب شک واقع نہ ہو اور اختلاف واقع نہ ہو تو قسم نہیں ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابوموسیٰ کے حکم سے ذمیوں سے قسم اٹھوانے کے بارے میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شہادت قسم کے ساتھ مکمل ہوتی ہے اور وصیت اہل کے لیے نافذ ہوتی ہے۔ ابوداؤد نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص پر دقوقاء شہر میں موت کا وقت قریب آیا۔ اور اس نے کوئی مسلمان نہیں پایا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بنائے پس اس نے اہل کتاب سے دو آدمیوں کو گواہ بنایا پس وہ دونوں کوفہ آئے اور اشعری کے پاس آئے، پس انہوں نے انہیں یہ واقعہ بتایا اور وہ اس کا ترکہ اور اس کی وصیت لے آئے۔ اشعری نے کہا: یہ ایسا امر ہے جو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا اس کے بعد پھر نہیں ہوا۔ پھر اشعری نے عصر کے بعد ان الفاظ میں قسم اٹھوائی باللہ ماخانا ولا کذبا ولا بدلا ولا کتما ولا غیرا وانہا لوصیتہ الرجل وترکتہ الله کی قسم نہ انہوں نے خیانت کی نہ جھوٹ بولا، نہ کچھ بدلا، نہ چھپایا، نہ تبدیلی کی اور یہ اس شخص کی وصیت اور اس کا ترکہ ہے۔ اشعری نے ان کی شہادت کو قائم رکھا۔ (2)

ابن عطیہ نے کہا: یہ شک اس کے نزدیک ہے جو آیت کو منسوخ نہیں دیکھتا خیانت میں یہ حکم مرتب ہوتا ہے اور تہمت کی صورت میں بعض لوگوں کی طرف یہ میلان کر رہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کے نزدیک ایسی صورت میں قسم واقع ہوتی ہے اور جن کے نزدیک آیت منسوخ ہے ان کے نزدیک قسم نہیں اٹھوائی جاتی مگر خیانت یا کسی اعتبار سے تعدی اور زیادتی کا شک ہو، پس ان کے نزدیک قسم اٹھوانا منکر پر دعویٰ کے مطابق ہے نہ کہ شہادت کے لیے تکمیل ہے۔ ابن عربی نے کہا: شک اور تہمت کی قسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ دعویٰ کرنے اور حق کے ثبوت کے بعد اس میں شک واقع ہوتا ہے، اس صورت میں قسم کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں (۲) حقوق اور حدود میں مطلق تہمت۔ اس کی تفصیل ہے جس کا بیان کتب فروع میں ہے یہاں دعویٰ متحقق ہو گیا اور قوی ہو گیا جیسا کہ روایات میں ذکر کیا گیا ہے (3)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 725

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، باب الشہادۃ اہل الذمۃ وفی الوصیۃ فی السفر، حدیث نمبر 3128، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 727

مسئلہ نمبر 17۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ شرط ہے اس کا تعلق تَحْبِسُوْنَهُمَا کے ساتھ ہے نہ کہ فَيُقْسِمٰنِ کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ حبس، قسم کا سبب ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى یعنی وہ دونوں اپنی قسم میں کہیں کہ ہم اپنی قسم کے ساتھ کوئی عوض خریدنا نہیں چاہتے جس کو ہم اس کے بدلے لیں جو اس نے ہمیں وصیت کی تھی اور ہم کسی کو وہ مال دینا نہیں چاہتے اگرچہ وہ جس کے لیے ہم تقسیم کر رہے ہیں وہ ہمارا قریبی رشتہ دار بھی ہو قول کا اضمار کثیر ہے، جیسے الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد:23) یعنی وہ کہیں گے: سلام علیکم یہاں الاشتراء بمعنی بیع نہیں بلکہ تحصیل (حاصل کرنا) کے معنی میں ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ لَا نَشْتَرِيْ میں لام، فَيُقْسِمٰنِ کا جواب ہے، کیونکہ اقسم بھی اس کے ساتھ متصل ہوتا ہے جس کے ساتھ قسم متصل ہوتی ہے اور وہ لا، ما جو نفی کا معنی دیتے ہیں اور ان اور لام ایجاب کا معنی دیتے ہیں۔ بہ میں ضمیر اسم جلالت الله کی طرف لوٹ رہی ہے یہ قریب ترین ذکر ہے معنی یہ ہے کہ ہم اس عوض کے ساتھ الله تعالیٰ سے ملنے والے حصہ کو نہیں بیچتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ شہادت کی طرف راجع ہو اور قول کے معنی پر وہ ذکر کی گئی ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین الله حجاب(1) مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ اس کے اور الله تعالیٰ کے درمیان حجاب نہیں ہے۔ ضمیر کا مرجع دعوۃ ہے جس کا معنی دعا ہے یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثَمَنًا کوفیوں نے کہا: اس کا معنی ہے ذا ثمن ایسا مال جو قیمت والا ہے پس مضاف کو حذف کیا گیا ہے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے اور ہمارے نزدیک اور بہت سے علماء کے نزدیک ثمن کبھی مراد ہوتی ہے اور کبھی سامان مراد ہوتا ہے۔ ثمن ہمارے نزدیک خریدی گئی چیز ہے جس طرح ثمن والی چیز خریدی جاتی ہے، پس ثمن اور ثمن والی چیز دونوں مبیع ہوتی ہیں بیع سامان، نقدی پر یا دونوں عرض (سامان) پر یا دونوں نقدی پر گھومتی رہتی ہے اس اصل پر مسئلہ پیدا ہوتا ہے جب مشتری مفلس قرار دیا جائے اور بائع اپنا سامان پائے تو کیا وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: وہ اس کا زیادہ مستحق نہیں ہے اور انہوں نے اس اصل پر بنیاد رکھی ہے۔ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں: دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ امام مالک نے فرمایا: افلاس کی صورت میں وہ زیادہ حق دار ہے موت کی صورت میں نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: افلاس اور موت دونوں صورتوں میں اس کا مالک زیادہ مستحق ہے۔

امام ابو حنیفہ نے اس دلیل سے حجت پکڑی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے اور اس اصل کلی سے کہ مفلس اور میت کے ذمہ میں اور جو ان کے ہاتھوں میں ہے وہ قرض کو پورا کرنے کا محل ہے پس تمام قرض خواہ اپنے اپنے مال کی مقدار کے مطابق اس میں برابر کے شریک ہوں گے اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ سامان بعینہ موجود ہو یا نہ ہو، کیونکہ وہ بائع کی ملکیت سے مال نکل گیا ہے اور اس کی قیمت واجب ہوگئی ہے۔ اس پر اجماع ہے، پس ان کے لیے اس مال کی قیمت ہوگی یا جو اس میں سے موجود ہو

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم والقصاص، جلد 1، صفحہ 331

گا۔ امام مالک اور امام شافعی نے اس قاعدہ کو ان اخبار کے ساتھ خاص کیا ہے جو اس باب میں مروی ہیں جنہیں ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔(1)

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں شہادت میں سے علم عطا فرمایا ہے۔ اس میں سات قرأتیں ہیں، جو ان کو جاننے کا ارادہ کرے تو وہ ''التحصیل'' وغیرہ کتب میں پالے گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا حضرت عمر نے فرمایا: اس سورت میں جو احکام ہیں ان میں سے مشکل ترین آیت ہے۔ زجاج نے کہا: اور قرآن میں ترکیب کے اعتبار سے مشکل ترین یہ ارشاد ہے: مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ۔ عثر علی کذا۔ یعنی وہ اس پر مطلع ہوا، کہا جاتا ہے: عثرت منه علی خیانة یعنی میں مطلع ہوا۔ اعثرت غیری علیه، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ (الکہف: 21)

کیونکہ وہ انہیں طلب کرتے تھے ان پر ان کی جگہ مخفی ہوگئی تھی العثور کا اصل معنی کسی شے پر گرنا اور واقع ہونا ہے اسی سے عربوں کا قول ہے: عثر الرجل یعثر عثورا جب اس کی انگلی کسی چیز کے ساتھ لگے اور اس کے ساتھ ٹکرا جائے۔ عثرت اصبع فلان بکذا جب اس کی انگلی کسی چیز کو لگے اور اس پر واقع ہو۔ عثر الفرس عثارا۔ اعشیٰ نے کہا:

بذاتِ لَوْث عفرْنَاةٍ إذا عَثَرتْ فالتَّعْسُ أدنَى لها مِنْ أنْ أقول لَعَا

العثیر اڑنے والا غبار، کیونکہ وہ چہرے پر گرتا ہے۔ العثیر مخفی اثر، کیونکہ وہ پوشیدگی سے اس پر واقع ہوتا ہے۔ اَنَّهُمَا میں ضمیر ان وصیوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو اثنان کے ارشاد میں ذکر کیے گئے ہیں یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے بعض علماء نے فرمایا: ضمیر کا مرجع گواہ ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اسْتَحَقَّا یعنی استوجبا مستحق ہوا، اِثْمًا۔ خیانت کر کے انہوں نے وہ لیا جو ان کے لیے نہیں تھا۔ جھوٹی قسم کے ساتھ باطل گواہی کے ساتھ۔ ابوعلی نے کہا: اثم اس چیز کا نام ہوتا ہے جو بغیر حق کے ظلماً لی جاتی ہے، کیونکہ اس کے بدلے میں اس کا لینا اثم ہے اس کو اثم کہا جاتا ہے جیسا کہ اس چیز کو اثم کہا جاتا ہے جو بغیر حق کے ظلماً لی جاتی ہے۔ سیبویہ نے کہا: مظلمة وہ ہے جو تجھ سے لی جاتی ہے، اسی طرح جو چیز لی جاتی ہے اسے مصدر کا نام دیا جاتا ہے اور وہ الجام ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 23۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا یعنی قسموں میں یا گواہی میں دو ان کی جگہ کھڑے ہوں اور فرمایا: فَاٰخَرٰنِ اس کے مطابق کہ ورثا دو تھے اور فَاٰخَرٰنِ کو رفع مضمر فعل کے ساتھ دیا گیا ہے اور یَقُوْمٰنِ صفت ہے اور مَقَامَهُمَا مصدر ہے اس کی تقدیر یوں ہے مقاما مثل مقامهما پھر صفت کو موصوف کی جگہ رکھا گیا اور مضاف الیہ کی جگہ رکھا گیا۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ، ابن السری نے کہا: اس کا معنی ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب ابواب الاجارة، باب فی الرجل یفلس فلیجد الرجل الخ، حدیث نمبر 3056-3055، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 254، دار الکتب العلمیہ بیروت

جن کو وصیت کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ نحاس نے کہا: یہ سب سے بہتر ہے، کیونکہ ایک حرف کو دوسرے حرف کا بدل نہیں بنایا جاتا۔ ابن عربی نے اس کو اختیار کیا ہے تفسیر بھی اسی کے مطابق ہے، کیونکہ اہل تفسیر کے نزدیک اس کا معنی ہے: من الذین استحقت علیھم الوصیۃ جن پر وصیت کرنے کا حق رکھا گیا تھا اور الْاَوْلَیٰنِ، فَاٰخَرٰنِ سے بدل ہے۔ یہ ابن السری کا قول ہے۔ نحاس نے اس کو اختیار کیا ہے یہ نکرہ سے معرفہ بدل بن رہا ہے اور نکرہ سے معرفہ کو بدل بنانا جائز ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: جب نکرہ پہلے ذکر کیا گیا ہو پھر اس کا ذکر دوبارہ کیا جائے تو وہ معرفہ بن جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (النور: 35) پھر فرمایا: اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ (النور: 35) پھر فرمایا: اَلزُّجَاجَةُ۔ بعض علماء نے فرمایا: الْاَوْلَیٰنِ اس ضمیر سے بدل ہے جو یَقُوْمٰنِ میں ہے گویا فرمایا: فیقوم الاولیان یا مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فاخران یقومان مقامھما ھما الاولیان۔ ابن عیسیٰ نے کہا: الاولیان، مضاف کے حذف پر استحق کا مفعول ہے یعنی استحق فیھم وبسببھم إثم الاولیین۔ پس فعلیھم بمعنی فیھم ہے جیسے علی ملك سلیمان۔ یعنی فی ملك سلیمان۔ شاعر نے کہا:

متی ماتُنکِرُوھا تَعرِفوھا علی أقطارھا عَلَقٌ نَفِیثُ

اس شعر میں بھی علی بمعنی فی استعمال ہوا ہے یعنی فی اقطارھا۔

یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے الْاَوَّلِین پڑھا ہے۔ اول کی جمع اس بنا پر کہ یہ اللذین سے بدل ہے یا علیھم کی ضمیر سے بدل ہے حفص نے استحق تا اور حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے اور اس کا فاعل الاولیان ہے اور مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: من الذین استحق علیھم الاولیان بالمیت وصیتہ التی اوصی بھا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کی تقدیر یہ ہے استحق علیھم الاولیان رد الایمان یعنی ان پر قریبی دو شیخ قسموں کو لوٹانے کے حقدار ہیں۔ حسن سے الْاَوَّلَان مروی ہے۔ ابن سیرین سے الْاَوَّلَیْنِ مروی ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قرائتیں غلط ہیں ثنیٰ میں مثنان نہیں کہا جاتا مگر حسن سے الْاَوَّلَان مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ یعنی وہ دو قسمیں اٹھائیں جو گواہوں کے قائم مقام ہوں۔ یہ کہیں کہ جو ہمارے ساتھی نے وصیت میں کہا وہ حق ہے اور وہ مال جس کی اس نے تمہیں وصیت کی وہ اس سے زیادہ ہے جو تم نے ہمیں دیا ہے اور یہ برتن ہمارے اس ساتھی کے سامان سے ہے جس کو وہ لے کر گیا تھا اور اس نے اس کو اپنی وصیت میں لکھا ہے اور تم دونوں نے خیانت کی ہے، پھر یہ ارشاد فرمایا: لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا یعنی ہماری قسمیں تمہاری قسموں سے زیادہ ٹھیک ہے۔ پس صحیح ہے کہ شہادت کبھی یمین (قسم) کے معنی میں ہوتی ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ (النور: 6)

معمر نے ایوب سے انہوں نے ابن سیرین سے انہوں نے عبیدہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میت کے اولیاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسمیں اٹھائیں۔ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ یہ مبتدا خبر ہیں اور وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ یعنی ہم نے اپنی قسموں

میں حق سے تجاوز نہیں کیا اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ یعنی پھر تو ہم نے باطل پر قسمیں اٹھائیں اور ہم نے وہ لیا جو ہمارا نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ اَدْنٰۤى یہ مبتدا خبر ہیں ان محل نصب میں ہے۔ یَّاْتُوْا، اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَوْ یَخَافُوْۤا اس پر معطوف ہے۔ اَنْ تُرَدَّ، یَخَافُوْۤا کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ بعض علماء نے فرمایا یَّاْتُوْا اور فخافوا کی ضمائر موصی الیھما (جن کو وصیت کی گئی) کی طرف راجع ہیں۔ یہ آیت کے سیاق کے زیادہ مناسب ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ہیں یعنی یہ لائق ہے کہ لوگ خیانت سے بچیں اور وہ رسوائی کے خوف سے سچی سچی گواہی دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعی پر قسم لوٹائی جائے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا یہ امر کے صیغے ہیں اسی وجہ سے نون حذف کی گئی ہے یعنی جو تمہیں کہا جاتا ہے اسے قبول کرتے ہوئے سنو اور اللہ کے امر کی اس میں اتباع کرتے ہوئے سنو۔ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَسَقَ یَفْسِقُ ویَفْسُقُ بولا جاتا ہے جب کوئی اطاعت سے معصیت کی طرف نکل جائے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے واللہ اعلم

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

''جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے: کوئی علم نہیں ہمیں، بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ۔ کہا جاتا ہے کہ اس آیت کا ماقبل سے کیسے تعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زجر کے اعتبار سے اتصال ہے جو انہوں نے وصیت وغیرہ میں حقیقت کے خلاف ظاہر کیا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر جزا دینے والا عالم ہے۔ یَوْمَ ظرف زمان ہے اس میں عامل اسمعوا ہے یعنی اس دن کی خبر سنو۔ بعض علماء نے فرمایا: تقدیر اس طرح ہے: واتقوا یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ڈرو اس دن سے اللہ تعالیٰ جس میں رسولوں کو جمع فرمائے گا۔ یہ زجاج سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: تقدیر یہ ہے اذکروا او احذروا یوم القیامۃ حین یجمع اللہ الرسل معنی قریب قریب ہے اور مراد ڈرانا اور دھمکی دینا ہے۔ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا اور تمہاری قوم نے تمہیں کیا جواب دیا جب تم نے انہیں میری توحید کی طرف بلایا۔ قَالُوْا تو وہ کہیں گے لَا عِلْمَ لَنَا علماء مفسرین کا لَا عِلْمَ لَنَا کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: جو ہماری امتوں نے جواب دیا اس کے باطن کا ہمیں علم نہیں ہے، کیونکہ وہ یہ ہے جس پر جزا واقع ہوتی ہے، یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں علم عطا فرمایا، پس اس کلام میں حذف ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد سے اس کے خلاف مروی ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے ہمیں

کوئی علم نہیں مگر وہ علم جس کو تو ہم سے زیادہ جانتا ہے (1)۔ بعض علماء فرماتے ہیں: وہ ڈرتے ہوں گے اور جواب دینے سے گھبراتے ہوں گے، پھر عقول جو جواب ان کی طرف لوٹائیں گی اس کے بعد وہ جواب دیں گے اور کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ یہ حسن، مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسولوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ قیامت کے اکثر مقام پر ہوگا، حدیث میں ہے ''جب جہنم کو لایا جائے گا وہ زور سے آواز نکالے گی کوئی نبی اور صدیق نہیں ہوگا مگر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جائے گا'' (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل نے مجھے قیامت کے دن کا خوف دلایا حتیٰ کہ اس نے مجھے رلا دیا۔ میں نے کہا: اے جبریل! کیا مجھے اگلے اور پچھلے گناہوں سے محفوظ نہیں کیا گیا؟'' جبریل نے مجھے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تم اس دن کی ہولناکی کو دیکھو گے جو تمہیں مغفرت کا مژدہ بھلا دے گی۔

میں کہتا ہوں: اگر سوال جہنم کے چیخنے کے وقت کا ہوگا...... جیسا کہ بعض نے کہا ہے...... تو مجاہد اور حسن کا قول صحیح ہے واللہ اعلم۔ نحاس نے کہا: اس میں صحیح یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ تمہیں سراً اور اعلانیہ کیا جواب دیا گیا تاکہ یہ کفار کے لیے توبیخ ہو جائے۔ وہ کہیں گے: ہمیں کوئی علم نہیں، پس یہ تکذیب ہوگی اس کے لیے جس نے مسیح علیہ السلام کو الٰہ بنایا۔ ابن جریج نے کہا: مَاذَآ اُجِبْتُمْ کا معنی ہے انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا؟ تو وہ کہیں گے: ہمیں کوئی علم نہیں، تو تمام غیوب کو خوب جاننے والا ہے۔ ابوعبید نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مشابہ ہے، فرمایا: مجھ پر ایک قوم حوض پر پیش ہوگی، وہ پیچھے کھینچ لیے جائیں گے میں کہوں گا: میرے امتی ہیں، کہا جائے گا: تم نہیں جانتے جو انہوں نے تمہارے بعد بدعتیں نکالیں۔

ابوبکر، حمزہ اور کسائی نے الغیوب کی غین کو کسرہ دیا ہے اور باقی قراء نے ضمہ دیا ہے۔ ماوردی نے کہا: اگر کہا جائے اللہ تعالیٰ ان سے سوال کیوں کرے گا حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا تاکہ انبیاء کرام جان لیں کہ ان کے بعد ان کی امتوں نے جو کفر، نفاق اور جھوٹ بولا (۲) اس نے ارادہ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو گواہوں کے سامنے رسوا کرے تاکہ یہ بھی ان کے لیے عقوبت کی نوع بن جائے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ: اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 257، دارالکتب العلمیہ بیروت　2۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم، جلد 5، صفحہ 371

تمہاری روح القدس سے، باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جب تو بناتا تھا کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا اس میں تو وہ (مٹی کا بے جان پتلہ) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں ہیں مگر کھلا ہوا جادو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ یہ قیامت کے دن کی صفت ہے گویا فرمایا: اس دن کو یاد کرو جمع فرمائے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح کہے گا۔ یہ مہدوی کا قول ہے۔ عیسیٰ کا رفع کے مقام پر ہونا بھی جائز ہے اس بنا پر کہ ابن مریم دوسرا منادی ہو اور محل نصب میں ہونا بھی جائز ہے، کیونکہ اس قسم کا منادی منصوب ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

یاحَکَمَ بنَ المُنذِرِ بْنِ الجَارُود

اور دوسرے اسم میں رفع جائز نہیں، جب وہ مضاف ہو۔ محمد بن احمد بن عبد الطوال نحوی کے نزدیک جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ نعمت یاد دلائے گا جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی والدہ پر کی تھی وہ ان کو دو وجوہ سے یاد دلا رہا ہے (۱) تا کہ وہ امتوں پر پڑھیں ان کرامات کو جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص فرمایا اور جن کے ساتھ انہیں علو مرتبہ کے اعتبار سے ممتاز فرمایا (۲) تا کہ حجت پختہ ہو جائے اور ان کے منکر کا رد ہو جائے، پھر اس نے اپنی نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا فرمایا: اِذْ اَيَّدْتُّكَ یعنی میں نے تجھے قوت بخشی۔ یہ الاید سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ میں دو وجہیں ہیں (۱) پاکیزہ روح جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص فرمایا جیسا کہ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء:171) کے قول کے تحت گزر چکا ہے (۲) اس سے مراد جبریل امین علیہ السلام ہیں۔ یہ اصح قول ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

تُكَلِّمُ النَّاسَ یعنی تو باتیں کرتا تھا لوگوں سے پنگھوڑے میں بچہ ہونے کے وقت اور کہولت (پکی عمر) میں نبی ہونے کی حیثیت سے۔ اس کا معنی اور مفہوم سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ كَفَفْتُ اس کا معنی ہے میں نے دور کیا، پھیر دیا۔ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ بنی اسرائیل کو جب انہوں نے تمہارے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ یعنی دلالات اور معجزات، یہ آیت میں مذکور ہیں۔ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی جو تجھ پر ایمان نہیں لائے اور جنہوں نے تیری نبوت کا انکار کیا انہوں نے کہا: اِنْ هٰذَاۤ یہ معجزات اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ کھلا جادو ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے ساحر پڑھا ہے یعنی یہ شخص نہیں ہے مگر جادو پر پوری قوت رکھتا ہے۔

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

''اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور (اے مولا) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ اس آیت کے معانی میں کلام گزر چکی ہے کلام عرب میں وحی کا معنی الہام ہے، وحی کے کئی معانی ہیں۔ وحی بمعنی جبریل کو رسولوں کی طرف بھیجنا اور وحی بمعنی الہام جیسا کہ اس آیت میں ہے یعنی میں نے انہیں الہام کیا اور ان کے دل میں ڈال دیا۔ اسی سے یہ ارشاد ہے: وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (النحل: 68) تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا۔ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى (القصص: 7) ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں الہام کیا۔ وحی بمعنی نیند اور بیداری میں آگاہ کرنا بھی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اَوْحَیْتُ کا معنی ہے امرت میں نے حکم دیا۔ الی صلہ ہے کہا جاتا ہے: وحی، اوحی کا ایک معنی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ (الزلزلۃ) حجاج نے کہا: وحی لها القرار فاستقرت یعنی اسے قرار کا حکم دیا تو وہ قرار پکڑ گئی۔ بعض نے فرمایا: یہاں اَوْحَیْتُ کا معنی ہے میں نے انہیں حکم دیا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں نے انہیں بیان کیا۔ وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اصل پر ہے بعض عرب ایک نون کو حذف کر دیتے ہیں یعنی اے میرے رب گواہ رہ۔ بعض علماء نے فرمایا: اے عیسیٰ تم گواہ رہو ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

''جب کہا تھا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر ایک خوان آسمان سے ان کی (اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا: ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اس کا اعراب پہلے گزر چکا ہے۔ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ کسائی، حضرت علی، حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور مجاہد کی قرأت هل تستطیع یعنی تا کے ساتھ ہے(1) اور ربک نصب کے ساتھ ہے۔ کسائی نے هل کے لام کو لا میں ادغام کیا ہے باقی قراء نے یا کے ساتھ پڑھا ہے اور ربک کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے یہ قرأت پہلی قرأت سے زیادہ واضح ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو کیا تیرا رب تیری دعا قبول کرے گا؟ پس یَسْتَطِیْعُ بمعنی یطیع ہوگا جیسا کہ علماء نے کہا: استجاب بمعنی اجاب ہوتا ہے اسی طرح استطاع بمعنی اطاع ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا تیرا رب قدرت رکھتا ہے؟ یہ سوال ان کا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے استحکام سے پہلے تھا اسی وجہ سے ان کی غلطی اور ان کی نامناسب تجویز پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 259

مُّؤْمِنِيْنَ۝ الله سے ڈرو اگر تم مومن ہو، یعنی الله کی قدرت میں شک نہ کرو۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ حواری انبیاء کرام مخلص جانثار اور قریبی لوگ ہوتے ہیں جیسا کہ الله تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (آل عمران: 52) کون ہیں میرے مددگار الله کی راہ میں؟ (یہ سن کر) کہا حواریوں نے کیا ہم مددکرنے والے ہیں الله (کے دین) کی۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی کے حواری (مخلص ساتھی) ہوتے ہیں اور میرا حواری (مخلص ساتھی) زبیر ہے''(1)۔ یہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام الله تعالیٰ کی معرفت اور جو اس کے لیے واجب اور جائز تھا اور جو اس پر کہنا حلال تھا وہ لے کر آئے اور انہوں نے یہ اپنی امتوں تک پہنچایا تھا پھر یہ بات ان خاص لوگوں پر کیسے مخفی تھی حتیٰ کہ وہ الله کی قدرت سے بھی ناواقف تھے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان لوگوں سے صادر ہوا جو ان کے ساتھ تھے جس طرح بعض جہال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: ہمارے لیے ایک درخت متعین فرمادیں جس طرح ان مشرکوں کے لیے ایک متعین ہے(2) (مشرک زمانہ جاہلیت میں اس کی عبادت کرتے تھے) اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے چند لوگوں نے کہا: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الاعراف: 138) اس کا بیان ان شاء الله سورۃ الاعراف میں آئے گا۔

بعض علماء نے فرمایا: ان لوگوں کو الله تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں تھا، کیونکہ وہ مومن، عارف اور عالم تھے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے جیسے تو کسی کو کہتا ہے: کیا فلاں آنے کی طاقت رکھتا ہے؟ حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ طاقت رکھتا ہے پس معنی یہ ہوگا کیا وہ یہ کرے گا، کیا وہ میری یہ بات قبول کرے گا یا نہیں؟ وہ الله تعالیٰ کی استطاعت کو جانتے تھے کہ وہ یہ بھی کرسکتا ہے اور اس کے علاوہ بھی کرسکتا ہے۔ یہ وہ خبر، دلالت اور نظر کے اعتبار سے جانتے تھے پس انہوں نے علم معاینہ کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: اے میرے رب! دکھا مجھے کیسے تو مردوں کو زندہ کرے گا؟ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خبر اور نظر کے اعتبار سے یہ جانتے تھے لیکن انہوں نے اس معاینہ کا ارادہ کیا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا، کیونکہ نظر اور خبر کے علم میں شبہ اور اعتراضات داخل ہوتے ہیں اور علم المعاینہ میں ایسی کوئی چیز داخل نہیں ہوتی اسی وجہ سے حواریوں نے کہا: تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ (بقرہ: 260)

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ تاویل ہے اور اس سے بھی بہتر تاویل وہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا قول تھا جو حواریوں کے ساتھ تھے اس کا بیان آگے آئے گا۔ ابن عربی نے الله تعالیٰ کے اسماء میں المستطیع کو بھی داخل کیا ہے اور فرمایا: کتاب وسنت میں یہ اسم موجود نہیں ہے لیکن فعلاً وارد ہے انہوں نے حواریوں کا قول ذکر کیا هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ۔ ابن الحصار نے اپنی کتاب ''شرح السنۃ'' میں اس کارد کیا ہے۔ ابن الحصار نے کہا: الله تعالیٰ کا یہ قول اس بات کی خبر دے رہا ہے جو حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ استطاعت میں شک نہیں تھا اس سوال میں تلطف اور الله تعالیٰ کا ادب مقصود تھا، کیونکہ ہر

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 1، صفحہ 527

2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء لتركبن سنن من كان قبلكم، حدیث نمبر 2106، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ممکن کا وقوع اس کے علم میں ہے اور حواری تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں اچھے لوگ تھے پھر یہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ہر ممکن چیز پر قادر ہونے کے متعلق جہالت کا گمان کیسے جائز ہے؟ رہی تا والی قرأت۔ تو بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا تو اپنے رب سے سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ یہ حضرت عائشہ اور مجاہد کا قول ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا: قوم اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیادہ جانتی تھی (1)، وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا اس کا مطلب ہے کیا تو اپنے رب سے سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟۔

حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: حواریوں کو شک نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ دستر خوان کے اتارنے پر قادر ہے لیکن انہوں نے کہا: کیا تو اپنے رب سے سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے فرمایا: ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا: هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ۔ معاذ نے کہا: میں نے کئی مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تا کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا۔ هَلْ تستطیع رَبُّكَ (2)۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے جو تو اپنے رب سے سوال کرے گا کیا تو دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا رب تیری دعا قبول فرمائے گا؟ بعض علماء نے فرمایا: کیا تو اپنے رب سے دعا یا سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ یہ مفہوم قریب قریب ہیں۔ محذوف نکالنا ضروری ہے جیسے فرمایا: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) اور یا کی قراءت پر حذف کی ضرورت نہیں رہتی۔ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی گناہوں سے اور کثرت سوال سے بچو، کیونکہ تم نہیں جانتے ہو کہ وہ آیات کی تجویز پر تمہارے لیے کیا اتار دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود وہی کرتا ہے جو اس کے بندوں کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ یعنی اگر تم اس پر ایمان لانے والے ہو اور جو کچھ وہ لے کر آیا ہے اس پر ایمان لانے والے ہو، وہ تمہارے لیے ایسی آیات لایا ہے جن میں کفایت ہے۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

”حواریوں نے کہا: ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر گواہی دینے والوں سے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا۔ ان کی وجہ سے ناکل منصوب ہے۔

وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ یہ تمام معطوف ہے انہوں نے اپنے سوال کا سبب بیان کیا جب انہیں سوال سے منع کیا گیا۔ نَّاْكُلَ مِنْهَا میں دو وجہیں ہیں: (۱) انہوں نے اپنی بھوک مٹانے کی حاجت کے لیے کھانے کا ارادہ کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نکلتے تھے تو ان کے پیچھے پانچ ہزار یا اس سے زیادہ آدمی ہوتے تھے، بعض تو ان میں آپ کے اصحاب ہوتے تھے اور بعض آپ سے اپنی تکالیف اور مرضوں کے لیے دعا کروانے والے ہوتے تھے، کیونکہ وہ اپاہج یا نابینا ہوتے تھے، بعض دیکھتے تھے اور استہزاء کرتے تھے۔ ایک دن آپ ایک

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 259، دار الکتب العلمیہ بیروت

2۔ جامع ترمذی، کتاب القرأۃ عن رسول اللہ، باب فی فاتحۃ الکتاب، حدیث نمبر 2854، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

علاقہ کی طرف نکلے تو ایک جنگل میں پہنچ گئے جہاں ان کے لیے کھانے پینے کے لیے کچھ نہ تھا وہ بھوکے ہو گئے اور انہوں نے حواریوں سے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کرو تا کہ وہ دعا فرمائیں کہ ہم پر آسمان سے خوان نازل ہو۔ شمعون جو حواریوں کے سردار تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ لوگ عرض کر رہے ہیں آپ دعا فرمائیں ان پر آسمان سے خوان نازل ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون سے کہا: ان کو کہو کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ شمعون نے یہ لوگوں کو کہا تو پھر انہوں نے کہا: تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کرو کہ ہم اس سے کھانا چاہتے ہیں۔ (۲) نَّاْكُلَ مِنْهَا تا کہ ہم اس کی برکت حاصل کریں ہمیں کھانے کی حاجت نہیں۔ ماوردی نے کہا: یہ بہتر ہے، کیونکہ اگر وہ کھانے کے محتاج ہوتے تو انہیں سوال کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔

وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا میں تین احتمال ہیں: (۱) ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے (۲) ہم مطمئن ہو جائیں کہ اللہ نے ہمیں ہماری دعوت کے لیے چن لیا ہے (۳) ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سوال کو قبول فرمالیا ہے۔ یہ تینوں احتمال ماوردی نے ذکر کیے ہیں۔ مہدوی نے کہا: ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ اس نے ہمارے روزے اور عمل کو قبول فرمالیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: ہم اس کی قدرت کا یقین کر لیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۝ اور ہم اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت و نبوت کی گواہی دینے والے ہو جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جب ہم لوٹ کر جائیں تو جنہوں نے یہ نہیں دیکھا ہم تمہارے لیے ان کے پاس گواہ ہو جائیں۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۝

"عرض کی عیسیٰ بن مریم نے، اے اللہ! ہم سب کے پالنے والے اتار ہم پر خوان آسمان سے، بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ سیبویہ کے نزدیک اللّٰهُمَّ کی اصل یا اللہ ہے دو میم آخر میں یا کا بدل ہیں اور رَبَّنَاۤ دوسرا منادیٰ ہے (1)۔ سیبویہ اس کے علاوہ کوئی صورت جائز قرار نہیں دیتے۔ نعت ہونا جائز نہیں، کیونکہ اصوات مشابہ ہوتی ہیں اس کی وجہ سے جو اس کو لاحق ہوتی ہے۔ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً، مائدہ اس دستر خوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ اور جس پر کھانا نہ ہو اسے خوان کہا جاتا ہے یہ ماد عبدہ سے فاعلۃ کا وزن ہے جب غلام کھانا کھلائے۔ المائدہ جو دیا گیا ہو۔ اسی سے رؤبۃ کا قول ہے، اخفش نے اس کو پڑھا:

نُهدی رؤس المترفین الأنداد   إلی أمیر المؤمنین الممتاد (2)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 261
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 260

یعنی جس کا سوال کیا گیا ہو۔ پس المائدہ جو کھانے والوں کو کھانا کھلایا گیا ہو کھانے کو مجازاً مائدہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ مائدہ پر کھایا جاتا ہے جیسے عرب بارش کو آسمان کہتے ہیں، اہل کوفہ نے کہا: مائدہ کو مائدہ اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ جو اس پر ہوتا ہے حرکت کرتا ہے یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہوگا ماد الشی جب کوئی چیز حرکت کرے۔ شاعر نے کہا:

لعلك باكٍ إنْ تَغَنَّتْ حمامةٌ يَمِيدُ بها غُصن من الأيْكِ مائلُ

اس شعر میں یمید کا معنی حرکت کرنا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وأقلقنى قتلُ الكنانى بعده فكادَتْ بى الأرضُ الفضاءُ تَميدُ

اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (النحل: 15) اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے تمہارے ساتھ۔

ابو عبیدہ نے کہا: مائدة فاعلة بمعنی مفعولة ہے جیسے عیشةٌ راضیة بمعنی عیشة مرضیة ہے۔ ماء دافق بمعنی مدفوق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا، تَكُوْنُ، مَآىِٕدَةً کی صفت ہے جواب نہیں ہے۔ اعمش نے تکن جواب کی بنا پر مجزوم پڑھا ہے اس کا معنی ہے اس کے نزول کا دن ہمارے پہلے اور پچھلے لوگوں کے لیے عید کا دن ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: مائدہ (دسترخوان) ان پر اتوار کے دن صبح وشام نازل ہوتا تھا، اسی وجہ سے انہوں نے اتوار کو عید کا دن بنایا۔ العید، مفرد ہے اور اس کی جمع الاعیاد ہے اس کی جمع یا کے ساتھ بنائی گئی ہے، حالانکہ اس کی اصل واو ہے، کیونکہ یا واحد میں لازم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے اور اعواد الخشب کے درمیان فرق کرنے کے لیے یا سے جمع بنائی گئی ہے۔ قد عیدوا کا معنی ہے وہ عید میں حاضر ہوئے یہ جوہری کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کی صل عاد یعود ہے یعنی لوٹنا عید اصل میں عود تھا او کو ماقبل کسرہ کی وجہ سے یا سے بدل دیا گیا جیسے میزان، میقات اور میعاد میں یہ اصل میں موازن، موقات، اور موعاد تھے۔

بعض علماء نے فرمایا: عید الفطر اور اضحیٰ کو عید اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہیں۔ خلیل نے کہا: عید ہر وہ دن ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں گویا وہ اس کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ ابن الانباری نے کہا: عید کو عید کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ خوشی اور فرحت میں لوٹ کر آتی ہے کہ یہ تمام مخلوق کے لیے خوشی کا دن ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ قیدی بھی اس دن طلب نہیں کیے جاتے اور سزا نہیں دیئے جاتے، وحشی اور پرندے شکار نہیں کیے جاتے اور بچے مدارس میں نہیں جاتے۔ بعض علماء نے فرمایا: عید کو عید اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ ہر انسان اپنی قدر و منزلت کی طرف لوٹتا ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ لوگوں کے لباس، ہیئات اور کھانے مختلف ہوتے ہیں بعض مہمان ہوتے ہیں بعض میزبان ہوتے ہیں، بعض رحم کرتے ہیں بعض پر رحم کیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: عید کو عید اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ عزت وعظمت والا دن ہے اس کو عید کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ ایک عربوں کے نزدیک بہترین نر تھا اور اس کی لوگ نسبت کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے: اہل عیدیة۔ شاعر نے کہا:

عِیدِیَۃٌ اُردھِنَتْ فیھا الدنانیرُ

یہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے لِاُولَانَا وَاُخْرَانَا جمع پڑھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے لوگوں کے آخری شخص نے اسی طرح کھایا جس طرح پہلے شخص نے کھایا۔ وَاٰیَۃً مِّنْكَ یعنی یہ تمہاری طرف سے حجت و دلالت ہو گا۔ وَارْزُقْنَا یعنی ہمیں عطا فرما، وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۝ یعنی جس نے بھی عطا کیا تو اس سے بہتر ہے، کیونکہ تو غنی اور خوبیوں سراپا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۝

"فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے، تو بے شک میں عذاب دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال کا اس کے ساتھ جواب دیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سوال حواریوں کے لیے جواب تھا، یہ اس چیز کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دستر خوان کو نازل کیا اور اس کا وعدہ حق ہے پس ایک قوم نے مائدہ کے نزول کے بعد انکار کیا اور کفر کیا پس انہیں بندروں اور خنزیروں میں مسخ کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: قیامت کے روز سب سے سخت عذاب منافقوں کو ہو گا اور اصحاب مائدہ اور آل فرعون میں سے جنہوں نے کفر کیا تھا (1)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۝ علماء کا مائدہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ نازل ہوا تھا یا نہیں؟ پس جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ نازل ہوا تھا اور یہی نظریہ حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ مجاہد نے کہا: وہ نازل نہیں ہوا تھا یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے بیان فرمائی ہے اور لوگوں کو منع فرمایا کہ انبیاء سے نشانیوں کا سوال کریں۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کا سوال قبول کرنے کا وعدہ فرمایا جب انہیں فرمایا: فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ پھر جو تم میں سے اس کے بعد کفر کرے گا۔ تو اسے عذاب دوں گا...... الخ۔ تو وہ اپنے مطالبہ سے مستعفی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور کہا: ہم یہ نہیں چاہتے۔ یہ حسن کا قول ہے۔ یہ قول اور اس سے پہلے والا قول غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حضرت عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل کو کہا: تم تیس دن روزے رکھو پھر اللہ تعالیٰ سے جو چاہو سوال کرو وہ تمہیں عطا فرمائے گا، پس انہوں نے تیس روزے رکھے اور کہا: اے عیسیٰ! اگر ہم کسی کے لیے کام کرتے ہیں پھر اپنے کام کو ختم کرتے ہیں تو وہ ہمیں کھانا کھلاتا ہے اور ہم نے روزے رکھے ہم بھوکے رہے ہیں پس تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہم پر آسمان سے مائدہ نازل کرے۔ ملائکہ وہ دستر خوان اٹھا کر لے آئے اس پر سات روٹیاں تھیں سات مچھلیاں تھیں پس انہوں نے لوگوں کے سامنے وہ دستر خوان رکھ دیا پس لوگوں کے آخری آدمی نے بھی اسی طرح کھایا جس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 262

طرح پہلے آدمی نے کھایا تھا۔ ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' میں ذکر کیا ہے ہمیں عمر بن ابی عمر نے بتایا فرمایا ہمیں عمار بن ہارون ثقفی نے بتایا انہوں نے زکریا بن حکیم حنظلی سے روایت کیا انہوں نے علی بن زید بن جدعان سے انہوں نے ابو عثمان نہدی سے انہوں نے حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا فرمایا: جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا سوال کیا تو وہ کھڑے ہوئے اپنے اون والے کپڑے اتار دیئے اور کھدر والے کپڑے پہن لیے وہ سیاہ موٹے دھاگے سے سربال تھا اور سیاہ لحاف تھا۔ آپ اٹھے اور قدم سے قدم ملایا اور ایڑی کے ساتھ ایڑی کو ملایا اور انگوٹھے کو انگوٹھے کے ساتھ ملایا اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا، پھر اپنے سر کو جھکایا اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع کیا پھر رونے لگے حتیٰ کہ آنسو ان کی داڑھی پر جاری ہوئے اور آنسوؤں کے قطرے ان کے سینے پر گرنے لگے، پھر عرض کی: اے اللہ ہمارے پروردگار! ہم پر دسترخوان نازل فرما آسمان سے وہ ہمارے پہلے اور پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں عطا فرما اور تو روزی دینے والوں میں سے سب سے بہتر ہے۔ پس زرد گول دسترخوان نازل ہوا وہ دو عماموں کے درمیان تھا ایک عمامہ اوپر تھا اور ایک عمامہ نیچے تھا اور لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے اللہ! اسے رحمت بنا اور اسے آزمائش نہ بنا الٰہی! میں تجھ سے عجائب کا سوال کرتا ہوں پس تو عطا کرتا ہے پس دسترخوان عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے اترا اور وہ رومال سے ڈھانپا ہوا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور حواری بھی آپ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے وہ اس کی ایسی عمدہ خوشبو محسوس کر رہے تھے جو انہیں اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: جو تم میں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہے اور اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ پر زیادہ اعتماد کرنے والا ہے وہ اس دسترخوان سے کپڑا اٹھائے تاکہ ہم اس سے کھائیں اور ہم اس پر اللہ کا ذکر کریں اور اس پر اللہ کی حمد کریں۔ حواریوں نے کہا: اے روح اللہ! آپ اس کے زیادہ لائق ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے اچھی طرح وضو کیا پھر نماز پڑھی اور لمبی دعا مانگی پھر دسترخوان پر بیٹھے اور اس سے کپڑا اٹھایا اس دسترخوان پر بھونی ہوئی مچھلی تھی جس میں کوئی کانٹا نہیں تھا اس سے گھی بہہ رہا تھا کراث (بدبودار سبزی) کے علاوہ اس کے اردگرد تمام سبزیاں رکھی گئی تھیں اور اس کے سر کے پاس نمک اور سرکہ تھا اور دم کی جانب پانچ روٹیاں تھیں ایک روٹی پر پانچ انار تھے اور ایک روٹی پر کھجوریں تھیں اور ایک روٹی پر زیتون تھا۔ ثعلبی نے کہا: ایک روٹی پر زیتون تھا دوسری پر شہد تھا اور تیسری پر انڈے تھے اور چوتھی پر پنیر تھا اور پانچویں پر خشک گوشت تھا، یہود کو یہ خبر پہنچی تو غم اور پریشانی میں آئے وہ اس کی طرف تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ شمعون نے کہا: جو حواریوں کا سردار تھا، اے روح اللہ! یہ دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا کھانا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس کے بعد تم نے ایسی نشانیوں کا سوال کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ تمہیں عذاب دیا جائے، شمعون نے کہا: بنی اسرائیل کے خدا کی قسم! میں نے اس سے کوئی برا ارادہ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا: اے روح اللہ! اگر اس نشانی کے ساتھ ایک اور نشانی بھی ہوتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے مچھلی تو اللہ کے اذن سے زندہ ہو جا، پس وہ مچھلی تازہ مچھلی کی طرح حرکت کرنے لگی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، حواری گھبرا گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم کسی چیز کے بارے سوال کرتے ہو جب وہ تمہیں دی

جاتی ہے تو تم ناپسند کرتے ہو مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ تمہیں عذاب دیا جائے؟ فرمایا: یہ دسترخوان آسمان سے نازل ہوا اور اس پر نہ دنیا کا کھانا تھا اور نہ جنت کا کھانا تھا لیکن یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت بالغہ سے پیدا کیا تھا۔ اس نے فرمایا: ہوجا تو وہ ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے مچھلی تو اسی طرح ہوجا جس طرح تو پہلے تھی، تو وہ پہلے کی طرح بھونی ہوئی ہوگئی۔ حواریوں نے کہا: اے روح اللہ! آپ ہی پہلے اس سے کھائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: معاذ اللہ! اس سے وہ کھائے جس نے طلب کیا اور جس نے سوال کیا، حواریوں نے اس سے کھانے سے انکار کر دیا اس خوف سے کہیں یہ فتنہ اور سزا نہ ہو، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو اس پر فقراء، مساکین، مریضوں، اپاہج، جزام والے، چلنے سے عاجز، نابینے اور زرد پانی والوں کو بلایا اور فرمایا: اپنے رب کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، اور فرمایا تمہارے لیے خوشگوار ہوگا اور تمہارے علاوہ لوگوں پر عذاب ہوگا۔ پس انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سات ہزار تین سو افراد تھے وہ نکلے تو ڈکار مار رہے تھے اور ہر مریض ٹھیک ہو چکا تھا جس نے اس سے کھایا تھا اور ہر فقیر جس نے اس سے کھایا تھا وہ موت تک کھانے سے مستغنی ہوگیا تھا جب لوگوں نے یہ خیرات و برکات دیکھیں تو اس کھانے پر رش کر کے آگئے چھوٹا، بڑا، بوڑھا، نوجوان، غنی، فقیر سب آگئے اور اس سے کھانے لگے، وہ ایک دوسرے پر ناراض ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ صورت دیکھی تو ان کے درمیان باری مقرر کردی، ایک دن وہ کھانا نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا، جیسا کہ ثمود کی اونٹنی تھی ایک دن گھاس کھاتی تھی اور ایک دن پانی پیتی تھی پس وہ دسترخوان چالیس دن نازل ہوا وہ چاشت کے وقت نازل ہوتا تھا وہ اسی طرح رہتا حتیٰ کہ سایہ ڈھل جاتا۔ ثعلبی نے کہا: وہ دسترخوان قائم رہتا اس سے کھایا جاتا حتیٰ کہ جب سورج ڈھل جاتا تو وہ اوپر اڑ جاتا پس لوگ اس سے کھاتے پھر وہ آسمان کی طرف لوٹ جاتا اور لوگ اس کے سایہ کو دیکھتے رہتے حتیٰ کہ وہ ان سے چھپ جاتا جب چالیس دن مکمل ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ اے عیسیٰ! میرے اس دسترخوان کو صرف فقراء کے لیے خاص کردے اغنیاء کے لیے یہ نہیں ہے، تو اغنیاء اس بارے میں شک کرنے لگے اور وہ فقراء کی طرف لوٹے اور لوگوں کو شک میں ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں اپنی شرط کے ساتھ پکڑنے والا ہوں پس صبح اس میں سے تینتیس خنزیر بن چکے تھے وہ غلاظت کھاتے تھے اور کوڑا تلاش کرتے تھے، پاکیزہ کھانا کھانے اور نرم بستروں پر سونے کے بعد یہ حالت ہوگئی۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ روتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے۔ خنزیر آئے اور اپنے گھٹنوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیٹھ گئے وہ رونے لگے اور ان کے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں پہچان گئے اور یہ کہا: کیا تو فلاں نہیں ہے؟ وہ اپنے سر سے اشارہ کرتا لیکن کلام نہ کرسکتا تھا، وہ سات دن اسی طرح ٹھہرے رہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چار دن ٹھہرے رہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کی روحیں قبض کرلے صبح ہوئی تو معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں چلے گئے انہیں زمین نگل گئی یا انہیں کیا ہوا؟

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں کلام ہے۔ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ مائدہ کا کھانا روٹی اور مچھلی تھی۔ ابن عطیہ نے کہا: وہ مچھلی میں ہر کھانے کی خوشبو پاتے تھے۔ یہ ثعلبی نے ذکر کیا

ہے۔ حضرت عمار بن یاسر اور قتادہ نے کہا: مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس پر جنت کے پھلوں میں سے پھل ہوتے تھے (1)۔ وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل فرمائیں۔ اور ترمذی نے ابواب التفسیر میں حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا اس میں روٹی اور گوشت تھا انہیں حکم دیا گیا تھا کہ خیانت نہ کرو اور نہ کل کے لیے ذخیرہ کرو، پس انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کیا اور کل کے لیے رکھ لیا تو وہ بندروں اور خنزیروں میں مسخ کر دیئے گئے" (2)۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث ہے جو ابو عاصم اور کئی دوسرے لوگوں نے سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن خلاس عن عمار بن یاسر کے سلسلہ سے موقوف روایت کی ہے ہم اسے مرفوع نہیں جانتے مگر حسن بن قزعہ کی حدیث سے ہمیں حمید بن مسعدہ نے بتایا فرمایا ہمیں سفیان بن حبیب نے سعید بن ابی عروبہ سے اسی طرح روایت کر کے بتایا اور انہوں نے اسے مرفوع روایت نہیں کیا۔ یہ حسن بن قزعہ کی حدیث سے اصح ہے ہم مرفوع حدیث کے لیے کوئی اصل نہیں جانتے۔ سعید بن جبیر نے کہا: دستر خوان پر ہر چیز اتاری گئی تھی سوائے گوشت اور روٹی کے۔

عطا نے کہا: اس پر ہر چیز نازل ہوئی سوائے مچھلی اور گوشت کے۔ کعب نے کہا: دستر خوان الٹا آسمان سے اتارا گیا تھا فرشتے اسے آسمان اور زمین کے درمیان اڑاتے رہے اور اس پر گوشت کے سوا ہر چیز تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ تینوں اقوال ترمذی کی حدیث کے مخالف ہیں اور وہ حدیث ان سے اولیٰ ہے، کیونکہ اگر وہ مرفوع صحیح نہیں ہے تو صحابی کبیر سے موقوف صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ قطعی بات ہے کہ دستر خوان نازل ہوا اور اس پر کھانا تھا اور اس کی تعیین کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ابو نعیم نے کعب سے روایت کیا ہے کہ دستر خوان دو مرتبہ نازل ہوا تھا بنی اسرائیل کے بعض عبادت گزار بندوں کے لیے۔ کعب نے کہا: بنی اسرائیل کے تین عبادت گزار جمع ہوئے، وہ تینوں ایک صحراء میں جمع ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم تھا، ایک نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے دعا کروں گا تم جو چاہو گے۔ انہوں نے کہا: ہم تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اسی جگہ ایک بڑا کھلا چشمہ ظاہر کر دے اور سبز و شاداب باغات ہوں، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو بڑا چشمہ اور سبز و شاداب باغ ظاہر ہو گیا، پھر ایک نے کہا: تم مجھ سے جو چاہو مانگو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، انہوں نے کہا: ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ ہمیں جنت کے پھلوں میں سے کچھ کھلائے۔ اس نے دعا کی تو ان پر کھجور اتری، انہوں نے اس سے کھایا وہ واپس نہ گئی مگر وہ اس کا ایک رنگ کھا چکے تھے پھر وہ اٹھا لی گئی۔ ایک نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا جو تم چاہو، انہوں نے کہا: ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو دعا مانگ کہ اللہ ہم پر دستر خوان نازل کرے جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا پس اس نے دعا کی تو دستر خوان نازل ہوا انہوں نے اپنی ضرورت اس سے پوری کی پھر وہ اٹھا لیا گیا، پھر پوری خبر ذکر کی۔

مسئلہ: سلمان مذکور کی حدیث میں دستر خوان کا بیان ہے وہ دستر خوان تھا ٹانگوں والا میز نہیں تھا۔ سفرة (دستر خوان) نبی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 261 | 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 132

کریم ﷺ کا دستر خوان تھا اور عرب کے دستر خوان تھے ابو عبد اللہ ترمذی حکیم نے روایت کیا ہے ہمیں محمد بن بشار نے بتایا فرمایا ہمیں معاذ بن ہشام نے بتایا فرمایا مجھے میرے باپ نے بتایا انہوں نے یونس سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کبھی ٹیبل (میز) اور پیالہ میں اور باریک نرم روٹی نہیں کھائی (1)۔ قتادہ نے فرمایا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: پھر کس پر روٹی کھاتے تھے۔ فرمایا: دستر خوانوں پر۔ محمد بن بشار نے کہا: یہ یونس ابو الفرات الاسکاف ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح ثابت ہے اس کے رجال پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا فرمایا ہمیں معاذ بن ہشام نے بتایا پھر یہ حدیث ذکر کی اور اس میں فرمایا: یہ حسن غریب ہے۔ ترمذی ابو عبد اللہ نے کہا: خوان وہ نئی چیز ہے جو عجمیوں نے شروع کی ہے اور عرب تو مشقت کرنے والے تھے اور وہ سفر پر کھاتے تھے سفر کا مفرد سفرۃ ہے یہ دستر خوان چمڑے سے بنائے جاتے تھے۔ ان دستر خوانوں کے لٹکانے کے لیے دھاگے تھے وہ بند ہوتے تھے اور کھلتے تھے۔ کھلنے کی وجہ سے انہیں دستر خوان کہا جاتا تھا، کیونکہ جب کھلتے تھے تو جو کچھ ان میں ہوتا تھا ظاہر ہو جاتا تھا، اسی وجہ سے اسے سفرہ کہا جاتا ہے۔ سفر کو سفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ آدمی خود اپنے گھر سے باہر ظاہر ہو جاتا ہے سکرجۃ وہ پیالہ جو مائع چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ سالن مختلف قسم کے کھانوں سے تیار ہوتا ہے اور عربوں کے لیے کھانے کے لیے مختلف چیزیں نہ تھیں ان کا کھانا ثرید ہوتا تھا جس پر گوشت کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو۔ کیونکہ یہ لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے (2)۔ اگر کہا جائے کہ مائدہ کا ذکر احادیث میں ہے۔

ان احادیث میں ایک حضرت ابن عباس کی حدیث ہے فرمایا: لوکان الضب حراما ما اکل علی مائدۃ النبی ﷺ اگر گوہ حرام ہوتی تو نبی کریم ﷺ کے دستر خوان پر نہ کھائی جاتی۔ اس کو مسلم وغیرہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تصلی الملائکۃ علی الرجل ما دامت مائدتہ موضوعۃ فرشتے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک اس کا دستر خوان بچھا رہتا ہے۔ اس حدیث کو ثقات نے روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مائدہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کپڑے اور رومال کی طرح بچھائی اور پھیلائی جاتی ہے، اس کا حق یہ ہے کہ یہ مادۃ ہو یعنی دال مشدد کے ساتھ ہو عربوں نے ایک دال کو یا بنا دیا اور مائدہ کہا گیا۔ اور فعل اس کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ یہ ممدودۃ ہوتا لیکن لغت میں فاعل کے وزن پر استعمال ہوتا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: سر کاتم یہ مکتوم کے معنی میں ہے عیشۃ راضیۃ، مرضیۃٌ کے معنی میں ہے۔ اسی طرح لغت میں مفعول فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً رجلٌ مشومٌ یہ شائم کے معنی میں ہے۔ حجاب مستور، یہ ساتر کے معنی میں ہے۔

خوان وہ چیز چوپائیوں کے ذریعے زمین سے بلند ہو۔ مائدہ ہر وہ چیز جو پھیلائی اور بچھائی گئی ہو۔ السفرۃ جو اس کو ظاہر کر

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاطعمۃ، جلد 2، صفحہ 1

2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء انہ قال انھسوا اللحم نھسا، حدیث نمبر 1758، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دے جو اس کے اندر ہو، اسی وجہ سے سفرہ دھاگوں کے ساتھ باندھا ہوتا ہے۔ حسن سے مروی ہے فرمایا: میز پر کھانا ملوک (بادشاہوں) کا فعل ہے رومال پر کھانا عجمیوں کا فعل ہے اور سفرۃ پر کھانا عربوں کا فعل ہے۔ یہ سنت ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

''جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنالو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا؟ وہ عرض کریں گے: پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق۔ اگر میں نے کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اس گفتگو کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے۔ قتادہ، ابن جریج اور اکثر مفسرین نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے روز فرمائیں گے۔ سدی اور قطرب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا جب انہیں آسمان کی طرف اٹھایا اور نصاریٰ نے آپ کے متعلق کہا جو کچھ کہا، ان علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ کیونکہ اذ کلام عرب میں ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے اس پر دلیل ماقبل کلام ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ جس دن اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو، اور مابعد کلام ہے هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ اس بنا پر اذ بمعنی اذا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا (سبا: 51) یہاں اذ بمعنی اذا ہے۔ ابوالنجم نے کہا:

ثم جزاه الله عنّی إذ جزی　　جنّاتِ عَدْنٍ فی السّموات العُلَا

اس شعر میں اذ بمعنی اذا ہے۔

اسود بن جعفر نے کہا:

فالآن إذْ هازَلْتُهنّ فإنّما　　یَقُلْنَ ألا لَمْ یذهبِ الشّیخ مَذهبَا

اس میں بھی اذ بمعنی اذا ہے۔ مستقبل کو لفظ ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ امر متحقق تھا اور اس کی برہان ظاہر تھی گویا وہ کام واقع ہو چکا ہے۔

قرآن کریم میں ہے وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ (الاعراف: 50) دوزخی جنتیوں کو پکاریں گے۔ یہاں صیغہ ماضی کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں اس سوال کے معنی میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ یہ بطور استفہام نہیں اگرچہ

استفہام کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ سوال اس لیے کیا تا کہ جو ان کے الہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو توبیخ ہو جائے تا کہ سوال کے بعد ان کا انکار تکذیب میں زیادہ بلیغ ہو جائے اور توبیخ و تقریع میں سخت ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی تعریف کا قصد فرمایا کہ ان کی قوم نے ان کے بعد نظریات کو بدل لیا اور ان پر ایسے ایسے دعویٰ کیے جو انہوں نے کہا نہیں تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ نصاریٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو الہ نہیں بنایا تھا پھر ان کے بارے میں یہ کیسے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انہوں نے کہا کہ مریم نے بشر کو جنم نہیں دیا بلکہ الہ کو جنم دیا تو ان کو یہ کہنا لازم ہے کیونکہ جزئیت کی وجہ سے اس کے قائم مقام ہو گئی جس کو اس نے جنا، پس وہ کہنے والوں کے قائم مقام ہو گئے جب یہ بات انہیں لازم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ۗ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حجت کو پایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے اس قول میں حجت دی وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى الخ۔ حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے ''اللہ تعالیٰ نے ان کو حجت بخشی سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ''۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔

جواب سے پہلے دو امور کی وجہ سے تسبیح سے آغاز کیا (۱) جو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس سے وہ مبرا ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی عزت کے سامنے عجز کا اظہار کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی سطوت کے خوف سے سُبْحٰنَكَ سے آغاز کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس قول کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کپکپی طاری ہو گئی حتیٰ کہ اس کی ہڈیوں کی آواز سنی گئی اور کہا: سبحانك۔ پھر کہا: مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ یعنی میری مجال نہیں کہ میں ایسی بات کا دعویٰ کروں جس کا مجھے حق نہیں یعنی میں مربوب ہوں، رب نہیں، میں عابد ہوں معبود نہیں، پھر کہا: اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف لوٹایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا تھا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہ بنانے والے کے لیے تنبیہ ہو جائے، پھر فرمایا: تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ جو مجھ میں پوشیدہ ہے تو وہ جانتا ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو تیرے غیب میں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو وہ جانتا ہے جو میں جانتا ہوں اور میں نہیں جانتا جو تو جانتا ہے۔ بعض نے فرمایا: تو جانتا ہے جو میں مخفی کرتا ہوں اور میں وہ نہیں جانتا جو تو مخفی کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو جانتا ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں اور میں نہیں جانتا جس کا تو ارادہ کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو میرے رازوں کو جانتا ہے اور میں تیرے راز کو نہیں جانتا کیونکہ سر کی جگہ نفس ہے۔ بعض نے کہا: تو جانتا ہے جو مجھ سے دنیا میں ہوا اور میں نہیں جانتا جو تیری طرف سے دار آخرت میں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ان اقوال کا معنی قریب قریب ہے یعنی تو میرے راز جانتا ہے اور تو اسے جانتا ہے جس پر میرا ضمیر مشتمل

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 132

ہے جس کو تو نے پیدا کیا ہے میں اس کو نہیں جانتا جو تو نے غیب اور علم میں سے اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ تو جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور جو ہو گا اور جو نہیں تھا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝

''نہیں کہا میں نے انہیں مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ یعنی میں نے دنیا میں انہیں توحید کا حکم دیا۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ، ان کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہے یہ ان مفسرہ ہے جیسے وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا (ص:6) میں، ان مفسرہ ہے اور اس کا محل نصب میں ہونا بھی جائز ہے ما ذکرتُ لھم اِلّا عبادۃ اللہ یعنی میں نے ان کو نہیں یاد دلایا مگر اللہ کی عبادت۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل جر میں ہو یعنی باَنِ اعبُدُوا اللہ۔ نون کو ضمہ دینا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ کسرہ کے بعد ضمہ کو عرب ثقیل سمجھتے ہیں اور التقاء ساکنین کی اصل پر کسرہ بھی جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا جو میں نے انہیں حکم دیا اس کی حفاظت کرنے والا تھا۔ مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ، مَا محل نصب میں ہے یعنی وقت دوامی فیھم، فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ بعض علماء نے فرمایا: یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھانے سے پہلے موت دی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اخبار و احادیث ان کے اٹھائے جانے پر متفق ہیں اور وہ آسمان میں زندہ ہیں وہ قرب قیامت میں آسمان سے اتریں گے، دجال کو قتل کریں گے اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس کا معنی ہے جب تو نے مجھے آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ حسن نے کہا: وفات کا لفظ قرآن میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے: (۱) موت کے لیے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا (الزمر:42) یعنی ان کی عمر کے عرصہ کے ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں موت دیتا ہے۔ (۲) نیند۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ (الانعام:60) یعنی وہ تمہیں رات کے وقت سلاتا ہے (۳) اٹھا لینا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (آل عمران:55) اے عیسیٰ میں تجھے اٹھانے والا ہوں۔

كُنْتَ اَنْتَ اس میں اَنْتَ تاکید کے لیے ہے اور الرقیبَ کنت کی خبر ہے اس کا معنی ہے ان پر نگران تھا، ان کو جاننے والا تھا اور ان کے افعال کا مشاہدہ کرنے والا تھا اس کی اصل المراقبۃ ہے یعنی تاڑنا، نگرانی کرنا۔ اسی سے مرقبہ ہے کیونکہ وہ رقیب میں بلند جگہ پر ہوتی ہے۔ وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ یعنی میری بات اور ان کی بات کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ بعض علماء

نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو نافرمان اور اطاعت شعار کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کے لیے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون جمع کیے جاؤ گے جس طرح ہم نے ابتدا میں مخلوق کو پیدا کیا تھا ہم اسی طرح اسے لوٹائیں گے یہ ہم پر وعدہ ہے، بے شک ہم ایسا کرنے والے ہیں، خبردار! سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، خبردار! میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا پھر انہیں دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، میں کہوں گا: یا رب! یہ میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا: آپ نہیں جانتے جو کچھ انہوں نے آپ کے بعد اپنی طرف سے دین میں اختراع کیا، پھر میں اسی طرح کہوں گا جس طرح صالح بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا: وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۗ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فرمایا مجھے کہا جائے گا یہ مرتد ہو گئے تھے جب سے آپ ان سے جدا ہوئے'' (1)۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ یہ بھی شرط اور جواب شرط ہیں اور وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ یہ بھی شرط اور جواب شرط ہیں۔ نسائی نے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت کو ساری رات قیام میں پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی وہ آیت یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (2)، اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے مہربانی اور لطف طلب کرنے کے لیے کہا: جس طرح ایک سردار اپنے غلام کے لیے رحمت طلب کرتا ہے، اسی وجہ سے فإنّهم عصوك نہیں کہا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے امر کو تسلیم کرنے کے اعتبار سے کہا اور عذاب سے پناہ طلب کرنے کے لیے کہا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کافر کو نہیں بخشے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ میں ھم ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جو کفر پر مر گئے تھے اور اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ میں ھم ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جنہوں نے موت سے پہلے توبہ کر لی تھی۔ یہ بہتر قول ہے۔ رہا ان کا قول جنہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے تھے کہ کافر کی بخشش نہیں ہوتی یہ ایسا قول ہے کہ کتاب اللہ پر جرأت کی گئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اخبار منسوخ نہیں ہوتی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ انہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اور آپ کے بعد انہوں نے ایسے اعمال کیے ہیں جن کا آپ نے حکم نہیں دیا تھا مگر وہ دین کے عمود (ستون) پر تھے، پس عرض کی: وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ یعنی اگر تو میرے بعد کے گناہ معاف کرے اور کہا: فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہ نہیں کہا: فإنّك أنت الغفور الرحيم۔ کیونکہ واقعہ تسلیم امر کا تقاضا کرتا ہے اور حکم اس کی طرف تفویض کرنے کا

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 2096
2۔ ایضاً، حدیث نمبر 21387

تقاضا کرتا ہے اگر آپ فانك انت الغفور الرحیم کہتے تو یہ وہم ہوتا کہ آپ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے جو شرک پر مرے ہیں اور یہ محال ہے، تقدیر اس طرح ہے کہ اگر تو انہیں باقی رکھے کفر پر حتیٰ کہ یہ مرجائیں اور تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں توحید کی ہدایت دے اور اپنی اطاعت کی توفیق دے پھر تو انہیں بخش دے تو تو ایسا غالب ہے کہ کوئی چیز تجھے تیرے ارادے سے روک نہیں سکتی۔ الْحَكِيْمُ جو تو کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ایک جماعت نے فإنك أنت الغفور الرحیم پڑھا ہے۔ یہ قرآن میں سے نہیں ہے۔ یہ قاضی عیاض نے شفاء میں ذکر کیا ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: قرآن پر اس نے طعن کیا جس نے کہا: فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کا ارشاد وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ کے مناسب نہیں، کیونکہ مغفرت کے مناسب فإنك أنت الغفور الرحیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال نہیں رکھتا مگر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا جب اس کی طرف اس کو نقل کیا جائے جس کی طرف اس نے نقل کیا تو معنی میں ضعف ہو گیا، کیونکہ الغفور الرحیم منفرد شرط ثانی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے شرط اول کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا اور وہ اس پر ہے جو اللہ نے نازل کیا۔ اس کی قرأت پر مسلمانوں کا اجماع ہے یہ دونوں شرطوں سے متصل ہے کیونکہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تو انہیں عذاب دے تو تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر تو انہیں بخش دے تو تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے (یعنی) دونوں امور تعذیب اور غفران میں تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اپنے عموم کی وجہ سے یہاں عزیز و حکیم ہی بہتر ہے، کیونکہ یہ دونوں شرطوں کو جامع ہے جب کہ الغفور الرحیم یہاں درست نہیں کیونکہ یہ عموم کا احتمال نہیں رکھتا جس عموم کا احتمال الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ رکھتا ہے اور پوری آیت میں جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کا عدل اور اس کی ثنا اور مذکورہ دو شرطیں موجود ہیں اس کے اعتبار سے عزیز و حکیم ہی اولیٰ ہے بنسبت ان اسماء کے جو بعض کلام کے مطابق ہوں اور بعض کے نہ ہوں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے طریق سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کا یہ قول تلاوت کیا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ابراہیم) اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور رحیم ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کیا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی: اللھم امتی اے اللہ! میری امت کو بخش دے، پھر رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا اور تیرا رب بہتر جانتا ہے اور اس سے پوچھ کہ تجھے کون سی چیز رلا رہی ہے؟ جبریل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہی سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا جو انہوں نے کہا...... اللہ بہتر جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا اور اسے یہ خوشخبری دے کہ ہم تجھے تیری امت کے معاملے میں خوش کریں گے اور تجھے پریشان نہیں کریں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا معنی ہے

اگر تو انہیں عذاب دے تو تو غالب، حکمت والا ہے اور اگر تو انہیں بخش دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ کلام کی اپنے نسق پر توجیہ اولیٰ ہے جیسا کہ ہم نے بیان کی ہے۔ وباللہ التوفیق

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''فرمایا اللہ تعالیٰ نے: یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ، ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے یہی ہے بڑی کامیابی۔ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ یعنی دنیا میں جو ان کا صدق تھا، رہا آخرت میں تو اس میں صدق نفع نہیں دے گا۔ دنیا میں صدق، اس میں احتمال ہے کہ عمل میں اللہ کے لیے صدق ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے بارے کذب اور جھوٹ کو ترک کیا۔ اس دن میں انہیں صدق نفع دے گا اگرچہ صدق ہر دن نفع دیتا ہے، یہ اس لیے فرمایا: کیونکہ اس میں جزا کا وقوع ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد آخرت میں ان کا صدق ہے۔ یہ انبیاء کرام کی شہادت دینا ہے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی۔ اور جو اپنے نفسوں پر اعمال کی صحیح صحیح گواہی دیں گے، اس دن میں سچ کے نفع کی وجہ یہ ہوگی کہ گواہی کو چھپانا ترک کرنے کی وجہ سے مواخذہ ان سے روک لیا جائے گا اور انبیاء کا اقرار کرنے اور اپنے نفسوں پر شہادت کی وجہ سے انہیں بخش دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نافع اور ابن محیصن نے یوم کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، باقی قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قرأت واضح ہے۔ یہ مبتدا اور خبر کی بنا پر ہے پس يَوْمُ يَنْفَعُ، ھذا کی خبر ہے اور جملہ قول کی وجہ سے محل نصب میں ہے، رہا نافع اور ابن محیصن کی قرأت، تو ابراہیم بن حمید نے محمد بن یزید سے روایت کیا ہے کہ یہ قرأت جائز نہیں، کیونکہ مبتدا کی خبر کو نصب دی گئی ہے اور اس میں بنا جائز نہیں۔ ابراہیم بن سری نے کہا: یہ اس معنی میں جائز ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو سچ نفع دے گا۔ اور یوم، قول کی ظرف ہے اور ھذ قول کا مفعول ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: قال اللہ ھذا القول فی یوم ینفع الصادقین۔ بعض نے فرمایا: تقدیر عبارت یہ ہے: قال اللہ تعالیٰ ھذہ الاشیاء تنفع یوم القیامۃ۔ کسائی اور فراء نے کہا: یہاں یوم مبنی بر نصب ہے، کیونکہ یہ اسم کے علاوہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے جیسے تو کہتا ہے: مضی یومئذ۔ کسائی نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے:

علی حینَ عاتبتُ المشِیبَ علی الصِّبا　　وقلتُ أَلَمّا أَصْحُ والشَّیْبُ وازِعُ (1)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 264، دار الکتب العلمیہ بیروت

زجاج نے کہا: بصری اس کو جائز قرار نہیں دیتے جو فراء اور کسائی نے کہا ہے جب ظرف فعل مضارع کی طرف مضاف ہو، اگر فعل ماضی ہو تو صحیح ہوتا ہے جیسا کہ شعر میں گزرا ہے۔ فعل کو ظروف زمان کی طرف مضاف کرنا جائز ہے، کیونکہ فعل بمعنی مصدر ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف منصوب ہو اور اس مبتدا کی خبر ہو جو ھذا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ حدث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ظروف زمان، احداث کے متعلق اخبار ہوتے ہیں، تو کہتا ہے: القتال الیوم، الخروج الساعۃ اور جملہ قول کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ ھذا مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہو اور یوم مبتدا کی خبر ہو اور اس میں عامل محذوف ہو، تقدیر اس طرح ہوگی: قال اللہ ھذا الذی قصصناہ یقع یوم ینفع الصادقین صدقھم۔ اس میں تیسری قرأت بھی ہے۔ یومٌ ینفع یعنی تنوین کے ساتھ۔ اس صورت میں کلام میں حذف ہوگا تقدیر عبارت فیہ ہوگی جیسے اس ارشاد میں ہے: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا (بقرہ: 48) یہ اعمش کی قرأت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهُمْ جَنّٰتٌ یہ مبتدا خبر ہیں۔ تَجْرِيْ یہ صفت ہے۔ مِنْ تَحْتِهَا یعنی اس کے محلات اور اشجار کے نیچے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا ثواب بیان فرمایا کہ وہ ان سے ایسا راضی ہے کہ اس کے بعد کبھی غضب نہ ہوگا۔ وَ رَضُوْا عَنْهُ وہ اس جزا سے راضی ہوں گے جو اس نے انہیں عطا فرمائی۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ کامیابی۔ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ جس کی خیر عظیم اور کثیر ہو، اس کو حاصل کرنے والے کی منزلت مرفوع ہوئی اور بلند ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ یہ آیت اس کے بعد ذکر فرمائی جو نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الہ کا دعویٰ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اس کے لیے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسری مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ وہ ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وہ باغات عطا فرمائے گا جس کا ذکر اس نے اپنے اطاعت شعار بندوں کے لیے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور کرم سے ہمیں بھی ان لوگوں سے کردے۔ سورۂ مائدہ مکمل ہوئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

سورۃ الانعام

آیاتہا ۱۶۵ ۶ سورۃ الانعام مکیۃ ۵۵ رکوعاتہا ۲۰

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یہ سورت مکی ہے سوائے دو آیتوں کے وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ۔ یہ مالک بن صیف اور کعب بن اشرف یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی (۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ۔ یہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن جریج نے کہا: یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی۔ یہ ماوردی نے کہا: ثعلبی نے کہا: سورت انعام مکی ہے مگر چھ آیات مدنی ہیں: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ سے لے کر تین آیات تک۔ اور قُلۡ تَعَالَوۡا سے لے کر تین آیات تک۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ آیات محکمات ہیں۔ ابن عربی نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ یہ مکہ میں عرفہ کے دن نازل ہوا۔ ان تمام کے بارے میں کلام ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

حدیث میں ہے یہ تمام سورت اکٹھی نازل ہوئی، سوائے چھ آیات کے اور اس کو ستر ہزار فرشتے لے کر آئے، ایک آیت کے ساتھ بارہ ہزار فرشتے تھے اور وہ یہ آیت ہے وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وہ فرشتے اس آیت کو رات کے وقت لے کر آئے، وہ بلند آواز سے تسبیح وتحمید کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کو ہی کاتبان وحی کو بلایا، پھر انہوں نے اسے لکھا۔ ابوجعفر نحاس نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے ہمیں محمد بن یحییٰ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابوحاتم روح بن الفرج نے بتایا جو حضارمہ کے مولی تھے انہوں نے کہا ہمیں احمد بن محمد ابوبکر عمری نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابن ابی فدیک نے بتایا انہوں نے کہا مجھے عمر بن طلحہ بن علقمہ بن وقاص نے بتایا انہوں نے نافع ابی سہل بن مالک سے روایت کیا انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سورۂ انعام نازل ہوئی تو اس کے ساتھ فرشتوں کا قافلہ تھا جنہوں نے افق کو گھیرا ہوا تھا''۔ وہ بلند آواز سے تسبیح کر رہے تھے اور زمین ان کے لیے تنگ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہا(1)۔ دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: سورۂ انعام قرآن کی فاضل سورتوں میں سے ہے۔ حضرت کعب سے اسی کتاب میں مروی ہے فرمایا: تورات کا آغاز وہی ہے جو سورۂ انعام کا ہے اور تورات کا خاتمہ وہ ہے جو سورۂ ہود کا ہے۔ یہی وہب بن منبہ کا قول ہے۔ مہدوی نے ذکر کیا کہ مفسرین نے فرمایا: تورات کا آغاز اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ سے ہے اور اختتام اس ارشاد سے ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ لَمۡ يَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ شَرِيۡكٌ فِي الۡمُلۡكِ الخ۔ (الاسراء: 111)

1۔ الاوسط للطبرانی، 6443

ثعلبی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جس نے سورۃ انعام کی پہلی تین آیات وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ تک تلاوت کیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو چالیس ہزار فرشتوں کے سپرد کرتا ہے جو اس کے لیے اپنی عبادت کی مثل قیامت تک ثواب لکھتے رہتے ہیں اور ساتویں آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے جس کے ساتھ ایک لوہے کا گرز ہوتا ہے جب شیطان اس شخص کو وسوسہ میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے یا اس کے دل میں کوئی برا خیال ڈالنا چاہتا ہے تو وہ فرشتہ شیطان کو وہ گرز مارتا ہے، پس اس کے اور شیطان کے درمیان ستر حجابات ہو جاتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو میرے (عرش کے) سایہ میں چل جس دن میرے (عرش کے) سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے اور میرے جنت کے پھلوں سے کھا اور کوثر کے پانی سے پی اور سلسبیل کے پانی سے غسل کر اور تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں'' (1)۔

بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے فرمایا جب تجھے پسند ہو کہ تو عرب کی جہالت کو جان لے تو سورہ انعام کی ایک سو تیس سے اوپر آیات تلاوت کر قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۴۰۔

تنبیہ: علماء نے فرمایا: یہ سورت مشرکین، اور بدعتی لوگوں اور بعث و نشور کو جھٹلانے والے لوگوں کے خلاف حجت قائم کرنے میں اصل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ یہ یکبارگی نازل ہو، کیونکہ یہ حجت کے اعتبار سے ایک مفہوم ہے اگرچہ بہت سی وجوہ کے اعتبار سے اس کا انداز مختلف ہے فرمایا: اس پر متکلمین نے اصول دین کی بنیاد رکھی، کیونکہ ایسی واضح آیات ہیں کہ جو قدریوں کا رد کرتی ہیں، ان سورتوں کے علاوہ جو ذکر کی گئی ہیں۔ مزید بیان ان شاء اللہ توفیق الٰہی سے آگے آئے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو پھر بھی جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اس سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف سے کیا اور اپنی الوہیت کے اثبات سے کیا یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے علاوہ سورتوں کا آغاز بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے ساتھ ہے، ایک پر اکتفا باقی تمام سے مستغنی کر دیتا ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کا اپنی جگہ ایک معنی ہے دوسرا مقام اس کو ادا نہیں کرتا، کیونکہ مختلف نعمتوں کے ساتھ اس کو گرہ لگائی ہے نیز اس میں ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ کا معنی سورۃ فاتحہ میں گزر چکا ہے۔

1۔ درمنثور، تعارف سورۃ

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، علم اور ارادہ کی خبر دی ہے، فرمایا: جس نے پیدا کیا۔ کبھی خلق بمعنی اختراع ہوتا ہے اور کبھی بمعنی تقدیر ہوتا ہے، یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے یہاں یہ دونوں معنی مراد ہیں یہ آسمانوں اور زمین کے حدوث پر دلیل ہے، اس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے بلند کیا اور بغیر کجی کے برابر پیدا فرمایا ان میں چاند اور سورج کو دو نشانیاں بنایا اور انہیں ستاروں کے ساتھ مزین کیا اور ان میں بادلوں کو ودیعت کیا، زمین کو پھیلایا اور اس میں رزق اور نبات کو ودیعت رکھا اور ان میں ہر جانور کو بطور آیات پھیلایا اس میں پہاڑوں کو کیل کے طور پر اور راستے بنائے اور ان میں نہریں اور دریا جاری فرمائے اور پتھروں سے چشمے جاری فرمائے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہیں اور اس کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں اور وہ اللہ واحد اور قہار ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو بیان کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ مسلم نے فرمایا: مجھے شریح بن یونس اور ہارون بن عبداللہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں حجاج بن محمد نے بتایا انہوں نے کہا ابن جریج نے کہا مجھے اسماعیل بن امیہ نے بتایا انہوں نے ایوب بن خالد سے روایت کیا انہوں نے عبداللہ بن رافع مولی ام سلمۃ سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے پکڑا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا اور اس میں پہاڑ اتوار کے روز پیدا کیے اور درختوں کو سوموار کے دن پیدا کیا اور مکروہ کو منگل کے روز پیدا کیا نور کو بدھ کے روز پیدا کیا اور جمعرات کو زمین میں جانور پھیلائے اور جمعہ کے روز ساری مخلوق سے آخر میں جمعہ کی آخری گھڑی میں عصر کے بعد رات تک کے درمیان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا'' (1)۔

میں کہتا ہوں: علماء نے اس حدیث کو اس سورت کے آغاز کے لیے تفسیر کے طور پر ذکر کیا ہے، بیہقی نے کہا: محدثین نے کہا ہے کہ یہ غیر محفوظ ہے، کیونکہ اہل تفسیر اور اہل تاریخ کے نظریہ کے مخالف ہے۔ بعض علماء نے کہا: اسماعیل بن امیہ نے ابراہیم بن یحییٰ سے انہوں نے ایوب بن خالد سے روایت کی ہے اور ابراہیم سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ محمد بن یحییٰ نے ذکر کیا ہے فرمایا: میں نے علی بن مدینی سے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث (اللہ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا الخ) کے متعلق پوچھا تو علی نے کہا: یہ حدیث مدنی ہے۔ اس کو ہشام بن یوسف نے ابن جریج سے انہوں نے اسماعیل بن امیہ سے انہوں نے ایوب بن خالد سے انہوں نے ابو رافع مولیٰ سلمہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا...... علی نے فرمایا: ابراہیم بن ابی یحییٰ نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا: ایوب بن خالد نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا: عبداللہ بن رافع نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا حضرت ابو ہریرہ نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا: ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے روز پیدا فرمایا''۔ پھر اسی طرح حدیث ذکر کی۔

علی بن مدینی نے کہا: میرا خیال ہے اسماعیل بن امیہ نے یہ امر ابراہیم بن ابی یحییٰ سے حاصل کیا ہے، بیہقی نے کہا: اس

1۔ صحیح مسلم، صفة المنافقین و احکامهم، جلد 2، صفحہ 371

ثعلبی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جس نے سورۃ انعام کی پہلی تین آیات وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ تک تلاوت کیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو چالیس ہزار فرشتوں کے سپرد کرتا ہے جو اس کے لیے اپنی عبادت کی مثل قیامت تک ثواب لکھتے رہتے ہیں اور ساتویں آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے جس کے ساتھ ایک لوہے کا گرز ہوتا ہے جب شیطان اس شخص کو وسوسہ میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے یا اس کے دل میں کوئی برا خیال ڈالنا چاہتا ہے تو وہ فرشتہ شیطان کو وہ گرز مارتا ہے، پس اس کے اور شیطان کے درمیان ستر حجابات ہو جاتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو میرے (عرش کے) سایہ میں چل جس دن میرے (عرش کے) سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے اور میرے جنت کے پھلوں سے کھا اور کوثر کے پانی سے پی اور سلسبیل کے پانی سے غسل کر اور تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں'' (1)۔

بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے فرمایا جب تجھے پسند ہو کہ تو عرب کی جہالت کو جان لے تو سورہ انعام کی ایک سو تیس سے اوپر آیات تلاوت کر قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ۝۱۴۰ -

تنبیہ: علماء نے فرمایا: یہ سورت مشرکین، اور بدعتی لوگوں اور بعث ونشور کو جھٹلانے والے لوگوں کے خلاف حجت قائم کرنے میں اصل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ یہ یکبارگی نازل ہو، کیونکہ یہ حجت کے اعتبار سے ایک مفہوم ہے اگرچہ بہت سی وجوہ کے اعتبار سے اس کا انداز مختلف ہے فرمایا: اس پر متکلمین نے اصول دین کی بنیاد رکھی، کیونکہ ایسی واضح آیات ہیں کہ جو قدریوں کا رد کرتی ہیں، ان سورتوں کے علاوہ جو ذکر کی گئی ہیں۔ مزید بیان ان شاء اللہ توفیق الٰہی سے آگے آئے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو پھر بھی جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اس سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف سے کیا اور اپنی الوہیت کے اثبات سے کیا یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے علاوہ سورتوں کا آغاز بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے ساتھ ہے، ایک پر اکتفا باقی تمام سے مستغنی کر دیتا ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کا اپنی جگہ ایک معنی ہے دوسرا مقام اس کو ادا نہیں کرتا، کیونکہ مختلف نعمتوں کے ساتھ اس کو گرہ لگائی ہے نیز اس میں ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ کا معنی سورۂ فاتحہ میں گزر چکا ہے۔

1۔ درمنثور، تعارف سورۃ

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، علم اور ارادہ کی خبر دی ہے، فرمایا: جس نے پیدا کیا۔ کبھی خلق بمعنی اختراع ہوتا ہے اور کبھی بمعنی تقدیر ہوتا ہے، یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے یہاں یہ دونوں معنی مراد ہیں یہ آسمانوں اور زمین کے حدوث پر دلیل ہے، اس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے بلند کیا اور بغیر کجی کے برابر پیدا فرمایا ان میں چاند اور سورج کو دو نشانیاں بنایا اور انہیں ستاروں کے ساتھ مزین کیا اور ان میں بادلوں کو ودیعت کیا، زمین کو پھیلایا اور اس میں رزق اور نبات کو ودیعت رکھا اور ان میں ہر جانور کو بطور آیات پھیلایا اس میں پہاڑوں کو کیل کے طور پر اور راستے بنائے اور ان میں نہریں اور دریا جاری فرمائے اور پتھروں سے چشمے جاری فرمائے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہیں اور اس کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں اور وہ اللہ واحد اور قہار ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو بیان کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ مسلم نے فرمایا: مجھے شریح بن یونس اور ہارون بن عبد اللہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں حجاج بن محمد نے بتایا انہوں نے کہا ابن جریج نے کہا مجھے اسماعیل بن امیہ نے بتایا انہوں نے ایوب بن خالد سے روایت کیا انہوں نے عبد اللہ بن رافع مولی ام سلمہ سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ سے پکڑا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا اور اس میں پہاڑ اتوار کے روز پیدا کیے اور درختوں کو سوموار کے دن پیدا کیا اور مکروہ کو منگل کے روز پیدا کیا نور کو بدھ کے روز پیدا کیا اور جمعرات کو زمین میں جانور پھیلائے اور جمعہ کے روز ساری مخلوق سے آخر میں جمعہ کی آخری گھڑی میں عصر کے بعد رات تک کے درمیان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا'' (1)۔

میں کہتا ہوں: علماء نے اس حدیث کو اس سورت کے آغاز کے لیے تفسیر کے طور پر ذکر کیا ہے، بیہقی نے کہا: محدثین نے کہا ہے کہ یہ غیر محفوظ ہے، کیونکہ اہل تفسیر اور اہل تاریخ کے نظریہ کے مخالف ہے۔ بعض علماء نے کہا: اسماعیل بن امیہ نے ابراہیم بن یحییٰ سے انہوں نے ایوب بن خالد سے روایت کی ہے اور ابراہیم سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ محمد بن یحییٰ نے ذکر کیا ہے فرمایا: میں نے علی بن مدینی سے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث (اللہ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا الخ) کے متعلق پوچھا تو علی نے کہا: یہ حدیث مدنی ہے۔ اس کو ہشام بن یوسف نے ابن جریج سے انہوں نے اسماعیل بن امیہ سے انہوں نے ایوب بن خالد سے انہوں نے ابو رافع مولیٰ سلمہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا...... علی نے فرمایا: ابراہیم بن ابی یحییٰ نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا: ایوب بن خالد نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا: عبد اللہ بن رافع نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا حضرت ابو ہریرہ نے میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور انہوں نے مجھے کہا: ابو القاسم ﷺ نے میرے ہاتھ کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے روز پیدا فرمایا''۔ پھر اسی طرح حدیث ذکر کی۔

علی بن مدینی نے کہا: میرا خیال ہے اسماعیل بن امیہ نے یہ امر ابراہیم بن ابی یحییٰ سے حاصل کیا ہے، بیہقی نے کہا: اس

1۔ صحیح مسلم، صفۃ المنافقین واحکامھم، جلد 2، صفحہ 371

میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی نے ایوب بن خالد سے روایت کرنے میں اس کی متابعت کی ہے مگر موسیٰ بن عبیدۃ ضعیف ہے۔ بکر بن شرود سے مروی ہے انہوں نے ابراہیم بن ابی یحییٰ سے انہوں نے صفوان بن سلیم سے انہوں نے ایوب بن خالد سے...... اس کی سند ضعیف ہے...... انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے میں اس کی موافقت نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اسے وہ سوال عطا فرما دیتا ہے''۔ فرمایا: حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کا آغاز کیا، اتوار اور سوموار کے روز زمین کو پیدا کیا، منگل کے دن اور بدھ کے دن آسمانوں کو پیدا کیا اور خوراک اور جو کچھ زمین میں ہے اسے جمعرات اور جمعہ کے دن کی عصر تک کے وقت میں پیدا کیا اور عصر کی نماز اور سورج کے غروب ہونے کے وقت کے درمیان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن نہیں اتوار کے روز مخلوق کو پیدا کیا۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں حضرت ابن مسعود اور دوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے مروی ہے۔ یہ اختلاف تفصیلاً گزر چکا ہے کہ زمین کو پہلے پیدا فرمایا یا آسمان کو پہلے پیدا فرمایا۔ الحمد للہ

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ جواہر کی تخلیق کے ذکر کے بعد اعراض کی تخلیق کا ذکر کیا، کیونکہ جوہر، عرض سے مستغنی نہیں ہوتا اور جو حوادث سے مستغنی نہیں ہوتا وہ حادث ہوتا ہے، جوہر متکلمین کی اصلاح میں اس جز کو کہتے ہیں جس کا آگے جز نہیں بنتا جو عرض کا جامع ہوتا ہے۔ ہم نے یہ بحث اپنی کتاب ''الاسنی فی شرح الاسماء الحسنی'' میں الواحد اسم کے تحت ذکر کی ہے۔ اور عرض کو عرض اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ یہ جوہر اور جسم کو لاحق ہوتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتا ہے۔ جسم مجتمع ہوتا ہے اور کم از کم جس پر جسم کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے جو مجتمع جوہر ہیں یہ اصطلاحات ہیں اگرچہ صدر اول میں موجود نہیں تھیں، ان پر کتاب وسنت کا معنی دلالت کرتا ہے، ان کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، ان کو علماء نے استعمال کیا ہے ان پر اصطلاح قائم کی ہے اور ان پر اپنے کلام کی بنیاد رکھی ہے اور ان کے ساتھ مخالفین کو نیست و نابود کیا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ علماء کا الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرَ کے معنی میں اختلاف ہے۔ سدی، قتادہ اور جمہور مفسرین نے کہا: اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد کفر اور ایمان ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ظاہر سے خروج ہے (2)۔

میں کہتا ہوں: لفظ اس معنی کو بھی شامل ہے قرآن حکیم میں ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ (انعام: 122) کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لیے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو۔

اس آیت میں الْاَرْضَ جنس کے لیے ہے، لفظ مفرد ہے لیکن مراد جمع ہے۔ اسی طرح النُّوْرَ ہے اس کی مثال یہ ارشاد:

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 17151　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 266

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (غافر:67) شاعر نے کہا:

كُلُوا فِي بَعْضِ بَطْنِكُمْ تَعِفُّوا

یہ پہلے گزر چکا ہے۔

یہاں جعل بمعنی خلق ہے، اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں، یہ ابن عطیہ کا قول ہے (1)۔ میں کہتا ہوں: اس پر لفظ اور معنی نسق میں متفق ہیں جمع، جمع پر معطوف ہے اور مفرد، مفرد پر معطوف ہوتا ہے۔ پس لفظ ایک جیسے ہوتے ہیں اور فصاحت ظاہر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے فرمایا: الظُّلُمٰتِ کو جمع اور النُّوْرَ کو مفرد ذکر کیا، کیونکہ ظلمات متعدی نہیں ہوتی ہیں اور نور متعدی ہوتا ہے۔ ثعلبی نے حکایت کیا ہے کہ بعض اہل معانی نے کہا: یہاں جعل زائدہ ہے اور عرب جعل کو کلام میں زائدہ کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا:

قد جَعلتُ أَرَى الاثْنين أربعةً والواحد أثنينِ لَمَّا هَدَّنِي الكِبَرُ

نحاس نے کہا: جعل بمعنی خلق ہے جب یہ خلق کے معنی میں ہوتا ہے تو صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ یہ معنی پہلے گزر چکا ہے اور جعل کے محل پر سورۂ بقرہ میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۝ یہ مبتدا خبر ہیں۔ معنی یہ ہے پھر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک اور برابر ٹھہراتے ہیں، حالانکہ اس نے تنہا ان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ثم کفار کے فعل کی قباحت پر دلالت کر رہا ہے، کیونکہ مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ثابت ہے اور اس کی آیات پھیلی ہوئی ہیں اور اس کا انعام ظاہر ہے پھر اس کے بعد بھی وہ اپنے رب کا برابر ٹھہراتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جیسے تو کہتا ہے: اے فلاں! میں نے تجھے عطا کیا، میں نے تجھے عزت دی، میں نے تجھ پر احسان کیا، پھر تو مجھے گالی دیتا ہے۔ اگر اس میں واو وغیرہ کے ساتھ عطف ہوتا تو توبیخ اس طرح لازم نہ آتی جس طرح ثم کے ساتھ توبیخ لازم ہوتی ہے (2)۔ واللہ اعلم

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ۝

"اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر مقرر کی ایک میعاد اور ایک میعاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم شک کر رہے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ یہ آیت خبر ہے، اس کے مفہوم میں دو قول ہیں: ایک وہ ہے جو مشہور ہے اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور خلق سے مراد آپ کی نسل ہے اور فرع اپنے اصل کی طرف منسوب ہوتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: خَلَقَكُمْ جمع کی ضمیر ذکر فرمائی آپ کو خطاب فرمایا جب کہ وہ حضرت آدم کی اولاد ہیں۔ یہ حسن، قتادہ، ابن ابی نجیح، سدی، ضحاک اور ابن زید وغیرہم کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نطفہ (3) کو حقیقت میں اللہ نے مٹی سے پیدا فرمایا، پھر اسے تبدیل کیا حتیٰ کہ اس سے انسان بن گیا۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 266 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر کا پہلے ذکر فرمایا تو اس کے بعد عالم صغیر کا ذکر فرمایا اور وہ عالم صغیر انسان ہے اس میں وہ سب کچھ رکھا جو عالم کبیر میں ہے جیسا کہ ہم نے آیت توحید کے تحت سورۂ بقرہ میں بیان کیا ہے۔ ابونعیم الحافظ نے اپنی کتاب میں مرہ عن ابن مسعود کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرشتہ جو رحم پر متعین ہوتا ہے وہ نطفہ کو پکڑتا ہے پھر اپنی ہتھیلی پر رکھتا ہے، پھر کہتا ہے: اے رب! اس کے اعضاء مکمل بنانے ہیں یا نامکمل بنانے ہیں؟ اگر مکمل بنانے کا ارشاد ہوتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے اس کا رزق کیا ہے؟ اس کا اثر کیا ہے؟ اس کی عمر کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے: ام الکتاب میں دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں وہ اس کا رزق، اس کا اثر، اس کی عمر اور اس کا عمل دیکھتا ہے اور پھر وہ ایسی جگہ کی مٹی پکڑتا ہے جس جگہ اسے دفن ہونا ہے، پس اس مٹی کے ساتھ اس نطفہ کو گوندھتا ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (طٰہٰ:55) سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے تخریج کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بچہ نہیں ہوا مگر اس پر اس کی قبر کی مٹی سے چھڑکاؤ کیا گیا'' (1)۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر ہر انسان مٹی اور ماء مہین سے پیدا کیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں خبر دی ہے۔ پس آیات اور احادیث موافق ہو جائیں گی اور تعارض اور اشکال اٹھ جائے گا۔ واللہ اعلم۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق اخبار سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں، یہاں ہم کچھ مزید ان کی صفات، عمر اور وفات وغیرہ کے متعلق ذکر کرتے ہیں۔

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں'' (2)۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایسی زمین سے پیدا کیا جسے دجناء کہا جاتا ہے''۔ حسن نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کا سینہ ضریۃ سے پیدا کیا گیا۔ جوہری نے کہا: ضریۃ بنی کلاب کا ایک شہر ہے جو بصرہ کے راستہ پر ہے یہ مکہ کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھیجا تو اس نے زمین کی سطح سے مٹی اور نمکین مٹی سے کچھ اٹھایا اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا گیا پس جو اس کی میٹھی مٹی سے تخلیق کیا گیا وہ جنت کی طرف جانے والا ہے اگرچہ وہ کافر کا بیٹا بھی ہو اور جو اس کی نمکین مٹی سے تخلیق کیا گیا وہ آگ کی طرف جانے والا ہے اگرچہ وہ کسی متقی کا بیٹا بھی ہو، اسی وجہ سے ابلیس نے کہا تھا: کیا میں اسے سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ کیونکہ وہ مٹی وہی لایا تھا، پھر آپ کا نام آدم رکھا گیا، کیونکہ انہیں أدیم الارض (زمین کی سطح) سے پیدا کیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن کے آخر میں پیدا کیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس کا سر آسمان کو چھوتا تھا...... فرمایا ...... پھر اسے زمین کی طرف جھکایا حتیٰ کہ وہ ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے ہو گئے۔ حضرت ابن عباس سے

1۔ حلیۃ الاولیاء، جلد 2، صفحہ 280

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 159۔ ایضاً سنن ابی داؤد، باب التفاخر بالاحساب، حدیث 4452، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مروی ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس کا سر آسمان کو چھوتا تھا...... فرمایا...... پھر اسے زمین کی طرف جھکایا حتیٰ کہ وہ ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے ہو گئے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام بہت زیادہ لمبے، گھنگھریالے بالوں والے تھے گویا لمبی کھجور ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے ان کی حدیث میں طول کا ذکر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ہند سے مکہ کی طرف پیدل چالیس حج کیے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جب اتارا گیا تو ان کا سر آسمان کو چھوتا تھا اسی وجہ سے وہ گنجے ہو گئے اور آپ کی اولاد بھی گنجی ہوتی ہے، آپ کے قد کی طوالت کی وجہ سے خشکی کے جانور بھاگ گئے اور اس دن سے وہ وحشی بن گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وصال نہ ہوا حتیٰ کہ ان کی اولاد کی اولاد کی اولاد چالیس ہزار ہوگئی۔ آپ نے اس پہاڑ کی چوٹی پر وصال فرمایا جس پر آپ اترے تھے، حضرت شیث علیہ السلام نے جبریل سے کہا: آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھاؤ۔ جبریل نے حضرت شیث علیہ السلام سے کہا: تم آگے بڑھو اور اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھاؤ اور ان پر تیس تکبیریں کہو، پانچ تو نماز جنازہ کی ہیں اور پچیس حضرت آدم علیہ السلام کی فضلیت کے لیے ہیں۔ بعض نے کہا: اس پر چار تکبیریں کہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک غار میں رکھا اور اس پر محافظ مقرر کیے تا کہ قابیل کے بیٹوں میں سے کوئی ان کے قریب نہ آئے۔ جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آتے تھے اور آپ کے لیے استغفار کرتے تھے وہ حضرت شیث علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ حضرت آدم کی عمر نو سو چھتیس سال تھی۔ کہا جاتا ہے: کیا اس آیت میں دلیل ہے کہ جوہر ایک جنس سے ہیں؟ اس کا جواب ہے: ہاں، کیونکہ جب مٹی زندہ، قادر، علیم انسان بن سکتی ہے تو جواہر کا بھی ہر حال کی طرف تبدیل ہونا جائز ہے، کیونکہ حکم میں عقل برابری کا تقاضا کرتی ہے پتھروں کا انسان کی طرف بدلنا جائز اور صحیح ہے اس کی دلیل یہی آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا، اَجَلًا مفعول ہے۔ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ مبتدا خبر ہے۔ ضحاک نے کہا: اجلاً سے مراد موت ہے وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ سے مراد قیامت کی مدت ہے۔ اس بنا پر معنی یہ ہوگا کہ اس نے مدت کا فیصلہ فرمایا اور اس نے تمہیں بتایا کہ تم نے موت تک ٹھہرنا ہے اور اس نے تمہیں قیامت کی مدت کے بارے آگاہ نہیں کیا۔ حسن، مجاہد، عکرمہ، خصیف، قتادہ نے کہا: یہ حسن کے الفاظ ہیں: جس دن اس نے تجھے پیدا کیا اس دن سے دنیا کی مدت کا تیرے مرنے تک کا فیصلہ کیا (1)۔ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ یعنی آخرت کی مدت اس کے پاس ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: قَضٰۤى اَجَلًا یعنی ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى آخرت کی مدت کا علم اس کے پاس ہے۔ بعض نے فرمایا: قَضٰۤى اَجَلًا اس سے مراد وہ ہے جو ہم چاند اور کھیتی باڑی کے اوقات جانتے ہیں۔ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى سے مراد موت کی مدت ہے انسان نہیں جانتا کہ وہ کب مرے گا۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: آیت کا معنی یہ ہے کہ قَضٰۤى اَجَلًا دنیا کی موت کا فیصلہ فرمایا۔ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ آخرت کی ابتدا کا فیصلہ اس کے پاس ہے (2)۔ بعض علماء نے کہا: پہلی اجل سے مراد نیند میں روحوں کو قبض کرنا ہے اور دوسری اجل سے مراد موت کے وقت روح کا قبض کرنا ہے۔ حضرت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 266　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 267

ابن عباس سے بھی یہ مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ۝ یہ مبتدا خبر ہیں یعنی تم اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے میں شک کرتے ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تم شک کرنے والوں کے جھگڑا کی طرح جھگڑتے ہو۔ التماری کا معنی شک کی بنا پر جھگڑنا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۝ (النجم)

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۝ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝

''اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور تمہاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کمارہے ہو۔ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے مگر وہ ہوجاتے ہیں اس سے منہ پھیرنے والے۔ بے شک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس سو اب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ اس میں سوال یہ ہے کہ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ کا عامل کیا ہے، اس کے کئی جوابات ہیں: (۱) اس کا مطلب ہے ھو اللہ المعظم او المعبود فی السموات وفی الأرض۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی بلند شان والا یا معبود ہے جیسے تو کہتا ہے: زید الخلیفة فی الشرق والغرب۔ یعنی شرق وغرب میں اس کا حکم ہے۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں تدبیر کرنے میں منفرد ہے، جیسے تو کہتا ہے: ھو فی حاجات الناس وفی الصلاة۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہو، معنی یہ ہوگا: وھو اللہ فی السموات وھو اللہ فی الأرض۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ھو اللہ یعلم سرکم وجھرکم فی السموت وفی الأرض فلا یخفی علیه شیٔ۔ یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور زمین میں تمہارے اعلانیہ امور اور بھیدوں کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

نحاس نے کہا: یہ میرے نزدیک عمدہ قول ہے۔ محمد بن جریر نے کہا: وھو اللہ فی السلٰوات ویعلم سرکم وجھرکم فی الأرض پس یعلم دونوں صورتوں میں مقدم ہے۔ پہلا قول اشکال سے سلامت ہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حرکت، انتقال اور امکنہ کے شغل سے پاک ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۝ یعنی خیر وشر میں سے جو تم کماتے ہو۔ الکسب سے مراد نفع حاصل کرنے یا نقصان کو دور کرنے کے لیے فعل کرنا ہے اسی وجہ سے اللہ کے فعل کو کسب نہیں کہا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ یعنی علامت جیسے چاند کا پھٹنا وغیرہ۔ من جنس کے استغراق کے لیے ہے تو کہتا ہے: مافی الدار من احد گھر میں کوئی نہیں ہے۔ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ دوسرا من تبعضیة ہے۔ مُعْرِضِيْنَ۝ كَانُوْا کی خبر ہے۔ الاعراض سے مراد ان آیات میں غور وفکر کا ترک کرنا ہے جن کے ذریعے توحید پر استدلال کرنا ان پر واجب تھا جیسے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کی تخلیق کی علامت۔ یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ وہ قدیم، حیی اور تمام اشیاء سے غنی

ہے، قادر ہے جس کو کوئی چیز عاجز نہیں کرتی، عالم جس پر کوئی چیز مخفی نہیں جو اس نے معجزات اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قائم کیے ہیں تا کہ ان کے ذریعے اس کے لائے ہوئے پیغام کی صداقت پر استدلال کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقَدْ كَذَّبُوْا یعنی مشرکین مکہ نے جھٹلایا۔ بِالْحَقِّ یعنی قرآن۔ تو بعض علماء نے فرمایا: بِالْحَقِّ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ یعنی ان پر عذاب نازل ہوگا۔ الانباء سے مراد اخبار ہیں، یعنی عذاب، جیسے تیرا قول ہے: أصبر وسوف يأتيك الخبر تو صبر کر عنقریب تیرے پاس خبر (عذاب) آ جائے گی۔ اس سے مراد وہ ہے جو انہیں جنگ بدر وغیرہ میں تکلیف پہنچی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

”کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنہیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمہیں نہیں دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنا دیں نہریں جو بہتی تھیں ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے پھر بھی ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کر دی ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ، كَمْ، اَهْلَكْنَا کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اَلَمْ يَرَوْا کی وجہ سے منصوب نہیں، کیونکہ لفظ استفہام میں اس کا ماقبل اس میں عمل نہیں کرتا، اس کا مابعد اس میں عمل کرتا ہے، کیونکہ اس کا مقام صدر کلام ہے۔ معنی یہ ہے کہ کیا وہ عبرت حاصل نہیں کرتے پہلی قوموں سے جن کو ہم نے اس لیے ہلاک کیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تھا یعنی کیا انہوں نے اس کو نہیں پہچانا؟ القرن سے مراد لوگوں کی ایک امت ہے اس کی جمع القرون ہے۔ شاعر نے کہا:

إذا ذَهَبَ القرنُ الذی کنتَ فیهم وخُلِّفتَ فی قَرْنٍ فأنت غَرِیبُ

قَرْنٍ سے مراد اپنے زمانہ کے لوگ ہیں یہ اقتران سے مشتق ہے۔ یعنی بعض لوگ بعض سے ملے ہوئے ہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر الناس قرنی (1) یعنی لوگوں میں سے بہتر میرے اصحاب ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اس کے متعلق کہا گیا ہے اس میں سے اصح یہی قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد اهل قرن ہے۔ اهل کو حذف کیا گیا ہے جیسے وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) میں اهل حذف ہے۔ اس بنا پر قرن سے مراد زمانہ کی ایک مدت ہوگی۔ بعض نے فرمایا: یہ ساٹھ سال ہیں۔ بعض نے فرمایا: ستر سال ہیں۔ بعض نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 1، صفحہ 362

فرمایا: اسی سال ہیں۔ بعض نے فرمایا سو سال ہیں۔ اکثر اصحاب حدیث کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سو سال ہیں اور انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن بسر سے کہا: تعیش قرنا تو سو سال زندہ رہے (1)۔ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ القرن کی اصل ظاہر ہونے والی چیز جیسے قرن مالہ، قرن من الحیوان، حیوان کا سینگ۔

مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ یہ غائب سے خطاب کی طرف خروج ہے اس کا عکس یہ ہے حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ (یونس:22) اس آیت میں پہلے خطاب تھا، پھر غائب کی ضمیر ذکر فرمائی۔ اہل بصرہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے قول اَلَمْ يَرَوْا کے ساتھ ان کے متعلق خبر دی اور ان میں حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب موجود تھے، پھر انہیں ان کے ساتھ خطاب کیا۔ عرب کہتے ہیں: قلت لعبد اللہ ما أکرمہ وقلتُ لعبد اللہ ما أکرمکَ اگر غیب کے صیغہ پر آتا تو مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ ہوتا مکنہ اور مکن لہ دونوں جائز ہیں اس میں دونوں لغتیں ہیں یعنی ہم نے دنیا سے انہیں وہ عطا کیا جو تمہیں عطا نہیں کیا۔

وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا اس سے مراد موسلا دھار بارش ہے، اس کو السماء سے تعبیر فرمایا، کیونکہ بارش آسمان سے آتی ہے شاعر کا قول ہے:

وإذَا سَقَطَ السَّمَاءُ بأرضِ قومٍ

مِّدْرَارًا یہ وزن کثرت پر دلالت کرتا ہے جیسے مذکار اس عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی مذکر اولاد زیادہ ہو اور مئنات وہ عورت جس کی مونث اولاد زیادہ ہو۔ کہا جاتا ہے: دَرّ اللبن، یدر جب دودھ کثرت سے آئے اور مِّدْرَارًا پر نصب حال کی بنا پر ہے۔ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ۔ اسی سے فرعون کا قول ہے: ھذہ الانھار تجری من تحتی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر نعمتوں میں وسعت کی تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ یعنی ان کے کفر کی وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ گناہ، انتقام اور نعمتوں کے زوال کا سبب ہیں۔

وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ یعنی ہم نے ان کو پیدا کیا، پس ان لوگوں کو اہلاک سے بچنا چاہیے۔

وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اور اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (ﷺ) اگر ہم ان کے سامنے آپ پر کتاب نازل کرتے جیسا کہ انہوں نے کاغذ پر لکھی ہوئی کلام طلب کی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کا مطلب ہے کتاب جو آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہوتی۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تنزیل کا عمل دو اعتبار سے ہوسکتا ہے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 269

ایک یہ کہ نزل علیك الكتاب کا معنی ہے کہ فرشتہ اس کے ساتھ اترتا۔ دوسرا یہ کہ اگر ہم کاغذ میں کتاب نازل کرتے جس کو اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے درمیان روک لیتا۔

نَزَّلْنَا مبالغہ فرمایا، کتاب کا آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرنا طویل ہوتا ہے الکتاب مصدر ہے بمعنی کتابۃ، پس واضح ہوا کہ کتابت کاغذ میں ہوتی ہے کتاب کو نہیں سمجھا جاتا مگر کاغذ میں یعنی صحیفۃ میں۔ القرطاس سے مراد صحیفہ ہے۔ کہا جاتا ہے: قرطاس ضمہ کے ساتھ۔ قرطس فلان۔ جب کوئی تیر پھینکے اور اس صحیفہ کو جا لگے جو ہدف کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ پس وہ اسے دیکھتے اور اسے ہاتھ سے چھوتے جیسا کہ انہوں نے تجویز کیا ہے اور ہاتھوں سے ٹٹول کر تمیز بھی کر لیتے تاکہ ہر شک اور شبہ زائل ہو جائے تو پھر بھی ہٹ دھرمی اور کفر کی متابعت میں قائم رہتے اور کہتے: یہ تو کھلا جادو ہے ہماری آنکھیں بند کی گئی ہیں اور ہم پر جادو کیا گیا ہے۔ یہ آیت ان کے قول حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (الاسراء: 93) کا جواب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کی بنا پر بتایا کہ اگر اس طرح نازل ہوتا تو یہ اس کو بھی جھٹلائیں گے۔ کلبی نے کہا: یہ نضر بن حرث عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد کے بارے نازل ہوئی انہوں نے کہا: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ (الاسراء) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہماری زمین سے ایک چشمہ۔

وَ قَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

''اور بولے کیوں نہ اتارا گیا ان پر فرشتہ اور اگر ہم اتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مہلت دی جاتی انہیں۔ اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وہ اب نہیں۔ اور بلاشبہ مذاق اڑایا گیا رسولوں کا آپ سے پہلے پھر گھیر لیا انہیں جو مذاق اڑاتے تھے رسولوں کا اس چیز نے جس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ یہ بھی انہوں نے تجویز کی۔ لولا بمعنی ھلا ہے۔ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر وہ فرشتے کو اپنی صورت میں دیکھتے تو مر جاتے، کیونکہ وہ اس کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: تو قیامت قائم ہو جاتی۔ حسن اور قتادہ نے کہا: وہ عذاب کے ساتھ ہلاک کیے جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ سنت جاری فرمائی ہے کہ جس نے کوئی نشانی طلب کی پھر وہ اس کے لیے ظاہر کر دی گئی اور وہ ایمان نہ لایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے فوراً ہلاک کر دیا۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ یعنی انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا یعنی وہ فرشتے کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے مگر مجسم ہونے کے بعد کیونکہ ہر جنس اپنی جنس سے مانوس ہوتی ہے اور دوسری جنس سے دور ہوتی ہے اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کا رسول فرشتہ کو بناتا تو وہ اس کے قرب سے دور ہوتے اور اس سے مانوس نہ ہوتے اور اس کی کلام سے رعب داخل ہوتا تو یہ چیز انہیں اس سے کلام

کرنے اور سوال کرنے سے انہیں روک دیتی اور مصلحت عام نہ ہوتی۔

اور اگر اللہ تعالیٰ اسے ملائکہ کی صورت سے انسانوں کی صورت کی طرف منتقل کرتا تاکہ وہ اس سے مانوس ہوں اور اس سے سکون پائیں تو یہ کہتے: تو فرشتہ نہیں ہے تو تو بشر ہے ہم تجھ پر ایمان نہیں لاتے، اور وہ پہلے حال کی طرف لوٹ جاتے۔ ملائکہ انبیاء کرام کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس آدمیوں کی شکل میں آئے تھے اور جبریل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے، یعنی اگر فرشتہ نازل ہوتا تو وہ اسے انسانی شکل میں دیکھتے جیسا کہ انبیاء کی عادت جاری ہے اور اگر وہ اپنی عادت پر نازل ہوتا تو وہ اسے نہ دیکھ سکتے اور جب ہم اسے انسان بنا کر بھیجتے تو ان پر مشتبہ ہو جاتا اور وہ کہتے: یہ تو تیری طرح جادوگر ہے۔

زجاج نے کہا: وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ یعنی ہم ان کے رؤساء پر مشتبہ کر دیتے جس طرح وہ اپنے کمزور لوگوں پر مشتبہ ہوتے تھے۔ وہ انہیں کہتے تھے: محمد ﷺ بشر ہیں، اس کے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ اس طرح ان پر معاملہ مشتبہ کرتے اور وہ انہیں شک میں مبتلا کرتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ اگر وہ انسانی شکل میں فرشتہ نازل کرتا تو وہ التباس کا راستہ پاتے جیسا کہ وہ کرتے ہیں اللبس کا معنی مشتبہ کرنا اور خلط ملط کرنا ہے۔ لَبَسْتُ علیه الأمر، ألبسه لَبْسًا یعنی میں نے اس پر خلط ملط کر دیا۔ اس کا اصل معنی کپڑے کے ساتھ ڈھانپنا ہے اور فرمایا: لَلَبَسْنَا اپنی طرف نسبت کی تخلیق کی جہت پر اور يَلْبِسُونَ فرمایا ان کی طرف نسبت کی اکتساب کی جہت پر، پھر اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ یعنی جنہوں نے اپنے انبیاء سے استہزا کیا اس کی سزا کے طور پر عذاب نازل کر کے انہیں ہلاک کیا گیا حاق بالشئ يحيق حيقًا وحيوقا وحيقانا اس کا معنی ہے اترنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ (فاطر: 43) اور نہیں گھیرتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے۔

مَّا كَانُوْا میں ما بمعنی الذی ہے بعض نے فرمایا: ما مصدریہ ہے یعنی اس کے استہزا کے انجام نے انہیں گھیر لیا۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

''آپ فرمائیے: سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا۔ آپ (ان سے) پوچھیے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟ آپ (ہی انہیں) بتایئے (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے اس نے لازم کر لیا ہے اپنے آپ پر رحمت فرمانا یقیناً جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن ذرا شک نہیں اس میں (مگر) جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی اے پیارے محمد! ﷺ ان استہزا کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کو کہو کہ زمین میں سفر کرو اور دیکھو اور خبر طلب کرو تاکہ تم جان لو جو عذاب اور عقاب تم سے پہلے کافروں پر اترا۔ ایسا سفر کرنا

مستحب ہے جب پہلی امتوں اور اجڑے ہوئے شہروں کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو اور ان کا آخری انجام دیکھنے کے لیے ہو۔ یہاں مکذبون سے مراد وہ ہیں جنہوں نے حق اور حق والوں کو جھٹلایا نہ کہ وہ جنہوں نے باطل کو جھٹلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ بھی ان کے خلاف حجت ہے یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھیے: کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟ اگر وہ کہیں کہ کس کا ہے؟ تو تم کہو: اللہ کے لیے ہے، یعنی جب ثابت ہو گیا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس کا ہے اور وہی تمام کا خالق ہے، ان کے اعتراف کرنے کے ساتھ یا ان پر حجت قائم کرنے کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ پھر اس پر بھی قادر ہے کہ وہ انہیں جلدی عذاب دے اور انہیں موت کے بعد اٹھائے لیکن كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اس نے اپنے آپ پر رحمت کرنا لازم کر لیا ہے۔ اس نے اپنی جناب سے فضل و کرم کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے اس نے ڈھیل دی ہے۔ یہاں نفس کا ذکر فرمایا مراد اس کا وجوب ہے اور وعدہ کی تاکید ہے اور اس کے علاوہ وسائط اٹھانا ہے، کلام کا مطلب یہ ہے کہ اس نے روگردانی کرنے والوں پر مہربانی فرمائی ہے کہ وہ انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اس کی بارگاہ کی طرف لوٹ آئیں۔ اس نے خبر دی کہ وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے وہ انہیں جلدی عذاب نہیں دیتا بلکہ وہ ان سے توبہ اور رجوع کو قبول فرماتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے کتاب میں اپنے اوپر یہ لازم کر لیا، وہ کتاب اس کے پاس ہے، کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے'' (1)۔ یعنی جب اس نے اپنا فیصلہ ظاہر فرمایا اور جس کے لیے چاہا ظاہر فرمایا تو اس نے لوح محفوظ میں یہ تحریر ظاہر فرمائی یا جس میں ظاہر کرنا چاہا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ خبر سچ ہے اور وعدہ حق ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے یعنی میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جاتی ہے اور اس پر زائد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيَجْمَعَنَّكُمْ لام قسم ہے، نون تاکید ہے۔ فراء وغیرہ نے کہا: یہ جائز ہے کہ الرَّحْمَةَ پر کلام مکمل ہو اور مابعد وضاحت کی جہت سے نئی کلام ہو، پس لَيَجْمَعَنَّكُمْ کا معنی ہو گا وہ تمہارے جمع کرنے کو مؤخر کرے گا اور وہ تمہیں مہلت دے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ تمہیں قبور میں جمع کرے گا اس دن تک جس کا تم انکار کرتے ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: الی بمعنی فی ہے یعنی وہ تمہیں قیامت کے دن میں جمع کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ لَيَجْمَعَنَّكُمْ، الرَّحْمَةَ سے بدل کی بنا پر منصوب ہو اس صورت میں لام بمعنی ان ہو گا۔ معنی یہ ہو گا کہ تمہارے رب نے تمہیں جمع کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، اسی طرح بہت سے نحویوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہا ہے: ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ (یوسف: 35) یعنی أن یسجنوہ۔ بعض علماء نے فرمایا: كَتَبَ کی وجہ سے محل نصب میں ہے، جیسا کہ (ان) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ یہ رحمت کی تفسیر کرنے والا ہے کہ وہ قیامت تک مہلت دیتا ہے، یہ زجاج سے مروی ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 2، صفحہ 356

لَا رَيْبَ فِيْهِ اس میں شک نہیں۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ یہ مبتدا خبر ہیں، یہ زجاج نے کہا ہے۔ یہ عمدہ قول ہے اس میں سے جو کچھ اس کے متعلق کہا گیا ہے۔ تو کہتا ہے: الذی یکرمنی فله درهم۔ فا شرط اور جزا کے معنی کے مضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔ اخفش نے کہا: اگر تو چاہے تو اَلَّذِيْنَ کو لَيَجْمَعَنَّكُمْ میں کم ضمیر سے بدل ہونے کی بنا پر محل نصب میں بنا دے یعنی وہ ضرور ان مشرکوں کو جمع کرے گا جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا اپنے آپ کو۔ مبرد نے اس کا انکار کیا ہے، اس نے کہا: یہ خطا ہے، کیونکہ اس کو مخاطب اور مخاطب سے بدل نہیں بنایا جاتا یہ نہیں کہا جاتا: مررت بك زيد اور نہ یہ کہا جاتا ہے: لا امررت بی زيد کیونکہ یہ مشکل ہی نہیں ہے کہ اسے بیان کیا جائے۔ قتبی نے کہا: یہ جائز ہے کہ اَلَّذِيْنَ، الْمُكَذِّبِيْنَ سے بدل ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یا یہ ان کی صفت ہو بعض نے فرمایا اَلَّذِيْنَ نداء مفرد ہے۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯

''اور اس کا ہے جو بس رہا ہے رات میں اور دن میں اور وہی سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔ آپ فرمایئے: کیا بغیر الله تعالیٰ کے کسی کو (اپنا) معبود بناؤں؟ (وہ الله جو) پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا۔ فرمایئے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلے سر جھکانے والا (نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ) ہرگز نہ بننا شرک کرنے والوں سے۔ آپ فرمایئے: میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔ وہ شخص ٹال دیا گیا عذاب جس سے اس روز تو یقیناً رحم فرمایا الله نے اس پر اور یہی کھلی کامیابی ہے''۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یعنی جو ثابت ہے یہ بھی مشرکوں کے خلاف حجت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت نازل ہوئی، کیونکہ انہوں نے کہا تھا ہم جانتے ہیں کہ جو تم کرتے ہو اس پر تمہیں کوئی چیز نہیں ابھارتی مگر حاجت، پس ہم تمہارے لیے مال جمع کرتے ہیں حتیٰ کہ تو ہمارے غنی لوگوں میں ہو جائے گا۔ الله تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! انہیں بتایئے کہ تمام اشیاء الله تعالیٰ کی ہیں وہ مجھے غنی کرنے پر قادر ہے۔ سکن کا معنی پر سکون ہونا اور ٹھہرنا ہے مراد ہے جو ساکن ہے اور جو متحرک ہے سامع کے علم کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ساکن کو خصوصی طور پر ذکر کیا، کیونکہ سکون جن کو شامل ہے وہ حرکت کرنے والی چیزوں سے زیادہ ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے جو اس نے پیدا کیا یہ تمام ساکن و متحرک مخلوقات کو شامل ہے، کیونکہ اس پر رات، دن جاری ہوتے ہیں۔ اس مفہوم کی بنا پر سکون سے مراد وہ نہ ہوگا جو حرکت کی ضد ہے بلکہ مراد مخلوق ہے۔ یہ عمدہ قول ہے، کیونکہ یہ مختلف اقوال کا جامع ہے۔

وَهُوَ السَّمِيعُ وہ ان کی آوازوں کو سننے والا ہے۔ الْعَلِيمُ ان کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا، اتخذ کے دو مفعول ہیں جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آباء کے دین بت پرستی کی طرف بلایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: اے پیارے محمد! تم کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا رب، معبود اور ناصر بناؤں؟ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اسم جلالت کی صفت کی بنا پر جر کے ساتھ ہے۔ اخفش نے مبتدا کے اضمار کی بنا پر رفع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ زجاج نے کہا: مدح کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ ابو علی فارسی نے کہا: فعل مضمر پر اس کی نصب بھی جائز ہے گویا فرمایا: أترك فاطر السمٰوات والأرض کیا میں آسمانوں اور زمین پیدا کرنے والے کو چھوڑ دوں؟ کیونکہ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا اس کی ولایت کے ترک پر دلالت کرتا ہے۔ اس دلالت کی قوت کی وجہ سے فعل کا اضمار بہتر ہے۔
وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ اکثر علماء کی یہی قرأت ہے یعنی وہ رزق دیتا ہے، اسے رزق نہیں دیا جاتا، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ (الذاریات) میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں۔ سعید بن جبیر، مجاہد اور اعمش کی قرأت وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يَطْعَمُ ہے۔ یہ قرأت عمدہ ہے یعنی وہ بندوں کو رزق دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں جس کی مخلوق محتاج ہوتی ہے مثلاً غذا (وغیرہ)۔ دونوں فعلوں کو یا کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کھلاتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے اور بت نہ اپنے آپ کو کھلاتا ہے اور نہ اپنے بنانے والے کو کھلاتا ہے۔ پہلے میں یا اور عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی بت وَلَا يُطْعِمُ نہیں کھلاتا یا کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ۔ کھانا کھلانے کو خصوصاً ذکر کیا گیا ہے دوسرے انعامات کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ تمام لوگوں کو اس کی زیادہ حاجت ہوتی ہے۔
قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ یعنی سب سے پہلے میں اللہ کے امر کے سامنے سر جھکاؤں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اپنی قوم اور اپنی امت سے میں پہلے اخلاص کا اظہار کروں۔ یہ حسن وغیرہ سے مروی ہے۔ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ یعنی مجھے کہا گیا کہ تو ہرگز نہ بننا مشرکوں میں سے۔
قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي یعنی ڈرتا ہے کہ میں غیر کی عبادت کروں گا تو وہ مجھے عذاب دے گا۔ الخوف کا معنی مکروہ کی توقع ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: أَخَافُ یہاں اعلم کے معنی میں ہے۔
مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ یعنی جس سے عذاب ٹالا گیا۔ يَوْمَئِذٍ یعنی قیامت کا دن۔ فَقَدْ رَحِمَهُ وہ نجات پا گیا، کامیاب ہو گیا اور رحم کیا گیا۔
کوفیوں نے من یصرف یا کے فتحہ اور را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابو عبید کا یہی مختار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ۔ اور ارشاد ہے فَقَدْ رَحِمَهُ، رُحِمَ مجہول کا صیغہ ذکر نہیں فرمایا اور حضرت ابی کی قرأت کی وجہ سے من یصرفه الله عنه۔ سیبویہ نے پہلی قرأت کو اختیار کیا ہے اور اہل مدینہ اور ابی عمرو کی قرأت ہے۔ سیبویہ نے کہا: جب کلام میں اضمار کم ہوتا ہے تو بہتر ہوتا ہے۔ رہی ان کی قرأت جنہوں نے یصرف یاء کے

فتحہ کے ساتھ پڑھا تو اس کی تقدیر یہ ہوگی: من یصرف اللہ عنہ العذاب اور جب من یصرف عنہ پڑھا جائے گا تو تقدیر یہ ہوگی من یصرف عنہ العذاب۔

وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝ یعنی واضح نجات۔

وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

''اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی دکھ تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس دکھ کو سوائے اس کے اور اگر پہنچائے تجھے کوئی بھلائی (اس کو کوئی روک نہیں سکتا) وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ، المس اور الکشف، اجسام کی صفات سے ہیں یہاں مجازاً استعمال ہوا ہے معنی یہ ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر فقر یا مرض کی شدت نازل ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر آپ کو عافیت، خوشحالی، نعمت ملے تو اللہ تعالیٰ خیر اور شر پر قادر ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے غلام! یا فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کے ساتھ تجھے اللہ تعالیٰ نفع دے''۔ میں نے کہا: ضرور کرم فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو یاد کر وہ تیری حفاظت فرمائے گا، تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا، تو خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کر وہ شدت میں تجھ پر کرم فرمائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر، جو کچھ ہونا ہے اس کے ساتھ قلم خشک ہو چکا ہے۔ اگر تمام مخلوق تجھے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے جس کا تیرے لیے اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا تو وہ اس پر قادر نہ ہوں گے۔ تو اللہ کے لیے شکر اور یقین کے ساتھ عمل کر اور جان لے کہ ناپسندیدہ چیز پر صبر کرنے میں خیر کثیر ہے اور نصرت و کامیابی صبر کے ساتھ ہے اور کشادگی، کرب کے ساتھ ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے''(1)۔ اس حدیث کو ابوبکر بن ثابت خطیب نے اپنی کتاب ''الفصل والوصل'' میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی نے بھی ذکر کی ہے اور یہ مکمل ہے۔

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۙ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

''اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہ بڑا دانا ہر چیز سے خبردار ہے۔ آپ پوچھیے: کون سی چیز بڑی (معتبر) ہے

1۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 134-133، حدیث 631۔ ایضاً، جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث 2440، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گواہی کے لحاظ سے؟ آپ ہی بتایئے: اللہ، وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تا کہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں۔ آپ فرمایئے: میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمایئے: وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ، القهر کا معنی غلبہ ہے۔ القاهر کا معنی غالب ہے۔ اقهر الرجل بولا جاتا ہے جب کوئی مجبور کر کے ذلیل کیا جائے۔ شاعر نے کہا۔

تَمَنَّى حُصَينٌ أن يَسُودَ جِذاعُه　　فأمسى حُصَينٌ قد أذلَّ و أُقْهِرا

قهر کا معنی ہے مغلوب کیا گیا۔ فَوْقَ عِبَادِهِ غلبہ کے ساتھ فوقیت مراد ہے، یعنی تمام بندے اس کے حکم کے تحت مسخر ہیں۔ فوقیت سے فوقیت مکانی مراد نہیں ہے، جیسے تو کہتا ہے: السلطان فوق رعيته یعنی سلطان منزل و رفعت کے اعتبار سے رعیت سے بلند ہے۔ قہر میں ایک زائد معنی ہے جو قدرت میں نہیں وہ ہے کسی کو مراد حاصل کرنے سے روک دینا۔ وَهُوَ الْحَكِيمُ وہ اپنے امر میں حکیم ہے۔ الْخَبِيرُ ۝ اپنے بندوں کے اعمال سے باخبر ہے یعنی جو ان صفات سے متصف ہو واجب ہے کہ اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً اس کا واقعہ یہ ہے کہ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کون تمہاری گواہی دیتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حسن وغیرہ سے مروی ہے یہاں لفظ شیٔ اللہ کی اسم کی جگہ واقع ہوا ہے معنی یہ ہے کہ الله اکبر شهادة یعنی وہ ربوبیت کے ساتھ منفرد ہے اپنی توحید پر براہین کا قیام بہت بڑی شہادت ہے وہ تمہارے اور میرے درمیان گواہ ہے کہ میں نے تمہیں تبلیغ کی اور میں نے جو کچھ کہا اور جو میں نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے میں اس میں سچا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ قرآن میری نبوت کا گواہ ہے۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ اے اہل مکہ! میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراتا ہوں اور وَمَنْۢ بَلَغَ جس کو قرآن پہنچا ہے۔ کلام کی طوالت کی وجہ سے ھا حذف کی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو بالغ ہوا۔ اس سے دلیل پکڑی جاتی ہے کہ جو بالغ نہیں ہوا وہ مخاطب نہیں ہے اور وہ مکلف نہیں ہے۔ قرآن وسنت کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ: 67) اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل کے متعلق بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے''(1)۔ خبر میں ہے جس کو کتاب اللہ کی ایک آیت پہنچی تو اسے اللہ کا امر پہنچا اسے وہ اپنائے یا

1۔ جامع ترمذی، کتاب العلم، جلد 2، صفحہ 91

اسے ترک کرے (اس کی مرضی) مقاتل نے کہا: جن وانس میں سے جس کو قرآن پہنچا وہ اس کے لیے نذیر (ڈرانے والا) ہے۔قرظی نے کہا: جس کو قرآن پہنچا گویا اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے سنا۔ ابونہیک نے: وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ پڑھا یعنی معروف کا صیغہ پڑھا۔ یہ جماعت کی قرأت کا معنی ہے۔

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى استفہام توبیخ وتقریع کے لیے ہے۔ ائنکم اصل پر دو ہمزوں کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے جب تو دوسرے ہمزہ میں تخفیف کرے گا تو تو کہے گا: ئنکم، اصمعی نے ابوعمرو اور نافع سے آئنکم روایت کیا ہے یہ لغت معروفہ ہے دو ہمزوں کے درمیان الف لگایا جاتا ہے، کیونکہ دو ہمزے جمع کرنا ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أيا ظبيةَ الوَعْسَاءِ بين جَلَاجِلٍ وبَيْنَ النَّقَا آ أنْتِ أمْ أمُّ سَالِمِ

اور جنہوں نے اَنکم پڑھا خبر کی بنا پر تو اس نے ان پر شرک ثابت کیا۔ اور فرمایا: اٰلِهَةً اُخْرٰى، اُخَر نہیں فرمایا۔ فراء نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ الھۃ جمع ہے اور جمع پر تانیث واقع ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:180) اور ارشاد ہے: فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ (طٰہٰ) اور اگر الاوّل اور الاخر ہوتا تو بھی صحیح ہوتا۔ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ یعنی میں تمہارے ساتھ گواہی نہیں دیتا، کلام کی دلالت کی وجہ سے معکم کو حذف کیا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے: فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دو۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا اور جان بوجھ کر مخالفت کی۔ اس کا مفہوم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

اَلَّذِيْنَ مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے۔ يَعْرِفُوْنَهٗ یہ محل خبر میں ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے۔ یہ حسن اور قتادہ سے مروی ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ضمیر کا مرجع الکتاب ہے یعنی وہ اسے پہچانتے تھے جس پر وہ کتاب دلالت کرتی ہے یعنی اس صفت پر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہ نعت کی جگہ پر ہے اور اس کا مبتدا ہونا اور فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ کا خبر ہونا بھی جائز ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو، بے شک فلاح نہیں پائیں گے ظلم کرنے والے۔ اور (یاد کرو) وہ دن جب ہم جمع کریں گے سب کو پھر ہم کہیں گے انہیں جو شرک کیا کرتے تھے کہ کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے (خدا ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ اَظْلَمُ مبتدا اور خبر ہیں یعنی کوئی زیادہ ظالم نہیں۔ مِمَّنِ افْتَرٰی جس نے بہتان باندھا (1)۔ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ مراد قرآن اور معجزات ہیں۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے دنیا میں وہ فلاح نہیں پائیں گے، پھر نئی کلام شروع فرمائی فرمایا: وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا اس کا معنی ہے یاد کرو جب ہم ان سب کو جمع کریں گے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ظالم دنیا میں فلاح نہیں پائیں گے اور نہ اس دن جس میں ہم ان سب کو جمع کریں گے۔ اس تقدیر پر الظّٰلِمُوْنَ پر وقف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ متصل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مابعد کے متعلق ہے اور وہ اُنْظُرْ ہے یعنی دیکھ کیسے انہوں نے جھٹلایا اس دن کو جس میں ہم انہیں جمع کریں گے یعنی کیسے اس دن کو جھٹلاتے ہیں جس میں ہم انہیں جمع کریں گے؟

ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ یہ سوال انہیں رسوا کرنے کے لیے ہے نہ کہ وضاحت طلب کرنے کے لیے ہے۔ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ تم کہتے تھے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں تمہارے شفیع ہیں یہ تمہیں اللہ کا قرب بخشیں گے۔ یہ ان کو توبیخ ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: قرآن میں زعم کا لفظ کذب کے معنی میں ہے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

''پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ، الفتنة سے مراد پرکھنا اور آزمائش کرنا ہے یعنی ان کے پاس جواب نہ ہوگا جب انہیں اس سوال سے آزمایا جائے گا اور وہ حقائق دیکھ لیں گے اور اس کے دعاوی اٹھ جائیں گے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ وہ شرک سے برأت کریں گے اور شرک سے نفی کریں گے جب وہ مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور درگزر دیکھیں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اخلاص والوں کے اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دے گا اور اس پر کسی گناہ کو بخشنا بڑا نہیں ہے۔ جب مشرکین یہ دیکھیں گے تو وہ کہیں گے: ہمارا رب گناہوں کو بخشتا ہے اور شرک کو نہیں بخشتا تم آؤ ہم کہیں ہم گنہگار تھے اور ہم مشرک نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: چونکہ انہوں نے شرک کو چھپایا پس ان کے مونہوں پر مہر لگا دو، پس ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی، ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے کرتوتوں کی ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس وقت مشرکین پہچان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 277

حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ (النساء) اس روز تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کہ کاش (انہیں دبا کر) ہموار کر دی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات۔

ابو اسحاق زجاج نے کہا: اس آیت کی تاویل بہت لطیف ہے، اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے واقعات اور ان کی شرک کے ساتھ آزمائش کی خبر دی، پھر بتایا کہ ان کی معذرت اور بہانا کوئی نہ ہوگا جب وہ حقائق کو دیکھیں مگر یہ کہ وہ شرک سے برأت کا اظہار کریں گے۔ اس کی مثال لغت میں یہ ہے کہ تو ایک انسان کو دیکھتا ہے جو ایک گمراہ شخص سے محبت کرتا ہے، پھر جب وہ ہلاکت میں گرتا ہے تو وہ اس سے برأت کا اظہار کرتا ہے، کہا جاتا ہے: تیری اس سے محبت نہ تھی مگر تو نے اس سے برات کی۔ حسن نے کہا: یہ منافقین کے ساتھ خاص ہے جو اپنی عادت پر دنیا میں چلتے رہے۔ فِتْنَتُهُمْ کا معنی ہے ان کے کفر کا انجام۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے ان کا معذرت کرنا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا: اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی اور تجھے سردار نہیں بنایا تھا اور میں نے تیرا نکاح نہیں کیا تھا اور میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ کو مسخر نہیں کیا تھا، میں نے تجھے رئیس نہیں بنایا تھا کہ راحت سے رہتا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں اے میرے رب! پھر فرمائے گا: کیا تو گمان رکھتا تھا کہ تو مجھ سے ملاقات کرنے والا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھے فراموش کر دیا جس طرح تو نے مجھ فراموش کیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندے سے ملے گا تو اسے فرمائے گا: وہ بھی اسی طرح کہے گا، پھر تیسرے سے ملے گا اسے یہ فرمائے گا تو وہ کہے گا: یا رب! میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا اور میں نے نماز پڑھی اور میں نے روزہ رکھا اور میں نے صدقہ کیا، جتنی اسے طاقت ہو گی وہ تعریف کرے گا۔ فرمایا: اسے کہا جائے گا: یہاں ٹھہر، پھر اسے کہا جائے گا: ابھی ہم تجھ پر گواہ پیش کریں گے، وہ دل میں سوچے گا: کون ہے جو مجھ پر گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پہ مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران، گوشت اور ہڈیاں اس کے عمل کے متعلق بولیں گی، وہ اپنے نفس سے بہانہ بنائے گا: یہ منافق ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا'' (1)۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

''دیکھو کیسا جھوٹ باندھا انہوں نے اپنے نفسوں پر اور گم ہو گئیں ان سے جو افترا بازیاں کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ مشرکوں کا اپنا قول انہیں جھٹلائے گا کہ بتوں کی عبادت انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرے گی، بلکہ انہوں نے یہ گمان کیا اور ان کا گمان غلط تھا ان سے معذرت قبول کرنے کا باعث نہیں تھا اور ان سے جھوٹ کا اسم زائل نہیں ہوتا اور منافقوں کا عذر باطل کے ساتھ جھوٹ بولنا ہے اور ان کا انکار ان کا نفاق ہے۔

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ یعنی دیکھو کیسے ان کا افتراء لاشئ ہو گیا اور اپنے خداؤں سے شفاعت کا گمان کیسے باطل ہو گیا؟ بعض علماء نے فرمایا: وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ کا مطلب ہے جو وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ ان سے جدا ہو گیا اور انہیں کسی چیز نے فائدہ نہیں دیا۔ حسن سے مروی ہے اس کا معنی ہے ان کی دہشت کی وجہ سے ان کا افتراء ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 409

سے جدا ہو جائے گا اور ان کی عقول کے ذہول کی وجہ سے ایسا ہو گا۔
اُنْظُرْ کے ارشاد سے مراد عبرت کی نظر سے دیکھنا ہے، پھر کہا گیا: كَذَبُوْا بمعنی یکذبون ہے، مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا۔ اور آخرت میں ان کا جھوٹ بولنا بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ دہشت، حیرت اور ذہول کی حالت میں ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: آخرت میں ان سے جھوٹ واقع ہونا جائز نہیں، کیونکہ دنیا میں جو کچھ ہوا اس کا دار جزا ہے۔ اکثر اہل نظر کا یہی نظریہ ہے۔ یہ دنیا میں ہے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ کا معنی اس مفہوم پر یہ ہو گا کہ ہم اپنے خیال میں مشرک نہ تھے اور آخرت میں جھوٹ بولنے کے جواز پر وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ (النساء: 42) سے اعتراض وارد ہوتا ہے یہاں کوئی معارضہ اور تناقض نہیں ہے کیونکہ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا بعض مقامات پر ہو گا جب ان پر ان کی زبانیں، ہاتھ، پاؤں ان کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے اور اعضاء کی شہادت سے پہلے بعض مقامات پر وہ جھوٹ بولیں گے، جیسا پہلے گزر چکا ہے۔

سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں فرمایا: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ وہ عذر پیش کریں گے اور حلف اٹھائیں گے۔ اسی طرح ابن نجیح اور قتادہ نے کہا ہے۔ مجاہد سے مروی ہے انہوں نے کہا: جب وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے علاوہ سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں اور لوگ آگ سے نکالے گئے ہیں تو وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ یعنی ہم نے جان لیا کہ پتھر نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں۔ یہ اگرچہ قول صحیح ہے، انہوں نے سچ بولا اور چھپایا نہیں لیکن ان کا عذر قبول نہ ہو گا، کیونکہ معاند کافر ہے اور غیر معذور ہے پھر ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں پانچ قراتیں ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے یکن کو یا کے ساتھ پڑھا ہے اور فتنتهم کو یکن کی خبر کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا، یکن کا اسم ہے یعنی الا قولهم کے مفہوم میں ہے۔ یہ قرأت واضح ہے۔ اہل مدینہ اور ابو عمرو نے تکن تا کے ساتھ اور فتنتهم کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا یعنی الا مقالتهم۔ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود نے ثم لم تکن کی بجائے وما کان فتنتهم الا ان قالوا پڑھا ہے۔ ابن عمر، عاصم نے حفص کی روایت سے اور اعمش سے مفضل کی روایت سے۔ حسن اور قتادہ وغیرہم نے ثم لم تکن کو تا کے ساتھ اور فتنتهم کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور اِلَّآ اَنْ قَالُوْا کو خبر بنایا ہے۔ یہ چار قراتیں ہیں۔ اور پانچویں قرأت ثم لم یکن (یاء کے ساتھ) اور فتنتهم رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ فتنہ کو مذکر ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ الفتون کے معنی میں ہے۔ اس کی مثال فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى (بقرہ: 275) یہاں بھی جاء فعل مذکر ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ فاعل موعظةٌ ہے۔ واللہ، واؤ قسم کے لیے ہے رَبِّنَا اسم جلالت کی صفت یا بدل ہے اور جنہوں نے رَبَّنَا کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے وہ ندا کی بنا پر ہے یعنی یا ربنا۔ یہ عمدہ قرأت ہے، کیونکہ اس میں عجز اور تضرع کا مفہوم ہے مگر اس میں قسم اور جواب قسم کے درمیان منادیٰ کے ساتھ فاصلہ کیا گیا ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ

الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۲۵

''اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تاکہ نہ سمجھیں وہ اسے اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وہ دیکھ لیں ہر ایک نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے آپ سے (تو کہتے ہیں وہ لوگ) جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قصے پہلے لوگوں کے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ لفظ، من کا اعتبار کرتے ہوئے مفرد کا صیغہ ذکر فرمایا مراد مشرکین، کفار مکہ ہیں۔ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً یعنی ہم نے انہیں ان کے کفر پر جزا دیتے ہوئے ایسا کیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سنتے اور سمجھتے نہیں لیکن جو وہ سنتے ہیں اس سے نفع حاصل نہیں کرتے اور وہ حق کی اطاعت نہیں کرتے تو وہ ایسے شخص کی مانند ہو گئے جو نہ سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ اَكِنَّةً پردوں کو کہتے ہیں۔ یہ کنان کی جمع ہے جیسے الاسنۃ جمع ہے سنان کی اور الاعنۃ جمع عنان کی، کننت الشیٔ فی کنہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو کسی چیز کو کسی شے میں محفوظ کرے اکننت الشیٔ کا مطلب ہے میں نے اسے چھپا دیا۔ اور کنانۃ ترکش کو کہتے ہیں۔ والکنۃ کاف اور نون کے فتحہ کے ساتھ۔ تیرے باپ کی بیوی، بیٹے یا بھائی کی بیوی کو بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اس کی حفاظت میں ہوتی ہے۔

اَنْ یَّفْقَهُوْهُ اس کا معنی ہے یفهموہ یعنی اس کو سمجھیں۔ یہ محل نصب میں ہے اس کا معنی ہے کراهیة ان یفهموہ یا اس کا معنی ہے لئلا یفقهوہ۔

وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا، وَقْرًا سے مراد بوجھ ہے۔ کہا جاتا ہے: وَقرت أذنه (1) واؤ کے فتحہ کے ساتھ تَوْقَرُ وَقْرًا یعنی اس کے کان بہرے ہو گئے۔ اس کے مصدر کا قیاس حرکت تھی لیکن یہ تسکین کے ساتھ آیا ہے۔ وقد وقر الله أذنه يقرها وقرا کہا جاتا ہے اللهم قِر أذنه۔ ابوزید نے عربوں سے حکایت کیا ہے أذن موقورۃ یعنی مجہول استعمال کیا گیا ہے اس بنا پر وُقِرت واؤ کے ضمہ کے ساتھ ہوگا۔ طلحہ بن مصرف نے وِقرا واو کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس نے ان کے کانوں میں ایسی چیز ڈال دی جس نے اسے سننے سے روک دیا۔ یہ وقر العیر سے تشبیہ کی بنا پر ہے اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس کو اونٹ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ الوقر سے مراد الحمل ہے کہا جاتا ہے: نخلة مُوقِر و مُوقِرة جب کہ وہ کھجور بہت زیادہ پھل دار ہو۔ رجل ذُو قِرة جب وہ وقور (بفتح واو) والا ہو۔ کہا جاتا ہے: وَقُر الرجل (قاف کے ضمہ کے ساتھ) وقارا و وقر قاف کے فتحہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا اللہ تعالیٰ نے ان کے عناد کی خبر دی، کیونکہ انہوں نے چاند کو دو لخت ہوتے دیکھا تو کہنے لگے: یہ جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انہوں نے بغیر حجت کے آیات کا انکار کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ ان کا جھگڑا یہ تھا کہ وہ کہتے تھے: تم وہ کھاتے ہو جو تم خود قتل کرتے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 279

ہو اور اسے نہیں کھاتے جسے اللہ تعالیٰ قتل کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا سے مراد قریش ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: قریش نے نضر بن حرث کو کہا: محمد کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: میں اس کے ہونٹوں کی حرکت دیکھتا ہوں وہ پہلے لوگوں کے قصے بیان کرتا ہے جیسے میں تمہیں پہلے لوگوں کے واقعات بتاتا ہوں۔ نضر قصے اور واقعات بیان کرتا تھا اس نے عجم کے شہروں میں رستم اور اسفند یار کے قصے سنے تھے پھر انہیں وہ بیان کرتا تھا۔ اساطیر کا مفرد اسطار ہے جیسے ابیات کی جمع ابابیت ہے۔ زجاج سے مروی ہے اخفش نے کہا: اس کا مفرد اسطورۃ ہے جیسے احدوثۃ اور احادیث ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا واحد اسطارۃ ہے۔ نحاس نے کہا: اس کا واحد اسطور ہے جیسے عشکول ہے۔ کہا جاتا ہے: یہ اسطار کی جمع ہے اور اسطار، سطر کی جمع ہے سَطْر و سَطَر، السطر وہ چیز جو لمبی اور مؤلف ہو جیسے کتاب کی سطر۔ قشیری نے کہا: اس کا واحد اسطیر ہے۔ بعض نے کہا: یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں ہے جیسے مذاکیر و عبادید، ابابیل وغیرہ، یعنی جس کو پہلے لوگ اپنی کتابوں میں لکھتے تھے۔ جوہری وغیرہ نے کہا: الاساطیر سے مراد اباطیل اور الترھات ہیں۔

میں کہتا ہوں: میرے کسی شیخ نے کہا:

تطاول لیلی و عترتنی وساوسی   لآت أتی بالتُّرهات الأباطیل

وَ هُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ یَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۝۲۶

''اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ یَنْـَٔوْنَ عَنْهُ، النھی کا معنی روکنا ہے اور النای کا معنی دور کرنا ہے۔ یہ تمام کفار کو شامل ہے یعنی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے منع کرتے ہیں اور خود بھی دور بھاگتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس اور حسن سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ ابو طالب کے ساتھ خاص ہے، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے سے کفار کو منع کرتے تھے اور خود آپ پر ایمان لانے سے دور ہوتے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اہل سیرت نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کعبہ کی طرف نکلے اور نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، جب نماز میں داخل ہوئے، ابو جہل لعنہ اللہ نے کہا: کون اس شخص کی طرف جائے گا اور اس کی نماز فاسد کر دے گا؟ ابن زبعری کھڑا ہوا، اس نے گوبر اور خون اٹھایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈال دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز چھوڑ کر واپس آ گئے، پھر آپ ابو طالب کے پاس گئے اور کہا: اے چچا جان! کیا آپ نے نہیں دیکھا جو میرے ساتھ کیا گیا؟ ابو طالب نے پوچھا: تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: عبداللہ بن زبعری نے۔ ابو طالب اٹھے، تلوار اپنے کندھے پر رکھی اور آپ کے ساتھ چل پڑے حتیٰ کہ لوگوں کے پاس آئے، جب لوگوں نے ابو طالب کو آتا ہوا دیکھا تو اٹھنے لگے۔ ابو طالب نے کہا: اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص اٹھا تو میں اسے اپنی تلوار سے کاٹ کر رکھ دوں گا، وہ سب بیٹھ گئے حتیٰ کہ ابو طالب ان کے قریب آئے، پھر کہا بیٹا! تیرے ساتھ یہ کس نے کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ بن زبعری نے۔ ابو طالب نے گوبر اور خون اٹھایا اور ان کے

چہروں، داڑھیوں اور کپڑوں پر مل دیا اور انہیں بہت برا کہا۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی وَ هُمۡ یَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَ یَنۡـُٔوۡنَ عَنۡهُ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے چچا جان! تمہارے متعلق ایک آیت اتری ہے۔ ابو طالب نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: تم قریش کو منع کرتے ہو کہ وہ مجھے اذیت دیں اور خود مجھ پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہو۔ ابو طالب نے کہا:

واللهِ لن يَصلُوا إليكَ بجمعهم　حتّى أُوسَّدَ في التُّراب دَفِينَا
فاصدَعْ بأمرك ما عليكَ غضاضةٌ　وابْشِرْ بذاكَ وقَرَّ منك عُيونَا
ودَعوتَني وزعمت أنك ناصحي　فلقد صدقت و كنت قبل أمينا
وَ عَرَضتَ دِينًا قد عرفت بأنّه　من خير اديانِ البَرِيَّةِ دِينًا
لولا الملامةُ أو حِذارُ مَسَبَّةٍ　لوجدْتَني سَمْحًا بذاكَ يَقِينا

لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا آپ کی ابو طالب نے جو مدد کی ہے وہ اسے نفع دے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اس سے اس وجہ سے بیڑیاں دور کی گئی ہیں اور انہیں شیاطین کے ساتھ جکڑا نہیں جائے گا اور انہیں سانپوں اور بچھوؤں والے کنویں میں نہیں ڈالا گیا ہے، اس کا عذاب یہ ہے ان کے پاؤں میں آگ کے جوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے سر میں ان کا دماغ ابل رہا ہے اور یہ دوزخیوں میں آسان ترین عذاب والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا: فَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: 35)

صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا: ''تم لا الہ الا اللہ پڑھو میں اس کی وجہ سے قیامت کے روز تمہارے لیے گواہی دوں گا'' (1)۔ انہوں نے کہا: اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ جزع نے مجھے یہ پڑھنے پر مجبور کیا ہے تو میں اس کے ساتھ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (القصص: 56)

یہ لفظ الجذع ہے جس کا معنی ضعف اور کمزوری ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دوزخیوں میں کم ترین عذاب والا ابو طالب ہے، اسے آگ کے جوتے پہنائے گئے ہیں جن سے ان کا دماغ ابل رہا ہے'' (2)۔ رہا عبداللہ بن زبعری تو وہ فتح مکہ کے سال اسلام لایا تھا اور بہت عمدہ اسلام لایا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عذر پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا عذر قبول کیا۔ وہ عمدہ شاعر تھا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا تھا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہت سے اشعار ہیں جو ان کے حالت کفر کے اشعار کو نسخ کرتے ہیں۔ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یہ اشعار کہے:

مَنَعَ الرُّقَادَ بَلابِلٌ وهُمومُ　واللَّيلُ مُعْتَلِجُ الرِّواقِ بَهِيمُ
مِمَّا أتاني أنَّ احمد لامَني　فيه فبِتُّ كأنّني مَحْمُومُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 40　2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 115

يا خيرَ من حَمَلتْ على أوْصَالِها　　عيرانةٌ سُرُحُ اليدين غَشُومُ
إنّي لمعتذرٌ إليكَ من الّذي　　أسْدَيت إذْ انا في الضّلال أهِيمُ
أيامَ تأمُرني بأغْوَى خطةٍ　　سَهْمٌ و تأمُرني بها مَخزُومُ
وأمَدُّ أسبابَ الرّدَى ويقودُنى　　أمرُ الغُواةِ وأمْرهم مَشْؤمُ
فاليومَ آمنَ بالنبيّ محمّدٍ　　قلْبِي و مُخْطِئُ هذه مَحْرُومُ
مضَتِ العداوةُ فانقضتْ أسبابُها　　وأتتْ أواصِر بيننا وحُلُومُ
فاغْفِر فِدىً لكَ والدايَ كلاهُما　　زَلَلِي فإنّكَ راحمٌ مَرْحومُ
وعليكَ من سِمَة المليكِ عَلامةٌ　　نُورٌ أغرُّ وخاتمٌ مَخْتُومُ
أعطاكَ بعدَ محَبّةٍ بُرهانَهُ　　شَرَفًا و بُرهانُ الإلهِ عَظِيمُ
ولقد شَهِدتُ بأنّ دِينكَ صادقٌ　　حَقًا وإنّكَ في العباد جَسِيمُ
واللهُ يشهدُ أنّ أحمدَ مُصطفىً　　مُستقبَلٌ في الصّالحين كَرِيمُ
قرْمٌ عَلا بنيانُه من هاشمٍ　　فَرْعٌ تمكّنَ في الذُّرَى وأرُومُ

بعض علماء نے فرمایا: يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہنستے تھے، وہ قرآن سے روکتے تھے اور ان سے دور بھاگتے تھے۔ یہ قتادہ سے مروی ہے۔ پہلے دو قولوں کی بنا پر عنہ کی ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ کی ذات ہو گی اور قتادہ کے قول کی بنا پر ضمیر کا مرجع قرآن ہو گا۔ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ، ان نافیۃ ہے یعنی وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو کفر پر اصرار کرنے کے ساتھ اور جن کو روکتے ہیں ان کے بوجھ اٹھانے کے ساتھ۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے: اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ یعنی کل جب کھڑے کیے جائیں گے، کیونکہ اذ کبھی اذا کی جگہ استعمال ہوتا ہے اور کبھی اذا، اذ کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ مستقبل کا امر گویا ہو چکا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خبر حق اور سچ ہے، اسی وجہ سے ماضی کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ اور اِذْ وُقِفُوْا کا معنی ہے جب وہ روک لیے جائیں گے کہا جاتا ہے: وقفته وقفا فوقف وقوفا۔ ابن السمیقع نے اِذْ وَقَفُوْا واو اور قاف کے فتحہ کے ساتھ وقوف سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔

عَلَى النَّارِ یعنی وہ پل صراط کے اوپر ہوں گے اور آگ ان کے نیچے ہو گی۔ بعض علماء نے فرمایا: علی بمعنی با ہے یعنی جب وہ اس کے قریب ٹھہریں گے اور اسے دیکھیں گے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے جمعوا یعنی جب آگ کے دروازوں پر جمع

کیے جائیں گے کہا جاتا ہے: وہ جہنم کے پیٹھ پر روکے جائیں گے گویا وہ پگھلی ہوئی چربی کی پیٹھ ہے، پھر ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا (اے آگ!) اپنے ساتھی پکڑ لے اور میرے ساتھی چھوڑ دے۔ بعض علماء نے فرمایا: وقفوا کا معنی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں آگ سے بچائے) اس صورت میں علی بمعنی فی ہوگا یعنی وہ آگ میں داخل کیے جائیں گے۔ لو کا جواب محذوف ہے تاکہ ہر چیز کی طرف وہم جائے۔ یہ ڈرانے کے لیے زیادہ بلیغ ہے، معنی یہ ہے اگر آپ انہیں اس حالت میں دیکھیں گے تو بہت بری حالت میں دیکھیں گے یا بہت ہولناک منظر دیکھیں گے یا آپ بہت عجیب امر دیکھیں گے۔ اور اس تقدیر کی مثل کوئی اور تقدیر بھی ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اہل مدینہ اور کسائی کی قرأت تینوں افعال پر رفع ہے۔ ابو عمرو، ابو بکر نے عاصم سے ضمہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن عامر نے نکذب پر رفع اور تکون پر نصب پڑھی ہے (1) یہ سب تمنی کے معنی میں داخل ہیں یعنی وہ تمنا کریں گے کہ انہوں نے نہ جھٹلایا ہوتا اور مومنین میں سے ہوتے۔ سیبویہ نے ولا نکذب کو علیحدہ کر کے پڑھا ہے اور اس کو تمنی کے تحت داخل نہیں کیا ہے معنی یہ ہے کہ ہم نہیں جھٹلائیں گے تکذیب کے ترک پر ثبات کے معنی کی بنا پر، یعنی ہم نہیں جھٹلائیں گے۔ ہم لوٹائے گئے یا نہ لوٹائے گئے۔ سیبویہ نے کہا: یہ اسی قول کی مثل ہے دعنی ولا اعود یعنی مجھے چھوڑ دو میں کسی حال میں نہیں لوٹوں گا آپ مجھے چھوڑیں یا نہ چھوڑیں (2)۔ ابو عمرو نے تمنی سے اس کے خروج پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے: وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ کبھی جھوٹ تمنی میں نہیں ہوتا یہ خبر میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تمنی میں داخل کیا ہے ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں قیامت کے انکار اور اور رسولوں کی تکذیب میں جھوٹے ہیں۔ حمزہ اور حفص نے نکذب اور تکون کو تمنی کے جواب کی بنا پر نصب کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ یہ واجب نہیں ہے یہ دونوں تمنی میں داخل ہیں اس معنی پر کہ لوٹنے، تکذیب ترک کرنے اور مومنین سے ہونے کی تمنا کریں گے۔ ابو اسحاق نے کہا ولا نکذب کا معنی ہے اگر ہم لوٹائے گئے تو ہم نہیں جھٹلائیں گے نکذب اور نکون کی نصب ان کے اضمار کے ساتھ ہے جیسے استفہام، امر، نہی اور عرض کے جواب میں نصب دی جاتی ہے، کیونکہ یہ تمام واجب نہیں اور ابھی تک واقع نہیں ہوا۔ پس جواب کو واو کے ساتھ نصب دی جاتی ہے گویا پہلے فعل کے مصدر پر عطف کیا گیا ہے گویا انہوں نے کہا: یالیتنا یکون لنا رد و انتفاء من الکذب و کون من المومنین پس ان دونوں کو نرد کے مصدر پر محمول کیا گیا ہے رفع کی طرف معنی کی تبدیلی کی وجہ سے، پس اس میں ان کا اضمار ضروری ہے دونوں فعلوں میں نصب مکمل ہو گا۔ ابن عامر نے تمنی کے جواب کی بنا پر تکون پر نصب پڑھی ہے جیسے تیرا قول ہے: لیتك تصیر الینا نکرمك یعنی لیت مصیرك یقع واکرامنا یقع پہلے دونوں فعلوں کو تمنی میں داخل کیا یا یہ ارادہ کیا کہ ونحن لا نکرمك علیحدہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابی نے ولا نکذب بِاٰیٰتِ ربنا ابداً پڑھا ہے اور حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود سے يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ فَلَا نُكَذِّبَ فا اور نصب کے ساتھ بھی مروی ہے۔ فا کے ساتھ بھی جواب میں نصب دی جاتی ہے جس طرح واو کے ساتھ نصب

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 281

2۔ ایضاً

دی جاتی ہے۔ یہ زجاج سے مروی ہے۔ اور اکثر بصری علماء جواب میں نصب کو جائز قرار نہیں دیتے مگر فا کے ساتھ۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞

''بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ان کی تمنی اور ایمان کے دعویٰ سے اضراب ہے کہ اگر انہیں واپس بھیجا جائے۔

بَدَا لَهُمْ کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اس تعیین کے بعد کہ مراد کون ہیں۔ بعض علماء نے کہا: اس سے مراد منافقین ہیں، کیونکہ کفر کا اسم ان کو بھی شامل ہے پس ضمیر بعض مذکورین کی طرف راجع ہے۔ نحاس نے کہا: یہ انتہائی شیریں اور فصیح کلام ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد کفار ہیں، انہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کرتے تھے تو وہ ڈرتے تھے اور اس خوف کو چھپاتے تھے تاکہ ان کے ضعیف اور کمزور لوگ پہچان نہ لیں پس یہ قیامت کے روز ظاہر ہو گا(1)، اسی وجہ سے حسن نے کہا: بَدَا لَهُمْ بعض کے لیے ظاہر ہوا جو وہ بعض سے چھپاتے تھے۔ بعض نے فرمایا: بلکہ ظاہر ہوا ان کے لیے جو شرک سے انکار کرتے تھے۔ وہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۞ پس اللہ تعالیٰ ان کے اعضاء کو بولنے کی طاقت بخشے گا اور وہ ان کے خلاف کفر کی گواہی دیں گے یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے پہلے جو چھپایا تھا وہ عیاں ہو گا۔ یہ ابوروق نے کہا ہے۔ اور بعض نے فرمایا: بَدَا لَهُمْ ان کے لیے عیاں ہو گا جو وہ کفر میں سے چھپاتے تھے یعنی ان کے برے اعمال ظاہر ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۞ (الزمر)

مبرد نے کہا: ان کے کفر کی جزا ظاہر ہو گی جس کو وہ چھپاتے تھے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ ظاہر ہو گا ان کے لیے جنہوں نے گمراہ لوگوں کی اتباع کی وہ جو گمراہ لوگ بعث اور قیامت کے امر سے چھپاتے تھے، کیونکہ اس کے بعد ہے وَ قَالُوْۤا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۞ اور کہتے ہیں نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے (قبروں سے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ رُدُّوْا بعض نے فرمایا: عذاب دیکھنے کے بعد۔ اور بعض نے فرمایا: عذاب دیکھنے سے پہلے اگر وہ واپس بھیجے گئے۔ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ یعنی وہ اسی شرک وغیرہ کی طرف لوٹ جائیں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے، ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھیں، پھر بھی ہٹ دھرمی کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ اس کے متعلق خبر دی ہے اور ان کی اس حالت کو بیان کیا ہے جس پر وہ دنیا میں تھے کہ وہ رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ (النحل: 124)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 282

اس کو آئندہ کی حالت سے حکایت کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں اس میں جو انہوں نے اپنے بارے میں خبر دی کہ وہ تکذیب نہیں کریں گے مومن ہوں گے۔ یحییٰ بن وثاب نے ولو رِدُّوا را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ اصل رُدِدُوا تھا دال کا کسرہ را کی طرف نقل کیا گیا۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۲۹﴾

''اور کہتے ہیں نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائیں جائیں گے (قبروں سے)''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا یہ مبتدا خبر ہیں۔ ان نافیہ ہے اور نحن، ما کا اسم ہے اور بِمَبْعُوْثِیْنَ اس کی خبر ہے۔ یہ ان کے متعلق خبر دینے کی ابتدا ہے جو کچھ انہوں نے دنیا میں کہا تھا۔ ابن زید نے کہا: یہ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ کے تحت داخل ہے۔

اور انہوں نے کہا: نہیں ہے کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیوی زندگی کے، یعنی وہ کفر کی طرف لوٹ گئے اور دنیا کی لذت میں مشغول ہو گئے۔ یہ ہٹ دھرمی پر محمول ہو گا جیسا کہ ہم نے ابلیس کی حالت کے بارے میں بیان کیا ہے یا اس پر محمول ہو گا کہ اللہ تعالیٰ عرفان کے بعد ان پر ملتبس فرما دے گا۔ یہ عقلاً شائع اور عام ہے۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے اللہ کے حضور میں، اللہ فرمائے گا: کیا یہ (قبروں سے اٹھنا) حق نہیں؟ کہیں گے؟ بے شک (حق ہے) ہمارے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اب چکھو عذاب بسبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ، وُقِفُوْا کا معنی ہے روکے جائیں گے۔ عَلٰى رَبِّهِمْ جو ان کے بارے میں اللہ کا حکم ہو گا اس پر۔ بعض علماء نے فرمایا: علی بمعنی عند ہے یعنی ملائکہ کے پاس اور جزا کے پاس اور جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی بادشاہی نہ ہو گی۔ تو کہتا ہے: وقفت علی فلان یعنی عندہ میں فلاں کے پاس ٹھہرا۔ لو کا جواب وقوف کی [illegible] کی بڑائی کے لیے حذف کیا گیا ہے۔ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ یہ تقریر اور توبیخ ہے یعنی کیا یہ دوبارہ اٹھنا حق نہیں؟ قَالُوْا بَلٰى وہ کہیں گے: کیوں نہیں؟ اپنے اعتراض کو قسم کے ساتھ مؤکد کریں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: ملائکہ انہیں اللہ کے حکم سے کہیں گے: کیا یہ دوبارہ اٹھنا اور عذاب حق نہیں ہے؟ پس وہ کہیں گے: بَلٰى وَ رَبِّنَا ہاں ہمارے رب کی قسم! یہ حق ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَ هُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

''بے شک خسارہ میں رہے وہ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملاقات (کی خبر) کو یہاں تک کہ جب آ گئی ان پر

قیامت، اچانک بولے ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں۔ اور وہ اٹھائے ہوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر ارے کتنا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ، لقاء الله سے مراد مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور جزا ہے اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: من حلف علی یمین کاذبة لیقطع بها مال امرء مسلم لقی الله وهو علیه غضبان(1) (یعنی جو جھوٹی قسم اٹھائے گا تا کہ اس کے ذریعے مسلمان آدمی کا مال لے لے وہ اللہ سے ملے گا جب کہ وہ اس پر ناراض ہوگا) اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کرے گا جب دیدار کرنے والے دیدار کریں گے۔ یہ قول قفال وغیرہ کا ہے۔ قشیری نے کہا: یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ لقا کو جزا پر اس جگہ محمول کیا جاتا ہے جہاں دلیل قائم ہو ہر جگہ یہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا۔ پس لقا کو اس آیت میں ظاہر پر محمول کرنا چاہیے۔ کفار، صانع کا انکار کرتے ہیں روایت کا منکر وجود کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قیامت کو ساعت کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں حساب بہت جلد ہوگا۔ بغتة کا معنی ہے اچانک۔ کہا جاتا ہے: بَغَتَهم الأَمْرُ يَبْغَتُهُم بَغْتًا بَغْتَةً یہ حال کی بنا پر منصوب ہے اور سیبویہ کے نزدیک مصدر ہے(2) حال کی جگہ میں ہے جیسے تو کہتا ہے: قتلته صَبْرًا اور یہ شعر پڑھا:

فَلَأْيًا بِلَأْيٍ ما حَمَلْنا وَلِيدَنا   على ظَهْرِ مَحْبُوكٍ ظِمَاءٍ مَفَاصِلُهُ

سیبویہ نے اس پر قیاس کرنے کو جائز قرار نہیں دیا یہ نہیں کہا جاتا: جاء فلان سرعةً۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا، حسرة پر ندا واقع ہوا ہے یہ حقیقت میں منادیٰ نہیں ہے، لیکن یہ حسرت کی کثرت پر دلالت کرتا ہے جیسے یا للعجب و یا للرخاء یہ حقیقت میں منادیٰ نہیں ہیں لیکن یہ کثرت تعجب اور رخا پر دلالت کرتا ہے۔ سیبویہ نے کہا: گویا فرمایا: یا عجب تعال فهذا زمن إتیانك ہائے تعجب آ یہ تیرے آنے کا زمانہ ہے۔ اسی طرح تیرا قول ہے: یا حسرتی یعنی یا حسرتا تعالی فهذا وقتك یعنی اے حسرت! آ یہ تیرا آنے کا وقت ہے۔ اسی طرح جس میں ندا صحیح نہ ہو وہ اسی طرح جاری ہوگا یہ تیرے قول تعجب سے زیادہ بلیغ ہے، اسی سے شاعر کا قول ہے:

فیا عجبًا من رَحْلِها المتحمَّلِ

بعض علماء نے فرمایا: یہ لوگوں کو اس بڑی حسرت پر تنبیہ ہے جو ان کو لاحق ہوگی یعنی اے لوگو! اس عظیم حسرت پر آگاہ رہو جو میری طرف سے ہوگی پس ندا حقیقت میں غیر منادی پر واقع ہے جیسے تیرا قول ہے: لا أرینّك هاهنا میں تجھے یہاں نہ دیکھوں پس نہی غیر منہی پر حقیقت میں واقع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا یعنی قیامت کے بارے میں اور اس کے اعمال پیش کرنے میں جو کوتاہی ہوئی۔ حسن سے مروی ہے: فَرَّطْنَا کا معنی ہے ہم نے ضائع کیا، اس کی اصل آگے بڑھنا ہے۔ کہا جاتا ہے فرط فلان یعنی وہ پانی کی طرف سب سے پہلے پہنچا، اسی سے حدیث ہے أنا فَرَطکم علی الحوض(3) میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ اسی سے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، جلد 2، صفحہ 985   2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 283   3۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1045

الفارط ہے پانی کے لیے آگے بڑھنے والا، اسی سے ہے: اللھم اجعلہ فرطا لابویہ یہ بچے کے جنازہ میں دعا مانگی جاتی ہے، اے اللہ! اسے اپنے والدین کے لیے (جنت میں) پیش رو بنا۔ عربوں کا قول ہے فرطنا یعنی ہم نے عجز کو مقدم کیا، بعض علماء نے فرمایا فرطنا یعنی ہم نے دوسروں کو اللہ کی اطاعت کی طرف مقدم کر دیا اور ہم پیچھے رہ گئے۔ فیھا یعنی دنیا میں قیامت کے لیے عمل ترک کر کے کوتاہی کی۔ طبری نے کہا: ھا ضمیر بیع کی طرف راجع ہے۔ یہ اس لیے کہ جب ان کے لیے ان کے سودا کا گھاٹا ظاہر ہوا جو انہوں نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا تھا اور آخرت کے بدلے دنیا کو ترجیح دی تھی تو انہوں نے کہا: یٰحَسۡرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطۡنَا فِیۡهَا یعنی صفقہ (سودا) میں کوتاہی کی اس پر افسوس۔ کلام کی چونکہ اس پر دلالت موجود تھی اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ گھاٹا نہیں ہوتا مگر بیع کے سودا میں اس کی دلیل فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ (بقرہ:16) کا ارشاد ہے۔ سدی نے کہا: اس کا مطلب ہے افسوس جو جنت کے موجب اعمال کو ہم نے ضائع کیا۔ خبر میں ہے حضرت ابو سعید خدری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے فرمایا: دوزخی لوگ جنت میں اپنے محلات دیکھیں گے تو کہیں گے: یاحسرتنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُمۡ یَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ اوزار سے مراد گناہ ہیں یہ وزر کی جمع ہے۔ عَلٰی ظُهُوۡرِهِمۡ یہ بطور مجاز کہا گیا ہے اور اس کے ساتھ تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے جو بوجھ اٹھاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: وَزَرَ یَزِرُ، وَزِرَ یُوۡزَرُ فھو وازر و مَوۡزُوۡر اس کی اصل الوزر سے ہے جس کا مطلب پہاڑ ہے۔ اسی سے حدیث میں ان عورتوں کے بارے میں ہے جو جنازہ کے ساتھ نکلتی ہیں ارجعن مَوۡزُوۡرَاتٍ غیرَ مَاۡجُوۡرَاتٍ(1) یعنی گناہ اٹھانے والیاں لوٹ جائیں جو اجر حاصل کرنے والی نہیں ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: عام لوگ کہتے ہیں مازورات گویا اس کے لیے اس کے پاس کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ یہ وزر سے ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: وہ شخص جو کپڑا اچھا تا ہے اور اس میں سامان رکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: أحمل وزرک اپنا بوجھ اٹھا۔ اسی سے الوزیر ہے کیونکہ وہ امور مملکت جو اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں وہ ان کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ اس کا معنی ہے انہیں گناہ لازم ہوئے اور وہ ان کی وجہ سے بھاری ہو گئے۔

اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوۡنَ ۝ یعنی بہت بری ہے وہ چیز جس کو وہ اٹھاتے ہیں۔

وَمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝

''اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور بے شک آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ دنیوی زندگی کو لہو اور تماشا اس کی مدت کے کم ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے جیسے شاعر نے کہا:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، صفحہ 114

أَلَا إِنَّمَا الدُّنْيَا كَأَحلَامِ نَائِم　　وما خيرُ عيشٍ لا يكونُ بدائم

تأمَّلْ إذا ما نلتَ بالأمسِ لَذَّةً　　فأفنيتَها هل أنت إلّا كحالِم

ایک اور شاعر نے کہا:

فاعمَلْ على مَهَلٍ فأنّك مَيِّتٌ　　واكدح لنفسك أيها الإنسانُ

فكأنّ ما قد كان لم يكُ إذ مَضَى　　وكأنّ ماهو كائن قد كانا

بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے دنیوی زندگی متاع لہو ولعب ہے یعنی وہ چیز جس کو وہ دنیا میں چاہتے ہیں اس کے لیے کوئی انجام نہیں وہ لہو ولعب کے قائم مقام ہے۔ سلیمان بن عبد الملک نے آئینہ دیکھا اور کہا: میں بادشاہ جوان ہوں۔ اس کی لونڈی نے اسے کہا:

أنتَ نِعْمَ المَتاعُ لوكنتَ تَبْقَى　　غير أنْ لا بقاءَ للإنسانِ

ليس فيما بَدَا لنا منكَ عيبٌ　　كان في النّاس غير أنّك فَانِي

اور بعض علماء نے کہا: لہو ولعب کا معنی باطل اور غرور ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (آل عمران) پس آیت سے مقصد کفار کا جھٹلانا ہے ان کے قول میں ہے: اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا۔ اللعب (کھیل) معروف ہے التلعابة بہت زیادہ کھیل۔ الملعب کھیل کی جگہ۔ کہا جاتا ہے: لعب یلعب، کھیلنا، اللهو بھی معروف ہے ہر وہ چیز جو تجھے مشغول کرے اس نے تجھے غافل کر دیا۔ لهوت، اللهو سے مشتق ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کی اصل کسی شے سے پھرنا ہے۔ یہ عربوں کے قول: لهيت عنه سے مشتق ہے۔ مہدوی نے کہا: اس میں بعد ہے، کیونکہ جس کا معنی پھرنا ہے اس کا لام کلمہ یا ہے اس کی دلیل لهيان ہے اور پہلا لام کلمہ واو ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لہو ولعب سے وہ نہیں ہے جو امور آخرت سے ہے، کیونکہ لعب کی حقیقت وہ ہے جس سے نفع حاصل نہ ہو اور لہو وہ ہے جس کے ذریعے غفلت ہو اور جو کام آخرت کی غرض سے ہو وہ لہو ولعب سے خارج ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے دنیا کی مذمت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا اس شخص کے لیے دار الصدق ہے جو اس میں سچ کہتا ہے اور یہ دار نجات ہے اس شخص کے لیے جو اس کو سمجھ جاتا ہے اور یہ دار غنا ہے اس شخص کے لیے جو اس سے زادِ راہ لیتا ہے۔ محمود وراق نے کہا:

لا تُتبِعِ الدُّنيا وأيامَها　　ذمًّا وإنْ دارتْ بك الدائرة

من شرفِ الدُّنيا ومن فضلِها　　أن بها تُستدرَكُ الآخرة

ابو عمر بن عبد البر نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا ملعون ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی ملعون ہے مگر جو اس میں اللہ کے ذکر سے ہے یا جو اللہ کے ذکر تک پہنچائے اور عالم اور متعلم اجر میں دونوں شریک ہیں اور باقی تمام لوگ رذیل ہیں ان میں خیر نہیں ہے" (1)۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 56

ہے۔ انہوں نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: "دنیا کی حقارت اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ نافرمانی نہیں کی جاتی مگر اس میں اور جو اللہ کے پاس ہے اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا مگر دنیا کو ترک کرنے کے ساتھ"۔

ترمذی نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر دنیا اللہ کی بارگاہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو وہ اس میں سے کسی کافر کو ایک پانی کا گھونٹ بھی نہ پلاتا" (1)۔ شاعر نے کہا:

تَسَمَّعْ من الأيام إن كنتَ حازماً　فإنك منها بين ناهٍ وآمِرِ

إذا أبقتِ الدنيا على المرء دِينه　فما فات من شئ فليس لضائرِ

ولن تعدل الدنيا جناح بعوضةٍ　ولا وَزْن زِقٍّ من جناحٍ لطائر

فما رَضِيَ الدنيا ثوابا لمؤمنٍ　ولا رضى الدنيا جزاءً لكافر

حضرت ابن عباس نے فرمایا: لہو ولہب کافر کی زندگی ہے، کیونکہ وہ دھوکے اور باطل کاموں میں ضائع کرتا ہے لیکن مومن کی زندگی اعمال صالحہ سے لبریز ہوتی ہے وہ لہو ولعب نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ اس سے مراد جنت ہے۔ خیر اس لیے ہے، کیونکہ یہ باقی ہے اور اس کو آخرت اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ یہ ہم سے مؤخر ہے۔ اور دنیا کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے قریب ہے۔

ابن عامر نے وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ یعنی ایک لام کے ساتھ پڑھا ہے اور اضافت مضاف کے حذف کی تقدیر پر ہے اور صفت کو اس کے قائم مقام رکھا ہے۔ تقدیر یہ ہے ولدار الحیاۃ الاخرۃ اور جمہور کی قرات پر وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ہے۔

لام، لام ابتدائیہ ہے اور دار کو رفع مبتدا ہونے کے اعتبار سے ہے اور الْاٰخِرَةُ اس کی صفت ہے اور خبر خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ ہے اس کی تائید تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ (القصص: 83) اور وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ (العنکبوت: 64) سے ہوتی ہے ان دونوں جملوں میں الآخرۃ، الدار کی صفت ہے۔

لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ یعنی شرک سے بچتے ہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ یا اور تا کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی کیا وہ نہیں جانتے کہ معاملہ اس طرح ہے تا کہ وہ دنیا سے عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتے؟ واللہ اعلم۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ۝ وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ۝

"(اے حبیب!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور بیشک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 56

نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آپہنچی انہیں ہماری مدد اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو اور آ ہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ لام کے دخول کی وجہ سے ان کو کسرہ دیا گیا ہے۔ ابو میسرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے، تو ہمارے نزدیک سچا ہے لیکن ہم اس کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی: فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ يُكَذِّبُوْنَكَ کو مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ہم معنی ہیں جیسے حزنتہ اور احزنتہ ہم معنی ہیں۔ ابو عبید نے تخفیف کی قرات کو اختیار کیا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے۔ ان سے مروی ہے کہ ابو جہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ہم تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ۔

نحاس نے کہا: اس میں ابو عبید کی مخالفت کی گئی ہے اور لَا يُكَذِّبُوْنَكَ بھی مروی ہے اللہ تعالیٰ نے لَا يُكَذِّبُوْنَكَ نازل فرمایا اس کو یہ واقعہ تقویت دیتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس پر فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ تخفیف کے ساتھ پڑھا تو حضرت ابن عباس نے کہا فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امین کہتے تھے اور يُكَذِّبُوْنَكَ کا معنی اہل لغت کے نزدیک یہ ہے کہ وہ آپ کو جھوٹ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جو آپ کہتے ہیں اسے آپ پر لوٹاتے ہیں اور لَا يُكَذِّبُوْنَكَ کا معنی ہے وہ آپ کو نہیں پاتے کہ آپ جھوٹ لاتے ہیں جیسے تو کہتا ہے: اکذبتہ میں نے اسے جھوٹا پایا۔ ابخلتہ میں نے اسے بخیل پایا، یعنی وہ آپ کو جھوٹا نہ پاتے اگر وہ آپ کے لائے ہوئے پیغام میں غور و فکر کرتے، یہ معنی بھی جائز ہے کہ وہ آپ پر ثابت نہیں کرتے کہ آپ جھوٹے ہیں، کیونکہ کہا جاتا ہے: اکذبتہ جب تو اس پر حجت قائم کرے اور واضح کرے کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور تشدید کی بنا پر معنی ہوگا کہ وہ آپ کو کسی حجت اور دلیل سے نہیں جھٹلاتے، اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ نحاس نے کہا: یہ قول ابو عبید کے مذہب میں ہے اس کا احتجاج لازم ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے حدیث کو روایت کیا اور ان سے صحیح مروی ہے کہ انہوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی نے عربوں سے حکایت کیا ہے اکذبت الرجل۔ جب تو خبر دے وہ جھوٹ لایا ہے اور اس نے جھوٹ روایت کیا ہے اور کذبتہ بولا جاتا ہے جب تو خبر دے کہ وہ جھوٹا ہے اسی طرح زجاج نے کہا ہے: کذبتہ جب تو کسی کو کہے کہ تو نے جھوٹ بولا۔ اکذبتہ جب تو ارادہ کرے کہ وہ جھوٹ لایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا یعنی تم بھی صبر کرو جس طرح انہوں نے صبر کیا۔ وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا اور وہ ستائے گئے حتیٰ کہ ہماری مدد آپہنچی یعنی تیرے پاس وہ آئے گا جو تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وہ اس نصرت کو ظاہر کرنے والا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اس کو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اس کے فیصلہ کو کوئی توڑنے والا نہیں

اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف کرنے والا نہیں۔ اس کا ارشاد ہے: لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد) (ہر میعاد کے لیے نوشتہ ہے) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (غافر: 51) (بے شک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۠ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصافات) اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلہ: 21) (اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے) وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ، جَآءَكَ کا فاعل مضمر ہے معنی یہ ہے جاءك من نباء المرسلين نبأ۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ⑯

''اور اگر گراں ہے آپ پر ان کا (حق سے) روگردانی کرنا تو اگر آپ سے ہو سکے تو تلاش کر لو کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں (تو اس پر چڑھ جاؤ) پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے)۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر، تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ یعنی اگر تم پر ایمان سے ان کا اعراض کرنا اور پیٹھ پھیرنا گراں ہے فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اگر طاقت رکھتے ہیں۔ اَنْ تَبْتَغِيَ کہ تلاش کر لیں۔ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ زمین میں سرنگ تاکہ تو اس جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے۔ اس سے النافقاء جو جنگلی چوہے کی بل ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اسی سے المنافق ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اَوْ سُلَّمًا یہ نفقاً پر معطوف ہے یعنی آسمان کی طرف سیڑھی، یہ تمثیل ہے کیونکہ السلم کی کیونکہ سیڑھی ہوتی ہے جس پر چڑھا جاتا ہے وہ دوسری جگہ پہنچنے کا سبب ہوتی ہے۔ اور وہ مذکر ہے اور فراء نے سلم کی تانیث حکایت کی ہے وہ معروف نہیں ہے۔ قتادہ نے کہا: السلم سے مراد سیڑھی ہے۔ زجاج نے کہا: یہ السلامۃ سے مشتق ہے گویا وہ تجھے وہاں پہنچاتا ہے جہاں آپ چاہتے ہیں۔ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ اس کا سابقہ کلام پر عطف کیا گیا یعنی تاکہ وہ ایمان لے آئیں تو ایسا کرو۔ جواب حذف کیا گیا ہے، کیونکہ سامع کو علم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان پر زیادہ غم نہ کھائیں، کیونکہ یہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ وہ ان کی ہدایت کی طاقت نہیں رکھتے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو مومن پیدا فرماتا اور ان کو ہدایت پر پابند کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ان کا کفر اللہ کی مشیت سے ہے۔ یہ قدریہ پر رد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں کوئی ایسی نشانی دکھاتا جو انہیں ایمان کی طرف مجبور کرتی لیکن اس نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے وہ اسے ثواب عطا کرے گا۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ⑯ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غم زیادہ کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں حتیٰ کہ انہیں

اس چیز نے شدید جزع فزع کی طرف اور غیر حلال چیز کی طرف نکالا، یعنی آپ ان کے کفر پر غمگین نہ ہوں کہ آپ حقیقت کو نہ جاننے والوں کی حالت کے قریب ہو جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے، کیونکہ مسلمانوں کے دل ان کے کفر اور اذیت سے تنگ ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ۘ وَ الْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

''صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ (دلوں) کو اٹھائے گا اللہ تعالیٰ پھر، وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور بولے: کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے؟ آپ فرمایئے: بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ اتارے کوئی نشانی لیکن اکثر ان میں سے کچھ نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ یعنی جو غور سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق کا ارادہ سنتے ہیں یہ وہ مومنین ہیں جو قبول کرتے ہیں اسے جو سنتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ یہ معنی حسن اور مجاہد نے بیان کیا ہے۔ کلام مکمل ہوئی۔ پھر فرمایا: وَ الْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ اس سے مراد کفار ہیں۔ یہ حسن اور مجاہد سے مروی ہے یعنی وہ مردوں کے قائم مقام ہیں، کیونکہ وہ نہ حجت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کی طرف غور کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: الموتی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو مر چکا ہے۔ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو حساب کے لیے اٹھائے گا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ انہیں اللہ اور رسول پر ایمان کی ہدایت دے گا۔ حسن سے مروی ہے وہ انہیں شرک سے نکالے گا حتیٰ کہ وہ اے پیارے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ پر ایمان لائیں گے یعنی موت کے وقت، دنیا میں مجبوری کی حالت میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ حسن نے کہا: یہاں لولا بمعنی ھلا ہے۔ شاعر نے کہا:

تَعدُّون عَقْرَ النِّیبِ أفضل مَجْدِكم　　　بَنِی ضَوْطَرَیَ لولا الكَمِیَّ المقَنَّعا

تو مشرکوں کا یہ قول دلائل کے ظاہر ہونے کے بعد ہٹ دھرمی کی بنا پر تھا، کیونکہ قرآن کے ذریعے حجت قائم کی گئی تھی جس کا مثل پیش کرنے سے وہ عاجز آ گئے تھے، کیونکہ قرآن کی جو فصاحت اور غیوب کا علم ہے (وہ کسی بشر کے پاس نہیں)

وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ یعنی وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جو آیات نازل فرماتا ہے ان میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ نکلیں گے جو اس پر ایمان لائیں گے اور اس نے ان کو ختم کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اس کے انزال پر قادر ہے۔ زجاج نے کہا: انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ انہیں ہدایت پر جمع کر دے، یعنی مجبور کر کے جمع کر دے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓىٕرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی

الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ۝

''اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو، پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ دابة کا معنی اور تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہ دب یدب فھو داب ہے جس کا معنی ہے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلنا۔ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ، طائر جر کے ساتھ ہے لفظ پر عطف کیا گیا ہے۔

حسن اور عبداللہ بن ابی اسحاق نے ولا طائرٌ رفع کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے مقام پر عطف کی بنا پر ایسا پڑھا ہے۔ من زائدۃ ہے تقدیر وما دابةٌ ہے، بجناحیه تاکید ہے اور ابہام کے ازالہ کے لیے ہے، کیونکہ عرب طیران کو پرندے کے علاوہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں تو کسی شخص کو کہتا ہے طِرفی حاجتی یعنی تو میری حاجت کے لیے جلدی کر۔ بجناحیه ذکر فرمایا تاکہ قول پرندے کے لیے خاص ہو جائے اور طیران کا لفظ دوسروں کے لیے مجاز ہے۔ بعض نے فرمایا: پرندے کے جسم کا اعتدال دونوں پروں کے درمیان اس کی اڑنے میں مدد کرتا ہے اگر وہ غیر معتدل ہوتا تو وہ ایک طرف جھک جاتا پس اس نے ہمیں بتایا کہ پروں کے ساتھ پرندوں کا اڑنا ہے۔ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ (النحل: 79) جناح پرندے کی اس طرف کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وہ ہوا میں اڑ سکتا ہے اس کی اصل کسی جانب مائل ہونا ہے اسی سے جنحت السفینة ہے جب کشتی زمین کی طرف جھک جائے اس کے ساتھ لگ کر رک جائے طائر الانسان سے مراد انسان کا عمل ہے قرآن حکیم میں ہے وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ (الاسراء: 13) اور ہر انسان کی قسمت کا نوشتہ اس کے گلہ میں ہم نے لٹکا رکھا ہے۔

اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ یعنی وہ تمہاری مثل جماعت ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان کے رزق کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائی ہے اور ان میں عدل قائم کیا ہے پس تم ان پر ظلم نہ کرو اور ان کے بارے میں جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اس میں تجاوز نہ کرو۔ دابة یہ لفظ تمام مَا دَبّ پر بھی واقع ہوتا ہے جو چیزیں زمین میں ہیں ان کا خاص ذکر کیا ہے آسمان کی چیزوں کا ذکر نہیں کیونکہ وہ زمین کی چیزوں کو جانتے تھے اور ان کا مشاہدہ کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تسبیح اور دلالت میں ہماری مثل ہیں اس کا معنی ہے کوئی جانور اور پرندہ نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس کی وحدانیت پہ دلالت کرتا ہے اگر کفار غور کریں۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا: یہ اس معنی پر ہماری مثل ہے کہ جانور بھی کل اٹھائے جائیں گے۔ سینگوں والے سے بغیر سینگوں والے جانور کے لیے قصاص لیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: مٹی ہو جا۔ یہ زجاج کا اختیار ہے اس نے کہا: اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ تخلیق، رزق، موت، بعث اور قصاص میں تمہاری مثل ہیں، اس میں پہلے قول کا معنی بھی داخل ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: جانوروں اور پرندوں کی ہر صنف میں انسانوں میں مشابہت ہے، بعض لوگ شیر کی طرح دوڑتے ہیں، بعض خنزیر کی طرح حریص ہوتے ہیں، بعض کتے کی طرح غراتے ہیں، بعض مور کی طرح چمکیلے ہوتے ہیں یہ مماثلت کا معنی ہے۔ خطابی نے اس کو عمدہ کہا ہے انہوں نے کہا: تو بہائم اور سباع کے ساتھ رہتا ہے

پس ان سے احتیاط حاصل کر۔ مجاہد نے کہا: اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ان کی اصناف کے نام سے ہے جن کے ساتھ یہ پہچانے جاتے ہیں جس طرح تم پہچانے جاتے ہو۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں جو صحیح نہیں ہیں، مثلاً وہ معرفت میں ہماری مثل ہیں وہ قیامت کے روز اٹھائے جائیں گے اور جنت میں نعمتیں دیئے جائیں گے اور دنیا میں جو تکالیف ان پر آئیں ان کا عوض دیا جائے گا اور اہل جنت ان کی شکلوں کو دیکھ کر مانوس ہوں گے۔ صحیح قول یہی ہے کہ وہ ہماری طرح مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پر دال ہیں، اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں، اس کی طرف سے انہیں رزق دیا جاتا ہے جس طرح تمہارا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے۔

سفیان کا قول عمدہ ہے، کیونکہ یہ تشبیہ ہے جو وجود میں واقع ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ، الْكِتٰبِ سے مراد لوح محفوظ ہے جو واقعات ہوتے ہیں سب اس میں رقم فرمائے ہیں۔ بعض نے فرمایا: الکتاب سے مراد قرآن ہے یعنی ہم نے امر دین میں سے کسی چیز کو ترک نہیں کیا مگر ہم نے قرآن میں اس پر دلالت کی ہے یا تو واضح دلالت ہے یا مجمل دلالت ہے جس کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اجماع سے یا قیاس سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ قیاس جو نص الکتاب سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: 89) اور فرمایا وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: 44) اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا۔ اور فرمایا: اور ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر تا کہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لیے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف۔ فرمایا: وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7) اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔

اس آیت میں اور سورۃ النحل کی آیت میں اجمالی طور پر اسے بیان فرمایا جس پر نص قائم نہ تھی اور جس کا ذکر نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ قرآن میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر اسے بیان فرمایا خواہ تفصیلاً خواہ اصلاً اور فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: 3) آج مکمل کر دیا میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ یعنی جزا کے لیے اٹھائے جائیں گے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں گزرا ہے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز حقوق والوں کو حقوق ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگوں والی بکری کے لیے قصاص لیا جائے گا''۔ یہ دلیل ہے کہ جانوروں کو بھی قیامت کے روز اٹھایا جائے گا۔ یہ حضرت ابوذر، حضرت ابو ہریرہ اور حسن وغیرہم کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے ایک روایت میں فرمایا: جانوروں اور پرندوں کا حشر ان کا مرنا ہے۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔ پہلا قول اصح ہے آیت کا ظاہر اور خبر صحیح اس کی تائید کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ (التکویر) اور حضرت ابو ہریرہ کا قول جعفر بن برقان نے یزید بن اصم کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو اٹھائے گا جانور، حیوان، پرندے اور ہر چیز کو اٹھائے گا، اس دن اللہ تعالیٰ کے عدل سے سینگوں والی بکری سے بغیر سینگوں والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔ پھر فرمائے گا: تو مٹی ہو جا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ (النباء) اور کافر (بصد حسرت) کہے گا: کاش میں خاک ہوتا۔ عطاء نے کہا: جب جانور بنی آدم کو اور ان کی گھبراہٹ کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے: سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں تمہاری مثل تو نہیں بنایا، ہم نہ تو جنت کے امیدوار ہیں اور نہ دوزخ کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: مٹی ہو جاؤ۔ اس وقت کافر خواہش کرے گا کہ وہ مٹی بن جائے۔ ایک جماعت نے کہا: یہ حشر جو آیت میں ہے وہ کفار کی طرف راجع ہے اور جو درمیان میں ہے وہ کلام معترض ہے اور دلائل کا قیام ہے۔ رہی حدیث تو اس سے مقصود حساب، قصاص کی تعظیم کی جہت پر تمثیل ہے اور اس میں اعتناء کی عظمت کے اعتبار سے تمثیل ہے تاکہ اس سے سمجھا جائے کہ ہر ایک سے حساب ہوگا اس سے کسی کے لیے بھاگنا نہیں ہے اور انہوں نے اس کو ایک اور حدیث سے تائید دی ہے جو صحیح میں نہیں ہے، بعض رواۃ سے زیادتی مروی ہے فرمایا: حتیٰ کہ بغیر سینگوں والی بکری کے لیے سینگوں والی بکری سے قصاص لیا جائے گا اور اس پتھر کے لیے قصاص لیا جائے گا جسے دوسرا پتھر لگا ہوگا اور اس لکڑی کے لیے قصاص لیا جائے گا جس کو دوسری لکڑی نے خراش دی ہوگی۔ ان علماء نے کہا: پس ظاہر ہوا کہ اس سے مقصود وہ تمثیل ہے جو عبرت اور خوف دلانے کے لیے مفید ہے، کیونکہ جمادات کو خطاب ثواب اور عقاب معقول نہیں اور کوئی بھی شعور والا یہ نظریہ نہیں رکھتا، یہ بے وقوف لوگوں کا ہی تصور ہو سکتا ہے۔ یہ علماء فرماتے ہیں: قلم ان پر جاری نہیں ہوتا پس ان سے مؤاخذہ جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: صحیح پہلا قول ہے جیسا کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے اگرچہ احکام میں ان پر قلم جاری نہیں ہوتا لیکن جو ان کے درمیان ہوا اس کا ان سے مواخذہ ہوگا۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو بکریوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تو جانتا ہے جو انہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے ہیں؟'' میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا'' یہ نص ہے مزید بیان ہماری کتاب التذکرۃ باحوال الموتی و امور الآخرۃ میں موجود ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۹ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۰ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝۴۱

''اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وہ) بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں (سرگرداں ہیں) جسے چاہے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اسے اور جسے چاہے لگادے اسے سیدھے راستے پر۔ آپ فرمائیے: بھلا بتاؤ تو اگر آجائے تم پر اللہ عذاب یا آجائے تم پر قیامت کیا اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بتاؤ؟ اگر تم سچے ہو۔ بلکہ اسی کو پکارو گے تو دور کر دے گا وہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لیے اگر وہ چاہے گا اور تم بھلا دو گے انہیں

جنہیں تم نے شریک بنا رکھا تھا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ یہ مبتدا اور خبر ہیں یعنی انہوں نے قوت سماعت اور قوت بصارت سے نفع نہ اٹھایا جانوروں میں سے ہر امت اپنے مصوں کی طرف ہدایت پاتے ہیں اور کفار ہدایت نہیں پاتے یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ فِي الظُّلُمٰتِ یعنی کفر کی تاریکیاں۔ ابو علی نے کہا: اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ آخرت میں گونگے اور بہرے ہوں گے اس صورت میں حقیقی معنی ہوگا، مجازی معنی نہ ہوگا۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ یہ دلیل ہے کہ اس نے کافر کی گمراہی کو چاہا اور اس نے ارادہ کیا کہ اس میں اس کا عدل نافذ ہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اس نے فرمایا: وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ یعنی جسے چاہے دین اسلام پر اسے لگا دے، تاکہ اس میں اس کا فضل نافذ ہو۔ اس میں قدریہ کے مذہب کا ابطال ہے۔ مشیت ان لوگوں کی طرف راجع ہے جنہوں نے تکذیب کی۔ ان میں سے کچھ کو گمراہ کرتا ہے اور کچھ کو ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ نافع نے دونوں ہمزوں کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے پہلے ہمزہ کی حرکت کو پہلے ہمزہ پر ڈالا ہے اور دوسرے کو بین بین پڑھا ہے۔ ابو عبید نے نافع سے حکایت کی ہے کہ وہ ہمزہ کو ساقط کرتے ہیں اور ان کے عوض الف لگاتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ اہل عرب کے نزدیک غلط ہے، کیونکہ یا ساکنہ ہے اور الف ساکنہ ہے اور دو ساکن جمع نہیں ہوتے۔ مکی نے کہا: ورش سے مروی ہے کہ انہوں نے ہمزہ کو الف سے بدلا، کیونکہ ان سے روایت ہے کہ وہ دوسرے ہمزہ میں مد کرتے ہیں اور مد نہیں ہوتا مگر بدل کے ساتھ بدل، اصل کی فرع ہے اور اصل یہ ہے کہ ہمزہ، ہمزہ مفتوحہ اور الف کے درمیان ہے۔ ورش کے علاوہ یہ ان کا نظریہ ہے جو دوسرے ہمزہ میں تخفیف کرتے ہیں۔ ہمزہ میں بدل کا جواز بہتر ہے اس کے بعد ساکن ہے، کیونکہ پہلا حرف مدولین ہے، مد وہ جو ساکن کے ساتھ پیدا ہوتا ہے وہ اس حرکت کے قائم مقام ہوتا ہے جس کے ساتھ دوسرے ساکن کے ساتھ بولنا ممکن ہوتا ہے۔

ابو عمرو، عاصم، حمزہ نے اَرَءَيْتَكُمْ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ پڑھا اور انہوں نے کلمہ کو اپنی اصل پر پڑھا ہے۔ اصل ہمزہ ہے، کیونکہ ہمزہ استفہام رایت پر داخل ہوا پس ہمزہ فعل کا عین کلمہ ہے اور یاء ساکن ہے، کیونکہ اس کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل ہے۔

عیسیٰ بن عمر اور کسائی نے اریتکم دوسرے ہمزہ کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عربی قواعد سے بعید ہے۔ شعر میں جائز ہے عرب کہتے ہیں: ارائیتك زيد أما شأنه۔ بصریوں کا مذہب یہ ہے کہ حذف اور میم خطاب کے لیے ہے ان کا ترکیب میں کوئی محل نہیں۔ یہ زجاج کا مختار قول ہے۔ اور کسائی اور فراء وغیرہ کا مذہب یہ ہے ان کو نصب، رؤیت کے وقوع کی وجہ سے ہے۔ معنی ہے: أرأيتم أنفسكم جب خطاب کے لیے ہوں گے تو تاکید کے لیے زائدہ ہوں گے اور ان اتاکم میں ان محل نصب میں ہوگا۔ کیونکہ رایتک کا مفعول ہوگا اور اگر کم ضمیر اسم ہوگی تو محل نصب میں ہوگی ان دوسرے مفعول کی جگہ ہوگا پس پہلی صورت میں رویت عین سے ہوگا، کیونکہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور بمعنی علم ہوگا تو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا اور اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ یا تمہارے پاس وہ وقت آجائے جس میں تم اٹھائے جاؤ گے پھر فرمایا: اَغَيْرَ اللّٰهِ

تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ یہ آیت ان مشرکین کے خلاف حجت قائم کرنے کے لیے ہے جو اعتراف کرتے تھے کہ اس کا صانع ہے یعنی تم تکالیف میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہو اور قیامت کے روز بھی تم اس کی طرف لوٹو گے پس تم خوشحالی میں شرک پر کیوں اصرار کرتے ہو، وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور عذاب ٹالنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ بل پہلی کلام سے اضراب ہے اور دوسرے کے لیے ایجاب ہے۔ اِيَّاهُ، تَدْعُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ یعنی وہ اس تکلیف کو دور کر دے گا جس کو دور کرنے کے لیے تم اسے پکارتے ہو اگر وہ چاہے گا۔ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۞ بعض علماء نے فرمایا: یہ عذاب کے نزول کے وقت ہوگا یعنی اس وقت وہ انہیں بھول جائیں گے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ حسن نے کہا: تم اس طرح اعراض کرو گے جس طرح بھولنے والا اعراض کرتا ہے یہ اس کی طرف سے نجات سے مایوسی کے وقت ہوگا، کیونکہ اس میں نہ ضرر کی طاقت ہے، نہ نفع کی قوت ہے۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی تتر کون ہو یعنی تم چھوڑ دو گے۔ نحاس نے کہا: اس کی مثل یہ ارشاد ہے:۔ وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ (طٰہٰ: 115) اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۞

''اور بے شک بھیجے ہم نے رسول امتوں کی طرف آپ سے پہلے (جب انہوں نے سرکشی کی) تو ہم نے پکڑ لیا انہیں سختی اور تکلیف سے تاکہ وہ گڑگڑائیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور تسلی ہے اس میں اضمار ہے یعنی اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ رسلا اور اس میں دوسرا اضمار بھی ہے جس پر ظاہر دلالت کرتا ہے اس کی تقدیر یہ ہے فکذبوا فاخذناھم یہ آیت ماقبل سے متصل ہے جس طرح ایک حالت اپنی سے قریب حالت سے متصل ہوتی ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ یہ لوگ بھی اپنے نبی کی مخالفت کرنے میں پہلے لوگوں کے مسلک پر چلے جنہوں نے اپنے انبیاء کی مخالفت کی تھی پس یہ اس مصیبت اور بلا میں گرفتاری کے مقام پر ہیں جو ان سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئی۔ بِالْبَاْسَآءِ کا معنی اموال میں مصائب وَ الضَّرَّآءِ بدنوں میں مصیبت۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ کبھی یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصائب، تکالیف اور دوسرے ذرائع سے جو چاہتا ہے، تربیت فرماتا ہے لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ (الانبیاء: 23)

ابن عطیہ نے کہا: عبادت گزار (صوفیاء) اپنے نفسوں کو اموال کی تفریق کر کے اور جسموں پر بھوک اور بغیر لباس کے رہ کر مشقت برداشت کر کے نفسوں کی تربیت کا استدلال کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کی جہالت ہے جو ایسا کرتا ہے اور جس نے اس آیت کو اس کی اصل بنایا ہے یہ اس شخص کے لیے اللہ کی طرف سے عقوبت ہے جن کو وہ ان کے ساتھ امتحان میں مبتلا کرنا چاہے۔ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اپنے نفسوں کو خود امتحان میں ڈالیں اور اس پر قیاس کرتے ہوئے تکلیف برداشت کریں، کیونکہ نفس سواری ہیں جس پر سوار ہو کر دار الکرامۃ تک پہنچنا ہے اور ان کے ذریعے قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے نجات پانا ہے قرآن حکیم میں ہے یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا (المومنون: 51) اے (میرے) پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو۔

اور فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (بقرہ: 267) اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (بقرہ: 172) اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس چیز کا حکم دیا جس کے ساتھ مرسلین کو خطاب کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پاکیزہ چیزیں کھاتے تھے اور خوبصورت لباس پہنتے تھے اور ان سے زینت حاصل کرتے تھے، اسی طرح تابعین کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ مائدہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے اور سورۂ اعراف میں لباس وغیرہ کا حکم آئے گا۔ اگر معاملہ اس طرح ہوتا جس طرح یہ کہتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ زروع، جنات، پھل، نباتات اور جانور جن کو مسخر فرمایا اور جن کو ہمارے لیے کھانا حلال کیا اور جن کے دودھ استعمال کرنے اور ان کی کھال سے گرمی حاصل کرنے کو بطور احسان ذکر نہ فرماتا۔ اگر ان کا نظریہ درست ہوتا اور اس میں فضیلت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین وعلماء اس پر زیادہ عمل کرتے۔ سورۂ بقرہ میں مال کی فضیلت، منفعت اور جو اس کو جمع کرنے کا انکار کرتا ہے اس کا رد گزر چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسموں پر کمزوری کے خوف سے صوم وصال سے نہی فرمائی اور مال کو ضائع کرنے سے نہی فرمائی، جاہل اغنیاء کا رد کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ۝ وہ پکاریں اور اپنے عجز کا اظہار کریں۔ یہ الضراعۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ذلت ہے، کہا جاتا ہے: ضرع فھو ضارع۔

فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

''تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب آیا ان پر عذاب تو وہ (توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے لیکن سخت ہو گئے ان کے دل اور آراستہ کر دیا ان کے لیے شیطان نے جو وہ کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی

گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کے جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک، اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے، تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا، لولا یہ تحضیض کے لیے ہے یہ وہ ہوتا ہے جو فعل کے ساتھ ملا ہوتا ہے بمعنی ھلا ہوتا ہے، یہ دعا کے ترک پر عتاب ہے اور ان کے متعلق خبر ہے کہ عذاب کے نزول کے وقت انہوں نے دعا نہیں کی۔ یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے دعا کی ہو لیکن غیر مخلص کی طرح کی ہو یا اس وقت دعا کی ہو جب عذاب نازل ہو چکا ہو۔ اور ان تمام صورتوں میں دعا غیر نافع ہے۔ دعا کا حکم حالت خوشحالی اور شدت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (غافر:60) مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

اور فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ (غافر) بے شک جو لوگ عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر۔

یہ سخت وعید ہے۔ وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی ان کے دل سخت ہو گئے، یہ کفر اور معصیت پر اصرار سے عبارت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی شیطان نے انہیں گناہوں کے ذریعے اغوا کیا اور گناہوں پر برانگیختہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ کہا جاتا ہے: ان کی نسیان پر کیوں مذمت کی گئی جب کہ یہ ان کے فعل سے نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نسوا معنی ترکوا ہے یعنی انہوں نے جب ترک کر دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں۔ یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج سے مروی ہے اور یہی ابو علی کا قول ہے جو شخص کسی شے سے اعراض کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس شخص کے قائم مقام ہو جاتا ہے جو بھول چکا ہو جیسے کہا جاتا ہے: ترکہ فی النسی۔ اس نے اسے بالکل بھلا دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو نسیان کے لیے پیش کیا اس لیے مذمت جائز ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی سزا کے موجب کاموں پر مذمت جائز ہے۔

فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ یعنی نعمتیں اور خیرات کے دروازے کھول دیئے یعنی ہم نے نعمتوں کی کثرت کر دی۔ اہل عرب کے نزدیک اس کی تقدیر یہ ہے کہ ہر دروازہ جو بند تھا وہ ان پر کھول دیا۔

حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا حتیٰ کہ جب وہ اکڑے اور خوش ہوئے اور یہ گمان کرنے لگے یہ نعمتیں اور مال ہمیشہ رہے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے۔ اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ہم نے انہیں اچانک جڑ سے اکھیڑ دیا اور ہم ان پر غالب آ گئے۔ بَغْتَةً کا معنی اچانک ہے یعنی کسی نشان کے بغیر غفلت پر پکڑ لینا۔ جب کوئی غافل ہو اور اسے پکڑا جائے تو کہتے ہیں: فقد أخذ بغتة کسی کو اچانک حملہ کر کے قتل کرنا۔ یہ البغت سے مشتق ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: تذکیر (نصیحت) جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس سے انہوں نے اعراض کیا۔ اس کو علامت کے قائم مقام رکھا ہے واللہ اعلم۔

بَغْتَةً حال کی جگہ میں مصدر ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے جیسے فرمایا: وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝ (القلم) میں انہیں مہلت دوں گا میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی ناراضگی اور خفیہ تدبیر سے پناہ مانگتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اس آیت میں غور کیا حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً۔ محمد بن نضر حارثی نے فرمایا: اس قوم کو بیس سال مہلت دی گئی۔ حضرت عقبہ بن عامر نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گناہوں کے باوجود انہیں وہ عطا کر رہا ہے جو وہ چاہتے ہیں تو وہ اس کی طرف ان کے لیے استدراج ہے، پھر یہ آیت پڑھی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ حسن نے کہا: اللہ کی قسم! لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں اللہ نے اس کے لیے دنیا میں کشادگی کی ہو اور وہ نہ ڈرے کہ ہو سکتا ہے اس سے تدبیر کی گئی ہو مگر اس کا عمل کم ہوا اور اس کی رائے عاجز ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بندے سے جو روک لیا اور اس نے گمان نہ کیا وہ اس کے لیے بہتر ہے مگر اس کا عمل کم ہوا اور اس کی رائے عاجز ہوئی خبر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: جب تم فقر کو اپنی طرف آتا دیکھو تو نیک لوگوں کے شعار کو مرحبا کہو اور جب تم غنی کو اپنی طرف آتا دیکھو تو کہو: گناہ جس کی سزا جلدی دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ المبلس مبہوت، غمگین اور خیر سے مایوس آدمی کو کہتے ہیں جو مایوسی بند نہیں ہوتی۔ یہ اس شدت کا جواب ہے جو ان پر نازل ہوئی۔ زجاج نے کہا:

يا صاحِ هل تَعرفُ رَسْمًا مُكْرَسًا قال نَعَمْ أعرفُه وأَبْلَسَا

یعنی اس نے جو دیکھا اس کی ہولناکی کی وجہ سے حیران ہوا۔ اس سے ابلیس کا اسم مشتق ہوا۔ ابلس الرجل یعنی آدمی خاموش ہوا۔ ابلست الناقة وهي مبلاس اونٹنی جب نر کی خواہش میں نہ بولے۔ ضَبِعتِ الناقةُ تَضْبَعُ ضَبَعَةً وضَبْعاً جب اونٹنی نر کو چاہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا، الدابر کا معنی ہے آخر۔ کہا جاتا ہے: دَبَرَ القومَ یَدْبُرهم دَبْراً جو سب سے آخر میں آنے والا ہو۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے من الناس من لا یاتی الصلاة الا دبریا(1) یعنی لوگوں میں سے جو نماز میں آخری وقت پر آتا ہے۔ یہاں معنی ہے ان کی نسل کاٹ دی انہیں بدل دیا اور ان میں سے کوئی باقی نہ چھوڑا۔ قطرب نے کہا: انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا گیا اور انہیں ہلاک کیا گیا۔ امیہ بن ابی صلت نے کہا:

فأهلكوا بعذابٍ حَصَّ دابرَهم فما استطاعوا له صَرْفًا ولا انتصروا

اسی سے التدبیر ہے، کیونکہ وہ امور کے انجام کو پختہ کرتا ہے۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: ان کے ہلاک کرنے پر حمد ہے۔ بعض نے فرمایا: مومنین کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کیسے حمد کریں۔ یہ آیت اپنے ضمن میں ظلم کو وجوباً چھوڑنے پر حجت کو لیے ہوئے ہے، کیونکہ ظلم کے پیچھے جڑ کو ہی

1۔ معانی القرآن للنحاس

ختم کر دینا اور دائمی عذاب تک پہنچانا ہے ہر حامد کی طرف حمد قطع کرنے والے کے استحقاق کے ساتھ۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

''آپ فرمایئے: بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر تو کوئی خدا ہے اللہ کے سوا جو لا دے تمہیں یہ چیزیں؟ ملاحظہ ہو کس کس رنگ سے ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ آپ فرمایئے: یہ تو بتاؤ اگر آ جائے تم پر عذاب اچانک یا کھلم کھلا تو کون ہلاک کیا جائے گا بغیر ظالم لوگوں کے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ یعنی اگر تم سے قوت سماعت اور دیکھنے کی استطاعت واپس لے لے۔ سَمْعَكُمْ کو مفرد ذکر فرمایا، کیونکہ مصدر جمع پر دلالت کرتا ہے۔ وَ خَتَمَ مہر لگا دے۔ یہ پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ''ان'' کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت ہے فمن یاتیکم بہ، بہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ حال واقع ہو رہا ہے جیسے تیرا قول ہے: اضرب بہ ان خرج یعنی خارجاً۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ معانی ہیں جو ان اعضاء کے ساتھ قائم ہیں اللہ جوارح (اعضاء) اور اعراض سب کو لے جاتا ہے اور کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا (النساء: 47) یہ آیت کریمہ کفار پر حجت ہے۔

مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ، مَّنْ مبتدا ہے اور اس کی خبر الہ ہے اور غیرہ اس کی صفت ہے اسی طرح یاتیکم محل رفع میں ہے کیونکہ الہ کی صفت ہے اس کا ذکر استفہام کے ذکر کی طرح ہے اور یہ جملہ رایتم کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے اور ارایتم کا معنی علمتم ہے بہ میں ضمیر کو مفرد ذکر فرمایا، حالانکہ پہلے ذکر جمع کا ہو چکا ہے، کیونکہ معنی مراد ہے پس ھا مذکور کی طرف راجع ہے، بعض نے فرمایا: ضمیر کا مرجع سمع ہے جیسے ارشاد ہے: وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبہ: 62) ابصار اور قلوب تضمین کی دلالت کے ساتھ داخل ہیں۔ بعض نے فرمایا: مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ ان مذکورات میں سے ایک کو۔ بعض نے فرمایا: ہدایت کی طرف ضمیر راجع ہے معنی جس کو شامل ہے۔

عبدالرحمن اعرج نے بِهٖ ۭ اُنْظُرْ ھا کے ضمہ کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے، کیونکہ اصل میں ہ مضمومۃ ہوتی ہے جیسے تو کہتا ہے: جئت معہ۔ نقاش نے کہا: اس آیت میں سمع کی بصر پر فضیلت کی دلیل ہے، کیونکہ یہاں اور دوسری آیت میں سمع کو مقدم کیا گیا ہے۔ یہ سورۂ بقرہ کی ابتدا میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ آیات کو مختلف جہات سے بیان کرنا کبھی اعذار، کبھی انداز کبھی ترغیب کبھی ترہیب، یہ تصریف الایات کا مفہوم ہے۔

ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد، قتادہ اور سدی سے مروی ہے۔ کہا جاتا

ہے: صدف عن الشی جب کوئی کسی سے اعراض کرے اس کا مصدر صدفا و صدوفاً آتا ہے اور صادف اسم فاعل آتا ہے۔
صادفتہ مصادفۃً اس کی اعراض کی جہت سے میں اسے ملا۔ ابن رقاع نے کہا:

إذَا ذَكَرْنَ حديثًا قُلْنَ أحسنَه　　وهُنَّ عن كلّ سوءٍ يُتّقَى صُدُفُ

الصَّدفُ فی البعیر اونٹ کا پاؤں یا ہاتھ وحشی جانب مائل ہوا۔ هُمْ يَصْدِفُونَ وہ حج اور آیات سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً حسن نے کہا: بَغْتَةً سے مراد رات کے وقت اور جَهْرَةً سے مراد دن کے وقت ہے۔ بعض نے فرمایا: بَغْتَةً کا معنی اچانک ہے۔ کسائی نے کہا: کہا جاتا ہے: بغتهم الامر يبغتهم بغتًا و بغتة جب اچانک ان کے پاس آجائے یہ پہلے گزر چکا ہے۔

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ اس کی مثال یہ آیت ہے فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ (الاحقاف) یعنی کیا کوئی ہلاک ہوگا سوائے تمہارے، کیونکہ تم نے شرک کیا۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۝ (لقمان) اے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝

''اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوش خبری سنانے کے لیے اور (عذاب جہنم سے) ڈرانے کے لیے تو جو ایمان لائے اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو کوئی خوف نہیں ہوگا انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ یعنی مرسلین ترغیب و ترہیب کرتے ہیں۔ حسن نے کہا: دنیا میں رزق کی وسعت کی بشارت دیتے ہیں اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: 96) منذرین کا معنی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں، یعنی ہم نے رسولوں کو ترغیب و ترہیب کی غرض سے بھیجا نہ کہ اس لیے کہ جو مطالبہ ان سے کسی نشانی کا کیا جائے وہ دکھائیں وہ تو ایسی آیات لے کر آتے ہیں جن کے ساتھ ان کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ فرمایا: فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ اس پر کلام گزر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝

''اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا انہیں عذاب بوجہ اس کے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا آیات سے مراد قرآن اور معجزات ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ انہیں عذاب پہنچے گا۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ جو وہ کفر کرتے تھے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

''آپ فرمائیے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا میں مگر وحی کی جو بھیجی جاتی ہے میری طرف۔ آپ فرمائیے: کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ یہ ان کے قول لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کیوں نہ اتاری گئی ان پر آیت اس کے رب کی طرف سے۔ کا جواب ہے مطلب یہ ہے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خزانے نہیں ہیں کہ میں اتاروں جو تم کسی نشانی کا مطالبہ کرو اور نہ میں غیب جانتا ہوں کہ تمہیں اس کے متعلق خبر دوں۔ الخزانة وہ چیز جس میں کوئی چیز محفوظ کی جائے۔

حدیث شریف میں ہے ''لوگوں کے لیے اس کے مویشیوں کی کھیریاں ان کے کھانے خزانہ کیے ہوئے ہوتی ہیں، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کے بالا خانہ میں کوئی آئے اور اس کی الماری توڑ دی جائے'' (1)۔ خزائن اللہ سے مراد اس کی مقدورات ہیں یعنی میں اس کا مالک نہیں کہ جو تم تجویز پیش کرو میں وہ سب کر گزروں وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ فرشتے افضل ہیں یعنی میں فرشتہ نہیں ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ان امور کا مشاہدہ کروں جو ایک بشر نہیں کرتا۔ جو علماء کہتے ہیں کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس پر کلام گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اس کا ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعی طور پر کسی امر کا فیصلہ نہیں کرتے مگر جس میں وحی آجاتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ انبیاء کرام کی طرف سے اجتہاد، منصوص پر قیاس جائز ہے اور قیاس ادلہ شرعیہ سے ہے مزید بیان سورۂ اعراف میں آئے گا اور انبیاء کے اجتہاد کے جواز پر گفتگو سورۂ انبیاء میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ، الْاَعْمٰى سے مراد کافر اور الْبَصِیْرُ سے مراد مومن ہے یہ مجاہد وغیرہ سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد جاہل اور عالم ہیں۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ دونوں برابر نہیں ہیں کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 4505

''اور ڈرایئے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہوں اس سے کہ اٹھایا جائے گا انہیں ان کے رب کی طرف اس حالت میں کہ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی (انہیں ڈرایئے) تا کہ یہ (کامل) پرہیزگار ہو جائیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْذِرْ بِهِ، ہ ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ انذار کا معنی اعلام (آگاہ کرنا) ہے یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: بہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، بعض نے فرمایا: آخرت کا دن ہے۔

الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا، اَنْ کو خاص فرمایا، کیونکہ ان پر حجت کو ثابت فرمایا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں نہ وہ حشر کے بارے میں متردد ہیں، معنی یہ ہے کہ وہ حشر کے عذاب کی توقع رکھتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: یَخَافُوْنَ کا معنی ہے وہ جانتے ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہے تو اسے ڈرایئے تا کہ وہ گناہ چھوڑ دے اگر وہ اہل کتاب ہے تو اسے ڈرایئے تا کہ وہ حق کی اتباع کرے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد مومنین ہیں۔ زجاج نے کہا: ہر وہ شخص مراد ہے جو دوبارہ اٹھنے کا اقرار کرتا ہے خواہ وہ مومن ہے یا کافر ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ آیت مشرکین کے بارے میں ہے یعنی انہیں قیامت کے دن سے ڈرایئے۔ پہلا قول اظہر ہے۔

لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اللہ کے سوا کوئی ان کا حمایتی اور سفارشی نہ ہوگا۔ شَفِیْعٌ یہ یہود و نصاریٰ کے گمان کا رد ہے جو کہتے تھے کہ ان کا باپ ان کی سفارش کرے گا، کیونکہ وہ کہتے تھے: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ: 18) ہم اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں مشرکین اپنے بتوں کو اللہ کی بارگاہ کا سفارشی بناتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ کفار کے لیے سفارش نہیں ہے۔ اور جن علماء نے کہا: آیت مومنین کے بارے میں ہے انہوں نے کہا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اذن سے شفاعت کریں گے پس حقیقت میں وہی شفیع ہے جس نے اذن دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیاء: 28) وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے۔

وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا: 23) اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لیے اس نے اجازت دی ہو۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (بقرہ: 255) کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے۔

لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ یعنی مستقبل میں پرہیزگار بن جائیں۔ یہ ایمان پر ثابت قدم رہنا ہے۔

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

''اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، طلب گار ہیں (فقط) اس کی رضا کے نہیں

آپ پر ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز ہے پھر بھی اگر آپ دور ہٹائیں انہیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ مشرکین نے کہا: سلمان، صہیب، بلال اور خباب جیسے لوگوں کے ساتھ ہم بیٹھنے پر خوش نہیں ہیں آپ ان کو اپنے پاس سے دور کر دیں اور انہوں نے مطالبہ کیا یہ آپ ان کو لکھ کر دیں کہ آپ انہیں ہٹا دیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ تحریر لکھ دیں۔ فقراء صحابہ اٹھے اور ایک طرف جا کر بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اسی وجہ سے حضرت سعد نے صحیح حدیث میں اپنے قول سے اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں واقع ہوا جو اللہ نے چاہا کہ واقع ہو۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے اسلام لانے کی امید پر اس عمل کی طرف مائل ہوئے اور آپ نے خیال فرمایا کہ یہ چیز آپ کے صحابہ میں کسی عظمت کو کم نہیں کرے گی اور ان کی قدر کو نہیں گھٹائے گی پس آپ اس عمل کی طرف مائل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی اور فقیر صحابہ کو دور کرنے کا جو ارادہ فرمایا تھا اس سے منع فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی انہیں دور نہیں کیا تھا۔ (صرف ارادہ کیا تھا اور نہی وارد ہو گئی)۔

مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ آدمی تھے۔ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ انہیں اپنے پاس سے دور ہٹا دیں، یہ ہمارے پاس نہ بیٹھیں۔ فرمایا: ان صحابہ میں ایک میں تھا، حضرت ابن مسعود تھے، ایک ہذیل کا آدمی تھا، بلال تھا اور دو اور آدمی تھے میں ان کا نام نہیں لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال واقع ہوا جو اللہ نے چاہا کہ واقع ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ بعض علماء نے فرمایا: یہاں دعا سے مراد جماعت کے ساتھ فرضی نماز کی محافظت کرنا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد ذکر اور قرأت قرآن ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دن کے آغاز اور اختتام پر دعا مراد ہو وہ دن کا آغاز دعا سے کرتے ہوں تا کہ انہیں نیکی کی توفیق ملے اور شام بھی دعا کرتے ہوں تا کہ مغفرت طلب کریں۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ اس کی طاعت اور اخلاص کا ارادہ کرتے ہیں فقط اللہ کی رضا کے لیے عبادت اور نیک اعمال کرتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کرتے ہیں جس کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اس کی وجہ ہے جیسے فرمایا: وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن) باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت و احسان والی ہے۔

اور فرمایا: وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (الرعد: 22) اور جو لوگ (مصائب و آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔

آیت میں غداۃ اور عشی (صبح و شام) کا خاص ذکر فرمایا، کیونکہ غالب طور پر لوگ ان اوقات میں مشغول ہوتے ہیں اور

جو مشغولیت کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو وہ فراغت کے وقت میں بہت زیادہ عمل کرنے والا ہوگا، رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ان کے ساتھ رہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (الکہف: 28) آپ نہیں اٹھتے تھے حتیٰ کہ وہ پہلے اٹھتے تھے یہی مفہوم مکمل اور واضح طور پر ابن ماجہ نے سنن میں خباب سے اسی آیت کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا: اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری آئے اور رسول اللہ ﷺ کو صہیب، بلال اور عمار اور خباب کے ساتھ پایا آپ کمزور اور غریب مومنین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جب انہوں نے ایسے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے اردگرد دیکھا تو انہوں نے انہیں حقیر سمجھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور تنہائی میں کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے ایک ایسی مجلس قائم کریں کہ اس سے عربوں پر ہماری فضیلت ظاہر ہو، کیونکہ عرب کے وفود آپ کے پاس آتے ہیں ہم شرم محسوس کرتے ہیں کہ ان غلاموں کے ساتھ عرب ہمیں دیکھیں جب ہم آپ کے پاس آئیں تو انہیں اپنے پاس سے اٹھا دیں اور جب ہم فارغ ہو جائیں تو پھر اگر آپ کی رضی ہو تو ان کے ساتھ بیٹھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے'' انہوں نے مزید کہا کہ آپ ہمیں تحریر بھی لکھ دیں آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ تحریر لکھ دیں۔ ہم ایک کونہ میں بیٹھے تھے اسی وقت جبریل امین اترے اور کہا: وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (1)

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کا ذکر کیا فرمایا: وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ پھر فرمایا: وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ فرمایا ہم آپ ﷺ کے قریب ہوئے حتیٰ کہ ہم نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں پر رکھے، رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے تھے جب آپ اٹھنا چاہتے تو اٹھ جاتے اور ہمیں چھوڑ جاتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکہف: 28) یعنی آپ ان سرداروں سے مجلس نہ کریں فرمایا: وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (الکہف: 28) یعنی عیینہ اور اقرع کے دلوں کو ہم نے غافل کر دیا آپ ان کی پیروی نہ کریں۔ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ (الکہف) فرطاً کا معنی ھلاکاً ہے یعنی عیینہ اور اقرع کا امر ہلاک ہونے والا ہے پھر ان کے لیے دو آدمیوں کی مثال دی اور دنیوی زندگی کی مثال دی۔ حضرت خباب نے کہا: پھر ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے پھر جب وہ وقت آجاتا جس میں آپ اٹھتے تھے تو ہم خود اٹھ جاتے تھے اور آپ کو چھوڑ جاتے تھے تا کہ آپ اٹھ جائیں۔ اس حدیث کو احمد بن محمد بن یحییٰ بن سعید قطان سے روایت ہے انہوں نے کہا ہمیں عمرو بن محمد عنقزی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں اسباط نے بتایا انہوں نے سدی سے روایت کیا انہوں نے ابو سعید ازدی سے روایت کیا یہ ازد قبیلہ کے قاری تھے انہوں نے ابو الکنود سے انہوں نے حضرت خباب سے روایت

1۔ سنن ابن ماجہ، باب مجالسۃ الفقراء، حدیث نمبر 4116، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کیا اس حدیث کو حضرت سعد سے بھی روایت کیا ہے فرمایا: یہ آیت ہم چھ آدمیوں کے بارے نازل ہوئی ہیں، ابن مسعود، صہیب، عمار، مقداد اور بلال۔ فرمایا: قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ہم خوش نہیں ہوں گے کہ ہم ان کے تابع ہوں آپ انہیں دور کر دیں۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خیال آیا جو اللہ نے چاہا کہ خیال آئے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ...... الخ (1)، الغدوۃ بھی پڑھا گیا ہے۔ مزید بیان سورۂ کہف میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ان کی جزا اور ان کے رزق کی کفایت آپ پر نہیں ہے۔ ان کی جزا اور ان کے رزق اللہ کے ذمہ ہیں اور آپ کی جزا اور آپ کا رزق بھی اللہ پر ہے کسی اور پر نہیں۔ پہلا من بعضیہ ہے اور دوسرا زائدہ تاکید کے لیے ہے اسی طرح وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ جب معاملہ اس طرح ہے تو آپ ان فاقہ مستوں کی طرف متوجہ ہوں اور ان کے ساتھ مجلس کریں اور انہیں دور نہ کریں، تاکہ آپ اس کے حق کی رعایت کریں جو دین میں ان کی مثل نہیں ہے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ظلم کا ارتکاب کریں گے۔ پناہ بخدا! کہ ایسا فعل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہو یہ تو محض احکام الٰہی کا بیان ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اہل اسلام میں سے کسی سے ایسی چیز صادر نہ ہو۔ اس کی مثل یہ ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65) اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ شرک نہیں کریں گے اور آپ کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔

فَتَطْرُدَهُمْ نفی کا جواب ہے۔ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝

نہی کے جواب میں فا کے ساتھ نصب دی گئی ہے معنی یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو دور نہ کریں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں ورنہ آپ بے انصافی کرنے والوں سے ہو جائیں گے آپ کے حساب سے ان پر کچھ نہیں ہے کہ آپ انہیں دور کریں یہ تقدیم و تاخیر پر ہے۔ ظلم اس کا اصل معنی کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی کو جاہ وحشمت اور اس کے لباس کی وجہ سے عظیم نہیں سمجھنا چاہیے اور اس کے گمنام ہونے اور لباس پھٹے پرانے ہونے کی وجہ سے حقیر نہیں جاننا چاہیے۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ۝

''اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (مال دار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے، کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزار (بندوں کو)''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ یعنی جس طرح ہم نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اسی طرح ان کو آزمائش میں ڈالا۔ الفتنۃ کا معنی آزمانا ہے یعنی ہم نے ان کے ساتھ آزمانے والوں کے معاملہ کی طرح معاملہ

1۔ سنن ابن ماجہ، باب مجالسۃ الفقراء، حدیث نمبر 4117، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کیا۔ لِیَقُوْلُوْٓا لام کی وجہ سے نصب دی گئی ہے یعنی اشراف و اغنیاء کہیں۔ اَهٰٓؤُلَآءِ یعنی ضعفاء اور فقراء۔ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا نحاس نے کہا: یہ مشکل سے ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کیسے آزمائے گئے تاکہ وہ یہ آیت کہیں، کیونکہ اگر یہ انکار ہو تو ان کی طرف سے کفر ہے۔ اس کے دو جواب ہیں: (۱) معنی یہ ہے کہ اغنیاء کو فقراء کے ساتھ آزمائش میں ڈالا گیا کہ ان کا مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں برابر ہے تاکہ وہ استفہام کے طور پر کہیں نہ کہ انکار کے طور پر اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ جب انہیں اس کے ساتھ آزمایا گیا تو ان کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے یہ انکار کے طور پر کہا۔ یہ اس قول کی مثل ہو گا فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (القصص: 8) پس (دریا سے) نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تاکہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم بنے۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ یعنی جن پر دولت ایمان کا احسان فرمایا، ان روسا پر نہیں جن کے متعلق اللہ کفر کو جانتا تھا۔ یہ استفہام تقریر ہے اور یہ ان کے قول اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ میں بَیْنِنَا کا جواب ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا اللہ تعالیٰ جانتا نہیں ہے جو اسلام کا شکر ادا کرے گا جب اسے اس کی طرف ہدایت ملے گی۔

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾

"اور جب آئیں آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو ان سے فرمایئے: سلام ہو تم پر لازم کر لیا تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے برائی نادانی سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ، السلام اور السلا مقرونوں کا ایک معنی ہے۔ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دین اور نفسوں میں سلامتی بخشے۔ یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کو دور کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہی کی گئی تھی پھر جب آپ انہیں دیکھتے تو پہلے انہیں سلام کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے میری امت میں ایسے لوگ بنائے جنہیں پہلے سلام کرنے کا مجھے حکم دیا گیا" (1)۔ اس بنا پر سلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتا تھا۔ بعض نے فرمایا: یہ اللہ کی جہت سے تھا، یعنی ہماری طرف سے انہیں سلام پہنچا دے۔ دونوں صورتوں میں اللہ کی بارگاہ میں ان کی فضیلت و مرتبہ کی دلیل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائذ بن عمرو سے مروی ہے کہ ابوسفیان آیا سلیمان، صہیب، بلال اور دوسرے افراد کے پاس تو انہوں نے کہا: اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن کی گردن سے اپنا حصہ نہیں لیا۔ راوی فرماتے ہیں حضرت ابوبکر نے کہا: کیا تم یہ قریش کے شیخ اور

1۔ زاد المسیر لابن جوزی

سردار کو کہتے ہو؟ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہیں سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! شاید تو نے انہیں ناراض کیا ہے، اگر تو انہیں ناراض کرے گا تو تو اپنے رب کو ناراض کرے گا"۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان فقراء صحابہ کے پاس آئے اور کہا: اے بھائیو! میں نے تمہیں ناراض کیا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں، اے بھائی، اللہ تیری مغفرت فرمائے۔ یہ ان لوگوں کے بلند مرتبہ اور حرمت کی دلیل ہے اس سے نیک لوگوں کا احترام اور جو انہیں اذیت دیتے ہیں اور انہیں ناراض کرتے ہیں ان سے احتساب کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، کیونکہ اس پر اللہ کا غضب ہوتا ہے یعنی جو اس کے اولیاء میں سے کسی کو اذیت دیتا ہے اس پر اس کا عقاب نازل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ فضیل بن عیاض نے کہا: مسلمانوں کا ایک گروہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ہم سے گناہ ہوئے ہیں آپ ہمارے لیے استغفار فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے اعراض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت انس بن مالک سے اس کی مثل مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اپنے سچے وعدہ اور اپنی سچی خبر کے ساتھ رحمت کرنا واجب فرمایا۔ بندوں کو اس کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے جس کو وہ جانتے تھے کہ اس نے اس چیز کو لکھا ہے تو اس نے اس کو اپنے اوپر واجب کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے لوح محفوظ میں اس کو لکھا۔

اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ یعنی جس نے بغیر ارادہ کے کوئی خطا کی۔ مجاہد نے کہا: وہ حرام حلال کو نہیں جانتا تھا اور اپنی جہالت کی وجہ سے وہ کام کر دیا جس نے کوئی برا کام کیا تو وہ اس سے جاہل ہے۔ یہ مفہوم سورۃ النساء میں گزر چکا ہے بعض علماء نے فرمایا: دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جاہل ہے۔

فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ ابن عامر اور عاصم نے ان کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح انه من عمل میں بھی فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع نے انه من عمل میں ان کی موافقت کی ہے۔ باقی قراء نے دونوں میں کسرہ پڑھا ہے۔ جنہوں نے کسرہ پڑھا ہے انہوں نے استئناف کے طور پر پڑھا ہے اور جملہ رحمت کے لیے تفسیر کرنے والا ہے اور انّ جب جملوں پر داخل ہوتا ہے تو اسے کسرہ دیا جاتا ہے اور فا کے بعد کا حکم ابتدا اور استئناف ہے اسی وجہ سے کسرہ دیا جاتا ہے۔ اور جنہوں نے دونوں جگہ فتحہ پڑھا ہے پہلا محل نصب میں ہے، کیونکہ وہ الرحمة سے بدل ہے کسی شے کا بدل اس شے سے ہوتا ہے اور وہ وہی ہے پس اس میں کتب نے عمل کیا ہے گویا فرمایا: کتب ربکم علی نفسه انه من عمل اور رہا فانه غفور فتحہ کے ساتھ تو اس میں دو وجہیں ہیں۔
(۱) یہ مبتدا کی وجہ سے محل رفع میں ہو اور اس کی خبر مضمر ہو گویا فرمایا: فله انه غفور رحیم۔ کیونکہ فا کے جو بعد ہوتا ہے وہ مبتدا ہوتا ہے یعنی اس کے لیے اللہ کی مغفرت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مبتدا مضمر ہو اور ان اور اس کا معمول خبر ہو تقدیر عبارت اس طرح ہو فامرہ غفران اللہ له۔ یہ سیبویہ کا مختار ہے۔ پہلی صورت کو انہوں نے جائز قرار نہیں دیا اور ابو حاتم نے اسے جائز قرار دیا۔ بعض نے فرمایا: کتب نے اس میں عمل کیا ہے یعنی کتب ربکم انه غفور رحیم۔ علی بن صالح اور ابن ہرمز سے استئناف کی بنا پر پہلے میں کسرہ مروی ہے اور دوسرے میں فتحہ مروی ہے یا تو مبتدا ہے یا مبتدا کی خبر ہے یا کتب کا معمول ہے، اور

جنہوں نے پہلے کو فتحہ دیا ہے وہ نافع ہے۔ اس نے الرحمۃ سے بدل بنایا ہے اور دوسرے سے نئی کلام سمجھی ہے، کیونکہ وہ فا کے بعد ہے، یہ قرأت واضح ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

''اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تا کہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ تفصیل سے مراد ایسا بیان ہے جس سے معانی ظاہر ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے اس سورت میں ایسے دلائل اور مشرکین کے خلاف حجت کو بیان کیا اسی طرح ہم تمہارے لیے آیات بیان کریں گے جب تمہیں دین کے معاملہ میں ضرورت پڑے گی ہم تمہارے لیے ہر حق کے بارے میں اپنے دلائل اور حجتیں پیش کریں گے اہل باطل جس کا انکار کریں گے۔ قتبی نے کہا: نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ مطلب ہے ہم ایک چیز کے بعد دوسری چیز لائیں گے ہم ایک دفعہ سارا قرآن نازل نہیں کریں گے۔ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ کہا جاتا ہے: یہ لام فعل کے متعلق ہے تو پھر وہ فعل کہاں ہے جس کے یہ متعلق ہے؟ کوفیوں نے کہا: وہ مقدر ہے یعنی وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لنبين لكم وَ لِتَسْتَبِيْنَ نحاس نے کہا: اس حذف کی کوئی ضرورت نہیں۔ تقدیر یہ ہے نُفَصِّلُ الآيات ولتستبين سبيل المجرمين فَصَّلْنَاهَا، بعض علماء نے فرمایا: واو کا داخل ہونا معنی پر عطف کے لیے ہے یعنی تا کہ حق ظاہر ہو جائے اور واضح ہو جائے یا اور تا کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ سَبِيْلُ کے لام پر رفع اور نصب پڑھے گئے ہیں۔ تا کی قرأت کی صورت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تا کہ آپ مجرموں کا راستہ واضح کر دیں۔ اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کو واضح کر چکے تھے؟ زجاج کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد امت ہے، معنی یہ ہے کہ تم مجرموں کا راستہ ظاہر کرو، مگر کہا جائے کہ سبیل المومنین ذکر کیوں نہیں کیا۔ اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ یہ اس طرح ہے سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) اس کا مطلب ہے وتقیکم البرد پھر اس کو حذف کیا گیا، اسی طرح یہ معنی بھی ہوگا وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُؤْمِنِيْنَ لیکن پھر اس کو حذف کیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: استبان الشئ واستنبته جب مجرموں کا راستہ ظاہر ہوا تو مومنین کا راستہ بھی ظاہر ہوا۔ السبیل کا لفظ مذکر اور مونث استعمال ہوتا ہے۔ تمیم مذکر اور اہل حجاز مونث استعمال کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ (الاعراف: 146) میں مذکر اور لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (آل عمران: 99) میں مونث استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ولتستبین کو یا اور تا کے ساتھ پڑھا گیا ہے تا کی صورت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا اور مراد آپ کی امت ہوگی۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

''آپ فرمایئے: مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا۔ آپ فرمایئے:

میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہو گیا میں اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بعض علماء نے فرمایا: تَدْعُوْنَ بمعنی تعبدون ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: عبادت کی جہت سے تم اپنے اہم امور میں جن کو پکارتے ہو، اس سے مراد بت ہیں۔

قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ تم ان اشیاء کی عبادت کا مطالبہ کرتے ہو اور جن کو تم دور کرنے کا ارادہ کرتے ہو میں تمہاری ان خواہشات کی اتباع نہیں کرتا۔ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا یعنی اگر میں تمہاری خواہشات کی اتباع کروں تو میں گمراہ ہو گیا۔ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ میں راہ راست پر نہیں ہوں۔ ضللت لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا: لام کے کسرہ کے ساتھ تمیم کی لغت ہے، یحییٰ بن وثاب اور طلحہ بن مصرف کی یہی قرأت ہے۔ پہلی قرأت اصح اور افصح ہے، کیونکہ وہ اہل حجاز کی لغت ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے۔ جوہری نے کہا: الضلال اور الضلالۃ، الرشاد (ہدایت) کی ضد ہیں۔ وقد ضَلَلْتُ أَضِلُّ استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ (سبا: 50) یہ نجدیوں کی لغت ہے یہ فصیح ہے۔ اہل العالیہ کہتے ہیں: ضللتِ کسرہ کے ساتھ۔ اَضَلّ

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝

''آپ فرمائیے: بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلا دیا تم نے اسے نہیں ہے میرے پاس جس کی تم جلدی مچا رہے ہو، نہیں ہے حکم (کسی کا) سوائے اللہ کے وہی بتاتا ہے حق اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ یعنی میں دلالت، یقین، حجت اور برہان پر ہوں۔ خواہش پر نہیں ہوں اسی سے البینۃ (گواہی) ہے جس سے حق واضح اور ظاہر ہوتا ہے۔

وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ تم نے اس بینۃ (دلیل) کو جھٹلایا، کیونکہ یہ بیان کے معنی میں ہے اس لیے ضمیر مذکر ذکر کی جیسے فرمایا: وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ (النساء: 8) یہاں بھی ضمیر مذکر ذکر کر دی جب کہ ظاہر مرجع مونث ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت اسی آیت کے تحت کر دی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ضمیر کا مرجع الرب ہے یعنی تم نے میرے رب کو جھٹلایا، کیونکہ اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بعض نے فرمایا: عذاب کی طرف راجع ہے۔ بعض نے کہا: قرآن کی طرف راجع ہے۔ اس آیت اور اس سے پہلے والی آیت کے معنی میں مصعب بن عبد اللہ بن زبیر نے اشعار کہے ہیں وہ ایک عمدہ اور نیک شاعر تھے:

أ أَ قعُد بعد ما رجعت عظامی　　وکان الموتُ أقربَ ما یَلِینِی

أُجادلُ کلَّ مُعْتَرِضٍ خَصِیم　　وأجعل دِینَه غَرَضًا لِدِینِی

فأ ترك ما علمتُ لرأی غیری　　ولیس الرأیُ کالعلم الیقین

وما أنا والخصومة وهی شی　　يُصَرَّفُ فی الشمال و فی اليمين

و قد سُنَّت لنا سنَنٌ قِوام　　يَلُحْنَ بكلِّ فَجٍّ أو وَجِين

وكان الحقُّ ليس به خفاءٌ　　أَغَرَّ كَغُرَّة الفَلَق المبينِ

وما عِوضٌ لنا مِنهاجُ جَهْمٍ　　بمنهاج أبنِ آمنة الآمين

فأمّا ما علمتُ فقد كَفَانِي　　وأمّا ما جهلتُ فجنّبونِي

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اس سے مراد عذاب ہے۔ وہ تکذیب میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے وہ استہزا نزول عذاب کا جلدی مطالبہ کرتے تھے جیسے انہوں نے کہا: اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (الاسراء:92) یا آپ گرادیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔

اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال:32) اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب میرے پاس وہ نشانیاں نہیں جن کا مطالبہ اور تجویز تم کرتے ہو۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عذاب کی تاخیر اور تعجیل کا فیصلہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بعض نے فرمایا: حق و باطل کے درمیان فاصل حکم اللہ کے لیے ہے۔ يَقُصُّ الْحَقَّ یعنی وہ سچے واقعات بیان کرتا ہے۔ جو علماء قرآن میں مجاز سے منع کرتے ہیں وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ نافع، ابن کثیر، عاصم، مجاہد، اعرج اور حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف:3) ہم بیان کرتے ہیں ایک بہترین قصہ۔ باقی قراء يَقْضِ الْحَقَّ ضاد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حضرت علی، ابوعبدالرحمٰن، سلمی اور سعید بن مسیب نے اسی طرح پڑھا ہے۔ مصحف میں بغیر یا کے لکھا گیا ہے اس پر وقف مناسب نہیں یہ قضا سے ہے اس پر دلیل بعد والی کلام وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ۝ ہے۔ فیصلہ، قضا میں ہوتا ہے نہ کہ قصص میں اس کی تائید اس لیے پہلے والی کلام اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ بھی کرتی ہے اور حضرت ابن مسعود کی قرأت بھی اس کو تقویت دیتی ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقْضِ الْحَقَّ۔ با کا دخول قضا کے معنی کو مؤکد کرتا ہے النحاس نے کہا: یہ لازم نہیں، کیونکہ یقضی کا معنی یاتی اور یصنع بھی ہوتا ہے معنی ہوسکتا ہے وہ حق لاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہو حق فیصلہ فرماتا ہے۔ مکی نے کہا: ضاد کی قرأت مجھے زیادہ پسند ہے کیونکہ حرمین اور عاصم کا اس پر اتفاق ہے۔ کیونکہ اگر یہ قضا سے ہوتا تو اس میں با لازم ہوتی جیسا کہ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے۔ نحاس نے کہا: یہ حجت لازم نہیں کیونکہ یہ باء اکثر حذف بھی کی جاتی ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ۝۵۸

''آپ فرمائیے: اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو (کبھی کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا اس بات کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اگر وہ میرے پاس ہوتا تو میں اسے تم پر نازل کر دیتا حتیٰ کہ معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا۔ الاستعمال کا مطلب ہے وقت سے پہلے کسی چیز کو جلدی طلب کرنا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ یعنی اللہ تعالیٰ مشرکوں کو اور ان کی سزا کے وقت کو خوب جانتا ہے۔

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمد وآله واصحابه اجمعین والعاقبة للمتقین

ابوالفدا حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

کی شہرۂ آفاق تفسیر کا جدید، سلیس، دلکش، دلآویز اردو ترجمہ

ادارہ ضیاء المصنفین کی زیر نگرانی

بھیرہ شریف

مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی ایک نئی کاوش

تفسیر ابن کثیر 4 جلد

زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز